UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222988
UNIVERSAL
LIBRARY

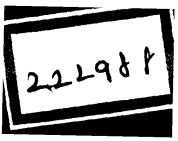
222984

اُردو

جلد ہفتم

حصۂ بست و پنجم

جنوری سنہ ۱۹۲۷ ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

پانچ ہزار کا گراں بہا عطیہ

ہز ایکسلنسی راجۂ راجا یان راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ
بہادر یمین السلطنتہ ' جی - سی - آئی - ای
صدر اعظم دولت آصفیہ

ایک صاحب علم اور صاحب ذوق امیر ہیں - آپ کی علمی سرپرستی اور ہنر پروری مشہور آفاق ہے - اُردو کے دلدادہ اور اس کے ادیب اور شاعر ہیں - حال میں ہز ایکسلنسی نے از راہ قدر دانی و نوازش جناب نواب مسعود جنگ بہادر کے توسط سے انجمن ترقی اُردو کو پانچ ہزار روپیہ سکۂ کلدار کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرمایا ہے - ہز ایکسلنسی کی اس فیاضانہ سرپرستی نے انجمن کے حق میں آب حیات کا کام کیا ہے - انجمن ہز ایکسلنسی کے اس احسان کی ہمیشہ ممنون رہے گی —

عبدالحق
سکریٹری انجمن ترقی اُردو

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تصنیفات شیخ فریدالدین عطار -	جناب حافظ محمود خانصاحب شیرانی پروفیسر اِسلامیہ کالج لاہور۔	۱
۲	مبادیات تیاتر	جناب مولوی نور اِلٰہی و محمد عمر صاحبان	۹۹
۳	نظر قاصد (نظم)	جناب مولوی سیدھاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن)	۱۴۳
۴	برسات اور تنہائی (نظم)	جناب مولوی محمدحسین صاحب محوی صدیقی	۱۴۵
۵	بادۂ کہن (مرزا جان جاناں مظہر و ٹھک چند بہار)	جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے ایڈیٹر	۱۵۱
۶	تبصرے	ایڈیٹر و دیگر حضرات	۱۵۵

تصنیفات شیخ فریدالدین عطار

از

[جناب حافظ محمود خاں صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور]

شیخ عطار کی تصنیفات کے متعلق عجیب و غریب بیانات دیے گئے ہیں، بعض نے ایک سو کتابوں کا اُن کو مالک مانا ہے۔ سب سے قدیم بیان جو ہے، جو "مفتاح الفتوح" تالیف سنہ ۶۸۸ھ میں ملتا ہے، وہو ھذا:—

خدا وندش نوشتہ صد مجلد ھمہ علمے کہ او داند مخلد

شیخ ضمیر شیخ کی طرف راجع ہے۔ "مظہر العجائب" میں بھی یہی تعداد بتائی گئی ہے، چنانچہ:—

ز بحر عام دارم صد کُتب من دریں بنہادہ ام اسرار لب من

لیکن دولت شاہ اور صاحب ہفت اقلیم نے صرف چالیس کتابیں اور رسالے اُن کی طرف منسوب کئے ہیں —

دولت شاہ نے شیخ کی مصنفات کے یہ نام دیے ہیں:—

(۱) تذکرۃ الاولیاء (۲) اسرار نامہ (۳) الٰہی نامہ (۴) مصیبت نامہ
(۵) اشتر نامہ (۶) مختار نامہ (۷) جوھر الذات (۸) وصیت نامہ
(۹) منطق الطیر (۱۰) بابل نامہ (۱۱) گل و ہ مز (۱۲) سیاہ نامہ
(۱۳) ہیلج نامہ (۱۴) اخوان الصفا (۱۵) حیدر نامہ —

صاحب هفت اقلیم نے ذیل کی فہرست دی ہے :—

(۱) الٰہی نامہ (۲) اسرار نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) وصلت نامہ
(۵) بلبل نامہ (۶) پندنامہ (۷) جواہر نامہ (۸) بےسر نامہ
(۹) خسرونامہ (۱۰) ولد نامہ (۱۱) حیدر نامہ (۱۲) اشتر نامہ
(۱۳) جوہرالذات (۱۴) مظہرالعجائب (۱۵) منطق‌الطیر (۱۶) گل و ہرمز
(۱۷) شرح‌القلب (۱۸) تذکرۃالاولیاء (۱۹) اخوان‌الصفا (۲۰) دیوان
(۲۱) لسان‌الغیب (اگرچہ فہرست میں نام شامل نہیں، لیکن انتخاب کلام دیا ہے)

قاضی نورالله شوستری کے ہاں یہ نام آتے ہیں :—

(۱) منطق‌الطیر (۲) الٰہی نامہ (۳) اسرار نامہ (۴) مظہرالعجائب

حاجی خلیفہ کے ہاں ذیل کی کتابیں ہیں :—

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ
(۵) تذکرۃالاولیا (۶) جوہرالذات (۷) حیدر نامہ (۸) خسرو نامہ
(۹) شتر نامہ (۱۰) منطق‌الطیر (۱۱) مصیبت نامہ (۱۲) مظہر العجائب
(۱۳) وصلت نامہ —

ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست کتب‌خانۂ اودھ میں یہ کتابیں مذکور ہیں :—

(۱) دیوان (۲) حقائق‌الجواہر، اس کا پہلا شعر ہے :—

اے خدائے سرّ ہر انساں توئی کاشف راز حقائق جاں توئی

(۳) بیسر نامہ (۴) مصیبت نامہ (۵) اسرارالشہود (۶) جوہرالذات
(۷) اشتر نامہ (۸) خسرو نامۂ کبیر (۹) خسرو نامۂ صغیر (۱۰) مظہرالعجائب
(۱۱) منطق‌الطیر (۱۲) بلبل نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) پند نامہ
(۱۵) خیاط نامہ (۱۶) کنزالحقائق (۱۷) ہفت وادی (۱۸) الٰہی نامہ
(۱۹) اسرار نامہ —

گیارھویں قرن ھجری کا ایک کلیات* کتب خانۂ بانکی پور میں ھے، جس میں حسب ذیل کتابیں ملتی ھیں :-

(۱) جوھرالذات (۲) مظھرالعجائب (۳) منطق الطیر (۴) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۵) مصیبت نامہ (۶) لسان الغیب (۷) خیاط نامہ (۸) مفتاح الفتوح (۹) کنزالحقائق (۱۰) ھفت وادی (۱۱) اشتر نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) دیوان

کلیات کے علاوہ اس کتب خانے میں یہ کتابیں اور ھیں:-

(۱۴) اسرار نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) بے سر نامہ (۱۷) وصلت نامہ۔

اسی کتب خانے کے فہرست نگار مولوی عبدالمقتدر صاحب نے ذیل کی فہرست علیحدہ دی ھے :-

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) جوھرالذات (۵) اشترنامہ (۶) مختار نامہ (۷) حیدر نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) سیاہ نامہ (۱۰) منطق الطیر (۱۱) گل و ھرمز (یا) خسرو نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) وصیت نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) اسرارالشھود (۱۷) گل و خسرو (۱۸) مظھرالعجائب (۱۹) خیاط نامہ (۲۰) کنزالحقائق (۲۱) ھفت وادی (۲۲) لسان الغیب (۲۳) مفتاح الفتوح (۲۴) منصور نامہ (۲۵) کنزالبحر —

انڈیا آفس لائبریری کے ایک کلیات نمبری ۱۰۳۱ میں مثنویات ذیل شامل ھیں: —

(۱) اشتر نامہ (۲) خسرو و گل (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ (۵) منطق الطیر (۶) ھفت وادی (۷) بے سر نامہ (۸) کنزالاسرار (۹) دیوان

---

* فہرست بانکی پور، نمبر ۴۹، صفحہ ۹۳ -

(۱۰) وصلت نامہ (۱۱) مفتاح الفتوح (۱۲) اسرار نامہ (۱۳) کنزالحقائق (۱۴) الٰہی نامہ (۱۵) مصیبت نامہ (۱۶) لسان الغیب (۱۷) جوہرالذات (۱۸) مظہرالعجائب —

اسی کتب خانے میں ایک ستۃ عطار* ہے، اس کی تاریخ کتابت سنہ ۸۰۷ ھجری و سنہ ۸۱۲ ھجری کے درمیان ہے اور مثنویات ذیل پر شامل ہے :-

(۱) اشتر نامہ (۲) اسرار نامہ (۳) خطبۂ الٰہی نامہ (۴) بلبل نامہ (۵) مصیبت نامہ (۶) وصلت نامہ—

پروفیسر سراج الدین (آذر) کے کلیات میں یہ کتابیں ہیں :-

(۱) جوہرالذات، برمتن (۲) دیوان بر حاشیہ (۳) مختار نامہ، حاشیہ (۴) دیباچۂ گل و ہرمز، اشاعت اول (حاشیہ) (۵) منطق الطیر، حاشیہ (۶) ہیلاج نامہ، متن (۷) اسرار نامہ، حاشیہ (۸) اشتر نامہ، متن (۹) الٰہی نامہ، حاشیہ (۱۰) مصیبت نامہ، متن (۱۱) وصلت نامہ، حاشیہ، خاتمے کے اشعار نقل ہونے سے رہ گئے ہیں (۱۲) گل و ہرمز، متن (۱۳) بلبل نامہ، حاشیہ (۱۴) نزہت الاحباب، حاشیہ (۱۵) مفتاح الفتوح، حاشیہ، صرف دو بیت منقول ہے—

عطار کے معارضہ کلیات میں یہ نسخہ سب سے قدیم ہے اور صحت کے اعتبار سے متوسط درجے کا ہے۔ اِس کی تاریخ کتابت سنہ ۸۵۷ ھجری ہے —

ستۂ عطار+ (ضمیمۂ فہرست کتب فارسیہ برٹش میوزیم لائبریری) سنہ ۸۸۹ ھجری کا نوشتہ ہے، اِس میں یہ کتابیں داخل ہیں :-

(۱) مختار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) منطق الطیر (۴) مصیبت نامہ (۵) اسرارنامہ (۶) وصلت نامہ —

سنہ ۱۲۸۹ ھجری میں نولکشور نے جو کلیات چھاپا ہے، اُس میں کتب ذیل

---

* فہرست انڈیا آفس نمبر ۱۰۳۴، صفحہ ۶۱۸ + نمبر ۲۳۶، صفحہ ۱۵۹ —

شامل ہیں :-

(۱) جوہر الذات، (جلد اول صفحہ ۲ - ۲۹۸، ایضاً جلد دوم، صفحہ ۳۰۰ - ۵۸۲)
(۲) ہیلاج نامہ، صفحہ ۵۸۴ - ۷۰۷ (۳) الٰہی نامہ، صفحہ ۶۷۷-۹۴۳ (۴) مختار نامہ صفحہ ۹۴۶-۱۰۴۷ (۵) منطق الطیر، صفحہ ۱۰۵۰-۱۰۶۵ (۶) بلبل نامہ، صفحہ ۱۱۶۸-۱۱۸۴ (۷) نزہت الاحباب، صفحہ ۱۱۸۶-۱۱۹۵ (۸) مفتاح الفتوح، صفحہ ۱۱۹۸-۱۲۲۱ (۹) بے سر نامہ، صفحہ ۱۲۲۴-۱۲۲۹ (۱۰) پند نامہ، صفحہ ۱۲۳۲-۱۲۵۷—

کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد کی فہرست میں عطار کی ایک اور تصنیف ملتی ہے، اُس کا نام 'آغاز عشق' ہے۔ مطبع مسیحائی نے ایک اور مثنوی موسوم بہ اسرار نامہ طبع کی ہے—

اس طرح عطار کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہوئی :—

(۱) آغاز عشق (۲) اسرارنامہ (۳) اسرار نامہ (طبع مسیحائی پریس) (۴) اشترنامہ (۵) اسرارالشہود (۶) اخوان الصفا (۷) الٰہی نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) بلبل نامہ (۱۰) پند نامہ (۱۱) تذکرۃ الاولیاء (۱۲) جوہرالذات (یا) جواہر نامہ (۱۳) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۱۴) حقائق الجواہر (۱۵) حیدر نامہ (۱۶) خسرو نامہ (یا) گل و ہرمز (۱۷) خیاط نامہ (۱۸) دیوان (۱۹) سیاہ نامہ (۲۰) شرح القلب (۲۱) کنزالاسرار (۲۲) کنزالبحر (۲۳) کنزالحقائق (۲۴) لسان الغیب (۲۵) منطق الطیر (۲۶) مصیبت نامہ (۲۷) مختار نامہ (۲۸) مظہر العجائب (۲۹) مفتاح الفتوح (۳۰) نزہت الاحباب (۳۱) وصیت نامہ (۳۲) وصلت نامہ (۳۳) ولد نامہ (۳۴) ہیلاج نامہ (۳۵) ہفت وادی—

مذکورۂ بالا مختلف فہرستوں سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ شیخ عطار کا کلام خود اُن کے اپنے زمانے میں مدون نہیں ہوا تھا۔ اُن کی وفات ایسے زمانے میں ہوئی جب کہ چنگیزی طوفان ایران کو زیر و زبر کر رہا تھا، اس لیے اس عہد میں بھی اِس کے جمع کیے جانے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ آٹھویں صدی کی کوئی چیز

کسی کتب خانے میں موجود نہیں۔ نویں صدی کی متعدد چیزیں ملتی ہیں' اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس عہد میں عطار کی تصنیفات اہل ذوق جمع کرنے لگے ہیں۔ اور چونکہ کوئی قدیم کلیات موجود نہیں ہے ' اس لیے اپنے اپنے مجموعوں میں مختلف مثنویات جمع کر رہے ہیں ' ر نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف مجموعوں میں مختلف چیزیں شامل ہوگئی ہیں۔ کلیات ایک طرف' مثنی ر سمجھے ایک دوسرے سے نہیں ملتے نہ اُن میں کسی ترتیب کا لحاظ ہے' جیسا اور شعرا کے کلیات میں دیکھا جاتا ہے۔ اِس انتشار اور ابتری کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ عطار کے کلیات میں دیگر شعرا کی تصنیفات سہواً شامل ہوگئیں' دوسرا یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے خاص خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر اپنی تصنیفات شیخ کے کلام میں شامل کردیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ایک سرسری نظر ایسی کتابوں پر ڈالی جائے۔ میرا تبصرہ اُنھیں کتابوں پر محدود ہوگا ' جو میری نظر سے گذر چکی ہیں —

(۱) آغاز عشق

کتب خانۂ آصفیہ' حیدرآباد ' دکن کی فہرست میں یہ کتاب درج ہے' جس کا نمبر ۱۵۵ ہے فہرست نگار نے اس کا نام "آغاز عشق" رکھا ہے۔ در حقیقت یہ کوئی نئی مثنوی نہیں ہے' بلکہ عطار کے خسرو نامہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ یہ ایک معما ہے کہ اِس کا نام 'آغاز عشق' کیوں رکھا گیا —

(۲) اسرار الشہود

ڈاکٹر اسپرنگر فہرست نگار* کتب خانۂ اردہ اور مولوی عبدالمقتدرخاں فہرست نگار† کتب خانۂ بانکی پور اور مطبع خادم التعلیم لاہور (جنھوں نے سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس کو طبع بھی کردیا ہے) عطار کی تصنیف بیان کرتے ہیں اور بعض قلمی نسخوں میں بھی عطار کی طرف منسوب ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ

---

* فہرست صفحہ ۳۵۰ † فہرست صفحہ ۶۴

شیخ شمس‌الدین محمدلاهجی اسیری نور بخشی شارح گلشن راز کی تصنیف ہے، جو سید محمد نور بخش کے مرید ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۸۴۲ھ کے گرد و پیش میں لکھی گئی ہے۔ مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۹ پر عقیدہ عنوان کے تحت میں مصنف اپنے پیر کی مدح شروع کرتا ہے جس میں اشعار ذیل آتے ہیں :—

آں محمد نام عیسیٰ مرتبت　　ملک معنی را سلیماں منزلت
آمدہ از غیب نامش نوربخش　　بود چوں خورشید بامش نوربخش

صفحہ ۱۰ پر ایک شعر میں اس کا تخلص اسیری موجود ہے :—

ہریکے در دور خود گشتہ جنید　　چوں (اسیری) دیدہ آزادی زقید*

صفحہ ۹۲ پر ایک حکایت میں مصنف اپنے بعض حالات دیتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جذبۂ عشق الٰہی اس پر غالب آجاتا ہے، ایک ابدال سے اپنے آئندہ پیر سید محمد نور بخش کا نام سن‌کر اصفہان سے روانہ ہوتا ہے :—

صبحدم پنہاں ز خویش و اقربا　　بہر طوف کعبۂ صدق و صفا
آمدم بیروں ز شہر اصفہاں　　یک تن تنہا پیادہ بہرآں
تا مبادا دشمناں پیخرد　　ما نعم آیند و کارم بد شرد

مصنف یہ سفر غرۂ ماہ رجب سنہ ۸۴۲ھ کو اختیار کرتا ہے —

سال تار بخش بود بے کیف و کم　　ہشتصد و چہل و دو بے بیش و کم

صفحہ ۹۴

سید محمد نور بخش بانی فرقۂ نور بخشیہ [سنہ ۷۹۵ھجری و ۸۶۹ ھجری] فاین میں ولادت پاتے ہیں اور خواجہ اسحٰق ختلانی کے مرید ہیں، جو سید علی ہمدانی کے مرید تھے۔ خواجہ نے آپ کو "نور بخش" کا خطاب عطا کیا، ختلان میں

---

*فرقۂ نور بخشی پر پروفیسر محمدشفیع ایم۔ اے نے ایک نہایت فاضلانہ مضمون اورنٹیل کالج میگزین (با بتہ سنہ ۱۹۲۵ع کے پہلے اور دوسرے نمبر میں لکھا ہے۔ مولف یہ شعر اسی مضمون سے حاصل کیا ہے —

ایک ہنگامے کے موقعے پر خلیفۃالمؤمنین بنادئےجانے پر شاہرخ پاشاہ نےآپ کو ہرات میں قید کردیا، سنہ ۸۲۶ ھجری میں آپنے بھاگ کر اِس قیدسے رہائي پائی اور ایک عرصے تک بغداد، بصرہ اور کردستان میں سیاحت کے بعد آپ نے گیلان میں سکونت اختیار کی اور شاہرخ کی وفات پر (رے) تشریف لے آے، جہاں تاحین وفات قیام پذیر رہے—

(۳) اسرار نامہ

یہ وہ اسرار نامہ نہیں ہے، جو عطار نے بحر ہزج مسدس میں لکھا ہے اور عام فہرستوں میں اُس کا افتتاحیہ ہے * —

بدم آں کہ جاں رانور دیں داد　　خردرا در خدادانی یقیں داد

بلکہ یہ اور اسرار نامہ ہے جو بحر رمل مسدس میں ہے، اس کے پہلے دو شعر ہیں :—

افتتاح نامہا از نام تو　　ہر دو عالم جرعۂ نوش از جام تو

آں خداوندے کہ در عرض وجود　　ہر زباں خود را بہ نقشے وانمود

اورخاتمے کا بیت ہے :—

دیدۂ حق بیں اگر بودے مرا　　او رخ از ہر ذرہ بنمودے مرا

یہ کُل آٹھہ صفحوں کا رسالہ ہے اور سنہ ۱۲۹۷ھ میں مطبع مسیحائی میں چھپ چکا ہے - اُستادانہ کلام ہے - مسائل تصوف کو مختصراً چھیڑا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے سوا کچھہ نہیں - ذرّات عالم اُس کے مرآت ہیں اور اُسی کے عشق میں مست ہیں- عجز و انکسار زاد راہ عشق ہے، طالب کو ہشت بہشت اور کونین سے کوئی سروکار نہیں- از روے معنی انسان جان عالم ہے، اور اُس کا دل لوح محفوظ ہے-

---

* پروفیسر آزر کے کلیات میں پہلے دو شعریوں ہیں :—

بنام آں کہ از خاک آدمی کرد　　ز کتلے و ز دودے آدمی کرد

جہاں دارے کہ جاں را نور دیں داد　　خرد را در خدا دانی یقیں داد

نور و ظلمات کا برزخ انسان ھی ھے اور انسان ھی مقصود عالم ھے۔انسان اگر اپنی حقیقت شناخت کرلے تو کائنات کی حقیقت معلوم کرسکتا ھے۔ دل جام جم اور عرش رحمانی ھے، عشق کیا ھے؟ یہی قطرے کا دریا بنا لینا ! —

عشق چبود قطرہ دریا ساختن از دو عالم باخدا پرداختن

شیخ عطار کے مقابلے میں اس کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ھوئی ھے۔ محض اھل مطبع کی شہادت پر اس کو عطار کا کلام نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ نہ وہ کسی کلیات میں شامل ھے اور نہ کوئی تذکرہ نگار اس کا ذکر کرتا۔علاوہ بریں حاجی خلیفہ غالباً اِسی مثنوی کو مولانا جلال الدین رومی کی طرف منسوب کرتا ھے۔ (کشف الظنون صفحہ ۹۵ جلد اول، طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری)—

۴) کنزالحقائق

اکثر تذکرہ نگار اس تصنیف کے متعلق خاموش ھیں۔نویں صدی کے کلیات میں شامل نہیں، لیکن دسویں اور گیارھویں قرن ھجری کے کلیات میں موجود ھے، چنانچہ ایتھے انڈیا آفس کی فہرست* میں اور ریو برٹش میوزیم کے ضمیمہ+ فہرست کتب فارسی میں اور مولوي عبدالمقتدر خاں بانکی پور کی فہرست میں‡ اس کو عطار کی تصنیف مانتے ھیں اور شعر ذیل افتتاحی بیان کرتے ھیں:-

بنام آنکہ جاں را نور دیں داد خرد را در خدا دانی یقیں داد

لیکن یہ شعر اسرار نامۂ عطار کا افتتاحیہ ھے۔ڈاکٹر اسپرنگر نے کتب خانۂ اودھ کی فہرست⊕ میں اور آئیو نات نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست△ میں بیت ذیل افتتاحی لکھا ھے :-

بنام آنکہ اول کرد و آخر بنام آنکہ باطن کرد و ظاھر

---

* صفحہ ۶۱۵، نمبر ۱۰۳۱۔ + نمبر ۲۳۵، صفحہ ۱۵۹۔

‡ صفحہ ۶۸۔ ⊕صفحہ ۳۵۶۔ △صفحہ ۲۱۲، نمبر ۴۷۷۔

کنزالحقائق کا میرے پاس بھی ایک نسخہ ہے' جس کا پہلا شعر اسپرنگر اور آئیوفات کے نقل کردہ شعر کے مطابق ہے - فہرست نگاروں نے اسی کتاب کا ایک اور شعر نقل کیا ہے یعنے :-

چو گفتم اندر و چندیں دقائق　　نہادم نام او کنزالحقائق

یہ شعر خفیف سے اختلاف کے ساتھ میرے نسخے میں موجود ہے - پہلے مصرع میں 'اندرو' کی بجائے 'اندریں' اور دوسرے میں' 'نام او' کی جگہ 'نام وے' ہے —

اِس مثنوی میں حمد و نعت کے بعد حضرت علی کی منقبت علیحدہ عنوان سے چلتی ہے - "سبب نظم کتاب" میں شاعر کہتا ہے کہ: میرے چند دوستوں نے اسرار طاعت کے متعلق مجھ سے سوالات کئے' میں نے اُن کی فہم کے مطابق جوابات کو نظم کر دیا اور اُس کا نام کنزالحقائق رکھ دیا ہے - میرا مقصد نظم کہنے سے اظہار لیاقت نہیں ہے - چھہ ماہ کے عرصے میں' جب کہ سنہ ۷۰۹ ھجری تھا' یہ کتاب ختم ہوئی —

مرا مقصد ازیں جز معرفت نیست　　خدادانند کہ اظہار صفت نیست

ز ہجرت ہفصد و نہ شد' نہادم　　اساسش را بشش مہ نظم دادم

اِس مثنوی کے بعض زیر بحث عنوان یہ ہیں :-

تحقیق ایمان و اسلام - شہادت - طہارت - صلوٰۃ - زکوٰۃ - روزہ - حج - جہاد نفس - شیطان - عشق - دنیا - بہشت و دوزخ - جان - عیسیٰ و دجّال - شناخت و تحقیق - عہد مہدی - آب حیواں - صراط وغیرہ —

نسخۂ ہذا' نہر والہ گجرات میں سنہ ۱۰۲۸ ہجری میں نقل ہوا تھا' جیسا کہ ورق اول کے صفحۂ الف کے ایک فقرے سے معلوم ہوتا ہے - اس کے مصنف کا نام اسی صفحے میں عبارت ذیل میں یوں لکھا ہے :—

"کنزالحقائق پہلوان محمود بن پوریائے ولی"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا نام پہلوان محمود ہے - عبارت منقولۂ بالا

کا راقم خواہ محب‌الله ہو، جس کی مہر پاس ہی لگی ہوئی ہے یا کوئی اور شخص، مگر اِس میں شک نہیں کہ وہ مصنف کی شخصیت سے بخوبی واقف تھا، کیوں کہ اُس مثنوی کے ساتھ ہی مثنوی "گُلشن راز" اسی کاتب کے قلم کی لکھی ہوئی ملحق ہے۔ اس پر محب‌الله نے صاف لکھا ہے "گُلشن راز من محمود چہستری در سنہ ۷۱۷ھ ایں در نظم سفتہ" با وجودیکہ دونوں مثنویوں میں مصنفین کا نام 'محمود' عام ہے اور دونوں اُسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن وہ مغالطہ نہیں کرتا، پہلے کو پہلوان محمود کہتا ہے اور دوسرے کو محمود چہستری —

کنزالحقائق کے متن کی شہادت بھی محب‌الله کے بیان کی مؤید ہے، مصنف نے ایک سے زیادہ موقعے پر اپنا نام محمود دیا ہے - مثلاً حمد کے خاتمے کا یہ شعر :—

خدا وندا بحق نیک مرداں کہ مارا عاقبت محمود گرداں

تحقیق صلوٰۃ کے ذیل میں یہ بیت آتی ہے :—

برو جان پدر بشنو ز محمود کزیں جز حقیقت نیست مقصود

اور زکوٰۃ کے ذکر میں :—

بیاموز ارندانی ایں طریقت زمحمود (از) زکوٰۃ (دیں) حقیقت

اور بہشت و دوزخ کے بیان میں :—

بہشت و دوزخت ... کہ مقصود کہ بشناسی بمعنی گفت محمود

یہ بھی یاد رہے کہ حاجی خلیفہ کے ہاں بھی یہ کتاب پہلوان محمود خوارزمی کی تصنیف بتائی گئی ہے (کشف الظنون جلد اول صفحہ ۳۳۳ طبع مصر)

فرہنگ آنندراج میں انجمن آرائے ناصری کے حوالے سے لفظ "لت" کی تشریح میں اسی شاعر کی ایک رباعی درج ہے، یہاں اُس کو پہلوان محمود مشہور بہ پوریائے ولی خوار زمی لکھا ہے، رباعی :—

آنیم کہ پیل برفتا بد لت ما برچرخ زنند نوبت شوکت ما

گر در صف مامور چۂ گیرد جاے آں مورچہ شیر گردد از دولت ما

(جلد سوم صفحہ ۹۱)

مذکورۂ بالا وجوہ کی بنا پر اس کتاب کو عطار* کی تصنیف نہیں مانا جاسکتا

(۵) مفتاح الفتوح

اکثر کلیات میں موجود ہے اور تمام فہرست نگار عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی دیباچۂ تذکرۃ الاولیاے عطار، طبع یورپ میں، انڈیا آفس کے ایک نسخے سے جس کا نمبر سہواً ۵۵۹، دیتے ہیں، اشعار ذیل نقل کرکے بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی زنجانی کی تصنیف ہے :—

بسال ششصدو ہشتادو ہو چار شہور سال را بد آخر کار+

ز ذوالحجہ گزشتہ بد دہ وپنج کہ مدفوں کردہ اندر دفترایں گنج

(صفحہ یو)

"مفتاح الفتوح" در اصل غزلیات کے ایک مجموعہ کا نام ہے، جس کو زنجانی مذکور نے ایک منظوم دیباچے اور اُس تعلی کے ساتھ کہ وہ شیخ عطار کے روحانی فیضان اور اُنھیں کے طرز میں لکھہ رہا ہے، شایع کیا ہے - اس کا دعوی ہے کہ " شیخ نے خواب میں آکر مجھکو اِس تصنیف کا حکم دیا ہے " لیکن راقم اس قدر بد عقیدہ واقع ہوا ہے کہ اس ادعائی فیضان میں سرقے کا پہلو دیکھتا ہے، بات یہ ہے کہ اس زنجانی نے ایک منظوم دیباچہ لکھہ کر شیخ عطار کی چونسٹھہ غزلیات پر قبضہ کرلیا ہے، کیوں کہ مفتاح الفتوح کی جس قدر غزلیات ہیں، دیوان

---

* والۂ داغستانی "ریاض الشعرا" میں پہلوان محمود کے متعلق بیان کرتا ہے کہ: اُن کا تخلص قتالی ہے، پدر محترم کی تقلید میں کشتی گیری کو اپنا پیشہ بنالیا- ریاضت جسمانی کے ساتھہ ساتھہ ریاضت روحانی میں بھی سبکے سر کردہ اور ولی کامل تھے - اصل میں اوز کنج سے تعلق رکھتے ہیں - مثنوی کنزالحقائق سنہ ۷۰۳ ھ میں تصنیف کی، سنہ ۷۲۲ھ میں انتقال کیا اور خیوق خوارزم میں مدفون ہیں —

+ پروفیسر آذر اور نول کشور کے کلیات میں یہ اشعار نہیں ملتے —

عطار سے اُڑائی گئی ہیں اور دلاوری یہ کی ہے کہ عطار کا تخلص تک بحال رہنے دیا ہے، ساتھ ہی پردہ دری کے خوف سے یہ ہدایت کردی ہے کہ کتاب کو اغیار کی نگاہ سے دور رکھنا :—

وصیت کردم اے یاریگانہ کہ از ناساز پوشی ایں ترانہ

وہ اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "میںنے ایک شب ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا، اُنھوں نے فرمایا کہ تم اپنےدوستوں کے لئے ایک رسالہ نظم کردو اور اُس کا نام مفتاح‌الفتوح رکھہ دو" :—

مرا گفتا چو بر خیزی تو از خواب کتابے جمع کن از بحر احباب
سخن کو اندرو روشن بہ برہاں تو مفتاح ا لفتوحش نام گرداں
(کلیات صفحہ ۱۲۰۰، نولکشور)

جب میں بیدار ہوا تو کاغذ، قلم، دوات لیکر لکھنے بیٹھا، لیکن کچھہ نہ لکھہ سکا - اِس کوشش میں دو ہفتے گزر گئے اور میںنے اپنے آپ کو اس کام کے بالکل نا قابل پایا - بھلا کہاں میں اور کہاں یہ قیل و قال، اور نہ میری یہ مجال کہ بغیر اجازت کے کوئی کام کروں، اس لئے مناسب ہے کہ اس کوشش سے دست بردار ہوجاؤں - آں حضرت * نے سو مجلدات ہر علم پر لکھے ہیں، نہ اُنھوں نے کسی سے پڑھا اور نہ کسی سے تعلیم پائی، جو کچھہ لکھا الہام خداوندی سے لکھا ...

نکردم بے اجازت کار ہرگز نگویم ایں سخن زنہار ہرگز
خداوندش نوشتہ صد مجلّد ہمہ علمے کہ او ماند مخلّد
نہ ہرکس خواندہ، نے از کس شنیدہ بالہام از خدا بروے رسیدہ
(ایضاً صفحہ ۱۲۰۰)

---

* ں حضرت سے مراد شیخ عطار ہیں، گویا انہیں کے ارشاد اور فرمان سے کتاب مفتاح‌الفتوح تالیف ہوئی ہے —

میں اس فکر میں رہا کہ دیکھئے غیب سے کیا اطلاع دی جاتی ہے۔ آخر ایک روز مجھ پر حالت طاری ہوئی، اس بیخودی کے عالم میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں: "اے مسکین تو آرایش لفظ و عبارت کے درپے نہ ہو اور معانی کو ضروری سمجھ کر اُنھیں کی تقریر پر اکتفا کر" ۔

دریں اندیشہ بودم گاہ و بیگاہ — کہ تا خود چوں کُنند از غیبم آگاہ
بخود بودم فرو رفتہ یکے روز — بدم در سینۂ تاب و جگر سوز
در آں دم حالتے دیدم نہانی — کہ شد بر خاطرم کشف معانی
در آں حیرانی و حیرت کہ بودم — بسمع دل ازاں حضرت شنودم
کہ اے مسکیں نگہدار ایں اشارت — مدہ آرایش لفظ و عبارت
تو تقریر معانی کن دریں کار — بجان و دل معانی دوست میدار

(ایضاً صفحہ ۱۲۰۱)

اب میں جان و دل سے اُن کے ارشاد کا پابند ہوگیا اور جو کچھ لکھتا ہوں، انہی کے فیضان میں لکھتا ہوں اور میں تو محض بیگانہ ہوں۔ شعر گوئی اُن کے طرز کے بغیر نہ صرف بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ اب چونکہ آنحضرت نے اجازت دے دی ہے، میں بڑی تیزی کے ساتھ شعر لکھ سکتا ہوں اور میری طبیعت سے اعلیٰ شعر ڈھلنے لگے ہیں:—

بجاں گفتم شدم مفتاد رایش — سرم بادا فدائے خاک پایش
سخن ز آنجاست اے مردیگانہ — بہانہ داں مرا اندر میانہ
سخن بے طرز او بے ساز آید — اگر گوئی بکارے باز نآید
اجازت چونکہ شد زآنحضرت پاک — ہمی گویم سخن گستاخ و چالاک
چو زانحضرت اجازت شد چہ باکم — نکو آید سخن از طبع پاکم

(کلیات صفحہ ۱۲۰۱، طبع نولکشور)

اس دیباچہ کے بعد غزلیات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کی تمام غزلیں

دیوان عطار سے لی گئی ھیں۔ تعجب ھے کہ یہ مقدس سرقہ اب تک طشت از بام نہیں ھوا ۔

(۲) وصلت نامہ

اس کے کئی نسخے ڈویں قرن کے لکھے ھوے آج بھی موجود ھیں، معلومہ نسخوں میں سب سے قدیم وہ ھے، جو انڈیا آفس* کے کتب خانے میں ھے۔ اس کی تاریخ کتابت سنہ ۸۱۲ ھجری ھے۔ فہرست نگار عطار کا تسلیم کرسکتے ھیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ایک مقام پر شیخ عطار† کا بیان کیا ھے، دوسرے موقعے پر شیخ بہلول‡ کا لکھاھے۔ ڈولکشور نے مثنوی حضرت شیخ بہلول کے نام سے اس کو چھاپ بھی دیا ھے۔ اور سنہ ۱۲۹۷ ھجری میں بار دوم طبع کیا ھے۔ ابتدائی شعر ھے:۔

ابتدا اول بنام کردگار خالق ھفت و شش و پنج و چہار

شیخ لقمان سرخسی اس کتاب کی مرکزی شخصیت ھیں، جن کو بایزید، جینید اور منصور سے مقدم مانا گیا ھے۔ گویا ایک طرف وہ بایزید اور امام جعفر صادق متوفی سنہ ۱۴۹ ھجری کے، اور دوسری طرف شیخ ابو سعید ابوالخیر متوفی سنہ ۴۴۰ ھجری کے ھم عصر مانے گئے ھیں اور اُن کی عمر ۱۷۳ سال بتائی گئی ھے:۔

شیخ لقمان آن زماں با بایزید بود باقی تا بدور بو سعید
عمر او صد بود و ھفتاد و سہ سال دائما درقرب بود و در وصال

(مثنوی بہلول صفحہ ۲۲ نولکشور)

اس کتاب کے خاص مضامین یہ ھیں :- حمد و نعت، تخلیق آدم، حکایت بلال، حکایت از روے رموز، حکایت سلطان محمود (سلطان ایک ویرانہ میں جاتا ھے وھاں ایک دیوانہ رھتا ھے۔ معلوم ھوا کہ شیخ لقمان سرخسی ھیں۔ جو حسین سے

---

* فہرست صفحہ ۶۱۸، نمبر ۱۰۳۴ † فہرست کتب خانۂ اودھ صفحہ ۳۵۵،
‡ ایضاً صفحہ ۳۷۰ ۔

ملنے آے تھے' اُس نے اناالحق آشکارا کہا تھا۔ جب لقمان پہنچے' وہ مرچکا تھا اور فرشتے اُس کو غسل دے رہے تھے اور نماز جنازہ کے بعد ایک سبز صندوق میں رکھہ کر آسمان کی طرف لے گئے' وغیرہ وغیرہ)' حکایت بہلول در بغداد' حکایت آوردن بایزید پوستین امام جعفر صادق (امام جعفر شیخ بایزید کے ہاتھہ اپنا پوستین لقمان سرخسی کے لیے بھیجتے ہیں) حکایت منصور (منصور نامہ والی حکایت ہے' اور آئندہ اوراق میں مذکور ہے) حکایت فتح سومنات (جب محمود نے ایک لاکھہ فوج کے ساتھہ سومنات پر حملہ کیا' مشرک قلعہ بند ہوکر لڑے اور سنگ باری سے سلطانی فوجوں کا بیحد نقصان کیا۔ محاصرہ چھہ ماہ تک قائم رہا' لیکن غنچۂ مقصود نہ کھلا۔ ایک دن سلطان نے جذب الٰہی میں دعا کی۔ اُسی حالت میں اُس پر بے خودی طاری ہوگئی' عالم رویا میں دیکھتا ہے کہ ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لاے ہیں' ایک خشت اُن کے ہاتھہ میں ہے۔ وہ خشت اُنھوں نے قلعہ کی دیوار پر کھینچ ماری جس سے دیوار ٹوٹ گئی' اتنے میں شاہی لشکر میں ایک شور مچ گیا۔ سلطان کی آنکھہ اِس شور سے کھل گئی' ایاز خاص نے آکر دیوار ٹوٹنے کی مبارک باد دی' اور کہنے لگا کہ غیب سے ایک خشت آکر ایسی لگی کہ دیوار ٹوٹ گئی۔ سلطان نے فرمایا: وہ خشت میرے پاس لاؤ۔ جب لائی گئی تو دیکھا کہ اس پر حضرت لقمان سرخسی کا نام کندہ تھا۔ سلطان شکریے میں شیخ سے ملنے جاتا ہے' لقمان محمود سے پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مجھہ سے ڈھائی سو برس بعد شیخ محمد پیدا ہوں گے)' حکایت شیخ محمد مذکور و سرید او ابو بکر' حکایت برفاے ظریف' حکایت بوذر و صحابی' منزل خوف و رجا' حکایت یحییٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام' منزل انس و ہیبت' حکایت بایزید و سائل' منزل انس و جلیس' حکایت درویش مسافر و ابو سعید' منزل جمال با جلال' حکایت لقمان و پیر بخارا' در مناجات و ختم کتاب—

وصلت نامہ کے اُن بعض بیانات سے جن کو اوپر درج کر آیا ہوں'

واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ' کیونکہ اس میں خوارق کی ایسی فضا پیدا کر دی گئی ہے ' جو عطار کی طبعیت کے بالکل نا موافق ہے ' اس کے اکثر بیانات افسانوی حیثیت رکھتے ہیں اور تذکرۃ الاولیاے عطار کے بیانات کے خلاف ہیں - مثلاً شیخ لقمان سرخسی کو جو وجاہت یہاں دی گئی ہے'وہ تمام روایات کے خلاف ہے - شیخ عطار نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے حالات میں اُن کے متعلق اِس قدر لکھا ہے کہ " وہ عقلاے مجانین میں سے تھے - ایک روز پوستین کے پیوند لگا رہے تھے کہ شیخ ابوسعید (جو ابھی طالب علم تھے) آنکلے ' لقمان نے کچھہ نجاست اُن پر پھینک دی ' اُنھوں نے خوشی سے اس کو برداشت کر لیا - اِس پر لقمان نے کہا : لڑکے! میں تجھے اِس پوستین کے ساتھہ سی دوں؟ - ابوسعید نے جواب دیا : آپ کی خوشی - پھر کچھہ ٹانکے بھر کر بولے : ابوسعید! میںنے تجھے سی دیا ہے - اب لقمان اُٹھے اور ابوسعید کا ہاتھہ پکڑ کر لے چلے - راستے میں پیر ابوالفضل حسن ملے ' کہنے لگے : اے ابوسعید تمھارا راستہ ادھر نہیں ہے - اِس پر لقمان ابوسعید کا ہاتھہ اُن کے ہاتھہ میں دیکر چلتے بنے" (تذکرۃ الاولیاے عطار' صفحہ ۳۲۴ ' جلد دوم)

امام جعفر صادق کا بایزید کے ہاتھہ شیخ لقمان کے لئے پوستین بھیجنا تاریخی لحاظ سے نا ممکن ہے - جعفر صادق اور شیخ لقمان کے زمانوں میں جو فرق ہے ' ظاہر ہے - نہ لقمان کی درازی عمر کے متعلق کوئی روایت موجود ہے - رہا فتح سومنات کا واقعہ' اس کے متعلق شیخ عطار اپنے تذکرے میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ : فتح سومنات شیخ ابو الحسن خرقانی کے خرقے کی برکت سے حاصل ہوئی تھی ' جو شیخ نے بر وقت ملاقات سلطان کو دیا تھا ' اُن کے الفاظ ہیں : —

" پس سلطان برفت بغزا ' درآں وقت بسومنات شد ' بیم آں افتاد کہ شکستہ خواھد شد - نا گاہ از اسپ فرود آمد و بگوشۂ شد وروے بر خاک نہاد و آں پیرا ھن شیخرا بردست گرفت و گفت الہی بحق آبروے خداوندایں خرقہ کہ مارا

بریں کفار ظفردھی کہ ھرچہ از غنیمت بگیرم بدرویشاں دھم - ناگاہ از جانب کفار غبارے و ظلمتے پدید آمد ' تاھمہ تیغ دریکدیگرنہادند وہی کشتند و متفرق می شدند تاکہ لشکر اسلام ظفر یافت - و آں شب محمود بخواب دید کہ شیخ می گفت آبروے خرقۂ ما بردی بردرگاہ حق ' اگر دراں ساعت درخواستی جملۂ کفار را اسلام روزی کردے " —

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۰۹ - ۲۱۰ جلد دوم مرتبۂ نکلسن)

اِس بیان کی تائید تاریخ فرشتہ و تاریخ بناکتی وغیرہ سے ھوتی ھے - اب شیخ عطار وصلت نامے میں (اگر وہ اِس کے مصنف ھیں) اسی واقعہ کو غیر ذمہ دارانہ طریقے پر لقمان سرخسی کی طرف منسوب نہیں کرسکتے —

پیر بخارا کی حکایت بھی اِسی قسم کے خوارق سے لبریز ھے - پیر یہ معلوم کر کے کہ شیخ لقمان سرخسی نماز نہیں پڑھا کرتے ' اُن کی ھدایت کے لئے بخارا سے روانہ ھوتے ھیں ' مگر اِس شان کے ساتھہ کہ مع اپنے مریدوں کے شیروں پر سوار ھیں اور کوڑوں کی بجاے ھاتھوں میں سانپ ھیں - لقمان نے جب از روے کشف معلوم کیا کہ پیر بخارا اس تجمّل کے ساتھہ اُن کی ھدایت کے لئے آتے ھیں تو یہ بھی ایک دیوار پر بیٹھہ کر اُن کے استقبال کو روانہ ھوے - میں کہتا ھوں کیا یہ خرافات عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی ھے - یہ افسانے ایسے عہد کی یادگار ھیں جب کہ دنیا میں انقلاب مغول کے بعد اوھام پرستی اور خوھ عقیدگی کی لہر دوڑ گئی ھے ' پاک باز اور فرشتہ صفات صوفیوں کی جگہ اوباش اور عیّار لے لیتے ھیں اور بزرگوں کی کرامات و خوارق کی تشہیر سے اپنی دکان فروشی کرتے ھیں - لقمان سرخسی کی شعبدہ بازیوں کی نمایش سے جو ھم " وصلت نامہ " میں پڑھتے ھیں ' عطار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا - یہ قصے صرف لقمان کی قبر کے مجاور کو فائدہ پہنچا سکتے ھیں —

وصلت نامہ کے مختلف اشعار سے ثابت ھوتا ھے کہ اس کے مصنف شیخ بہلول ھیں ' چنانچہ :

نام او کردم بوصلت نامه من　　ز آنکه وصلت دیده ام از خویشتن
هر که میخواهد که او واصل شود　　درد بهلولش همه حاصل شود

(مثنوی حضرت شیخ بهلول صفحه ۳ ، طبع نولکشور سنه ۱۲۹۷ ھ)

گفتهٔ بهلول از جانان بود　　هرچه گوید آیت و برهان بود
گفتهٔ بهلول را توحید دان　　دائمش در ترک و در تجرید دان

(ایضاً صفحه ۲۹)

هست بهلول از قدم تاسر گناه　　رحمتت کرده است پیشیں رهنما (کذا)
محو گردان اے خدا بهلول را　　وارهان از خویشتن این گول را

(ایضاً صفحه ۳۰)

بلکه شیخ بهلول نے ایک مقام پر شیخ عطار کی منطق الطیر سے ایک شعر بھی نقل کردیا ھے اور حوالہ بھی دے دیا ھے ، کہتے ھیں : —

آنچنانکه گفت عطّار امیں　　در کتابِ منطق الطیر از یقیں
سایه در خور شید گم گردد مدام　　خود همه خور شید گردد والسلام

(ایضاً صفحه ۲۹)

یہ حوالہ پروفیسر آذر کے کلیات (نوشتهٔ سنه ۸۵۷ ھ) میں موجود ھے - صرف اِس قدر فرق ھے کہ شعر عطار میں 'گردد' کی بجاے ' بینی ' ھے - کلیات عطار ، طبع نول کشور (صفحه ۱۰۷ منطق الطیر) میں بھی ملتا ھے - لہذا میں اِس شہادت ، نیز انداز کلام و بیان کی بنا پر (جو عطار سے بالکل مختلف ھے) وصلت نامه کو شیخ بهلول کی تصنیف مانتا ہوں - یہ بھی واضح رہے کہ وصلت نامے کے بعض جدید نسخوں میں ایک دو شعر ایسے بھی ملے ھیں، جن میں عطار کا تخلص موجود ھے ، مثلاً پروفیسر آذر کے وصلت نامه مشمولهٔ کلیات (سنه ۸۵۷ ھ) اور مثنوی شیخ بهلول (نولکشور) میں ایک شعر ھے : —

درد آمد رهبر راه عیاں عاشق بیدرد کے باشد رواں

(صفحہ ۲۶)

گیارھویں صدی کے ایک قلمی نسخے میں اِس کو یوں بدل دیا ھے : —

درد آمد بردر راہ عیاں عاشقست عطار بیشک در جہاں

لیکن یہ ایک بے باکانہ تقلیب ھے اور ھمیں عطار کے تخلص کی موجود گی سے مرعوب نہیں ھونا چاھیے - عطار کے نام پر وصلت نامے کے انتساب کی غلطی نویں صدی ھجری سے پیشتر واقع ھوی ھے - اُس وقت سے اب تک یہ مثنوی شیخ ھی کی مانی جاتی ھے اور یہ بات کاتبوں کے ذھن میں ھمیشہ موجود رھی ھے' اس لئے تعجب نہیں اگر کسی دل چلے کاتب نے اس پر عطار کے نام کی مُہر لگانی چاھی ھو - خوش قسمتی سے پروفیسر آذر کا وصلت نامہ ایسی تقلیب سے پاک ھے اگرچہ "گفتۂ بہلول از جاناں بود" الخ' اور اس کے ھم ردیف شعر میں غلطی سے بہلول کی بجاے عطار لکھا گیا ھے' لیکن صاف معلوم ھوتا ھے کہ وہ سہو ھے —

رھے شیخ بہلول * مجھکو افسوس ھے کہ میں سر دست اُن کا سراغ نہیں لگا سکتا

---

* میں یہ مضمون (تصنیفات عطار) ختم کرچکا تھا کہ پروفیسر آذر نے ایشیا تک سوسائٹی بنگال کی فہرست " مجموعۂ کرزن " مرتبۂ ڈبلیو آئیو ناف جو اسی سال چھپی ھے' نہایت مہر بانی کرکے میرے پاس بھیجدی - فہرست مذکور میں (صفحہ ۱۶۴) ایک وصلت نامہ نمبر ۲۰۶ ' نوشتۂ سنہ ۱۰۶۶ ھجری کا مذکور آتا ھے' اُس کے خاتمے پر مصنف کا نام شیخ الشیوخ شیخ بہلول مرقوم ھے —

فہرست نگار کا بیان ھے کہ (۱) خاتمہ کے علاوہ متن میں کئی موقعوں پر بہلول تخلص ملتا ھے (۲) ایسے اشعار کی جگہ جن میں عطار کا تخلص آتا ھے ' خالی چھوڑدی گئی ھے (۳) وصلت نامہ کے اڑتالیسویں شعر : —

عاشقا این دم در آور سرجاں' تابیابی سر عشق لا مکاں '

کو اکتالیسویں شعر بنادیا گیا ھے (۴) دیباچے کے آخری شعر :—

گفت وصلت نامہ را عطار پیر ختم گرداں یا الہی دستگیر'

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

وہ کوئی غیر معروف شخص معلوم ہوتے ہیں - (ریو) نے ایک دیوان اور رصات نامہ اُن کی طرف منسوب کرتے ہوئے فہرست برٹش میوزیم میں لکھا ہے کہ اُن کا انتقال

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۲۰)

دو بالکل آزادیا ہے اور (۵) اس کے مقابل شعر کے مصرع :-

درد پہلو یش ہمہ حاصل شود '

کو تقلیب کر کے مصرع:

درد بہلولش مگر حاصل شود

میں تبدیل کردیا گیا ہے (۶) مختصر یہ ہے کہ شیخ بہلول نہایت چالاک سارق ہے' لیکن اُس کی دلاوری اِن اشعار میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے : -

آں چناں نم گفت عطار امیں — در کتاب منطق از نور یقیں
سایہ در خورشید گم گردد مدام — خود ہمہ خورشید گردد والسلام
قطرہ اندر بحر دریا اوفتد — در در خورشید والا اوفتد

یہ مصرع اصل میں یوں ہے : - "ذرہ بر خورشید والا اوفتد"

(محمود شبستانی)

گفتۂ عطار خود از مغز بود — لیک اندر صد لباس لغز بود
گفتۂ بہلول از جاناں بود — ہرچہ گوید آیت برہاں بود
گفتۂ بہلول را توحید داں — دائماً در ترک و در تجرید داں

(۷) مثنوی ہذا بالخصوص حلّاج کے افسانے سے تعلق رکھتی ہے —

میں ان بیانات کے پڑھنے کے بعد بھی (جن کے ذکر کرنے میں تقدیم و تاخیر کا گنہگار ہوں) اپنے قدیمی نظریہ پر قایم ہوں اور اب بھی مصرعوں کہ مثنوی ہذا عطار کے شایان شان نہیں' نہ وہ اُن کے انداز میں مرقوم ہوی ہے - اُس کی اکثر حکایات افسانوی نوعیت کی ہیں' جن کا عطار کے قلم سے نکلنا دشوار ہے - نمبر (۴) میں جو شعر درج ہے الحاقی ہے' نہ کلیات آذر میں موجود ہے' نہ نولکشور کی مثنوی میں - اُس کی زبان کی خامی میرے بیان کے بغور ظاہر ہے - نمبر (۵) میں مصرع کو " درد پہلو یش ہمہ حاصل شود ' پڑھنا شعر کو مہمل بنادینا ہے (۶) شیخ بہلول کے خلاف سرقہ کا الزام بے حقیقت ہے' بلکہ میں یہ کہونگا کہ ایسی خام اور سقیم نظم کا عطار کی طرف منسوب ہونا سخت ظلم ہے - (۷) کتاب میں منصور کی صرف ایک حکایت ہے ' زیادہ حکایات شیخ لقمان کی ہیں - پوری فہرست مضامین گزشتہ سطور میں آچکی ہے —

سنہ ۹۷۰ ھجری سے پیشتر ہوا ہے۔ (ریو) کے ذہن میں غالباً شیخ بہلول دریائی ہیں، جو شاہ حسین خاں مشہور بہ لال حسین کے پیر تھے۔ شیخ محمود المعروف بہ محمد پیر نے اپنی مثنوی "حقیقت الفقرا" میں جو شاہ حسین کے حالات و کرامات میں ہے، لکھا ہے کہ شیخ بہلول شاعر بھی تھے اور مثنوی "آداب فقر" اُن کی یادگار ہے —

نظم آداب فقر زوست میاں ہمچو آیات مصحف از عثماں

لیکن اُن کا انتقال سنہ ۹۸۳ ھ میں ہوتا ہے:—

چوں شداو واصل خدائے احد بود ہشتاد و سہ دگر نہصد

اسی صدی میں ایک اور بہلول ملتے ہیں، جن کا پورا نام فریدالدین احمد جہانگیر نہیں ہے اور بقول "گلزار ابرار" سنہ ۹۴۷ ھ میں وفات پاتے ہیں۔ لیکن یہ تلاش بے سود ہے، کیونکہ ہمیں جس بہلول کی ضرورت ہے، وہ کم از کم آٹھویں صدی ھجری کے بزرگ ہیں —

(۷) منصور نامہ (یا) حلاج نامہ

انڈیا آفس، بوڈلین اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہے اور فہرست نگار شیخ کی تسلیم کرتے ہیں، فاتحہ کا شعر ہے :—

بود منصور اے عجب شوریدہ حال در رہ تحقیق اورا صد کمال

اکثر نے "منصور اے" کو الف کے اسقاط کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ مثنوی علٰحدہ چھپ بھی گئی ہے اور قلمی بھی ملتی ہے۔ اس میں منصور کے خلاف فتوی لگنے اور دار پر چڑھائے جانے کے حالات درج ہیں، جو ہیلاج نامہ سے ملتے جلتے ہیں —

لکھا ہے کہ وہ پچاس سال تک اسرار پوش رہا، پھر اُس نے "اناالحق" کا نعرہ لگا کر اپنا راز فاش کردیا، اہل تقلید نے فتوی مانگا، تین سو ستّر عالموں نے کفر کا فتوی لگا دیا۔ بغداد میں ایک سنسنی پھیل گئی۔ جب خلیفہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی، اگرچہ منصور کا دوست تھا، کیوں کہ اُس کی کئی تصنیفات پڑھ چکا تھا،

لیکن عوام اور جہلا کے خوف سے اُس نے منصور کے قید کئے جانے کا حکم دے دیا۔ جب منصور قید خانے میں لایا گیا، جیل میں اُس وقت چار سو قیدی تھے۔ منصور نے آتے ہی اُن سے کہا کہ: تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ قیدی بولے: ہم لوگ بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوے، ہیں کیسے جاسکتے ہیں؟۔ منصور نے اُن کے قریب آکر اپنا ہاتھ ہلایا، قیدیوں کی بیڑیاں کٹ کر گر گئیں۔ اُس وقت قیدیوں نے عرض کی: قید خانے کے دروازے بند ہیں ہم باہر نہیں نکل سکتے۔ منصور نے ایک اشارہ کیا اور دیوار میں چار سو رخنے نمودار ہوئے، قیدی اِن منفذوں سے باہر نکل گئے۔ قیدخانے کے مہتمم نے جب یہ کیفیت دیکھی، آکر اس کے قدموں میں گر پڑا۔ منصور نے اس کو بھی چلے جانے کا حکم دیا۔ داروغۂ جیل کے جانے کے بعد منصور مناجات الٰہی میں مشغول ہوگیا —

شبلی جنید کے پاس گئے اور منصور کے قید ہونے کی اطلاع دی۔ جنید اپنے شاگردوں کو لیکر قید خانے پہنچے، وہاں جاکر دیکھا کہ مخلوق کثرت سے جمع ہو رہی ہے۔ اجازت لیکر اندر گئے اور منصور کو ملامت کرنے لگے کہ: تم نے یہ کیا دیوانگی اختیار کی ہے، جو بات تم کہتے ہو وہ ہمارے پیشوا رسول اللہ نے بھی نہیں کہی، اناالحق کہنا کفر محض ہے۔ منصور نے جواب دیا: تم اِن اسرار سے بےخبر ہو، رسول اللہ نے "سبحانی" فرمایا، "لی مع اللہ" کہا۔ خود خدائے پاک نے "نحن اقرب" فرمایا، تم سبحتلائے تقلید ہو، واصلین کے مرتبے کیا جانو۔ اِس پر ملاقات ختم ہوئی اور جنید باہر آگئے۔ لوگوں نے اُن سے فتویٰ طلب کیا، اُنھوں نے کہا: میں ظاہر پر حکم دیتا ہوں، باطن سے واقف نہیں۔ بعد از اں شبلی منصور کے پاس گئے، کہنے لگے: اے شیخ تو نے اپنا راز کیوں فاش کردیا، اگر سر کی خیر چاہتے ہو تو سر کا ترک کرو۔ جواب میں منصور نے کہا: میں منصور نہیں ہوں، بلکہ :—

من خدایم من خدایم من خدا فار غم از کبر و کین و از ہوا

اول و آخر ظاہر، و باطن میں ہوں۔ میں سرتوحید کو آشکارا کرنے آیا ہوں،

تاکہ بقاے حق میں باقی رہوں' مصطفیٰ میرے پیشوا ہیں اور راہِ یقین کے رہنما ہیں - لیکن تم اِن غو غائیوں سے میرے لئے ایک روز کی مہلت مانگ لو' کیونکہ میرا ایک مخلص دوست جس کا نام شیخ کبیر (عبداللہ خفیف) ہے' کل تک یہاں پہنچنے والا ہے اور مجکو اُس سے ایک ضروری راز کہنا ہے' اُس کے بعد میں دار کے لئے طیار ہوں- دوسرے دن شیخ کبیر آئے اور سید ہے منصور کے پاس گئے- ملامت کے لہجے میں کہنے لگے: "اے- توحید پرست! تونے سرحق کو کیوں فاش کیا' تو پچاس سال صاحب اسرار رہا' اب کیا ہوگیا کہ اِس قدر بیخود ہوگیا" - منصور نے کہا: "تم کو معلوم ہے کہ بحر معنی بے نہایت ہے اور اناالحق تو اُس کی ایک ادنیٰ سی موج ہے- تم سے اگر لوگ فتویٰ مانگیں تو دیدیں" شیخ کبیر نے جواب دیا: "میں فتویٰ نہیں دے سکتا":—

شیخ گفتا آں چہ گفتی نے رواست　　من همیدانم که ذات تو خداست

چوں دهم فتویٰ زجهل و از گماں　　من عیاں دیدم خدا را ایں زماں

منصور نے کہا: خیر میرے کہنے سے دے دینا- شیخ کبیر اُس کے بعد چلے آئے - عوام نے فتویٰ طلب کیا' شیخ نے کہا: منصور نے کہلا بھیجا ہے کہ میں واجب القتل ہوں' مگر میری راے ہے کہ وہ اہل ظاہر کے نزدیک واجب القتل ہے' مگر باطن کے حال سے میں واقف نہیں - اِس کے بعد سب لوگ جمع ہوئے - منصور آیا اور سولی پر چڑھ گیا' اناالحق کے نعرے لگانے لگا - حالت یہ ہوئی کہ سنگ و خشت' دار اور رشتہ تک سے اناالحق کی آوازیں آنے لگیں - ایک ظالم نے آکر اُس کا ہاتھہ کاٹ ڈالا - منصور نے اپنا لہو بھرا ہاتھہ چہرے پر مل لیا - شبلی نے دریافت کیا کہ تمنے ہاتھہ منہ پر کیوں ملا؟' اُس نے جواب دیا: میں نماز عشق ادا کرنا چاہتا ہوں اور یہ اُس کا وضو ہے- شبلی نے پھر سوال کیا کہ: تصوف کا کوئی رمز بیان کرو - اس نے کہا: اپنے آپ کو سب سے کمتر دیکھنا - ایک مرتبہ اور پوچھا کہ طریق عشق کا پتہ دو - منصور کا جواب تھا: —

گفت عشق این جا بود گردن زدن بعد ازانش آتش اندر سوختن

ان الفاظ کے ختم ہونے پر اس کا سر کاٹ دیا گیا - جب سر کٹکر گرا، اُس سے اناالحق کی آواز برابر آرہی تھی - تب منصور کے جسم کو جلا دیا اور ہوا اُس کی خاک اڑا کر پانی میں لیگئی—

منصور نامے میں یہ قصہ ہے، جو مختصراً یہاں بیان ہوا - اِس مثنوی کے ہیلاج نامہ سے، جہاں یہی قصہ ایک نہایت دراز طریقے پر بیان ہوا ہے، قدیمی تعلقات معلوم ہوتے ہیں—

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ منصور نامہ درحقیقت کوئی علحدہ مثنوی نہیں ہے، بلکہ وصلت نامہ کی ایک حکایت ہے، جو مطبوعہ وصلت نامہ میں صفحہ ۱۴ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰ پر ختم ہو جاتی ہے - نول کشور نے سنہ ۱۲۹۷ ھ میں وصلت نامہ کو بار دوم چھاپا ہے، لیکن اُس کا نام مثنوی حضرت شیخ بہلول رکھا ہے - پروفیسر آذر کے وصلت نامہ مشمولہ کلیات میں بھی یہ حکایت موجود ہے—

منصور نامے کے متعلق ایک حیرت خیزامر یہ ہے کہ وہ اشتر نامہٗ شامل کلیات پروفیسر آذر میں بھی موجود ہے، جہاں خاتمہ پر " در رفع شدن ہستی منصور و پیدا شدن حق و ختم کتاب- " کی سرخی کے تحت میں پوری حکایت درج ہے - آخر سے تقریباً ایک صفحہ جو اصل قصے سے علاقہ نہیں رکھتا یا تو کاتب اتفاقیہ ترک کر گیا ہے، یا مختصر کرنے کی غرض سے نکال دیا گیا ہے - یہاں یہ سوال ہوتاہے کہ آیا منصورنامہ اصل میں وصلت‌نامہ کا ایک حصہ ہے، یا اشترنامہ کا - اِس کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ نی الواقع وصلت نامہ کا ایک جزو ہے اور اشتر نامہ میں اُس کا ایراد غیر موزوں واقع ہوا ہے کیونکہ عین منصور نامے کے قبل قریب قریب منصور کی یہی حکایت ایک وسیع پیمانہ پر شروع کی جاتی ہے، جس میں منصور قیدیوں کو رہا کر کے اور داروغۂ قید خانہ کو روانہ کر کے قید خانے میں تنہا مناجات میں مصروف ہو جاتا ہے - مناجات کے اختتام کے بعد

باقی حکایت کو ختم کئے بغیر منصرر نامہ شروع ہو جاتا ہے' اور منصور نامے کے ختم پر اشتر نامہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔بہر حال منصور نامہ کو علٰحدہ تصنیف' ماننے میں ہم حق بجانب نہیں' اگر چہ وصلت نامے کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے شیخ بہلول کی تصنیف ہے —

(۸) بے سر نامہ

امین احمدرازی کی فہرست میں شامل ہے۔تمام فہرست نگار عطار کا مانتے ہیں اور چھپ بھی چکا ہے ' اس کا پہلا شعر ہے:—

من بغیر تو نہ بینم درجہاں قادرا پروردگارا جاوداں

یہ ایک ترجیع بند ہے اور ہر بند کے ترجیعی ابیات یہ ہیں: —

من خدایم من خدایم من خدا فار غم از کبروکنیہ وز ہوا

سّر بے سر نامہ را پیدا کنم عاشقاں را درجہاں شیدا کنم

بے سر نامہ میرے خیال میں کسی علٰحدہ وجود رکھنے کا مستحق نہیں ہے' اُس کی تعمیر کا اکثر مواد منصور نامے سے لیا گیا ہے ' فرق یہ ہے کہ منصور نامہ کا موضوع منصور ہے ' لیکن بے سر نامہ میں یہ منصب شیخ عطار کو دیدیا جاتا ہے جو کبھی صیغۂ متکلم اور کبھی صیغۂ غائب میں دکھائے گئے ہیں۔ بے سر نامے میں اصل قصے کی ترتیب' واقعات کی کوئی پروا نہیں کی گئی ہے اور نہ نفس قصہ سے سروکار رکھا گیا ' اصل مقصد اتنا ہے کہ منصور کا درجہ عطار کو دیا جائے اور حدیث دار ورسن کی تجدید کی جائے ۔ اس کتاب کو شیخ عطار کی طرف منسوب کرنا انسانی فہم و شعور پر بیداد توڑنا ہے ' اس کے اثبات کیلئے ہمکو کسی کد و کاوش اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسقدر جاننا کافی ہے کہ بے سر نامہ منصور نامے کی ایک مسخ شدہ شکل ہے ۔ فارسی ادبیات میں ایسے دلیرانہ سرقے کی مثال مشکل سے ملیگی ۔ میں بخوف طوالت بے سر نامہ کے سارے گورکھ دھندے کو سلجھانا نہیں چاہتا' صرف بعض امثال پر قناعت کرتا ہوں:۔

بیسر نامه	منصور نامه (از ابتدائے حکایات)
(۱) بود عطارے عجب شوریدہ حال	(۱) بود منصورے عجب شوریدہ حال
در رہ تحقیق اوراصد کمال	در رہ تحقیق اورا صد کمال
(۲) حال اوحال عجب بود اے پسر	(۲) حال اوحال عجب بود اے پسر
نے چو حال ایں کسان بے خبر	نے چو حال ایں خسیساں بےخبر
(۳) در رموز سرحق پے بردہ بود	(۳) او رموز سرحق پے بردہ بود
نے کہ ہمچوں ماؤ تو در پردہ بود	نے کہ چوں ما راہ را گم کردہ بود
(۴) او یقین خویش حاصل کردہ بود	(۵) او یقین خویش حاصل کردہ بود
در یقین خویش واصل گشتہ بود	در یقین خویش واصل گشتہ بود
(۵) در علوم دیں وتوفے داشت او	(۸) در علوم دیں و توفے داشت او
ہیچ علمے را فرونگذاشت او	ہیچ علمے را فرونگزاشت او
(۶) عالماں ازعلم او در ماندہ اند	(۹) عالماں از علم او در ماندہ اند
عارفاں از عرف او وا ماندہ اند	عارفاں از عرف او وا ماندہ اند
(۷) عاشقاں از عشق او حیراں شدند	(۱۰) عاشقاں از عشق اوگریاں شدند
ہردم از نوع د گر بریاں شدند	ہر دم از نوع د گر بریاں شدند
(۸) بعد پنجہ سال او اسرار یافت	(۱۴) بود پنجہ سال او اسرار پوش
از فریدالدیں لقب عطار یافت	ناگہاں از وے بر آمد صد خروش
(بند ششم بیسر نامۂ قلمی)	(مثنوی * حضرت شیخ بہلول صفحہ ۱۴ طبع نولکشور سنہ۱۲۹۷ھ)
(۷) مردماں گفتند ایں چہ کردۂ	(۱۴) شبلیش گفت ایں زماں چہ دیدۂ
روے خود در خوں چرا آلودۂ	دست در ساعد چرا مالیدۂ

* میرے پاس منصور نامہ علحدہ بھی ہے، مگر قلمی ہے، اس لئے اس کے اشعار مثنوی شیخ بہلول مطبوعہ سے نقل کر رہا ہوں —

بےسر نامه	منصور نامه
(۸) گفتم ایندم میگزارم من نماز	(۱۵) گفت ایندم میگزارم من نماز
پس بخوں سازم وضوے پاکباز	پس وضو سازم بخوں اے پاک باز
(۹) ایں نماز عشق را آنجا وضو	(۱۶) کیں نماز عشق را ایں‌جا وضو
راست ناید جز بخونِ خوبرو	راست ناید جز بخوں اے خوبرو
(۱۰) بعدازاں گفتند مرا اے‌مردکار	(۱۷) بعداز آں شبلی بگفت اے‌مردکار
از تصوف ایں زماں رمزے بیار	از تصوف ایں زماں رمزے بیار
(۱۱) گفت (کذا) کہترزیں کہ می بینی بہ بیں	(۱۸) گفت کہترزیں کہ می بینی بہ بیں
تا ترا در راہ حق باشد یقیں	تا ترا در راہ حق باشد یقیں
(۱۲) بار دیگر گفتم اے صاحب نظر	(۱۹) باردیگر گفت کاے صاحب نظر
از طریق عشق دہ مارا خبر	ازطریق عشق دہ مارا خبر
(۱۳) گفت ایں‌جا بس بود گردن زدن	(۲۰) گفت عشق ایں جا بود گردن زدن
بعد ازاں برسوختہ آتش زدن	بعد از انش آتش اندر سوختن
(۱۴) انیکہ گفتم ایں چنیں شد حال من	(۲۲) ایں بگفت و ایں‌چنیں شد حال او
منتشر شد در جہاں احوال من	منتشر شد در جہاں احوال او
(بند دہم)	(صفحہ ۱۸ - بیت ۱۴ - ۲۲)
(۲) پیشواے ماست ہمچوں مصطفیٰ است	(۵) پیشواے ماہمہ چوں مصطفیٰ است
لاجرم آنچہ تو گوئی کے رواست	لاجرم آنچہ تو گفتی نیست راست
(۳) بعد از آں عطار گفت اے کورو کر	(۸) بعد ازاں منصور گفتش شو بدر
وز رموز سر عشق اے بے خبر	از رموز سر معنیٰ بے خبر
(۴) توبہ بنہے صورتے در ماندۂ	(۹) تو برہنہ صورت واماندۂ
کے تو حرت حق احمد خواندۂ	کے تو ہرگز حرت احمد خواندۂ

بے سر نامہ	منصور نامہ
(۵) "لی مع اللہ" گفت احمد دربیاں	(۱۰) "من رآنی" گفت احمد درمیاں
تو کجا دانی کہ ہستی بے نشاں	توکجا دانی کہ ہستی بے نشاں
(۶) راز من گفتست احمد ازصفا (کذا)	(۱۱) "لی مع اللہ" گفت احمد ازصفا
تو کجا دانی کہ ہستی بیوفا	تو کجا دانی کہ ہستی بیوفا
(۷) تو بصورت ہمچو کافر ماندۂ	(۱۲) تو ز صورت ہمچو کافر ماندۂ
واصل حق را تو کافر خواندۂ	واصل حق را تو کافر خواندۂ
(۸) خرقۂ ناموس را پوشیدۂ	(۱۳) خرقۂ ناموس را پوشیدۂ
وانگہے سالوس را کوشیدۂ	وآنگہے سالوس را کوشیدۂ
(۹) بت پرستی میکنی در زیر دلق	(۱۴) بت پرستی میکنی در زیر دلق
می نمائی خویش را صوفی بخلق	می نمائی خویش را صوفی بخلق
(۱۰) تو سلوک راہ را گم کردۂ	(۱۵) تو شکوک راہ خود را کردۂ
لاجرم در صد ہزاراں پردۂ	لاجرم در صد ہزاراں پردۂ
(۱۱) وانگاہے کردۂ ایں خرقہ را	(۱۶) وانگاہے کردۂ ایں خرقہ را
می فریبی ہر زماں ایں فرقہ را	می فریبی ہر زماں ایں فرقہ را
(۱۲) در خودی خود گرفتار آمدی	(۱۷) در خودی خود بدگرفتار آمدی
لاجرم در عین پندار آمدی	لاجرم در عین پندار آمدی
(۱۳) راہ تجرید و فنا راہ تو نیست	(۱۸) راہ تجرید وفنا راہ تو نیست
تو سخن کم گوے کآں راہ تو نیست	تو سخن کم گوے کآں راہ تونیست
(۱۴) رو کہ در تجرید ماندی مبتلا	(۱۹) رو کہ در تقلید ماندی مبتلا
سر توحید از کجا تو از کجا	سر توحید از کجا ؤ تو کجا
(۱۵) رو کہ راہ بے نشاں راہ تو نیست	(۲۰) رو کہ راہ بے نشاں راہ تو نیست
عقل تو از راہ معنی در شکیست	عقل تو از راہ معنی در شکیست
(بند ہشتم- بے سر نامہ قلمی)	(مثنوی شیخ بہلول ص۱۶، بیت ۲۱۰۵)

بیسر نامے کے کل دس بند ہیں - نولکشور کے بیسر نامۂ (مشمولۂ کلیات) میں، بندوں میں بےتر تیبی ہے اور متن بھی بے حد غلط ہے ' اس لئے میں نے بے سر نامۂ قلمی مملوکۂ پروفیسر آذر سے کام لیا ہے -

(۹) خیاط نامہ

اس کی ابتدا ہے :—

بنام آنکہ ہستی زو نشاں یافت نفوس ناطقہ زو نور جاں یافت

اور کتاب کا نام اس بیت میں واقع ہوتا ہے :—

چو بر کاغذ نہادم نوک خامہ نوشتم نام ایں خیاط نامہ

اکثر فہرست نگار مثلاً اسپرنگر ' ایتھے ' عبدالمقتدر خاں اور آئیوانف شیخ عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن حاجی خلیفہ (کشف الظنون جلد اول صفحہ ۴۷۶ طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری) اس کو خیاط کاشانی کی تصنیف بیان کرتا ہے- فہرست نگار خیاط کو بہ تخفیف تشدید یا پڑھتے ہیں، لیکن بیت مذکورۂ بالا میں یا پر تشدید موجود ہے - مجھکو اس مثنوی کے مطالعے کا موقعہ نہیں ملا —

(۱۰) کنزالاسرار

اسٹورت نے اس کا نام " کلت کنزامغفی " لکھا ہے - ڈاکٹر ایتھے نے ' کنزالبحر ' ایک اور نام بتایا ہے - اُس کے خاتمے میں یہ شعر آتا ہے :—

رساند نفع را بر خاص و عام ایں کہ در ششصد نود نہ شد تمام ایں

اگرچہ نسخوں میں "ششصد نود نہ " ملتا ہے، لیکن ڈاکٹر ایتھے نے اس کو سہو کاتب پر محمول کرکے اُس کا نسخہ پنجصد نود نہ ' یا ' ششصد نواز دہ ' تجویز کیا ہے • جو قابل قبول نہیں - میرزا محمد کہتے ہیں: " و انیہ در فہرست کتب فارسیہ دیوان ہند ..... بیت کنزالاسرار را حمل بر غلط بودن نسخہ کردہ است و ایں

•فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس نمبر ۱۰۳۱ (۸)

سهواست ..... و ایں ..... کتاب از عطار نیست ..... و " کنزالاسرار معلوم نیست از کیست *" آئیو نات اس معاملے میں میر زا محمد سے بالکل متفق ہے۔ کنزالاسرار کا میرے پاس بھی ایک نسخہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے مصنف کا تخلص تر بتی ہے، اُس نسخے میں تاریخ تصنیف سنہ ۹۹۹ ھ کے بجائے سنہ ۷۹۹ھ دی گئی ہے، چنانچہ خاتمے کے چار بیت یہاں نقل کردئے جاتے ہیں :—

گناہ من فزوں از کف دریاست　　فزوں تر ہم ز اوراق شجرہاست
گناہ تربتی از حد بروں است　　کہ من از چہ می گویم فزونست
بیا مرز و بنقد آں بندۂ حق　　دہد ایں نسخہ را با خلق رونق
رساند نفع ہم برخاص و عام ایں　　کہ در ہفصد نودنہ شد تمام ایں

بہلول کی حکایت کے آخر میں بھی شاعر اپنا تخلص لایا ہے :—

نصیحت ہائے مسکیں تر بتی را　　بگوش خود بگیرد مرد دانا
بنادان ہرچہ می گوئی دریغ است　　ازآں کہ آفتابش زیر میغ است

اس نسخہ کی ابتدا میں نثر کا ایک دیباچہ بھی ہے، جو اِس طرح شروع ہوتا ہے :—

" الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، ولاعدوان الاعلی الظالمین۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من حفظ علی اُمتی اربعین حدیثاً مما یحتاجون الیہ کتب اللہ فقیہاً عالماً۔ وبر امید ایں وعدہ ہر کہ یاد دہد اُمت من (کذا) چہل حدیث را کہ ازاں چیز کہ محتاجند آدمیاں بآں چیزہا، نویسد خدائے تعالیٰ ویرا فقیہ عالم"

پہلے صفحے میں اُسی طرح سے کئی حدیثیں نقل ہیں اور اُن کا فارسی ترجمہ بھی ساتھ ساتھ دیدیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ساتھ والا ورق موجود نہیں ہے، جس میں دیباچے کا بقیہ حصہ ہونا چاہئے۔ تاہم اِس قدر بات سمجھ میں آتا ہے

---

* مقدمۂ انتقادی تذکرۃ الاولیائے عطار صفحہ ہو۔

کہ مصنف نے اُس مثنوی میں چہل حدیث بیان کی ہیں اور احادیث کے مناسب حال حکایات بھی درج کردی ہیں۔ بہرحال "کنزالاسرار" شیخ عطار سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی —

۱۱- وصیت نامہ

دولت شاہ نے شیخ کی تصنیفات کی فہرست میں اِس کو شامل کیا ہے* اِستیورٹ نے اپنی فہرست میں اُس کا نام 'اوسط نامہ' بتایا ہے† - پروفیسر میترا نے 'مثنوی مصباح' لکھا ہے اور فہرست نگار عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔ اِس مثنوی کا پہلا شعر ہے :—

اے بناست کار ہارا افتتاح نیست بے نام تو در اسرے فلاح

لیکن اِسی مثنوی کے ایک شعر سے جو پروفیسر میترا نے فہرست کُتب‡ فارسیۂ ریاست کپور تھلا سنہ ۱۹۲۵ع میں نقل کیا ہے : معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے§ وہ یہ ہے :—

چوں گذشت از ہجرت خیرالانام ہشتصد و پنجاہ و دو این شد تمام

اِس لئے ہمیں ماننا چاہئے کہ اس کتاب سے عطار کو کوئی تعلق نہیں

(۱۲) مظہرالعجائب

دولت شاہ اس تصنیف سے واقف نہیں - امین احمد رازی ' قاضی نورالله شوستری اور حاجی خلیفہ اِس کا ذکر کرتے ہیں - معلومہ نسخوں میں سب سے پُرانے برٹش میوزیم§§ اور بانکی پور● کے کُتبخانوں میں ہیں' اِن پر کوئی

---

*تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۱۹۰ مرتبۂ پروفیسر براؤن —

†منقول از فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس—

‡ دیال سنگھ کالج لاہور میں عربی اور فارسی کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی میں لیکچرر ہیں—

§ صفحہ ۱۰۳ و فہرس ۱۸۳ —

§§ ایڈ نمبر ۶۶۲۱ ' صفحہ ۵۷۹' جلد دوم ' فہرست کتب فارسیہ—

● نمبر ۳۹ ' صفحہ ۶۵ (۲) ' فہرست کتب فارسیہ —

تاریخ نہیں، لیکن فہرست نگاروں کی رائے میں گیارھویں صدی کے نوشتہ ہیں، اِس سے گمان گزرتا ہے کہ "مظہرالعجائب" گذشتہ تصنیفات کے مقابلے میں سب سے کم عمر ہے - تمام فہرست نگار حسب معمول عطار کی تصنیف مانتے ہیں —

جب میں اِس کتاب کے تبصرے کے لئے آمادہ ہوا تو لاہور میں اُس کا ایک نسخہ تک موجود نہ تھا، مجبوراً مینے اپنے حلاّل مشکلات پروفیسر سراج‌الدین آذر کی خدمت میں دستگیری کی التجا کی، اُنھوں نے کوشش کر کے چھ ہی عرصے میں تین نسخے مہیّا کردئے، میں اُن کی اِس مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں- اِن میں سے ایک نسخہ یار علی نے کلکتہ * میں ۱۵ جمادی‌الاول سنہ ۳۳ عالمگیری موافق ۱۱۲۰ھ میں نقل کیا تھا - اس نسخہ کے ۶۶۲ صفحات اور فی صفحہ تیرہ، چودہ، پندرہ یا سولہ سطریں ہیں، اِس لئے اشعار کی تعداد تخمیناً نو یا دس ہزار کے درمیان ہوگی - ابتدا کا شعر ہے :-

آفریں، جاں آفریں جاں، جاں زآں کہ ہست او آشکارا ہم نہاں

چونکہ کتاب چھپی نہیں ہے، اس لئے اِس کے بعض عنوان یہاں نقل کئے جاتے ہیں :—

در بیان کتاب خویش - روایت نجم‌الدین کبریٰ، در آمدن سید کائنات بحجرۂ علی علیہ السلام - گفتن نے نجم‌الدین کبریٰ را حال خود - سپردن پدر شیخ

---

* سنہ ۱۷۰۰ع مطابق سنہ ۱۱۱۲ھ کے قریب ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیہات سوتانٹی، کالی کتا اور گوبند پور شہزادۂ عظیم‌الشان صوبہ دار بنگال سے خرید کر کلکتہ کی بنیاد ڈالی - تعجب ہے کہ ایسے ابتدائی زمانے میں مسلمان کاتب کلکتے پہنچ جاتے ہیں- مگر تاریخ جلوس عالمگیری اور تاریخ ہجری آپس میں مطابق نہیں ہیں- سنہ ۳۳ جلوس عالمگیری سنہ ۱۶۹۰ع مطابق ۱۱۰۲ھ کے مطابق ہے، جب کہ کلکتہ کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا، سنہ ۱۱۲۰ھ میں اورنگ زیب زندہ نہیں تھا، کہیں کہ سنہ ۱۱۱۸ ھ میں وفات پا چکا ہے - اگر کاغذ، خط اور سیاہی کی شہادت کا لحاظ کیا جائے تو نسخۂ ہذا کی تاریخ تیرھویں قرن ہجری کی ابتدا میں ماننی پڑیگی۔

رابمعلم ' دیدن شیخ پیر سالک و رسیدن بسید ناصر ' آوردن جبرئیل سیبے بنزد سید کائنات ' درآتش رفتن بوذر غفاری با امیرالمؤمنین ' در واقعۂ پیرسالک که پیش شیخ آمد - قصۂ جنگ خندق - شکستن ایاز گوهر رابفرمان سلطان محمود ' قصۂ سید با شیروغلام - دربیان اهل مناصب - قصۂ شقیق بلخی و امام موسیٰ کاظم و هارون الرشید - قصۂ پادشاه احمد ' قصۂ خواجه ابرار و امام ابوبکر - قصۂ حکیم و پیر عراقی - پندداد ن شیخ حسین فرزندرا - قصۂ پادشاه عادل وامیران ظالم - قصۂ عیّاران خراسان و بغداد - سوال کردن پیر سالک از عطار - سوال از شیخ شبلی - در واقعۂ خواجۂ نیشا پوری ورفتن شیخ —

اس کتاب § کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ذو بحریں ہے ' یعنے صفحہ ۳۴۷ تک بحر رمل مسدس میں اشعار ملتے ہیں اور شعر : —

گنہگارم زفعل بد گنہگار خداوندا توئی دانائے اسرار

سے بحر ہزج میں طبع آزمائی کی جاتی ہے ' اور بیت :

باز نقلے ہم ز شبلی گویمت سرے ازاسرار غیبی گویمت (ص ۵۸۵

سے دوبارہ رمل کی طرف مراجعت کی جاتی ہے اور خاتمے ☆ تک یہی وزن رہتا ہے —

چند کلمے جوهرالذات اور مظہرالعجائب کے تعلقات کی نسبت کہنے مناسب معلوم ہوتے ہیں ' اگر چہ دونوں کتابوں میں زبان اور مضمون کے لحاظ سے کوئی اتحاد نہیں ' تا ہم صاحب "مظہرالعجائب" مصر ہے کہ جوهرالذات میری تصنیف ہے '

---

§ علامہ محمدبن عبدالوهاب قزوینی نے مقدمۂ تذکرۂ "عطار" میں اور پروفیسر براون نے جلد دوم "تاریخ ادبیات ایران" میں شیخ عطار کے اکثر حالات اسی کتاب کے حوالے سے نقل کر کے اس کو ایک نا واجب امتیاز دے دیا ہے —

☆ ایک مقام پر چند صفحات کے لئے پھر بحر بدل دی گئی ہے - اس قسم کی اور مثالیں بھی ہوں تو کوئی تعجب نہیں —

اور قدم قدم پر اس کا اعلان کرتا ہے اور سینکڑوں موقعوں پر دونوں کتابوں کا نام ساتھہ ساتھہ لاتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اگر چہ مینے سوکتا بیں لکھی ہیں ' لیکن "جوھر" اور "مظہر" اِن میں نہایت قیمتی اور چوٹی کی کتابیں ہیں : —

جو ھر ذاتم جہانرا جاں بود　　ز آنکہ او از معنئے قرآں بود

مظہر من را لسان الغیب داں　　اوست اسرارِدو عالم رازداں (ص ۶۲۰)

زمظہر گردي تو انسان کامل　　زجوھر ذات‌من‌گردی تو واصل (ص ۵۳۲)

مظہرم سی خوان وجو ھر گوشدار　　تا بیابی در معنی بیشمار (ص ۱۲۳)

اِن بیانات سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کتابیں ایک ہی مصنف سے علاقہ رکھتی ہیں ' لیکن اِن کی زبان ' انداز کلام اور تاریخی معلومات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتابوں کے مصنف دو مختلف شخص ہیں ' مثلاً : الفاظ "حقیقت" اور "جاگاہ" وغیرہ جو صاحب جوھر کے لئے عصاے پیری کا حکم رکھتے ہیں ' مظہر میں مطلق غیر حاضر ہیں - بعض باتیں ان میں مشترک ہیں ' مثلاً : مظہر میں "ابا" کا استعمال خال خال موقعوں پر نظر آتا ہے ' مگر جو ھر کے مقابلے میں بہت کم ہے - ادائے مضمون میں ' دونوں کتابوں میں ' بے ترتیبی اور طوالت کا ڈھنگ موجود ہے - دماغی قابلیت اور شاعری کے لحاظ سے دونوں مساوی ہیں ' صرف انیس بیس کا فرق ہے - ایک ہی لفظ یا فقرے کی تکرار سے اشعار کی ابتدا ہونا جو "جوھرالذات" کا خوفناک پہلو ہے ' "مظہر" میں اس سے بھی وسیع پیمانے پر نظر آتا ہے - ناصر خسرو کو دونوں کتابوں میں ایک قابل حرمت حیثیت حاصل ہے - "جو ھر" میں حضرت علی کا ذکر نہایت احترام اور توقیر کے ساتھہ ملتا ہے ' لیکن وہ عقیدت اور خلوص غیر حاضر ہے ' جو مظہر میں نمودار ہے ' یہاں حضرت علی کو وہی رتبہ حاصل ہے ' جو "جو ھر" میں منصور کو دیا گیا ہے ' تاہم صاحب مظہرالعجائب کہتا ہے : —

از براے روح احمد جو ھرم　　وز براے روح حیدر مظہرم -

اس سے میں خیال کرتا ہوں کہ مصنف مظہرالعجائب نے غالباً "جوہرالذات" کو دیکھا تک نہیں، کیونکہ یہ کتاب جس کا "ہیلاج نامہ" ایک سلسلہ ہے، درحقیقت منصور کے لئے لکھی گئی تھی - "جوہرالذات" میں رواداری کی روح موجود ہے اور تمام فرقوں حتیٰ کہ گبر و ترسا و یہود کو بھی مساوی مان لیا گیا ہے - مظہر میں مذہبی جوش غالب ہے اور مصنف سوائے اپنے عقیدے کے لوگوں کے سب پر تبرا بھیجتا ہے - جو ہر میں منصور کی طرح دار پر چڑھائے جانے کی آرزو بیحد زبردست ہے، لیکن صاحب مظہر کو عام انسانوں کی طرح اپنی جان عزیز ہے —

یہاں مظہر کی بعض خصوصیات لسانی بیان کی جاتی ہیں :

ابا، بمعنی با :-

آں امامے کو بحق اسرار گفت — ہم ابا منصور ہم باادار گفت (ص ۴)
رو تواہیں بیعت ابا مظہر بہ بند — تاشوی درملک معنی سر بلند (دیگر)
زانکہ حیدر در درون یار گفت — ہم ابا منصور ہم باادار گفت

باشش، بمعنی سکونت :-

اے برادر علم معنی دانش است — زاں مرا در کوے معنی باشش است (دیگر)
ہر کرا باشد سعادت رہنموں — جاے باشش باشدش شاپور و توں

زائدہ، بجاے زائیدہ :-

خود نظامی بود از من زائدہ — دادہ ام او را بمعنی فائدہ

قبولند = مضارع :-

اگر من راستی گویم ملولند — طریق راستی را کے قبولند

رافض بجاے رافضی :-

اے منافق تو مرا رافض مخواں — زآنکہ ہستم من محب خاندان
ہر کہ رافض خواندم ملعوں شود — ہمچوسگ دایم سرش درخوں شود

روافض بجاے رافضی :-

زنا دانی روافض خوانیم تو　　ز دین مصطفی میرانیم تو

خارج بجاے خارجی :-

ازیں مردم بسے دیدیم خارج　　ازاں کردیم شاں از دوست خارج

تذکیرہ بجاے تذکرہ :—

کتابے را کہ تذکیرہ نامست　　سر او را شربت کوثر بجامست (دیگر)

محبّان علی خواهی بدانی　　بذکر اولیا تذکیرہ خوانی

بعض اسالیب ایسے موجود ھیں، جن سے معلوم ھوتا ھے کہ مثنوی مولانا روم مصنف کے زیر مطالعہ رھی ھے—

(مظہرالعجائب)　　(مثنوی معنوی۔ طبع نولکشور سنہ۱۹۰۰ع)

استون بجاے ستون :—

چار یارند لیک در مذهب یکند　　گرچه تقلید ست استون جهان

چار استون شریعت بیشکند　　هست رسواهر مقلد زامتحان (ص۴۸۶)

خانهٔ در شرع احمد ساختند　　پر بتے غیر است سر از بهر من

چار استون اندرو پرداختند　　خانهٔ سمع و بصر استون تن (ص۴۰۸)

اشکست بجاے شکست :—

گفت این در را چرا اشکست تو　　اے در ازا شکست خود برسر مزن

بعد ازیں خواهد شدن اشکست تو　　کز شکستن رو شنی خواهد شدن (ص۳۱۰)

اشکاف بجاے شگاف :—

مرا خود طاقت اشکاف نبود　　پس کنیزک آمد ازا شکاف در

چنیں ز جرے به او الطاف نبود　　دید خاتون را بهرده زیر خر (ص۴۲۴)

اِس کے علاوہ سلطان محمود کے حکم سے ایاز کے گرھو ترڑنے کی حکایت دونوں مثنویوں میں عام ھے۔ مولانا روم کی غزل کا ایک مشہور شعر ھے :—

من ز قرآں بر گزیدم مغز را　　پوست را پیش سگاں انداختم

مظہرالعجائب میں یوں آتا ہے :—

روز قرآں مغز گیرد پوست ساں　　پوست را انداز پیش کر گساں

شیخ عطار کی عادت کے بر خلاف مصنف مظہرالعجائب اپنے متعلق بہت کچھ کہنے سننے کا عادی ہے، چنانچہ سب سے زیادہ حکایتیں اُس نے اپنے ہی متعلق لکھی ہیں۔ یہاں وہ جستہ جستہ حالات دیے جاتے ہیں، جو کتاب ہذا کے دوران میں مختلف مقامات پر بکھرے ہوے ہیں—

اپنے نام کے لئے کہا ہے :—

ہست نام من محمد با فرید　　گشتہ عطارے معانی بر مزید

من زباب علم عطار آمدم　　لا جرم گویاے اسرار آمدم

اور حسینی ہونے کا دعوی ہے :—

حسینی ام ازاں بامن بکیلی　　یزیدی، کشتنی در خوں نشیلی

جاے ولادت نیشاپور اور تونی الاصل ہیں :—

خود مرا مولد بہ نیشاپور بود　　لیک اصل من ز کوہ طوربود (دیگر)

اصل من از تون و نیشا پور جاے　　باشدم در مشہد سلطاں سراے (دیگر)

اصل من از تون و شاپور و ہری　　خاک طوس است جوہر من از علی

ایام طفلی میں جب تون میں قیام تھا، برابر آٹھ ماہ تک شدید بیماری میں مبتلا رہے، مرض روز بروز ترقی کرتا گیا، حتی کہ والدین اُن کی زندگی سے مایوس ہوگئے، کفن آگیا اور قبر طیار ہوگئی۔ یہ بوجۂ اشتداد مرض بے ہوش تھے، اِس عالم میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ آے اور محبت کے لہجے میں اُن سے کہا: — میاں لڑکے ڈرو مت! ہم تمھیں اچھا کرنے آے ہیں۔ تم زندہ رہوگے اور تمھارا کلام بہت مقبول ہوگا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر اُن کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے:— صاحبزادے! تم ہمارا نام بھی جانتے ہوگے سنو! میں علی ہوں، تم مجھ کو تو تون، طوس، کاشان، حلہ، نیشاپور، سبزوار، روم، نجف، آمل اور ساری میں تلاش کرنا۔

مریض نے اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا - آنحضرت کے جانے کے بعد پسینہ آیا اور خدائے پاک نے صحت عطا کردی - اس حکایت کا پہلا شعر ہے :-

من بدم در توں بوقت کودکی گشتہ بیمار و گذشتہ از خودی (ص ۶۱۴)

ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ : جب والد نے مجھ کو تعلیم کے لیے بٹھایا تو میرا اُستاد بھی میرا ادب کرتا تھا' وہ ایک فاضل شخص تھا' حکمت لقمان و تصوف میں کامل - جفر روحانی طریقے سے بے واسطہ امام جعفر سے سیکھی تھی - نجم‌الدین کبریٰ کئی مرتبہ اُس سے ملنے آے' لیکن وہ فخرالدین (رازی) سے ناخوش تھا - تین سو باسٹھ عارف اُس کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے تھے - ایک روز یہ اُستاد جس کا نام زبان پر لانا گستاخی سمجھتا ہوں کہنے لگا کہ: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ دروازے سے کوئی شخص داخل ہوا' جب قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ رسول‌اللہ ہیں - میں دوڑ کر آپ کے قدموں میں گرگیا؛ اب میں نے جو دیکھا تو آپ کے ہمراہ حضرت علی بھی تھے - رسول‌اللہ نے فرمایا: جانتے ہو میرے ساتھ کون ہیں؟ - میں نے عرض کی: اے ختم‌الانبیا! پہچانتا ہوں' یہ وہی ہیں جو میرے ایمان ہیں اور آپ کے بعد امام کل' تمام آفاق اِنہی کی ذات کے پرتو سے روشن ہے' تمام نبیوں کے امام اور پیشوا یہی ہیں؛ آدم یہی ہیں اور عیسیٰ ابن مریم اور منصور بھی یہی ہیں - تب رسول(ص) نے فرمایا : تم اولیاؤں کی سی باتیں کرتے ہو - اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: صبح کے وقت تمہارے پاس ایک امیر مع ایک بندے کے آے گا' اُس کو تم میرا جام اسرار پلادینا' کیونکہ وہ عطار ہوگا' اور عالم پر ہمارے اسرار کھولیگا —

او بود عطّار و عطر افشاں شود بوے معنیش ہمہ در جاں بود

تم کو چاہئے کہ عرفانیات میں اُس کو درس دو' نہ زہدیات میں - ہم نے اُس کو علم سلطانی' انفاس حکیمی' جفر حیدری' تخت اولیا' تاج انبیا' سِرّ لوکشف' اور نور من عرف' عطا کیا ہے - مصنف کہتا ہے کہ: جب میں نے استاد سے یہ خواب سنا'

میرے جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی، میں ولایت کے لیے بے تاب ہوگیا اور مختصر یہ کہ جب مرشد نے بدرجۂ غایت مجھ کو وارفتہ دیکھا، ارشاد کیا کہ: علوم صوری کو دل سے بھلا دو، میں حکم بجا لایا اور پورے ایک چلے شیخ کی خدمت میں رہا اور اپنے مقصد پر فائز ہوگیا۔ بعد میں اجازت لے کر رخصت ہوا اور عزلت نشین ہوگیا۔ اس حکایت کی ابتدا ہے:—

چوں پدر ایں بندہ را تعلیم کرد　　اوستادم ہم مرا تعظیم کرد

ایک موقعے پر کہتے ہیں کہ میں نے سات سو دس کتابیں پڑھی ہیں، تب کہیں جاکر علم الٰہی حاصل ہوا:—

ہفصد و دہ من کتب را خواندہ ام　　تا معانی خدا دانستہ ام　　(ص ۲۶۳)

دوسرے موقعے پر یہ تعداد ایک ہزار بتائی ہے:—

دو پانصد خود کتاب اولیا را　　دوبارہ خواندہ ام خرد اولیا را

ایام طفلی میں سترہ سال تک مشہد میں رہے اور مزار امام رضا پر راتوں کو اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ آخر روح امام نے اُن کا مقام نیشاپور تجویز کیا:—

بوقت کودکی من ہفتدہ سال　　بمشہد بودہ ام خرشرقت و خوشحال

بحال کودکی بر آستانش　　بہ شب ہا خواندہ ام ورد زبانش

مرا از روح او آمد مدد ہا　　دگر گفتا کہ شا پور است ترا جا

جس زمانے میں "مظہر" لکھی جا رہی تھی، اُس وقت ایک سلطان ابوالقاسم حکمراں تھا۔ اُمرا نے اُس کو ظلم کے راستے پر چلایا۔ اُن کے پیرنے اُمرا کو سمجھایا، لیکن اُنھوں نے بادشاہ کو ظلم سے نہیں روکا۔ شیخ ناراض ہو کر چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد سلطان نے کسی ملک پر چڑھائی کی، اُس ملک کے ایک حقیر سردار نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ اِسی سلسلے میں ترکوں کے متعلق ایک پیشین گوئی کی ہے کہ میرے بعد ترک دنیا کو تباہ کر دینگے اور بہت جلد، بعد اُن کی سلطنت بھی تباہ ہو جائیگی—

بعد من ترکان کنند عالم خراب　　بس دل مسکیں که سازندش کباب
برندارد سلطنت شاں در جہاں　　عاقبت ویراں شود شاں خانہاں (ص ۳۳۹)

متعدد موقعوں پر ناصر خسرو کا ذکر کیا ہے ' بلکہ اُس کی حمایت بھی کی ہے : —

ناصر خسرو کہ اندو ہے گرفت　　رفت او خود گوشۂ کو ہے گرفت
ناصر خسرو ز سر آگاہ بود　　نے چو تو خود مرتد و گمراہ بود
ناصر خسرو بحق پے بردہ بود　　از میان خلق بیروں رفتہ بود
یار او یک غار بود و تار بود　　او بنور و نار حق درکار بود

اسی حکیم کی ایک حکایت لکھی ہے کہ: ایک روز ایک پیر سالک مجھسے ملنے آیا - اثنائے گفتگو میں میں نے اُس سے کہا کہ: کوئی عجیب قصہ آتا ہو تو سناؤ - پیر سالک نے کہا کہ: آج میں وہ قصہ سناتا ہوں جو میں نے ایسے سالک سے سنا ہے' جو حکیم ہونے کے علاوہ منصور حسینی کی طرح شاہ تھا (یعنے شاہ ناصرخسرو)

از کمال حکمت او آگاہ بود　　اوچو منصور حسینی شاہ بود (ص ۷۶)

اُس نے بیان کیا کہ: ایک مرتبہ بغداد میں میرا گذر ہوا - کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص سر بسجدہ ہے اور چاروں طرف خلائق کا ہجوم ہے ' وہ شخص مناجات میں مشغول تھا ' جب مناجات ختم ہوئی ' افسر نے جلاد سے کہا: بڑھو اور اپنا کام کرو - جلاد اُس کو ایک بلند طاق پر لےگیا اور وہاں سے گرادیا ' وہ شخص گر کر مرگیا اور اُس کی لاش آگ میں جلا دی گئی - میرے مقتول پر وجہ سیاست دریافت کی - مجھسے کہا گیا کہ دجلے کے کنارے کچھہ لوگ جمع تھے ' اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے عقیدے اور مسلک کے مطابق گفتگو کر رہا تھا - کسی نے کہا : سب کی اصل حضرت آدم ہیں - دوسرے نے کہا : رسول اللہ ہیں - ایک نے کہا: نبوت کو فضلیت ہے - دوسرے نے کہا : نبوت پر ولایت کو شرف حاصل ہے - اِس پر سوال اُٹھا کہ ولایت کس کا حق ہے - متوفی نے کہا : حضرت شاہ ولایت کا ' جو افضل ہیں

اور جو اِس پر یقین نہیں رکھتا، کافر ہے - مصنف کی دینی حرارت ذیل کے اشعار سے واضح ہوتی ہے :—

خود خدا قفلے ترا برجاں زدہ　　راہ دینت بیشکے شیطاں زدہ
ز اں نمی دانی امام خویش را　　بیشکے اقتادی از مادر خطا
بستر مادر ترا خود پاک نیست　　گر ترا مردود گویم باک نیست (ص ۸۰)

جب لوگوں نے اُس سے ایسی باتیں سنیں، ز دو کوب کی، ہاتھہ باندھدیے اور شیخ (قاضی) کے پاس لے گئے - شیخ تمام گفتگو سنکر سخت طیش میں آیا، بولا کہ : یہ شخص راقضی ہے، کیونکہ باجماع اہل سنت، ولایت پیغمبر کا حق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ تھے، ولی نہیں تھے :—

ایں ولایت حق پیغمبر بود　　پیش اہل سنت ایں باور بود
او خلیفہ بود، کے بود او ولی　　ویں ولایت رانبی دارد نبی

لیکن دیکھو میں بھی اُس کو کیسی سزا دیتا ہوں - یہ کہکر اور خچر پر بیٹھہ کر، بار گاہ خلافت کی طرف روانہ ہوا - حاجب نے شیخ کی آمد کی اطلاع خلیفہ کو دی - خلیفہ نام سنتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور استقبال کرکے لایا - شیخ نے تمام ماجرا بیان کیا - خلیفہ نے کہا : یہ تو ایک خفیف معاملہ ہے، میں نے ایسے ہزاروں انسان قتل کئے ہیں، فرزندان علی تک کو نہیں چھوڑا - اُسی وقت ایک ترک امیر کو، جس کا نام "اصیل مرد گیر سمرقندی" تھا، حکم دیا کہ جاؤ پہلے اس مجرم کو قتل کرو اور پھر اُس کی لاش کو جلا دو - شیخ نے اس موقع پر یہ اضافہ کیا کہ تمھیں اِس کار نیک میں بڑا ثواب ملیگا —

جب ناصر خسرو نے یہ ماجرا سنا، اُس کو بیحد رنج ہوا، تب اُس نے بد دعا کی: —

چوں بدید آں ناصر خسرو چناں　　گفت بینائی و دانا بیگماں
گفت یارب تو بحق جد من　　دور گرداں شاں ز صدق جد من

ناصر خسرو کا بیان ہے کہ میں ایک شب اپنے گوشے میں ملول و غمگیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں غیب سے میرے کانوں میں آواز آئی کہ خدا کا عذاب اِس شہر پر نازل ہونے والا ہے، تو یہاں سے نکل جا :—

یک شبے بودم بکنجے درد مند　　با دل مجروح و جان مستمند
یک ندا آمد بگوشم کاے حکیم　　خیز رو زیں شہر من بیروں سلیم
کز خدا آمد بلاے بے حساب　　اوّلش رنج آید و آخر عذاب　　(ص ۸۲)

میں علی الصباح اِس شہر سے نکل کھڑا ہوا - آخر شہر میں ایسی وبا پھوٹی کہ نہ شاہ بچا، نہ اُس کا لشکر اور نہ وہ شیخ —

شاعر کئی سو قعوں پر اپنی تصنیفات کا ذکر کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں :—

زبحر علم دارم صد کتب من　　در و بنہا دہ ام اسرار لب من　　(ص ۳۶۰)

کہتا ہے، پہلے تین کتابیں لکھیں ، پھر ایک ، پھر تین

باوّل سہ کتب تقریر کردم　　بآخر یک کتب تحریر کردم
جواہر نامہ با مختار نامہ　　ز شرح القلب من رہ برد خامہ
ترا معراج نامہ پیش حق خواند　　جواہر نامہ ات خود ایں سبق خواند
ترا مختار نامہ چوں بہشت است　　بشرح القلب دنیا چوں گنشت است
ز بعد ایں کتب خواں سہ کتب را　　کہ تا گردد و جودت خود مصفا
بوصلت نامہ داں وصل معانی　　ز بلبل نامۂ ما وا نہانی
ز ہیلا جم جہاں در لرزش آمد　　فلک ازقدرتش در گردش آمد　　(ص ۳۵۷)

ایک مقام پر سولہ کتابوں کے نام گنائے ہیں، یعنے: (۱) مظہر (۲) وصلت نامہ (۳) ہیلاج نامہ ۴ اسرار نامہ (۵) منطق الطیر (۶) خسرو وگل (۷) الہی نامہ (۸) پند نامہ (۹) مصیبت نامہ (۱۰) بلبل نامہ (۱۱) اشتر نامہ (۱۲) تذکرۃ الاولیاء (۱۳) معراج نامہ (۱۴) مختار نامہ (۱۵) جواہر نامہ (۱۶) شرح القلب —

بداں خودرا کہ در مظہر تو بینی ز وصلت نامہ نام اظہر تو بینی
بداں خودرا کہ ہیلاجم چنیں گفت کہ از اسرار نامہ در تواں سفت
بداں خود را کہ مرغ لا مکانی کتاب طیر مارا آشیانی
بداں خود را ؤ خسروداں تو گل را الٰہی نامہ گفتست ایں معما
بداں خود را کہ پند من شغبقست مصیبت نامہ ات ایں دم رفیقست
بداں خود را کہ بلبل نامہ داری باشتر نامہ کے میخانہ داری
بداں خود را اگر تذکیرہ داری جمیع اولیا را دیدہ داری
بداں خود را کہ ایں معراج نامہ بہفتم آسماں دارد نشانہ
بداں خودرا کہ ایں مختار نامہ است در عالم را از وہم دام و دامست
بداں خود را جواہر نامہ کن گوش بشرح القلب من فی الحال می نوش (ص ۴۵۶)

کتابوں کی تعداد سولہ ہوتی ہے، لیکن سترہ بتائی ہے —

بداں خود را کہ ایں ہفدہ کتب را نہادم بر طریق علم اسما (ص ۴۵۶)

اور تمام اشعار کی تعداد دو لاکھ دو ہزار اور ساٹھ بیان کی ہے :—

شمار بیت ایشہا را بگیریم من از کشت معانی تخم ریزم
دویست و دو ہزار و شصت بیت است زیادہ یا کمی میداں کہ قید است (ص ۴۵۶)

یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں، کیونکہ شرح القلب اور تذکرۃ الاولیا، نثر کی کتابیں ہیں - اور معراج نامہ ایک ایسی کتاب ہے، جس سے نہ تذکرہ نگار واقف ہیں- اور نہ فہرست نگار - رہیں باقی تیرہ کتابیں، ان کے ابیات کی تعداد کسی حالت میں اٹھاسی ہزار سے زیادہ نہیں ہوسکتی —

مظہر کے دیباچے میں ان کتابوں کے نام لئے ہیں : —

جوہر ذاتم عجائب بودہ است ہمچوں اشتر نامہ مستی کردہ است
گر تو از مرغ حقائق پے بری منطق الطیرم بخواں تا بشنوی
ور تو اسرار ولایت گوش کن و آں گہے جام نبوت نوش کن

رو مصیبت نامہ را از سر بخواں　　تاشود حاصل ترا مقصود جاں
گر تو از خسرو یکے گل داشتی　　بلبل مسکین خود بگذاشتی
گر الٰہی نامہ را گیری بگوش　　جام وحدت را بگیری نوش نوش
گر تو پندم را بیابی در جہاں　　رو عزیزش دار ہمچو جان جاں
رو بذکر اولیا مشغول شو　　وآں گہے چوں تزکرہ مقبول شو (ص۱۳-۱۴)

کہا ہے کہ میںنے بہت کتابیں لکھی ہیں، لیکن مظہرالعجائب کو سب پر فوقیت ہے۔

کتب بسیار دارم در جہاں　　لیک مظہر را عجائب نیک داں (ص۱۴)
کتب بسیار دارم گر بخوانی　　از و دنیا و عقبیٰ را بدانی
بداں کیں مظہرم جان کتبہا است　　درو اسرار دین حق ہویدا است (ص۳۵۷)

اُن کو عباسیوں نے بہت بلایا اور زمرۂ علما میں رکھنا چاہا، لیکن یہ گئے نہیں، وجہ ظاہر ہے، یہ حقگو تھے اور وہ حق بات نہیں سنتے تھے:—

مرا عباسیاں بسیار خوانند　　مرا بر عالمان خود جہانند (کذا-نشانند؟)
اگر من راستی گویم ملولند　　طریق راستی را کے قبولند (ص۵۷۳)

ایک حکایت میں جو ص۴۷۶ سے شروع ہوکر ص۵۷۹ پر ختم ہوتی ہے، کہا ہے کہ: ایک پیر سالک نے آکر مجھ سے تیس سوال کئے اور اُن کے جواب طلب کئے۔ میں یہ سوالات سن کر حیران رہگیا دل میں کہنے لگا کہ الٰہی! ان سوالوں کا جواب کیونکر دے سکوں گا۔ مجھ میں یہ توفیق نہیں اور یہ ظالم تمام اسرار غیب مجھسے دریافت کر رہا ہے۔ ان سوالوں کا جواب صرف ہاتف غیبی ہی دیسکتا ہے۔ میں اِسی شش و پنج میں تھا کہ ہاتف تشریف لایا اور اُس نے مجکو اُن کے جوابات تعلیم کر دیئے۔ جب پیر سالک نے مجھسے جوابات سنے، بولا کہ: اگر یہ حال ہے تو مجکو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے، میرا اصل مقام عقبیٰ ہے۔ یہ کہکر اُٹھا اور جان دے دی:

مرا از خود ہمیں معنیٰ تمام است　　مرا عقبیٰ بایں معنیٰ مقام است

قدم در راہ بنہاد او وجاں داد بمعشوق حقیقی او رواں داد

یہ قصہ عطار کے توبہ کرنے اور اُن کے کوچۂ تصوف میں آنے کے قصے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اور ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں نے اُلٹا سیدھا تراش کر اُسی کو اور غرض سے اِستعمال کرلیا ہو، یا یہ قصہ اُس قصے کی بنیاد پر تراشا گیا ہو —

متعدد مرقعوں پر دشمنوں کے جور و تشدد، اُن کے مذہبی عناد وغیرہ کا ذکر آتا ہے - جب مرتضیٰ کی بنا پر ظالموں نے ایک مرتبہ کامل سال بھر قید رکھا اور مکان لوٹ لیا - آخر حضرت مرتضیٰ نے رحم کیا، قید سے رہائی مل گئی اور جائداد بحال ہو گئی —

تو بر عطار کردی ظلم بسیار کہ داری در دل خود حب کرّار
ز بہر ایں مرا یکسال در بند بکردند آں لعیناں در کمر بند (کذا)
ز بہر ایں تمام ملک و مالم بغارت برد او با خواہ سالم (کذا)
یقینم داں تمام بند گانم کشیدند و نہادند یکتائے نانم
بآخر مرتضیٰ دریافت مارا بکرد او دفع از ما ایں بلا را
بحق بود و بحق درخواست کرداو ہمہ طفل و معاشم راست کرد او
مرا بکشاد او از بند ایں قوم ز تا یکے مرا او داد ایں بوم
مرا او داد جان نو دریں دہر بزو بر جان دشمن نوش خوں زہر (ص ۴۰۶)

یہی شکایت دوسرے موقعے پر یوں دُہرائی ہے :—

اے منافق! آں چہ با من کردۂ کلبۂ ما مثل گلخن کردۂ
خان و مانم را بتاراج سگاں دادۂ تا خاطرت گیرد اماں
قصد کشتن نیز کردی لیک شاہ داد اندر کوئے خرد مارا پناہ
روسیہ گشتی بدستت ہیچ ماند زاں ترا شیطان ملعوں خویش خواند
کردۂ عطار را تو قصد خوں کردۂ خود را تو از جنّت بروں

بہر حب مرتضیٰ مارا کشی در دو عالم خویش را رسوا کشی (ص ۴۴۶)

دشمنوں نے ایک بار اُن کے قتل کے لئے وسیع پیمانے پر طیاریاں کیں اور اُن کو مع فرزند کے گرفتار کرلیا - ایک لاکھہ کی تعداد میں جمع ہوگئے جن میں فاضل شیوخ و قاضی و اکابر سے لیکر بازار کے دکاندار تک شامل تھے - ہرایک اُن کے خون کا پیاسا تھا' بالآخردریا' میں پھنک دیا اِس بےبسی کے عالم میں اُنھوں نے خدا کی طرف رجوع کی - الہام ہوا کہ: اے عطار مطلق خوف نکر تو دشمنوں کے پنجے سے رہا ہوجائیگا - قدرت الٰہی ملاحظہ ہو کہ اُس ہجوم میں سے شہباز کی طرح اُڑتے ہوے نکل گئے *

تو اے ناپاک کردی جور بسیار نہ می اندیشی تو از جور عطار
چہ حاصل کردی از جور چنیں تو چہ کردی بہر خون ما نگیں تو
جزاے تو خدا در حشر بدھاد کہ خواھم کرد از تو پیش حق داد
ازیں ظلمے کہ بر عطار کردی علی را تو ز خود بیزار کردی
ز بہر مرتضیٰ کردی بما جور جہو داں فخر دارند برتو اے کور
کہ حیدر را چرا تو دوست داری ز بہر ایں بریزم خوں بزاری

---

* میرزا محمد بن عبدالوھاب قزوینی نے لسان الغیب سے' جو اسی شاعر کی تصلیف ھے' بعض ایسے ابیات نقل کئے ھیں' جو اِس واقعے پر مزید روشنی ڈالتے ھیں :—

بر سر مسند براق تر کماں در چلنیں ظلمے کشادہ او زباں
بر سر من کردہ تر کان اتفاق تا بریزد خوں کہ دارد او نفاق
اے فقیہ ایں جا بمن پیچیدۂ فتوئے در خون من بنوشتۂ
قصد جان و مال و عرضم کردۂ یارۂ جانم زمن ببریدۂ
در بدر از دست تو افتادہ ام در توکل دل بجاناں دادہ ام
کرد عالم گشتہ ام از دست تو گفتہ ام بیدادیت را گو بکو
جمع گشتند خلق بہر قتل ما جرم عطار است حب مرتضیٰ
عاقبت مارا زدست ایں سگاں حق خلاصی داد از وہم و گماں
بغض حیدر سود نبود اے فقیہ! آں زیاں جانت باشد اے سفیہ

[مقدمۂ تذکرۂ عطار ص یا]

خلاصم کرد حیدر از بلایت — کشم از دوش صورت این روایت
قریب صد هزار آدم درین باب — فگندندت ترا عطارا در آب
چو یونس حق ترا از بطن ماهی — نهاد و کرد آزاد از تباهی
تمام ملک از شیخان فاضل — ز قاضی و اکابر هم زکامل
تمام خلق، عام و خاص بازار — همه گشتند بر قتلم روا دار
همه در قتل و خونم میل کردند — مرا باپور اندر خیل کردند
درین حالت نیایش در فتادم — در توبه برویم بر کشادم
ز حق جستم خلاصی نیز خلقان — به بیں از حق تعالیٰ نص و برهان
بالهامم ندا در داد یزدان — که اے عطار تو خود را ستر سان!
خلاصی این زمان از دست ایشان — ازین معنی مکن خاطر پریشان

بالهام اللهی همچو شهباز — پریدم از میان شان چشم کن باز (ص۴۰۱-۴۰۲)

مظہرالعجائب* کے جلاے جانے کا اشارہ کئی موقعوں پر موجود ہے- تعجب ہے کہ ابھی مظہر ختم بھی نہیں ہوئی ہے کہ دشمن اُس کے جلانے کے منصوبے کر رہے ہیں، حالانکہ شاعر اُس کے چھپانے میں بہت کچھہ اہتمام کرتا ہوگا:-

---

* مظہر کے جلاے جانے کا ذکر لسان‌الغیب میں بھی ملتا ہے- میں میرزا امحمد کے مقدمہ سے اشعار ذیل نقل کرتا ہوں :-

ز آں بسوزی مظہرم کاں اسم اوست — غافل از سر خدا و دید دوست
اے سمرقندی حذر از سوزشش — چوں کلی ز آتش درین‌جا پوششش
لعنت حق باد بر سوزندہ اش — چونکہ یزداں از در خود راندہ اش
تو یزید عصر مانی اے پلید — میکنی نفس حسین این جا شہید
اے سمرقندی مکن این کار تو — می فرستی خویش را در نار تو
مظہرم گوئی بباید سوختن — چشم مظہر خواں بباید دوختن
در جہاں خوانند مظہر را کساں — بر تو خواهند کرد لعنت بیکراں

(مقدمۂ تذکرۂ عطار، ص یب)

بسوزی مظہر عطار را تو وگر نوری بگیری نار را تو
کلام و ہم حدیث و اسم حق را بسوزی و نداری ہیچ پروا
تو سوزی اسم ایشاں جسم سوزند قبائے ظلم و جور و مکر دوزند (ص۴۳۱)
بدادانی بسوزی مظہرم را در و بینی چو نام حیدرم را (ص۴۰۰)

علی ہذا مختلف مقامات پر اپنے ناظرین کو ہدایت کرتا ہے کہ مظہر کو نا اہلوں اور خارجیوں سے محفوظ رکھنا:-

من نہادیم جملہ اسرارت تمام لیک ایں مظہر نہاں باشد ز عام
کن ز نا اہلاں کتابم را نہاں زانکہ دیدم من درو حق را عیاں
جوہر و مظہر بگنجے باز نہ خود ورا سر پوش از اسرار نہ
تا نیفتد او بدست خارجی منکر مظہر بباشد خارجی
بعد من گر خوانی ایں مظہر تمام زینہارش تو نگہدار از عوام

اور مظہر کے خوش نصیب کاتب سے وعدہ کیا ہے کہ میں تجھے ساتھہ لیے بغیر کبھی جنت میں قدم نہ رکھوں گا:—

با خدا بستم بمعنے عہد نو بے تو باشد خود بہشتم نا نکو
بے تو اے کاتب نہ باشم در بہشت زانکہ ایں مظہر شدستم سر نوشت (ص۶۱۹)

اور ساتھہ ہی اِس کتاب میں اعتقاد نہ رکھنے والوں پر دوزخی کا فتوی لگا دیا ہے :—

ہر کہ شک آرد بمظہر دوزخیست زانکہ ایں مظہر نشان جنتیست (ص۶۲۰)

مصنف مذہباً اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا ایک رکن بیان کرتا ہے اور ساتھہ ہی گویا ہے کہ میں حضرت علی کو وصی مانتا ہوں اور شیعہ نہیں ہوں:-

من بدیں اہل سنت رفتہ ام بر طریق اہل سنت بودہ ام
کہ عطار است سنی نیست شیعہ نبودہ او بدیں با مطیعہ (کذا)
علم سنی و اسرارم عیانست جہاں اندر جہاں اندر جہانست

ولیکن پیر و میر ما علی است از آں کو وارث علم نبی است

دگر او را وصی دانم بحکمش نبودہ در جہاں خود عدل و ظلمش (ص ۴۳۱)

دیباچے میں اگرچہ شیخین کے لیے اس نے ایک شعر لکھا ہے :-

از ظہور مصطفیٰ آگاہ شو با ابوبکر و عمر ہمراہ شو

لیکن جو مذہبی ماحول اُس کتاب میں پیدا کیا گیا ہے ' سنی معتقدات کے عین منافی ہے' بلکہ یہ سنی ہیں جو اِس کے سب وشتم کے آماج ہیں شاعر نے اپنی لعنت اور دشنام کے تمام تیر پوری طاقت کے ساتھہ اُن پر برسائے ہیں' وہ سنیوں کو اپنی تمام بد قسمتی کا ذمہ دار سمجھتا ہے-اُنھوں نے اُسے قید کیا' گھر لوٹ لیا اور قتل کرنا چاہا - وہ تقلید اور چاروں مصلّوں سے سخت بیزار ہے' چاروں اماموں کی تضحیک کرتا ہے - اُس کے نزدیک چاروں مصلّوں کو ماننے والے مردود ہیں' ع :

چار دیدن کار مردوداں بود .

اہل سنت کو اُن کے دشمن ناصبی کہتے ہیں (جو در اصل خوارج کا نام تھا) مصنف بھی اُن کو اسی نام سے پکارتا ہے' لیکن جاے حیرت یہ امر ہے کہ وہ اُن کو خارجی بھی کہتا ہے اور رافضی بھی - مزید بر آں منافق' مقلد' پیروان معاویہ' عباسی' تقلیدی اور راویوں کے پیرو بھی کہتا ہے - جو لوگ دین علی کے پیرو نہیں ہیں اور چار مذہب کے ماننے والے ہیں' شاعر کے نزدیک وہی رافضی ہیں :-

ہر کہ در دین علی نبود درست رافضی خوانم من او را از نخست

(دیگر) ندانستی کہ رافض کیست اے سگ بگویم تا شود خود خشک ایں رگ

رافض آنکہ دین شہ ندارد بکوے مرتضیٰ ایں رہ ندارد

رافض آنکہ دین غیر دارد بکوے غیر حیدر سیر دارد

رافض آنکہ از توحید دور است بہ علم چار مذہب خود صبور است

ناصبی بادینکے بیدیں شدہ او ز سر تا پاے خود سنگیں شدہ

ایں جماعت دشمنان حیدرند پیش ما لایق بہ تیغ و خنجرند (ص ۴۲۰)

چار مذهب

خانهٔ * دین نبی کردند خراب — خون سومن زیختن دیدند صواب
چار مذهب بهر ایشان ساختند — دین ایشان را بروں انداختند
بوحنیفه گفت کیر دین مهمل است — پیش من دین نبی خود مجمل است
من د هم احیاے دین مصطفی — زانکه علم من ندارد خرد فنا
شافعی گفتا که قول من حق است — پیش من گفت نبی خود مطلق است
هر چه گویم از روایت راست است — این معانی از دل من خاست است
احمد حنبل بگفتا قول من — بهتر است از قول دیگر درسخن
گفت من چوں گفت پاکاں روشن است — آں زمان نبود که بیروں از تن است
گفت مالک آں امام راست گوے — بردهٔ ام در علم شرعش راست گوے
من به شرع مصطفی در تاختم — هم چو عیسی در رهش خر یافتم (ص ۳۲۸)

---

* اس نقلی عطار کے مقابلے میں اصلی عطار کے اشعار بھی ملاحظہ ہوں :—

جہانرا هم امام و هم خلیفه — کرا می دانی الا بوحنیفه
جہاں علم و دریاے معانی — امام اول و انسان ثانی
چراغ امت آمد آنسرا فراز — چراغے کو عدو رامی نہد باز
قضا کردند بروے عرضهٔ ناگاه — به نپذیرفت آنجان و دل آگاه
نبی بنهاد گلبچے جماله رحمت — بحصهٔ بو حنیفه کرد قسمت
گرت از مهر کوفی حاصلے نیست — چوکوفت جز خرابه منزلے نیست
چرا چوں چرخ مقلوبی تو داری — دگر مطلب چو مطلوبے تو داری
چو داری شافعی و بو حنیفه — توئی هم مالک دیں هم خلیفه
وگرایں داری اما آں نداری — دلے داری و لیکن جاں نداری
چرا ایشا نند هر دو چشم دیں را — بلند سرایں دو چشم راه بیں را (خسرونامه قلمی)

مطبوعه خسرو نامے سے یہ اور ملقبت اصحاب ثلثہ کے اشعار اهل مطبع نے خارج کردئے هیں ' میں نے پروفیسر آذر کے کلیات سے اُن کو نقل کیا ہے - یہ بھی یاد رہے کہ شیخ عطار اپنی مثنویات میں ائمهٔ اربعہ کا نہایت احترام سے ذکر کرتے هیں اور ان کی حکایات بھی نقل کرتے هیں —

مظہر جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اعزاز میں لکھی گئی ہے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام کتاب اُن کے عشق و وجدان سے معمور ہے - شاعر نے اُن کی تمجید اور تحمید میں ایسی مبالغہ آمیز زبان استعمال کی ہے، جس سے خود رسول اللہ کے امتیاز یکتائی کو صدمہ پہنچنے کا خطرۂ عظیم ہے - حضرت علی کا مرتبہ تمام مقدس ہستیوں، فرشتوں اور انبیاؤں سے بالا مانا ہے - الوہیت کے اگرچہ تمام خطابات اُن کو نہیں دیے گئے، تاہم "بعد از خدا بزرگ توئی" میں تو کوئی گنجائش احتمال نہیں - یہ اشعار ملاحظہ ہوں :—

همی اسرار عرفان مرتضیٰ است — همی درجان منصور او خدایست
خدا او را ولی اللہ خواندہ — برفعت مصطفیٰ اش شاہ خواندہ
بہر قرنے بروں آید بلونے * — ازوآباد میداں ایں دو کونے (ص ۳۵۲)
گفت پیغمبر کہ شاهی ز آن تست — مظہر سرّ الٰہی جان تست
درهمہ روے زمیں او مقتدا است — ایں همہ درشان شاہ اولیاست
شاہ عشق و شاہ موسیٰ، شاہ طور — شاہ سرور، شاہ اکبر، شاہ نور
شاہ یوسف، شاہ یعقوبست و خضر — شاہ الیاس است در دریاے خزر
شاہ اسمٰعیل و ابراهیم داں — یا چو اسحٰق و چو هارونش بخواں
شاہ بودہ با جمیع انبیا — هم همو بودہ بمعنیٰ رهنما
شاہ بردہ با محمد درعیاں — هم همو دیدہ همہ سر نہاں
شاہ باعیسیٰ است و با روح اللہ است — رفتہ او بر عرش علییں وراست

---

* اس شعر سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف حلول کا معتقد ہے اور خود اس کو اعتراف ہے کہ اس پر اس قسم کے اُلزام لگائے گئے ہیں:—

"تا نگویندت وجودی یاحلول — تا نگویندت چو رافضی بو الفضول
بعض گویند اتحادی بودہ است — یا بکیش ملحداں هم رفتہ است"

شاہ جبرائیل و میکائیل ہم　　شاہ اسرا فیل و عزرائیل ہم
زانکہ حیدر در درون یار گفت　　ہم ابا منصور و ہم با دار گفت
ہم ازو یعقوب و ہم موسیٰ شنید　　ہم ازو عطار و ہم کبریٰ شنید
ہم ازو جبریل و ہم آدم شنید　　ہم ازو عیسیٰ بن مریم شنید
ہم ازو سیّد بمعراجش شنید　　ہم ازو ایں جملۂ عالم شنید

شاعر کے نزدیک ولاے علی کے بغیر نجات نا ممکن ہے :—

گر ترا عمرے دوصد باشد بسال　　وند ریں عمرت بخوانی علم قال
روزہ گرداری تو خرد عمر دراز　　ور بشب دایم گزاری تو نماز
بے ولاے او نیابی ہیچ نور　　روسیہ باشد ترا خرد در حضور

اگرچہ بارہ اماموں کا قائل ہے اور اُن کی مدح بھی دیباچے میں موجود ہے تاہم امام جعفر صادق کا زیادہ گرویدہ معلوم ہوتا ہے اور متعدد مقامات پر اپنے آپ کو جعفری* کہتا ہے :—

من طریق جعفری دارم چوباب　　خوردہ ام از ساقی کوثر شراب
سرد آنست کو بدین جعفراست　　یاچوں سلماں او بدیں حیدر است
اے ترا نشناختہ جز جعفری　　ایں معانی را ز فہم ما بری

---

* شیعوں میں ایک فرقہ جعفری بھی ہے، جو امام حسن عسکری کے بعد اُن کے بھائی جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ لیکن اثنا عشری اس امام کو کذاب کہتے ہیں (از مرات المذاہب) ۔ بعض نے لکھا ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوے اور نہ ان کا کوئی فرزند محمد نامی پیدا ہوا، اس لئے جعفری امام مہدی کی ولادت کے منکر ہیں (مذاہب الاسلام صفحہ ۴۴۶) ہمارا مصنف بہر حال امام حسن عسکری کے بعد (جن کو غلطی سے ابوالحسن عسکری، شعر:

بوالحسن داں عسکری را در جہاں　　بوالحسن داں مہر او در جان جاں

لکھتا ہے) غیبت امام مہدی کا قائل ہے، چنانچہ:

یا الٰہی مہدیے از غیب آر　　تا جہاں نے عدل گردد آشکار

اس لئے اس کا شمار اثنا عشریوں میں ہونا چاہئے، جو اپنے مذہب کو حضرت امام جعفر کی طرف منسوب کر کے اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں —

راه حق چون راه جعفر راست است　　خارجی از من چه حجت خواست است
این کتب دارد لباس جعفری　　معرفت گفته باهل معنوی
ترا مظهر ز جعفر داد پیغام　　ترا مظهر ز لطف اوست انعام

اِس نظم کو عطار کی طرف منسوب کرنے میں کئی امور دامنگیر تامل ہیں۔ جن کو مختصراً ذیل میں لکھا جاتا ہے :—

(۱) اُس کی زبان جس کا میر زا محمد قزوینی بھی * دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں ' عطار کے حقیقی کلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتی - اُن کا خیال ہے کہ طبیعت میں یہ اضمحلال بڑھاپے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے' لیکن میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک مشاق شاعر جو مدتالعمر پر گوئی کے لئے معروف ہو ' انحطاط و پیری کے دور میں اسقدر ستھیا جائے کہ معمولی جملوں میں صرف و نحو کی غلطیوں کا ارتکاب کرے - اِس کی سیراب طبیعت کی تمام روانی اور طرفان خیزی بالکل مفقود ہوجائے اور معمولی ترکیب اور بندش کی لغزش ' جملوں کی بے ربطی اور الفاظ کے بے محل استعمال کا مرتکب ہو ' وزن وقوافی کے معمولی قواعد کو بالائے طاق رکھدے - نظم میں اسقدر اختلال اور لغزش' البتہ اختلال دماغ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے' نہ اضمحلال طبیعت کی طرف - عطار کی یہ تصنیف بہت کچھ مولانا آزاد کے دورجنوں کی یادگار "جانورستان" اور "سپاک و نمک" سے مماثل ہے۔

---

* میر زا ی موصوف کے اصل الفاظ یہ ہیں :—
" یکے از تالیف آخری عطار مظہر العجائب است و در مقدمۂ ایں کتاب غالب کتب مصنفہ اش را کہ از جملہ تذکرۃالاولیا ست نام می برد و اشعار ایں کتاب بالنسبۃ بسایر اشعار عطار تفاوت واضح دارد در پستی و سستی و قدرے رکاکت- وہر کس منطق الطیر و الہی نامہ وخسرووگل و دیوان عطار را مطالعہ کردہ باشد ' برائے او قدرے مشکل است' اعتقاد کند کہ صاحب مظہرالعجائب باآنہا یکے بودہ است و ظاہراً علت ایں انحطاط و خمود طبع است درسن کہولت" - (مقدمۂ تذکرۂ عطار' ص ط - ی مرتبۂ پروفیسر نکلسن)

لیکن میں اس نظریے کا بھی معتقد نہیں ہوں، کیونکہ شاعر اپنی تصنیف کی خامیوں سے باخبر ہے اور رفع اعتراض کی بیسود کوشش کرتا ہے - اس کی صرف و نحو کے متعلق ایک بے باکانہ انداز میں کہتا ہے :—

جوہر و مظہر باہل دل دہم　　صرف ونحو ش را باہل گل دہم

دوسرے موقعے پر کہا ہے :—

جوہر من نیست شرح نحو وصرف　　ز آنکہ او در نقطۂ گشتست حرف

گویا وہ اپنی ذات کو اِن فنون کے ضوابط کی پابندی سے بالا سمجھتا ہے- یہی نہیں، ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ: میںنے یہ کتاب عام زبان میں اس لئے لکھی ہے تاکہ عوام‌الناس اس سے مستفید ہوں - میں اسی کو نفیس عبارت میں لکھہ سکتا تھا، لیکن عامۃالناس اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتے —

من ایں مظہر بلفظ عام گفتم　　گہے پختہ و گاہے خام گفتم

کہ فہم خلق درّے خویش بر آید　　ز جہل و کبر خود بیروں بر آید

وگر نہ خود بالفاظ شریفش　　ہمی گفتم کہ می آمد شریفش

ولے درویش از و محروم میماند　　بہ پیش خادم مخدوم میماند

اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ شخص کوئی بہروپیا ہے، جس نے خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر شیخ عطار کا سوانگ بھر لیا ہے - چونکہ اس کے پاس نہ عطار کا دماغ ہے، نہ اُن کی طبعیت اور نہ علمیت، اس لئے یہ تمام اضمحلال ہے اورواسی لئے خیالات میں اسقدر ابتذال اور عبارت میں خامیاں ہیں، جس کے پڑھنے سے طبعیت متنفر ہوجاتی ہے - ایک شخص عطار کا تخلص اختیار کرلے اور اس تخلص کی رٹ لگانے سے (جیسا کہ مصنف اِس تصنیف کے دوران میں دیکھا جاتا ہے)عطار نہیں بن سکتا —

(۲) تاریخی لحاظ سے نظر ڈالتے ہوے متعدد خامیاں اور پائی جاتی ہیں - مشاہیرکے زمانوں اور اُن کے سنین و سال سے مصنف بےخبر معلوم ہوتا ہے -

شیخ نوری کو عطار کا ہم عصر خیال کرکے ایک حکایت تراشتا ہے، جس میں شیخ نوری اس کے گھر آتے ہیں اور حرب صفین ونہر وان کی تاریخ سناتے ہیں :

خواجۂ نوری بما همخانه شد — از وجود ناقصان بیگانه شد
علم معنی از وجودش همچو نور — شعله می زد بر طریق کوه طور
یک شبے درپیش من آن بحر راز — از حکایات شهان می گفت باز
از معانی و مشایخ و ز علوم — از احادیث نبی و از نجوم
گفت و گوے بود ما را خود بهم — از مقالات صحابه بیش و کم
گفتمش از حرب صفین گو سخن — و ز مصاف نهروان هم یاد کن

حالانکہ شیخ نوری جنید کے ہم عصر ہیں اور سنہ ۲۹۴ ھجری یا سنہ ۲۹۵ھجری میں وفات پاتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ شاعر ان کو ایک حکایت میں شیخ شبلی کے وعظ میں بھی حاضر مانتا ہے—

حسین منصور کا اُس نے نیا نام رکھا ہے یعنے منصور حسینی:-

جام اسرار معانی نوش کُن — همچو منصور حسینی جوش کُن
از کمال حکمت او آگاه بود — همچو منصور حسینی شاه بود

عطار حسین بن منصور کے حالات ایک معقول پیرائے میں اپنے تذکرے میں لکھ چکے ہیں، جس میں اُنھوں نے حسین کے متعلق صرفیوں کی تمام روایات کو جمع کردیا ہے، لیکن عطار کا یہ مثنوی جو تذکرۃ الاولیا کی تصنیف کا مدعی بھی ہے، تذکرے کے بیانات کے بالکل برعکس ایک طویل حکایت منصور کے متعلق لکھتا ہے جس میں شقیق بلخی جاکر خلیفہ ہارون الرشید کو سمجھاتے ہیں کہ تم نے چونکہ منصور کو قتل کرادیا ہے اور وہ حضرت موسیٰ کاظم کا آدمی تھا، اس لیے تمھیں چاہئے کہ اب جاکر حضرت امام سے اس قتل کی معافی مانگو - ہارون الرشید پر شیخ کی نصیحت کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ سیدھا حضرت موسیٰ کاظم کی خدمت میں پہنچتا ہے، معذرت خواہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تک آپ کی طرف سے غافل

رہنے کی معافی مانگتا ہوں، آیندہ آپ جو حکم دیں گے، بسرو چشم بجا لاؤں گا - آپ حقیقت میں ہمارے پیشوا ہیں، کیونکہ آپ ہی نقد خیر المرسلین ہیں اور میرا ملک در حقیقت آپ کی ملک ہے، جس طرح منصور کے الفاظ آپ کے الفاظ تھے :-

من ترا دانم کہ ملکم حق تست گفتۂ منصور ہم از نطق تست

دشمن آپ کی تاک میں تھے اور منصور کو بھی اسی لیے لپیٹا گیا کہ وہ آپ کے محبت کیشوں میں تھا اور آپ کی درگاہ پر سجدے کیا کرتا تھا وہ برابر پانچ سال تک میرے کان بھرتے رہے کہ جب منصور امام کے آستانے پر پہنچتا ہے، سینکڑوں سجدے* کرتا ہے :-

دیگر آنکہ چوں بروں آید ز پیش سر نہد بر آستاں صد بار پیش

روے و موے خود بمالد بر زمیں خود خدا را سجدہ باید این چنیں

میں طرح دیتا رہا اور لوگوں سے کہتا رہا کہ اس میں کیا ہرج ہے، خود شیخ بایزید بسطامی جب عیدین میں امام جعفر صادق کے ہاں جاتے تو آستانے پر سجدہ کرتے- معاملات کی ابھی یہی صورت تھی کہ منصور نے نعرۂ اناالحق بلند کیا، علما نے اس کے قتل کا فتوی دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا - میرا اگرچہ اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے، لیکن التجا کرتا ہوں کہ آپ میرے اس جرم سے در گزریں- امام نے فرمایا: اگرچہ باطن میں تم کو میرے ساتھ عداوت تھی، مگر اس مرتبہ تم کو معاف کرتا ہوں کیونکہ تمہارا اعترات گناہ اخلاص مندانہ ہے، مگر آئندہ محتاط رہنا اور اہل دین کے ساتھ مخلصانہ پیش آنا - ذرا ادھر کونے میں تو دیکھو، کون کھڑا ہے؟- خلیفہ نے کونے میں نگاہ تالی دیکھا تو منصور حلاج کھڑا تھا - ہارون نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا —

---

* صفویوں نے جب وہ صاحب الزماں کے نائب مان لیے گئے ہیں، سجدہ کی رسم کو رواج دیا، کوئی تعجب نہیں اگر اس قسم کے قصوں سے، اس رسم کی حرمت ملوائی گئی ہو —

اِس قصے کی لغویت ناظرین میری مدد کے بغیر معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ منصور حلاج اور ہارون‌الرشید کے زمانوں میں ایک صدی سے زیادہ کا فرق ہے۔ خلیفہ ہارون‌الرشید سنہ ۱۹۳ ہجری میں وفات پاتا ہے اور منصور سنہ ۳۰۹ ہجری میں دار پر چڑھایا جاتا ہے۔ شیخ شقیق بلخی متوفی سنہ ۱۹۵ ہجری اور ہارون‌الرشید کی ملاقات کا ذکر خود شیخ عطار نے اپنے تذکرے میں کیا ہے اور تمام گفتگو بھی درج کردی ہے† جو زیادہ تر پند و موعظت پر شامل ہے—

(۳) سب سے اہم مصنف کے مذہبی عقائد ہیں، جو عطار کے معتقدات سے مشرق و مغرب کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں سنی معتقدات کے متبع ہیں، اصحاب اربعہ و ائمۂ اربعہ کے مداح و ثناخواں ہیں، یہ شخص اس اقرار سے کہ سنی ہے، شروع کرتا ہے، لیکن ایسے جذبات اور معتقدات کا اظہار کرتا ہے جو شیعہ جماعت سے بالخصوص تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر ایسے عقیدے کی، جو سنیوں کے نزدیک قابل احترام ہے، تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ سنّیوں کو نئے نئے ناموں سے پکارتا ہے، ائمۂ اربعہ کی مذمّت کرتا ہے؛ اصحاب ثلثہ کے لیے اس تصنیف کے دوران میں اس کا قلم خاموش ہے، مگر یہ ایک ایسی فروگذاشت ہے جو اُس نے کسی خاص مصلحت کے زیر اثر روا رکھی ہے، جس کی تلافی اپنی دوسری تصنیف لسان‌الغیب میں کر دیتا ہے۔ جہاں علی‌الاعلان اور بقول‡ مرزا محمد

---

* تذکرہ جلد اول صفحہ ۱۹۸، طبع یورپ۔ علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے لیے جو اس کتاب کے پہلے سیاح ہیں اور تذکرۂ عطار پر دیباچہ لکھ رہے ہیں، یہ امر ناممکن تھا کہ ایسے قصے پڑھنے کے بعد بھی اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ہونے کے راز سے ناواقف رہتے، تاہم اُنھوں نے اسے اور اسی مصنف کی دوسری خرافات لسان‌الغیب کو عطار کی تصنیف قبول کر لیا۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ اُن کی تاریخ دانی پر اُن کا مذہب غالب آگیا —

† مرزا کے الفاظ ہیں: " و دریں کتاب در اظہار تشیع خود بصراحت و بدون تقیہ گوید " — (مقدمۂ تذکرۂ عطار، صفحۂ یب)

بن عبدالوهاب قروینی " بدرن تقیه" کہتا ہے:—

شیعۂ پاکست عطار اے پسر جنس ایں شیعه بجان خود بخر
ما ز فارق النجا بر کنده ایم پے ز نورین شما ببریده ایم
بوحنیفه را ز دست بگزار تو خود برو اندر پے کرار تو

(تذکرۂ عطار، مقدمۂ میرزامحمد قزوینی، ص یب)

میں یہ ماننے کے لیے طیار ہوں کہ عطار تمام عمر سنی رہکر بڑھاپے میں اپنا مذہب تبدیل کر سکتے تھے، لیکن ان کے لیے نئے شیعہ ہونے کی حیثیت سے اپنی تصنیف میں اس مذہب کی تمام روایات و معتقدات کا ماحول پیداکرنا سخت دشوار تھا - یہ بات وہی شخص کرسکتا ہے، جو ابتداهی سے اس مذہب کا پیرو ہو - اس کی تردید میں شاید یہ کہا جائے، جیسا میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی نے کہا ہے کہ عطارنے تقیہ کرلیا تھا - اول تو یہ خیال کرنا کہ عطار عمر بھر تقیے کے پردے میں زندگی بسر کرتے رہے، ناممکن سامعلوم ہوتا ہے - دوسرے میرزا محمد * معترف ہیں کہ یہ کتاب نجم‌الدین کبریٰ کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے، جو سنہ ۶۱۸ ھ میں تاتاریوں کے ہاتھہ سے شہید ہوتے ہیں - تاتاریوں کو اگر چہ ہم اپنے نقطۂ نظر سے وحشی کہنے کے عادی ہیں، لیکن انتظامی قابلیت کا وصف اُن میں بڑی حد تک موجود تھا، اُنھوں نے آتے ہی اپنی سیاسیات کو مد نظر رکھکر سنّیوں کی کثیر تعداد کے برخلاف شیعہ جماعت کی، جو قلیل تعداد میں تھی، مراعات اور تقویت شروع کردی تھی، اس لئے میں نہیں سمجھہ سکتا کہ چنگیزیوں کے عہد میں عطار کے لئے اصول تقیہ کی پابندی کی کیا ضرورت تھی - عطار جیسا کہ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے، نیشا پور میں مقیم تھے اور نیشا پور تاتاریوں کے قبضے میں تھا - میں نہیں جان سکتا کہ تقیہ کا انتساب

---

* تذکرۂ صفحۂ یز —

ایک ایسے صوفی کی طرف جو ہمیں بے تعصبی اور روا داری کی تلقین کرتا ہے اور اپنی وسیع مشربی سے ہفتاد و دو فرقہ کی قیات میں یقین رکھتا ہے کس قدر صحیح مانا جا سکتا ہے - ہمیں اسرار نامہ کے یہ اشعار ہ یاد رکھنے چاہییں، جو تلقین اُن میں ہے اُس کی آج بھی ضرورت ہے :—

الا اے در تعصّب جافت رفتہ — گنا ہ خلق با دیوانت رفتہ
ز نادانی ولے پر زرق و پر مکر — گرفتار علی گشتی و بو بکر
گہے ایں یک بود نزد تو مقبول — گہے آں یک بود از کار معزول
گرا ایں یک بہ گرآں دیگر تراچہ — کہ تو چوں حلقۂ بر در ترا چہ
ہمہ عمرت دریں محنت نشستی — ندانم تا خدا را کے پرستی
ترا چند از ہوا راہ خدا گیر — خدا یت گر ازیں پرسد مرا گیر
یقیں دانم کہ فردا پیش حلقہ — یکے گردند ہفتا دو دو فرقہ
چگویم جملہ ار زشت ار نکویند — چو نیکو بنگری جویاں او یند
خدا یا نفس سرکش را زبوں کن — فضولی از دماغ ما بروں کن
دل ما را بخود مشغول گر داں — تعصب دار را معزول گرداں

(۴) ایک نہایت عجیب بات یہ ہے کہ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں کبھی کوئی لغو دعوے نہیں کرتے، نہ اُنھیں الہام ہوتا ہے، نہ کرامت کے مدعی ہیں، حتیٰ کہ اپنے مرشد کی طرف بھی کوئی کرامت منسوب نہیں کرتے، اگرچہ دیگر مصنفین کے نوشتہ ایسے قصے اپنے تذکرے اور دیگر تصنیفات میں ذکر کر جاتے ہیں - اِس سے ہم اُن کی طبیعت کی متانت اور واقعیت پسندی کا اندازہ لگا سکتے ہیں - اگر کوئی وصف اُنھوں نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، تو یہ ہے کہ: "دنیا میں ذلیل ترین ہستی میں ہوں" - شیعہ بنکر اُن کی طبیعت مطلق

ہ گذشتہ صفحات میں بعض ایسے اشعار نقل کر آیا ہوں جن میں عطار نے متعصبین سے خطاب کیا ہے اُن پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے —

بدل جاتی ہے اور اخلاق میں اس قدر ابتذال پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر قسم کی غیر ذمہ‌دارانہ تعلیّات ابلہ فریبی کے لئے شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کا اُستاد اُن کی تعظیم اِس لئے کرتا ہے کہ رسول اللہ اُس کو خواب میں آکر ہدایت کر گئے ہیں۔ ایک لاکھ انسان اُن کے قتل کے لئے جمع ہوجاتے ہیں، لیکن یہ اپنی کرامت سے باز بلند پرواز کی طرح اُڑتے ہوے نکل جاتے ہیں اور جاے حیرت یہ امر ہے کہ اتنے بڑے معجزے کے باوجود اُن کے دشمن اُن کے دشمن رہتے ہیں اور بدستور در پئے آزار ہیں۔ ایک پیر سالک آکر تیس سال دریافت کرتا ہے، یہ اپنے آپ کو اُن کے جوابات کا نااہل پاکر بہت خفیف ہوتے ہیں۔ لیکن ہاتف غیبی عین وقت پر آکر جوابات تعلیم کردیتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں، کیا یہ لغویات عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے؟

(۵) مصنف کی طبیعت پر بجاے صوفیانہ تورک و تجرید و فنا، مذہبی بلکہ فریقی جذبات زیادہ غالب ہیں۔ جس طرح عشق علی کرم‌اللہ وجہہ اس کے قلب میں موجزن ہے، بغض نواصب بھی اسی طرح جوش و خروش کے ساتھ لہریں مار رہا ہے۔ اُس کی زبان اِس قدر عامیانہ اور بازاری ہے کہ عطار جیسے فرشتہ صفت انسان کی طرف منسوب کرنا من قبیل محالات ہے، کیوں کہ یہ نقطۂ نظر صوفیانہ معتقدات و احساسات کے بالکل منافی ہے —

(۶) وہ مدعی ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں، لیکن اپنی تصنیفات کی زائد سے زائد جو تعداد دی ہے، سترہ ہے، اور یہ وہی کتابیں ہیں، جو اور ذرائع سے بھی ہمکو معلوم ہیں۔ ہر پھر کر کئی سو قعوں پر انھی ناموں کو دہراتا ہے۔ اب اگر یہ اصلی عطار ہوتا تو زیادہ نہیں، کم از کم باقی کتابوں کے نام ہی بتا دیتا۔ عطار کی تصنیفات سے اِس کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ دیوان عطار سے ناواقف محض ہے۔ وصلت نامۂ شیخ بہلول کو عطار کی تصنیف مانتا ہے۔ تذکرۃ‌الاولیا اور شرح‌القلب کے متعلق اِس کو یہ علم نہیں کہ وہ

نثر میں ہیں، یا نظم میں، اِس لئے اُن کے اشعار کی تعداد اپنے مفروضہ شمار دو لاکھ دو ہزار اور ساٹھ میں شامل کرلیتا ہے، لیکن دیوان کے اشعار کو داخل نہیں کرتا، کیونکہ اُس کے وجود سے ناواقف ہے۔ وہ ایک فرضی تصنیف "معراج نامہ" کا ذکر کرتا ہے، جس کے وجود سے کوئی شخص واقف نہیں۔ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ کے تعلق سے مطلق بےخبر ہے —

(۷) اِس کا دعویٰ ہے کہ جوہرالذات میری تصنیف ہے اور اِس دعوے کی تصدیق کی غرض سے دونوں کتابوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتا ہے، لیکن جوہرالذات ہرگز ہرگز اِس کی تصنیف نہیں ہوسکتی، کیونکہ زبان و انداز کلام اور موضوع کے اختلاف کے علاوہ مصنف جوہر، ہیلاج نامہ میں کہتا ہے کہ یہ میری آخری کتاب ہے:

کتاب آخر است ایں تا بدانی اگر تو زہرہ داری ایں بخوانی

جوہر کا مصنف فنافی المنصور ہے، اِس کا عقیدہ ہے کہ ہیلاج کے ختم ہونے کے بعد اُس کی شہادت کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا —

بگو ہیلاج و آں گہ جاں بر افشاں دل و جاں بررخ جاناں برافشاں (ص۵۶۱)

اور خود منصور کا پیکر مثالی اِس کو اسی قسم کی ہدایت دیتا ہے، جو ہم جوہرالذات کے تبصرے میں دیکھ آے ہیں، لیکن بعد میں یہ مثل عطار منصور کا عاشق زار اور شہادت کا طلبگار ایک نیا سوانگ بھرتا ہے، مظہرالعجائب پر قلم اُٹھاتا ہے۔ لسان الغیب نظم کرتا ہے، حب علی اور بغض ناصبی کا وعظ کہتا ہے۔ عطار نہ ہوے بھان متی کا تماشا ہوگیا! مصنف جوہر، جوش شہادت میں، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں دیکھا جا چکا ہے، بیتاب ہے، لیکن مصنف مظہر جب ایک لاکھ آدمی اِس کے قتل کرنے پر مستعد ہوتے ہیں، ایک معجزے کے ذریعے سے اپنی جان بچاتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ دونوں کتابوں کے مصنفین کو دو مختلف اشخاص تسلیم کیا جائے —

(۸) مظرالعجائب میں ایک دلچسپ لفظ "تو من" یا "تومان" ملتا ہے۔ اس لفظ کی موجودگی دلالت کرتی ہے کہ یہ کتاب عطار کے عہد سے بہت بعد لکھی گئی ہے۔ کیونکہ لفظ تومان چنگیزیوں کے ساتھہ ساتھہ ایران میں آتا ہے، اور سب سے پہلے بحیثیت فوجی اصطلاح رواج پاتا ہے۔ "جہانکشائے جوینی" پہلی کتاب ہے، جس میں یہ لفظ ملتا ہے:

"تمامت خلائق را دہ دہ کردہ و از ہر دہ یک نفس را امیر نہ دیگر کردہ و از میان دہ امیر، یک کس را امیر صد نام نہادہ و تمامت صد را در زیر فرمان او کردہ و بدیں نسبت تا ہزار شود و بدہ ہزار کشد، امیرے نصب کردہ و اورا امیر تومان خوانند" — (جہانکشا، صفحہ ۲۳، جلد اول)

"چنگیز خاں توریائے تقشی را با دو تومان لشکر مغول نام زد کرد تا از عقب او ازآب سندھہ بگذشت" — (جہانکشائے جوینی صفحہ ۱۱۲)

بعد میں مالیات کی اصطلاح بھی بن گیا، مثلاً:

"و حقوق دیوانی آں ولایت با آنچہ داخل آں تومان است، پانزدہ تومانی و یک ہزار و پانصد دینار است" (نزھت القلوب حمداللہ مستوفی، صفحہ ۱۴۴، طبع ملک الکتّاب)

عطار کا اس لفظ سے آشنا ہونا، اول تو بعید ہے اور پھر اُس کا اِس طرح استعمال کرنا کہ گویا فارسی کا روز مرّہ ہے اور بھی مشکل ہے، امثال ذیل ملاحظہ ہوں:

صد تومان باتست ایں خود قیمتش — خود بکشتی و ببردی حرمتش (ص۱۴۳)

مال عالم داشت گویند صد تومن — لیک پوشش شاں نبودہ در بدن (ص۲۹۳)

در آں عصر او دو مہ میر تمن بود — بسالے او دو ساعت پیش زن بود

مرتضیٰ دیدی کہ سرہا چوں گرفت — صد تمن جاں بداں افزوں گرفت

(۹) شیخ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں، اگرچہ انوری و خاقانی کا ذکر

کرتے ھیں، لیکن شیخ نظامی کے نام سے واقف نہیں، تاھم مصنف مظہرالعجائب (جو اسم بامسمیٰ مظہرالعجائب ھے) اُن کا ذکر کرتا ھے چنانچہ :

گہ نظامی را بیاری در سخن　　گہ بنظامی بگوئی من لدن

گہ ھمی گوئی نظام دین منم　　گہ فراز عرش علیین منم

بلکہ ایک موقعے پر ایک بے معنی دعویٰ کیا ھے کہ نظامی نے مجھہ سے روحانی استفادہ کیا ھے :

خود نظامی بود از من زائدہ　　دادہ ام اورا بمعنے فائدہ

کیا یہ بے حقیقت لاف نظامی کے شعر :

مرا خضر تعلیم گر بود دوش　　براز ے کہ آمد پذیر اے گوش

کی تشریح ھے ؟

(۱۰) ھمارا مصنف پیشین گوئیاں کرنے کا نہایت مشتاق ھے۔ ترکوں کے متعلق اُس کی ایک پیشین گوئی گذشتہ صفحات میں مرقوم ھوچکی ھے یعنے :

بعد من ترکان کنند عالم خراب　　بس دل مسکیں کہ سازندش کباب

ظاھر ھے کہ شاعر اس بیت میں چنگیزی طوفان کی طرف اشارہ کر رھا ھے۔ چونکہ اس عہد سے پہلے مغول دنیاے اسلام پر چھا چکے ھیں، اِس لیے اس بھروپیے نے یہ پیشین گوئی جڑ دی —

اسی طرح ناصر خسرو کی بد دعا سے شہر بغداد میں وبا کے پھیلنے، خلیفہ اور اُس کے لشکر کے تباہ ھونے کا ذکر کرتا ھے :

بعد ازاں آں شاہ با لشکر تمام　　جملہ مردند و نماند از خاص و عام

آں بلا بر جان اھل بغی بود　　ز آنکہ از خونش بدافرا سعی بود　　(ص ۸۳)

یہ وبا نہیں ھے، بلکہ ھلاکو کے حملۂ بغداد کی طرف تلمیح ھے —

(۱۱) ایک اور پیشین گوئی کی ھے کہ میرے بعد ایک درویش روم میں ھوگا جو میرے عقائد کی شراب سے سرشار ھوگا اور میرا خرقہ پہنے گا، تم کو چاھئے کہ اِس کے

هاتھه سے جام وحدت نوش کرو:

شمهٔ از آں ز بعد من بروم　　عارفے گوید ز اصل هر علوم
گر تو اهل وحدتی رو گوش کُن　　جام وحدت را ز دستش نوش کُن
از همان جامے که من نوشیده ام　　و ز همان خرقه که من پوشیده ام
او نیوشد او بپوشد شمس دیں　　ایں معانی را بود سر پوش دیں (ص۶۰۳-۶۰۲)

مولانا جلال‌الدین رومی کی طرف اس سے زیادہ صاف اور صریح تلمیح ہو بھی نہیں سکتی- شمس دیں سے مراد شمس تبریز ہیں—

(۱۲) اگر اب بھی اس جعلی عطار کے متعلق شبہ ہے تو ذیل کے ابیات پر غور کرلیا جاے:

گر تو اے شاعر به بینی مظهرم　　ور بخوانی یکزمانے جوهرم
آں زمان معلوم گردد شعر تو　　خط و خالے خود نیابی اندرو
شعر حافظ خوان* و با قاسم نشیں　　زانکه ایشانند با ملا قریں
بعد من اسرار ایشاں گوش کُن　　روز خنب عشق شاں سی فرش کُن

یہ بھی ایک قسم کی پیشین گوئی ہے- حافظ سے مراد خواجہ حافظ شیرازی متوفی سنہ ۷۹۲ ہجری ہیں- اور قاسم سے مراد شاہ قاسم انوار ہیں، جو سنہ ۸۳۵ ہجری یا سنہ ۸۳۷ ہجری میں انتقال کرتے ہیں—

جو شخص ماضی کے مشاہیر کے زمانوں اور اُن کے سنین و سال میں فاحش اور یاس انگیز اغلاط کا مرتکب ہو، وہ مستقبل کی تاریک لوح کے اسرار کیا پڑھ سکے گا- اس لیے ہمیں مصنف مظہرالعجائب کے دعوئے غیب گوئی کو یک قلم ترک کرکے اصل حقیقت کو بے نقاب کر دینا چاہئے کہ یہ کتاب ایک افترائے عظیم ہے، جو فرشتہ صفت عطار کے نام پر باندھی گئی ہے—

* تعجب ہے کہ ایسی صریح شہادت کو صرف نظر کرکے جو اس تصنیف کی مجعولیت کے حق میں موجود ہے، علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی دنیا کو عطار کے تشیع اور تقیہ اور خمود طبع کا افسانہ سنا رہے ہیں —

مولانا روم، خواجہ حافظ اور شاہ قاسم انوار کے ذکر سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب نویں صدی ہجری کے منتصف اول کے خاتمے کے بعد کسی وقت لکھی گئی ہے، بلکہ میں دسویں قرن کے ربع اول میں اس کا زمانہ ماننے کے لیے آمادہ ہوں اور میرے وجوہ یہ ہیں:

(۱) اس کے قلمی نسخے گیارھویں صدی سے پرانے نہیں ملتے —

(۲) مصنف اپنے آپ کو، نیز حسین منصور کو حسینی کہتا ہے - اس لفظ کا رواج نویں صدی میں کم، لیکن دسویں صدی میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے، خود صفوی اِس کے استعمال کو فروغ دیتے ہیں —

(۳) سجدے کی رسم، جس کا منصور کے قصے میں ذکر آتا ہے، صفوی عہد میں غالباً رواج پاتی ہے —

(۴) سنیوں کے خلاف اِس کتاب میں جو تشدد کا لہجہ اختیار کیا گیا ہے، ایسے زمانے میں ممکن ہے جبکہ ملک میں شیعہ حکومت بر سرا قتدار ہو —

الغرض شاہ اسمعیل صفوی سنہ ۹۰۷ ھ - سنہ ۹۳۰ ھ کا عہد اس تصنیف کے لئے بہت موزوں معلوم ہوتا ہے، جب کہ مذہبی لحاظ سے ایران نئی کروٹ لے رہا تھا، جدید سیاسی انقلاب نے مذہب اثنا عشری کو صدر میں جگہ دیدی تھی، سنی بزور شمشیر شیعہ بنائے جارہے تھے، اُن کے علما قتل کئے جارہے تھے، جس نے انکار کیا، تلوار کے گھاٹ اتار دیاگیا - زندہ ایک طرف، مردوں کی قبریں اُکھڑوا کر پھنکوادی گئیں اور اُن کی ہڈیوں کو جلا دیا گیا - اصحاب ثلثہ کے خلاف بغاوت کی آگ چار سو مشتعل تھی، حضرت فاروق اعظم جن کی بدولت ایران نے نعمت دین اسلام حاصل کی تھی، آج اُنھیں کے نام پر لعنت و نفرت کی آوازیں مسجد و منبر سے بلند ہو رہی تھیں - شاید اسی موقعے کے لئے شیخ عطار نے اپنی الہامی زبان میں اشعار ذیل لکھے تھے :

عجم ز اوّل جہود و کبر بودند از آں گوے مسلمانی ر بو دند

کسے کا جدادش ایماں از عمر یافت زمہر او چرا امروز سر تافت (خسرونامۂ عطار)

جب زندہ سنیوں کو بزور شمشیر شیعی بنایا جا رہا تھا تو کوی تعجب نہیں اگر مردہ سنی مشاہیر کو بزور قلم ذاتی یا مذہبی اغراض کی بنا پر اسی مذہب کے دائرے میں لانے کی کوشش کی گئی ہو، چنانچہ مظہرالعجائب اور لسان‌الغیب اسی قسم کی کوشش کا نتیجہ ہیں —

عطار اگرچہ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں اور نہ کسی جدید فرقے کے پیشوا ہیں، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی شہرت سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے مختلف فرقوں نے اُن کو اپنی اپنی اخوت کا رکن بنانے کی کوشش کی ہے - جوہرالذات میں فنا فی‌المنصور کی حیثیت سے دکھائے گئے ہیں - مظہرالعجائب میں ایک اثنا عشری شیعہ کے لباس میں پیش کیے گئے ہیں، حیدر نامہ میں اُنھیں حیدری بنانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اُن کی تصنیفات جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں، یہ ہیں :

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) پند نامہ (۴) تذکرۃالاولیا (۵) خسرو نامہ (۶) دیوان (۷) شرح القلب (۸) منطق‌الطیر (۹) مصیبت نامہ (۱۰) مختار نامہ —

رہیں باقی پچیس کتابیں، اُن میں تیرہ غیر عطار ثابت ہوچکی ہیں - باقی کتابیں یہ ہیں :—

(۱) اخوان‌الصفا (۲) اشتر نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) حقائق‌الجواہر (۵) حیدر نامہ (۶) سیاہ نامہ (۷) لسان‌الغیب (۸) کنزالبحر (۹) نزہت‌الاحباب (۱۰) وصیت نامہ (۱۱) ولد نامہ (۱۲) ہفت وادی —

اِن میں اُشتر نامہ، بلبل نامہ، نزہت‌الاحباب اور ہفت وادی میری نظر سے گذر چکی ہیں، لیکن اُن کا تبصرہ بعض وجوہ کی بنا پر سر دست ملتوی کرتا ہوں، لسان‌الغیب اور حیدر نامہ اگرچہ میری نظر سے نہیں گذریں، لیکن یہ دونوں کتابیں

علی‌الاعلان مجعول مانی جاسکتی ہیں - یہی کیفیت حقائق‌الجواہر کی ہے - کنزالبحر اور کنزالاسرار اصل میں ایک ہی چیز ہیں —

(۱۲ - ۱۳) جوہرالذات و ہیلاج نامہ

اگرچہ مصلف اِن کو علٰحدہ علٰحدہ کتابیں مانتا ہے' لیکن میں اتحاد مضمون و زبان کی بنا پر دونوں کا تبصرہ ایک ہی ساتھ مناسب سمجھا ہوں - اشتر نامہ' جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں بتائی گئی ہیں - لیکن میرے نزدیک جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی شخص کی تصنیف معلوم ہوتی ہیں - دونوں مثنویوں سے اکثر تذکرہ نگار واقف ہیں اور فہرست نگار بالاتفاق عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں- اُن کے قدیم نسخے وہ ہیں' جو نویں قرن * ہجری کے نوشتہ ہیں اور کئی کتب خانوں میں ملتے ہیں —

جوہرالذات ایک ضخیم مثنوی ہے جو نول کشور کے مطبوعہ کلیات کی پوری پہلی جلد پر محیط ہے' اس کی دو جلدیں اور ۵۸۲ صفحات ہیں - ہیلاج نامہ ص۵۸۴ سے شروع ہوکر ص۷۷۰ پر ختم ہوتا ہے- فی صفحہ بیالیس ابیات ہیں' اس حساب سے دونوں مثنویوں کے اشعار کی تعداد بتیس ہزار کے قریب ہے —

جوہرالذات کے بعض ممتاز عنوان یہ ہیں:—

جلد اول :— تکریم بنی آدم' امامت امیرالمؤمنین علی' حکایت پیر' توحید صرف و بقاے کل' خطاب پدر وپسر و مقالات ایشاں'حکایت پیر' رو گرداینیدن شیطان' در مشقت کشیدن آدم از شیطان و شرت انسان' اسرار قربت شیطان' تخلیق آدم فی صورت الرحمٰن' و ھو معکم اینما کنتم ' پیدا آوردن حوّا از پہلوے آدم ' اسرار اعیان کل ' رفتن ابلیس دربہشت به تابیس در دھان مار' مناجات شیطان ' اسرار

---

* سب سے پرانا نسخہ وہ ہے جو پروفیسر آذر کے کلیات نوشتۂ سنہ ۸۵۷ھ میں شامل ہے - دوسرا نسخہ‌برٹش میوزم میں آر (۳۵۳-) ہے جو سنہ ۸۷۷ھ کا نوشتہ ہے-

یافتن حضرت علی کرم‌الله وجهه و در چاه گفتن، اسرار نفس مردم، سوال امیرالمؤمنین علی کرم الله وجهه و جواب دادن نے در اسرار ها، مکر شیطان با آدم، وحدت صرف و یکتائی ذات و صفات، سوال از منصور و جواب او، تقریر شیخ ابوسعید مهنه، نگاه کردن درویش در کواکب و جواب هاتف، در بے نشانی حسین منصور، مناجات شیخ اکافی، در التماس کردن فنائے کل از شیخ حسین منصور، در سرنگاه داشتن، سوال از حسین منصور و جواب دادن او- حکایت مرد پاکباز، در اثبات ذات کل، آگاهئی دل در اسرار و از تقلید دور شدن، صفت و صل و راز کل وغیره وغیره —

جلد دوم :— سوال از منصور در سر آدم، صفات جان و دل، صفات عناصر، قصهٔ منصور و اعیان او، صفات فیض و حکمت حکما، عین ذات و صفات و قدرت وقدرت اسرار الهی، در آگاهی دادن دل در عین منزل، جو هر حقیقت، صفت دنیا، کشف اسرار حقیقت در نمود صور، در صفت حضرت محمد علیه افضل الصلوٰة، گنج جان‌ودل، صفات حضرت پیردانا، صفت معراج‌عین‌العیان، صفت کنت کنزاً مخفیاً، در عیان جام منصور، سوال از منصور در عیان عشق و جواب او، عیان دردنیا و راز منصور، اسرار حسین منصور، در تفسیر الله نورالسموات والارض، در عیان دیدار صورت و معنی سر منصور، سوال صاحب راز از منصور، درواصل شدن سالک و اعیان منصور، سوال از ابلیس و جواب دادن او، سوال از حسین منصور در اسرار ابلیس، حکایات و ابلیس اسرار و ے وغیره وغیره —

هیلاج نامه :- در اسرار عشق بهر نوع، نموداری هیلاج، جواب منصور شیخ جنید را، فنا و بقاے کل، جواب منصور در خطاب حق عز و جل، اعیان جان، حقایق اسرار، سلوک سالک، نموداري عشق، شریعت و طریقت و حقیقت جمله یکیست، کشف حجاب، نموداري یقین، موتوا قبل أن تموتوا، هدایت در ره شریعت، اسرار دل و جان و تفسیر قرآن، حکایت حقیقت منصور، جواب منصور شبلی را،

سوال بایزید از منصور و جواب وے، نمودارِ سر توحید، گریستن بایزید بر حالت و بیخودی منصور، اسرار گفتن منصور بر دار، سخن گفتن شیخ جنید و شیخ کبیر در کار منصور، نکوهش کردن جاهلے مغرور منصور را و جواب آں، جواب شیخ جنید شیخ کبیر را، عین‌الاعیان توحید، سوال جنید از منصور در حقیقت شرع و جواب آں، سخن گفتن منصور با شیخ کبیر، اسرار گفتن منصور با شیخ کبیر، راز گفتن جنید با شیخ کبیر از هوا داریِ منصور، اسرار گفتن عبدالسلام در حضور منصور، اسرار گفتن عبدالسلام با شیخ جنید، در نمودارِ شیخ کبیر با منصور، سخن گفتن شیخ کبیر با منصور از نمودارِ قصاص، فریدالدین عطار در نمودارِ خود و اسرار منصور —

اِن سرخیوں کو پڑھ کر ناظرین یہ خیال کریں گے کہ بڑے جلیل‌القدر اور اہم مباحث اِن کے تحت میں مذکور ہوں گے، لیکن ایک عنوان کے ذیل میں آدمی دس صفحے پڑھ جاے اور پھر بھی یہ نہ کہہ سکے کہ اس نے کیا سیکھا اور بعض اوقات تو سرخیاں بالکل براے بیت ہیں—

مصنف اپنا نام فریدالدین محمد بیان کرتا ہے:

حقیقت من محمد نام دارم　　از و پیدا حقیقت کام دارم

فریدالدین محمد هست نامم　　محمد دادہ ایں جا جملہ کامم　　(ص۳۷۰)

وہ اپنے تخلص "عطار" کے ذکر کرنے کا بیحد شائق ہے، کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نہیں، جس میں تخلص مذکور نہ ہو —

جواهرالذات میں بیان کیا ہے کہ میں اشتر نامے میں بعض اسرار بیان کرآیا ہوں:

ز اشتر نامہ سر کار دیدی　　حقیقت دیدہ ؤ دیدار دیدی　　(ص۳۰)

لیکن یہ کتاب اس سے افضل ہے :

از اشتر نامہ ایں بہتر نمودم　　ز هر دو عالم ایں بر تر نمودم　　(ص۴۶)

اکثر مقامات پر وہ اپنے قتل اور منصور کی طرح دار پر چڑھاے جانے کی

پیشین گوئی کرتا ہے :

جواہرذات بر گو آشکارہ　　چو خواهد کرد یارت پارہ پارہ
(ص ۳۰، دیگر)

که می بینم که چوں منصور عطار　　بخواهد سر بریدن زود ناچار
(ص ۴۳، دیگر)

شدستم کشته چوں منصور اسرار　　مرا آویختن اندر سر دار
(ص ۴۰۶)

اُس کا خیال ہے کہ جب جوالذات کو پورا کرکے ہیلاج نامہ ختم کر چکوں گا، تب مجھ کو پارہ پارہ کیا جائے گا :

جواہرنامہ باقی چند ماند است　　ز بہر این دام دربند ماند است
رسانی این تمام آخر بپایاں　　دگر هیلاج سر ذات جانان
بگوئی بعد جوهر آشکارہ　　کنندت آن زمان سر پارہ پارہ　　(ص۳۲۵)

اس شہادت کی بشارت حضرت علی نے خواب میں آکر مصنف کو دی ہے :

شبے دیدم جہان جان فدایش　　شدہ افتادہ اندر خاک پایش
ازو پرسیدم احوالم سرا سر　　مرا بر گفت اندر خواب حیدر
بگفتم رازها در خواب آں شاہ　　مرا از کشتن او کرداست آگاہ
مرا گفتا که اے عطار ماندہ　　ز سر عشق بر خور دار ماندہ
بسے گفتی ز ما این جا حقیقت　　ببردی نزد ما راہ شریعت
حقیقت بر تو این در بر کشادیم　　ترا گنج یقیں در دل نہادیم
بکش رنج این زماں چوں گنج داری　　ز ما در عشق هاں کن پائے داری
ترا خواهند کشتن آخر کار　　که کردی فاش این جاگاہ اسرار
کسے کو راز ما گوید حقیقت　　نبگزاریم او را در طبیعت
حقیقت گفت منصور آں خود دید　　دریں جاگہہ جفاے نیک وبد دید (ص۶۹۱)

مختصر یہ ہے کہ مصنف بے شمار موقعوں پر اپنے قتل و شہادت کی غیب گوئی کرتا ہے - اِس کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ مظہر منصور یا نمودار منصور ہے- ہیلاج نامہ کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ: جب میں جواہر نامہ کو ختم کرچکا' اس فکر میں مبتلا ہوا کہ دیکھیے آیندہ کیا اسرار ظاہر ہوں - اسی فکر میں ایک روز گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں میری نگاہ ایک دیوانے پر پڑی جو چپ چاپ آکر میرے سامنے کھڑا ہو گیا - اور پوچھنے لگا کہ تو اس قدر خاموش اور ملول کیوں ہے؟ جس کا تو طالب تھا وہی مطلوب سامنے کھڑا ہے' تو نے سب سے قطع تعلق کرلیا ہے اور تیری شہادت کے سوا اب کوئی مرحلہ باقی بھی نہیں رہا' لہذا تجھے لازم ہے کہ کشف اسرار کرے اور حقیقت کے پردے اُٹھادے' اس کتاب کو تو میرے نام پر لکھنا- میں نے اس سے دریافت کیا' آپ کا نام کیا ہے؟ - اس نے جواب دیا: میں منصور حلاج ہوں' اور عالم میں ہیلاج کے نام سے معروف ہوں - تیری جان میں میں ہی گویا ہوں اور میری ہی وجہ سے تجھکو گویائی حاصل ہے' یہ کہکر میرے قریب آیا' میرے ہاتھہ اور سر پر بوسے دیے اور میرے سر پر اسرار کا تاج رکھدیا - اس وقت میں نے آنکھہ اٹھا کر ہیلاج کو دیکھنا چاہا' لیکن وہ غائب ہوچکا تھا اور مجکو ایک نشانی دےگیا تھا' یعنے میرے سر پر ایک کلاہ چھوڑ گیا تھا -جب مجھے ایسی ٹوپی مل گئی ہے تو جس قدر فخر کروں بجا ہے - اسرار حلاج کی یہ آخری کتاب ہے' جو میں لکھہ رہا ہوں ' اس میں معنے کے بیشمار خزانے ہیں *

چو جوہر نامہ کردم فاش آخر　　نمودم صورت نقاش آخر
بکنجے در نشستم زار ماندہ　　ضعیف و ناتوان و خوار ماندہ
دریں اندیشہ کہ از بادہ جوہر　　چہ اسرار آید ایں جاگاہ ظاہر

---

* اس قصے پر غالباً وہ روایت جو نفحات الانس (ذکر عطار) میں ملتی ہے کہ نور منصور تیرھہ سو سال بعد عطار پر تجلی کرتا ہے ' ناسیس پاتی ہے یا یہ قصہ اس اوویت کی بنیاد پر نشو و نما پاتا ہے —

نظر کردم یکے دیوانه دیدم ز عام صورتے بیگانه دیدم
که آمد پیش من این عاشق زار لب از هم بر کشاد و گفت اسرار
زمانے بود این جا ساکن و خوش د گر آورد سر بیروں ز آتش
مرا گفتا چرا در غم نشستی در معنے بروے خود به بستی
نه وقت آمد که دیگر راز جوئی د گر اسرار جانان باز جوئی
تو این دم عاشقی و راز دیده جمال دوست در خود باز دیده
طلب کردی ودیدی روے مطلوب رسیدی این زمان در ذات محبوب
چرا فارغ نشیلی زود بر خیز د گر در عشق و ذوق فقر آویز
چو کردستی دریں جا جملگی ترک بجز کشتن نماند ستت دگر برگ
کنوں باید که گوئی سر ا سرا ر حقیقت فا ش گر د ا نی دگر بار
بنا م من بتابے نغز آری رگر هوشے دگر با مغز آری
بنا م من د هی بنیاد این جا د هی امروز این جا داد مارا
خدایم این زمان من واقف خود د رون جان تو من واصف خود
بدوگفتم که اے جان چیست نامت که حق داد است این جا گاه کامت
جوابم داد من منصور حلاج مرا نامست در آفاق هیلاج
کنوں بنو یس مرا سرار مارا نگه میدا ر سر گفتار مارا
درون جان تو مائیم گویا توئی از من شده در عشق گویا
بگفت این، آن گهے نزدیم آمد چراغے د ر د ل تاریکم آمد
بدادم بوسهٔ بر دست و برسر نهادم بر سر از اسرار افسر
نظر کردم پس آن گهسوے بالا که تا بینم مبارک روے هیلا
ندیدم هیچ صورت درمیانه مرا بخشیدش آن گهه یک نشانه
کلاهے بد نشانے بر سر ما که آن باشد بعالم افسرما
بخود گفتم که هاں برخیز وخوش باش که بنمود است آینک روے نقاش

سر افرازی کن اے بے سرور آخر که این جا نیستت هم سرور آخر
کتاب آخراست این تا بدانی اگر تو زهره داری این بخوانی

(هیلاج نامهٔ قلمی - کُلیات پروفیسر آذر)

یه مثنویاں عطار کی دیگر تصنیفات مثلاً الٰہی نامه، اسرار نامه، منطق الطیر اور مصیبت نامه کے ساتھه کوئی نسبت نہیں رکھتیں ' عطار اگرچه پر گو هیں' تاهم اُن کے هاں زبان کا لطف اور متانت کافی مقدار میں موجود هے ' اُن کا قاعده هے که جس مسئلے کو چھیڑتے هیں' اسی کو پیش نظر رکھکر اور غیر ضروری امور سے بچکر' ایک خوش مذاقی کے ساتھه اپنے ضروری دلائل اور آرا بیان کر دیتے هیں- صاحب جوهرالذات اِس بارے میں عطار کے بالکل برعکس هے' وه سب کچھه کهه جاتا هے' لیکن نفس مضمون کو تشنه چھوڑ جاتا هے' پھر اُس کے بیان کرنے کا ڈھنگ عجیب و غریب هے - هر مضمون کے متعلق ایک پر اسرار فضا پیدا کر دیتا هے - هر چیز اُس کے نزدیک ایک راز هے خواه اعلیٰ هو یا ادنیٰ- وه اس کے گرد اسی طرح گھومتا هے' جس طرح ایک بلی کسی چوهے کے گرد دبوچنے کے بجاے چکر لگاتی رهے- جن اسرار کے انکشاف کا وه دعویٰ کرتا هے بجاے اس کے که اُن کا حال سوچے' یا اُن کے حل کی کوشش کرے' اُن کا وظیفه یا ورد شروع کردیتا هے - جو بات آسانی سے پانچ شعروں میں کہی جاسکتی هے' همارا مصنف اُن کو پچاس بیت میں ادا نہیں کرسکتا- اُس کا هر دوسرا مصرع برائے بیت هوتا هے —

قدم قدم پر کشف حقیقت و اسرار کا مدعی هے' لیکن اگر اسرار بیان کرنے کا یہی ڈھنگ هے' جو اُس نے اختیار کیا هے تو ایسے بیان کرنے سے اُن کا بیان نه کرنا بهتر هے —

کھلتا نہیں کچھه اس کے سوا تیرے بیاں سے اک مرغ هے خوش لہجه که کچھه بول رها هے

لیکن پیشتر اس کے که میں اور امور کی طرف توجه کروں مجھه کو چند الفاظ اُس کی زبان اور طرز کے متعلق کہنے ضروری هیں—

خاص خاص روز مرہ، محاورے، خیالات، الفاظ اور بندشیں مل کر بحیثیت مجموعی، کسی مصنف کی شخصیت یا اُس کے انداز تحریر کو قائم کرتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہمارا شاعر ایک طرز خاص کا مالک ہے، جو اس کو نہ صرف عطار سے بلکہ دیگر شعرا سے بھی ممیز کرتی ہے۔ اس کے ہاں حقائق و اسرار کے بیان کرنے کی خاص خاص اصطلاحیں ہیں جو دیگر مصنفین نے کم استعمال کی ہیں۔ مثلاً :

'دید، دید دید، بود، بود بود، بودنبود، واصل دیدار، سر، راز، جان، جان‌جان، کل، لقا، عیاں، عکس عیاں، عیان عیاں، عیاں در عیاں، عیان عشق، عین الیقین، نمود ار، حقیقت (ذات مصطفوی) شریعت (قول و فعل او) یکرنگی، بے نشانی، نقش، نقاش، نقش طبیعت، جاناں، شاہ، دار طبیعت، عین طبیعت، قربت لا، دار اعیان ذرات، عین تمام، وصال کل، عیان یار، در وجود مردن، عین پرگار، مغز، پوست، عین طبیعت، رمز مطلق، دیدار دید، دیدار اعیاں، کل دید، نقطہ ؤ پرگار، کل لقا، ہیلاج جہاں، عیان عقل وغیرہ—

'با'، 'بر'، اور 'بے' جیسے حروف اپنی قدیمی شکل یعنے 'ابا'، 'ابر' اور 'ابے' کی صورت میں ملتے ہیں اور ہم کو حیرت ہے کہ یہ شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ کے دور کے یادگار جواہرالذات اور ہیلاج نامہ میں کیسے نمودار ہوگئے، حالانکہ عطار کی اور مثنویات میں نظر نہیں آتے - امثال :

منم الله و رحمن و رحیمم	ابے صورت یقین حد قدیمم	(ص۳۹۹)
ابے غم شد هر آنکو برد فرماں	ترا ورنه فتاد او سوے زنداں	(ص۳۳۷)
ره دور و عجب در پیش داری	ابا خود پیر پیش اندیش داری	(ص۳۴۰)
دسے گوید منت دیدار دارم	ابا تو اندریں سر کار دارم	(ص۳۴۱)
محمد با علی دارنده بیشک	وجود لحمک لحمی ابریک	(ص۳۳)
بسے گشتی ابر گرد کمر تو	که با ز ایں جا بری بوے اگر تو	(ص۲۵)

لفظ "حقیقت" بمعنی در حقیقت مصنف کا تکیہ کلام بن گیا ہے امثال :

حقیقت پیر از خود رفت بیروں — که بیروں بود او از هفت گردوں
نه پرده بود نے شاه جهاں تاب — حقیقت گم شده او اندر و یاب
همه در پرده گم دید و یقیں دوست — حقیقت مغز گشت و در عیاں پوست (ص ۳۷)

یه اشعار میں نے صرف ایک صفحے ہی سے نقل کردیے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت علی کی بشارت کے اشعار بھی ملاحظہ ہوں—

دوسرا تکیه کلام 'جاگه' 'جایگه' اور 'جاگاه' ہے' جو جوہر اور ہیلاج کے طول و عرض میں ہر مقام پر موجود ہے۔ میں کہتا ہوں: وہ صفحہ نہایت بد نصیب ہے جہاں یہ الفاظ نہ ہوں' امثال :

جهال من ندیده غافلا تو — دریں جا گاه اے بے حاصلا تو (ص۳۹۹)
شد این جا گاه اندر آخر کار — اگرچه برکشید او رنج و تیمار
در آخر گشت این جا گاه واصل — شدش مقصود این جا گاه حاصل (ص۱۹۸)
مرا این جایگه او منفعل کرد — دمادم پیش خلقانم خجل کرد (ص۱۹۵)
ترا این گلشن این جا گه خوش آمد — ازاں اصلت ز باد و آتش آمد (ص۱۸۹)
ز تیر عشق این جاگه بدرزد — پس آنگه بودت این جاگه بسوزد (ص۱۷۳)

"سے" جو ماضی ناتمام اور حال کی علامت ہے' اصل فعل سے دور لایا جاتا ہے :

چرا خوں میخوری در خاک فانی — ازاں می رہ قبردی و ندانی (ص۲۰۳)
درونت روشنائی دارد این جا — درونت می جدائی دارد این جا (ص۲۰۴)
فغرامی یافت آخر می رهائی — چرا بیچاره در قید و هوائی (ص۳۴۳)
بجز خورشید می تا باں نباشد — ندیدی این ترا تا واں نها شد (ص۳۴۸)
نمی دانی که می آخر چه بودت — ز بهر چیست این گفت و شنودت (ص۱۲۸)

'من' 'تو' 'او' اور 'ما' وغیرہ مفعولی معنوں میں لائے گئے ہیں :

تو دارم درجهاں و کس نه دارم — که عمرے سوے دیدت می گزارم (ص۲۱۶)

چو من دیدی منت بنمایم این راز　　حجاب اندازم این دم آخرت باز (ص۳۳۹)
تمامت مست و حیرانند جانا　　بروز و شب تو می خوانند جانا (ص۱۸۴)
تو مارا ذات مارا بین و ما جوے　　هر آن راز یکه میداری بما گوے (ص۱۹۱)
زهے حسن تو دادہ ماہ را نور　　که در آفاق او دیدیم مشهور (ص۲۱۷)

رائے زائدہ کی مثالیں :

خبر دادم شمارا از شمارا　　که خواهد بود تاں آخر فنارا (ص۴۳۹)
گماں بردار اے بنمودہ خودرا　　فگندہ تهمتے در نیک و بدرا (ص۳۳۹)
نمیدانی جوابے دادن او را　　که باشد در خور جاناں نکورا (ص۳۴۰)
ز بعد خالق کون و مکاں را　　ثنا بر خاتم پیغمبراں را (ص۵۸۸)

حاصل بالمصدر "گفت و گو" کے ٹکڑے کرکے حروف جارہ وغیرہ درمیان میں لائے جاتے هیں :

درم بکشادۂ در گفت و در گوے　　بگوا کنوں دگردر جست و درجوے (ص۶۶۸)
بگوید ان زماں خاکستر او　　انا الحق همچناں درگفت و در گوے [۷۵۸]
در اول لعنتم چوں کردہ بد او　　بهر زہ دانم اینجا گفت یا گو (ص۴۸۵)
ز عقل سفل چه گفت و چه گویست　　نمود صورتست وجست و جویست (ص۱۱۷)
من از فتوی چناں کردم ابا او　　که تا کوته شود این گفت وین گو [ص۷۵۹]

الف زائدہ :

ترا این جاست ابراهیم در تن　　شود در عاقبت این جا بت اشکن (ص۵۰۲)

عربی الفاظ میں تصرفات :

عام کی جمع عوام هے لیکن مصنف "اعوام" لایا هے :

کنوں اے شیخ این اعوام مسکیں　　بصورت اندریں شورند و در کیں (ص ۷۶۵)
(دیگر) طلبگار تو اند این جا نجومات　　کجا دانند از سر علومات (ص ۳۶۸)

معاینہ بر وزن مفاعلہ هے مصنف نے بروزن مفاعیلہ استعمال کیا هے :

معائینہ جمال خود نمود است　　که با عطار در گفت و شنود است
معائینہ مرا کرد است واصل　　حقیقت بود او شد جان و هم دل
معائینہ دل و جانم یکے کرد　　ز دیدار خود و ایں جایگہ کرد　　(ص ۵۱۲)

ان مثنویوں کی مرکزی شخصیت حسین بن منصور حلاج ہے، جس کو مصنف ہمیشہ منصور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ مثنویاں گویا اِس کے اقوال و افعال و کرامات کی داستانیں ہیں۔ مخلوق خالق کے لیے اور عبد و معبود کے لیے جس قدر احترام دکھا سکتا ہے، وہ سب احترام منصور کے لیے دکھایا گیا ہے۔ خود منصور اپنے لیے ایسی زبان استعمال کرتا ہے، جو بشریت کی حدود سے گذر کر الوہیت کی فضا میں گونجتی ہے، اور بندے اور خدا میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ حلاج کے جو قصّے یہاں ملتے ہیں، عام طور پر معلوم بھی نہیں ہیں۔ منصور کی طفلی کی ایک حکایت کلیات میں (ص۵۲) سے شروع ہوکر (ص۶۹) پر ختم ہوتی ہے، میں اس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں:

مصنف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر سے سنا ہے کہ چین میں ایک تاجر تھا، جو سفر کا بے حد شائق تھا، اس بوڑھے تاجر کے ایک لڑکا تھا، چندے آفتاب و چندے ماہتاب، جس قدر حسین و جمیل تھا، اسی قدر متقی اور راست باز تھا۔ خدا کے ذکر کے سوا کوئی چیز اُس کو پسند نہ تھی۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا اپنے باپ کے ہمراہ سفر کو گیا، راستے میں ایک دریا آیا، جس کو عبور کرنے کے لیے اُنھیں کشتی میں بیٹھنا پڑا۔ اتنے میں ملاح نے کہا کہ: طوفان آ گیا ہے۔ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا: باوا جان! یہ خوفناک مقام ہے، آؤ کشتی چھوڑ دیں، اور کہیں چل کر پناہ لیں، کیونکہ مجھے الہام ہوا ہے۔ باپ نے کشتی میں ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا اور کہا: اے فرزند! نادانی نہ کر اور طفلی کی ضد سے باز آ، اور بتا کہ یہ بات تجھکو کس طرح معلوم ہوئی۔ اُس نے جواب دیا کہ: جب تمھارے پاس دولت کثیر ہے تو پھر کیوں دریا کے سفر سے اپنی جان جوکھوں

میں ڈالتے ہو۔ تاجر نے جواب دیا : اے فرزند! دنیا ایک عزیز مقام ہے اور انسان ایک روپے کے دس کرنے کی غرض سے تمام خطروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ دیکھو اپنی اسی کشتی میں بڑے بڑے تاجر موجود ہیں اور سب اسی امید میں آئے ہیں کہ نفع کمائیں۔ لڑکے نے جواب دیا: اے پدر محترم! اس سے کیا فائدہ؛ دریا میں آنے اور فنا ہونے سے حاصل؟ تمہیں ابدی نیکنامی کے استحصال کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ سب لوگ روپیہ اور دولت بٹورنے والے ہیں اسی لیے امید اور بیم کی دو عملی میں گرفتار ہیں؛ محض دنیا کمانا جانتے ہیں اور عقبیٰ کا کوئی کام نہیں کرتے؛ ان کے درمیان مجھکو تم نے بٹھا کر خود مجھے اپنی نگاہوں میں ذلیل بنا دیا۔ افسوس! اس مقام سے میں اور کہیں جا بھی نہیں سکتا۔ تاجر نے کہا: لڑکے! خاموش رہ، یہی بات تھی تو آیا نہ ہوتا اور اب آگیا ہے تو جھگڑا نہ کر۔ میرے لئے دنیا میں سب سے عزیز شے تو ہے اور تیرے ہی لیے یہ تمام صعوبتیں برداشت کرتا ہوں۔ تجھے ساتھ لانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ تو بھی کچھ تجربہ کار ہوجائے۔ لڑکے نے کہا : باوا جان! میں دنیا داری کی باتیں سننا نہیں چاہتا، مجھ سے اگر کوئی ذکر کرو تو شریعت کا کرو۔ میں سیمرغ بحر لامکاں ہوں اور نور شرع مصطفیٰ ہوں۔ جس طرح دریا کے عجائبات لا تعداد ہیں، میرے اسرار بھی غیر متناہی ہیں۔ تاجر نے کہا: فرزند! یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات! اپنی حد سے قدم نہ بڑھا اور بے عقلی کی باتیں نہ بنا، اس میں تیری سبکی ہے، تو نے ایک بات پوچھی تھی میں نے اُس کا جواب دے دیا۔ بھلا حقیقت کہاں اور تو کہاں، تو تو ابھی نادان لڑکا ہے۔ لڑکے نے کہا: باوا جان! مجھکو لڑکا نہ سمجھو، مجھ میں نمود عشق ربانی ہے، اگر تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو تو خیر، مگر مجھ کو گمراہ کرنے کی کوشش مت کرو؛ میں سب سے فارغ اور سب سے آزاد ہوں؛ میری رہنما عین ذات ہے، تم بیشک میرے پدر محترم ہو، لیکن میری حقیقت سے واقف نہیں۔ تم کشتی دیکھتے ہو اور میں دریا کو دیکھتا ہوں، میں اِس بحر میں گوہر اِلّا دیکھتا ہوں۔ اب تاجر کو خیال

ہوا کہ لڑکا دیوانہ ہوگیا ہے - کہنے لگا: لڑکے! یہ سودا تجکو کب سے ہوگیا ہے کہ تو اپنے آپ کو واصلین میں شمار کرنے لگا' اگر اب خاموش نہ رہا تو میں تجھے دریا میں پھینک دوں گا؛ میری عقل حیراں ہے کہ تو حدود شرع سے باہر نکل رہا ہے' تجکو لازم ہے کہ "عیان عقل" سے کام لے - لڑکے نے جواب دیا: باوا جان! تمہیں یہ خیال ہے کہ میں کوئی خبیث ہوں ' حالاں‌کہ عالم جاں میں سب عین جاناں' ہیں- اس کشتی میں میں ایک بحر اعظم ہوں' اگرچہ تمہارے ساتھہ بحر ہستی میں ہوں ؛ لیکن میں اپنی صدت کا دریگانہ ہوں- میں یہ باتیں کیوں نہ کہوں' جب جانتا ہوں کہ راست ہیں - تم نے مجکو دریا میں پھینک دینے کی دھمکی دی ہے' میں کہتا ہوں تم ضرور اسے پوری کرو - میں اسرار حقیقت کا مالک ہوں اور انوار طریقت میرے دیکھے بھالے ہیں- اگر تم نجات دارین حاصل کرنی چاہتے ہو تو مجکو اس بحر ہستی میں تنہا چھوڑ دو - تقلید میری دامنگیر نہیں ہے' میں اس دریا سے نکل جاؤں‌گا - تمہارا خیال ہے‌کہ میں غرق ہوجاؤں گا لیکن میں کہتا ہوں کہ مجکو کون و مکاں سے باہر اُڑجانا چاہئے - میں ذات ہوں' پھر کس لئے کشتئی صفات میں رہوں' مجکو خدا کا حکم ہے کہ دفعتاً گم ہوجاؤں - اس دریا میں میں منصور ہوں اور تمام عالم میں مشہور ہوں - کونین میرے اسرار ہیں' لیکن میں نا محرموں کی آنکھوں سے مخفی ہوں - میں اسرار کادریاے لاہوتی ہوں' جو دریا میں نا پدیدار ہوجائے گا - علم و حکمت حق کا دریا ہوں' راز مطلق کو افشا کردوں‌گا - دریاے علم اور بحر تنزیل ہوں اور صورت تبدیل کردوں‌گا—

دریں دریا منم با با الٰہی گواہی می دہندم ماہ و ماہی
دریں دریا منم اللہ بنگر نمود دید "الا اللہ" بنگر
منم با با نمود دیدار اللہ دریں دریا منم عین ہواللہ
منم منصور و بنمایم ترا دید کہ میگوئی ابا من عین تقلید (ص ۵۶-۵۷)

جب یہ جوش بھرے الفاظ کشتی والوں نے سنے سب دنگ رہگئے - آخر وہ قطب

سر فراز جوہر احترام کا مستحق تھا ' اُٹھا اور کہنے لگا : اب تمہارے ساتھہ رہنے میں مجکو تکلیف ہوتی ہے' اِس لئے رخصت ہوتا ہوں - اے پدر محترم !

وداعت کردم و خواہم شدن زود ز بہر شرع از من باش خرشنود (ص۵۷)

میں جاتا ہوں اور میرا راز اکسٹھسال کے بعد بغداد میں ظاہر ہوگا - کیا تم نے سورۂ طہ نہیں پڑھی —

درختے دید موسیٰ آں شب از دور زصد سالہ رہ آں جا گہہ پر از نور
بیک جذبہ بشد آں نیک بخت او زقربت تا سوے نور درخت او
ہمی زد آں درخت انی "انا اللہ" کہ گردد از نہود شاہ آگاہ
درختے یافتست ایں قربت درست کہ میداند کہ بود بودش از اوست
رواست "انی انا اللہ" از درختے ز وصل ایں جا بگوید نیک بختے
رواست انی انا الحق گر بگوئی بوقتے کز خودی خود نگوئی
چو حق دیدم پدر در عین تحقیق حقیقت حق شدم از سر توفیق (۵۷-۵۸)

منصور اس کے بعد حقیقت اعیان و صفات کُل اور دنیا سے قطع تعلق پر اپنے خیالات سناتا ہے' اس کے بعد ایک بزرگ جو واصلین میں سے تھا' منصور سے سوالات کرتا ہے

---

* یہ استدلال اگرچہ یہاں بے محل واقع ہوا ہے' لیکن صوفیانہ نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت میں کوئی شک نہیں کیونکہ شیخ عطار اپنے تذکرے میں (ص ۱۳۶ جلد دوم) اس کو بیان کرتے ہیں : "مرا عجب آمد از کسے کہ روا دارد کہ از درختے "انا اللہ" بر آید و درخت درمیان نہ چرا روا نباشد کہ از حسین الحق بر آید و حسین درمیان نہ" پھر یہی شعر انہوں نے خسرونامہ (ص طبع ثمر ہلند) میں یوں لکھا ہے :

رواست انی انا اللہ از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

پرو فیسر آذر کے کلیات میں بھی موجود ہے - لیکن تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہی شعر بجلسہ مثنوی گلشن راز محمود چہستری میں بھی موجود ہے ' صاحب جوہرالذات عطار کے اشعار کو اکثر مسخ کردیا کرتا ہے' چنانچہ اس شعر کے متن میں بھی تقلیبہ کردی ہے -

اور منصور ان کے جواب دیتا ہے' آخر بوڑھا اُس کا معتقد ہوجاتا ہے- منصور زور دیتا ہے کہ جہان جاں' طلب کرو اور باقی سب قیل و قال چھوڑ دو - اپنی خودی سے مرجاؤ اور برقع صورت کو اتار کر پھینک دو - دریا سے جواہرات معانی رولنا چاہییں' کشتی کا کیا کروگے وہ محض نمود خودی ہے- اسی کشتی نے ہفتاد و دوملت کو غرق کر دیا ہے-البتہ ایک اور کشتی ہے وہ کشتی حقیقت ہے' اس میں محمد [صلعم] اورعلی [کرم] مقیم ہیں' تم اُن کا دم بھرو اور گوہر مراد حاصل کرو*--

ز دریا جوے دریاے معانی ز کشتی جز نمود خود ندانی
دریں کشتی بسے گشتند غرقہ دریں بودند ہفتاد و دوفرقہ
یکے کشتی دیگر ہست در یاب در آں کشتی حقیقت زرد بشتاب
محمد با علی آں جا مقیم است ازاں ذرّات کل باترس و بیم است
دم ایشاں زن وہر دو جہاں شو نمود ار زمین و آسماں شو

جب منصور یہ باتیں کرچکا' اُٹھا اور لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوگیا- تماشائی حیران رہ گئے' بوڑھے باپ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہوگیا- جب ہوش میں آیا' سمندر میں کود پڑا اور جان دے دی† —

منصور سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ: تم جو 'راز مطلق' بتلنے کا دعوی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ حق کو میں نے عین مطلق دیکھا ہے' مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم کو غیب کے حالات کس طرح معلوم ہوگئے اور اپنے قتل کے متعلق تم نے کیسے اطلاع حاصل کرلی؟- منصور نے جواب دیا کہ: میں نے اپنے قتل کی 'نمود' کو دیکھ لیا ہے؛ بغداد میں میرا سر برباد ہوگا؛ یہ باتیں مجھ پر منکشف ہوگئی ہیں- حج کے راستے میں منصور سے یہ سوال کیا گیا تھا؛ سائل نے دوبارہ کہا: غیب کی

---

*پرانی روایات منصور کوشیعہ بیان کرتی ہیں- مجالس المؤمنین میں بھی شیعہ تسلیم کیا گیا ہے -

† منصور کی طفلی کی یہ حکایت کسی تذکرے میں نہیں ملتی -

بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے مجھ کو تمھاری بات کا یقین نہیں آتا، البتہ اگر کوئی زبردست شہادت (نمود) دو اور کوئی راز دکھاؤ تو مانوں گا۔ منصور نے جب یہ بات سنی، اپنی نگاہ اُس پر جمادی اور کہا: تو میری 'دید دید' میں اچھی طرح سے دیکھ! کیونکہ میں وھی ھوں جس نے سب کچھ پیدا کیا ھے:

نظر نیکو کن اندر دید دیدم که من هستم که جمله آفریدم (ص۲۴۹)

اب جو آدمی نے غور سے دیکھا تو اُس کو آسمان ھفتم سے بھی بلند پایا۔ حیرت و استعجاب سے اُس پر محویت طاری ھوگئی اور مست لقا رہ گیا۔ اھل قافلہ یہ نظارہ دیکھکر حیران رہ گئے۔ پوچھنے لگے کہ: اے منصور تو نے اس پر کیا کر دیا ھے؟ منصور نے کہا کہ: میں نے اُس کو نور دکھادیا ھے، وہ تمام باتوں سے بے خبر ھے اور دیدار مولیٰ میں مستغرق ھے۔ اِس وقت وہ جسم و جاں سے صاف ھوکر دیدار عین‌العیان میں محو ھے، جب ھوش میں آے گا تب بولنے لگے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا اور کہا کہ: اب ھوش میں آجا۔ وہ مرد ھوش میں آتے ھی اُس کے قدموں میں گرگیا اور رونے لگا، بولا کہ: مجھ پر تیرا عین‌العیان ظاھر ھوگیا ھے، میں تیرا غلام ھوں اور تو سلطان آفاق ھے اور دنیا میں تیرا ھی شور ھے۔ یہ کہتے کہتے اُس نے ایک نعرہ مارا اور جان دے دی۔ قافلے والوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اُن میں جو صورت پرست تھے، اُنھوں نے ایک شور مچا دیا، کہنے لگے کہ اِس شخص نے جادو سے کام لیا ھے، اس لیے قتل کا مستوجب ھے۔ منصور نے اُن سے کہا: اے گمراھو! میں دیدار الٰہی ھوں، مجھ میں یہ طاقت موجود ھے کہ تمھارے شور و غوغا کو فرو کردوں، لیکن اظہار راز کا یہ وقت نہیں ھے، کیونکہ تمھارے درمیان ایک پیر واصل موجود ھے، جو صاحب درد ھے، مجھ کو اُس کی خاطر منظور ھے، لہذا تم کو معاف کرتا ھوں۔ یہ الفاظ کہے اور قافلے والوں کی آنکھوں سے غائب ھوگیا* (ص۲۴۹-۲۵۱)۔

جوھرالذات میں حکیم ناصر خسرو کا ذکر بھی احترام کے ساتھ کیا گیا ھے۔

---

* اس حکایت کے متعلق بھی تذکرہ نگار خاموش ھیں —

سلسلۂ کلام یہ ہے کہ: خون کی اصل کیا ہے؟ - کہتے ہیں کہ خون کی اصل حیوان اور نبات سے نہیں ہے، بلکہ نبات کی اصل فیض ہے اور فیض کی اصل نور ذات ہے۔ اور جان و دل کی اصل قطرۂ خون نہیں ہے† - لیکن یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے - تم یوں سمجھ لو کہ فیض نور سے نبات ظاہر ہوتی ہے اور حیوان کو زندگی دیتی ہے؛ اِس فیض نبات اور وجود حیوانی سے جسم انسان پیدا ہوتا ہے - حکما نے اس بارے میں بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور اس کی تشریح میں کتابیں بھردی ہیں، لیکن ناصر (خسرو) نے اِس سرّ کو معلوم کیا؛ یہ حکیم ایک سرّ پاک تھا :

و لیکن کرد ناصر سر اظہار ببایہ می بسفتن آں بناچار (ص۳۱۹)

حکمت میں اُس کا کمال عین الیقین کی حد تک تھا، اس لیے وہ مخلوق سے پوشیدہ ہوگیا - اور اس طرح چھپ گیا، گویا صورت اور معنے کے پردے ہی سے غائب ہوگیا - جس طرح حکمت میں سب پر غالب تھا اسی طرح اسرار میں پیش پیش تھا - آخر میں اُس نے عزلت اختیار کرلی اور عین ذات و قربت تک پہنچ گیا - خدائے پاک نے اُس کی حکمت میں اِس قدر ترقی دی کہ اُس کو خدائے بیچوں کا دیدار بھی میسر ہوگیا - جب اُسے جمال ربانی حاصل ہوگیا، مخلوق سے متنفر ہوگیا - اُس نے دیدار خداوندی کیا اور عین اُس کی ذات بن گیا؛ خدا میں پنہاں ہوگیا اور اُس پر تمام راز منکشف ہوگئے - اُس کا اکثر بیان عقل اور جان کے متعلق تھا - کیونکہ اُس کی عقل اور جان عین‌العیان تھی - وہ کوہ قناعت کی طرف چلا گیا اور اُس قربت میں پابند سلوک رہا اور چھپ گیا - قاف قربت میں پہنچکر اپنے اوپر دنیا کا دروازہ بند کر دیا اور فنا کا دروازہ کھول لیا - اِس قاف قناعت میں اُس قدر رہا کہ حدو برہان کو اس کے وجود سے راحت ملی - دنیا کے اور حکیم اُس کے مقابلے میں ہیچ ہیں - جو شخص قاف قناعت میں مسکن بنالیتا ہے، تین باتیں اختیار

---

† کیا عطار جیسے فاضل طبیب سے خون کی اصلیت پر اسی قسم کی تحقیقات کی توقع کی جاسکتی ہے—

کرلیتا ہے' کم آزاری' کم خوری اور عبادت - اصل مردانہ ہونی چاہئے' پھر تو آدمی ناصر خسرو کی طرح اپنے مطلوب تک پہنچ سکتا ہے :

هر آنکو اندریں قاف قناعت گریزد' پیش گیرد هر سه عادت
کم آزاری و کم خوردن حقیقت پس آنگهه طاعت از عین شریعت
بباید اصل اول همچو مردان رسد چوں ناصر خسرو بجانان (ص ۳۱۹)

جوهرالذات میں منصور اگرچہ هر وقت مصنف کے پیش نظر ہے' تاهم اِس مثنوی میں خارجی مضامین بھی کافی موجود ہیں' لیکن یہ ہیلاج نامہ ہے' جو تمام و کمال منصور کے ذکر اور اُس کے کمالات و مقالات سے لبریز ہے - اِس کتاب میں بڑے بڑے صوفی مثلاً جنید' بایزید' شبلی اور شیخ کبیر عبداللہ خفیف اور عبدالسلام' منصور کے معتقد و مداح کی حیثیت سے دکھائے گئے ہیں - وہ باری باری منصور سے اسرار و حقائق پر سوالات کرتے ہیں اور منصور اُن کے جواب دیتا ہے - بعض اِس کے متعلق متشکک بھی ہیں تاہم اِس کے سامنے مجال دم زدن نہیں رکھتے —

شیخ کبیر عبداللہ خفیف شیراز میں رہتے ہیں اور اُن کے اور منصور کے درمیان ایک راز ہے - منصور کے تعلقات اُن سے قدیم ہیں اور یہ بھی اُس کے سرگرم معتقد ہیں —

عبدالسلام یہ ایک غیر معروف بزرگ ہیں' مگر منصور کے بے حد معتقد - اپنے پیر کے کہنے سے منصور کے عقیدت مند ہیں اور پیر کو منصور کا راز حضرت خضر کی زبانی معلوم ہوتا ہے —

جنید کو منصور کے متعلق کچھہ شکوک ہیں' خود براہ راست منصور کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور شیخ کبیر سے کہتے ہیں کہ دیکھئے ہمارے زمانے میں بیشمار اولیا ہیں اور اُن سے پیشتر بھی گذرے ہیں وہ سب واصلین میں میں سے تھے اور خدا کے نزدیک اُن کے بڑے درجے تھے' لیکن کسی نے اناالحق نہیں کہا سب کے سب هواالحق کہتے رہے' خود رسول پاک نے ایسا دعوی نہیں کیا - رسول

نے لوگوں کو شریعت کی دعوت دی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حدود میں قائم رہے - شریعت صرف اسی لئے ہے کہ نیک و بد اور حق و باطل میں تمیز کردے- اب ذرا اس منصور کی کیفیت ملاحظہ کیجئے کہ ہردم اناالحق کے نعرے لگا رہا ہے' روشنی اس سے دور ہوگئی ہے' کیونکہ شرع محمدی سے بھٹک گیا ہے' عوام الناس جاہل ہیں' اُن کو ہمارے قرب کی کیا خبر' اس لئے ہر کس و ناکس کے سامنے اس راز کا افشا کرنا قرین مصلحت نہیں —

منصور شیخ کبیر کو خطاب کر کے جواب دیتا ہے: شیخ کبیر! تم نے سنا جو جنید نے شرع کے متعلق کہا؟ مجکو بایزید نے مان لیا' لیکن یہ نہیں مانتے - میں ان کو معذور سمجھتا ہوں' با یزید کے پیر ہوے تو کیا ہوا —

اگرچہ شیخ و پیر بایزید است و لیکن پختہ ؤ بس نارسید است (ص۷۳۳)

حالانکہ تم نے میرے وہ تمام خوارق جو مینے تری وخشکی پر کیے ہیں' جب کہ ڈھائی سال تک میں اور تم ساتھ رہے' بیان کردئے ہیں اور یہ سب باتیں واقعیت سے تعلق رکھتی ہیں' لیکن جنید ہیں کہ شرع پیش کرتے ہیں - اور مجھے دیوانہ قرار دیتے ہیں - یہ نہیں جانتے کہ میں اپنی 'عین منزل' پر پہنچ گیا ہوں اور تمام حجاب دور ہوچکے ہیں- جب میں 'نمودار خدا' ہوں تو انبیا اور اولیا سب کچھ ہوں - خدا مجھسے ہم کلام ہے - کیا رسول اللہ سے صرف جنید ہی واقف ہیں' بچہ بچہ جانتا ہے کہ محمد [صلعم] ہمارے ہادی ہیں' لیکن حقیقت محمدیہ سے کون واقف ہے؟ - محمد [صلعم] مجھ میں ہیں' در حقیقت وہی میرے رہنما ہیں اور یہ محمد[صلعم] ہیں' جو اناالحق کہہ رہے ہیں :

محمد میزند در ما اناالحق ہمی گوید سراسر سرّ مطلق

وصال مصطفیٰ درجان منصور چوخورشید است کل نورعلیٰ انوار (ص۷۳۴)

محمد [صلعم] نے جو یہ راز آشکارا نہیں کیا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو دعوت شریعت منظور تھی' اس لئے حقیقت کو آشکارا نہیں کیا اور شریعت ہی بیان

کرتے رہے، حقیقت اُنھوں نے صرف علی کو بتائی - اگر جنید میرا عین الیقین حاصل کرلیں تو میں انھیں دکھادوں کہ مصطفیٰ مع تمام انبیا موجود ہیں —

اگر ایں جا جنید پاک دینم　　بیابد یکزماں عین الیقینم
نمایم مصطفیٰ او را دراں دم　　تمامت انبیا با دید آدم　　(ص۷۳۴)

بایزید منصور کے اِس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے آپ کو اُس کا غلام غلاماں بیان کرتے ہیں —

تو دیدی آنچہ ایں جا کس ندید است　　غلامے از غلاماں بایزید است　　(ص۷۰۹)

خود منصور اپنے لئے ایسے دعوے کرتا ہے، جو ولایت اور نبوت سے گذر کر الوہیت کی حدود میں داخل ہیں :—

تعالیٰ اللہ منم منصور حلاج　　ہمہ بر رحمت من گشتہ محتاج
تعالیٰ اللہ منم خورشید و اختر　　مرا گویند کل اللہ اکبر
تعالیٰ اللہ منم ایں جا خدا وند　　وجود خویش از من جملہ پیوند
الست اندر ازل گفتم ابد را　　نمایم چوں نمودم نیک و بد را
خدا وندی مرا زیبد کہ دانم　　تمامت در یقیں راز نہانم
ز صنع آفرینش جملہ پیداست　　زنور ذاتم ایں جا گہ ہویداست
یکے ذاتم منزہ در ہمہ من　　فگندہ در تمامت دمدمہ من　　(ص۷۱۴)
بجز منصور ایں جا نیست اللہ　　کہ از اسرار رحمان وے آگاہ
خدا منصور ومنصور است خالق　　وصال اینست ایں جا اے خلائق
خلائق من خدایم تا بہ بینند　　نمودم می نمایم تا بہ بینند
خلائق من خدایم در نمودار　　زعشق خویش امروزم بریں دار
خلائق من خدا یم چند گویم　　ہمہ خوا ہند تا پیوند جویم　　(ص۷۵۴)

خود مصنف منصور کے عشق میں اس قدر سرشار ہے کہ اُس کا جذبۂ محویت اور فنائیت کی حد تک پہنچا ہوا ہے- وہ کہتا ہے کہ: جب تک میں زندہ ہوں، اُسی

کے اسرار بیان کرتا رہوں گا' بلکہ یہ منصور ہی ہے' جو میری جان میں بول رہا ہے:

بجز حلاج چیزے می نہ دانم کہ باوے گویم و از وے بخوانم
زنم ہر لحظہ دم از عشق منصور اگرچہ می نماید در دلم شور
مرا تا جاں بود زو راز گویم ازو در قصہ مردم باز گویم
مرا تا جاں بود در دیر فانی ہمہ گویم از و سر معانی
ہمہ منصور می بینند درونم ہمو خواہد بہ آخر رہنمونم

حقیقت او ست ایں دم سر گفتار کہ می گوید درون جان عطار (ص۶۸۸)

ایک نہایت عجیب امر یہ ہے کہ مصنف نے جہاں منصور کو پچاسوں مقام پر خدا کہا ہے' وہاں متعدد موقعوں پر رسول اللہ اور حضرت علی کو بھی خدا کے نام سے یاد کیا ہے :

محمد را شناس ایں جا خدا تو و گرنہ اوفتی اندر بلا تو (ص۳۱۰)
علی با مصطفیٰ ہر دو خدا یند کہ دم دم راز در جاں می نمایند ص۶۹۳)
علی با مصطفیٰ ہر دو خدایند نمودند و دگر کل می نمایند (ص۳۵۰)

تمام مورخین کے برخلاف مصنف حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا قائل ہونے کے باوجود حضرت اسحٰق کی شہادت میں بھی اعتقاد رکھتا ہے :

اگر کشتہ شوی مانند اسحق تو باشی بیشکے دیدار آفاق (ص۳۶۱)
اگر ہم بود اسحق گزیدہ ز عشق روے تو شد سر بریدہ (ص۳۶۹)
گہے در کسوت اسحق گردی بریدہ سر بخود مشتاق گردی (ص۳۸۱)
چناں کن خویش را تسلیم مشتاق کہ سر ببریدہ اندر عشق اسحق (ص۴۲۴)

جوہرالذات اور ہیلاج نامہ جس قدر مشہور ہیں' معلوم ہوتا ہے اِس قدر پڑھی نہیں گئیں' ورنہ اُن کی شہرت اب تک ماند ہوجاتی۔کتابیں کیا ہیں' دریاے اعظم ہیں' جن کی گود میں تیس بتیس ہزار اشعار موجیں مار رہے ہیں۔ فارسی ادبیات میں شاید اِس قدر تھکا دینے والی' غیر دلچسپ' کند اور دل اُچاٹ کردینے

والی کوئی کتاب نہ ہوگی جیسی یہ کتابیں، جو عطار کی طرف خدا جانے کس گناہ میں دنیا نے منسوب کی ہیں۔ علمی و ذہنی لحاظ سے اِن کا شمار ادنیٰ درجہ کی تصنیفات میں ہونا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود کوشش بلیغ، میں ان مثنویوں کو پورا ختم نہ کرسکا، نہ مجھ میں، حالانکہ مجھ کو اقرار ہے کتابوں کے معاملہ میں خاصہ تحمل ہے، اس قدر تاب تھی کہ اِن کو پورا پڑھ سکوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ذوق جن میں مجھ سے زیادہ استقلال ہے، اِن کے نشیب و فراز اور معلومات سے ہم کو اطلاع دیں۔

اِن مثنویوں میں خوارق، اسرار اور کرامات کی فضا پیدا کر دی گئی ہے، جو بہت کچھ عطار کی واقعیت پسند طبیعت کے منافی ہے۔ مصنف خواب دیکھنے اور بشارتیں سننے کا عادی ہے۔ وہی مسائل جن کو شیخ اپنی عقل اور استدلال کے زور سے حل کردیا کرتے ہیں، اِن مثنویات میں اسرار بن گئے ہیں۔ معمولی سے معمولی مسئلہ ہمارے مصنف کے نزدیک ایک سر ہے اور یہ سر بغیر کسی انکشاف کی کوشش کے ایک طویل سمع خراشی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر کسی اور سر کی باری آتی ہے اور اِس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ ہر مضمون اِس کی علمی اور دماغی استعداد کی بے بضاعتی کا راز الم نشرح کر رہا ہے۔ عربی اس کو آتی نہیں، مجھ کو اُس کی فارسی دانی میں بھی شک ہے۔ ہمارا ناظم صرف الفاظ کو وزن کا جامہ پہنانا جانتا ہے۔ قافیے کا بھی چنداں پابند نہیں، مل گیا تو خیر؛ نہ ملا تو وزن ہی پر گزارا کرلیا۔ سلسلۂ بیان غیر مستقل، طویل اور بے ترتیب ہے۔ جیسے کسی مجذوب کی بڑ یا کسی فہیم مست کی ہذیاں سرائی۔ جو مطلب اس کو ادا کرنا ہوتا ہے، اُس کے لئے الفاظ نہیں ملتے اور جو الفاظ ملتے ہیں وہ مطلب ادا نہیں کرتے؛ اِس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعر اکثر مبہم اور مہمل بن کر رہ جاتا ہے۔ شاعر کا ذخیرۂ الفاظ بے حد محدود ہے، حالانکہ بتیس ہزار اشعار لکھے ہیں، لیکن اِس کثیر ذخیرے سے ہم چند نئے لغت بھی نہیں سیکھتے؛ یہی حالت

اُس کی معلومات کی ہے - عطار اپنی اصلی تصنیفات میں قدم قدم پر جدید اطلاع دیتے ہیں اور اُن کی مثنوی یا ں تاریخی دلچسپی کا قابل قدر سامان بہم پہچاتی ہیں،لیکن اس بے مایہ شاعر کی جھولی میں جو لحظہ بلحظہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ میں عطار ہوں، سوائے منصور کی چند حکایتوں کے ، جن کو نہ تاریخ جانتی ہے اور نہ روایت پہچانتی ہے، جدید معلومات کے سلسلے میں کچھہ بھی نہیں - جو مطلب ایک شعر میں کہا جا سکتا ہے، شاعر اُسی مطلب کو دس شعر میں ٹھٹک ٹھٹک کر، اور رک رک کر بیان کرتا ہے - اس طرح حشو و زوائد نے ایک ممتاز حیثیت اختیار کرلی ہے اور طوالت اِن مثنویوں کا عام جوھر بنگئی ہے - ان کتابوں کا بدترین پہلو ایک ھی خیال کی بار بار تکرار ہے، جس سے قاری نہ صرف اُکتا جاےگا، بلکہ دق ھوجائے گا - وھی ایک بات ایک دفعہ نہیں کہی گئی، بلکہ دس مرتبہ، اس پر بھی قناعت نہیں، دس مرتبہ اور تکرار کی؛ چند ورق لوٹیے تو بیس مرتبہ پھر وھی خیال دھرایا گیا ہے، اشعار کیا ہیں، پلٹنیں ہیں، جو الگ الگ وردی پہنے کھڑی ہیں - مثلاً :

ز شاگردان خود آگاہ می باش — و لیکن از دروں با شاہ می‌باش
ز شاگردان نظر کن راز بیچوں — کہ ایشانند نور ہفت گردوں
ز شاگردان نظر کن خویش بنگر — ترا بنہادہ سر در پیش بنگر
ز شاگردان نظر کن تابدانی — کہ از ایشاں حقیقت باز دانی
ز شاگردان نظر کن راز بنگر — ھمی انجام وھم آغاز بنگر
ز شاگردان نظرکن ہفت گردوں — حقیقت بعد ازاں سرراز بیچوں (ص۴۵۹)

میں اسی قدر نمونے پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ " ز شاگردان نظر کن " کی پلٹن کے ابھی ستر٘ہ جواں اورباقی ہیں- میں ناظرین سے استدعاکرتا ہوں کہ اِن اشعار کےمعنوں پر غور نہکی جاےاگر بالفرض ایسا کیاجاے تو غالب مرحوم کا یہ مصرع بھی یاد رہے

یہ ہے وہ لفظ جو شرمندۂ معنے نہوا

کچھہ اِن اشعار پرحصر نہیں، تمام کتاب اسی صنعت میں لکھی گئی ہے —

ذرا "ترا ایں جاست" کا رسالہ ملاحظہ ہو :—

ترا ایں‌جاست زاں‌زیشاں‌ندیدی تو از آنساں بجاناں کل رسیدی
ترا ایں جا ست وصل و روشنائی حقیقت نور دیدار خدائی
ترا ایں جاست بود کل مسلم کہ دیدستی زخود دیدار آدم
ترا ایں جا ست آ دم آشکارہ تو در او، او بتو ایں جا نظارہ
ترا ایں جا ست آدم تاکہ دیدی کہ در دم دید آدم را بدیدی [ص۵۰۲]

اس رسالے میں اڑتیس سوار ہیں- اس کے بعد " دل آگاہ" کا توپخانہ ہے، جس میں تین اوپر چالیس توپیں ہیں :—

دل آگاہ می باید دریں راز کہ دریا بد وصال ایں جا ٹگہ باز
دل آگاہ می باید دریں جا کہ ایں در باز بکشاید دریں جا
دل آگاہ می باید دریں سر کہ اسرارش ہمہ آمد بظاہر [ص۵۰۴]

اِس کے عین بعد " ہمہ وصلست" کے بائیس اوپچی کھڑے ہیں :—

ہمہ وصلست ہجراں رفت از پیش ہمہ جانست مرجاں رفت از پیش
ہمہ وصلست و دیدار است ایں جا دلت جاناں نہ پندار است ایں جا
ہمہ وصلست و دیدار است بیچوں و لیکن تو شدہ ایں جا دگر گوں [ص۵۰۵]

الغرض کہاں‌تک لکھا جائے، یہی ایک ایسا مہیب منظر ہے، جس کو اِن مثنویوں کا سیاح ہفتخوان رستم سے زیادہ دشوار گزار اور نا قابل عبور مانتا ہے —

جوہرالذات کی پہلی جلد میں [جو نسبتاً میرے مطالعے میں زیادہ آئی ہے] موقعے موقعے پر اعلیٰ درجہ کی شاعری کے نمونے ملتے ہیں اور میرے لئے یہ امر موجب حیرت تھا کہ وہی شخص جس کی دماغ سوزی بالعموم ایک مبتذل قسم کی شاعری پیدا کرنے کی عادی ہے، ایسے نفیس اور عمدہ اشعار لکھہ سکے، مثلاً:—

الا اے جان و دل را درد و دارو تو آں نوری کہ لم تمسسہ نارو

تو در مشکات تن مصباح نوری — ز نزدیکی که هستی دور دوری
ز روزنهاے مشکلات مشبک — نشیمن کردۂ خاک مبارک
زجا جه بشکن و زیتت بروں ریز — بنور کوکب دُرّی در آویز
ترا با مشرق و مغرب چه کارست — که نور آسماں گردت حصارست
[ز بینائی مداں ایں فرد فرهنگ * — کهکنجشکے به بیندبستفرسنگ] (ص۲۹)

یا یه اشعار :—

مگر می کرد درویشے نگاهے — دریں دریاے پر دُر الٰهی
کواکب دیدچوں درشب افروز — کهشب از نورایشاں بود چوں روز
تو گفتی اختراں استادہ اند — زباں با خاکیاں بکشا دہ اند
کههاں اے غافلاں هشیار باشید — بریں در گه شبے بیدار باشید
چرا چندیں سراندر خواب آرید — که تا روز قیامت خواب دارید
رخ در ویش بیدل ز آں نظارہ — زچشمش در فشاں شدچوں ستارہ
خوشش آمد سپهر کوز رفتار — زباں بکشاد چوں بلبل بگفتار
که یارب بام زندانت چنیں است — کهگوئی چوں نگارستان چیں است
ندانم بام ایوانت چسانست — که زندان تو بارے بوستانست [ص۱۹۰]

---

* خطوط هلالی میںنے ڈالے هیں، کیوں که یه شعر اشعارگذشته سے کوئی تعلق نهیں رکھتا، لیکن جوهرالذات کے قلمی نسخوں میں اسی مقام پر ملتا هے- اسرار نامه میں شیخ عطار نے اس شعر کو مع اسی قسم کے دیگر اشعار کے حیوانات پر انسانی تفوق کے استدلال میں لکھا هے، چنانچه :--

بآواز خوش خود سر سهفراز — که در ابریشم و نے هست آواز
خوش آوازے بلبل ازتو بهش است — که سرمستخود وآواز خویش است
زشلوائی خود چنداں بسخروش — که بانگے بشنود ده میل خر گوش
ز بویائی خود رو قصه کم گوے — که از یک میل موشے بشنود بوے
تو گر بهشی ازیں جمله ازانی — که بس گویا و بس پاکیزه جانی

اب ان اشعار اور اُن مہمل اشعار میں، جو ٹھیک اِن سے پہلے درج ہوے ہیں، رات دن اور زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں شروع ہی سے ان کو کلاے دزدیدہ مانے ہوے تھا، آخر اسرار نامۂ عطار میں اُن کا سراغ مل گیا۔ یہ ابیات اسرار نامۂ عطار طبع ایران کے ص ۳۰ اور ص۱۱۱-۱۱۲ پر ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد مقامات* اور ہیں جہاں تین تین، چار چار، پانچ پانچ، اشعار اسی اسرار نامہ سے لیے گئے ہیں، بخوف طوالت ان کی فہرست پیش کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ اِن مثنویوں میں جو بہتر اشعار ہیں، بیرونی ہیں اور اسرار نامہ کا تو اس قدر ناس کیا گیا ہے کہ نا گفتہ بہ ہے —

جب ہم اِن کتابوں کا عطار کی دیگر تصنیفات سے مقابلہ کرتے ہیں تو اِن میں اس قدر نمایاں اور زبردست فرق دیکھتے ہیں کہ ہمیں اِن ارگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو اُنھیں عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔ 'ابا'۔ 'ابر' اور 'ایے' عطار نے اپنی تصنیفات میں استعمال نہیں کیے۔ 'جاگہہ' 'حقیقت' وغیرہ عطار کے تکیہ کلام نہیں۔ اسرارنامہ، عطار نے ساٹھہ سال کی عمر میں لکھا ہے۔ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ اگر در حقیقت انھی کی یادگار ہیں تو اسرار نامہ کے بعد لکھے گئے ہوں گے۔ اب ایک

---

* ذیل میں بعض ایسی اور مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں، جن میں صرف شمار صفحات و اشعار پر قناعت کی جاتی ہے :

جوہرالذات	ص۴۴، اشعار، ۱-۲-۳-۴	اسرار نامہ طبع ایران، ص ۴۵، ابیات، ۸-۹-۱۰-۱۱	
,,	ص۵۰، اشعار، ۱۳-۱۴-۱۵،	,,	ص۱۴۸، ابیات، ۱۳-۱۴-۱۷،
,,	ص۵۰، اشعار، ۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲،	,,	ص۸، ابیات، ۹-۱۰-۱۱-۱۳-۱۴
,,	ص۷۱، اشعار، ۲۲-۲۳-۲۵،	,,	ص۸۰، ابیات، ۶-۷-۸،
,,	ص۶۹، اشعار، ۲۹-۳۰-۳۱،	,,	ص۱۲۳، ابیات، ۱۵-۱۶-۱۷،
,,	ص۱۸۰، اشعار، ۱۷-۱۸،	,,	ص۹۵، ابیات ۲-۵،

اس دزدی کا دائرہ ابھی اور وسیع ہے اور تلاش سے متعدد مقامات اور نکل آئیں گے۔

شصت سالہ پختہ کار شاعر، جو ضرورت سے زیادہ پر گو ہے اور جس کو مضامین اس افراط کے ساتھہ سوجھتے ہیں کہ وہ اُن کی کثرت آمد سے نالاں ہے، اس دور کی تصنیف میں اِس قدر بدل جاے گا کہ بالکل نئی زبان اور نئی روش اختیار کرلے گا، اس کی شاعری اِس قدر پھسپسی گھٹیل اور گوفت پیدا کرنے والی ہوجاے گی، جس سے انسانوں کی طبیعت مکدر ہونے لگے- وہی شاعر جس کا خسرو نامہ؛ نظامی کی ''شیرین و خسرو'' کے ہم پلہ مانا جاسکتا ہے، بعد میں ایسی مبتذل شاعری اختیار کرسکتا ہے، میں ماننے کے لیے طیار نہیں—

شیخ عطار، حسین بن منصور حلاج کے مبسوط حالات اپنے تذکرے میں لکھہ چکے ہیں- وہ اگرچہ حسین کو عبداللہ خفیف، شبلی اور ابوالقاسم کی شہادت پر کاملین میں شمار کرتے ہیں، تاہم کوئی غیر معمولی عقیدت، اُس کی نسبت نہیں جتلاتے- تذکرے کے علاوہ مثنویات میں بھی کئی موقعوں پر اس کی حکایات ملتی ہیں، اُن میں بھی حسین کو کوئی خاص احترام نہیں دیتے، لیکن جوہرالذات اور ہیلاج نامہ میں، حسین ایک ایسے پیرایے میں پیش کیا گیا ہے، جس کے سامنے جنید اور شبلی جیسے درخشاں آفتاب، شمع بے نور معلوم ہوتے ہیں- وہ اس طاقتور ہستی سے ادنیٰ ادنیٰ سوالات پوچھتے ہیں اور آخر میں اُس کے معتقد ہوجاتے ہیں- منصور کو اپنے خرارق پر ناز ہے اور اُس کے دعاوی اس قدر بلند ہیں کہ استغراق، محو اور محویت کے خط حد بندی کو توڑ کر حلول اور اتحاد کی ارض ممنوعہ میں داخل مانے جاسکتے ہیں- حالانکہ خود عطار ہمیں اطلاع دے چکے ہیں کہ زنادقہ کا ایک ایسا گروہ بھی ہوا ہے، جو اتحادی اور حلولی ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ''حلاجی'' مشہور کیا ہے- وہ اگرچہ اِس کے اقوال کو سمجھے نہیں، لیکن اس کے قتل اور جلاے جانے پر فخر کرتے ہیں- چنانچہ بلخ میں دو شخصوں کا وہی حشر ہوا جو منصور کا ہوا- میرا خیال ہے کہ عطار بحیثیت تذکرہ نگار اہل اللہ کے حالات اور زمانوں سے بخوبی واقف تھے، یہ مان کر اگر وہ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ لکھتے،

تو ظاہر تھا کہ ایسے صریح اغلاط مثلاً منصور اور بایزید کی گفتگو کے بے سر و پا واقعات نہیں لکھتے، حالانکہ بایزید کی وفات کا واقعہ سنہ ۲۶۱ ہجری یا سنہ ۲۶۳ھ میں پیش آتا ہے اور منصور سنہ۳۰۹ ہجری میں دار پر چڑھایا جاتا ہے - پھر لطف یہ ہے کہ بایزید کو جنید کا مرید بتایا جاتا ہے، ان دونوں بزرگوں میں بایزید اقدم ہیں، اور شیخ عطار ہم کو اطلاع دیتے ہیں کہ جنید بایزید کے اس قدر معتقد تھے کہ، کہا کرتے تھے: "بایزید کا ہماری جماعت میں وہی مرتبہ ہے، جو حضرت جبرائیل کا ملائکہ میں ہے" - یہ اور دوسری صریح غلط بیانیاں، جو اِن کتابوں کے اوراق میں نظر آتی ہیں، عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں —

حکیم ناصر خسرو اِسماعیلیوں کا داعی ہونے کی بنا پر، نیز سیاسی وجوہ سے ان ایام کے خراسانیوں میں جو اکثر حنفی اور شافعی تھے، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ اِس لیے بہت کم مصنفوں نے اِس کا ذکر کیا ہے - محمد عوفی نے شاعر کی حیثیت سے بھی "لباب الالباب" میں اس کا ذکر نہیں کیا، نہ شیخ عطار نے اپنی مثنویات میں اِس کا ذکر آنے دیا - لیکن جوھرالذات میں اس عظمت کے ساتھہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ایک طرف حکما کا سرتاج اور دوسری طرف ولی کامل دکھایا گیا ہے- دشمنوں کے خوف سے، حکیم موصوف یہگان میں آکر پناہ لیتا ہے، اس واقعہ کو مصنف نے حکیم کے ذوق سلوک اور گریز از خلق کے نام سے تعبیر کیا ہے :

در آخر حکمتش افزود بیچوں — خدا را باز دید او بے چہ و چوں
خدا را باز دید او آخر کار — گریزاں شد ز خلق او کل بہ یک بار
خدا را باز دید و ذات او شد — کہ ایں معنی یقین ذات او بد
در آں قربت کہ بودش حد و امکاں — سلوکے کرد و خود را کرد پنہاں
بسوے قات قربت رفت و بنشست — دراز عالم بروے خود فرو بست(ص۳۱۹)

حکیم موصوف نے اِن ایام میں جس قسم کا سلوک اختیار کیا تھا، اس کی حقیقت اُن قصائد سے ظاہر ہوتی ہے، جو اِس نے اسی عزلت نشینی کے زمانے میں

لکھے ہیں اور بعض نواصب و مدح مستنصر اسمٰعیلی کی آوازوں سے گونج رہے ہیں؛ یہ قصیدے آج بھی موجود ہیں اور چھپ چکے ہیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والا یہ امر ہے کہ جہاں عطار نے جنید کو بایزید کا پیر بنا دیا اور ناصر خسرو کو ولی کامل بنادیا، وہاں وہ حسین بن منصور کا نام بھی بھول گئے اور اسی عام غلطی کے شکار بن گئے، جس میں شعرائے ایران مولانا رومی کے زمانے سے مبتلا ہیں، جوھرالذات اورھیلاج نامے میں حلاج کا نام منصور بتایا گیا ہے، جو بالکل غلط ہے، اُس کا نام حسین ہے اور منصور اس کے باپ کا نام ہے، شیخ عطار اپنے تذکرے میں ہمیشہ اُس کو حسین کے نام سے یاد کرتے ہیں، یا بعض وقت حلاج کے خطاب سے پکارتے ہیں، لیکن کبھی منصور کے لفظ سے یاد نہیں کرتے۔ اُن کی مثنویوں میں بھی منصور کی کئی حکایتیں ملتی ہیں، مثلاً منطق‌الطیر :

چوں شد آں حلاج بر دار آں زماں جز انا الحق می نرفتش بر زباں

[کلیات ص ۱۱۰۵] اور الٰہی نامہ:

چو ببریدند ناگہ بر سر دار سرو دو دست حلاج آں چناں زار

[کلیات ص ۸۲۱] اور الٰہی‌نامہ:

پسر را گفت حلاج نکو کار بچیزے نفس را مشغول میدار

[کلیات ص ۹۱۱] اور اسرار نامہ:

بشب حلاج را دیدند در خواب بریدہ سر، بکف در جام جلاب

[ص ۴۵، طبع ایران]

یہاں ہر موقع پر حلاج کے خطاب سے لکھا ہے - قصہ مختصر، یہ بعض و جوہ ہیں جن کی بناپر میں اِن دو نوں کتابوں کو عطار کی تصنیف ماننے کے لئے طیار نہیں —

مولانائے روم کے "سخنان" کے حوالے سے 'جامی' نے ایک روایت لکھی ہے کہ: نور منصور تیرہ سو سال بعد شیخ عطار کی روح پر تجلی کرکے ان کا مربی بن گیا

میں خیال کرتا ہوں کہ اس روایت کے زیر اثر مثنوی جوہرالذات وغیرہ تصنیف ہوتی ہیں اور یہ کوئی تنہا اقدام نہیں ہے' بلکہ اشترنامہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ روایت بالا کی تصدیق دیباچۂ ہیلاج نامہ سے ہوتی ہے' جہاں منصور کے پیکر مثالی کی آمد کا مفصل مذکور ملتا ہے۔ چونکہ ان مثنویوں میں عطار کی شہادت کا علی‌التواتر ذکر آتا ہے' بلکہ خود حضرت علی کرم‌اللہ وجہہ خواب میں آکر شہادت کی بشارت دیتے ہیں کہ: "منصور نے ہمارے اسرار کھولے' سزا پائی' جو منصور نے کیا وہی تم نے کیا' اس لیے ہم تم کو جام شہادت پلائیں گے"۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ شیخ کی شہادت کے اثبات میں کوئی چیز لکھی جائے' چنانچہ بے سرنامہ * مرقوم ہوا۔ یہ یاد رہے کہ جوہرالذات میں منصور کی طرح اہل ظاہر کے ہاتھوں شہید ہونے کی پیشین گوئی کی گئی ہے:

بخواہم کشتنت مانند حلاج نہم بر فرقتت ایں جا ہم چو او تاج (ص۲۶۹)

ز عشقت آگہم اے برتر از نور کہ خواہم رفت بردارت چوں منصور (ص۳۲۶)

اس لیے بے سرنامہ اسی عقیدے کی صدائے بازگشت ہے' لیکن موجب حیرت یہ امر ہے کہ اہل ظاہر نے یہ تہمت اپنے سر سے ہٹاکر تاتاری وحشیوں کے سر منڈھ دی' جس سے اہل ظاہر و اہل باطن کی روایات کے اختلاف نے ہمارے نزدیک بالفاظ صاحب جوہرالذات "ایک سر" کی شکل اختیار کرلی ہے' اور میں اکثر سوچتا رہا ہوں کہ اس فرضی عطار کی یہ آرزو:

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد من جلوہ دہم بار دگر دار و رسن را

کبھی قوۃ سے فعل میں بھی آئی یا نہیں—

---

* بے سر سے مراد عطار ہیں' چنانچہ ہیلاج نامے میں بھی ایک موقعہ پر اسی نام سے پکارا گیا ہے:

سرافرازی کن اے بے سردر آخر کہ ایں جا نیستت ہم سرور آخر

مبادیات تیاتر

از

(جناب مولوی نور الہی و محمد عمر صاحبان)

اُردو کے صفحات پر بارہا یہ ذکر آچکا ہے کہ دنیا کے ہر تیاتر نواز ملک میں، ڈرامانے مذہب کی گود میں پرورش پائی، لیکن جب مذہب نے اس کے سر سے دست شفقت اُٹھالیا تو اس نے اپنی آزادی کا اعلان کرکے اپنا حلقۂ اثر اسقدر وسیع کر دکھایا کہ خود مذہب کو کئی مرتبہ اپنی بقا کے لئے اِس سے استمداد کرنی پڑی - اس لئے اس مضمون میں اب اتنی ندرت نہیں رہی کہ اُسکا اعادہ بار خاطر ہونے سے محفوظ ہو —

یہ بھی اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ نقالی اور انسان نے ایک ساتھہ جنم لیا اور وہ انسان کی سرشت کا اسقدر ضروری جزو ہے کہ دنیا کے عہد طفولیت کی تاریخ کو اٹھا کردیکھو تو معلوم ہوکہ ارتقائے انسانیت کی کتنی منزلیں اِسی کی بدولت طے ہوئیں - تا ایں دم انسان کا بچّہ اسی کے سہارے چلنا ، بولنا ، کھانا ، پینا ، لڑنا وغیرہ سیکھتا ہے، کبھی گھوڑا بنتا ہے، کبھی گائے - کبھی انجن کی طرح دوڑتا ہے اور کبھی موٹر کی طرح آواز نکالتا ہے - غور سے دیکھیے تو یہ سب قدم ترقی ادراک کی طرف اُٹھہ رہے ہیں اور اِن سب میں نقالی اُسکی دستگیر اور رہنما ہے - اسی نقالی کا ترقی یافتہ اور مہذب نام "ڈراما" ہے تہذیب اور شایستگی کا مدار تجربات انسانی پر ہے اور یہ تجربات کیا ہیں ؟

محض افعال انسانی کی نقل جو قبول و ترک دونوں کو شامل ہے۔ پس انکو منصۂ شہود پر لانا تہذیب عالم کی ترقی کے لئے ایک ناگریز امر ہے - جب ان کے صم و بکم مظاہر مثل تاریخ ' تذکرہ ' سیر و روایات ' انسان کو پختہ کار بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں تو اُن کا چلتا پھرتا ' منہ بولتا مرقع (ڈراما) جواثر انسان کے دل و دماغ پر کریگا' وہ کتنا مہتم بالشان ہوگا - اگر یہ سچ ہے کہ " شنیدہ کے بود مانند دیدہ " تو اسے بھی سچ مانئے کہ تأثر کے اعتبار سے کسی کتاب کا مطالعہ ڈراما سے لگا نہیں کھا سکتا - حضرت انسان کے دیگر سوانح نگار' واقعات سے ایک قدم آگے نہیں بڑہ سکتے اور جو کچھہ از منۂ ماضیہ میں ہوچکا اُسے بیان کر کے اپنا دفتر لپیٹ لیتے ہیں - لیکن ڈراماجو فطرت انسانی کا ماہر کامل ہے' اُن سے بہت آگے نکل جاتا ہے اور ممکنات کو معرض بحث میں لاکر یہ بھی دکھاتا ہے کہ فلاں کام کامل ایک ایسی صورت میں بھی ممکن ہے' جو آج تک رونما نہیں ہوئی - تاریخ آپ کو " محو غم دوش " تو کردیگی' مگر " فکر فردا " پر آمادہ کرنا ڈراماہی کا کام ہے' وہ آپکو بتلائیگی کہ دنیا نے کیا کیا - ڈراما آپکو دکھائیگا کہ دنیا کو کیا کرنا چاہیے - انہیں وجوہات پر مہذب دنیا میں ڈراما کو پریس ' پلیٹ فارم اور ممبر (پلپٹ) پر تر جیح دیجاتی ہے - اگر کسی خزاں رسیدہ چمن سے' اس کے ایام بہار کا اندازہ نہیں ہوسکتا تو یہ فعل بھی بر خود غلط ہے کہ متداول ہندوستانی ناٹکوں سے فن ڈراما کا کوئی معیار قایم کیا جائے —

ہمارے موجودہ سٹیج یقیناً ابتذال کی آخری حد تک پہنچ چکا ہے اور ذوق سلیم کو اِن ڈراموں کی نمایش گوارا نہیں - بھلا اُن بھنگڑ خانے کی نقلوں کو فن سے کیا نسبت - لیکن اِس افسوس ناک حالت کا ذمہ دار فن ڈراما نہیں کہ اُس کی طرف تو کوئی آنکھہ اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا - بلکہ اِس کی ذمہ دار وہ ہستیاں ہیں' جن کا ذکر سطور آئندہ میں آئیگا۔ کیا آج سے تیس چالیس برس پہلے کے رسائل و جرایدہ دیکھکر آپ کہہ سکتے ہیں کہ گالی گلوچ اور فواحشات کے

اس سنڈاس سے زمیندار، ہمدم، ہمدرد، اردو، سہیل، معارف، زمانہ، بہارستان وغیرہ جیسے وقیع اور پر وقار اخبار اور رسالے پیدا ہونے ممکن ہیں۔ جس طرح ہندوستانی پریس کا ماضی ننگ صحافت تھا اور مآل باعث فخر و ابتہاج ہے، اسی طرح ہمارا سٹیج اگر آج ننگ فن ہے، تو ارباب نظر کی ذراسی توجہ سے وہ کل معراج کمال پر پہنچ سکتا ہے۔ ان سطور کو حوالۂ قلم کرنے سے فقط اتنی غرض ہے کہ ذرا ڈراما کی حقیقت آئینہ ہوجائے اور کھوٹے کھرے میں تمیز ہوسکے۔

ڈراما کسے کہتے ہیں؟

ڈراما اُس مضمون سے عبارت ہے، خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، جس میں افعال کے ذریعے انسان کی معاشرت، تمدن یا طریق کار کی تصویر اُتاری جائے۔ ڈراما ایک روداد ہے، جو عملاً کرکے دکھائی جاتی ہے، اور تذکرے کو اس میں مطلقاً دخل حاصل نہیں ہوتا۔ ڈراما ایک مکالمہ ہے، جس سے ایک ایسا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جو بخط راست افعال انسانی سے مترتب ہوتا ہو، اور: (۱) تماشائیوں کے سامنے (۲) سٹیج پر (۳) کھیل کر دکھایا جائے۔

"ڈراما اُن لوگوں کا لٹریچر ہے، جو مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کرسکتے"۔ "ڈراما انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی زندہ دلیل ہے"۔ "ڈراما انسانیت کا وہ زبردست حربہ ہے کہ جس پر پڑتا ہے، اُسے پاش پاش کر دیتا ہے۔ اور جو اُس پر گرتا ہے چکنا چور ہوجاتا ہے"۔

"ڈراما: "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں"

کی متحرک تشریح ہے"۔ اِس کا مقصد بے ضرر تفریح، بلا زحمت تعلیم، بلا حجت نصیحت اور بےساختہ مواعظت ہے۔ سیاسی اور مذہبی پروپاگنڈا کے لیے مسلمہ طور پر بے خطا آلہ ہے۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں ایک ہندوستانی تھیٹریکل کمپنی کے اشتہار پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا:

بشر کرتے ہیں جو کچھ نیک و بد کام
دکھا دیتے ہیں ہم ہر اک کا انجام

ٹریجڈی اور کومیڈی اس کی حقیقی اور قدیم اصناف ہیں۔ (۱) ٹریجی کومیڈی، (Tragi Comedy) (۲) برلیٹا (Burletta) (۳) میلو ڈراما (Melo Darma) (۴) فارس (Farce)، (۵) برلسک (Burlesque) (۶) اکسٹر یواگنزا (Extravegenza) (۷) اوپیرا (Apera) (۸) اوپیرا کامک (Apera Camic) (۹) اوپیرا ایسیریا (Apera Seria) (۱۰) اوپیرا بفا (Apera Buffa) (۱۱) ماسک (Masque) اور متعدد اقسام کامیڈی محض بدعات ہیں اور ان کا مقصد فری تفریح اور دل لگی ہے۔ ماہران فن نے انھیں ڈراما تسلیم نہیں کیا۔ ٹریجڈی اعمال انسانی کے اُس پہلو کو بے نقاب کرتی ہے، جس میں وہ تنازع بقا کی اُلجھنوں میں پھنسا چلا جاتا ہے۔ فطرت، سماج یا ملک کے قوانین کی خلاف ورزی کی پاداش میں، ایک مصیبت میں گرفتار ہوتی ہے، لیکن اس کے اخفا یا مآل کار سے بچنے کی کوشش میں ایک اور غلطی کر بیٹھتی ہے اور نئی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔ بالآخر اِس کی زندگی اِسی کشمکش کی بھینٹ چڑھتی ہے۔ ٹریجڈی کے دیکھنے سے انسان کے دل میں جذبات ترحم، صلۂ رحمی اور مآل اندیشی پیدا ہوتے ہیں اور وہ تزکیۂ نفس کا باعث ہوتی ہے۔ ظلم و جور، بغض و حسد، رشک و رقابت، بے وفائی و بد عہدی وغیرہ کا انجام چلتی پھرتی صورت میں دکھاتی ہے، اور دکھا کر خاموش ہو جاتی ہے —

اس کے دیکھنے سے دل پر ایک ایسا پائدار اور رقت انگیز اثر ہوتا ہے، جو برسوں کے مطالعہ سے حاصل ہونا معلوم۔ اِس کے افراد کی گفتگو، وقار، سنجیدگی، اور فلسفہ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس کامیڈی بذل و ظرافت کے پردے میں انسان کی خامی، سادہ لوحی اور تلون مزاجی کے کرشمے دکھاتی ہے۔ اس کے افراد تڑاق پڑاق باتیں کرتے ہیں، جس میں تصنع بیش از بیش ہوتا ہے اور بسا اوقات ضلع جگت پر بھی اُتر آتے ہیں۔ ٹریجڈی ہمیں دکھاتی ہے کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے، اِس میں جا بجا پھندے لگے ہیں، جن میں پھنس کر انسان

کہیں کا نہیں رہتا اور گو دنیا غیر فانی ہو، مگر اُس کی ہر چیز آنی جانی ہے - اُس شخص کو بھی، جس نے ساری زندگی بے غل و غش گزاری ہو، موت کا دھڑکا لگا رہتا ہے، کوئی مسرت نہیں، جو ہمیشہ بہار ہو - چین کا کوئی پہلو نہیں، جسے سدا قرار ہو - ٹریجڈی اہل نظر کے سامنے ایک دفتر معرفت کھول دیتی ہے اور اُس کا ہر سین اُنھیں یہی سبق دیتا ہے کہ:

ٹھوکر سے بچکے چلیے فکر مآل کیجے
ماضی کے تجربے سے اصلاح حال کیجے (آغا حشر کاشمیری)

کامیڈی انسان کو علائق حیات سے دور کھینچ لی جاتی ہے اور ہنسی مذاق میں ایک آئینہ ہمارے سامنے کر دیتی ہے - مگر ہم اپنے چہرے کے عیوب دیکھکر کھوے نہیں جاتے، بلکہ ہنس پڑتے ہیں- پس ٹریجڈی کا مقصد اصلاح عمل و نفس اور کامیڈی کا اصلاح اخلاق و وضع ہے - ایک فلسفی گریاں ہے، تودرسری فلسفی خنداں، ایک (تھیکرے)ہے، تو دوسری (ڈکنز) ایک [حالی] ہے تو دوسری[اکبر] —

[ارسطو] ٹریجڈی کی یہ تعریف کرتا ہے کہ: "وہ کسی موزوں، معروف اور مکمل روئداد کی ایسی نقل ہے، جسے حرکت سے ادا کیا جائے اور کوئی واقعہ روایت کے طور پر نہ سنایا جاے - لازم ہے کہ یہ روئداد کوئی حجم رکھے، اُس کی زبان خوش آئند ہو اور اس کے ذریعے ترحم اور خوف کے جذبات بیدار ہوں"- کامیڈی کے متعلق اس کی یہ رائے ہے کہ: "یہ بد اخلاق اشخاص کی نقل ہوتی ہے، لیکن اس میں کسی کے تمام و کمال معائب نہیں گنے جاتے، بلکہ صرف انھی کی کھلی اُڑائی جاتی ہے، جو مضحکہ خیز ہوں اور صرف وہی عیب تضحیک پیدا کرتے ہیں، جن سے رنج وتکلیف کا پہلو نہ نکلتاہو" —

سسرو (Cisro) کا قول ہے کہ کامیڈی حیات انسانی کی نقل، رواج کا آئینہ، اور صداقت کا عکس ہے —

جارج میرتھ (G.Merodith) کامیڈی کو معقولیت کا سرچشمہ سمجھتا ہے۔

تونائس [Donatis] کے عندیے میں کامیڈی وہ کہانی ہے، جسمیں سماج اور اُس کے ارا کین کی مختلف عادات اور رواج بتائے جائیں، جس سے یہ معلوم ہوکہ کونسی باتیں قابل اخذہیں اور کونسی واجب الترک ؟ -

جویس سیزر اسکال گر [J.S.S.Caliger] رقمطراز ہےکہ کامیڈی کی طرح ٹریجڈی بھی حقیقی زندگی کی وضع پر ڈھالی جاتی ہے، لیکن اس میں حیثیت افراد، فطرت عمل اور نتیجے کی رو سے فرق ہوتاہے- کامیڈی کے افراد، دھقانوں اورجہلا سے لیے جاتے ہیں - آغاز میں کامیڈی ایک الجھنوں کی پوٹ پیش کرتی ہے اور آخر میں جب یہ اُلجھنیں کھلتی ہیں تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے - اُس کی زبان وہی ہوتی ہے، جو افراد متعلقہ کے حلقے میں بولی جاتی ہے- بنوع دیگر ٹریجڈی کے افراد بادشاہوں اور شہزادوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اُن کی گفتگو شاندار اور پر وقار ہوتی ہے - ٹریجڈی کا آغاز پر سکون، لیکن انجام ہولناک ہوتا ہے، یہ لازم نہیں کہ نتیجہ افسوسناک ہو - ٹریجڈی کے لئے صرف اتنا ہی بس ہے کہ اُس میں کسی کیرکٹر کی موت واقع ہو —

کاسٹل ویٹرو Castelvetr o کہتے ہیں کہ ٹریجڈی انسانوں کی نہیں بلکہ ان کے افعال کی نقل ہوتی ہے —

جین دیلاٹیل (Jean De La Taille) کی رائے ٹریجڈی کے متعلق یہ ہےکہ: اس کا حقیقی اور واحد مقصد ہمارے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا ہے، اور اس کے حصول کے لئے مضمون درد ناک اور تلخ نوا ہونا چاہئے جیساکہ کسی شخص کو مجبور کیا جائےکہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بچوں کو یا خود اپنے تئیں ہلاک کرے- کہانی میں اس طرح کے امرا کا ذکر نہ ہو، جو سزا کے مستحق ہوں- بالکل نیک دل اور سرفنجان سرنیج اشخاص کے لئے ٹریجڈی میں کوئی جگہ نہیں - قدیم علمائے ہند ٹریجڈی کے جواز سے منکر ہیں اور پرا چین ہندوستانی ناٹک سب کے سب کامیڈی کی طرز پر لکھے گئے ہیں، مگر اُن کے افراد میں اعلیٰ طبقے کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں- موجودہ ہندوستانی

سٹیج تھیٹھہ ٹریجڈی اور کامیڈی سے قطعاً نا آشنا ہے اور ہمارے یہاں کے ڈرامے میلوڈراما یا ٹریجی کامیڈی کی بگڑی ہوئی شکل ہیں —

اصطلاحات

دیگر علوم و فنون کی طرح ڈراما اور سٹیج بھی خاص اپنی اصطلاحوں کے مالک ہیں، لیکن اِن میں سے بہت کم ہندوستان میں متعارف ہیں اور یہ کوتاہی اکثر ڈراما اور مغربی لٹریچر کے سمجھنے میں دقت پیدا کرتی ہے۔ اگرچہ حافظ محمد عبداللہ ڈراما نگار اور ایکٹر نے سنہ ۱۸۸۶ع میں چند اصطلاحات کی تشریح کی تھی اور مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی نے بھی سنہ ۱۸۸۷ع میں اِس ضمن میں تھوڑا سا کام کیا ہے، لیکن یہ دونوں مساعی چنداں جامع نہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند ضروری اصطلاحات پر غور کیا جاے اور دیکھا جاے کہ کس طرح ہم انھیں اپنی زبان میں جذب کرسکتے ہیں! آیا اُن کا ترجمہ کرنا مفید ہے یا اُنھیں بجنسہ انگریزی لفظوں میں رہنے دیا جاے؟ کیونکہ اُن میں، سے اکثر ہمارے یہاں انگریزی ہی میں بولی جاتی ہیں اور اُن کے ترجمے کی ترویج وقت اور محنت چاہتی ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ سٹیج والے کسی بیرونی مشورے پر کان دھرنا گوارا ہی نہیں کرتے، نیز ترجمے کو رائج کرنے میں اُنھیں کسی فائدے کی اُمید بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھنا ہے کہ تھیٹریکل کمپنی کے عملے میں پارسی، گجراتی، مدراسی، بنگالی، پنجابی، لکھنوی، دھلوی، مختلف صوبوں کے آدمی ہوتے ہیں۔ اس لیے اصطلاحات ایسی ہونی چاہئیں، جن پر وہ سب من حیث الجماعت یکساں طور پر حاوی ہوسکیں۔ ہم اِس وقت فقط اُن کی تشریح و توضیح پر قناعت کرتے ہیں —

(۱) ایکٹ Act

ناٹک کا ایک باب (حافظ)

تماشے کا ایک حصہ یا مرتبع کا ایک باب۔ کشاکش۔ (مرزا) پہلے تماشے کے اُس حصے کو کہتے تھے، جس میں تمام ایکٹر سٹیج سے چلے جایا کرتے تھے۔ اب اُس حصے کو

کہتے ہیں، جب واقعات کی ایک کڑی مکمل ہوکر، ایکٹروں کو تھوڑی دیر کے لیے دم لینے کا موقع دیتی ہے—

(۲) ایکٹر Actor

تماشہ کرنے والا (حافظ)

تماشہ گر (مرزا)

سٹیجی اوفک فن کا ماہر، جذبات انسانی کا مجرک ترجمان، واعظ بالفعل و بلاقول

(۳) ایکٹر پروف Actor Proof

اُس ڈراما کو کہتے ہیں، جس کے لیے کسی ماہر ایکٹر کی ضرورت نہ ہو، ہر ایک ایکٹر، ہر ایک پارٹ کرسکتا ہو—

(۴) آڈی ٹوریم Auditorium

وہ جگہ جہاں تماشائی بیٹھتے ہیں، اس کے علی قدر محصول مختلف درجے ہوتے ہیں—

(۵) اسائیڈ Aside

علٰحدہ - (عام) دل میں (آزاد) وہ الفاظ جو کوئی ایکٹر دوسرے ایکٹروں سے ذرا علٰحدہ ہوکر کہتا ہے اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسرے ایکٹر اسے نہیں سن رہے، یہ اصطلاح فن کی نقیض قرار پاکر متروک ہوچکی ہے، اب صرف پرانے ڈراموں میں دیکھی جاتی ہے - ہندوستان میں ہنوز رائج ہے—

(۶) آڈی قی انس پروف = Audience Proof

وہ ڈراما جو ہر طبقے کے تماشائیوں کو یکسان طور پر خوش کرسکے

(۷) بکس سین Box Scene

ایک مکمل کمرے کا سین

(۸) بکس آفس پلے Box office play

وہ تماشہ جس پر بہت آمدنی ہو، یعنی زیادہ ٹکٹ فروخت ہوں—

(۹) بزینس Business

ایکٹر کی وہ حرکات و سکنات جو شارح حال ہوں - بالخصوص ایسی حرکت جو ضرورت تکلم کو محو کردے - ہمارے تھیٹروں میں اسے ایکٹ موشن (Act motion) کہتے ہیں جو دراصل "بتانا" ہے - لیکن بزنیس (Business) بتانے سے بلند تر چیز ہے - اس میں تمام اعضا و جوارح کو کام کرنا پڑتا ہے - اب اس پر بہت پابندیاں عاید کی گئی ہیں اور بلا ضرورت محض تحسین کلام کے لیے حرکت کرنا قطعاً منع ہے —

(۱۰) کاسٹ = Cost

وہ ایکٹر جن میں ڈراما کے کیرکٹروں کے پارٹ تقسیم کئے گئے ہوں—

(۱۱) کامیڈی Comedy

وہ قصہ جس کا انجام خوشی پر ہو —

کھوریا (مرزا)

داستان بھجت اہل ایران

بزمیہ (رسالۂ اُردو)

اس پر بحث ہو چکی ہے —

(۱۲) کیو Cue

کسی فقرے کے آخری چند الفاظ جو کسی فرد کے سٹیج میں داخل ہونے، یا کسی تقریر یا فعل کے آغاز سے یا کسی سین کے بننے سے پیشتر سٹیج پر بولے جائیں - Bite your cues کے معنی ہیں کہ کسی تقریر کے ختم ہوتے ہی اپنی تقریر شروع کردو—

(۱۳) ڈراما ٹسٹ Dramatist

مصنف مرقع - مرقع نگار (مرزا)

اسے پوئیٹ (poet) اور پلے رائٹ (Play wright) بھی کہتے ہیں، ادبیات میں تھیٹر پوئیٹ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں —

(۱۴) ڈراماٹک پرسنز — Dramatis personae

اہل ڈراما — (سید تفضل حسین، ناٹر)

تختۂ ناٹک — (عام اردو ڈراما نگار)

فہرست اشخاص — (مرزا)

اشخاص — (ڈاکٹر عابد حسین)

اشخاص ڈراما — (عام)

ارکان ڈراما —

افراد اہل مجلس — (ایران)

کسی خاص ڈراما کے کیرکٹروں کی فہرست

(۱۵) ڈینومنٹ کٹاسٹرافی — Denument Catastrophe

انجام

ڈراما کا منتہی واقعہ، جیسے کامیڈی میں شادی اور ٹریجڈی میں آخری بڑے کیرکٹر کی موت —

(۱۶) ڈراپ سین — Drop Scene

وہ پردہ جو ہر ایکٹ کے اختتام پر گرتا ہے (حافظ) وہ پردہ جو ہر ایک کشاکش کے اختتام پر گرتا ہے - نمائش بند (مرزا -) آج کل یورپ میں اس پردے کو بلائینڈ Blind کہتے ہیں، کیونکہ وہاں بالعموم ایک ہی پردہ استعمال ہوتا ہے، باقی سین سینری سے بنائے جاتے ہیں - جن کے لیے بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں - سٹیج بھی پھرنے والا ہوتا ہے، اُسے جدھر چاہیں گھما سکتے ہیں - ایکٹ کے اختتام پر جو پردہ گرتا ہے، اُسے کرٹین (Curtain) کہتے ہیں —

(۱۷) ڈریس دی سٹیج (Dress the Stage)

اکٹروں کو سٹیج پر اس طرح کھڑا کرنا کہ سین میں ایک شان دلاویزی پیدا ہو جاے —

(۱۸) ڈراما ٹرجی Dramaturgy

نٹ شاشٹر

ڈراما لکھنے اور اسے تمثیل کرنے کا فن

(۱۹) انٹرنس Entrance

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر داخل ہونا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ میں آنا داخلہ درآمد (مرزا)

اس سے نہ صرف کسی ایکٹر کا سٹیج پر آنا مراد ہے بلکہ اس سے اس طریق کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے وہ داخل ہوتا ہے - اس میں وہ فقرہ بھی آجاتا ہے جس کے بولے جانے پر اُسے داخل ہونا چاہئے - اس میں وہ امور بھی شامل ہیں جن کے انصرام کے لیے وہ سٹیج پر آتا ہے—

(۲۰) اگزٹ Exit

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر سے چلا جانا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ سے چلا جانا - خارجہ - برآمد - رفت (مرزا)

کسی ایکٹر کا اگزٹ لائن بول کر سٹیج سے عارضی یا دائمی طور پر چلے جانا وہ فقرہ جو تمام باخبر ڈراما نگار بہت توجہ سے لکھا کرتے ہیں - اور ایکٹر سٹیج سے نکلنے کے وقت اسے بڑی احتیاط سے بولا کرتا ہے تاکہ اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس کے کام کا اثر تماشائیوں کے دل و دماغ پر رہے—

(۲۱) انسمبل Ensemble

جملہ افراد ڈراما کے عمل متحدہ کا نتیجہ —

(۲۲) فیٹ پارٹ Feat Part

اس پارٹ کو کہتے ہیں جس میں ایکٹر کو اظہار کمال کا موقع ملے —

(۲۳) فٹ لائیٹ Foot Light

وہ لمپ جو سٹیج کے سامنے زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اب یورپ میں انہیں استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور فٹ لائٹ سے صرف سٹیج کے مرادی معنے لئے جاتے ہیں۔ کسی ایکٹر کے تماشائیوں پر اپنا رنگ اثر جمانے کو To get over the foot light کہتے ہیں —

[۲۴] فلائی Fly

سٹیج کے اوپر کی تمام جگہ اور جو کچھ اس میں ہو۔ تمام اسباب جو سینری لگانے میں استعمال کیا جائے —

[۲۵] گرین روم Green room

وہ کمرہ جہاں ایکٹر اپنے فارغ وقت میں بیٹھا کرتے تھے زمانہ حال کے مغربی تھیٹروں میں اب یہ کمرہ نہیں بنایا جاتا۔ ہر ایکٹر کا اپنا علحدہ کمرہ ہوتا ہے —

[۲۶] گیگ Gog

اُس فقرہ کو کہتے ہیں جو کتاب میں نہ لکھا ہو اور ایکٹر کی فقرہ کو کئی بار مختلف نمائیشوں میں استعمال کرے تو اُسے ویز [Wheeze] کہتے ہیں —

[۲۷] ہسٹری اونک آرٹ Historionic art

ایکٹری کافن —

[۲۸] لائنز Lines

سطر

مصرع

فقرہ

سٹیج کی اصطلاح میں الفاظ کو کہتے ہیں —

[۲۹] لبریٹو Libreto

گانوں کی کتاب گائن

[۳۰] میک اپ Make up

بھروپ بھرنا-پینٹ کرنا

کسی ایکٹر کا مختلف چیزیں استعمال کرکے اپنی وضع وقطع اور شکل وشباہت کو ڈراما کے کیرکٹر کے مطابق بنانا —

یورپ میں اب یہ جداگانہ فن تسلیم کیا جاتا ہے —

[۳۱] ارکسٹرا Orchestra

سازندے:— وہ جگہ جہاں ساز بجائے جاتے ہیں - سٹیج کے سامنے کی نزدیک ترین جگہ - اعلیٰ نشست —

[۳۲] پرولوگ Prologue

تمہید عنوان [تماشہ گروں کی اصطلاح میں مجرا کہتے ہیں] وہ نظم جو جو قبل شروع موقع وارد کی جائے [سرزا] —

ابتدا میں پرولوگ یا کورس اس فرد کو کہتے تھے، جس کی نسبت یہ فرض کیا جاتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا - یہ پلاٹ کی کمزوریوں کو اپنی توضیح سے دور کیا کرتا تھا - مگر یہ ڈراما کا کوئی کیرکٹر نہیں ہوتا تھا، بعد میں اُس شخص کو کہنے لگے جو آغاز تماشہ میں سٹیج پر آکر تماشائیوں کو اس کے مطالب سے مختصر الفاظ میں آگاہ کیا کرتا تھا - پھر اس نظم کو کہنے لگے جو تماشہ شروع ہونے سے پہلے بہترین ایکٹر پڑھا کرتا تھا، اُس میں زیادہ تر ممکن اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا، اب متروکات میں داخل ہے - سنسکرت ڈراموں میں اِن فرائض کو نندی یا سوتر دھار ادا کیا کرتے تھے — ہمارے ڈراموں کے آغاز میں جو حمد یا نندی ہوتی ہے، وہ اسی پرولوگ کی باقیات سے ہے - چوں کہ اُس کا ڈراما کے انکشاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے

یہ یقیناً محض حشو اور تضیع اوقات ہے —

[۳۳] پروسی نیم Proscenium

سٹیج کا وہ حصہ جو ڈراپ سین کے سامنے ہوتا ہے - ڈراپ سین اور اس کا فریم —

[۳۴] پرا پرٹی Property

اُن چھوٹی چھوٹی چیزوں کو کہتے ہیں، جن کی کھیل کے دوران میں انکشاف داستان کے لئے ضرورت پڑتی ہے - ہر ڈراما کی پراپرٹی بالعموم مختلف ہوتی ہے، اُس کے مہتمم کو " پراپ Prop " کہتے ہیں —

[۳۵] پلے بل Play bill

ڈراما کا مختصر پروگرام، جس میں بتایا گیا ہو کہ فلاں پارٹ فلاں ایکٹر کریگا —

[۳۶] پلے بک Play book

وہ کتاب جس میں ڈراما کا تمام متن مع خواشی درج ہو—

[۳۷] پلے ڈے Play day

یوم نمائش وہ دن جب ڈراما کی نمائش ہوتی ہو —

[۳۸] پلے گوئر Play goer

تیاتر نواز وہ شخص جو بالالتزام تھیٹر جاتا ہو —

[۳۹] پلے ہوس Play house

وہ مقام جہاں ڈراما دکھایا جاتا ہو—

[۴۰] پلے ٹائیم Play time

تماشے کا وقت —

[۴۱] پلے اے پارٹ Play a part

پارٹ کرنا - اب کسی پارٹ کو ایکٹ کرنا نہیں کہتے، بلکہ پلے [play] کرنا

کہتے ہیں۔ پارٹ کرنا ہندوستانی اصطلاح ہے —

[۴۲] پروڈیوس Produce

تیار کرنا - ڈراماکو سٹیج کے لئے بہمہ وجوہ مکمل کرنا۔ اُس کے مہتمم کو پروڈیوسر Producer کہتے ہیں —

[۴۳] پلاٹ Plot

کہانی ' روئداد ' کتھا ' واقعات کا ترتیب وار سٹیج پر ظہور میں آنا - اُس کی صحت کا معیار یہ ہے کہ اُس میں حسب ذیل تین باتوں میں سے دو پائی جائیں :

[الف] کشمکش [Struggle]

[ب] دل بستگی [Interest]

[ج] حیرت آمیز انتظار [Suspense]

[۴۴] پرامپٹ Prompt

لقمہ دینا :— ایکٹر کے حافظے کو تازہ کرنے کے لئے کسی فقرے کے پہلے چند الفاظ بتانا۔ پرامپٹ کرنے والے کو (پرامپٹر) کہتے ہیں - یہ کتاب ہی حیثیت سے مکمل رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے' اور کسی حد تک نقاد کے فرائض بجا لاتا ہے - اس کتاب کو' جو اس غرض سے استعمال کی جاتی ہے اور صحت کے لحاظ سے بہترین ہوتی ہے' پرامپٹ بک کہتے ہیں—

(۴۵) ریہرسل Rehearsal

مشق' تعلیم' ایکٹروں کا اپنے پارٹ مل کر دوہرانا - اس کے دوران میں ڈراما میں ضروری ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے —

(۴۶) سین Scene

ایک ایکٹ کا وہ حصہ' جس کے واقعات مندرجہ ایک وقت اور ایک مقام پر ظہور میں آئیں - (حافظ)

ایکٹ کا ایک جزو، جس کے واقعات ایک وقت اور ایک موقع پر واقع ہوں۔

نمائش - (مرزا)

مجلس — (اہل ایران)

نمائش — (طالب)

جھلک — (آزاد)

منظر — (عام)

جھانکی — (ہندی)

واقعات کے یکے بعد دیگر رونما ہونے کی ترتیب (انگلستان)

چند ایکٹروں کے سٹیج پر ہونے، یا اُن میں کسی اور ایکٹر کے آجانے سے ایک نئے سین کا آغاز ہوتا ہے (فرانس)

مکالمہ مابین چند افراد ڈراما — (سپین)

(۴۷) سین - پلاٹ Scene Plot

ڈراما کا وہ خاکا جس سے ایکٹروں کا انٹرینس Entrance، اگزٹ (Exit) سینوں (سینز) اور فرنیچر کی ترتیب معلوم ہوتی ہے۔

(۴۸) سنیریو Scenario

ڈراما کا مختصر ترین خاکا جس سے اور خاکے بنانے میں مدد ملے۔

(۴۹) سیچوایشن (1) Situation

(2) To build a big moment

ایکٹروں کی وہ تحیر آمیز حالت جو دوران عمل میں پیدا ہو جائے۔ ڈراما کی روح رواں یہی ہوتی ہے۔

(۵۰) سٹ Set

ہر حیثیت سے مکمل سین —

(۵۱) سٹیج Stage

تماشہ کرنے کا مقام — (حافظ)

تماشا گاہ — (سرزا)

تھیٹر کا وہ چبوترہ جس پر آکر ایکٹر کام کرتے ھیں، سٹیج کے متعلق جملہ سامان اور کمرے اس میں شامل ھوتے ھیں - فعل کی صورت میں اس کے معنے سٹیج کرنے کے ھیں—

(۵۲) سٹیج ڈائرکٹر Stage Director

وہ شخص جو سٹیج کے لئے ایکٹروں کو تیار کرے - یہ سٹیج کی ترتیب کا سامان کرتا ھے ' ایکٹروں کو مناسب حال بزنس (business) بتاتا ھے' سینری کے متعلق ھدایات دیتا ھے ' مگر ستار ایکٹر اس کے زیر اثر نہیں ھوتے - اس کے فرائض پروڈیوسر Producer سے ملتے جلتے ھیں—

(۵۳) سٹیج منیجر Stage Manager

تماشا کے دوران میں یہ شخص سٹیج کا انتظام کرتا ھے - ایکٹر پراپ' لائٹ مین' شفٹر' سب کے سب اِسی کے اشارے پر چلتے ھیں - ایکٹ کرنے کے سوائے باقی تمام تفصیلات کے متعلق اِسی کا حکم ناطق ھے - بسا اوقات سٹیج ڈائرکٹر کے فرائض بھی ادا کرتا ھے—

(۵۴) سٹیج کریفٹ Stage Craft

سٹیج کا پیشہ ' جسے پروفیشن Profession بھی کہتے ھیں' ڈراما لکھنے اور ادا کرنے دونوں پر حاوی ھے—

(۵۵) سٹیج فرائٹ Stage Fright

تماشائیوں کے سامنے سٹیج پر جانے سے جھجھکنا—

(۵۶) سٹیج سٹرک Stage Struck

وہ شخص جو سٹیج کا اس قدر متوالا ھو جاے کہ خود ایکٹر بننے کا خواھاں ھو—

(۵۷) سٹیج وسپر Stage Whisper

اسائیڈ (Aside) کا دوسرا نام

(۵۸) سٹیج ڈائرکشن Stage Direction

ہدایات سٹیج، ہدایات تمثیل، اِن ہدایتوں میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کوئی ایکٹر کس وقت اور کس طرف سے سٹیج میں داخل ہو، کہاں کھڑا ہو کر گفتگو کرے، کب اور کس راستے سے باہر نکل جائے—

(۵۹) سالولکی Soliloquy

کلام شخصی، گفتگو انفرادی، گفتگوے عالم تنہائی، وہ گفتگو جو کوئی ایکٹر عالم تنہائی میں خود بخود کرتا ہے اور کبھی کبھی تماشائیوں کو مخاطب کر لیتا ہے - اِسے مانولوگ (Monologue) بھی کہتے ہیں - یہ اصطلاح متروکات کی فہرست پر چڑھ چکی ہے، مگر ہندوستان میں رائج ہے—

(۶۰) سٹار — Star

چیف ایکٹر (ہندوستانی سٹیج) نامور، بلند پایہ ایکٹرس یا ایکٹر - جو پارٹ بالخصوص ایسے ایکٹر کے لیے لکھا جاتا ہے، اُسے سٹار پارٹ کہتے ہیں—

(۶۱) سٹیجی — Stagey

اُس ڈراما کو کہتے ہیں، جو سٹیج ہونے کے قابل ہو—

(۶۲) تھیٹر — Theatre

تماشہ خانہ — (مرزا)

تیاتر — اہل ایران

سنگت شالا — (ہندی)

(لغوی! دیکھنا = نظارہ) سٹیج اور آڈی ٹوریم کی مجموعی عمارت - وہ مقام جہاں تماشائیوں کو دکھانے کے لیے تماشہ کیا جائے - انگریزی میں صرف انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مگر فرانسیسی میں ڈراما اور سٹیج دونوں پر حاوی ہے -

اُس کا مفرس تیاتر بھی انھی معنوں کا حامل ھے —

(۶۳) ٹریجڈی — Tragedy

وہ قصہ جس کا انجام غم ھو - ترا غود - ترا جیہ (مرزا)

داستان الم — (اھل ایران)

المیہ — (رسالۂ اُردو)

(سطور بالا میں اس پر روشنی ڈالی گئی ھے —

(۶۴) ٹو لٹریری — Too literary

وہ ڈراما جس کا ادبی پہلو اتنا بلند ھو گیا ھو کہ سٹیج کے مصرف کا نہ رھا ھو - عام طور پہ اسی ڈراما کہتے ھیں ' جس میں لمبی لمبی تقریروں کی بھر مار ھو —

(۶۵) ٹو پریشز — Too Precious

ریہرسل کی اصطلاح - اس کا مطلب ھے کہ ھر لفظ پر مت زور دیتے چلے جاؤ -

(۶۶) تھیم — Theme

وہ خیال جو ڈراما کی تہ میں مضمر ھوتا ھے - اور جس کے گرد سارا پلاٹ گھومتا ھے —

(۶۷) ونگ — Wing

پردوں یا سینری کے وہ اجزا جو دونوں پہلوؤں پر لگائے جاتے ھیں —

(۶۸) چپ - راست - وسط Right - Left - Centre

(الف) ایڈی ٹوریم میں سٹیج کی طرف منہ کر کے کھڑے ھو جائیں تو ھمارا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا - اور سٹیج کا وہ جو ھمارے سامنے ھے اس کا وسط ھے - یا : —

(ب) ایکٹر جب تماشائیوں کی طرف منہ کر کے سٹیج پر کھڑا ھو تو اُس کا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا' اور اسی چپ و راست کا

درمیانی حصہ وسط ہے—

اصول و قواعد | ڈراما کا منتہاے کمال (Illusion) نظر فریبی پیدا کرنا ہے' یعنی جہاں تک ممکن ہو نقل مطابق اصل دکھائی دے' بلکہ محویت کا وہ عالم پیدا ہوجاے کہ واقعات اپنے حقیقی لباس میں اُن کے سامنے دوڑتے نظر آئیں - ایسی تمام باتیں' جن میں "کیوں" اور "کس طرح" کی گنجائش ہو' باوجود اپنی گوناگوں دلچسپی کے نظر فریبی پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں - پس سب سے بڑی بات ایسی کیفیت کا پیدا کرنا ہے - یہ کام اتنی وسعت نظر چاہتا ہے کہ اگر وجدان صحیح شامل حال نہ ہو' اور سٹیج کے لوازمات سے آگاہی تام نہ رکھتا ہو' تو کوئی شخص تمام عمر کے مطالعہ سے بھی ڈراماںگاری پر قدرت حاصل نہیں کرسکتا - اسی اصول کو مد نظر رکھکر ماہرین فن نے چند قواعد وضع کیے ہیں' جن سے فن ڈراما کی فہمید میں مدد ملتی ہے - یہ قواعد ڈراما نگاری میں راہنما کا اور ڈراما فہمی میں معیار کا کام دیتے ہیں - ان قواعد سے چند ایک کی تلخیص حسب ذیل ہے—

(ارسطو*)

ارسطو نے Poetics کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' جس میں اس نے نکات ڈراما پر بحث کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اُس کے زمانے میں ڈراما کن اصول و قواعد کے تحت لکھا جاتا تھا - یہ کتاب مدت مدید تک عربوں کے قبضے میں

---

* ارسطو (Aristotle) (سنہ ۳۸۴ ق - م سنہ ۳۲۲ ق - م) یونان کے شہر سٹائیگرا میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۸ سال کی عمر میں ایتھینز میں آکر بیس سال تک افلاطون (Plato) کے ساتھ کام کرتا رہا - افلاطون کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد فیلقوس (Philip) شاہ مقدونیہ کے پاس چلا گیا' جہاں ۸ سال تک اس نے سکندر کی اتالیقی کے فرائض ادا کیے' جب فیلقوس بھی مرگیا تو وہ واپس ایتھنز آگیا اور باقی عمر درس و تدریس میں مشغول رہا—

رهی اور یورپ کو اُس کا کچھہ بھی علم نہ ہوا - قریباً سنہ ۹۳۵ ع میں ابوبشر نے اس کا ترجمہ سر یانی سے عربی میں کیا - بارھویں صدی میں ایک مور (Moor) عالم نے اس عربی ترجمہ کی تلخیص شائع کی - تیرھویں صدی میں ہر من ناسی (Herman) ایک جرمن فاضل نے اس ملخص کو لاطینی میں منتقل کیا - سنہ ۱۲۹۸ ع میں جیو رجیو والا (Gior jiovalla) ایک اطالوی ادیب نے اس کا لاطینی میں ترجمہ وینس سے شائع کیا - سنہ ۱۵۰۸ ع میں اصلی کتاب یونانی زبان میں شائع ہوئی - سنہ ۱۵۳۶ میں الیسنڈرڈیپازی (Allessandro De pazzi) نے اصلی یونانی متن کے ساتھہ لاطینی ترجمہ شائع کیا اور سنہ ۱۵۴۸ میں رابرٹ ٹیلو (Robert Tello) نے اس کی اولین شرح لاطینی میں پیش کی سنہ ۱۵۶۹ ع میں برنارڈوسگنی (Bernardo sejne) نے پہلی دفعہ اسے اطالوی زبان کا لباس پہنایا - بالٹھر لوڈوپکو کاسٹل ورٹو (Lodotico castelvetro) نے اس کی ضخیم و حجیم شرح شائع کی ' اصول اتحاد ثلاثہ اس کتاب سے مستنبط کیا اور سارے یورپ میں اس بحث کی آگ روشن کی ' جو آج تک بجھنے میں نہیں آئی - ارسطو کی یہ کتاب ڈراماٹرجی فن ڈراما کا سنگ بنیاد ھے - اصول اتحاد ثلاثہ کو ارسطو سے منسوب کیا جاتا ھے مگر اس میں کلام نہیں کہ اس میں کاسٹل ورٹو کی تعریف کو بہت دخل ھے - بہر حال یہ اصول بالواسطہ یا بلا واسطہ جملہ دیگر قواعد و ضوابط کا مصدر ھے —

اصول اتحاد ثلاثہ (Three unites Des Trois unites) یہ چاہتا ھے کہ :

(۱) ھر ایک ڈراما میں صرف ایک عمل یعنی ایک پلاٹ یا کہانی ھو ٹھہر بھر (Unity Of Action) اسے اتحاد عمل کہتے ھیں' اس کے متعلق ارسطو کے الفاظ یہ ھیں " پس یہ لازم ھے کہ جیسا کہ دیگر فنون نقل میں ایک نقل صرف ایک چیز کی نقل ھوتی ھے تریجڈی میں بھی کہانی صرف ایک ھی عمل کی نقل ھو - کہانی عمل کی نقل ھوتی ھے اور یہ پورے عمل کی نقل ھونی چاھئے - اور معاملہ کے

جزویات کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اگر اس میں سے کسی کو اس کی جگہ سے ہٹاکر لکھیں اور رکھیں توتمام کہانی کچھہ کی کچھہ ہوجاے اور بدل جاے ' کیوں کہ وہ باتیں جن کا عدم وجود کہانی کے لئے برابر ہو' کوئی معقول فوق پیدا نہیں کرتی' اور اس لئے وہ کہانی کا کوئی جز ولاینفک نہیں ہو سکتی ")

(۲) ہر ایک ڈراما کے واقعات ایک دن کے عرصے میں ختم ہوجائیں' اسے اتحاد زماں (Unity of time) کے نام سے موسوم کیا ہے بالفاظ ارسطو "تریجڈی سورج کی ایک گردش تک محدود ہے' اس عرصے سے تجاوز کرنا ناروا ہے")

(۳) تمام واقعات ایک مقام (Place) پر ظہور میں آئیں' اس کا نام اتحاد مکان (Unity of place) ہے - اتحاد عمل سے یہ مدعا ہے کہ ایک سے زیادہ کہانیوں کے اجتماع سے خلط مبحث نہ ہونے پاے' کیونکہ بیک وقت دو پلاٹوں کا دیکھنا کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا - اور ان پلاٹوں کا تصادم بسا اوقات تکدر خاطر کا موجب ہوتا ہے - شارحین نے اس کی یہ توضیح کی ہے کہ ایک ڈرامے میں صرف ایک جذبے کی نمائش ہونی چاہئے - مسرت و غم' غیض و شفقت' وفا شعاری و بد عہدی' ظلم و ترحم کو ایک ہی ڈراما میں مد غم کرنے سے کیریکٹر کی شان میں فرق آجاتا ہے اور تاثیر پیدا نہیں کرسکتا - اس اصول کا امتحان اس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ دو کتابیں اُٹھالیں' پہلے ایک کتاب کا پہلا باب پڑھیں' پھر دوسری کا' اسی ترکیب سے دونوں کتابوں کے باقی ابواب پڑھ کر دیکھیں کہ آپ کے دماغ کی کیا حالت ہوتی ہے اور اس کے مطالب سے آپ کس قدر متمتع ہوتے ہیں - اتحاد عمل در حقیقت نفسیات کے اس اصول پر مبنی ہے کہ انسانی توجہ ایک ہی وقت میں دو مختلف یا متضاد مناظر یا مباحث کو احاطہ نہیں کرسکتی - اتحاد ثلاثہ کے معترضین کی طرف سے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں نکلا جو اتحاد عمل کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے - دنیا

بھر کی ڈراما ٹرجی (Drumaturgy) میں یہ اصول داخل مسلمات ہے۔ بیشک جب انگلستان میں سٹیج جہلا کے قبضے میں آگیا تو اُن کی تفنن طبع کے لیے ٹریجی، کامیڈی، تمثیل ہونے لگی اور چند دنوں کے لئے پیرس میں کامیڈی آف ٹئیرز Comedy of Tears نے رواج پایا۔ ان ڈراموں میں حسرت و غم کے مناظر پہلو بہ پہلو دیکھنے میں آتے ہیں اور تماشائی ایک آنکھ سے ہنستے اور دوسری سے روتے ہیں، جب یہ بدعات سٹیج پر آئیں تو ناقدان فن نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ فریق مقابل نے یہ جواب دیا کہ چونکہ ان ڈراموں میں پلاٹ در اصل ایک ہی ہوتا ہے اور ظرافت کا عنصر فقط تفنن طبع کے لئے مستزاد کیا جاتا ہے، اس لئے اتحاد عمل کی نزاکت میں فرق نہیں آسکتا۔ مگر اس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ وہ باتیں جو داستان کے انکشاف کے لئے ضروری نہ ہوں، محض حشو اور داخل اخراج ہیں، اس لئے وہ اتحاد عمل کے مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتیں، خصوصاً جب یہ ظاہر ہے کہ اس تمسخر کے بغیر ڈراما کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ اس بحث و تمحیص کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس قبیل کے ڈراموں کی بہار بہت جلد نذر خزاں ہو گئی اور پھر ڈراما نگار اساتذہ نے اس میدان میں قدم نہ رکھا۔ قدیم ہندوستانی ڈراموں میں اتحاد عمل کا التزام پایا جاتا ہے، اگرچہ ان میں بالعموم بدون شک ظرافت کا سامان بہم پہنچاتا ہے، مگر اس کے کارنامے پلاٹ سے اس طرح دست بگریباں ہوتے ہیں کہ اگر انھیں ناٹک سے نکال باہر کیا جائے تو ساری کتھا کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اُردو زبان کے اولیں ڈراما یعنی ''اندر سبھا امانت'' میں بھی اتحاد عمل کی پوری پوری پیروی کی گئی ہے، اس کے بعد جو ڈرامے لکھے اور کھیلے گئے، ان میں بھی ایک ہی کہانی ہوتی تھی۔ کچھہ عرصہ گزرا تو چھوٹے چھوٹے ڈراموں کے تمثیل ہو جانے کے بعد ایک نقل دکھانے کا رواج ہوا، پھر ایسے ڈرامے لکھے گئے، جن میں ظریفانہ کیرکٹروں کو اور اُن کی باتوں کو کہانی میں سمو دیا جاتا تھا۔ بالآخر سٹیج پر وہ رنگ

غالب آیا، جو آج کل چھایا ہوا ہے اور جس میں ایک سنجیدہ اور دوسری ظریفانہ دو مختلف کہانیاں ایک ساتھ سٹیج کی جاتی ہیں - حال میں ہمیں ایک ڈراما دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس سے کم از کم تین پلاٹ اخذ ہو سکتے ہیں- بعض ڈراما نگاروں نے ذرا اور جدت سے کام لیکر سرے سے پلاٹ ہی اُڑا دیا - اِن ڈراموں میں اِدھر اُدھر کی باتیں اور نظارے سلسلۂ داستان کو قائم نہیں ہونے دیتے اور ہر بے ترتیبی ایک نئے پلاٹ کا ابہا کرتی ہے —

ابتدا میں اتحاد زماں صرف یہ چاہتا تھا کہ داستان کے واقعات ایک دن کے اندر ختم ہو جائیں، پھر یہ قید لگائی گئی کہ یہ واقعات اسی قدر وقت میں ختم ہوں، جو اُن کے سٹیج کرنے میں صرف ہو - اس سے ان نقائص کا سد باب منظور ہے کہ زیادہ عرصے کے واقعات کو چند گھنٹوں میں کر دکھانا حقیقت سے بعید ہو جاتا ہے اور نظر فریبی (Illusion) پیدا نہیں کرسکتا - نیز سرور ایام کے ساتھ کیرکٹروں کے قد و قامت، شکل و شباہت میں جو تغیر واقع ہوتا ہے، اُس کا اظہار ناممکن ہو جاتا ہے اور سلسلے کی کڑی ملانے کے لئے تذکرے سے کام لینا پڑتا ہے، جو فن کی تعمیر کے خلاف ہے - مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اس کا تتبع تخیل کی بلند پروازی اور داستان کی اُٹھان کو سلیا میٹ کر دیتا ہے اور تماشائی قد و قامت اور شکل و شباہت کے فرق جیسی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کے خوگر ہیں - رہا کسی واقعے کو لفظوں میں بیان کرنا، تو یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اس پر تذکرے کا گمان تک نہ ہو - بنوع دیگر ڈراما نویسی محض گورکھ دھندا بن جائے گی اور خصائل کا ارتقا دکھانا نا ممکن ہو جائے گا - اِس کے جواب میں اِس اصول کے علم بردار یہ کہتے ہیں کہ فقدان صلاحیت و سہل انگاری کوئی قابل تسلیم دلیل نہیں —

اس اصول کی تہیت میں سیکڑوں ڈرامے لکھے جاتے ہیں، لیکن اِن میں نہ تو تخیل رہتا ہے نہ خصائل نگاری میں فرق آتا ہے، آخر 'وکٹر ہیوگو' نے یہ تصفیہ

کیا کہ ایک سال کے واقعات کو سٹیج پر دکھانے سے کوئی قابل گرفت فرق نہیں پڑتا اور اِس کے جواز پر عملاً زور دیا، لیکن حامیان اتحاد زماں آج تک اس مفاہمت پر رضامند نہیں ہوے۔ اس بارے میں قدیم علماے ہند کی یہ راے ہے کہ کہانی کے واقعات کا ایک دن میں ختم ہونا انسب ہے، لیکن اُن کا چند دنوں، یا ایک سال تک پھیل جانا بھی قابل معافی ہے۔ یورپ میں میک اپ (Make up) (بہروپ) نے جو ترقی کی ہے، اُس نے اِس اصول کی اہمیت کو بہت کچھ کم کر دیا ہے۔ وہاں کے ایکٹر بہروپ بھرنے میں وہ کمال رکھتے ہیں کہ تبدیل ہیئت کے بعد اُن کے رات دن کے دوست بھی اُنھیں شناخت نہیں کر سکتے۔ یورپ میں بہروپ کے موجد بنانے پر ہر سال سینکڑوں کتابیں شائع ہوتی ہیں اور اس کے سامان کی فراوانی دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ افسوس ہے (اردو) مصور رسالہ نہیں، ورنہ ہم ایسی تصویریں پیش کرتے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا کہ میک اپ (Make up) سے انسان کی شکل کیا سے کیا بن جاتی ہے۔ لیکن اس ملک کے ڈراما نگاروں کو بساط بھر اِس اصول کا خیال رکھنا چاہئے، جہاں میک اپ (Make up) کا مدار، چونے، فرنچ، چاک اور شنگرف پر ہو۔ مگر اُن کی دیدہ دلیلی ملاحظہ ہو کہ گیارہ سال تک کے واقعات سٹیج پر لے آتے ہیں—

اب رہا اتحاد مکان تو اِس میں لفظ Place کی تعبیر میں اختلاف ہے کہ آیا اِس لفظ سے ایک ملک، ایک شہر، ایک مکان یا صرف ایک کمرہ مراد ہے۔ اب اجماع اِس پر ہے کہ Place ایک کمرے کو کہنا چاہئے اور اصول کے پیرو اِس پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی اصولی غرض یہ تھی کہ مختلف جگہوں کو سٹیج پر دکھانا مشکل ہوتا تھا۔ دوسرے جگہ جگہ کے دیکھنے سے توجہ بھٹک جاتی تھی۔ تیسرے نئی جگہ کا منظر پیش کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوتا تھا اور تماشائی انتظار سے گھبراتے تھے۔ یورپ میں مشینوں سے چلنے والی سینری اور گھومنے والے سٹیج نے اہل فرنگ کو اس اصول سے بہت حد تک بے نیاز کردیا ہے۔ مگر ہمارے یہاں

ہنوز اِس اصول کی ضرورت ہے کہ ہمارے تھیٹروں نے ابھی تک گھومنے والے سٹیج اور مشینوں سے چلنے والی سینری کی شکل تک نہیں دیکھی —

سطور بالا سے عیاں ہے کہ اتحاد ثلاثہ میں سے' اتحاد عمل تو جمہور کا مسلمہ ہے' بحث صرف باقی دو اصولوں کے متعلق ہے - ملکوں کے اعتبار سے اہل اٹلی و فرانس تو اتحاد ثلاثہ سے سر مو تجاوز کے روادار نہیں' اہل اسپین اور انگلستان اِن اصولوں کے منکر ہیں' مگر فرانس میں (۱) ٹرسو (Tirso) اور (۲) ڈوما خورد (Dumas fils) نے اتحاد ثلاثہ کی مخالفت میں بہت وقت ضائع کیا اور وکٹر ہوگو نے اِس مخالفت کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی- اسپین میں(۳)-سروانٹس (Cervantes) نے اس کی ترویج پر زور دیا - انگلستان میں (۴) سرفلپ سڈنی اور (۵) اُسکر وائلڈ (Oscar wilde)* نے اپنے قریباً تمام ڈرامے اس اصول کے مطابق تصنیف کیے- انگلستان میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ آغاز تماشہ سے قبل مُنیجر کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس ڈرامے میں اتحاد ثلاثہ کا لحاظ رکھا گیا ہے - آج کل انگلستان میں عین اس اصول کے مطابق ہر سال کئی ڈرامے لکھے جاتے ہیں - ابتدا میں اتحاد ثلاثہ کا اطلاق صرف ٹریجڈی پر ہوتا تھا' مگر بعد میں کامیڈی پر بھی عائد کیا گیا- اردو زبان میں " تین ٹوپیاں" ایسے ڈرامے کی واحد مثال ہے' جو اصول اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا گیا ہے —

(ب) بہت سے شاعر کشمکش تو پیدا کرلیتے ہیں' مگر اُسے سنبھال نہیں سکتے- مسٹر ٹوننگ (Mr. Twining) اُس کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ یہ " نقص عام ہے' یونانی ڈرامانگاروں کے علاوہ شکسپیر کے یہاں بھی پایا جاتا ہے - جب شکسپیر یہ سمجھتا ہے کہ ڈراما ختم ہونے کے قریب ہے' تو وہ عجلت سے کام لیتا ہے' تاکہ معاوضہ جلد مل جائے' پس وہ اُس جگہ محنت سے جی چراتا ہے' جہاں اُسے زیادہ محنت کرنی

---

* ۱ تا پانچ کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ہوں —

چاهئے۔ نتیجه یه هوتا هے که اُس کے تراموں کے انجام یا تو غیر اغلب هوجاتے هیں/ ناممکن معلوم هوتے هیں" ۔هندوستان کے موجودہ تراموں میں یه نقص بیش از بیش پایا جاتا هے) —

(ج) یه درست هے که دیوتا هر چیز دیکھه سکتے هیں، لیکن غیر متعلق هستیوں کا پلاٹ میں کیا کام —

——— (هو ریس*) ———

(۱) اگر کسی مبهم مضمون کو واضح کرنے کے لیے الفاظ نه ملتے هوں، تو خود لغت گھڑنے میں مضائقه نهیں، مگر یه کام سلیقه چاهتا هے

(۲) ایک جانی بوجھی روایت تمهاری ملک هوجاے گی، اگر تم واقعات کو من و عن بیان کرنے پر نه اُتر آؤگے ۔ تمهیں نهایت دیانت دار مترجم بننے کی کبھی کوشش نه کرنا چاهئے اور لفظ به لفظ ترجمے کی زحمت محض بے کار هے —

(۳) اگر تم چاهتے هو که تماشائی تمهاری کاوش کی قدر کریں اور اختتام تک بیٹھے رهیں، تو هر عهد کے اطوار اور اخلاق کا خیال رکھو اور احتیاط کرو که جو الفاظ کسی کیریکٹر کے منه سے نکلیں، وہ اُس کی حیثیت اور عمر کے مطابق هوں—

(۴) تھیٹر میں کان کی نسبت آنکھه سے زیادہ کام لیا جاتا هے —

(۵) دراما پانچ ایکٹوں سے کم و بیش نه هونا چاهئے—

---

* Quintus Horatias, Flecus (۶۵ ق - م - ۸ ق - م) جو انگریزی میں هوریس Horace کے نام سے مشهور هے - اس کا باپ ایک غلام تھا، جو بعد میں آزاد هوگیا اور اُس نے اُسے روم میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا - یه فلسفه کی تعلیم کے لیے برسوں ایتھنز میں رها، واپس آکر اطالوی خانه جنگی میں مصروف هوگیا - جب امن هوا تو ادب کی طرف توجه کی اور غیر فانی نام پیدا کیا —

(۶) دیوتاؤں کو دخل در معقولات نہ دینے دو—

(۷) سٹیج پر ایک وقت میں تیس آدمیوں سے زیادہ گفتگو نہ کریں —

(۸) جو کچھہ لکھو، اُس کو نو سال تک اپنے پاس رکھنے کے بعد شائع کرو-جو لفظ ایک دفعہ شائع ہوجائے، پھر واپس نہیں آتا —

———(مائیٹرنو*)———

(۱) ڈراما کی کہانی کے واقعات ایک یا زیادہ سے زیادہ دو دن میں ختم ہونے چاہئیں-

(۲) ڈراما کی نمائش میں تین گھنٹے سے کم اور چار گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہ ہو - اختصار کی شکایت طوالت کے عیب سے بہتر ہے —

(۳) تمام ڈراما نگار متفق ہیں کہ اُن کا مقصد وعظ و پند ہے —

———(کاسٹل ویٹرو†)———

(۴) نمائش اور واقعہ ہونے کا وقت مطبق ہونا چاہئے - عمل کی جائے وقوع ایک ہو، یہ ایک شہر یا ایک مکان نہ ہو، بلکہ ایک ہی کمرہ ہو - کہانی کا وقت بارہ گھنٹے سے کسی صورت میں زیادہ نہ ہونا چاہئے - تماشائیوں کو کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ کئی راتیں اور کئی دن گذر چکے ہیں، جب کہ وہ خود بخوبی جانتے ہوں کہ در اصل صرف چند گھنٹے گذرے ہیں—

---

* (Antonis Sibastiana) جو مائیٹرنو (Miturno) کے نام سے مشہور ہے، قدیم اٹلی کا نامور عالم ہے، اس کے حالات اسی قدر ملتے ہیں کہ بشپ تھا اور خدمت کلیسا کے ساتھہ علم و فن کی ترقی میں حصہ لیتا تھا، اُس نے ارسطو کی جو بسیط شرح لکھی ہے، اُسے مستند تسلیم کیا جاتا ہے—

† (Lodorica Castel Vetro) (سنہ ۱۵۰۵ – سنہ ۱۵۷۱) مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد ادبیات کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی زبردست تنقید سے ہیجان پیدا کردیا- مگر ایک ہردل عزیز شاعر پر تعریض کرنے کی علت میں مدتوں جلا وطن رہا، واپس آکر اُس نے فن ڈراما پر ایک کتاب شائع کی اور تحریک احیاء العلوم کے لیے راستہ صاف کیا- اس کی ارسطو شرح اطالوی زبان میں معرکۃ آلارا کتاب مانی جاتی ہے —

(۳) اس لئے نہیں کہ پلاٹ میں دو کہانیوں کی گنجائش نہیں ہوتی ' بلکہ دو پلاٹ بدین وجہ نا روا ہیں کہ بارہ گھنٹے کے عرصے میں اور ایک ہی کمرے میں دو مختلف واقعات کے سلسلے ظہور میں نہیں آسکتے - پس کوئی ڈراما لائق ستائش نہیں ' جس میں ایک سے زیادہ پلاٹ ہوں ' اگر چہ اُن میں سے ایک اصلی ہو اور دوسرا محض ضمیمہ —

(۴) خصائل نگاری کے بغیر کوئی ڈراما قابل قدر نہیں ہو سکتا —

——— (جین چیپ لین *) ———

(۱) حیات انسانی کی صحیح تصویر اتارنا ڈراما کے لئے لازم ہے —

(۲) ڈراما میں شاعر کہانی کے علاوہ انسان کے مختلف خصائل ' عادات اور جذبات دکھاتا ہے —

(۳) فن کو اِس بات میں بہت قدغن ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت ' عمر اور جنس کے مطابق باتیں کرے اور موزونیت سے اس کا مفہوم صرف شائستگی نہیں ' بلکہ وہ ہر بات کو کیرکٹر کے حسب حال دیکھنا چاہتا ہے ' بد معاشوں کی بداعمالی اور نیک کرداروں کی خوش اخلاقی ' اس کے ہاں یک ساں توجہ کی مستحق ہے —

(۴) اتحاد ثلاثہ کی پیروی کے بغیر ڈراما بے معنی چیز ہے —

(۵) پلاٹ کے لئے آغاز داستان ' اُلجھاؤ اور انکشاف لازم ہے —

(۶) ڈراما کا بہترین اور قابل داد اثر یہ ہے کہ تماشائی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بے قرار ہو جائیں اور اُنھیں یہ نہ معلوم ہوسکے کہ کہانی کہاں اور کس طرح

---

* Jean Chaplain (۱۵۹۵ - ۱۶۷۴) ابتدا ہی سے اِسے ادبیات کے مطالعہ کا شوق تھا اور عنفوان شباب ہی میں اِسے ادبا ہے پیرس کے حلقے میں بار مل گیا — فرانس کے بہترین نقادوں میں ہے —

ختم ہوگی —

(۷) ڈراما کے پانچ ایکٹ ہوں اور ہر ایکٹ کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ سات سینوں پر مشتمل ہو —

۸) یہ درست ہے کہ کسی سین میں ایک وقت پرتین سے زیادہ اشخاص سٹیج پر نہ آئیں ' لیکن آخری ایکٹ کے آخری سین میں اس قاعدے کی خلاف ورزی جائز ہے —

(۹) یہ بات سب سے ضروری ہے کہ کوئی کیرکٹر بغیر کسی وجہ موجہ کے نہ تو سٹیج میں داخل ہو ' نہ باہر جائے —

——— (ایب تی اوبگ نگ *) ———

(الف) ..... پس منقد مین (اہل یونان) کے اصولوں پر پانچ اعتراض وارد ہوتے ہیں —

(۱) ہمیں نہیں چاہئے کہ رواجوں اور مثالوں کی بنا پر قانون واضع کریں ' بلکہ اُس کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہئے —

سندات قابل تقلید نہیں —

" سٹیج کے قوانین سندات پر نہیں ' بلکہ معقولیت پر مبنی ہوتے ہیں ' اُن کا جواز تقلید پر نہیں ' بلکہ انسانی قوت فیصلہ پر حصر رکھتا ہے " —

---

* (Fancais Hedilin) المعروف (Abbe D. Aubignac) ۱۶۰۴ - ۱۶۷۶) پیرس کے ایک معزز وکیل کے گھر پیدا ہوا ' اس کی تعلیم کا حصر ذاتی کاوش پر تھا ' کسی کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا ' ذہن رسا جودت طبع اور تخیل بلند کی بدولت جلد محفل ادب پر چھا گیا اور ریشلو نے نوک پاک سے آراستہ کر کے میدان میں اتارا - اس کی کتاب Pratiquedu thealse ڈراما نگاروں کے لیے چراغ ہدایت کا کام دیتی ہے - رسائن نے اس کی نقل اپنے ہاتھہ سے تیار کی تھی اور اس پر حاشیہ لکھا تھا —

(۲) خود متقدمین نے اِس اصول کی خلاف ورزی کی ہے' "یہ کوئی معقول اعتراض نہیں' معقولیت ساری دنیا کے لیے یکساں طور پر قابل تقلید ہے اگر ہمارے زمانے کے مصنف قواعد کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں تو متقدمین بھی یہ غلطی کرنے کے مجاز تھے' بہر کیف اگر متقدمین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ بھی قابل درگذر نہیں- میں تو متقدمین کی تقلید کا صرف اس حد تک روادار ہوں' جہاں تک وہ معقولیت کے دائرے کے اندر ہیں' مگر اُن کی غلط کاری ہر گز سزاوار تتبع نہیں"-

(۳) متقدمین کے متعدد دراموں کے تراجم ہمارے سٹیج پر نا کام رہے ہیں—

"یہ اعتراض معترضین کی عدم واقفیت پر دال ہے' کیونکہ اگر متقدمین کے کوئی ڈرامے ہمارے سٹیج پر نا کام رہے ہیں' تو اس سے فن پر حرف نہیں آسکتا- اس کا سبب یہ تھا کہ اُن کے مضامین ہمارے مذاق کے مطابق نہ تھے' مترجموں کی دست برد نے بہت سے محاسن کو یہاں تک زائل کر دیا تھا کہ بہت سے سنجیدہ سینوں میں قہقہہ انگیزی کی شان پائی جاتی تھی"—

(۴) ہمارے متعدد ڈرامے باوجود خلاف اصول ہونے کے سٹیج پر کامیاب رہے- "اس کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایسے ڈرامے پبلک اور دربار نے کلیتاً پسند نہیں کئے تھے' بلکہ اُن کی صرف وہی باتیں مقبول ہوئی تھیں' جو معقول اور با اصول تھیں"—

(۵) اگر اِن صبرآزما اصولوں کی پیروی کی جاے تو کئی ایک سچی روایتوں کا نہایت دلچسپ حصہ ترک کرنا پڑے گا- کیونکہ اِن کے بہت سے واقعات مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں' ظہور میں آتے ہیں—

"یہ بالکل مضحکہ انگیز خیال ہے- سٹیج کے قواعد ہرگز کسی روایت کے اہم واقعات کو قلمزن کرنے پر مصر نہیں- اس کے برعکس وہ تو ہمیں

یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح اُنھیں عمل مکان اور زمان کے قرائن کے ساتھہ وابستہ کیا جاے، تا کہ وہ غیر اغلب معلوم نہ ہوں - یہ ضروری نہیں کہ اُنھیں ہمیشہ روایت کی ترتیب کے مطابق سٹیج پر دکھایا جاے، بلکہ اِن کی ترتیب ظہور کو اس اسلوب سے بدلنا لازم ہے، جس سے وہ زیادہ موزوں اور زیادہ خوش آئند معلوم ہوں"-

(ب) ڈرامے کے مضمون کے انتخاب میں اِس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ مندرجۂ ذیل تین شقوں میں سے کم سے کم ایک پر مبنی ہو: (۱) جذبات عالیہ (۲) پیچیدہ اور دلچسپ داستان (۳) حیرت انگیز اور پرلطف مناظر—

(ج) وفور جوش و خروش روح کو بے حس کر دیتا ہے اور کیرکٹر کے ساتھہ ہمدردی پیدا نہیں ہوتی—

(د) ڈراما میں کسی گمراہ کو وعظ و نصیحت سے راہ پر نہیں لایا جاتا، بلکہ ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ اُسے مجبوراً اپنا طرز عمل بدلنا پڑتا ہے—

———(لوپ ڈی ویگا* اور مولیر†)———

ان کا صرف یہ قول ہے کہ تماشائیوں کو ڈراما کا پسند آجانا اِس کی عمدگی کا بہترین معیار ہے—

———(کارینل‡)———

کارینل لوپ ڈی ویگا اور مولیر کے مذکورۂ بالا قول کے ساتھہ پابندی قواعد کی شرط اضافہ کرتا ہے—

———(بیولو$)———

(ا) اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ آپ کا ڈراما شہر بھر کے نقادوں سے خراج تحسین

---

*، †، ‡ ان کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ہوں—

$ Nicolas Bailleu Despreax (۱۶۳۶—۱۷۱۱)

گیارہ سال کی عمر تھی کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا - اوائل عمر ہی سے اسے خشک

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حاصل کرے، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ڈراما کو لازوال شہرت نصیب ہو اور صدیوں تک اُس کی تازگی میں فرق نہ آنے پائے تو آپ کو چاہئے کہ جو کچھہ لکھیں اُس میں نہایت حزم و احتیاط کے ساتھہ لوگوں کے دلوں کو گداز اور اثر پذیر بنانے کی کوشش کریں - ورنہ عالمانہ باتوں سے سینوں کو بھر دینے سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوگا - صرف مکالمہ کوئی اثر پیدا نہیں کرسکتا - اِن کوتاہیوں سے صرف یہ ہوگا کہ کوئی بے رحم نقاد آپ کے ڈرامے کی دھجیاں اُڑائے گا اور تماشائی بجائے تماشہ دیکھنے کے سو جایا کریں گے -

(۲) کامیابی کا راز یہ ہے کہ پہلے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لو، پھر اُن کے دلوں کو مؤثر کرو اور اس کے بعد اُن کی ضیافت طبع کا سامان پیدا کرو —

(۳) غیر متعلق اور بے جوڑ معجزات کی نمائش سے پریشان نہ کرو اور اگر کچھہ سکھا سکتے ہو تو سکھاؤ —

(۴) ایک ہسپانوی ڈراما نگار مزے سے ایک دن کے عرصے میں سالوں کے واقعات دکھا سکتا ہے، وہاں ہیرو بچپن میں سٹیج پر آتا ہے اور بوڑھا ہوکر نکلتا ہے - مگر ہم جو معقول پسند ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ ڈراما اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا جائے —

(۵) اِس زمانے میں جب پادریوں کا دور دورہ تھا، یہ مقدس ہستیاں سٹیج کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

مضامین سے نفرت تھی - کچھہ عرصے تک وکالت کرنے کے بعد اُس نے ادبیات کی طرف توجہ کی اور نظم میں بڑا نام پیدا کیا - بادشاہ نے اِسے دربار کا مورخ مقرر کر کے بیش بہا مشاہرہ مقرر کیا، جس کی بدولت کسب معاش سے بے فکر ہو کر ہمہ تن ادبیات کی خدمت میں مشغول ہو گیا - ایک طویل نظم موسومۂ Art Poetique میں اس نے فن ڈراما کے اصولوں پر بڑی دلاویز بحث کی ہے، جس میں سے جستہ جستہ اشعار کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے —

گندہ اور ناپاک کیا کرتی تھیں- اور چند بیوقوف اشخاص بجاے ہیرو اور محبت کی کرشمہ سازیوں کی نہایت بے ہودگی سے کام لے کر فرشتوں، خدا، مقدس کنواری، پیشوایان دین اور اُن کی کرامتوں کی نقل اُتارا کرتے تھے- بالآخر جب عقل کا چراغ روشن ہوا تو لوگوں نے اپنی غلطی محسوس کی تو حقیقی ڈراما سٹیج ہونے لگا—

(۶) جو کچھہ لکھو، فطرت کے مطابق لکھو- تصویر میں ایسے رنگ بھرو، جو آنکھوں کو بھلے معلوم ہوں —

(۷) سنجیدہ اور پر وقار الفاظ کے پہلو میں سوقیانہ محاورے اور بازاری باتیں ڈراما کو ذلیل کر دیتی ہیں—

(۸) میں اُس ڈراما نگار کو پسند کرتا ہوں، جو اپنے رشحات قلم سے سٹیج کے رتبے، حیثیت اور وقار کو بلند کرے —

———(ڈرائیڈن *)———

... ... یہی وجہ ہے کہ ہماری ٹریجی کامیڈیوں میں بہت سے سین ایسے ہوتے ہیں، جن کا اصل پلاٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا - اور دو پلاٹ یعنی دو ڈرامے ایک ساتھہ چلتے ہیں اور تماشائیوں کی طبیعت پریشان ہوجاتی ہے- مزے کی بات یہ ہے کہ سٹیج پر کام کرنے والے ایکٹروں کی دو جماعتیں ہوجاتی ہیں، جو آخر دم تک ایک‌دوسرے سے نا آشنا رہتی ہیں اور آخری سین میں جا اکٹھی ہوتی ہیں- دنیا میں انگلستان کے سوا ایسا تھیٹر کہیں بھی نہیں پایا جاتا، جس میں ٹریجی کامیڈی جیسی مکروہ چیز تمثیل ہوتی ہو- جب یہ سٹیج ہو رہی ہو تو تھیٹر اچھا خاصہ پاگل خانہ معلوم ہوتا ہے —

———(قدیم علماے ہند)———

(۱) ڈرامے سے یہ مدعا ہے کہ تفریح اورہنسی کھیل کے پردے میں لوگوں کو

---

* حالات کے لیے ملاحظہ ہو ناٹک ساگر—

تلقین کی جاے —

(۲) کہانی اہم، مشہور دیو مالا یا تاریخ سے ماخوذ ہو، مگر فرضی باتیں بھی اس میں داخل ہوسکتی ہیں —

(۳) ارکان ڈراما اعلیٰ طبقے کے ہوں —

(۴) پلاٹ صرف ایک ہو—

(۵) عمل کہانی سے اِس طرح پیدا ہو، جیسے بیج سے پودا پھوٹتا ہے —

(۶) کہانی کے واقعات کے ظہور میں آنے کا وقت زیادہ نہ ہو، ان کا ایک دن میں ختم ہونا انسب ہے، لیکن چند دنوں بلکہ ایک سال تک کا عرصہ بھی ناجائز نہیں —

(۷) ڈرامے کی زبان نہایت پاکیزہ اور شستہ ہو —

(۸) ڈرامے کے کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ دس ایکٹ ہوں، آخری ایکٹ میں تمام ایکٹر سٹیج سے چلے جائیں اور ہر ایک ایکٹ بجاے خود مکمل ہو—

(۹) گو اصل قصے میں کوئی بات ہیرو یا ہیروین کی شان کے منافی ہو، مگر ڈرامے میں اُس کا اظہار ہرگز روا نہیں—

(۱۰) دور دراز کے سفر، موت، جنگ، دریا، محاصرے کے سین، کھانا، نہانا، بوسہ لینا، جسم پر صندل لگانا، کپڑے اُتارنا، کسی کیریکٹر کا سٹیج پر مرنا یا کسی کی موت کا تذکرہ کرنا، ممنوعات میں داخل ہیں—

(۱۱) ہر ڈراما ایک تمہید سے شروع کیا جاے، جس سے تماشائیوں کو یہ معلوم ہو کہ ڈرامے کا مصنف کون ہے، کس موضوع پر لکھا گیا ہے، کون کون ایکٹر اس میں کام کریں گے۔ اِس تمہید میں ڈرامے سے قبل کے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ہیں، جن کا جاننا حاضرین کے لیے ضروری ہو —

(۱۲) پلاٹ مندرجۂ ذیل پانچ عناصر پر مشتمل ہوتا ہے :

(الف) وہ واقعہ جس پر قصے کی بنیاد ہو—

(ب) کوئی فروعی واقعہ جس کو تسلسل داستان کے قیام کے لیے بیان کیا جائے —

(ج) وہ واقعہ جس کا ذکر حسن بیان کے لیے کیا جائے اور اُس سے قصے کے انکشافات میں مدد ملے —

(د) وہ واقعہ جس میں ڈرامے کے بڑے ارکان حصہ نہیں لیتے —

(۱۳) ڈرامے کے مناسب اختتام کے لیے حسب ذیل منازل کا طے کرنا ضروری ہے :

(الف) ابتدا (ب) انکشافات واقعات (ج) امید کامیابی (د) رکاوٹوں کا رفع ہونا (ہ) تکمیل کار—

(۱۴) ہیرو اور ہیروین کے علاوہ مندرجۂ ذیل کیریکٹروں کا ہونا انکشافات داستان کے لیے ضروری ہے —

(الف) ہیرو کا رفیق اور راز داں—

(ب) ہیرو کا مخالف—

(ج) ہیرو کا مصاحب —

(د) ہیرو کا ندیم خاص —

(ہ) ہیرو کا ظریف—

متقدمین کے اقوال اور آرا کی یہ ہلکی سی جھلک بس ہے، ورنہ یہ ایک لمبی داستان ہے اور ایک مستقل کتاب چاہتی ہے - ہم با دل نا خواستہ بہت سی باتوں کو ترک کرکے یہ دکھانے پر قناعت کرتے ہیں کہ فی زمانہ ڈراما نویسی میں خاص کر کن اصول و قواعد کی پیروی کی جاتی ہے۔ انگلستان کی نامور نقاد ڈراما مس اگنس پلیٹ (Agnes Platt) چاہتی ہیں کہ ڈراما لکھنے میں مندرجۂ ذیل قواعد کا دھیان رکھا جائے :

[۱] اقتضائے وقت کو کبھی فراموش نہ کرو —

[۲] نظریات سے کام نہ چلیگا —

[۳] ڈراما لکھنا ھے تو تھیٹر دیکھو اور ایک ھی ڈراما کو کم از کم چھہ مرتبہ ملاحظہ کرو —

[۴] تماشائی تھیٹر میں لکچر سننے نہیں آتے، اِس لئے لمبی لمبی تقریروں سے پرھیز کرو—

[۵] کسی ڈرامے کا سٹیج پر کامیاب ھونا جدت آفرینی کا مقتضی ھے —

[۶] سالولکی کا استعمال بدترین عیب ھے، یہ محض تقویم پارینہ ھے —

[۷] اسائیڈ ڈراما کی فطرت کے خلاف ھے —

[۸] ڈراما کے کیر کٹروں کی تعداد جس قدر بھی کم ھوسکے بہتر ھے —

[۹] فطرت کا عکس لینے کی کوشش کرو —

[۱۰] ڈراما کے واقعات مختلف کیرکٹروں کے باھمی تعلقات سے بلاتکلف پیدا ھو نے چاھئیں —

[۱۱] ڈراما میں جو بات رونما ھو، اس کا سبب واضح ھونا لازم ھے —

[۱۲] ڈراما لکھتے وقت اس امر کو مد نظر رکھو کہ سٹیج کی کیا حالت ھے اور کتنے عرصے میں ڈراما ختم ھونا ضروری ھے —

[۱۳] ایسا مضمون انتخاب نہ کرو، جس میں کسی کیرکٹر کی شکل شباھت اور قدوقامت میں تغیر واقع ھوتا ھو —

[۱۴] انتخاب مضمون کے وقت اس بات کو فراموش نہ کرو کہ ڈرامے کے انکشاف کو بتدریج ایک خاص معراج تک پہنچنا ھے اور دیکھو کہ اس مضمون میں اتنے پھیلاؤ کی صلاحیت ھے یا نہیں —

[۱۵] کسی ڈرامے کے پہلے ایکٹ کا بدرجۂ اتم اچھا ھونا، ڈرامے کے ناکام رھنے کا پیش خیمہ ھے، کیوں کہ اس سے تماشائیوں کی توقعات اس قدر بلند ھوجاتی ھیں

کہ اُن سے عہدہ برآ ہونا ڈرامے کے بس میں نہیں رہتا اور تماشائیوں پر عالم یاس طاری ہو جاتا ہے —

[۱۶] عمل کے معنے پلاٹ ہیں، لیکن سٹیج کی اصلاح میں ماورائے گفتگو، ہر فصل جو انکشاف داستان کا سبب ہو عمل کہلاتا ہے —

[۱۷] کسی ڈرامے میں عمل کا کم ہونا ناقابل عفو فرو گذاشت ہے، وہ پلاٹ جو عمل سے معرا ہو اور جس میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں، قابل نمائش نہیں۔

[۱۸] سب سے پہلے ڈراما نگار کو اس امر کا تصفیہ کرنا چاہئے کہ وہ کس قسم کا ڈراما لکھنا چاہتا ہے، پھر وہ اُسے اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور احتیاط رکھے کہ کسی اور صنف میں دست انداز نہ ہو —

[۱۹] ایک بار ڈراما لکھکر اُسے سرے سے پھر لکھو، پھر لکھو، پھر لکھو —

[۲۰] سٹیج پر جو کیرکٹر آئیں، وہ اِس قسم کے ہونے چاہیں، جن سے نشست و برخاست، میل جول، تماشائیوں کو گوارا ہو —

[۲۱] ناتجربہ کار ڈراما نگار میں یہ عیب عام طور پر پایا جاتا ہے کہ اُس کی کسی تقریر کو کوئی کیرکٹر ادا کرے تو اسلوب تکلم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام کے تمام ایک ڈھنگ پر سوچتے ہیں اور ایک طرز میں باتیں کرتے ہیں —

[۲۲] لفظوں کی بھرمار نا قابل برداشت ہے - عام طور پر کوئی تقریر تین سطروں سے زیادہ موزوں خیال نہیں کی جاتی- سٹیج کی گفتگو چھوٹے چھوٹے چست فقروں میں مزہ دیتی ہے - اس سے زیادہ نا معقول شاید ہی کوئی عیب ہو کہ ایک ایکٹر ایک لمبی تقریر شروع کردے اور باقی ایکٹر اُلو کی طرح ٹگر ٹگر اُس کا منہ دیکھتے رہیں - فن کو تمام طاقت اُس سین کو فطرت کے مطابق نہیں کرسکتی، جس میں کوئی کیرکٹر غیر معمولی طویل تقریر کرے اور باقی ایکٹر معمول سے زیادہ عرصہ تک بت بنے کھڑے رہیں—

[۲۳] ڈرامے کا مکالمہ محاورے میں ڈوب کر نکھرے - جس میں بلا تکلف گفتگو کا لطف آجائے- اور ہر کیریکٹر اپنی عمر، وجاہت، تعلیم اور پیشے کے مطابق اظہار خیال کرے —

(۲۴) کیریکٹروں کے آنے جانے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے —

(۲۵) اہم باتوں کو بار بار کہنا چاہئے- اور اگر بات از حد ضروری ہو تو اُسے ایک ہی اسلوب اور اُنہی الفاظ میں دہرانا بہتر ہوگا —

(۲۶) وہ ڈراما نگار کامیاب متصور ہوگا جس کے پانچ ڈراموں میں سے ایک بھی سٹیج کے امتحان میں پورا اُتر جائے—

(۲۷) آخری ایکٹ میں نئے کیریکٹر مت داخل کرو—

(۲۸) کوئی ڈراما خواہ کتنی احتیاط سے لکھا جائے مگر اُس میں بھی نمائش اوّیس کے بعد تماشائیوں کی رائے کے مطابق تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے—

مسٹر کولا چلم سری نواس راؤ مدراسی

فن ڈراما کے مسلمہ ماہر ہیں اور اس مضمون پر اُن کی ایک تصنیف بلاد مغرب میں مقبول ہوئی ہے - آپ ہندوستان کے ڈراما نگاروں کو حسب ذیل مشورہ دیتے ہیں :-

(۱) ڈراما نگار کا صرف یہ کام ہے کہ کسی مضمون کو ڈرامے کے پلاٹ یا عمل میں منتقل کرے- حقیقی زندگی کے حالات تاریخی واقعات اور تذکرۃ بیان کی ہوئی کہانیوں سے مضمون اخذ کرے، اور بہادری، شجاعت، عصمت، ایثار وغیرہ پر روشنی ڈالے —

(۲) اتحاد عمل کو قایم رکھنا ناگزیر ہے، لیکن اتحاد زمان اور اتحاد مکان چنداں اہمیت نہیں رکھتے - ہر ایک پلاٹ اور عمل بجائے خود مکمل ہونا چاہئے- پلاٹ میں افتتاح، انکشاف، معراج اور انجام کا ہونا لوازمات میں داخل ہے—

(۳) سوا اس کے کہ مضمون دیو مالا سے لیا گیا ہو، ڈرامے کے واقعات ممکن العمل ہونے چاہئیں —

(۴) ڈراما نگار کو لازم ہے کہ کیریکٹروں کی تخلیق اور اُن کے خصائل کو نمایاں کرنے میں بہت محنت سے کام لے —

(۵) کسی خاندان، ذات یا مذہبی پیشوا پر حملہ نہ کرو —

(۶) ڈراما لکھنے میں علو فن مد نظر رکھو اور زندگی کے بہترین پہلو دکھاکر اخلاق کو بلند کرنے کی کوشش کرو —

(۷) ڈراما میں ایسی باتیں نہ لاؤ جن میں سستہ پن، بازاری تہسخر اور فواحشات پائے جائیں۔ تہذیب اور اخلاق کے مقابلہ میں قبولیت عام کی پروا نہ کرو —

(۸) تاریخی واقعات کے علاوہ اور کسی واقعہ میں ہیرو یا ہیروئن کی موت واقع نہ ہونے دو —

(۹) سٹیج پر بوس و کنار اور قسم کی دیگر حرکت ممنوع ہیں —

(۱۰) میدان جنگ کے مناظر دکھانے سے حتی الوسع پہلو بچاؤ —

(۱۱) قدیم ہندی علماء کے اصولوں کی پیروی کرو اور ڈراما کو اس قابل بناؤ کہ تعلیم یافتہ اصحاب اُس میں دلچسپی لیں —

(۱۲) دوسروں کے لکھے ہوئے ڈراموں کے پلاٹ پر نئے سرے سے ڈراما لکھنا مشکلات سے خالی نہیں —

(۱۳) ڈراما نگار کو چاہئے کہ اپنے ڈرامے چھپوا کر ادبیات میں اضافہ کرے۔ ہمارے موجودہ ڈرامے بہت پھسڈی ہیں —

(۱۴) تاریخی، رومانی اور تمدنی رنگ کے ڈرامے تیار کرو اور مذہبی (دھارمک) ڈراموں کو ہاتھ تک نہ لگاؤ —

(۱۵) بعض ڈرامے ادبی لحاظ سے بہت ہوتے ہیں لیکن سٹیج کے قابل نہیں ہوتے۔ اُنہیں چھپوا دینا چاہئے تاکہ پڑھنے کے کام آئیں —

(۱۶) اگرچہ غیر ضروری ہے، لیکن اگر کام نہ چلے تو روحوں کو سٹیج پر لاسکتے ہیں —

بیشک یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ متداول ہندوستانی ڈرامے کن اصول و قواعد کے مطابق لکھے جاتے ہیں، لیکن ان کا دریافت کرنا اشتہاری حکیموں کے نسخے حاصل کرنے سے کم دقت طلب نہیں۔ یہ راز آپ کسی ہندوستانی ڈراما نویس کے صندوق سینہ سے نہیں نکال سکتے۔ ممکن ہے کہ جس بات کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے حقیقت میں اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو اور خود لکھنے والے اپنے اسلوب نگارش سے نا آشنا ہوں۔ بہر حال ان حضرات سے کسی کام کی بات کا حصول ناممکن ہے اور ہمارے لئے صرف یہ طریق کار باقی رہتا ہے کہ ہم نے جو ڈرامے دیکھے یا پڑھے ہیں ان سے بطور خود اصول و قواعد استخراج کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی قسم کی محنت کا ماحصل یہ "انمول گُر" ہیں :—

(۱) ڈرامے کے دو نام رکھو۔ ایک محض تحسین عنوان کے لیے اور دوسرا ذرا مضمون کو واضح کرنے کے لیے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک نام کو استعمال کرتے ہیں، کبھی دوسرے کو، اور اس طرح ڈراما دیر تک تازہ رہتا ہے —

(۲) بیشک ڈراما ایک عظیم‌الشان فن ہے مگر اس کا لکھنا اس قدر آسان ہے کہ بقول آغا طاہر نبیرۂ مولانا آزاد مرحوم: "ڈراما لکھنا آج کچھ بڑی بات نہیں۔ جس نے چند انگریزی کتابیں پڑھی ہوں، کچھ ناول دیکھے ہوں، تھیٹروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہو، کہیں دل دیا ہو، کہیں لیا ہو۔ اچھا خاصا ڈراما تُست بن سکتا ہے" — (دیباچہ ڈراما اکبر)

(۳) ڈرامے کو تین ڈراپوں پر تقسیم کرو، ہر ایک ڈراپ میں اپنی سہولت کے مطابق جتنے سین چاہو رکھ لو۔ تعداد کا تعین ضرور نہیں —

(۴) سب سے پہلے حمد یا بندگی گائی جاے جو ہندی میں زیادہ موثر ہوتی ہے اور معنی پیدا کرنے کے لئے چنداں تکلیف نہیں کرنی پڑتی' ایکٹر جس طرح کھڑے ہوتے ہیں اسی سے عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ مصروف حمد و ثنا ہیں - چونکہ تمام تماشائیوں کے کانوں تک یہ الفاظ نہیں پہنچا کرتے اس لئے صرف ترنم ہی کافی ہے - اس کے گانے سے برکات آسمانی نازل ہوتی ہیں اور ڈراما کامیاب ہو جاتا ہے - مادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تماشائیوں کی ہما ہمی اور شور و غل اس کے دوران ختم ہو جاتا ہے—

(۵) ڈراما میں لازماً دو پلاٹ رکھو - ایک سنجیدہ جسے ٹریجک کہتے ہیں' دوسرا ظریفانہ جسے کامک کہتے ہیں - یکرنگ ڈراما کی کامیابی موہوم ہے—

(۶) ٹریجک قصے میں ایک ہیرو' ایک ہیروین' اور ایک جراری یا جلالی پارٹ ہونا لازم ہے ان سب کی گفتگو یکساں طور پر جچی تلی ہونی چاہئے اور اس طرح لکھی جاے کہ ہیرو اور جراری کیرکٹر کے کلام میں تمیز نہ ہوسکے- ہیروین غم کے بوجھ سے زیوروں کی طرح لدی رہے اور اپنی عصمت بچاتی پھرے - ان کے علاوہ جس قدر کیرکٹروں کی ضرورت ہو رکھ لو—

(۷) کامک قصے میں ایک اُداساتی عورت اُس کا ایک یا ایک سے زیادہ آشنا اور اُس کا سادہ لوح خاوند یا باپ ضرور ہونے چاہئیں - ان کے علاوہ اُس عورت کی ساس اُس کا آشنا اور خاوند یا باپ کی آشنا مستزاد ہو سکتے ہیں—

(۸) ٹریجک حصے میں ایسے الفاظ ڈالنے کی کوشش کرو جو عام فہم سے بلند ہوں اور عجیب عجیب استعاروں اور تشبیہوں سے لٹریچر کا رنگ پیدا کرو - یہی "خیالات" ہیں جن پر تماشائی مرتے ہیں - قافیہ فقروں کو بہت زور دار کر دیتا ہے اور جا بجا اشعار کا آنا بڑا اثر رکھتا ہے - مسدس اور مخمس کے بندوں کا کیا کہنا - اشعار خود بنانے کی کوشش کرو' وزن اور عروض کے دیگر قواعد کی پابندی لازمی نہیں - اس کمی کو ایکٹر بڑی

آسانی سے پورا کر لیتے ہیں - اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی اور کے شعروں کا لفافہ بدل لو - فارسی کے شعر بھی داخل ہو سکتے ہیں—

(۹) کامک میں ایسی باتیں ہونی چاہئیں جنہیں سن کر بے اختیار آپ پر ہنسی آجائے - فواحشات کو یہاں تک استعمال کرو کہ قانون تمہارا قلم تھام لے - ہلکی ہلکی گالیاں مثل حرامزادہ' اُلو کا پٹھا سٹیج پر بڑا لطف دیتی ہیں جنہیں یہ باتیں پسند نہیں وہ تھیٹر میں شاذ ہی آتے ہیں—

(۱۰) تھیٹر کا واحد مقصد تفریح ہے' اس لئے ناچ اور گانے جس قدر بھی ہوں تھوڑے ہیں - غزل ایک آدہ سے زیادہ نہ ہو لیکن گانے کے ڈھب کی ہو - اپنی غزل بہتر ہے لیکن یہ نہ ہو تو کسی اور شاعر کی غزل کے مقطع میں اپنا تخلص ڈال لو—

(۱۱) حسب ضرورت واقعات کو تذکرہ کے طور پر بیان کرو - اور اسائیڈ اور سالولکی کے استعمال سے ہرگز گریز نہ کرو اس سے تماشائی کیرکٹر کے رازدار بن جاتے ہیں اور وہ ہمدردی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں - تماشائیوں سے براہ راست گفتگو یا اُن سے ہنسی مذاق بھی خوشگوار تعلقات پیدا کر دیتے ہیں—

(۱۲) اپنی بہترین ہمت اور قابلیت پہلے سین پر صرف کردو اگر یہ کامیاب رہا تو میدان آپ کا ہے—

(۱۳) ڈرامے کو تفریحات کا جامع بنانے کی سعی کرو اور رنڈی کا ناچ' بھانڈوں کی نقل' ہیجڑوں کا مجرا' پہلوانوں کی کشتی' مرغوں کی پالی' سیلما کے سینوں کو سٹیج پر لانا ضروری ہے' غرض تماشائیوں کو کہیں اور جانے سے مستغنی کردو—

(۱۴) مذہبی شخصیتوں مثل دیوی' دیوتا' اوتار' ولی' پہنچے ہوے مردان خدا اور اُن کی کرامتوں اور چمتکاروں سے سٹیج کی فضا کو مقدس کرو—

(۱۵) سٹیج پر ایک سو سال کے مسلسل واقعات آسانی سے دکھائے جا سکتے ہیں—

نظمِ قاصد

از

(جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن)

(سنہ ۱۳۴۵ ھجری - - سنہ ۱۳۳۹ ف)

(یہ نظم مولوی سید ہاشمی صاحب نے یوم کلیۂ عثمانیہ اورنگ آباد کی تقریب میں پڑھی تھی۔ سید صاحب کی بعض نظمیں اس سے قبل بھی اس رسالے میں شایع ہوچکی ہیں۔ اُن کا رنگ خاص ہے - طبیعت میں حکیمانہ بلند خیالی اور ادائے بیان میں پوری قدرت ہے - اس نظم میں یہ خوبیاں کامل طور پر موجود ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کس قدر ترقی کر رہی ہے - حاضرین نے اِن خیالات اور طرزِ بیان کی دل کھول کے داد دی - ادیبؔ)

نفس گرامی ترا دھر سے ہم ساز ہے — راگ جدا ہے مگر تہ وہی آواز ہے
لاکھ چھپاتے رہیں تیری حقیقت حواس — حسن تخیل ہنوز پردہ در راز ہے
لالۂ خوش رنگ گر خاک سے پیدا ہوا — عطر اسی خاک زاد پھول سے گر کھچ سکا
نغمہ و پر سے فریب دے نہ مجھے عندلیب — تو بھی اسی خاک کا پھول ہے اُڑتا ہوا
رنگ چمن کا نچوڑ نفحۂ خوشبو میں ہے — حاصل ملک تتار نافۂ آہو میں ہے

قطرۂ کم آب سے رشتہ نہیں ٹوٹتا
گو کہ سمندر کی روح دانۂ لولو میں ہے

نظمِ قاصد

از

جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن

(سنہ ۳۲۳ طبعی ۔۔ سنہ ۱۹۳۴ ء)

یہ نظم مولوی سید ہاشمی صاحب نے یوم اتحاد عثمانیہ اور رنگ آباد کی تقریب میں پڑھی تھی۔ سید صاحب کی بعض نظمیں اس سے قبل بھی اس رسالے میں شائع ہو چکی ہیں۔ اُن کا رنگ شوخ ہے۔ تخیل میں شگفتگی بلند خیالی اور الفاظ کے بیان میں پختگی قدرت ہے۔ اس نظم میں یہ خوبیاں کامل طور پر موجود ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کس قدر ترقی کر رہی ہے۔ شاعر نے ان خیالات اور فکر کو بیان کی ڈال کھول کے داد دی۔ ادیب]

نفس گرامی تُرا دھر سے ہم ساز ہے — راگ خدا ہے مگر تہ وہی آواز ہے
لاکھ چھپاتے رہیں تیری حقیقت حواس — حسن تخیل ہنوز پردہ در راز ہے
لالۂ خوش رنگ گو خاک سے پیدا ہوا — عطر اسی خاک زاد پھول سے کر کھنچ سکا
نغمہ و بو سے فریب دے نہ مجھے عندلیب — تو بھی اسی خاک کا پھول ہے اُڑتا ہوا
رنگ چمن کا نچوڑ نغمۂ خوشبو میں ہے — حاصل ملک تتار نافۂ آہو میں ہے

قطرۂ کم آب سے رشتہ نہیں ٹوٹتا
گو کہ سمندر کی روح دانۂ لولو میں ہے

منظر تکوین سے دیکھیں جو خلقت تری — ارض و سماوات کا خرچ ہے صنعت تری
پرورش ناز میں سارے عناصر شریک — مہر ہے رشتہ ترا گل ہے قرابت تری
حق خدیوی پہ ہے دال ترے اے عزیز — قدرت عزل و نصب طاقت صلح و ستیز
زیست سیاست گری ہے کہ عطا کی تجھے — باطل و حق میں نظر زشت و نکو میں تمیز
خشک زمینوں کو تو دودھ سے ندی کے پال — ظلمت کہسار سے لعل و جواہر نکال

ذرہ نہ بھٹکے کہیں قطرہ بھی ضائع نہ ہو
دیتے ہیں دنیا تجھے لے یہ امانت سنبھال

کوشش احساں تری کاہ کو گلشن کرے — ذرہ کو فکر بلند پست نشیمن کرے
جائے تعجب نہیں قوت جامع تری — خرمن تاریک کو برق سے روشن کرے
حکم رواں ہو ترا ابر گہر بار پر — تیری سواری چلے دھوپ کے رہوار پر

زیر نگیں ہو ہوا موج اطاعت کرے
تجھ کو تصرف ملے ثابت و سیار پر

روز کے ماتھے پہ شب قشقۂ شنجرف ہے — موسم گل کے سنوارنے میں خزاں صرف ہے
عشرت جاوید میں غم بھی ہے اک چاشنی
ہجر ہے تحریک شوق وصل کا یہ ظرف ہے

برسات اور تنہائی

(ایک ہندی خاتون کے جذبات، برسات اور فراق شوہر میں)

از

(جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی)

——— (۱- برسات) ———

برسات آئی ہر سو اک جنت نظر ہے
ہر دل سرور آگیں، ہر شی جنوں اثر ہے

یہ خوشگوار موسم، یہ دل پذیر رم جھم
دنیا غریق مستی ہے اور سربسر ہے

یہ دل کُشا ہوائیں، یہ جانفزا فضائیں
دلکش ہر ایک شب ہے، دلچسپ ہر سحر ہے

آیا ہے گھر کے بادل اوڑھے سیاہ کمبل
بھر دے گا آج جل تھل، اس سے کہاں مفر ہے

بجلی کا یہ چمکنا، بادل کا یہ گرجنا
یہ مینہ کا برسنا، پر لطف کس قدر ہے

پھیلی ہے کیا اندھیری، کیسی گھٹا ہے چھائی
گویا کہ شام آئی، حالانکہ دو پہر ہے

یہ کالے کالے بادل، یہ سبز سبز جنگل
جنگل میں بھی ہے منگل، ہر شے بہار پر ہے

سبزے پہ ڈالیوں پر، پھولوں پہ پتیوں پر
ہر ننھی بوند گویا اک خوشنما گُہر ہے

غل کر رہا ہے ہریل، اور کوکتی ہے کویل
گو ہر صدا ہے پر غم، خاطر نشیں مگر ہے

غنچوں کا مسکرانا، پھولوں کا کھلکھلانا
سبزے کا لہلہانا، کیا جاذب نظر ہے

گُل کی قبا مسکنا، گُلشن کا پھر مہکنا
بلبل کا پھر چہکنا جان دل و جگر ہے

شاخوں کا یہ لچکنا، بوندوں کا وہ ٹپکنا
چڑیوں کا یوں پھدکنا ہر ایک کیف اثر ہے

دیتا ہے درس مستی سبزہ تل و دمن کا
جوش نمو سے سب میں اک روح مستتر ہے

گلشن کا پتہ پتہ، گیتی کا ذرّہ ذرّہ
اِس بارش کرم سے اس وقت تر بتر ہے

موجوں کا یہ اُچھلنا، چشموں کا یہ اُبلنا
پانی کا بہ نکلنا، کتنا عجیب تر ہے

اے برشگال! دیکھا یہ فیض عام تیرا
شاداب ہر چمن ہے، سیراب ہر شجر ہے

جذبات آفریں ہے نظارہ ہر کہیں کا
ہوتا ہے جوش پیدا پڑتی نظر جدھر ہے

ساغر کا وہ چھلکنا، رندوں کا وہ بہکنا
اور خوب پی کے چھکنا اِس عہد میں ہنر ہے

باغوں میں جا کے دیکھو فطرت کا فیض جاری
ہر شاخ گُل بکف ہے، ہر نخل سبز تر ہے

کیا چہچہا رہی ہیں چڑیاں پھدک پھدک کر
صیّاد کا نہ کھٹکا، گلچین کا نہ ڈر ہے

چھایا ہوا ہے گویا نشہ سا طائروں پر
ہر ایک اپنی دھن میں مست اور بے خبر ہے

گویا نشاط آگیں ہے کائنات ساری
اک کیف بے خودی سا ہر شی میں جلوہ گر ہے

احباب کے مزے ہیں، باغوں میں جمگھٹے ہیں
ہے دور شادمانی، غم کا کہاں گزر ہے

جھولے پڑے ہوئے ہیں اور پینگ بڑھ رہے ہیں
تانیں ملار کی ہیں، ہر باغ عیش گھر ہے

راتیں ہیں عشرتوں کی، باتیں محبتوں کی
دن ہیں مسرّتوں کے ہر دل شگفتہ تر ہے

خلوت پسند سب ہیں گیتی سے آسماں تک
تارے بھی چھپ گئے ہیں، روپوش اب قمر ہے

دریا بھرے ہیں جل تھل، مرجیں رواں دواں ہیں
درپیش اِن کو گویا کوئی بڑا سفر ہے

بہ نکلے ندی نالے، مدت سے خشک تھے جو
برسات ہی پہ اِن کی ہستی بھی منحصر ہے

شادابیاں ہیں ہر سو، رنگینیاں ہیں ہرجا
ہر شی ہے عشرت افزا، قصہ یہ مختصر ہے

(۲ ـ تنہائی)

لیکن شگفتگی سے محروم ہوں فقط میں
افسردہ میرا دل ہے، اور آہ کس قدر ہے

اک میں اُداس تنہا، خاموش، دل گرفتہ
آباد ورنہ ہر گھر، دل شاد ہر بشر ہے

آتا ہے مجھکو رونا اِس کی اُداسیوں پر
سنسان کوئی بن ہے، یارب کہ میرا گھر ہے؟

میرا ہی دل ہے جو میں یہ رنج اُٹھارہی ہوں
تنہائی اک بلا ہے، دنیا کو کیا خبر ہے

میری سہیلیاں بھی مجھ سے کنارہ کش ہیں
عالم ہے ایک ہو کا، پڑتی نظر جدھر ہے

برسات کی یہ راتیں میں کس طرح سے کاٹوں
کوئی نہ مونس غم، کوئی نہ چارہ گر ہے

تنہائیوں کا اپنی شکوہ کروں تو کس سے
تنہی جن سے کچھہ توقع مجھ سے "اُنھیں" حذر ہے

میں صبر کرلوں لیکن، دل اور جگر بھی مانیں!
بیتاب اک اِدھر ہے، بے چین اک اُدھر ہے

تڑپارہی ہے مجھکو، برسارہی ہے دل کو
گُو گُو ہے کویلوں کی یا کوئی نیشتر ہے

طوفان غم ہے مجھکو سیر بہار گُلشن
موج ہوائے گُل بھی میرے لئے بھنور ہے

جی چاہتا ہے گھر سے صحرا کو بھاگ جاؤں
کیا ہولناک شب ہے، کیا غم فزا سحر ہے

کوئی نہیں شریک تنہائی جنوں زا
یہ عالم حضر ہے یا حالت سفر ہے

کیا پوچھتی ہے مجھ سے اے میری غم نصیبی!
اب تو جہاں میں میرا کوئی نہ گھر، نہ در ہے

حالت بتاؤں کس کو اپنے غم دروں کی
بالین بیکسی ہے، سودا زدہ یہ سر ہے

رات اور دن ہیں جاری آنکھوں سے اشک خونیں
دل یا جگر میں کوئی زخم کہن مگر ہے

ہوتی ہے اک تپک سی، آتا ہے آنکھ تک جب
ہر اشک گرم میرا شعلہ ہے یا شرر ہے

کیا کچھ گزر رہی ہے دل پر کبھی نہ پوچھا
اور خندہ زن زمانہ میرے سکوت پر ہے

آتا ہو رحم شاید کچھ اِس کو حال دل پر
یہ چاند آسماں پر ہر شب جو جلوہ گر ہے

دل شاد ساری دنیا، میں نامراد تنہا
اے نخل زندگانی تیرا یہی ثمر ہے؟

گزرے شباب جب یوں، اندوہ بیکسی میں
آخر یہ میرا جینا پھر کس اُمید پر ہے

تنہائیوں نے کھویا سب لطف زندگانی
یہ گنج عافیت ہے، یا گوشۂ سقر ہے

یہ سوچکر بھی دل کو صبر و سکوں نہ آیا
وہ زندگی ہی کیا جو مرنے پہ منحصر ہے

بادۂ کہن

سرزا جان جاناں مظہر

.....

اُس گل کوں بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہات
اِس واسطے بکا ہوں چمن میں ہوا کے ہات

بوٹے حنا اوپر لکھو احوال دل میرا
شاید کبھی تو جاکے لگے دل ربا کے ہات

جلتا ہوں میرزائیے گل دیکھہ ہر سحر
سورج کے ہات چوری و پنکھا صبا کے ہات

آزاد ہورہا ہوں دو عالم کی قید سوں
میلا لگا ہے جب سوں مجھہ بے نوا کے ہات

(مظہر) چھپا کے رکھہ دل نازک مرے کے تئیں
یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہات

---

* ہمارے ہات سے بھاگا ہے دل لے جان جاں اپنا
ہم اُس کوں جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

---

* یہ غزل آزاد مرحوم نے آب حیات میں بھی نقل کی ہے - اس میں مطلع

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سوں زندگی کرتے
اگر ہوتا گل اپنا گلبن اپنا باغباں اپنا

جنوں سوں اس قدر روئیں کہ رسوا ہوگئیں آخر
ڈوبایا ہائے ان آنکھوں نیں آخر خانماں اپنا

قفس کے بیچ کیا حسرت سوں بلبل یہ کہتی تھی:
کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوے گا بوستاں اپنا

ارے شیریں خدا سوں ڈر خبر لے عاشق اپنے کی
کیا فرہاد نے تیشے سوں سر لوہو لہاں اپنا

یہ بلبل بے اجازت باغباں کے گل میں ساتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جی دے گی خزاں اپنا

کہیں دیکھے میں جی کے وصل ہونا بات لگتا ہے
دیا برباد پروانے نے ناحق دودماں اپنا

مرا جلتا ہے دل اُس بلبل بے کس کی غربت پر
کہ گُل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

یہ کہکے باغ سے رخصت ہوی بابل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ چھوڑے فصل گل میں آشیاں اپنا

کوی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کوں اے ظالم
جو دولت خواہ اپنا (مظہر) اپنا جان جاں اپنا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یوں لکھا ہے:

چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹاکر کارواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھہ نشاں اپنا

علاوہ اس کے شعر ۳، ۵، ۶، ۷، ۹ آب حیات میں نہیں ہیں۔ باقی اشعار میں کچھہ کچھہ فرق پایا جاتا ہے۔ ہم نے یہ دونوں غزلیں تذکرہ "تحفۂ الشعرا" مولفۂ افضل بیگ خاں قانسال اورنگ آبادی سے نقل کی ہیں—

لالہ ٹیک چند بہار

ان کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی کتاب "بہار عجم" فارسی لغت میں اپنا جواب نہیں رکھتی - بعض تذکروں سے ان کے اردو اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں —

اُسی درگاہ سے حاجت روا ہوتی ہے عالم کی
جہاں دیتے ہیں بن مانگے فضولی ہے طالب لالا

جو کچھ جاکر گلستان میں کیا ہے کیوں چھپاتے ہو
عیاں ہے آستیں کے چیں سے موج خون گل لالا

وہی یک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں*

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

ابتا سردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل

---

* آبرو کا شعر بھی اسی مضمون کا خوب ہے :

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونوں ایک ہیں آپس میں، ان کے بیچ رشتہ ہے

کوئی کس ساتھہ ایسی فصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ہے، نہ ساغر ہے، نہ مطرب ہے، نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی کو ہمارے بیش ہے، کچھہ مغفرت کم ہے

کہتے ہیں نہ ستم گر خلق بے تقصیر کیا کیجے
ہو ان بے بات یوں مرنا ہمارا تقدیر کیا کیجے

منظور سیر لالہ جو ہو اس چمن کے بیچ — بوٹا ہے خوب داغیہ دل داغدار بیچ
کہتے ہیں عندلیب کا فقدان صحیح ہے — ہیں بیوفا کی ہیں اس بہار بیچ

نتیجہ جس سے خدمت کا اگر نہ بے دماغی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ پیار پانے ہے جو سیوے
اگر مارا مرا دل بات سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے تیغ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابا تی کیا تم کو مذاحاتی

تبصرے

ادب

دشینت و شکنتلا المعروف بہ
مثنوی سحر ۱۵۷
غزال ۱۵۸
محشر خیال ۱۵۹
یوروپین شعرائے اُردو ۱۶۰
آئین اُردو ۱۶۰

فارسی

میخانہ ۱۶۵
بزم ایران ۱۶۷
فارسی مصادر ۱۶۸

متفرق

معتزلہ ۱۶۸
نظام قواعد ۱۶۹

اُردو کے جدید رسالے

خیاباں ۱۶۹
ہفت ۱۷۰

مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم ۱۷۳

---...×...---

ادب

دشینت و شکنتلا، المعروف بہ، مثنوی سحر

(از جناب اقبال ورما[سحر]ہتکامی- زمانہ بک ایجنسی، کانپور)

شکنتلا ایک سدا بہار بھول ہے، جس کے حسن کو کبھی زوال نہیں- یہ حسن و عشق کا طلسم ہے، جو کبھی نہیں ٹوٹنے کا - اور اسی طلسم میں اس کارخانۂ عالم کی رونق اور دل چسپی ہے —

اس سے قبل اُردو میں شکنتلا کے تین ترجمے ہوچکے ہیں- سب سے پہلے نواز کیشور نے اصل سنسکرت سے برج بھا کا میں نظم کیا، جو کہت دُھرے میں تھی - یہ ترجمہ اُس نے اپنے مربی مولیٰ خاں بن فدائی خاں المخاطب بہ عظیم خاں کے حکم سے کیا، جو ہندوستان کے شہنشاہ "فرخ سیر" کا جنرل اور مصاحب تھا (سنہ تخمیناً نشیفی سنہ ۱۷۱۳ ع)

سنہ ۱۸۰۱ع میں مرزا کاظم جوان نے لالوجی لال کب کی مدد سے برج بھاکا سے اُردو نثر میں ترجمہ کیا- یہ دونوں صاحب فورٹ ولیم کالج کے ملازم تھے اور یہ ترجمہ اُردو کے محسن ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے کیا گیا تھا - مرزا کاظم جوان نے یہ ترجمہ سلیس اردو میں کیا ہے لیکن عبارت مقفیٰ ہے، اس لئے کہیں کہیں تکلف کرنا پڑا ہے، تاہم زبان صاف اور سلجھی ہے - بیچ میں کہیں کہیں مترجم نے اپنے اشعار سے بھی ترجمہ کے لطف کو بڑھانے کی کوشش کی ہے - اگرچہ جوان شاعری کا دعویٰ اور نثر لکھنے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں، لیکن اُن کی شاعری معمولی ہے اور اُس سے نثر میں کوئی حسن پیدا نہیں ہوا ہے—

تیسرا ترجمہ سید محمد تقی صاحب نے نظم میں کیا' جس کا نام "رشک گلزار" ہے اور جس کا حوالہ اس مثلوی کے دیباچے میں جناب دیا نرائن صاحب (نگم) نے بھی دیا ہے - "رشک گلزار" مثلوی کے طرز میں لکھی گئی ہے اور اس کا وہی رنگ ہے' جو فارسی یا اُردو کی دوسری عشقیہ مثلویوں کی ہے—

یہ چوتھا ترجمہ جو جناب اقبال ورما (سحر) صاحب ہتگامی نے کیا ہے' وہ بھی مثلوی ہی ہے اور "گلزار نسیم" کی بحر میں ہے- جس طرح "رشک گلزار" کے مصنف ہندی قصے کی اصلیت کو قائم نہیں رکھہ سکے' اسی طرح حضرت (سحر) بھی اس سے قاصر رہے ہیں- صرف طول و اختصار کا فرق ہے- مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت سحر) بہت پختہ کار شاعر ہیں اور فن شعر پر بھی قدرت حاصل ہے- اس مثلوی میں انہوں نے "گلزار نسیم" کا پورا تتبع کیا ہے اور اسی ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے' لیکن باوجود اس کے نہ کہیں تعقید ہے اور نہ زبان کے روز مرّے اور محاورے سے الگ ہوے ہیں- اگرچہ ضرورتاً ایک آدہ جگہ ایسے الفاظ استعمال کر گئے ہیں' جو وہ نثر میں خود نہ کرتے- ہمارے خیال میں اِس کا حق شاعر کو ضرور ہونا چاہئے- بعض بعض مقامات بہت خوبی سے لکھے ہیں - کہیں کہیں بیچ میں غزلیں بھی آگئی ہیں' جن سے حضرت سحر) کی خوش گوئی اور پختہ کلامی کا پتہ لگتا ہے - ہمیں اُمید ہے کہ اُن کی یہ سعی مقبول ہوگی —

غزال

(سر زمین ترکستان کی ایک دلاویز داستان - مرتبۂ ایم اسلم صاحب - نسیم بک ڈپو' بازار بارود خانہ لاہور سے (۱۰) آنے میں مل سکتی ہے)

یہ ایک بہت دلچسپ اور درد انگیز داستان ہے - قصہ اگرچہ ترکستان کا ہے' لیکن اِس میں ترکستان کی کچھہ زیادہ خصوصیات نہیں ہیں' تاہم انسانی فطرت کا اچھا اور دلچسپ مرقع ہے - یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ترجمہ ہے یا تصنیف - زبان بہت صاف اور اچھی ہے - البتہ کہیں کہیں محاورے میں لغزش ہوگئی ہے—

محشرِ خیال

(تالیف سجاد علی انصاری مرحوم بی-اے، ایل ایل-بی، (علیگ)-
شرکت ادبیہ، قرول باغ، دھلی-صفحات ۱۵۶، مجلد، قیمت قسم اول
تین روپے اور قسم دوم دو روپے ۸ آنے) —

یہ سجاد علی صاحب انصاری مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ہے، جسے خواجہ منظور حسین صاحب ایم-اے (علیگ) نے مرتب کیا ہے-افسوس ہے کہ نہ تو مرتب صاحب نے اور نہ ناظم شرکت نے مرحوم کے حالات لکھنے کی زحمت فرمائی، جو ہمارے خیال میں بہت ضروری تھے- صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور بارہ بنکی میں وکیل تھے اور قرینے سے یہ معلوم ہوتا کہ جوان موت مرے —

پہلا مضمون پڑھ کر ہمیں اُن کے طرز تحریر اور طرز بیان سے سوے ظن ہوا؛ الفاظ زیادہ، معنی کم، ترکیبوں میں تکلف، الفاظ میں پیچ و خم- لیکن جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، ہمارا سوے ظن حسن ظن سے بدل گیا- حقیقت یہ ہے کہ مرحوم بہت قابل انشا پرداز تھے، طبیعت میں جدت، خیال میں وسعت اور اُس کے بیان میں آزادی اور بے باکی نظر آتی ہے- وہ مقلد نہیں، مجتہد ہیں اور تقلید و ریا کے سخت دشمن- وہ زندہ دل اور حسن کے فدائی ہیں اور زہد خشک اور بے مزہ نیکی کو لطیف اور دلچسپ معاصی پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں- یہ مضامین بہت پرلطف ہیں، اور عام فرسودہ خیالات سے کسی قدر الگ ہیں، لیکن باوجود اس آزادی اور بے باکی کے پرانے خیالات اور تعصبات جو نا معلوم طور پر دلوں میں چھپے رہتے ہیں، کہیں کہیں عود کر آتے ہیں- آخر میں اُن کا نظم کا کلام دیا ہے- اس میں بعض غزلوں کے شعر بہت خوب ہیں، لیکن اُن کی نظم سے نثر کہیں بہتر ہے- یہ مضامین پڑھ کر اُن کی جوانمرگی پر (اگر ہمارا قیاس صحیح ہے تو) بہت افسوس ہوا- اگر کچھ عرصہ جیتے رہتے تو بہت نام پیدا کرتے- یہ مضامین بھی اُن کی ناموری کے لئے کچھ کم نہیں —

یوروپین شعرائے اردو -

(مولفۂ مولوی محمد سردار علی صاحب - سلسلۂ مطبوعات کتب خانہ مسجد چوک - صفحات ۲۸ قیمت ۸ آنے)

وہ یوروپین جو ایسٹ انڈیا کے زمانے میں آتے تھے، یا جو یہاں آباد ہو گئے تھے اور یہیں شادی بیاہ بھی کرلیے تھے، اُنھوں نے ہندوستان ہی کی طرز معاشرت اختیار کرلی تھی، اُسی طرح رہتے سہتے اور وہی ان کے مشاغل تھے، جو اُس وقت ہندوستانیوں کے تھے - ہندوستانی لباس، حقہ پینا، قالینوں پر گاوتکیوں سے لگ کر بیٹھنا، ناچ دیکھنا، مشاعرے کرنا وغیرہ وغیرہ - ان کی اولاد جو ہندوستان میں رہ گئی، وہ اپنی رنگ رلیوں میں ہندوستانیوں سے بھی بڑھ گئی - انھوں نے صرف ملک کی زبان ہی نہیں سیکھی، بلکہ شاعری بھی کرنے لگے - اس رسالے میں انہیں نیک بخت شاعروں کا ذکر اور اُن کے کلام کے نمونے ہیں - یہ چیز ہر لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے - یہ موقع نہیں ورنہ اس مضمون پر بہت پر لطف بحث ہوسکتی تھی - اگر چہ اِن شعرا کا ذکر مختلف تذکروں میں آتا ہے، مگر مولوی سردارعلی صاحب نے خوب کیا، جو جگہ جگہ سے ان کا حال جمع کر کے رسالے کی صورت میں شایع کر دیا —

آئین اردو

(مولفۂ مولوی محمد زین العابدین صاحب، فرجاد صفحات ۳۱۶ - نامی پریس میرٹھ - قیمت ایک روپیہ ۸ آنے)

یہ کتاب اردو صرف ونحو پر لکھی گئی ہے - قابل مولف نے بسم اللہ، "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" کی غلطیاں گنوانے سے کی ہے - دوسروں کو اُن کی غلطیوں سے آگاہ کرنا قابل تعریف کام ہے اور ہم اس کی داد دیتے ہیں - لیکن جب ہم نے کتاب پڑھنی شروع کی تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کے ماخذ یہی دونوں کتابیں ہیں، جن کی غلطیوں کو اُنھوں نے اپنی تالیف کا امتیازی نشان بنایا ہے - بعض جدید اصطلاحات اور بعض مقامات بجنسہ "قواعد اردو" سے ماخوذ ہیں - جس طرح غلطیوں کا جتانا قابل تعریف ہے - اسی طرح ماخذوں کا تسلیم کرنا بھی لائق تحسین ہوتا ہے

مگر جس طرح بعض طبائع اپنے محسنوں کا دیکھنا گوارا نہیں کرتیں ، اُسی طرح بعض مولف اپنے ماخذوں کا اظہار بھی پسند نہیں کرتے اور اُن کو بدنام کرنے یا مٹانے کی کوشش کرتے ہیں - اور شاید یہی وجہ ہے کہ قابل مؤلف نے سب سے پہلے اُنہیں پر ہاتھہ صاف کیا ہے' جن سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے —

قابل مؤلف نے بیان کیا ہے کہ "مصباح القواعد" کے مولف نے عربی قواعد کا تتبع کیا ہے اور "قواعد اردو" کے مؤلف نے اردو کو انگریزی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے - مگر مولف "آئین اردو" نے کورانہ تقلید سے کام نہیں لیا اور بہ لحاظ زبان اردو اس کے قواعد لکھے ہیں - لیکن یہ دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ ہم "مفعول مالم یسمّ فاعلہ" "مفضل" اور "مفضل علیہ" جیسی اصطلاحیں اس کتاب میں دیکھتے ہیں' یا جب (زیر) کی ایک قسم "کسرۂ اشباعی" بھی بتائی جاتی ہے اور اس کی یہ مثالیں دی جاتی ہیں' جن کا اُردو سے کچھہ تعلق نہیں : "بہ' النصرِ العراقِ' فی ھلالِ" یا واؤ کی ایک قسم واو "تمیزی" بھی قرار دی ہے اور اس کی مثال میں "صبرو" کا لفظ لکھا ہے - اس کے علاوہ نحو کا تقریباً تمام حصہ عربی قواعد کے تتبع میں لکھا گیا ہے اور زبان اردو کے متعلق کام کی باتیں بہت کم پائی جاتی ہیں—

علاوہ اس کے اردو زبان اور قواعد کے متعلق جا بجا غلطیاں نظر آتی ہیں - مثال کے طور پر چند لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے :

ہندی کے اُن حروف کے تحت میں' جو اُردو میں ہاے مخلوط کے ساتھہ لکھے جاتے ہیں' (جیسے بھ' پھ وغیرہ) یہ تحریر فرمایا ہے کہ : "عربی میں تو بالکل نہیں اور فارسی میں بہت ہی کم" - یہ صحیح نہیں ہے' فارسی میں مطلق نہیں آتے - مثال میں "زہ دھشت" لکھا ہے - یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے—

یہ جو لکھا ہے کہ گذرگاہ' گذشتہ' کو (ذ) سے لکھنا غلط ہے' (ز) سے لکھنا چاہئے' یہ بھی صحیح نہیں - ذ) قدیم فارسی میں آتا تھا' اب صرف چند لفظوں میں رہ گیا ہے- اس کو غلط کہنا درست نہیں ہے—

خانقاہ کے متعلق یہ کہنا کہ : "اب مقبرے کے معنی میں مستعمل ہے" درست نہیں ہے—

نون غنہ جب آخر میں آتا ہے تو اُس کے متعلق تو تحریر فرمایا ہے کہ بغیر نقطہ کے لکھا جاے' مگر جب درمیان میں آتا ہے تو اس کے متعلق کچھہ نہیں لکھا کہ صحیح اور غلط میں کیونکر امتیاز کیا جاے - اسی طرح واو کی مختلف آوازوں کے لئے بھی کوئی امتیازی نشان نہیں قرار دئے - اسی طور پر کیا (فعل) کیا (استفہامیہ) میں بھی امتیاز کے لئے کوئی نشان قرار نہیں دیا—

"ادغام" کی اصطلاح لکھ کر یہ تصریح فرمائی ہے کہ: " صرف عربی کے لئے خاص ہے' اُردو فارسی میں نہیں ہوتا " - پھر اِس کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر چہ ہم بھی مثل دوسری غیر ضروری اصطلاحوں کے اس اصطلاح کو "اردو قواعد" میں لکھنا غیر ضروری خیال کرتے ہیں - لیکن ادغام سے جو اُن کی مراد ہے وہ اردو اور خاصکر ہندی میں مستعمل ہے' مثلاً (نکتا)' وغیرہ - لیکن در اصل اس کا تعلق مرکبات سے ہے —

ہجوّں کے متعلق جس اعتراض کے رفع کرنے کی قابل مؤلف نے کوشش کی ہے' اُس کا وہ مقصد نہیں ہے' جو انہوں نے سمجھا ہے - اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بچوّں کو اِس طریقے سے پڑھانے سے غلط فہمی ہی نہیں پیدا ہوتی بلکہ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں - مثلاً [اب] کے ہجے کئے جاتے ہیں الف بے زبر' اب- حالانکہ اگر ہزار بار بھی (الف بے زبر) کو دُہرایا جائے تو بھی اب) نہیں بن سکتا - (اب) میں صرف دو آوازیں ہیں اور (الف بے زبر میں سات

جمع مؤنث میں لڑکیاں' بچیاں' تھالیاں' چڑیاں' چوھیاں' کتیاں وغیرہ فصیح اور عام زبان نہیں ہے - اور یہی حال ساروں اور ساریوں کا ہے —

جمع کے تحت میں یہ دو قاعدے بھی لکھے ہیں:

" بعض مذکر اور مؤنث نام ایسے ہیں کہ اُردو میں اُن کے لئے جمع نہیں ہوتی - جیسے سونا' روپیہ' دھول' چاندی' سونا' مٹی' لوہا' تانبا وغیرہ " —

لیکن جب مٹی کی مختلف قسمیں ہونگی تو اس وقت اس کی جمع جائز ہوگی - اس طرح بعض دھاتوں کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے —

دوسرا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ :

" فارسی اور عربی الفاظ مستعملہ بھی ایسے ہیں کہ جن کی جمع اردو قاعدوں کے بموجب اردو میں نہیں بولتے جیسے دریا' خطر' حرف' لفظ' شام' گروہ' لشکر' انہار' بازار' وغیرہ"—

مگر اس کے نیچے ہی یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ:

"اِن دونوں صورتوں میں بعض اسماء کی جمع واو اور نون غنہ سے آتی ہے - جیسے دریاؤں' لفظوں' گروھوں' لشکروں وغیرہ "

ایسی حالت میں یہ قاعدہ' قاعدہ کہاں رہا - اگر اس قاعدے کا یہ مطلب ہے کہ فاعلی حالت میں ان کی جمع نہیں آتی تو تمام ایسے اردو ہندی الفاظ کی یہی صورت ہوتی ہے' جن کے آخر میں علامت تذکیر یا تانیث نہیں ہوتی - علاوہ اس کے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس قاعدے میں " دونوں صورتوں " سے کیا مطلب ہے —

اسی بیان میں وہ ایک جگہ (ص: ۵۴) ایک عجیب و غریب قاعدہ تحریر

فرماتے ہیں، جو یہ ہے :

" بعض مختلف فیہ یعنے ایسے اسم کہ اُن کو مذکر بھی بولاجاتا ہے اور مؤنث بھی ، اُن کی جمع اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے بنائی جاے تو مونث بولیں‌گے، جیسے: میری قلمیں کون لے گیا - اس شورے کی قلمیں باریک اور چمکدار ہیں - اس کے کھیت کی ڈول پر بہت کیکریں کھڑی ہیں - اور جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے، جیسے قلموں کے بنڈل - کیکروں کے جھنڈ " —

اس قاعدے کو پڑہ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اوّل تو یہ کہنا ہی محض فضول اور ایک طرح سے غلط ہے کہ اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے جمع بنائی‌جاے تو مؤنث بولیں گے ... کیونکہ ایسے الفاظ میں مؤنث کی جمع یاے مجہول اور نون غنہ ہی سے بنائی جاتی ہے - مگر اس قاعدے کے دوسرے جز میں تو فاضل مؤلف نے کمال ہی کردیا ہے -فرماتے ہیں کہ" جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے" یہ سراسر غلط ہے - واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں- لفظ مذکر ہو یا مؤنث، جب وہ حالت اضافی ، مفعولی ، ظرفی وغیرہ میں بصورت جمع آئے گا تو اُس کے آخر میں واو اور نون ضرور ہوگا - جیسے: گاؤں میں، درختوں پر، مکانوں میں ، خیموں کے نیچے، لڑکوں کے پاس، لڑکیوں کے ہاتھہ میں، چھتوں کے اوپر وغیرہ وغیرہ - اس میں سب سے عجیب بات جو قابل مؤلف نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ: " میری قلمیں کون لے گیا" اس میں تو قلم مؤنث ہے اور " قلموں کے بنڈل" میں مذکر ہے- حالانکہ یہ ایک ایسی صریح اور صاف بات ہے کہ ایک بچہ بھی بتادےگا کہ اس مثال میں "کے" (علامت مذکر) بنڈل کے لیے ہے جو مذکر ہے، نہ کہ قلموں کے لئے- اسی طرح " کیکروں کے جھنڈ" میں جھنڈ مذکر ہے، اور اس لئے "کے" مذکر آیا ہے - قلموں اور کیکروں کی تانیث اور تذکیر کا اثر حرف اضافت پر نہیں پڑسکتا - کیونکہ اردو میں حروف اضافت وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مضاف کے تابع ہوتے ہیں- اگرچہ اس کی مطلق ضرورت نہیں، تاہم صاف طور سے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم بجاے قلم اور کیکر ایسے دو دو لفظ لیتے ہیں، جس کی تانیث اور تذکیر متفق علیہ ہے - مثلاً لکڑی اور کھڑا، بیری اور درخت، اور اب ان کو بجاے قلم اور کیکر کے استعمال کرکے دیکھتے ہیں - اِن کی صورت یہ ہوگی:

لکڑیوں کے بنڈل　　کھڑوں کے بنڈل
بیریوں کے جھنڈ　　درختوں کے جھنڈ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں —

ضمیر کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: "ہر طرح کی ضمیر واحد کا استعمال اکثر

حقارت یا محبت کے لئے کہا جاتا ہے' ورنہ ضمیر جمع بجائے واحد کے استعمال کی جاتی ہے اور اس سے عزت و عظمت مقصود ہوتی ہے' جیسے میں جاتا ہوں - تو جاتا ہے۔ وہ جاتا ہے' کی جگہ یوں کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں - تم جاتے ہو - وہ جاتے ہیں"—

بات یہ ہے کہ غائب کے لئے واحد اور جمع میں ضمیر کی صورت ایک ہی ہے' جمع اور واحد کا امتیاز فعل سے ہوتا ہے - حاضر کے متعلق بھی قاعدہ صحیح ہے' لیکن متکلم کے متعلق صریحاً غلط ہے "میں" کی بجائے' سوائے خاص صورتوں کے' "ہم" کا استعمال محض بد تمیزی ہے اور بجائے "عزت و عظمت" کے تکبر اور نخوت کا اظہار ہوتا ہے —

اسی بیان میں "آپ" حاضر کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "لفظ آپ کے لئے فعل یا صفت کا صیغہ جمع برتا جاتا ہے" - فعل کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے' لیکن صفت کے لئے یہ قاعدہ نہیں - صرف اردو ہندی (یا چند عربی' فارسی کے لفظ جو اردو ہوتے ہیں کے ایسی صفات جن کے آخر میں علامت تذکیر (الف یا ہ) ہوتی ہے' جمع میں ے مجہول سے بدل جاتے ہیں' ورنہ باقی الفاظ خواہ ہندی ہوں یا فارسی' عربی یا کسی دوسری زبان کے' واحد اور جمع میں یک ساں رہتے ہیں اور تانیث میں تو اِس قدر تبدیلی بھی نہیں ہوتی - اس میں تو ان الفاظ کی صورت بھی واحد اور جمع میں ایک ہی سی رہتی ہے - آپ بہت اچھے ہوں - آپ بڑے عالم ہیں - آپ بہت ہوشیار ہیں - آپ بہت اچھی ہیں - آپ بہت خوبصورت ہیں وغیرہ:—

اِسی کے متعلق دوسرا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ "فعل یا صفت کا جمع لانا اسی وقت ہوتا ہے' جب کہ لفظ آپ حالت فاعلی میں ہو' دوسری حالتوں میں جمع نہیں لاتے جیسے: آپ کو کس نے دھمکا دیا" - وغیرہ - یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں ہے - آپ نے کھانا کھایا - یہاں آپ فاعل ہے مگر فعل واحد ہے - اصل یہ ہے کہ یہ قاعدہ صرف فعل لازم کے ساتھ ہوتا ہے —

یہ چند موٹی موٹی مثالیں غلطیوں کی ہم نے صرف شروع کے پچاس ساٹھ صفحے دیکھنے کے بعد لکھ دی ہیں - اگر پوری کتاب پر اس طرح تبصرہ کیا جائے تو ایک دوسری کتاب ہو جائے گی - نحو پر قابل مؤلف نے صرف پچاس صفحے لکھے ہیں اور سوائے دو ایک باتوں کے جو "قواعد اردو" سے ماخوذ ہیں باقی عربی یا مروجہ فارسی قواعد کی نقل ہے - اردو زبان سے اسے بہت کم تعلق ہے - مثلاً مرکب امتزاجی کا جہاں بیان کیا ہے' وہاں صرف چند مثالیں عربی ناموں اور فارسی ہندی لفظوں کی دیدی ہیں اور پانچ چار سطروں میں سارا بیان ختم کر دیا ہے - حالانکہ یہ اردو اور ہندی زبانوں کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس پر بہت بحث کی گنجائش تھی- مگر چونکہ مرکب امتزاجی ایک ایسی چیز ہے جس کا عربی میں سوائے گنتی کے

چند سماعی الفاظ کے) کوئی قاعدہ نہیں' اس لئے اردو کی نحو کو بھی اس سے محروم رہنا پڑا —

اِن غلطیوں کے جتانے سے ہمارا مقصد خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ ہم قابل مولف کی تالیف کی قدر نہیں کرتے' بلکہ ہم ان کی محنت ' تلاش اور قابلیت کی دل سے تعریف کرتے ہیں مگر چونکہ انہوں نے "آئین اردو" کی تالیف کی خاص وجہ یہ بتائی ہے کہ "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" میں بہت سی غلطیاں ہیں اس لئے ہم نے سر سری طور پر چند غلطیاں پیش کردی ہیں' تا کہ فاضل مولف کو معلوم رہے کہ لغزشوں کا صادرہونا اُن سے بھی ممکن ہے - اور اس جسارت کی اُن سے معافی چاہتے ہیں

کتاب کے سر ورق پر جلی قلم سے یہ بھی تحریر ہے:

"مصدقہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی عظیم دارالمصنفین اعظم گڈھ" اور قابل مولف کا یہ لکھنا بجا بھی ہے' کیونکہ سر ورق کی پشت پر اِس سے بھی جلی قلم میں حضرت علامہ موصوف کا نامۂ صداقت بھی منقول ہے' جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ماہ رمضان کی فرصت میں آپ کی پوری کتاب "آئین اُردو" دیکھی' مجھے تو کہیں حرف رکھنے کی جگہ ملی نہیں....."

فارسی

—— : o : ——

میخانہ

(تالیف ملا عبدالنبی' فخرالزمانی قزوینی' مرتبۂ جناب ڈاکٹر محمد شفیع ایم - اے' بی ایچ - ڈی' پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کالج)

——

آج سے نہیں' ہمیشہ سے ہندوستان مرجع اہل جہاں اور اہل کمال رہا ہے- اس کی دولت' اس کی فراوانی' اس کی رواداری غیروں کو اپنی طرف کھینچتی اور اپنا بناتی رہی ہے - جس طرح سترھویں صدی کے بعد سے اہل یورپ اس ملک میں ٹوٹ پڑے' اسی طرح مغلیہ سلطنت کے زمانے میں' اہل ایران جب رخ کرتے تو اِدھر ہی

رہ کرتے تھے - سلطانوں اور حکومتیں اُن کی بھی تھیں، مگر یہ لطف کہیں نہ تھا - چلے تو معمولی آدمی تھے، یہاں پہنچے تو کچھ سے کچھ ہو گئے - اس میں شک نہیں کہ اُن کا اثر ملک والوں پر پڑا، مگر وہ بھی یہاں کے اثر سے خالی نہ رہے - مجملہ اور باکمالوں کے ایک شاعر تھے - ایران سے چلے تو ذوق سخن ساتھ تھا، لیکن یہاں رہ کر اُن کی شاعری کا رنگ ہی اور ہو گیا - چنانچہ ہندوستان کی ایرانی شاعری ایک خاص حیثیت رکھتی ہے - ملا عبدالنبی قزوینی بھی انہیں لوگوں میں سے ہے، جنھیں ہندوستان کا شوق یہاں کھینچ لایا تھا - یہ سنہ ۱۰۱۷ میں یہاں پہنچا اور یہیں سپرد خاک ہوا —

مے خانہ، اسی کی تالیف ہے - یہ ایک قسم کی بیاض ہے - بیاضیں تو سیلکڑوں لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بیاض خاص ندرت اور اہمیت رکھتی ہے - اس میں مؤلف نے ۷۱ شعرا کے ساقی نامے جمع کئے ہیں اور ساتھ ساتھ اُن کے حالات بھی معتبر ماخذوں سے، یا اپنے علم سے، یا اُن شعرا کے احباب و اقربا سے دریافت کر کے لکھے ہیں - کتاب کے تین حصے ہیں - پہلے حصے میں ۲۶ شعرا ہیں، جو ختم تالیف میخانہ سے پہلے فوت ہو چکے تھے - دوسرے حصے میں ۲۰ شاعر ہیں اور تیسرے میں ۲۵ - جن شعرا کے ساقی نامے نہیں تھے، یا نہیں ملے، اُن کا کچھ دوسرا کلام نقل کر دیا ہے - حصۂ سوم میں خاص کر ایسے ہی شاعر ہیں - غرض اس طرح مولف نے ۳۲ کامل ساقی نامے، پانچ ترکیب بند یا ترجیع بند اور پانچ ساقی ناموں کے اقتباسات اور ان کے علاوہ ہزارہا متفرق اشعار اس کتاب میں درج کر دئے ہیں - مولف کی اس سعی کی بدولت فارسی شعرا کے ہزارہا اشعار محفوظ ہو گئے ہیں اور بعض ساقی نامے اور حالات تو ایسے ہیں کہ کہیں اور نہیں ملتے - کتاب لطف سخن اور صحت و اعتبار کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے —

اصل کتاب کے ۵۸۰ صفحے ہیں - اس کے علاوہ فاضل مرتب کا دیباچہ، حواشی اور فہرستیں الگ ہیں - کل ملا کے ۷۸۵ صفحے ہوتے ہیں —

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - اس کا ایک نسخہ تو ڈاکٹر صاحب کے اپنے کتب خانے میں ہے اور دوسرا ریاست رام پور کے مشہور کتاب خانے میں - اِن دو کے سوا تیسرے نسخے کا پتا اب تک کہیں نہیں چلا —

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کی ترتیب و تصحیح میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے - اُن کی محنت اور ذوق کا پتہ کتاب کے ہر صفحے سے اور خاص کر حواشی سے ملتا ہے - جو حضرات فارسی کلام کا ذوق رکھتے ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب بڑی نعمت ہے اور ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں کہ اُن کی توجہ اور سعی سے یہ کتاب گم نامی سے نکل کر عام طور پر شایع ہو گئی ہے —

بزم ایران

(تالیف جناب آیۃاللہ زادہ یزدی، آقائے حاجی سید محمد رضا طبا طبائی
صفحات ۵۴۴ قیمت مجلد سات روپے، غیر مجلد چھ روپے)
ملنے کا پتہ :- آقا میرزا محمد علی کشمیری - ریاست رامپور

اس کتاب میں فاضل مؤلف نے ادبی دل چسپی اور تفریح کا نہایت عمدہ سامان جمع کیا ہے - کتاب کے تین باب ہیں - پہلے باب میں مختلف طبقات کے لوگوں مثلاً شعرا وحکما، علماء، اولیا وغیرہ کی حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی کے لطیفے ہیں، جن کی تعداد ۶۰۹ ہے - یہ اکیلا باب ۳۷۴ صفحوں پر ہے - دوسرے باب میں چار مقالے ہیں - پہلا مقالہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر ہے، جو ایک جرمن مورخ موسیو ماربین کے مضمون کا ترجمہ ہے - باقی تین مقالے سید جمال الدین افغانی مرحوم کے ہیں، ایک تعلیم وتربیت کے باب میں، دوسرا مذہب کے متعلق اور تیسرا مذہب اسلام کے فضائل میں - اس کے بعد چند صفحات میں حضرت علی علیہ السلام کے کلیات حکمت آمیز درج ہیں - تیسرے باب میں مختلف مضامین کے اشعار ہیں، جن کی لطیفہ گوئی بزم آرائی اور مضمون نویسی کے وقت ضرورت پڑتی ہے - اس میں خواجہ حافظ، شیخ سعدی، خیام اور مولانا روم جیسے مشہور و معروف شعرا کے اشعار، جو عام طور پر زبان زد ہیں اور جن کے کلام تک آسانی سے دسترس ہوسکتی ہے، درج نہیں کئے، بلکہ زیادہ تر ایسے شعرا کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے، جو عام طور پر معروف نہیں ہیں، یا جن کا کلام زیادہ مروج نہیں، یا آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا - اس باب میں پندرہ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں —

افسوس ہے کہ ہمارے علم ادب میں اور خاص کر فارسی زبان میں، فحش بھی داخل لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی ہوگیا ہے - چنانچہ بعض حکایات اور لطیفے اس قسم کے بھی اس کتاب میں پائے جاتے ہیں - مناسب تو تھا کہ اس قسم کے لطیفے کتاب میں داخل نہ کئے جاتے —

قابل مؤلف نے بڑی محنت اور جانفشانی اور مدت کے بعد یہ جواہر ریزے جمع کئے ہیں، جو صرف تفریح ہی کا سامان نہیں، بلکہ اس سے ذوق ادب پر بھی اثر پڑتا ہے - جو لوگ فارسی زبان جانتے ہیں، یا فارسی زبان کا ذوق رکھتے ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب بہت پر لطف ثابت ہوگی —

شروع میں ایک دیباچہ ہے، جس میں حضرت مؤلف نے اپنے ہندوستان میں وارد

ہونے اور ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور کی مربیانہ عنایات و مراحم کی وجہ سے رام پور کے قیام، ریاست رام پور کا حال اور فرصت کے وقت مطالعۂ کتب کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ایک مختصر مقدمہ ہے، جس میں ادب اور حسن کلام کی خوبیوں کا بیان ہے —

کتاب اعلیٰ کاغذ پر بہت اچھی چھپی ہے —

فارسی مصادر

[A Readable Collection of Persian Infinitives

[مؤلفہ فضل الدین صاحب فیاض بی۔ اے، فارسی پروفیسر
امبالہ کالج قیمت دس آنے]

اس رسالے میں فارسی مصادر (مفرد اور مرکب) بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے گئے ہیں اور اُن کے بالمقابل اُن کا انگریزی ترجمہ بھی درج ہے —

متفرق

معتزلہ

[تالیف مولانا محمد عبدالحلیم شرر - دلگداز پریس لکھنؤ -
صفحات ۹۲ - قیمت بارہ آنے -]

مولانا شرر کی (جنھوں اِس وقت مرحوم لکھتے ہوئے شاق گزرتا ہے) غالباً یہ آخری کتاب ہے، جو اُن کی حیات ہی میں شایع ہوگئی تھی۔ یہ ایک مضمون ہے، جو مولانا مرحوم نے مسلم اکیڈیمی لکھنؤ میں پیش کیا تھا - مولانا کی نظر تاریخ اسلام میں بہت وسیع تھی - اس رسالے میں انھوں نے معتزلہ، اُن کی ابتدا اور اُن کے عروج و زوال کا حال بیان کیا ہے - اُمید ہے کہ جو صاحب مولانا کی تصانیف کے قدرداں ہیں وہ اسے ضرور پڑھیں گے - اُردو میں معتزلہ کے متعلق اِس قدر حالات کہیں نہیں ملیں گے —

نظام قواعد

(عربی الف - بے، مولفۂ مولوی علی احمد صاحب (خبر) مدرس حاجی گنج پٹنہ - قیمت ۱ آنہ)

یہ مبتدیوں کے لئے عربی الف بے کا قاعدہ ہے، جس کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم کو سہل کرنے کی کوشش کی گئی ہے - ہمیں اس قاعدے میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی، جس سے اِسے دوسرے قاعدوں پر جو حال ہی میں اس غرض سے لکھے گئے ہیں، کوئی فضیلت ہو—

اُردو کے جدید رسالے

خیابان

یہ نیا رسالہ لکھنؤ سے شایع ہوا ہے - اس کے اڈیٹر جناب شہنشاہ حسین رضوی صاحب ایم - اے، ایل ایل - بی (علیگ)، ایم - آر - اے - ایس ہیں—

رسالے کے مقاصد یہ بیان کئے گئے ہیں :

"سلف الصالحین کے علمی کارناموں کا احیا، اُردو میں علوم مغربیہ و مشرقیہ کی ترویج، باقیات الصالحات کی علمی تحقیقات کی اشاعت، دوسری زبانوں کے علمی تراجم و اقتباسات، مطبوعات جدیدہ پر تنقید و تبصرہ" —

ہمیں اِس رسالے کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ترتیب اور مضامین کے لحاظ سے فی الحقیقت قابل تعریف ہے - لکھنے والے بھی جناب عبدالحہ یوسف علی صاحب، پروفیسر حبیب صاحب، پروفیسر اقبال بہادر سکسینہ، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی وغیرہ جیسے قابل اور فاضل لوگ ملے ہیں - مضامین ادبی اور علمی اعتبار سے بہت خوب ہیں اور رسالہ اپنے مقاصد میں کامیاب معلوم ہوتا ہے - لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے —

زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ لکھنؤ سے ایک ایسا اچھا رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے - قیمت سالانہ چھ روپے—

عفت

یہ ماہانہ رسالہ عورتوں کی اصلاح و فلاح کی غرض سے گورگانواں (ڈاک خانہ کھکول-پٹنہ) سے شایع ہوا ہے - صالحہ خاتون صاحبہ اس کی اڈیٹر ہیں - بہار کا غالباً یہ پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کے ساتھہ نکلا ہے - مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقصد اس کے پیش نظر ہے، اس میں ضرور کامیاب ہوگا - لکھنے والوں میں بھی زیادہ تعداد خواتین کی ہے - ایسی مجلسیں اور انجمنیں، اخبار اور رسالے جن کی غرض تعلیم و اصلاح نسواں ہے، اُن میں جب تک عورتوں خود شریک نہ ہوں گی اور خود اُن کے فرائض کو انجام نہ دیں گی، کبھی کامیابی نہ ہوگی - اس رسالے کے چلنے اور کامیابی کی توقع اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی کارپرداز اور لکھنے والی زیادہ تر عورتیں ہیں—

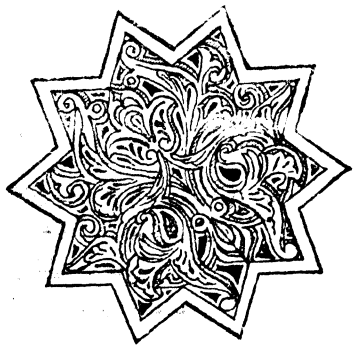

مولانا محمد عبدالحلیم شرر مرحوم

.....x.....

یہ رسالہ زیر طبع تھا اور تقریباً سب چھپ چکا تھا کہ مولانا محمد عبدالحلیم شرر کے انتقال کی خبر پہنچی - یہ ایک قومی حادثہ ہے- مولانا نے تمام علم و ادب کی خدمت کی اور آخر وقت تک اسی خدمت میں مصروف رہے - اردو زبان پر اُن کا بہت بڑا احسان ہے - افسوس کہ ہم میں سے ایک ایسا جامع اور وسیع‌النظر شخص اُٹھ گیا ہے جس کا اِس وقت کوئی بدل موجود نہیں - اُن کی ذات سے اہل ملک اور زبان کو جو جو فائدے پہنچے ہیں وہ محتاج بیان نہیں - ایسے بےبدل لوگ ہمارے ملک میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور اِس لئے اُن کی ناگہانی وفات سے جو صدمہ اور قلق اُن کے قدردانوں کو ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے - ہم آیندہ اُردو کے کسی نمبر میں اُن کے حالات اور تصانیف پر مستقل مضمون لکھیں گے —

ادیٹر -

مثنوی خواب و خیال

خواجه میر اثر [برادر خورد خواجه درد] کی نایاب مثنوی خواب و خیال بڑی تلاش اور کوشش سے بہم پہنچائی گئی اور اب چھپ کر تیار ہوگئی ہے - مجلد قیمت ڈیڑھ روپئہ —

قواعد اُردو

[مولفہ جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو]

بار دوم اصلاح وترمیم کے بعد مع اضافہ کے چھاپی گئی ہے- دوباب رموز اوقاف اور عروض پر اور اضافہ کئے گئے ہیں قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے - غیر مجلد دو روپے —

اُردو کے چندے میں رعایت

:G:

بعض شایقین اور طلبہ کی خواہش پر ہم نے 'اُردو' کے چندے میں ایک روپیہ کی کمی کردی ہے- یعنی سالانہ چندہ سات روپے کلدار یا آٹھہ روپیہ حالی ہونگے جس میں رجسٹری' محصول و ڈاک صرفہ بندش وغیرہ شامل ہیں —

اڈیٹر

فہرستِ مضامین

جلد ششم — بابتہ سنہ ۱۹۲۶ ع

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	ادبی بت چیت ۲ - روس	جناب شاهد سهروردي صاحب	۳۰۳
۲	ادبی بات چیت ۳ - روس	ایضاً	۴۵۷
۳	اردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ —	جناب مولوي مسعود حسن رضوي صاحب ایم - اے، لکچرار لکھنو یونیورسٹی	۳۶۵
۴	احساس شباب (نظم)	جناب غلام مایب صاحب بی - اے، بی - ٹی اورنگ آباد کالج	۴۵۱
۵	بادۂ کہن (میر اثر)	ایڈیٹر	۳۱۷
۶	بادۂ کہن (سوز، آشفتہ، میر اثر) —	ایڈیٹر	۵۳۳
۷	بادۂ کہن (میر حسن) (نظم)	ایڈیٹر	۶۶۷
۸	بجنوری مرحوم کی وفات پر (نظم)	جناب مولوی سید هاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد	۶۴۳
۹	پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا متی (نظم)	جناب مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی - اے،	۴۲۹

تبصرے

ادب

گذشتہ پانچ سال پر ایک نظر	۱۵۹ تا ۱۹۲
جلال الدین خوارزم شاہ	
شعرالہند	
کلیات اقبال	
فوائد رضیہ	
پردۂ غفلت	۳۲۷ تا ۳۴۲
نقادی کے نکتے	
خرقۂ امجد	
نغمہ	
قریۂ ویران	
ہملیٹ (شکس پیر کا ناٹک)	
نشاط روح	
روح تنقید	
شمیم	
سالومی	
اردوئے قدیم	۵۴۱ تا ۵۴۴
نقش ارژنگ	
انقلاب فرانس	
مجموعۂ قصائد سومن	
ترویج زبان اُردو	
چمن	
باغ فردوس	
مراۃ الشعر	۶۸۷ تا ۶۹۵
شعرالہند (حصۂ دوم)	
براؤ ننگ	
اقبال	
صبح وطن	
معاکمۂ قطعات ابن یمین و سعدی معہ سوانح ابن یمین	
مرزا عبدالرحیم خانخاناں کی دوہاولی	
عقوبت گناہ	
اصلاح سخن	

تاریخ

مآثر دکن — ۱۹۲ تا ۳۲۱
جشن جبلی علی گڈھ کالج اور اس کی علمی و ادبی کانفرنس

وقار حیات — ۳۴۳ تا ۳۵۵
مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والا جاہی
تاریخ زوال روما
بشیر پاشا سیریز
تاریخ دریا باد
سراج منیر

بدھ اور اُس کامت یادِ ایام (اعنی) — ۷۰۱ تا ۷۰۲
تاریخ گجرات

متفرق

التحفۃ الحجازیہ — ۳۵۵ تا ۳۵۸
موجودہ لندن کے اسرار
مطالبہ فطرت
کتاب صحت ثبات

مطلع الانوار — ۵۴۹ تا ۵۵۰
تاریخ الاسماء
فلسفیانہ مضامین

مذاکرات (سال اول) — ۷۰۴ تا ۷۱۴
نظریۂ اضافیت
زراعت علمی
فن پولٹری فارمنگ
عربی طب پر ایک لیکچر
خطبہ صدارت
رپورٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بابت سنہ ۱۹۲۵ ء
نقشہ مقامات مقدسہ و عالم اسلام

رسالے

سہیل — ۳۶۰ تا ۳۶۳
انتخاب
پریم
نظارہ
خوش خبر
طالب علم
انوار القدس

(۱) تبلیغ نسوان — ۵۵۲ تا ۵۵۵
(۲) حرم
(۳) معین نسوان
(۱) مرقع لکھنو (۲) نظام کالج اردو میگزین (۳) یاران قدیم
(۴) طالب علم
(۵) پیام تعلیم (۶) الہادی
(۷) الاصلاح (برلن)
(۸) دلگداز

آفتاب	
ادبستان	
تحفه	
زبان	۵۷۱ تا ۷۱۸
کائنات	
مرقع ادب	
مصلح	
تجارت	

تعلیم

معلومات	۵۴۵ تا ۵۴۶
بہشتی جھومر	
تاریخ ریاست جموں و کشمیر	
فن تعلیم اور طریقہ تعلیم کی کتاب	
التربیۃ الاستقالیہ	۶۹۷ تا ۷۰۰
فطرت اطفال	
تمرینات النحو	

مذہب

خطبات مدارس	۷۰۲
خورشید صداقت	۷۰۳

—*0*—

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱۱	تجدد ادبی ایران	جناب مولوی سید وہاج الدین صاحب بی-اے، بی-ٹی، اورنگ آباد کالج	۲۰۳
۱۲	تنقید شعرالعجم	جناب مولانا حافظ محمود خاں شیرانی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور	۱
۱۳	ایضاً	ایضاً	۵۵۹
۱۴	حسن مشتہر (نظم)	جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد	۹۱
۱۵	داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی (سید انشاالله خاں)	ایڈیٹر	۲۶۷
۱۶	دیس کہانی (نظم)	جناب مولوی غلام طیب صاحب بی-اے، بی-ٹی، اورنگ آباد کالج	۴۷
۱۷	ذوق کی غزل گوئی پر تبصرہ	.....	۱۱۸
۱۸	ذکر میر	ایڈیٹر	۱۱۹
۱۹	روپ چالیسا (نظم)	جناب پنڈت برج موہن صاحب دتاتریہ کیفی	۴۴۷
۲۰	زورق مہتاب	جناب حامد علی خاں صاحب کرم آباد، وزیرآباد	۳۱۵
۲۱	شام (نظم)	جناب مولوی غلام طیب صاحب بی-اے، بی-ٹی، اورنگ آباد کالج	۲۶۳
۲۲	کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری کا اُردو ترجمہ	.....	۴۷۹
۲۳	کیا کتب خانۂ اسکندریہ عربوں نے جلایا؟	جناب سید حسن صاحب (ہرنی) بی-اے، ایل-ایل-بی،	۶۴۵
۲۴	مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا (نظم)	جناب مولوی عظمت الله خاں صاحب بی-اے	۴۱۳

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۲۵	مرزا جی کا حقہ (ایک گیت)	جناب مولوی عظمت اللہ خاں صاحب بی۔اے	۲۹۹
۲۶	مرہٹی ڈراما	مسٹر ٹی۔ بی کاست بی۔اے، بی۔ٹی مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی (حیدرآباد)	۵۷
۲۷	مطبع منشی نولکشور	جناب محمد یحییٰ صاحب تنہا بی۔اے، ایل۔ایل۔بی، غازی آباد	۹۳
۲۸	معلم الملکوت (نظم)	جناب ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب بجنوری مرحوم	۴۷۵
۲۹	مقدمہ مثنوی خواب و خیال	ایڈیٹر	۶۶۷
۳۰	نواب عماد الملک، سید حسین (بلگرامی)	جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد	۵۱۹
۳۱	نوبل انعام	ایڈیٹر	۴۳۵
۳۲	نوید شباب (نظم)	مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی	۴۵۴
۳۳	یاد نشاط (نظم)	جناب مولوی غلام طیب صاحب بی۔اے بی۔ٹی، اورنگ آباد کالج	۶۶۳

مطبوعات انجمن

جاپان اوراس کا تعلیمی نظم و نسق

سر کار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب وغریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ جو ہمارے اہل وطن کے لیے بہت سبق آموز ہے۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے۔ جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا — یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار —

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقاد انہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ کلدار —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار — مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوز الاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار - مجلد ایک روپیہ کلدار —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں ان سب کو جمع کردیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشرح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار - مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ھیں۔کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ھے۔قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

مشاھیر یونان و رومہ

ترجمہ ھے۔سیرت نگاری اورانشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ھزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ھے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ھے۔وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ھر ایک صفحہ معمور ھے۔قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ھے۔اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ھر ایک ضروری مسئلہ درج ھے۔قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار۔ حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار—

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمدالیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ھے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ھے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ھے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ھیں۔اشتراکیت کا باب قابل دید ھے (حجم ۸۸۵صفحے)قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔تحقیق وصداقت کا مرادف ھے۔ یہ کتاب کئی ھزار برس کے تمدن معاشرت — اصول — اخلاق — مذاھب و خیالات کا مرقع ھے۔حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار۔ حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ھے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔اس کا نقطۂ خیال خالصاً ھندوستانی ھے۔ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ھیں اس کتاب کو انتہادرجہ مفید پائیں گے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ھے۔مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ھے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ھے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ھوا - پانی - غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ کلدار —

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے - بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذھبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشاپرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی - مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے

مشقتات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں۔ اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں۔ اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے - خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے - علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے - جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے - یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے - صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃ الارا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام، سلطنت کلدانی، آشوری، بابل - بنی اسرائیل وفنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت وحرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لیے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لیے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۷۴ قیمت مجلد دو روپیہ ۶ (چھ) آنہ کلدار —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی - اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے، کہاں سے آتی ہے، کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لیے بڑی مفید ہے - قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

Ag[illegible]

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں:—
(کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

سیرۃ النبی حصۂ اول	۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم	۶ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ
علم الکلام	۲ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ
کلیات شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
انقلاب الامم	۲ روپیہ
برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع	۲ روپیہ
ابن رشد	۴ روپیہ
گل رعنا	۵ روپیہ
سیرالانصار	۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند مجلد	۵ روپیہ
شعرالہند غیر مجلد	۴ روپیہ

(مطبع کاویانی - برلن)

زادالمسافرین (فارسی)	۸ روپیہ
گلستان فارسی	۲ روپیہ
تیاتر (فارسی)	۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)	۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی)	۱ روپیہ
رہنمائے پسراں (فارسی)	۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی)	۱ روپیہ
ہزار ویک سخن (فارسی)	۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دلی)

الخلافت الکبریٰ	۵ روپیہ
الصراط المستقیم	۲ روپیہ
بصائر	۶ آنہ
سیرۃ الرسول	۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ	۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ	۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ	۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد	۲ روپیہ
مبادی معاشیات	۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب)	۱ روپیہ
قواعد عربی	۲ روپیہ
عرض جوہر	۸ آنہ
مجموعہ کلام جوہر	۶ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنہ
ازہارالعرب (عربی)	۸ آنہ

انتخاب مضامین جوهر ۱ روپیه
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنه
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنه
خطبۂ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنه
ہمارے نبی ۸ آنه
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیه
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنه

(نظامی پریس - بدایون)

قاموس المشاهیر جلد اول ۶ روپیه
نکات غالب مجلد ۱ روپیه
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیه ۸ آنه
دیوان جان صاحب مجلد تیرہ روپیه
دیوان درد ۱ روپیه ۴ آنه
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیه ۸ آنه
خطوط سرسید قسم اول ۳ روپیه
خطوط سرسید قسم دوم ۲ روپیه
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیه ۸ آنه
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیه
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیه
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیه قسم دوم ۴ روپیه
تذکرۃ الصلحا ۸ آنه
کنزالتاریخ ۱ روپیه ۸ آنه
قصائد ذوق ۳ روپیه

(دائرۂ ادبیه - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیه
مکاتیب اسیر مینائی ۲ روپیه ۸ آنه
مکاتیب اکبر ۱ روپیه
مینائے سخن ۱ روپیه
حزن اختر ۸ آنه
درس عمل ۴ آنه
خواتین انگورہ ۱ روپیه
بیگمات بنگال ۶ آنه
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنه
مشرقی ترکستان ۶ آنه
سیاحت زمین ۱ روپیه
سیاحت ہوا ۱ روپیه

الناظر پریس - لکھنؤ

فلسفیانه مضامین عبدالماجد صاحب ۱ روپیه ۸ آنه
تاریخ عرب مجلد ۷ روپیه
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد ۳ روپیه
مقدمۂ شعر شاعری ۱ روپیه ۴ آنه
اصول النسخ ۶ آنه
مسلمانان اندلس ۱ روپیه
اسرار رنگون ۱ روپیه
ہوم رول ۵ آنه
خوان دعوت ۱ روپیه
مصنوعی شوہر ۲ آنه
و کرم اروسی ۱ روپیه ۸ آنه
مسلمانوں کی تہذیب ۶ آنه
الاحسان ۸ آنه
ارض نہریں ۴ آنه
تذکرۂ حزیں ۴ آنه
حیات نظامی ۴ آنه
خطاب ۴ آنه

میلاد نبوی	۴ آنہ
تصویر درد	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
فریاد اُمت	۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سنجوگ	۱۰ آنہ
جوہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصۂ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ
گوہر مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواء السبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی	۸ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنہ

(تصانیف نور الٰہی و محمد عمر صاحبان)

موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ
ناٹک ساگر (یعنے دنیاے ڈراما کی تاریخ) مجلد	۳ روپیہ
تین ٹوپیاں	۸ آنہ
ظفر کی موت	۴ آنہ
قزاق	۸ آنہ
بگڑے دل	۸ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

رسائل شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ	۵ آنہ
بادل کے بچے	۱ روپیہ
مجموعۂ نظم حالی	۸ آنہ
اکبری اقبال	۳ آنہ
الفاروق	۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۸ آنہ
پردۂ غفلت	۱ روپیہ۸ آنہ
بشریٰ	۶ آنہ
زکریٰ	۱۰ آنہ

نیرنگ ارض	۱ روپیه ۴ آنه	دیگر ممالک میں قطع تعلق	۱۰ آنه
سیرالمصنفین	۲ روپیه	آزادی اسلام	۴ آنه
HindustaniSimplified (اُردوآموز)		مصطفیٰ کمال پاشا	۱ روپیه ۸ آنه
دنیش چندردت صاحب ایم اے	۳ روپیه	گوکھلے کی تقریریں	۱۲ آنه
شرح Hindustani Simplified	۱ روپیه	سلف گورنمنٹ	۶ آنه
رسالۂ نماز Prayer Book	۱ روپیه	عالم خیال	۸ آنه
معراج العاشقین	۶ آنه	حیات خسرو	۸ آنه
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی	۱ روپیه	نظام حیات انسانی	۸ آنه
هندو تیوهاروں کی اصلیت اور اُن کی		فرهنگ فارسی جدید	۱ روپیه ۸ آنه
جغرافیائی کیفیت	۸ آنه	فرهنگ عربی جدید	۱ روپیه ۸ آنه
وہ جاندار جو نظرنہیں آتے	۴ آنه	اسلامی حکومت	۲ آنه
جہاں آرا بیگم	۸ آنه	تمدن هند	۲۰ روپیه
نظم شبلی	۴ آنه	ترجمه خلاصه تاریخ انگلستان	۱ روپیه
نفس اللغه	۱ روپیه		۸ آنه
خوبی سخن	۸ آنه		

———:o:———

دیوان غالب جدید و قدیم

یه وہ نایاب کلام هے جس کی اشاعت کا اهل ملک کو بیحد انتظار تها - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود هے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تهی - یه محض حسن اتفاق تها که هاتهه آگیا اور اب ریاست بهوپال کی سر پرستی میں چهپ کر شائع هوا هے - مع مقدمۂ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیه کلدار - غیر مجلد ۴ روپیه کلدار (بلا مقدمه مجلد ۳ روپیه ۸ آنه کلدار غیر مجلد دو روپیه ۸ آنه کلدار) —

اطلاع

رسالۂ اُردو کے نمبر ۲ سے نمبر ۲۰ تک موجود هیں اور به حساب فی رساله ۵و روپیه سکۂ انگریزی علاوه محصول ڈاک مل سکتے هیں —

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی - اُمید ہے ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیں گے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں، ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی—

آنریری سکریٹری

انجمن ترقی اُردو - اورنگ‌آباد (دکن)

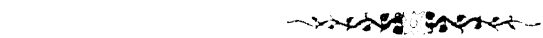

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے - سی - آئی، ای، سی، ایس - آئی، ایم - اے، بی - ایل، ایف، آر - ایس چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے اُن تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے ۱۲ آنہ (کلدار) میں مل سکتی ہے —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد (دکن)

اُردو

جلد ہفتم　　حصۂ بست و ششم

اپریل سنہ ۱۹۲۷ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

ایک گراں بہا عطیہ کا شکریہ

عالیجناب راجہ پرتاب گیر جی نرسنگھ جی بہادر حیدرآباد کے معزز و ممتاز امیر ہیں۔ اُردو زبان سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔ بہت اچھی بولتے ہیں، بہت اچھی لکھتے ہیں۔ شعر کا بھی بہت اچھا ذوق ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عالی ظرف اور فیاض منش ہیں اور رفاہ عام اور ملک کی بہبودی کے کاموں میں بڑی خوشی اور فراخ دلی سے شریک ہوتے ہیں—

حال میں جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (معتمد فنانس) جناب مولوی محمد اصغر صاحب بیرسٹرایٹ لا اور انجمن ترقی اُردو کا سکریٹری عالیجناب راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے۔ انجمن کا حال دریافت فرماتے رہے اور اس کے بعد نہایت خندہ پیشانی سے بلا تکلف خود ہی فرمایا کہ میری طرف سے ایک ہزار سالانہ کا چندہ قبول کیا جاے۔ پہلے دو سال کے دو ہزار روپئے تو آخر مئی میں ادا کر دئیے جائیں گے اور اس کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ ادا ہوتا رہے گا—

جناب راجہ صاحب کی اس قدردانی، ہمدردی اور فیاضی کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس کی نظیر انجمن کے کارنامے میں نہیں ہے اور انجمن کے تمام بہی خواہوں کو اس سے کمال مسرت ہوگی—

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

ایک گراں بہا عطیہ کا شکریہ

عالیجناب راجہ پرتاب گیر دیو فرمانروا بھرتپور کے معزز و ممتاز امیر ہیں۔ اُردو زبان سے انھیں خاص لگاؤ ہے۔ بہت اچھی بولتے ہیں، بہت اچھی لکھتے ہیں۔ شعر کا بھی بہت اچھا ذوق ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ملک اور قیام ملت میں ہر رفاہ عام اور ملک کی بہبودی کے کاموں میں بڑے شوق اور فراخ دلی سے شریک ہوتے ہیں۔

حال میں جناب نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد مقامی جناب مولوی محمد اصغر صاحب پیرسٹرایٹ لا اور انجمن ترقی اُردو کا سکریٹری عالیجناب راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انجمن کا حال دریافت فرماتے رہے اور اس کے بعد نہایت خندہ پیشانی سے بلا تکلف خود ہی فرمایا کہ میری طرف سے ایک ہزار سالانہ کا چندہ قبول کیا جائے۔ پہلے دو سال کے دو ہزار روپئے تو آدھی مئی میں ادا کر دئے جائیں گے اور اس کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ ادا ہوتا رہے گا۔

جناب راجہ صاحب کی اس قدردانی، ہمدردی اور فیاضی کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس کی نظیر انجمن کے کارنامے میں نہیں ہے اور انجمن کے تمام بہی خواہوں کو اس سے کمال مسرت ہوگی۔

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

کلیاتِ ولی

[illegible] واقف نہ ہوگا۔ اسے اردو [illegible] قدیم شاعری [illegible] ہے اور اس کا کلام اُس زمانے [illegible]

[illegible] نے نہایت محنت و جانفشانی سے نسخہ ہائے مخلصؔ، کاوشؔ اور [illegible] سے مرتب کیا ہے اور انھیں نسخوں کو اردو کے جدید ترین مطبوعات میں سے ہے۔ ایک ہی کے جو دیوان یہاں کہیں چھپے اور ملتے ہیں [illegible] قدیم، قلمی، نایاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کرکے دس سال کی لگاتار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے۔

اس قادرالکلام استاد کا کلام اور کلیات تقریباً تمام اصنافِ سخن پر حاوی ہے اور تقریباً چارسو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابلِ قدر مقدمہ ہے جس میں موصوف نے صاحبِ دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت

و جانفشانی سے فراہم کرکے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ اردو کی دنیائے شاعری میں ولی کا کیا مرتبہ ہے—

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم متروک، اجنبی، ہندی الاصل الفاظ کا حل لغت جو کلام میں مذکور ہوئے آے ہیں۔ آخر میں پورے دیوان سے مختلف ردیفوں کے تحت مشکل محاورات و عمدہ اشعار کی فہرست ہے جس سے ہر شعر کی تلاش میں سہولت ہوگی۔ کلیات کے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے حواشی کی طرح دیا ہے۔ سوانح دیکر پتا دیا ہے۔ یہ صحیفہ اردو کی تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے۔ اور کئی سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ الحمد کے بڑے مشہور خوبصورت ٹائپ میں مصنوعہ سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے قدر داں اردو کے ہر مکتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے۔ حجم تقریباً آٹھ سو صفحات۔ قیمت مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپیہ۔

ملنے کا پتہ۔ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد، دکن۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	قدیم اُردو	مولوی عبدالحق صاحب بی - اے - اڈیٹر	۱۷۱
۲	اساتذہ کی اصلاحیں	جناب صفدر مرزا پوری صاحب	۱۹۱
۳	ادبی بات چیت ۴ - روس	جناب شاهد سہروردی صاحب	۲۲۳
۴	کالی ناگن (نظم)	جناب مولوی سید هاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد	۲۳۷
۵	مرهٹی لٹریچر میں سوانح عمریاں	جناب مسٹر دی - بی کامت صاحب بی اے، بی ٹی	۲۳۹
۶	نظم	جناب مولانا فضل حق صاحب آزاد عظیم‌آبادی	۲۵۹
۷	بادۂ کہن (شیخ ولی اللہ مہتب)	مولوی عبدالحق صاحب بی - اے اڈیٹر	۲۶۱
۸	شاہ نامہ کا دیباچۂ قدیم	جناب حکیم سید شمس‌اللہ صاحب قادری	۲۶۷
۹	اندرسبھا اور شرح اندرسبھا	جناب سید مسعود حسن رضوی ایم - اے لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی	۳۱۹
۱۰	تبصرے	اڈیٹر و دیگر حضرات	۳۶۵

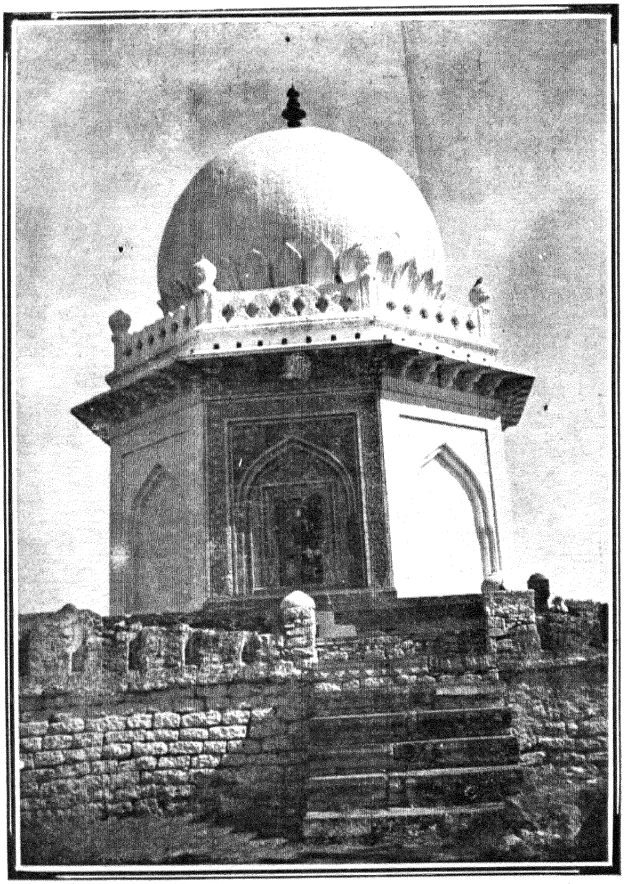

قدیم اُردو

بیجا پور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

۱- حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق

بیجا پور دکن کے اُن مشہور اور شاہی شہروں میں سے ہے جو اپنی شان و شوکت اور عمارتوں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے - شاید دلی کے بعد ہندوستان کے کسی شہر میں اس قدر اسلامی یادگاریں اور عمارتیں نہ ہوں گی جتنی اس شہر میں ہیں - یہ عادل شاہی بادشاہوں کا مستقر تھا جو علم کی قدردانی اور فنون لطیفہ کے ذوق میں خاص شہرت رکھتے تھے - اُن کے پاکیزہ مذاق کے نشان اس شہر میں قدم قدم پر ملتے ہیں جو اُن کے اعلیٰ تمدن، ذوق سلیم اور شان و عظمت کی کھلی دلیل ہیں - امرا، علما، اہل کمال اور صناعوں کے علاوہ یہ عرفا، صوفیا اور اولیاءاللہ کا بھی مرکز رہا ہے - انہیں مقدس بزرگوں میں ایک حضرت شاہ میرانجی بہت بڑے کامل شیخ اور مشہور صاحب عرفان گزرے ہیں - علوم ظاہری کی تکمیل شہر کے علما و فضلا سے کی - اس کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں مدت دراز تک رہے - کہتے ہیں کہ مدینۂ منورہ میں بارہ سال تک قیام کیا اور ہر سال حج سے مشرف ہوے - وہاں سے عازم دکن ہوے اور شہر پناہ بیجاپور کے باہر اقامت اختیار کی* - آپ نے خواجہ کمال الدین بیابانی

---

* روضۃ الاولیا (در حالات اولیاے بیجاپور) اور محبوب ذی المنن تذکرۂ اولیاے دکن

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

سے بیعت کی جو ایک واسطے سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز خواجہ سید محمد حسینی قدس سرہ کے خلیفہ تھے - حضرت میرانجی چشتیہ طریقے کے پیرو اور خلیفہ تھے، طلبہ اور فقرا کو ھدایت اور تلقین فرماتے تھے اور اکثر طلبہ آپ کی صحبت سے مستفید ھوتے تھے—

آپ کی تاریخ ولادت صحیح طور سے معلوم نہیں لیکن آپ کی وفات سنہ ۹۰۲ھ میں ھوئی - تذکرۂ اولیاے دکن میں ان کی تاریخ وفات ۹۱۰ ھجری لکھی ھے، مگر یہ صحیح نہیں معلوم ھوتی کیونکہ "شمس‌العشاق" سے اُن کی وفات کی تاریخ نکلتی ھے جو ۹۰۲ ھوتی ھے اور یہ مادۂ تاریخ شاہ حسین ذوقی کا کہا ھوا ھے - صاحب روضۃ الاولیا نے جو بیجاپور کے اولیاء اللہ کے حالات میں ھے، ان کے انتقال کی تاریخ نہیں دی - البتہ مجھے ایک پرانا مرثیہ ملا جو کسی نے حضرت میرانجی کی وفات پر لکھا ھے اُس سے اُن کی وفات کی تاریخ ۲۵ - شوال سنہ ۹۰۲ معلوم ھوتی ھے - جن اشعار میں تاریخ و سنہ کا ذکر ھے وہ یہ ھیں—

سرور میرا ڈھل گیا کرتار بھایا اُن کیا
جو اُن کیا میں سر لیا جے کچھہ حکم الہی کا
تاریخ حضرت سال نو سو اسپر اگلے بھی دو
دو دین مدت وفا شو جے کچھہ حکم الہی کا
اربع سوں یو سال ھے ماھے کوں شوال ھے
رحلت کئے اُس حال ھے جے کچھہ حکم الہی کا
تاریخ بست و پنج بود بسیار گریاں رنج شد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

دونوں میں یہ لکھا ھے کہ وہ علی عادل شاہ اول کے ابتدائی عہد میں وارد بیجاپور ھوے - لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ھوتا کیونکہ علی عادل شاہ اول کا عہد سنہ ۹۴۱ سے سنہ ۹۸۸ ھجری تک رھا اور حضرت کی وفات سنہ ۹۰۲ میں واقع ھوئی - یہ سلطنت عادل شاھی کے بانی یوسف عادل شاہ کا زمانہ ھوتا ھے—

در حال واصل گنج خود جے کچھہ حکم الہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا ہجرت منور پور کیا
جیو ڑا قبض کر اُن لیا جے کچھہ حکم الہی کا

ان کا مزار حصار بیجا پور کے باہر شاہ پور میں ایک بلند ٹیلے پر ہے جو بہت پرفضا مقام ہے اور وہاں سے قدیم و جدید شہر بیجا پور کا منظر نہایت عمدہ نظر آتا ہے۔ قبر پر ایک گنبد ہے جس کا عکس اس مضمون کے شروع میں دیا گیا ہے۔ ہر سال ۲۵ ماہ شوال کو عرس ہوتا ہے اور زیارت کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں—

علما کی نسبت صوفیا زمانے کی ضروریات اور حالات سے زیادہ واقف ہوتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ مقبول ہوے اور انھیں اپنی دعوت میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ وہ اپنے پیغام کی تلقین کے لئے ایسے ڈھنگ اختیار کرتے تھے جن سے بجاے وحشت کے لوگوں کو الفت ہوتی تھی اور ہر قوم و ملت کے لوگ حصول سعادت کے لئے شوق سے اُن کے پاس آتے اور اُن کی زیارت کو اپنے لئے موجب برکت خیال کرتے تھے۔ منجملہ اور طریقوں کے ایک یہ بھی تھا کہ با وجود صاحب علم و فضل ہونے کے وہ تلقین و تعلیم لوگوں کی عام زبان میں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اردو ان بزرگوں کی بہت ممنون احسان ہے۔ حضرت میرانجی اگرچہ بہت بڑے عالم تھے مگر وہ اکثر طلبہ کے درس اور عام تلقین میں اُس زبان سے کام لیتے تھے جو اُس وقت ہندی کہلاتی تھی اور جسے ہم ابتدائی اُردو کہتے ہیں۔ وہ اس زبان کے شاعر بھی تھے۔ چنانچہ اِس زبان میں اُن کے نظم و نثر کا کلام اب تک موجود ہے۔ اگرچہ بہت کمیاب ہے تاہم بعض چیزیں تلاش سے اب بھی مل جاتی ہیں۔ اُن کا جو کلام مجھے اب تک دستیاب ہوا ہے، اس کا ذکر مختصر طور پر یہاں کیا جاتا ہے—

ایک رسالہ ان کا "خوش نامہ" کے نام سے ہے جو منظوم ہے اور سلہ کتابت

سنہ ۱۰۶۸ ھجری ہے۔ یہ مثنوی کی طرز پر ہے۔شروع یوں ہوتا ہے —

صفت کروں میں اللہ کیری * جے پوری پورن پور
قادر قدرۃ انگیکاروں نیڑے + نا دور
نا اُس روپ نا اُس دیکھہ نا اُس تھان مکان
نرگُنا گُنونتا کروا کس سکھہ کروں بکھان
لا شریک بےعدد واحد جہت جزوں بھی پاکھہ
آچھے سکت سیوک کیتے عالم چندیں لاکھہ

اس کے بعد ایک شعر نعت کا اور ایک منقبت کا ہے —

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔یہ دنیا اُس کی سسرال ہے اور میکا عالم آخرت ہے۔اسی طرح بطور استعارہ کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ عورتوں کے استعمال کرتے ہیں۔اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوص یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوی عزیز یا بیٹی ہے۔اس کے لئے یہ نظم لکھی ہے جس میں کچھہ اوپر ایک سو ستر شعر ہیں۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں —

اس خوص نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر
دسا زیادہ پر ہے سونے تو لہے خوشی کا چھتر

اس کے بعد نسب نامہ بیان کرتے ہیں —

ذات مہاں کی چغطا جانو باب ترک انشاق
خوص کی ذات علوی جانوں جس تھی نام رزاق

پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے —

---

* کی + نزدیک

بالی بھولی جیو جھوالی محبت کیرا نور
پرم پیاری سات سنگھاتی تلنا ہوے دور
جب وہ آی ات سنسار خوشی سو ہوئی تہام
پگوں تب گرو کی لاگی لہیا خوش کر نام
ہنسا ودنی سوبھہ نینی کورورن کر کروی
بھوت ستیاں پن یہ ست عجب کل جگ مانہیں سروپ
شہ بولی گنوں کی سب پرت لگاوے یہ من موہی
کون بکھانے لکھن اس کے نپایا جانے سوہی
لاڑاں لاڑ چاوں چاو سب گوتوں کی پیاری
ست سنبھالے عین جھوالے محبت کی ہماری

وہ دوسری لڑکیوں اور عورتوں کی طرح بناو سنگار نہیں کرتی بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے اور اُسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے —

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں بھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ہلدوں کایا
کہے منجہہ سیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہاوا
اب کیوں سر سہاوے دوجا تم کو ناہیں ٹھاوا
اس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اس کے پاسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ * کے آنی
ایسی بات کرے گنونتی سورکھہ بوجھیں سدہ
یہی من اپنے آوے چھند سوہی سکھاویں بودہ

جب لوگ اُسے اس بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے

---

* مفت کے

کچھہ کام نہیں —

کہیں بتّیا اے شوخ دیدہ سن جی نیکی پندہ
بھوگ بلاس کر سوکھہ• لنیں چھوڑیں بعضے چھندہ
کہے یہ سب حکم خدا کا جی تم آ کھیں یوں
ہم کو بھاوے یک الله سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ہم اچھیں سوکھہ سنسارا نا ہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سوں جے ہے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سببن گنکوں سو پوجھے اب
پن پاپ ست † دیکھے آپ شہ سوں میلا ہوے تب

.....

جیو پچھانے امر خدا کا وہی امر معروف
نہی کال نہیں منکر نا ہیں تے پاپی معذوف
راہ خدا کی بوجھہ نہ دیکھیں دھاویں ‡ چارودھیر
ایک چھوڑ جی بھوتوں لاگیں انکوں ناہیں پیر

پیر کی تعریف-اچھے اور برے پیر کا استیاز یوں بیان کیا ہے —

پیر وہی جی پرم لگاوے نور نشانی عین
منزہ کی سدہ لکھاوے جہاں دیس نارین
علوی نہیں جوں چھڑی اکارا سوکھہ سری جوں بات
سفلی کھیل کھلاوے دایم اپنے فعلوں سات
فعل سہاوا پنتھہ الله کا جس راہ گئے رسول
کر مکھہ پنتھہ پچھانوں سو ہے جیہ حیوں کا مول

• سکھہ † پھینک دیجے ‡ دورہیں چاروں طرف

جس مارگ • تہیں جیو سنجری سو ہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ہیں بچھار
کریں جبھیں وہ تیرت پتن یوگ ابھاسیں دھیان
پانچو چیز ریا سوں راکھیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتھہ دکھاویں کریں اچنبھا جپ
ذاکر ہو من دم چلاویں یہ بھی دھیان الپپ
لونچت مونڈت پھریں پھوکت ترت † کریں یا حج
تہان دیکھہ جی دیویں مان وہ بھی سورکھہ نلج

.....

یا آن جانو پیر ملایا دیکھہ ریای مان
ٹوپی شجرا لیکر ناؤ یا پھول شکر کوں ہان
ایسیاں کیرا کرب فراکھیں جے توں ہوسی سورا
مان راکھہ مرشد ملاوے جس ہے گیان سپورا
تہان دیکھتیں لاگا بالک موکھہ نہ آوے کھیر ‡
جس کے انگو بھرم نجاوے اس کیوں کہنا پیر

.....

یا یکھاں § جانے ٹونا کوڑ کو جنتر بھاؤ
یا کرامت ابلیس کیري یا سینساری ماؤ
نفع ایسا لاگے تجھہ اس کے سن کوں ہان
بن اللہ اور نہ بولے وہی پیر پچھان
بھوکا کھانے دوڑے دیکھہ سہنک بھریا کھان
فا رواسا دیکھے تو کھاتے کیوں ایمان

• راستے سے † تیرتھہ یا جاترا ‡ کھیر۔اکشیر (شیر) دودھ § ایک آدھا

بے ایمانی کافر لوگ اس دنیاں کو بھول
بھوک لگے پر وہ بھی کھاویں وہ کیوں پڑیں قبول
راج دھن کو دیوتیں مان کر تیوں فقیر
جرم نہ چاکھے تاک جنہ وہ کیا بوجھیں کھیر
نفس ھوا کی مستی راکھیں ناریاں سیتی ھاوا
ناریاں دیکھہ مدن کیاں ماتیاں من میں روت اچاوا
دن رات اوں اور نہ سوجے بن پرس کے چالے
بی بیاں کوں بھی وھی کر جانے جیسے اپنے طالے*

.....

جن کوں شہوت کیرا ھاوا اُن کوں ویسے پیر
جن کے پیر شیاطیں وے تو نا آویں‌گے حق دھیر
سوّر کے گل† باندھیا مشک وہ کیا اس کوں جانے
اس کے تائیں سرجیا وہ سوھی پچھان مانے
یا گدھڑے‡ پر قرآں لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ موکر اپنا کھول

غرض اسی طرح پیر کے صفات کا ذکر برابر چلا گیا ھے - آخر وہ میرانجی سے عرض کرتی ھے کہ تم میرے حال پر توجہ کرو - مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھہ غرض نہیں میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ھوں اور تم ھی سے میری آس ھے - وہ خدا کی حمد کرتی ھے اور اس سے مناجات کرتی ھے

منج نا لوڑے الوان نعمت پھوپ پریمال پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑاي مان

---

* طالع † گلے ‡ گدھا

نامنج لوڑے پات پتنبر یہ زر زری سنگھار
پھاٹی ٹوٹی کنبلی نیکی کلمہ جپن ہار
نامنج لوڑے پلنگ نہالی صوفی ساڑی باغ
حسرت راکھہ جیوتا مرنا یہ تو کسمل داغ
جی نہ کایا دھول ملاویں کبھو نہ پرگٹ شوق
جی نہ عشقوں انجھو ڈھالے کبھو نہ پایا ذوق

.....

تیری بات اللہ سوں اچھی بعضے چھوڑیں کام
بھاوے سو اس مانگ ایجے سنکر حال تمام
حسرت میری کچھہ نہ ابری دولت مرشد کیری
کہی کریماں کیا فلوڑ پروے آسا میری
توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
تو سبھوں کا داتا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگے جیسے جیو جیون
سب کا جان سجان تونہیں دے جے جے جس کے من
سبھوں کوں توں دیکھہ سنبھالے تونہیں مارن ہار
یوں کی کرتا کون کہے دے تیں ادیکھہ بچار
یکس ساتی مولی دیوے ایکس ساتی باج
کیتوں بھیکہ منگاوے کیتوں دیوے راج
کیتوں پات پتنبر دیتا کیتوں سر کی لایہ
کیتوں دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایہ
کیتے پلنگ نہالی اوپر کیتے پڑیں تلہار
کیتوں کوں دھڑ کونپت ناھیں کیتوں کو دھولار

کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے سورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار
ایک فرشتہ یک شیطان یک چور ایک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر ساڑی ایک اگن ایک باؤ
عرش کُرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا
آسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا
تجھتھی ھی قدرت کوں زور ' تجھتھی نور نورانا
تجھتھی سب کا سبھیں پنا تجھن سبھیں بیگانا
تجھن کوی نہ مار جو اوے ' تجھن کوی نہ آس پوراوے
عالم اوپر بایا بھنا کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اجاوے ' دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بھکاری تخت بٹھاوے راجے راکھی گرد ملاوے
خھمنڈ یاں کوں کرے دیوانے سو کھیاں لیہ دیکھہ میں بھانے
کر کر بندگی جرم گنواوے پھر پڑ تیج عجب کیا رانے
میں اس کارن بھوت ڈروں ڈر کر جاوں کھاں
جھاں جھاں میں چھپن اوڑوں تو نہی تھاں تھاں
اب نہ چھپوں اب نا ڈروں ' ڈروں تو کھا فلک ڈروں
ھمیں غریب نپاے تری آس تھی آسا دھروں
ماتا جی پاک تھی روسی جانا اُنھیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی (میراں) میں جاوں تدھر
تو رحمان رحیماں میرا مہر محبت بھریا
میں تو بانڈی بردا تیرے تیں سنجھہ ھاتوں دھریا

نا میں کیتی بندگی تیری نا دھرؔ کیتی یاد
دائم کیتی اگل تیرے سلکوں تھی فریاد
تیں بھی میرے لاڑ چلایا کبھوں نہ ہوا اُداس
اپ سندیسا توڑ گُسائیں تیری منج کوں آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوش خبری دیتا ہے - فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے زمین آسمان مہک اٹھتے ہیں - خوشنودی کا یہ آخر رقعت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے - میرانجی اس کے اخلاق اور نیکی کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی عمر اور مقام وفات کا ذکر کرتے ہیں—

جس کی تھی اس پڑی قبول تھاں خوشنود
خوشنودی جب اللہ کی سبھیں نرمل دود
برس پانچ اور بارا کی یک ماس نو دین
اس کی عمر لیکھتیں سب لیکھا ہوا اس کھین
تھاں کیا (شاہ پور) سانھیں وہ تو پیارا تھام
پیروں کیرا قول ہوا کہ تجھسوں ہمیں تمام

یعنے ۱۷ برس ایک مہینے اور نو دن کی عمر تھی اور شاہ پور میں انتقال کیا - شاہ پور وھی مقام ہے جہاں حضرت میراں جی نے بیجا پور میں آکر سکونت اختیار کی تھی—

نظم کے آخری اشعار یہ ہیں-

خوش خوش حالوں خوش خوشیاں خوشی رہے بھر پور
یہ خوش خوشیاں اللہ کیرا نوراً اعلیٰ نور
کھنڈیا خوش خوش نامہ تمت ہوا تمام
خوش سب کوئی دایم قایم جیتا خواص عوام

علاوہ اس کے اس نظم میں تین جگہ حضرت میرانجی کا نام آیا ہے جس سے اس بات کی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کہ یہ نظم انھیں کی ہے - وہ شعر یہ ہیں-

سنوں (میرانجی) اگن دھن میں جل بل تامل پتوں
میری آہ نہ آرے کسی جاے کیدھر میں چھپوں

کیا میں چوکی' کی یوں کیتی تم تو جیو جیوں
کاہے کیتی سخت (میرانجی) منجھو غریب تھی من

ماتا جی بالک تھی روسی جانا انھیں کدھر
آپ جس سارگ لاسی (میراں) میں جاں تدھر

اگر چہ یہ تینوں شعر خوشنودی کی طرف سے میراں جی کو خطاب کر کے لکھے گئے ہیں' لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے والے میرانجی ہیں - اس نظم کے میرے پاس دو نسخے ہیں - دونوں میں یہ کلام حضرت میراں جی ہی کا بتایا گیا ہے - کتابت بھی ان کی قدیم ہے یعنے سنہ ۱۰۶۸ ھجری—

——(خوش نغز)——

یہ نظم بھی خوش نامے ہی جیسی ہے - خرش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میرانجی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی خوش نغز ہے - نظم میں جگہ جگہ اُسی ڈھنگ سے میرانجی کا نام آیا ہے جس طرح ہم نے خوش نامے میں دیکھا ہے - اگر چہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں' لیکن اسے نو باب میں تقسیم کیا ہے - یعنے باب اول عرفان و روح - باب دوم عرفان عالمہا - باب سیوم عرفان مراقبہا - باب چہارم عرفان ذوق فور - باب پانچم عمل مباحی بر لایقان - باب ششم موت عارفاں - باب ہفتم بحث عقل و عشق - باب ہشتم بیان کرامات - باب نہم بیان موحد و ملحد—

ہر باب کے شروع میں خوش کی جانب سے سوال ہے اور میرانجی کی طرف سے جواب ہے۔ سوال و جواب کی نوعیت اُن عنوانوں سے ظاہر ہے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ نظم کی ابتدا میں ایک شعر ہے جو بطور تمہید لکھا گیا ہے وہ یہ ہے

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر الٰہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سں اوڑا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاویں بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ مثلاً باب دوم یوں شروع ہوتا ہے:-

خوش پوچھے کے کہو میرانجی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے

باب ہفتم جو عقل و عشق کی بحث میں ہے یوں شروع ہوتا ہے:-

خرش کہے مج کہو میرانجی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آکھوں بیان اس میں دھرنا سودہ

باب ہشتم :-

خرش پوچھے کے کہو میرانجی حال کرامت کیرا
حلال حرام کھول کہو جی بوجھے یہ من میرا

باب نہم:-

خرش پوچھے مرحد کے لکھن کہو پیارے پیر
کھولو ملحد کیریاں بیان یک یک مج دھیر

غرض اسی طرح آخر تک سوال و جواب ہیں۔ پہلا شعر سوال کا ہے اور باب کے باقی شعر جواب کے ہیں۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔

——— شہادت الحقیقت ———

یہ رسالہ بھی نظم ہی میں ہے اور خوش نامے سے زیادہ بڑا ہے۔ اس میں

پانسو ترسٹھہ شعر ہیں - اس کے بھی میرے پاس دو نسخے ہیں - ایک میں تو صاف حضرت میرانجی کی تصنیف بتائی ہے' دوسرے میں کسی کا نام نہیں لکھا - لیکن خود نظم میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ یہ اُنھیں کی تصنیف ہے - حمد و نعت اور منقبت کے بعد خاندان چشتیہ اور اپنے پیر حضرت شاہ کمال بیابانی کا ذکر کیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں

اس کمالیت کے سنگ　　اس خانوادہ کے انگ
اُن کمالے اپنا حال　　تو ہوے پیر کمال
کچھہ تھے نصیب میرے　　پگ دیکھے تو اُن کیرے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نظم حضرت میراں جی ہی کی ہے

یہ بھی تصوف اور معرفت میں ہے - بحر صاف اور ہندی ہے' زبان بھی کسی قدر صاف ہے - حمد سے شروع کی ہے جس کے شعر یہ ہیں—

بسم اللہ الرحمن　　الرحیم توں سبحان
توں دانا اور بینا　　توں سب تھی ہے توانا
یہ سب عالم تیرا　　رزاق سبھوں کیرا
تجھہ بن اور نکوی　　نہ خالق دوجا ہوي
جے تیرا ہوے کرم　　تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجکو دھاوں　　اور تیرا نام لیوں
تجھہ نرتا کوں جانے　　اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار　　کس مکھوں کروں اچار
سب حال تجپر بھنا　　راکھے تیوں رھنا
جو تیرا سر جانے　　اس نہی کوں نہ سانے

اس کے بعد نعت ہے جس کے چند شعر یہ ہیں

محمد نبی تیرا　　اس پر ایمان میرا

نا درس دین اس باج　　سب عالم کیرا تاج
جو اس کی رخ آوے　　سو تیرا درس پاوے
اس بھول جے کوئی تھاکے　　تے دوزخ ماں راکھے
یہ نبی تجھ پیارا　　سب امت سیتیں سارا
وہ نبی اول نور　　پس عالم یہ معمور
نورانی احمد نام　　یہ اچھا ذوق آرام
یہ میم احد میں آیا　　تو احمد نام کوایا*

اس کے بعد منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے - اس کے بعد تصوف کی وہی معمولی باتیں ہیں - لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنے تصوف و معرفت کے مسائل بیان کریں ہندی میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی' ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں - ظاہر پر نہ جانا چاہئے' باطن کو دیکھنا چاہئے - زبان کوئی بھی ہو' معنوں پر خیال کرنا چاہئے - جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو —

ہیں عربی بول کیرے　　اور فارسی بھوتیرے
یہ ہندی بولوں سب　　اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی　　پن اس کا بھاوت کھولی
یوں گر مکہ پند پایا　　تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے　　اس بیان کیرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے　　نا فارسی پچھانے
یہ ان کوں بچن ہیت　　سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول　　پن معنی ہیں نپتول

---

* کہایا

کڑوے پن سو رس پھل پاکے جوں پھانس *
فا دیکھت بورا † لیکھو لے مغز چاک ‡ دیکھو
جے مغز سیتھا لاگے تو کیوں من اس تھی § بھاگے
تیوں اس میں ارت نیچ سب قرآں کیرے بیچ
وہ مغز معنی لیو سب چھال * چھاڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا اس ماتی کا پسارا
فا ماتی اس کو ھان وہ راکھے سمیت آن
یہ چھان سنا ¶ لیوے اور بعضے فاکہ دیوے
تیوں بھا کا ماتی جانوں ژر معنی دل میں آنوں
توجس کوں بھاوے جوڑ فا جا سی یہ گن چھوڑ
ھے کڑورن کیرا ھیرا گھوڑ ۞ اوپر پڑیا نیرا
کوئی سبھان بھاگوں پاوے تو کیوں فالیہ اچاوے ۞
گھوڑ بھاگا چھوڑ دیجے چن معنی مانک لیجے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ھیں - چنانچہ فرماتے ھیں.

اس نام ھے تحقیق سن شہادۃ الحقیق
اس کا مغز دریا جی دیکھدنت رھے بھریا ‡
سب ھیروں کیری کھان فا موتیوں کیری وان
جے غواص بودہ سیانے تو سائم سر دھا لیوے
جے ھو ویگا مچھارا کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف و اخلاق کے مسائل بیان کئے ھاں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ھے - سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے ھے -

---

* بوھل † برا ‡ چکھہ § سے ¶ سونا
۞ کوڑی ۞ اٹھاوے ‡ ن' جو دیکھیا سو رس بھریا

آخری شعر یہ ھیں —

ھے کہا نہ آوي نا نھیں کھیا کر جاری
سن یہ گت کیوں کر سوجے جس قربت سوھی بوجھے
ایتال جیسا ویسا تو بوجھیں اچھے جیسا
اب تو سب سوکھ چام سن تمت ھوا تمام
ھم کہت رھیا پور تو شاھی سیر ظھور

(شرح مرغوب القلوب)

یہ چھوٹا سا رسالہ نثر میں ھے - اس کے بھی میرے پاس دو نسخے ھیں اور دونوں میں یہ حضرت میرانجی ھی کی تصنیف بتایا گیا ھے - شروع میں حمد و نعت اور متفرق حدیث و آیات کے ترجمے اور مختصر سی تفسیر کے بعد اسے دس باب میں تقسیم کیا ھے - جن کے عنوان یہ ھیں —

پہلے باب میں توبہ - دسرا باب' طریقت کا پچھانت کرنا نفس' دل' روح' سر' ذات' شریعت' حقیقت' معرفت اوپر - تسرا باب' رضو کا - چوتھا باب' دنیا ترک دینا - پانچواں باب' تجرید ھور تفرید - چھٹا باب' اپنی پچھانت سوں نور محمد کا اس پچھانت میں بیسنا - ساتواں باب' عشق کا - آٹھواں باب' معشوق - نواں باب' فنا ھور بقا ھونے کا - دسواں باب' سفر کا —

ان بابوں میں یہ التزام رکھا ھے کہ پہلے وہ قرآں کی آیتیں مگر زیادہ تر حدیث نبوی لکھتے ھیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ھیں - مضمون کے لحاظ سے یہ کتاب بہت معمولی ھے اور کچھہ اھمیت نہیں رکھتی' البتہ زبان کی تاریخ کے لحاظ سے بہت قابل قدر ھے - اس نثر کے چند نمونے نیچے لکھے جاتے ھیں' جن سے اُس وقت کی زبان کا اندازہ ھوگا —

بسم اللہ کے بعد ابتدا یوں کی ھے-

"کل امر ذي بال لم یبدء به بسم‌الله فهو ابتر"۔

پیغمبر کہے جے کُج کام کرے گا کوئی خدا ناؤں نالے کر تو او کام پایمال ہوے گا۔

"الحمد لله رب العالمین"۔

سرانا نوازنا خدا کوں بھوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا۔

"والعاقبة للمتقین"

ہور اُس عالم میں خوبیاں دیوے گا' کہیا ہے' آپس کو پچھانے سو لوکان کوں ہور پرہیزگاراں کوں۔

("آپس کو پچھانے سو لوکاں" صاف سیدھا ترجمہ ہے عارفین کا)

"والصلوٰة علیٰ رسوله محمد و آله اجمعین"۔

ہور درود اپنے رسول پر بھیجنا اور اُن کے فرزنداں پر ہور سب امت کے خاصاں پر۔ سو اے معنے ہے کہ اپس کوں دیکھہ کر بندگی کرو' کہیا پیغمبر کوں ہور پیغمبر کے فرزنداں کوں ہور سب امت کو کہیا۔ ہور محمد پر درود بھیجنا' سو یہ معنے ہور اُنوں کے فرزنداں پر (اے تشریف بھیجنا۔ نسخۂ ثانی)۔ ہور خدا کا صفت بھوت کرنا' بھوت سرانا' بہت نوازنا' جس نے پیدا کیا سب عالم کوں ہور ہمنا کوں عقل ہور دین دیا ہے —

"کل امر ذي بال لم یبدء بالحمد فهو اقطع"۔

پیغمبر علیہ السلام کہے جو کُج کام کرے گا کوئی خدا کا صفت نئے باج سو اس کا کام نا ہو سی۔ ہور خدا کی صفت' محمد کی صفت کرنا ہور درود بھیجنا دل کے جیو کی خوشنودی سوں۔

چند اور مثالیں۔

"پیغمبر علیہ الصلوٰة کہے خدا کی آشنائی جے کوئی بوجنا ہے' انوکیاں توں رہ کر انوتھی تو بوج' انوتھی توں سن ہور چپ نکو اچھہ۔ اس چار باتاں کا پند ہے

یوں (توں) شریعت میں پہلے پھلیں پاوں رکھہ کہ طریقت شریعت منج ہے (یعنے جو لوگ خدا کی معرفت رکھتے ہیں' اُن کے پاس رہ کر تو معرفت حاصل کر اور ان کی باتیں سن اور چپ نہ رہو - یہ چار باتوں کی نصیحت ہے کہ پہلے تو شریعت میں قدم رکھہ کیونکہ طریقت شریعت میں ہوں)

"اے ایمانی (یعنے مومن) یاد کر خدا کوں' بہوت یاد کر ہور رو رو کر یاد کر ہور یگانہ ہوا سالک انپڑ (انپڑنا = پہنچنا' حاصل کرنا) توں - باج توبہ بندگی کرنا یوں ہے جوں جھالاں کا پانی جھوٹ ہے' اے (یہ) بندگی بی (بھی) جھوٹ ہے خدا کا پچھانت باج - (جھال = پانی کی خفیف سی بوچھاڑ جو تھوڑی دیر کے لئے موسم بے موسم ہوجاتی ہے - دوسرے معنے جھالاں کے پانی کے سراب کے بھی ہو سکتے ہیں - کیونکہ قدیم دکھنی میں جھال نظر کے فریب کو بھی کہتے تھے) —

"اپنی پچھانت سوں نور محمد کا اس پچھانت میں بیسنا جیوں غواص دریا میں بیس کر موتی لیاتا ہے' یوں اس پچھانت میں بیس کر اس مہں کے موتی لیاوے - بیسنا = بیٹھنا یا پیٹھنا' گھسنا)

"خدا کہیا' تحقیق مال ہور پنگڑے تمہارے دشمن ہیں' چھوڑ دیو دشمناں کوں - اے کیسا غفلت ہے جو تجے اندھلا کیا موت کی یاد تجے بسرا کر" —

(پنگڑا' قدیم دکھنی میں بچے کو کہتے ہیں - پنگڑے سے مراد یہاں بچے یا اولاد ہے - اندھلا کے معنے اندھے کے ہیں) —

ان مثالوں سے اُس زمانے کی زبان کا اندازہ ایک حد تک ہوسکتا ہے - یہ صرفیا وہی زبان استعمال کرتے تھے جو اُس وقت عام طور پر بولی جاتی تھی - اور جو عربی فارسی الفاظ بگڑ بگڑا کر عوام کی زبان پر چڑھ گئے تھے' اُن کی کبھی صحت نہیں کرتے تھے بلکہ جیوں کے توں رہنے دیتے تھے - کیوں کہ اب یہ لفظ عربی فارسی کے نہیں رہے تھے بلکہ اُس نئی زبان کے ہوگئے تھے جو بول چال میں نیز تحریر میں

آگئی تھی ۔ مثلاً

" دنیاں کو چھوڑ دیں گے بدل خدا تھی خدا کی مدت سوں " ۔ یہاں مدد نہیں لکھا بلکہ مدت ہی لکھا ہے کیوں کہ بول چال میں مدت ہی آتا تھا ۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں ۔

اسی طرح لفظ جس طرح بولا جاتا تھا ویسے ہی لکھتے بھی تھے ۔ مثلاً وضع کو وضا لکھتے تھے اور وفا ، جفا کا قافیہ باندھتے تھے —

قافئے میں آواز کا لحاظ کرتے تھے ، تحریر پر نہیں جاتے تھے ۔ چنانچہ خوش ناسے اور خوش نغز میں میراں جی نے باس اور پاس کا قافیہ خاص باندھا ہے ۔ قدیم دکھنی میں اس کی مثالیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں ۔

عام خصوصیات زبان کی وہی ہیں جو قدیم دکھنی میں پائی جاتی ہیں اور جس کے متعلق ہم اس رسالے میں کئی بار لکھ چکے ہیں —

میرانجی کی زبان چونکہ بہت پرانی ہے اس لئے اس کا سمجھنا اور اس سے لطف حاصل کرنا مشکل ہے ، تاہم بعض بعض شعر اور مصرعے ایسے بے ساختہ نکل گئے ہیں کہ لطف سے خالی نہیں — مثلاً

من بھاوے تو دے کھیجے بن بوجھیں دوس نا دیجے

مطلب صاف ہے کہ یوں جی چاہے تو برا بھلا کہئے لیکن بغیر تحقیق کیے کسی کو الزام نہیں دینا چاہئے ۔ یہ شعر ضرب المثل ہونے قابل ہے ۔ اس میں کہاوت کی ساری شان موجود ہے —

اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزا پوری صاحب)

[جناب صفدر مرزا پوری صاحب نے اس سے قبل "مشاطۂ سخن" کا پہلا حصہ شایع کیا تھا اور اس کی اس قدر مانگ ہوئی کہ اب ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ اب انہوں نے بڑی تلاش اور جستجو سے دوسرا حصہ مرتب کیا ہے جس میں مصحفی، آتش، ناسخ، غالب، خواجہ وزیر، اسیر، انیس، نسیم دہلوی، ذوق، وحید الہ آبادی، امیر، جلال، تسلیم، داغ، جلیل، ریاض، نظم طباطبائی، شوق قدوائی وغیرہ جیسے باکمال اساتذہ کی اصلاحیں جمع کی ہیں اور اُردو میں اُن کی اشاعت کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔ حضرت صفدر کی یہ کاوش اور تلاش بہت قابل داد ہے اور ہم شکریہ کے ساتھ اس کا ایک جز اس نمبر میں شایع کرتے ہیں اور باقی حصے آئندہ نمبروں میں شایع ہوں گے۔

ہمارے ہاں استاد و شاگردی کا ایک عجیب تعلق چلا آرہا ہے مگر اب اُس کی وہ شان اور اُس کے وہ آداب باقی نہیں رہے۔ اس وقت مشق سخن اور شاعری کی تربیت کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ باکمال استاد اپنے شاگرد کو بتانا اور شعر و شاعری کے گروں سے واقف کرتا اور خاصکر الفاظ کے صحیح استعمال، زبان کی فصاحت، بول چال کی صفائی، اسلوب بیان اور مضمون کے ادا کرنے کے ڈھنگ سمجھاتا تھا۔ ہمارے ہاں شاعری کا

سب سے بڑا مدرسہ یہی تھا - ان اصلاحوں میں بھی آپ بھی رنگ ملاحظہ فرمائیں گے-اگر چہ ان میں بعض شعر بالکل نا قابل التفات ھیں، مگر یہاں اس کا مقصد صرف اصلاح کا دکھانا ھے کہ محض ایک لفظ کے بدل دینے یا الفاظ کے آگے پیچھے کر دینے یا کسی ناموزوں لفظ کو نکال کر موزوں لفظ رکھہ دینے سے شعر اور مضمون کی شان ھی کچھہ اور ھو جاتی ھے - جو صاحب زبان کا ذوق رکھتے ھیں انھیں ان اصلاحوں کے مطالعے سے نہ صرف لطف حاصل ھوگا بلکہ بصیرت پیدا ھوگی- اڈیٹر]

——(شیخ غلام ھمدانی مصحفی)——

اسیر: میں وہ بلبل ھوں میرے واسطے ایسی زمیں پکڑی
کہ تودہ بن گیا صیاد دیوار گلستاں کا

اصلاح: میں وہ بلبل ھوں میری گھات میں ایسی زمیں پکڑی
کہ پشتہ بن گیا صیاد دیوار گلستاں کا

پہلے مصرع میں ھمہ داں اُستاد نے بجاے "میرے واسطے" "میری گھات" بناکر مصرع کو بلند سے بلند تر کردیا کیونکہ یہ محل گھات ھی کا تھا - دوسرے مصرع میں بجاے "تودہ" کے "پشتہ" بنایا جس سے زمین شعر کا پایہ آسمان پر پہنچ گیا ایسی اُستادانہ اصلاح دی جس کی جس قدر داد دی جاے کم ھے-

اسیر: نہر اشکوں کی شب ھجر میں جاری رکھنا
آبرو دیدۂ تر آج ھماری رکھنا

اصلاح: نہر اشکوں کی سوا بحر سے جاری رکھنا
آبرو دیدۂ تر آج ھماری رکھنا

پہلے مصرع میں "شب ھجر میں" یہ الفاظ قلم زد کر کے "سوا بحر سے" اُستاد کامل نے بنایا اب دیدۂ تر کا تقابل 'بحر' سے ھو گیا اور شعر میں پہلے سے کسقدر ترقی ھوگئی-

اسیر: دخل اغیار کا اب صحن گلستاں میں نہیں
پاؤں کچھہ سوچ کے او باد بہاری رکھنا

اصلاح: دخل اغیار نہیں بزم گل و بلبل میں
پاؤں کچھہ سوچ کے او باد بہاری رکھنا

پہلے مصرع میں "کا اب صحن گلستاں میں" یہ ٹکڑا قلم زد فرماکر "نہیں بزم گل و بلبل میں" بناکر شعر کو درست فرمایا۔ صحن گلستاں کو بزم گل و بلبل کہنا ایسے ہی باکمال اُستاد کا کام ہے —

اسیر: جدائی کوے جاناں کی ہوی وجہ الم ہم کو
فراق باغ جنت کس قدر تھا شاق آدم کو

اصلاح: جدائی کوے جاناں کی رلاتی ہے بجا ہم کو
فراق باغ جنت کس قدر تھا شاق آدم کو

پہلے مصرع میں "ہوئی وجہ الم" کے بجاے "رلاتی ہے بجا" بنایا حالانکہ اسیر مرحوم کا مصرع بھی معناً صحیح تھا مگر اصلاح سے ترقی ہوگئی اور مطلع کی شان ہی اور ہوگئی۔ عام قاعدہ ہے کہ کثرت رنج و الم میں انسان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوجاتے ہیں —

اسیر: وہ مجرم ہیں کہ آتش میں خدا تالے اگر ہم کو
ہواے باغ جنت شعلہ ور کر دے جہنم کو

اصلاح: وہ مجرم ہیں کہ آتش میں خدا تالے اگر ہم کو
ہواے باغ جنت اور بھڑکاے جہنم کو

مصرعۂ ثانی میں "شعلہ ور کردے" کو قلم زد فرماکے "اور بھڑکاے" بنادیا حالانکہ "شعلہ ور" کے بھی یہی معنی تھے مگر "اور بھڑکاے" کے ٹکڑے نے شعر میں نہ صرف اور گرمی پیدا کردی بلکہ زبان کے لحاظ سے بھی حسن پیدا ہوگیا —

آتش: گل سے خوش رنگ ہر اک داغ بدن مجھ کو دیا
آتش عشق نے کیا خوب چمن مجھ کو دیا

اصلاح: گل سے خوش رنگ ہر اک داغ بدن مجھ کو دیا
آتش عشق نے بے خار چمن مجھ کو دیا

مصرعۂ ثانی میں بجائے "کیا خوب" کے اُستاد نے "بے خار" کا لفظ بناکر مطلع میں مراۃ النظیر کی صنعت پیدا کردی۔ سبحان اللہ اصلاح اسی کا نام ہے—

آتش: عاشق مردہ ہے یا رب کہ چراغ مردہ
نہ تو رویا کوئی مجکو نہ کفن مجکو دیا

اصلاح: عاشق مردہ ہے شاید کہ چراغ مردہ
نہ تو رویا کوئی مجکو نہ کفن مجکو دیا

پہلے مصرع میں بجائے "یارب" کے "شاید" بناکر اُس شبہ کو قوی کر دیا جس کا اظہار مصرعۂ اولیٰ میں کیا گیا تھا—

آتش: دے کے اک بوسۂ خال لب شیریں اپنا
تو نے سو نافۂ آہوے ختن مجکو دیا

اصلاح: دے کے اک بوسۂ خال لب شیریں اے دوست
تو نے سو نافۂ آہوے ختن مجکو دیا

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "اپنا" کے "اے دوست" بنایا۔ جس سے شعر میں ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ مصرعۂ ثانی کا زور اور بڑھ گیا۔ بندش چست ہوگئی—

آتش: بندہ نواز تجھ سا کوئی دوسرا نہیں
رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا

اصلاح: عاجز نواز تجھ سا کوئی دوسرا نہیں
رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا

اُستاد نے پہلے مصرع میں بجائے "بندہ" کے "عاجز" بناکر مصرعِ ثانی

کا ثبوت قوی کر دیا —

آتش: غبار راہ ہوکر چشم انساں میں محل پایا
نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

اصلاح: غبار راہ ہوکر چشم مردم میں محل پایا
نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

پہلے مصرع میں بجاے "انساں" کے "مردم" بنایا جس سے مطلع میں معنوی خوبیاں بڑھ گئیں واقعی چشم کے لیے مردم ہی کی ضرورت تھی—

آتش: خلل انداز کوئی حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک روز تو قاضی کی بغل میں ہوتا

اصلاح: اے فلک کچھہ تو اثر حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک روز تو قاضی کی بغل میں ہوتا

پہلے مصرع میں بجاے "خلل انداز کوئی" کے "اے فلک کچھہ تو اثر" بنایا جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی۔ آتش مرحوم نے تو شیشے کو خلل انداز حسن عمل بنانا چاہا تھا مگر اُستاد کامل نے فلک کو مخاطب کرکے داد حسن عمل چاہی۔ اس اصلاح سے مطلع میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا—

آتش: کام کرتی رہی وہ چشم فسوں ساز اپنا
نیچی نظروں نے دکھایا مجھے اعجاز اپنا

اصلاح: کام کرتی رہی وہ چشم فسوں ساز اپنا
لب جاں بخش دکھایا کبھی اعجاز اپنا

مصرع ثانی میں "نیچی نظروں نے دکھایا" کے بجاے "لب جاں بخش دکھایا کبھی" بنایا۔ واقعی اعجاز کے لیے لب جاں بخش ہی کی ضرورت تھی۔ اصلاح سے دونو مصرعے برابر کے ہوگئے اور لطف زبان پیدا ہوگیا—

آتش: سنا کرتے تھے ہم کہ پہلو میں دل ہے
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

اصلاح: بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل ہے
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اس سے اس شعر کا وہ مرتبہ بڑھا کہ ضرب المثل ہوگیا اور آج ایک زمانہ کی زبان پر ہے۔ اصلاح ایسی تو ہو کہ شعر مقبول جہاں ہوجائے * —

——— (خواجہ حیدر علی آتش) ———

میر وزیر علی صبا: عشق بازی کا جو سودا ہوگیا
آپ میں اپنا تماشا ہوگیا

اصلاح: خود پرستی کا جو سودا ہوگیا
آپ میں اپنا تماشا ہوگیا

پہلے مصرع میں "عشق بازی" کے بجائے "خود پرستی" بناکر دوسرے مصرع کے مضمون کو قوی کردیا —

صبا: داغ غم دل سے سویدا ہوگیا
غیرت خورشید ذرا ہوگیا

اصلاح: داغ غم دل سے سویدا ہوگیا
مشرق خورشید ذرا ہو گیا

مصرع ثانی میں بجائے "غیرت خورشید" کے "مشرق خورشید" بنادیا جس سے مطلع مطلع آفتاب ہوگیا چونکہ آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لئے اس موقع پر مشرق خورشید ہی نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے —

صبا: دور دوراجویوں ہی تیغ جفا کا ہوگا
یہ تو کہئے کوئی مرجائیگا تو کیا ہوگا

---

* یہ اصلاحیں جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی نے مرحمت فرمائیں

اصلاح : ~~✗~~ وار ہردم جو یوہیں تیغ جفا کاہوگا
یہ تو کہئے کوئی مرجائے گا تو کیاہوگا

بجائے " دور دورا " کے پہلے مصرع میں اُستاد نے " وار ہر دم " بنایا - تلوار کی مناسبت سے وار ہی کا لفظ خوب ہے —

صبا: بیٹھا ہے ہڈیوں پہ مرے شیر کی طرح
دیکھے کوئی زرا سگ دلدار کا مزاج

اصلاح : بپھرا ہے ہڈیوں پہ مرے شیر کی طرح
دیکھے کوئی زرا سگ دلدار کا مزاج

پہلے مصرع میں بجائے " بیٹھا ہے ہڈیوں پہ " " بپھرا ہے ہڈیوں پہ " خوب بنایا - شیر کے لئے اس محل پر بپھرنا ہی خوب ہے واقعی استادانہ اصلاح ہے —

صبا : موسیٰ ہیں طور پر تو مسیح آسمان پر
دونوں دھنی دیے ہیں ترے آستان پر

اصلاح : موسیٰ نہ طور پر نہ مسیح آسمان پر
دونوں دھنی دیے ہیں ترے آستان پر

اس اصلاح میں اُستاد کامل نے دونوں جگہ " نہ " کا لفظ بنا کر کمال اُستادی دکھایا ہے - ایسی نازک اصلاح دی کہ جس کا لطف نکتہ سنج طبیعتیں دل ہی دل میں اُٹھائیں گی - گو صبا مرحوم کا مصرعۂ اولیٰ اپنی جگہ پر خود معنی خیز تھا مگر حضرت آتش کی اصلاح سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی اور معنوی ترقی کی تو حد ہی نہ رہی - ایسی بے نظیر اصلاح ہے کہ جس کی بدولت یہ لاجواب مطلع آج سخن سنجوں کی زبانوں پر ہے * —

---

* یہ اصلاحیں بھی حضرت عشرت لکھنوی سے مؤلف کو ملیں —

ہمارے محترم دوست نواب محمد اصغر علی عزت اللہ صاحب نے خواجہ آتش مرحوم کی ایک معرکۃ الآرا اصلاح کا ذکر فرمایا - نواب صاحب موصوف سے سید علی حیدر "دل" تعلقدار جرول کے توسل سے ملاقات ہوئی تھوڑی ہی دیر کی ملاقات میں نواب صاحب کے سلیم المذاق ہونے کا سکہ میرے دل پر بیٹھ گیا - وہ اس اصلاح کے ساتھ ایک دلچسپ قصہ بھی بیان فرماتے ہیں - وہ یہ کہ جب خواجہ صاحب مرحوم مشغلۂ شعر و سخن کو بالکل ترک فرما چکے تھے' نہ خود شعر کہتے نہ شاگردوں کو اصلاح دیتے تھے' لکھنؤ کے ایک صاحب کمال شاعر جن کو اپنی قابلیت پر ناز تھا اور جن کو یہ دعویٰ تھا کہ میرے کلام پر کوئی حرف نہیں رکھہ سکتا' ایک دن کا ذکر ہے کہ اسی سلسلۂ شعر و سخن میں اُنھیں کے ہم پلہ اُن کے دوست تھے ان سے کسی شعر پر بحث چھڑ گئی - اول الذکر نے یہ کہا کہ اب میرے کلام پر کوئی حرف رکھنے والا لکھنؤ میں نہیں ہے - ان کے دوست نے جواب دیا کہ بھائی ابھی تو خواجہ آتش زندہ ہیں اگر حوصلہ ہو تو اپنا کلام بغرض اصلاح خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کرو دیکھو اصلاح ہوتی ہے یا نہیں - غرضکہ دونوں حضرات خواجہ صاحب کے در دولت پر حاضر ہوے' کیواڑ بند تھے - دو چار آوازیں دیں مگر صدائے نہ برخاست - دریافت سے معلوم ہوا کہ اب سوائے ایک بڑھیا کے جو خواجہ صاحب کو کھانا کھلانے آتی ہے اور کوئی اندر جانے نہیں پاتا - وہاں سے یہ حضرات اُس بڑھیا کے گھر پر پہنچے جو خواجہ صاحب کے مکان کے قریب ہی رہتی تھی - بڑھیا کو دو اشرفیاں نذر دیں اور یہ کہا کہ خواجہ صاحب سے کسی طریقہ سے اصلاح دینے کی سفارش کردے' یہ دو اشرفیاں پاکر خوش ہوگئی اور فوراً آکر کیواڑ کھڑکھڑاے - خواجہ صاحب نے بڑھیا کی آہٹ پاکر کیواڑ کھول دئے - اِس نے پہلے تو گڑگڑا تازہ کیا چلم بھرکے خواجہ صاحب کے سامنے گڑگڑا رکھدیا - پھر کہا کہ دو شریف زادے آپ سے ملنا چاہتے ہیں' پوچھا کس غرض سے' بڑھیا نے کہا کہ وہ اصلاح لینے آئے ہیں - خواجہ صاحب نے

پہلے تو بہت انکار کیا مگر وہ بڑھیا بھی ایک بلائے بے درماں تھی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں بہت گستاخ تھی، کہنے لگی کہ چاہے کچھہ ہو آج تو آپ کو اصلاح دینی پڑیگی۔ بے حد اصرار کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا بلاؤ۔ یہ حکم پاتے ہی باہر آئی اور اِن حضرات سے کہا اندر آئیے۔ یہ دونوں بزرگ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے اور بوریے کے ایک کنارے ادب سے تسلیم کر کے بیٹھہ گئے۔ پہلے تو اِن دونوں صاحبوں نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا کہ باریابی کی اجازت ملی پھر ایک مطلع بغرض اصلاح پیش کیا۔ فرمایا پڑھو۔ انھوں نے نہایت فخر کے ساتھہ یہ مطلع پڑھا:

بات میں فرق نہ آنے دیجے　　جان جاتی ہے تو جانے دیجے

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا ہے اصلاح کی ضرورت نہیں۔ مگر دوسرے صاحب بول اُٹھے کہ میری آرزو یہ ہے کہ حضور اس مطلع میں کوئی لفظ رکھدیں۔ جب بے حد اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا پھر پڑھو۔ دوبارہ جب یہ مطلع پڑھا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اسے یوں بنالو:

آن میں حرف نہ آنے دیجے　　جان جاتی ہے تو جانے دیجے

اللہ اللہ خواجہ صاحب نے یہ اصلاح دی یا اپنا کمال فن اور شان اُستادی دکھا دی۔ آن میں حرف نہ آنے دیجے اور جب حرف آگیا تو جان ہوگئی۔ مجھے ڈھونڈے سے بھی وہ الفاظ نہیں ملتے کہ جن الفاظ میں خواجہ صاحب کے اس کمال کی داد دی جاے۔ صبا مرحوم نے بہت صحیح فرمایا ہے:

بیت ہستی کے صبا ہوگئے معنے روشن
خواجہ آتش سا زمانے میں جو اُستاد آیا

افسوس ایسا با کمال اور ماہر فن اُستاد جس کا ایک ایک حرف قابل سند ہو جس کی سحر بیانی کا سکہ دنیاے شاعری میں ہر ایک کے دل پر بیٹھا ہو، جس نے ایشیائی شاعری کو زمین سے آسمان پر پہنچایا ہو اُس کے احسانات تو

هم فراموش کردیں اور اُس کو برے الفاظ سے یاد کر کے اُس کی روح کو صدمہ پہنچائیں—

——(شیخ امام بخش ناسخ)——

خواجہ وزیر (وزیر) آیا وہ ماہ لاؤ پیالا شراب کا
مہتاب کے قریں ہو طلوع آفتاب کا

اصلاح: آیا وہ ماہ لاؤ پیالا شراب کا
مہتاب کے ہو ساتھہ طلوع آفتاب کا

مصرع ثانی میں بجاے "مہتاب کے قریں ہو" کے "مہتاب کے ہو ساتھہ" بنا کر مطلع میں چار چاند لگا دئے—

وزیر: منظور ہے کہ رنج مجھے ہو جہاں کو عیش
رکھوں نہ کوئی باغ میں کانٹا گلاب کا

اصلاح: منظور ہے کہ رنج مجھے ہو، جہاں کو عیش
توڑوں عوض میں پھول کے کانٹا گلاب کا

مصرع ثانی میں بجاے اس کے "رکھوں نہ باغ میں کوئی" کے "توڑوں عوض میں پھول کے" بنا کر شعر کو اور رنگین کر دیا - اُستاد کامل نے کانٹے کی رعایت سے پھول کا لفظ بھی بڑھا دیا اور "توڑوں" کا لفظ پھول اور کانٹے دونوں میں مشترک رہا - اُستادانہ اصلاح دی—

وزیر: زاہد حرام سے کو بتائے گا تو اگر
جنت میں چھین لونگا پیالہ شراب کا

اصلاح: زاہد حرام سے کو نہ کہنا وگر نہ میں
جنت میں چھین لونگا پیالہ شراب کا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اُس سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ہو گئی—

وزیر : شکر ہے اب تک نہ میں منت کش گردوں ہوا
خاک سے پیدا ہوا اور خاک میں مدفوں ہوا

اصلاح : مرگیا لیکن نہ میں منت کش گردوں ہوا
خاک سے پیدا ہوا اور خاک میں مدفوں ہوا

اس اصلاح سے مصرعہ اولیٰ میں زور پیدا ہوگیا۔" شکر ہے اب تک " یہ ٹکڑا برائے بیت تھا—

وزیر : ناز سے آیا سر مرقد وہ رشک آفتاب
گنبد مدفن بھی میرا گنبد گردوں ہوا

اصلاح : فاتحہ پڑھنے کو جب آیا وہ رشک آفتاب
گنبد مدفن بھی میرا گنبد گردوں ہوا

اصلاح سے معشوق کے آنے کی غایت ثابت کردی گئی - اور جب وہ بہر فاتحہ آیا تو گنبد مدفن گنبد گردوں ہوگیا-اور جب مصرع ثانی میں گنبد مدفن موجود ہے تو مصرعہ اولیٰ میں سر مرقد کی ضرورت نہ تھی —

وزیر : چلا ہے او دل راحت طلب کیوں شادماں ہوکر
زمین کوے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

اصلاح : چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہوکر
زمین کوے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

یہ مطلع خواجہ وزیر کے مشہور مطلعوں میں ہے مگر اُستاد نے پہلے مصرع میں بجاے " کیوں " کے " کیا " بنا دیا-اس " کیا " نے کیا کیا معنی مطلع میں پیدا کردئے - سبحان اللہ کیا بے نظیر اصلاح دی اس زمین میں اکثر اساتذہ نے غزلیں کہیں اور " آسماں " کے قافیے میں بہت زور لگاے مگر اس مطلع کا جواب نہ ہوسکا-اس قافیے میں ایک شعر میرا بھی ہے جسے اکثر سخن سنج حضرات نے پسند فرمایا- جی چاہتا ہے کہ ناظرین " مشاطۂ سخن " کے سامنے بھی پیش کردوں

شعر ملاحظہ ہو :

ترے بیمار پر یہ رات بھاری کیوں نہ ہو جاتی
شب فرقت میں تارے ٹوٹتے ہیں آسماں ہوکر

وزیر : اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہوکر

اصلاح : اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

یہ بھی شعر وزیر کا زبانوں پر ہے - پہلے مصرع میں بجائے " باعث " کے " خاطر " بنایا - اس اصلاح کی تعریف کیا ہوسکتی ہے ارباب نظر کے دل سے پوچھئے یہاں خاطر خوب ہے ' حالانکہ باعث کے بھی وہی معنی ہیں جو خاطر کے ' مگر اُستاد کو یہی لفظ پسند آیا —

وزیر : موے ہم رشک کے مارے کیا غیروں کو قتل اُس نے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہوکر

اصلاح : کیا غیروں کو قتل اُس نے موے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہوکر

پہلے مصرع میں جو الفاظ میں اُلٹ پھیر کی گئی اُس سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہوگئی اور تعقید کا عیب بھی مٹ گیا —

وزیر : غضب ہے جھک کے ملتے ہو اور اُس پر قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کہاں ہوکر

اصلاح : ادا سے جھک کے ملتے ہو نگہ سے قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کہاں ہو کر

پہلا مصرع وزیر مرحوم کا بہت ہلکا تھا اصلاح سے اس شعر کا لنگر بڑھ گیا - اور اس اصلاح سے " کہاں " کا قافیہ لاجواب ہوگیا - مگر نواب فصاحت جنگ

حضرت جلیل نے اسی قافیے میں یہ شعر خوب کہا ہے - میرے خیال ناقص میں وز مرحوم کے شعر سے یہ شعر کسی طرح کم نہیں بلکہ واقعات کے اعتبار سے تو یہ ش اُس سے بدرجہا بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے - فرماتے ہیں :

بڑھاپا چرخ کا تیری جوانی دونوں قاتل ہیں
ستمگر تو بنا ہے تیر ہوکر وہ کماں ہوکر

وزیر : بہت کہتا تھا لیکن ضعف سے یاں لب نہیں ہلتے
سبک کر دیتے ہیں حرف سخن بار گراں ہوکر

اصلاح : کہا جو اُس نے چاہا ضعف سے یاں لب نہیں ہلتے
سبک کر دیتے ہیں حرف سخن بار گراں ہوکر

اصلاح سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہوگئی - دوسرا مصرع اسی مصرع کا محتاج تھا —

وزیر : مجکو جس وقت گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دھن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

اصلاح : نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دھن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

یہ مطلع بھی وزیر مرحوم کا زبانوں پر ہے - پہلے مصرع میں بجاے " مجکو جس وقت " کے " نہ کیا ذبح " شیخ صاحب نے بنایا - واقعی عجب اصلاح دی جس سے یہ مطلع آپ ہی اپنا جواب ہوگیا - اس موقع پر مجھے اپنا مطلع یاد آگیا جو ایک رئیس کی فرمایش سے فی البدیہہ عرض کیا تھا، میں نے یوں کہا تھا :

آئینہ دیکھ رہا ہے سر محفل قاتل
مجکو ڈر ہے کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

حضرت ریاض نے یوں بنایا :

آئینہ ہے کہ ہے قاتل کے مقابل قاتل
مجکو ڈر ہے کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

اب اہل نظر وزیر مرحوم کے اس مشہور مطلع سے تقابل کرکے جو چاہیں فیصلہ کردیں —

وزیر: رکھہ نہ دے گردن عشاق پہ مقتل میں چھری
رقص بسمل ہی کے قابل ہے یہ محفل قاتل

اصلاح: پھیر دے گردن عشاق پہ مقتل میں چھری
رقص بسمل ہی کے قابل ہے یہ محفل قاتل

چھری رکھنے سے پھیرنے میں زیادہ مزہ ہے اور اس کا لطف عشاق کے دل سے پوچھئے —

وزیر: گل کھلائے ہیں تری تیغ نے ایسے ایسے
آشیانوں سے نکل آئے عنا دل قاتل

اصلاح: کیا تری تیغ نے جو ہر کا چمن دکھلایا
آشیانوں سے نکل آئے عنا دل قاتل

پہلا مصرع وزیر کا بھی خوب تھا مگر اُستاد کا مصرع اُستادانہ ہے " جوہر کا چمن دکھلایا " اس ٹکڑے کا کیا کہنا - تیغ کی مناسبت سے جوہر کا لفظ خوب ہے اور پھر چمن میں گل بوٹے سب آگئے - کیا خوب اصلاح دی —

وزیر: ادب کی جا ہے بت سنگ آستانۂ عشق
چلوں کا پائے نگہ بن کے سوے خانۂ عشق

اصلاح: خدا نما ہے بت سنگ آستانۂ عشق
چلوں کا پائے نگہ بن کے سوے خانۂ عشق

بت کی رعایت سے بجائے " ادب کی جا ہے " " خدائما " بنایا ہ —

بحر لکھنوی : پھول کانٹے ہوگئے خط آگیا رخسار پر
خار و خس پتی چمن سے حسن جاناں لیچلا

اصلاح : پھول کانٹے ہوگئے خط آگیا رخسار پر
رونق گلزار عارض حسن جاناں لیچلا

اللہ اللہ مصرع ثانی اتنا بےنظیر بنایا کہ شعر یوسف ثانی بن گیا " رونق گلزار عارض " کی بہار تو حسین تھی ہی اُس پہ طرہ یہ کہ " حسن جاناں لیچلا " کتنی نازک اصلاح ہے —

بحر : نفرت ہماری خاک سے بھی یار کو یہ ہے
رکھا قدم تو پایچہ اپنا اُٹھا لیا

اصلاح : نفرت ہماری خاک سے باقی ہے یار کو
رکھا قدم تو پایچہ اپنا اُٹھا لیا

پہلے مصرع میں " یار کو یہ ہے " کانوں کو برا معلوم ہوتا تھا اس لئے اُستادنے " باقی ہے یار کو " بنا کر شعر میں معنوی خو بیاں بڑھادیں مطلب یہ کہ بعد فنا بھی ہماری خاک سے نفرت باقی ہے —

ہ ہم اپنے مکرم و محترم بزرگ خواجہ عشرت لکھنوی کے دل سے شکرگزار ہیں کہ یہ اصلاحیں چالیس سال کی محنت میں خود اس لئے جمع کر رکھیں نہیں کہ وہ خود اس موضوع پر ایک مستقل کتاب " اصلاح " کے نام سے لکھنے والے تھے - مگر " مشاطۂ سخن " حصۂ اول کے شایع ہونے پر اُن کے خیالات بدل گئے - جب مجھے معلوم ہوا میں نے خواجہ صاحب موصوف سے یہ اصلاحیں طلب کیں میری انتہائی خوشامد پر دیلے کا وعدہ فرمایا - آج کل کرتے رہے اور میرا تقاضا روز ہوتا رہا - دو سال کے بعد مصحفی ، آتش ، ناسخ ، خواجہ وزیر و نسیم دہلوی کی اصلاحیں خاص اپنے قلم سے نقل فرما کر مرحمت فرمائیں جس کی اصل خواجہ صاحب کے پاس موجود ہے —

مؤلف

بحر : پہنے بنوا کے انگوٹھی وہ پری کا ٹکڑا
کیا ہی رنگیں ہے یہ لعل جگری کا ٹکڑا

اصلاح : پہنے بنوا کے انگوٹھی وہ پری کا ٹکڑا
دیدۂ تر میں ہے لعل جگري کا ٹکڑا

مصرع ثانی کی ترمیم سے شعر میں کس قدر ترقی ہوگئی " لعل جگري " کے لئے " دیدۂ تر "ہی کی ضرورت تھی —

بحر : رشک سے چاند کو ہالے میں گہن لگ جاتا
اپنے سر پر نہ کبھی آپ نے شملا باندھا

اصلاح : ماہ کا ہالہ سہ طوق غلامی بنتا
اپنے سر پر نہ کبھی آپ نے شملا باندھا

بحر کے مصرعہ اولیٰ میں ایک ذم کا پہلو بھی تھا - ہالۂ ماہ کی رعایت سے " طوق غلامی " بھی خوب بنایا - اصلاح سے یہ شعر روشن ہوگیا - اور معنے بھی کیا سے کیا ہوگئے —

بحر : دیکھکر وہ رخ شفات کہا طوطوں نے
آج آئینے کی ٹٹی لئے صیاد آیا

اِصلاح : دیکھکر چہرۂ شفات کہا طوطوں نے
آج آئینے کی ٹٹی لئے صیاد آیا

پہلے مصرع میں " وہ رخ شفات " کے بجاے " چہرۂ شفات " بنایا جس سے شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

بحر : قامت یار کی تشبیہ جو ڈھونڈھي مینے
اُڑ کے قمری کی طرح خلد سے شمشاد آیا

اصلاح قامت یار کی تشبیہ جو چاہی مینے
اُڑ کے قمری کی طرح خلد سے شمشاد آیا

پہلے مصرع میں بجاے " ڈھونڈھی " کے " چاھی " بنا دیا کیونکہ یہ محل چاھی کا تھا ڈھونڈھی کا نہ تھا —

بحر : تل گئی مہر و وفاے یار اپنی آنکھہ میں
جب ترازو دل میں ہر تیر نظر ہونے لگا

اصلاح: تل گئی مہر و وفاے یار اپنی آنکھہ میں
جب ترازو سینے میں تیر نظر ہونے لگا

مصرع ثانی میں بجاے " دل میں " کے " سینے میں " بنایا اور " ہر " کا لفظ جو زاید تھا اسے بھی اُڑادیا —

بحر : اُڑ کے پھونچوں میں جو اس کے بام پر تو کیا عجب
شہپر شبنم ہوا شوق وصال آفتاب

اصلاح : اُڑ کے پھونچوں میں جو بام یار تک تو کیا عجب
شہپر شبنم ہوا شوق وصال آفتاب

مصرعہ اولی میں " اس کے بام پر " کے بجاے " بام یار تک " بنایا کیونکہ یہ ٹکڑا اُس ٹکڑے سے فصیح ہے —

بحر : طعن رندوں پہ نہ کر شیخ خدا لگتی بول
اس کے الطاف سوا ہیں کہ گنہگار بہت

اصلاح : طعن رندوں پہ نہ کر شیخ خدا لگتی بول
اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

دوسرے مصرع میں (سوا) کے بجاے (بہت) بہت خوب بنایا —

بحر : جان اللہ ہی بچالے دل ہے بیتابانہ آج
اشک بیتھب بہتے ہیں اُٹھاھے آب و دانہ آج

اصلاح : دم نہ ٹھہریگا نہایت دل ہے بیتابانہ آج
اشکِ بیتاب بہتے ہیں اُٹھا ہے آب و دانہ آج

پہلے مصرع میں (جان الدھی بچالے) کے بجائے (دم نہ ٹھہریگا نہایت) بنایا کیونکہ (دل ہے بیتابانہ) کے لئے (دم نہ ٹھہریگا) اسی کی ضرورت تھی —

بحر : گھر سے نکل کے چال چلے کس ادا سے تم
سو سو مزار بن گئے ہر نقش پا کے پاس

اصلاح : گھر سے نکل کے چال چلے کس ادا سے تم
اک تازہ قبر بن گئی ہر نقش پا کے پاس

مصرع ثانی میں " سو سو مزار بن گئے " کے بجائے " اک تازہ قبر بن گئی " بنایا تازہ قبر میں جو جدت پیدا ہو گئی وہ ذوق سلیم پر مخفی نہیں —

بحر : سب عضو بدن شمع صفت بہ گئے گُھل کر
اس آتش دل نے مجھے سیلاب بنایا

اصلاح : سب عضو بدن شمع صفت بہ گئے گُھل کر
اس سوزش دل نے مجھے سیلاب بنایا

مصرع ثانی میں بجائے "آتش دل" کے " سوزش دل " بنایا جس میں زیادہ گرمی اور زور ہے —

بحر : تصویر حسن رنگ بدلتی ہے جابجا
عذرا کہیں بنی یہ کہیں ہیر ہوگئی

اصلاح : عالم میں مختلف ہیں محبت کی صورتیں
عذرا کہیں بنی یہ کہیں ہیر ہو گئی

مصرعۂ اولیٰ کی ترمیم سے بیان میں سلاست بندش میں زرا چستی آگئی —

بحر : قدم میکدے سے نہ نکلیگا اپنا
یہیں نشہ میں گرتے پڑتے رہینگے

اصلاح : قدم میکدے سے نہ نکلیگا باہر
یہیں نشہ میں گرتے پڑتے رہینگے

مصرعۂ اولیٰ میں " اپنا " کی ضرورت نہ تھی اس لئے " باہر " بنادیا —

بحر : اتنی بے پروائی بھی اچھی نہیں
لوگ کرتے ہیں شکایت آپ کی

اصلاح : اتنی بے پروائیاں اچھی نہیں
لوگ کرتے ہیں شکایت آپ کی

مصرعۂ اولیٰ میں (بھی) زائد تھا اس ترمیم سے بندش زرا چست ہو گئی اور زبان کا لطف بھی بڑھ گیا —

بحر : شہید عشق سے تلوار کے پھل کا مزا پوچھو
وہ عالم ہے کہ مونہ میں زخم کے انگور حنظل ہے

اصلاح : شہید عشق سے تلوار کے پھل کا مزا پوچھو
وہ لذت ہے کہ مونہ میں زخم کے انگور حنظل ہے

مصرع ثانی میں بجاے (عالم) کے (لذت) بنایا ، ایک لفظ کی ترمیم سے شعر مزے کا ہوگیا - واقعی مونہ کے لئے لذت ہی کی ضرورت تھی —

بحر : ہمنے جب چشم خریداری سے دیکھا سوے باغ
پھول مہنگے ہوگئے داغوں کی ارزانی ہوی

اصلاح : ہم نے جب چشم خریداری سے دیکھا باغ کو
پھول مہنگے ہو گئے داغوں کی ارزانی ہوئی

مصرعۂ اولیٰ میں بجاے "سوے باغ" "باغ کو" بنایا جس سے روانی پیدا ہوگئی-

بحر: شعلہ رویوں کی تجلّی کا کوئی خواہاں نہیں
شمع روشن ہے پتنگوں کو ستم کی روشنی

اصلاح: شمع رویوں کی تجلی کا کوئی خواہاں نہیں
شمع روشن ہے پتنگوں کو ستم کی روشنی

اس ایک لفظ کی ترمیم سے مضمون مصرع ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا۔ شمع روشن کے لئے شمع رویوں ہی کی ضرورت تھی۔

بحر: تم جو عاشق کی طرف اے ماہ پیکر بولتے
کبک کے آگے نہ یوں بڑھ بڑھ کے تیتر بولتے

اصلاح: تم جو عاشق کی طرف اے ماہ انور بولتے
کبک کے آگے نہ یوں بڑھ بڑھ کے تیتر بولتے

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "ماہ پیکر" کے "ماہ انور" بنایا ظاہر ہے کہ ماہ پیکر سے ماہ انور زیادہ روشن ہے*

——(مرزا نوشہ غالب)——

خواجہ قمرالدین (راقم) دہلوی:

اللہ میں ہوں اور ہے غم وصل یار کا
کیا جانے کوئی درد دل بے قرار کا

اصلاح: اللہ میں ہوں اور یہ غم وصل یار کا
تو جانتا ہے درد دل بے قرار کا

پہلے مصرع میں بجائے "ہے" کے "یہ" بنایا جس سے مصرع کا زور اور بڑھ گیا۔ دوسرا مصرع راقم کا بھی خوب تھا مگر یہ غالب ہی سے اُستاد کا کام تھا

---

* مکرمی سید مقبول حسین وصل بلگرامی اڈیٹر "مرقع" کے پاس جناب بحر کا قلمی دیوان موجود ہے، جس پر ناسخ مرحوم کی اصلاحیں جابجا ہیں اُس میں سے یہ چند اصلاحیں انتخاب کی گئیں —

کہ دوسرے مصرع میں "کیا جانے کوئی" کو قلم زد کر کے "تو جانتا ہے" بنایا چونکہ پہلے مصرع میں خطاب اللہ سے ہے اس لئے اس جواہر نگار ٹکڑے کی کیا تعریف ہو سکتی ہے مصرع ثانی کی اصلاح سے اول تو درد کی کوئی انتہا نہ رہی دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ میں محبت میں اس قدر ضبط کرتا ہوں کہ زبان سے شکوۂ درد کسی سے بھی نہیں کرتا، اس لئے کہ تو عالم الغیب ہے تجھ پر میرے درد کا حال روشن ہے—

راقم: تکلیف کیوں سنے کسی خستہ جگر کی وہ
افسانہ جو سنے ستم روزگار کا

اصلاح: تکلیف کیوں سنے وہ کسی دردمند کی
افسانہ جو سنے ستم روزگار کا

پہلے مصرع میں بجائے "خستہ جگر کی وہ" کے "وہ کسی دردمند کی" بنایا۔ ظاہر ہے کہ خستہ جگر سے دردمند زیادہ مؤثر ہے۔ اصلاح سے شعر میں درد و اثر بڑھ گیا۔

راقم: راقم بہت ہی ہمنے اُٹھائے ہیں جور یار
لیکن اُٹھا سکے نہ ستم روزگار کا

اصلاح: راقم اُٹھائے ہمنے بہت جور یار کے
لیکن اُٹھا سکے نہ ستم روزگار کا

اس اصلاح سے مصرعۂ اولیٰ میں سلاست اور روانی پیدا ہوگئی*

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی:

کریں اہل دنیا نہ آتش مزاجی
انہیں ایک دن خاک ہونا پڑیگا

---

* یہ اصلاحیں خدا بخشے نواب بہادر حسین خاں انجم لکھنوی سے مولف کو دستیاب ہوئیں—

اصلاح : عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی
تمھیں ایک دن خاک ہونا پڑیگا

جناب حالی اہل دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں مگر اصلاح میں اُستاد غالب نے عزیزوں کو مخاطب کیا ہے - اب اس نازک فرق کو باریک بیں نگاہیں دیکھہ سکتی ہیں کہ اصلاح سے کیا بات پیدا ہو گئی جس کی شرح نہیں ہو سکتی -

حالی : ہوے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب بڑھاپے میں ہونا پڑیگا

اصلاح : ہوے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب میری جان ہونا پڑیگا

اس اصلاح کو اُسی زمانے کے نقطۂ نظر سے ملاحظہ فرمائیے - زمانہ حال کی تہذیب شاید (مری جان) کی متحمل نہیں - جانی کا لفظ جان کے استاد نے رکھا - لطف زبان کس قدر بڑہ گیا ہے - دوسرے مصرعہ میں بیشک بڑھاپے کی ضرورت تھی ' لیکن اب کا لفظ بالکل کافی ہے اور اس میں زیادہ لطف ہے —

حالی : چپ چپاتے کسی کافر کو دیا دل ہمنے
ماں مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

اصلاح : چپ چپا تے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
ماں مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

اللہ اللہ پہلا مصرع کس حسن سے بنایا " اُسے دے آے دل اک بات پہ ہم " اس بات کی کیا بات ہے اس اصلاح سے شعر میں ایک خاص ادا پیدا ہوگئی اور ایک بات کے کیا کیا معنی پیدا ہو گئے —

حالی : بارہا دیکھہ چکے تیرا فریب اے ظالم
ہمسے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

اصلاح : بارہا دیکھہ چکے تیرا فریب اے دنیا
ہمسے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

پہلے مصرع میں بجاے (ظالم) کے (دنیا) بنایا۔ جس سے شعر میں حددرجہ کی ترقی ہوی اور یہی ایک لفظ (دنیا) شعر کی جان ہوگئی - اصلاح اسی کا نام ہے* —

——(خاقانی ہند شیخ محمد ابراھیم ذوق)——

فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دھلوی —

شوخي سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برق ادا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج

اصلاح : شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برق بلا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج

مصرع ثانی میں استاد کامل نے بجاے (برق ادا) کے (برق بلا) بنایا - برق ادا ھی کیا کم تھی مگر گرنے کے لئے برق بلا ھی خوب ہے - چونکہ بلائیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں ' اس لئے شوخی نظر کو برق بلا سے استعارہ کیا† —

---

* یہ اصلاحیں مولانا نجیب الدہ (نجیب) فرنگی محلی لکھنوی سے ملیں جو مولانا حالی کے خاص دوستوں میں ہیں اور خاکسار مولف کے بے تکلف ملنے والوں میں —مولف

† مشاطۂ سخن حصۂ اول میں بھی ذوق مرحوم کی اصلاحیں بہت کم ہیں - اس حصے کے لئے جہاں تک میری امکانی کوشش تھی کی گئی - جابجا خطوط بھیجے ' رسالوں اور اخباروں میں اشتہار دیے-صرف مکرمی بیخود دھلوی نے تو جواب دیا کہ میں صاحب فراش ہوں اور کسی صاحب نے جواب تک نہ دیا - حسن اتفاق ایک دن میں مطبی ایس - اے حکیم کے شفا خانہ واقع نظیر آباد لکھنؤ میں جو خاص علاج میں شہرت رکھتے ہیں بیٹھا ہوا تھا - ان کے ہاں ایک بزرگ سے جن کی عمر تخمیناً ۹۵ سال کی تھی حکیم صاحب موصوف کے بدولت تعارف ہوا - یہ بزرگ دھلي کے رہنے والے اور داغ مرحوم کے خاص ملنے والوں میں تھے - ان کی زبان سے یہ اصلاح سن کر میں نے اپنے تحویل حافظہ میں محفوظ کرلی - ان کا نام سید عارف حسین تھا -

—— (تدبیرالدولہ مدبرالملک منشی مظفر علی اسیر) ——

نواب مہدی حسین ماہر لکھنوی —

کیا کیا قتل مجکو قاتل ہوا ہوا خون مجھہ حزیں کا
یہ تر ہے دامن نہ کوئی پکڑے لہو تو دھو تال آستین کا

اصلاح : کیا کیا قتل مجکو قاتل کیا کیا خون مجھہ حزیں کا
ارے گریباں نہ کوئی پکڑے لہو تو دھوتال آستیں کا

مصرعۂ اولی پر یہ نوٹ لکھکر (کیا کیا) بنایا کہ (ہوا ہوا) یہ سیاروں کی بولی مجھے پسند نہیں اور مصرع ثانی میں بجاے (یہ تر ہے) کے (ارے گریباں) بنایا۔ استاد کامل نے اس اصلاح میں دامن و گریباں کا جو نازک فرق دکھایا ہے وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہے - یہ موقع دامن پکڑنے کا نہ تھا - بلکہ بالعموم مجرم کا گریباں ہی پکڑا جاتا ہے - (ارے) کا لفظ تو اس مطلع میں قیامت کا رکھدیاہے - اب یہ مطلع زبان کے سانچے میں ڈھل کر آپ ہی اپنا جواب ہوگیا* —

نواب بہادر حسین خاں انجم لکھنوی —

ترے درد کا دل مبتلا یہ بتا علاج میں کیا کروں
جوطبیب ہوں تو دواکروں جو فقیر ہوں تو دعاکروں

اصلاح : ترے درد کا دل مبتلا یہ بتا علاج میں کیاکروں
نہ طبیب ہوں کہ دواکروں نہ فقیر ہوں کہ دعاکروں

جیسا بیمثل مطلع تھا ویسی ہی بے نظیر اصلاح بھی استاد نے دی - مصرع ثانی میں دونوں جگہ " نہ " کا لفظ رکھکر بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا - اس اصلاح سے مطلع میں ترقی کے علاوہ جو لطافت پیدا ہوگئی - اُسکا لطف کچھہ ایک نکتہ سنج شاعرھی کا دل اُٹھا سکتا ہے -

---

* یہ اصلاح بندے صاحب (اختر) خلف اخر شہہ مرحوم سے سنکر میں نے نوٹ کرلی تھی جو ماہر مرحوم کے عزیزوں میں تھے —

الله الله - نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں-
یہ مصرع ہے کہ موتیوں کی لڑی جس کی جی کھول کے داد حضرت طاہر فرخ آبادی نے بھی دی ہے - طاہر مرحوم کا وہ خط مرقع ادب حصۂ اول میں شائع ہو چکا ہے - اس اصلاح کا ذکر مؤلف سے خود انجم مرحوم نے کیا تھا- اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے - سراپا تصویر محبت تھے —
داروغہ واجد حسین واقف لکھنوی —

جس کو بحرین لوگ کہتے ہیں دو یہ قطرے ہیں دیدۂ تر کے

اصلاح : جس کو بحرین لوگ کہتے ہیں دو یہ چشمے ہیں دیدۂ تر کے

مصرع ثانی میں بجائے " قطرے " کے " چشمے " بنایا جس سے شعر میں روانی اور ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ صنعت مراۃالنظیر بھی پیدا ہوگئی- میں تو یہ کہوں گا کہ اُستاد کامل نے قطرے کو دریا کردیا —

واقف : ہیں جہاں میں جو مرد اُنھیں واقف
کوشش نام و ننگ رہتی ہے

اصلاح : مرد جو ہیں اُنھیں کو اے واقف
کوشش نام و ننگ رہتی ہے

الفاظ وہی ہیں مگر زرا سے اُلٹ پھیر میں بندش میں چستی اور بیان میں لطافت پیدا ہو گئی —

واقف : آگئی موت بے اجل اُس کی
جس کو دیکھا زرا نظر بھر کے

اصلاح : آئی موت بے اجل اُس کی
تو نے دیکھا جسے نظر بھر کے

مصرع ثانی کی ترمیم سے شعر میں جان پڑگئی - اور لفظ (تو نے) سے صفائی پیدا ہوگئی -

واقف : کیا رنگ ہے میرے سیمتن کا
کندن کی طرح چمک رہا ہے

اصلاح : کیا رنگ ہے چمپئی تمہارا
کندن کی طرح دمک رہا ہے

پہلے مصرع میں (سیمتن) کے بجاے (چمپئی) بنایا اور دوسرے مصرع میں (چمک) کو قلم زد کرکے (دمک) کا لفظ رکھدیا جس سے شعر میں عجیب رنگ پیدا ہوگیا - کندن کی مناسبت سے چمپئی رنگ بنایا - اور ایک نازک بات یہ بتائی کہ کندن میں چمک نہیں ہوتی اس لئے (دمک) بنایا - کیونکہ کندن میں دمک ہوتی ہے - جو اصلاح ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے جس سے اُستاد کی اُستادی اور بالغ النظری کا پتا چلتا ہے —

واقف : اگر سوز نہاں تاثیر دکھلائے عیاں ہوکر
مری تصویر کا بھی رنگ اُڑجائے دھواں ہوکر

اصلاح : دکھا دے گر* اثر سوز نہاں میرا عیاں ہوکر
مری تصویر کا بھی رنگ اُڑجائے دھواں ہوکر

پہلا مصرع سلاست اور صفائی کی غرض سے بدلا گیا —

واقف : پوچھ لے اے مہ جبیں گر چاہتا ہے امتیاز
ہمسے تو چاہ ذقن یوسف سے گرنا چاہ کا

اصلاح : قافلہ کس طرح آتا مصر جاتے کس طرح
وجہ رفعت ہو گیا یوسف کو گرنا چاہ کا

یہ کلام جناب واقف کا سنہ ۱۲۸۶ ھجری کا ہے - جب حضرت کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی تھی - اس شعر سے ان کی کم مشقی کی تصدیق ہوتی ہے - عام طور پر اور حضرات اپنے ابتدائی کلام کو عیب سمجھ کر چھپاتے ہیں مگر ہمارے محترم

* اُس زمانہ میں لفظ ''گر'' متروک نہیں تھا - مؤلف

دوست نے ہمیں شوق سے اس کلام کے اشاعت کی اجازت دیدی ۔ ہم بھی اُستاد اسیر مرحوم کی ایک ایک اصلاح کو تبرک سمجھ کر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس اصلاح میں اُستاد نے شاگرد کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کر کے اپنی اُستادی کا ثبوت دیا ہے۔

واقف: پھر رہے ہیں رات دن لیتے نہیں منزل پہ دم
قافلہ گُم ہو گیا شاید کہ مہر و ماہ کا

اصلاح: جستجو میں رات دن پھرتے ہیں دم لیتے نہیں
قافلہ گُم ہو گیا شاید کہ مہر و ماہ کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا اور باہم دونوں مصرعوں میں ربط پیدا ہوگیا—

واقف: خضر بہکانے جو آئیں راہ الفت میں تو کیا
کوئی رہبر ساتھہ دیتا ہے کسی گمراہ کا

اصلاح: رہبری راہ محبت کی بہت دشوار ہے
خضر رکھتے ہیں وہاں سب نام ہر گمراہ کا

شاگرد کا شعر بہت اُلجھا ہوا تھا اُسی مفہوم کو اُستاد نے اپنے الفاظ میں کس حسن سے ادا کر دیا ۔

واقف: کیوں نہ دل زلفوں سے چھٹ کر چشم جاناں میں گرے
راہ رو کی موت ہے ظلمت میں ہونا چاہ کا

اصلاح: دل گرا چاہ ذقن میں آئی جب چہرے پہ زلف
راہ رو کی موت ہے ظلمت میں ہونا چاہ کا

اصل مصرع حضرت واقف کا کچھہ نہ تھا ۔ اصلاحی مصرع سے شعر با معنی و لطیف ہو گیا اب مصرع ثانی کو مصرعۂ اولیٰ سے ربط پیدا ہو گیا ۔

واقف: سراسر وصف موزوں ہے جو میرے ماہ کنعاں کا
کنواں کیونکر نہ بن جائے ہر ہر شعر دیواں کا

اصلاح: رقم شعروں میں مضموں ہے جو ہجر ماہ کنعاں کا
بیاض دیدۂ یعقوب ہے ہر صفحہ دیواں کا

جناب واقف کی ناواقفی کا زمانہ' شاعری کی بسم‌اللہ تھی دونوں مصرعے بے ربط تھے اُستاد نے اِنھیں قافیوں میں اور نو آموز شاگرد کے خیالات کو مد نظر رکھتے ہوے کتنا حسین مطلع کہدیا کہ جس کی تعریف میں زبان و قلم دونوں قاصر ہیں۔ایسے ہی مواقعات پر اساتذہ کو مجبور ہوکر کہنا پڑتا ہے جب شعر میں گنجائش اصلاح نہیں دیکھتے —

واقف: کبھی گر شوق وحشت میں ہوا دید گلستاں کا
بنا لیتا ہوں اک گلدستہ میں خار مغیلاں کا

اصلاح: سلامت خون چھالوں کا بیاباں بھی گلستاں ہے
بنا لیتا ہوں ایک گل دستہ میں خار مغیلاں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں رنگینی پیدا ہوگئی۔اور باہم دونوں مصرعوں میں ربط پیدا ہوگیا —

واقف: کیا اُس ماہ وش نے جب کہ ساماں عید ملنے کا
مہ انور گلے مل کر بنا کنتھا گریباں کا

اصلاح: نئی پوشاک جب اُس ماہ وش نے عید کو بدلی
گلے مل کر مہ انور بنا کنتھا گریباں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ہوگئی۔گریباں کے کنتھے کی مناسبت سے نئی پوشاک کی ضرورت تھی۔دوسرے مصرع میں تعقید تھی اُسے بھی رفع کیا—

واقف: یہاں تک اُس پری نے قید سمجھ دیوانے کو رکھا
کہ آخر سڑکے خود ہی گر گیا دروازہ زنداں کا

اصلاح: ہوا وجہ رہائی بعد مدت اشک کا پانی
کہ آخر سڑکے خود ہی گر گیا دروازہ زنداں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر شعر ہوگیا اور ثبوت مصرع ثانی کا قوی ہوگیا —

واقف: وہ اُلجھن ہو شب فرقت کہ ہر تار نفس ٹوٹے
بگڑ جانا ہماری موت ہے زلف پریشاں کا

اصلاح: اُدھر ٹوٹا کوئی بال اس طرف تار نفس ٹوٹا
بگڑ جانا ہماری موت ہے زلف پریشاں کا

پہلا مصرعہ خوب بنایا گیا۔ مگر دوسرے مصرع میں پھر بھی ایک ہلکی سی تعقید رہ گئی۔ اِسے سہو نظر کےسوا اور کیا کہا جاے —

واقف: ہوائے فصل گل آئی ہے کیا مجھکو ستانے کو
دھائی خرد بخود دیتا ہے کیوں دروازہ زنداں کا

اصلاح: ہوائے فصل گل آئی ہے شاید میرے لینے کو
کھلا جاتا ہے ہر دم آپ ہی دروازہ زنداں کا

سبحان اللہ کیا اُستادانہ اصلاح دی۔ "شاید میرے لینے کو" اس ٹکڑے نے شعر کو کس قدر بلند کردیا اور پھر دوسرے مصرع میں "کھلا جاتا ہے ہر دم" کیا خوب بنایا۔ ہوائے فصل گل کی مناسبت سے "دم" کا لفظ بھی بہت خوب ہے —

واقف: خوت ہے پنجۂ وحشت کی در اندازی سے
او مصور نہ بنانا مری تصویر میں ہاتھ

اصلاح: زور وحشت سے گریباں نہ کہیں چاک کرے
اُو مصور نہ بنانا مری تصویر میں ہاتھہ

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں زور پیدا ہوگیا - بندش چست ہوگئی - چاک گریباں کے لئے زور وحشت ہی کی ضرورت تھی

واقف: میں نے بلند نام ترا مہ لقا کیا
عنقا کیا کمر کو دہن کو ہما کیا

اصلاح: میں نے بلند نام ترا مہ لقا کیا
سائے کو تیرے سایۂ بال ہما کیا

جناب واقف کا دوسرا مصرع کچھہ نہ تھا - اُستاد نے مصرع ثانی کو ترمیم کرکے مصرعۂ اولیٰ کا صحیح مفہوم ادا کردیا - اس اصلاح سے شعر میں جو نزاکت پیدا ہوگئی وہ اہل نظر سے مخفی نہیں-

واقف: یہ کم مشقی تو دیکھو چھد گیا دل
جگر جب اُس کماں ابرو نے تاکا

اصلاح: نظر کا تیر دل نے بڑھ کے روکا
جگر جب اُس کماں ابرو نے تاکا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ معنی آفرینی کا ایک پر لطف حصہ بڑھ گیا "دل نے بڑھ کے روکا" اس ٹکڑے نے شعر میں ایک بانکپن پیدا کر دیا -

واقف: وہ شہسوار نہ دیکھا جو اپنے کوچے میں جا
مرا غبار بھی ہر سو رواں دواں ہوگا

اصلاح: نہ اپنے دل میں جو دیکھا جگہ وہ آئینہ رو
مرا غبار بھی ہو سو رواں دواں ہوگا

جناب واقف نے غبار کی رعایت سے شہسوار کہا تھا مگر اُستاد نے "آئینہ رو"

بنا کر شعر میں صفائی پیدا کر دی۔

واقف: تمہارا چاند سا مکھڑا جو دیکھہ لوں گا کبھی
تو پارہ پارہ بدن صورت کتاں ہوگا

اصلاح: تمہارا چاند سا مکھڑا نظر جو آئے گا
تو ٹکڑے جامۂ تن صورت کتاں ہوگا

پہلے مصرع میں بجائے "جو دیکھہ لوں گا کبھی" کے "نظر جو آئے گا" بنایا اور دوسرے مصرع میں "تو پارہ پارہ بدن" کو قلم زد کرکے "تو ٹکڑے جامۂ تن" لکھدیا۔ "تو پارہ پارہ بدن" برا تھا۔ کیونکہ صورت کتاں ٹکڑے جامۂ تن ہی ہوتا ہے۔ بدن نہیں ہوتا۔

واقف: جان دی ہم نے جو اے جان تمہارے غم میں
تم نے بھولے سے بھی ہم کو نہ کبھی یاد کیا

اصلاح: اسی حسرت میں یہاں مرگئے مرتے مرتے
تم نے بھولے سے بھی ہم کو نہ کبھی یاد کیا

جناب واقف کا پہلا مصرع دوسرے مصرع سے منطبق نہ تھا اس لیے اُستاد نے دوسرا مصرع لگاکر شعر کو پر لطف کر دیا۔ "مرتے مرتے" یہ ٹکڑا اس شعر کی جان ہے۔

واقف: یہی دعویٰ ہے مسیحائی کا اے رشک مسیح
مرگئے ہم نہ مگر عشق کا آزار گیا

اصلاح: اے مسیحا یہی دعوائے مسیحائی ہے
مرگئے ہم نہ مگر عشق کا آزار گیا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی و روانی پیدا ہوگئی۔ اصلاح نہیں اعجاز ہے۔

واقف: جیتے جی دوں کا پیام اُن کو نہ اب وصل کا میں
اُن کے ہر روز کے انکار سے میں ہار گیا

اصلاح: جیتے جی دونکا پیام اُن کو نہ اب وصل کا میں
اُن کے ہر روز کے انکار سے دل ہار گیا

مصرع ثانی میں بجائے "میں" کے "دل" بنایا حالانکہ "میں" بھی غلط نہیں مگر "دل ہار گیا" خاص اسی محل کا صرف ہے*۔

---

* ہم اپنے محترم بزرگ جناب مرزا واجد حسین (واقف) دارونۂ شیش محل کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ موصوف نے ہماری نا چیز استدعا پر کئی قیمتی دن اپنے خراب کئے اور بڑی جستجو و تلاش کے بعد سنہ ۱۲۸۶ ھجری کے کاغذات نکالے جس کو ۶۰ سال کا زمانہ گزر گیا بحمداللہ کہ اصلاحیں کل محفوظ نکل آئیں اور میں نے نقل کرلیں اور اب حضرت واقف غزل کم کہتے ہیں۔ فن تاریخ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ مادۂ تاریخ تو آپ فی البدیہہ کہدیتے ہیں۔ اگر آپ کی کل تاریخیں جمع کی جائیں تو بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ الف لیلہ سے ضخامت میں کم نہ ہوں۔ آپ نے فن تاریخ میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو غیر مطبوعہ ہے اگر چھپ جائے تو نہایت کارآمد و مفید ہو۔ آپ نے اپنے اُستاد حضرت اسیر مرحوم کی تاریخ وفات صنعت سیاق الاعداد میں لکھی ہے وہ یہ ہے، فرماتے ہیں:

اسیر کا ذکر کیا ہے واقف یہ ہے جہاں کا نظام برحق
خدا ہے برحق نبی ہے برحق نبی کا اُس کے کلام برحق
جگے ہزاروں برس بھی کوئی مگر قضا کا ہے دام برحق
نبود و نہ نام حق ہیں برحق دوازدہ ہیں امام برحق

سنہ ۱۲۹۹ ھجری

ادبی بات چیت*

۴ - روس (بسلسلۂ گذشتہ)

از

(جناب شاهد سہروردی صاحب)

پشکن کی طرح نکولائی واسی لی وچ گوگول (Nikolai Vassilievitch Gogol) بھی روس کی قومی ادبیات کا بانی ہے - اس کا فن اخلاقی حیثیت رکھتا ہے - اپنے قصوں کے افراد کی سیرتوں کا بیان وہ ظریفانہ اور طنزیہ پیرایہ میں کرتا ہے- یہ سیرتیں ایسی سیرتیں ہوتی ہیں، جو زندگی کی تاریک اور سلبی (نہ کہ ایجابی) سطحوں کے نیچے پائی جاتی ہیں - ان کی جو تصویریں وہ کھینچتا ہے، ان میں غم آلود تمسخر کا رنگ جھلکتا ہے؛ گویا یوں سمجھو کہ اس کی آنکھیں تو آنسو بہاتی ہیں، لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی ہے - وہ اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی کو اصلاح اور ترقی کی دعوت تو دیتا ہے، لیکن خود نہ اصلاح کو مانتا ہے اور نہ ترقی کا قایل ہے - چونکہ گوگول ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے روسی ادبیات کی اس صفت حقیقت کو واضح کیا جو آج تک اسی طرح چلی آتی ہے، اس لئے اس کا اثر روسی ادبیات پر بہت گہرا ہوا - یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ حقیقت نگاری کے اعتبار سے گوگول سب سے پہلا مصنف ہے؛ لیکن

---

* اس ادبی بات چیت کا ترجمہ ابتدا سے مولوی سید وہاج الدین صاحب پروفیسر اورنگ آباد کالج نے فرمایا ہے—

اس کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس نے ادبیات میں حقیقت پسندی کے رجحان کو نمایاں جگہ دی، اور اس طرح اسے زندگی کے حقائق سے نزدیک تر کر دیا—

نکولائی واسی لی وچ گوگول کی ولادت پل تاوا (Paltava) کے نزدیک ایک مقام "سے روسنت زی" (Sarocintzy) میں ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۰۹ کو واقع ہوئی۔ اس کا باپ ایک قدیم کاسک خاندان کا رکن تھا، اور ادبیات کا تھوڑا بہت ذوق بھی رکھتا تھا؛ لیکن چونکہ گوگول کے سر سے اس کا سایہ بچپن ہی میں اُٹھ گیا، اس لئے اپنے بیٹے پر وہ کچھ زیادہ اثر نہ ڈال سکا۔ گوگول کی ماں ایک نیک دل اور عبادت گزار عورت تھی، لیکن ضرورت سے زیادہ ذکی الحس بھی تھی۔ گوگول کی بے انتہا حساس فطرت، اور گہری مذہبیت: یہ اسے اپنی ماں ہی سے ترکے میں ملے ہیں—

دس برس کی عمر میں وہ پل تاوا کے ایک مدرسے میں داخل ہوا، لیکن دو سال بعد وہ نی گن (Niegin) کے "مدرسۂ علوم عالیہ" School of Superior Sciences میں شریک ہوگیا۔ وہ کچھ زیادہ محنتی نہ تھا، اور اس کے اُستاد اسے غبی خیال کرتے تھے۔ اسے اگر کسی چیز کے مطالعہ میں دلچسپی تھی، تو صرف تاریخ میں، لیکن ابتدائے عمر ہی سے اس میں فن لطیف کے مطالعہ کا ذوق بھی موجود تھا۔ اسے ڈرائنگ کے ساتھہ خاص شغف تھا، اور تھیٹر کا بھی اسے بہت شوق تھا۔ اس کے مدرسہ میں ایک تھیٹر بھی تھا، اور گوگول اس میں اکثر حصہ لیا کرتا تھا اور عام طور پر مزاحیہ روپ بھرا کرتا تھا۔ مدرسہ سے ایک قلمی رسالہ بھی نکلا کرتا تھا، اور اس میں بھی وہ مدد دیا کرتا تھا۔ سنہ ۱۸۲۸ع میں اس کے مدرسے کی تعلیم ختم ہوگئی، اور اسی سال وہ سیول سروس میں شریک ہونے کی غرض سے سینٹ پی ٹرس برگ [St. Petersburgh] چلا گیا۔ لیکن یہ خدمت اسے کچھہ زیادہ پسند نہ آئی، اور اس نے کئی مرتبہ اپنا پیشہ تبدیل کیا۔ پہلے وہ تھیٹر میں شریک ہونا اور اکثر بلنا چاہتا تھا، لیکن وہ روس

سے باہر سیاحت کے لئے چل کھڑا ہوا ' اور بالآخر ادبیات کو اپنا شغل قرار دیا ۔ سنہ ۱۸۲۹ع میں اس نے آلوف [Allov] کے فرضی نام سے ایک منظوم دیہاتی قصہ موسوم بہ ہینز کوشل گارتن [Hanz Kuchelgarten] لکھا لیکن تنقید نگاروں نے اس نظم کی خوب دھجیاں اُڑائیں نتیجہ یہ ہوا کہ اس من چلے مبتدی نے اس کی تمام جلدیں اکٹھا کیں اور اُن میں آگ لگادی مگر اس سے اس کا دلی جوش سرد نہ پڑا ۔ اسے اپنے پیشے (ادبیات) پر پورا پورا اعتقاد تھا ' اور چونکہ وہ ایک مذہبی شخص تھا' اس لئے وہ مصائب کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آزمائشیں ہیں جن سے میری روح کو اور تقویت حاصل ہوگی ؛ اور اس خیال سے وہ انہیں صبر کے ساتھ برداشت کیا کرتا تھا ۔ روسی ادبیات کا مطالعہ کرتے وقت اس چیز کے دیکھنے کی بڑی ضرورت ہے کہ مشہور روسی مصنفوں کی خلاق ذہنیت کن مذہبی بنیادوں پر مبنی ہے—

گوگول کی دوسری ادبی کوشش اپنے وطن روس خورد یعنی اکرے نیا [Ukrania] کا حال لکھنے کے متعلق تھی ۔ یہ حصہ اپنی بوقلمونی ' اور قدیم رسم و رواج کی فراوانی کی وجہ سے ممتاز ہے اور گوگول کو اس کے ساتھ سچی محبت تھی ۔ جو افسانے اس نے اس سلسلے میں لکھے وہ اس کی پہلی مشہور کتاب [The evnings at the farm near Dikanda] کا جز ہیں—

اپنے ادبی مشاغل کی وجہ سے اُسے کئی ہم عصر مصنفین اور شعرا سے ربط ضبط بڑھانے کا موقع ملا ان نئے دوستوں نے اس کی ذکاوت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا' اور انہی کی مدد سے وہ امیروں کے گھروں میں خانگی طور پر پڑھا کر ' نیز "آدارۂ وطنی" [Patriotic Institute] کا مدرس بن کر کسب معاش کرنے لگا ۔ سنہ ۱۸۳۱ع کے موسم بہار میں گوگول کی شناسائی پشکن سے ہوئی ۔ اس دوستی کا ' نیز اس ادبی حلقے کا جو پشکن کے گرد و پیش رہا کرتا تھا ' گوگول پر بہت کچھ اثر ہوا ۔ پشکن کی تنقیدوں ہی کی وجہ سے اِس کو یہ معلوم

ہوا کہ مجھ میں عوام کی روز مرہ کی زندگی کے مشاہدے اور اس کے بیان کرنے کا خاص ملکہ ہے - گو گول اپنی تمام ادبی تجویزیں ہمیشہ پش کن کے سامنے پیش کردیا کرتا تھا ' اور اس کے مشورے کے بغیر کوئی تصنیف شروع نہ کرتا تھا - اس کے دو بہترین افسانوں Inspector General اور "Dead Souls" کے پلاٹ پش کن ہی کے بتائے ہوئے ہیں —

پش کن سے تعارف پیدا کرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد گو گول کی پہلی تصنیف شایع ہوئی- اس کی معصومانہ ظرافت اور شاعرانہ حساسیت پش‌کن کو بہت پسند آئی - عوام نے بھی اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا - یہ اور اس کے بعد کے چند سال گوگول کی زندگی‌کے بہترین سال تھے - دولت صحت کے ساتھہ اسے خوش حالی بھی نصیب تھی ' اور روس کے مشہور ترین ادبی حلقے میں اس کو شہرت اور عزت حاصل تھی - اِس زمانے میں اسے صرف ایک ناکامی ہوئی اور وہ یہ تھی کہ اس نے یونیورسٹی کی ملازمت کی کوشش کی اور اسے تاریخ کی پروفیسری دے بھی دی گئی ؛ لیکن اس مضمون کے متعلق اس کی معلومات بہت ناکافی تھیں' چنانچہ ایک ہی سال کے بعد اسے مجبوراً یہ جگہ چھوڑ دینی پڑی - اس واقعہ کے بعد اس نے خود کو تمام وکمال ادبیات کے لئے واقف کردیا ' اور یہ سمجھنے لگا کہ اپنے ملک کی روشن خیالی کو بڑھانے کا اگر کوئی طریقہ میرے پاس ہے تو وہ صرف ادبی خدمت‌ہی ہے —

سنہ۱۸۳۵ ع‌میں اس نے افسانوں کی دو کتابیں "Arabesque" اور Mirgorod شایع کیں [Mirgorod ایک شہر کا فرضی نام ہے اور اس کے معنی شانتی پور یا بلدالامن کے ہیں] ان میں سے آخرالذکر مجموعے میں گو گول کی سب سے پہلی ضخیم ادبی کوشش یعنی تاراس بلبا [Taras Bulba] نام کا قصہ ہے ' اور اس مطالعہ کا نتیجہ ہے جو اس نے جنوبی روس کی تاریخ کا کیا تھا - پہلے مجموعے یعنی Arabesque میں گوگول نے " ازمنۂ وسطیٰ" پش کن کی شاعری "اُکیرین‌گیت"

[Ukranian songs] " فن عمارت " وغیرہ پر متعدد مضامین لکھے ہیں —

سنہ ۱۸۲۵ع میں گوگول نے اپنا مشہور بزمیہ "انسپکٹر جنرل" لکھا۔ چونکہ اس میں اضلاع کے ادنیٰ عمال پر چوٹیں کی گئی تھیں، اس لیے ان لوگوں میں، جو اس کا نشانہ بنے تھے، اس بزمیہ کے خلاف غصہ و غضب کا ایک طوفان بپا ہوگیا؛ اور اگر شہنشاہ نکولس (Nicholas) اول ذاتی طور پر اس کی حمایت نہ کرتا تو شاید اس کے اسٹیج پر کھیلے جانے کی اجازت بھی نہ ملتی۔ لیکن چونکہ ایکٹر جیسے ہونا چاہئیں ویسے نہ تھے، اور نہ عوام اسٹیج پر حقیقت نما سین دیکھنے کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے اس ہجو کی اصلی معاشرتی اہمیت کو سرے سے سمجھا ہی نہیں، اور اسے ایک مضحکہ خیز نقل سمجھ بیٹھے۔ اس سے گوگول کی بڑی دل شکنی ہوئی اور اس نے باہر جانے کا تصفیہ کرلیا تاکہ وطن کے خرخشوں سے دور رہ کر اُسے نئی معنی آفرینیوں کا موقع مل سکے—

سب سے پہلے وہ جنیوا (Geneva) گیا، اور یہیں اس نے اپنی زبردست تصنیف "The Dead Souls" (مردہ روحیں) شروع کی۔ اسے سوئٹزرلینڈ پسند نہ آیا۔ وہاں سے وہ پیرس گیا، اور اس تصنیف میں مشغول رہا۔ یہاں اسے فرانسیسی تھیٹر کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوگئی، اور اس نے فرانسیسی ایکٹروں کے کھیل کو بہت پسند کیا۔ پیرس میں اس کے قیام کا زمانہ ختم ہونے کو تھا کہ اسے پشکن کے انتقال کی خبر ملی۔ اس کے متعلق اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے "میری زندگی، اور میری سب سے بڑی مسرت؛ یہ بھی اُس کے ساتھ دنیا سے اُٹھ گئی ہیں"۔ یہاں سے وہ اٹلی گیا، جہاں کے حسین مناظر، فن لطیف کی یادگاروں، اور ماضی کے تاریخی واقعات نے اُسے موہ لیا، اور اس کی زخم خوردہ روح کو یہاں کچھ سکون نصیب ہوا۔ اٹلی کی زندگی اور رسم خورد کے رسم و رواج میں اسے ایسی مشابہت نظر آئی کہ اس نے اکثر اسے اپنا دوسرا وطن کہا ہے۔ اسے روم سب سے زیادہ پسند تھا، اور اُس کے اِس زمانے کے مکتوبات جوش اور

خوش دلی کی کیفیتوں سے لبریز ہیں' روم کی روسی نو آبادی میں وہ مشہور روسی مصور آي وے نوف (Ivanoff) سے ملا' اور آپس میں دوستی ہوگئی۔ یہ مصور اس زمانے میں اپنی مشہور تصویر "Christ before the Crowd" (حضرت عیسیٰ مجمع عام میں) تیار کر رہا تھا۔ اس بارہ سال کے عرصے میں جو گوگول نے پردیس میں بسر کیے' وہ صرف دو مرتبہ روس گیا۔ سنہ ۱۸۴۰ ع میں وہ وائڈا میں بہت سخت بیمار پڑا' اور یہ سمجھ کر کہ اب میري زندگی کے دن اخیر ہیں اس نے اپنا وصیت نامہ بھی تیار کرلیا۔ اس بیماري کا اثر اس کی آئندہ زندگی پر بہت گہرا ہوا' پہلے کی جیسی صحت اس کو دوبارہ نصیب ہی نہ ہوئی۔ اس کے مزاج میں افسردگی نے گھر کر لیا' اور اپنے پیشے کے متعلق بھی اس کے دل میں شبہات گھر کرنے لگے۔ اس پر تصوف کا رنگ چڑھنے لگا' اور اس نے اپنی پرانی تصنیفات کو معصیت آمیز سمجھنا شروع کردیا۔ اپنے متعلق اب اسے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ میں حقائق الٰہی کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس زمانے میں جو خطوط اُس نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں' ان میں وعظوں کی شان آگئی ہے۔ سنہ ۱۸۴۷ ع میں اس نے "Passages Selected from Correspondence with friends" (اقتباسات از خطوط بہ احباب) کے نام سے مذہبی' اخلاقی اور معاشري مضامین کا ایک سلسلہ شایع کیا۔ اس کو امید تھی کہ اس کتاب سے معاشرت کی اصلاح ہوجاے گی؛ لیکن اس کے مخلص ترین احباب نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ ایسے موضوع پر قلم اُٹھانا اس کی استعداد سے بالا تر ہے' اور وہ اسے بے جا غرور سے تعبیر کرنے لگے۔ اپنی اس تصنیف میں گوگول انسانی روح کی فاعلیت پر زور دیتا ہے' اور تمام معاشرتی ادارں کو مقہور خیال کرتا ہے کیونکہ (اس کے خیال میں) ان اداروں کی وجہ سے انسان کو اتني فرصت نہیں ملتی کہ وہ نجات کے مسئلے پر غور کر سکے—

سنہ ۱۸۴۸ ع میں گوگول زیارت بیت المقدس سے مشرف ہوا' اور وہاں سے واپس آکر اپنی تصنیف "مردہ روحیں" میں پھر مشغول ہوگیا۔ لیکن اس کی

قوت گھت چکی تھی، اور اس پر آٹھوں پہر افسردگی کا غلبہ رہتا تھا۔ اسی غلبہ سے متأثر ہوکر اس نے "Dead Souls" (مردہ روحیں) کی دوسری جلد جو مطبع میں جانے کے لیے تیار ہوچکی تھی جلا دی، اس واقعہ کے چند ہی دن بعد فروری سنہ ۱۸۵۲ ع میں اُس کا ماسکو میں انتقال ہوگیا —

گوگول نے اپنی تصنیفات کا مواد زیادہ تر اپنے ذاتی مشاہدوں، نیز اوکرےنیا (Ukrania) میں جو ایام طفولیت اس نے بسر کیے ان کی یاد داشتوں سے لیا ہے۔ اپنی ماں کے خطوط سے بھی اس نے مواد اخذ کیا ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے خطوں میں مقامی رسموں، توہمات، پرانے لباس، عام پسند کھیلوں اور تفریحوں، نیز مقبول عام گیتوں اور پریوں کی کہانیوں کا بیان کیا کرتی تھی۔ اس کی پہلی کتاب "The Eevnings at the Form on Dicanda" [جو "The night of may" "The Chirstmas Eve" "Sorotchinsky Fair" (سروچن سکی فیر) اور دوسرے مختصر افسانوں کا سلسلہ ہے] عام پسند خیالی باتوں سے بھری پڑی ہے۔ اس میں جادوگرنیوں، اور بنات البحر* کا بیان، نیز ان چالبازیوں کا ذکر ہے جو ظریف لوگ سوئی مگر بیوقوف بھوتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ مناظر قدرت اور رسومات کا جو بیان اس نے کیا ہے وہ بہت شاعرانہ اور رنگ اور ظرافت سے لبریز ہے۔ اس کے قصوں کے افراد بجائے اس کے کہ ذاتی یا شخصی حیثیت رکھتے ہوں، بسا اوقات بہت زیادہ مثالی ہوتے ہیں، اور بدقسمتی سے ان کی جو گفتگو وہ لکھتا ہے، وہ زیادہ تر ادبی زبان میں ہوتی ہے —

گوگول کی دوسری تصنیف Mirgorod بھی افسانوں ہی کا سلسلہ ہے۔ ان افسانوں میں اب وہ اگلی سی خوشدلی نہیں پائی جاتی۔ اب وہ ہجویہ پیرایہ میں چھوٹے چھوٹے اور دور دراز کے قصبات کی رکیک اور جاہلانہ

---

* Mermaids ایسی بحری مخلوق جن کا چہرہ انسانوں کا سا اور دھڑ مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے۔ مترجم

زندگی کا خاکہ اڑاتا ہے - اس مجموعہ کا ضخیم ترین اور سب سے زیادہ اہم قصہ Taras Bulba (تارس بلبا) ہے - اگر چہ گوگول کبھی تاریخی سنین کا حوالہ نہیں دیتا اور نہ ایسے افراد کا نام قصوں میں لاتا ہے جو تاریخی حیثیت سے اہم ہیں ' پھر بھی یہ قصہ ایک تاریخی افسانہ کہے جانے کا مستحق ہے ' اور یہ اس وجہ سے کہ اس میں مصنف نے اوکرے نیا کی تاریخ کی عام حیثیت ' اور اس کے اہم واقعات پر نظر ڈالی ہے - اس میں اُس نے کاسکوں کی زندگی کے سوز و گداز ' ان کی شجاعت ' عیاشیاں ' ان کا عشق آزادی ' ان کی آرزوؤں اور امنگوں ' غرض کہ ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے جو اوکرے نیا کے بے شمار مقبول عام گیتوں میں بیان کی گئی ہیں - اس نے ان کو ترکوں کے مقابلہ میں آبائی وطن اور آبائی مذہب کا محافظ قرار دیکر بہت کچھ سراہا ہے ' لیکن یہ ستائش مبالغہ آمیز ہے —

اپنی تصنیف The stories of life in St. Petersburg میں جو حسب ذیل اعلیٰ درجے کے ادبی فسانوں پر مشتمل ہے : جیسے " The Cloak " The Nose " The memoirs of a mad man " وغیرہ ' اس نے ادنیٰ عمال سلطنت کی زندگی بیان کی ہے - اس کا علم اسے سینٹ پیٹرس برگ میں تھوڑے دنوں تک رہنے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا - نفسیاتی اور ادبی نقطۂ نظر سے یہ افسانے مذکورۂ بالا افسانوں سے بلند تر درجہ رکھتے ہیں - اس کا قصہ " The cloak " (لبادہ) جس میں ایک معمولی عہدہ دار اپنی تھوڑی تھوڑی آمدنی جوڑ کر ایک لبادہ تیار کراتا ہے - لیکن رات کے وقت راستہ میں لوگ اسے لوٹ لیتے ہیں ' سارے روسی ادب میں ' سب سے زیادہ چبھتا ہوا ' انسانی زندگی سے نزدیک تر ' اور سب سے زیادہ مزیدار قصہ ہے —

سنہ ۱۸۳۳ ع میں گوگول نے ' جسے تھیٹر کا ہمیشہ جنون سا رہا ' اور جس نے اپنے زمانے کے کھیلوں کے تصنع کی وجہ سے بہت کچھ نقصان اُٹھایا - اپنا

بزمیہ " The marriage " (شادی) لکھا - اس کے بعد اس نے کچھہ اور ڈرامے بھی لکھے جیسے " The morning of a man of business " (کاروباری آدمی کی صبح) اور " The Law suit " (مقدمہ) لیکن یہ پہلے بزمیہ کی طرح کامیاب نہ ہوئے —

" The Marrigae " (شادی) نام کا جو ناٹک اس نے لکھا ہے ' اس میں وہ ایک عہدہ دار سلطنت کی زندگی بیان کرتا ہے - یہ شخص ایک اچھی خدمت پر فائز ہے اور اب تک مجرد ہے - وہ بہت پھٹے حالوں رہتا ہے اور اس کا گھر ہر قسم کے آرام سے محروم ہے - اس کا جی تو شادی کرنے کو بہت چاہتا ہے ' لیکن کسی کو پیغام دینے کی اس کو ہمت نہیں پڑتی - اب وہ ایک عورت کو اپنے یہاں نوکر رکھتا ہے ' جو اس کے لئے شادیاں تھیراتی پھرتی ہے - یہ بزرگ جب اپنی کسی نئی نسبت کا ذکر سنتے ہیں تو بہت کچھہ جوش ظاہر کرتے ہیں لیکن جب در اصل پیغام دینے کا وقت آتا ہے ' تو گھبرا کر اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں - ان کے ایک دوست " کوچ کاریف " ہیں ' یہ اتنے شرمیلے نہیں ہیں ' بلکہ بہت پر جوش ' دون کی لینے والے ' ہر معاملے میں دخل در معقولات کرنے والے اور دروغ بات واقع ہوے ہیں - یہ صاحب ہمارے ہیرو کو زبردستی ان کی ایک ہونے والی دلہن کے گھر میں داخل کر دیتے ہیں ' اور اب شادی ہوا ہی چاہتی ہے - دلہن تاجروں کے گھرانے کی ایک سوتی لڑکی ہے ' اور اس نے کئی چاہنے والوں میں سے ہمارے ہیرو کو منتخب کیا ہے - لیکن ادھر دلہن اپنا عروسی جوڑا پہننے کے لئے جاتی ہے اور دوست دعوت کا انتظام کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے ' اور اِدھر یہ بزرگ کھڑکی پھاند کر ایسے بھاگتے ہیں کہ پھر اُن کا پتہ ہی نہیں چلتا - یہ ڈراما ظریفانہ واقعات سے بھرا ہوا ہے ' سیرت نگاری کے اعتبار سے بہت واضح ہے ' اور اُس کی تمثیلی (Theatrical) کاریگری بہت اعلیٰ درجہ کی ہے —

لیکن گوگول کا سب سے زیادہ مشہور کھیل "The Revisor" یا "The inspector General" ہے - اضلاع میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے - یہاں کے سب عہدے دار اپنے فرائض کی طرف سے غافل ہیں - اتنے میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ انسپکٹر جنرل صاحب معائنہ کے لئے آنے والے ہیں - اس خبر کو سن کر ہر شخص سراسیمہ ہو جاتا ہے - تمثیل نگار نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان افراد کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے - انسپکٹر جنرل آتا اور یہاں رہتا ہے لیکن وہ اصلی انسپکٹر جنرل نہیں ہے - بلکہ نقلی ہے - یہ شخص ایک مجہول الاحوال شخص ہے اور جہالت ' بد مذاقی ' اور دروغ بافی کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے - اب اتنا ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کے آنے کا جو پر اسرار اثر قصبے کے عمال پر پڑا ہے اس سے گوگول جیسے صاحب فن نے اپنے ڈرامے میں کیا کچھ کام نہ لیا ہوگا - اس کا نام Khlestiakov (خلیس تا کوف) آج روس میں ڈینگ ' جعل ' جہالت اور فریب دہی کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے - جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ان لوگوں میں جو اس ڈرامے کے ہدف بنائے گئے تھے ' یہ کھیل بالکل مقبول نہ ہوا - اپنی کتاب " Departure from the Theatre " (تھیٹر سے گریز یا انصراف) میں گوگول نے اس کی حمایت کی ہے اور ظرافت کے متعلق کہا ہے کہ انسان کے پاس اصلاح اور ترقی کا سب سے بڑا آلہ یہی ہے - اس کی ظرافت بہت زیادہ تیز ' اور اکثر اوقات تلخ ہوتی ہے - گوگول کے ظاہری مذاق اور قہقہوں کے پیچھے سنجیدہ اور غم آلود حقایق کی لہر دوڑتی رہتی ہے —

انسپکٹر جنرل تو خیر ایک فانک ہے اور آج بھی بہت کچھ مقبول ہے' لیکن اس کے علاوہ گوگول کی سب سے بڑی تصنیف " The Dead Souls " [مردہ روحیں] ہے' یہ کتاب اس قابل ہے کہ روسی ادبیات اور افکار کا ہر پڑھنے والا اسے پڑھے اور مطالعہ کرے - اس کی موسیقیت اور جذبی حسیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کی اکثر عبارتوں کو نثر کی شاعری کہا جاسکتا ہے - مصنف اپنے زمانے کی

معاشرت پر ایک رزمیہ [Epic] لکھنا چاھتا تھا ' اور اس غرض سے اس نے تین داستانوں کی ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا - پہلے حصے میں انسانوں کے ایسے نمونوں کے بیان کرنے کا خیال تھا جنھیں روسی "سلبی نمونے" کہتے ھیں: یعنی ایسے لوگ جن کی کمزوریاں اور نقائص اتنے زیادہ ھوتے ھیں کہ ان کی اچھی صفات پر بھی پردہ پڑجاتا ھے - دوسری کتاب میں خیر و شر کا معرکہ دکھانے کا قصد تھا ' اور تیسری کتاب میں روسی روح کے ان جوھروں کے دکھانے کا خیال تھا جو شریفانہ اور اعلیٰ درجہ کے روسیوں میں پائے جاتے ھیں - جیسا کہ ھم دیکھہ چکے ھیں ؛ گوگول نے صرف پہلی کتاب ھی شایع کی' اور دوسری کتاب اپنے مرنے سے چند روز پہلے غارت کردی - اس واقعہ کی توجیہ آسانی سے ھوسکتی ھے - بات یہ ھے کہ اس کا رنگ تلخ ھجو یہ قسم کا تھا ' اور جتنی خوبی کے ساتھہ وہ کسی بات پر چوٹ کرسکتا تھا ویسی ھی خوبی کے ساتھہ اُس کی حمایت نہ کرسکتا تھا - چنانچہ جب وہ " ایجابی " نمونوں کا ذکر کرتا ھے تو اس کا رنگ خشک اور ناصحانہ ھو جاتا ھے - چاسر (Chaucer), دانتے (Dante) اور دوسرے شعرا کے رزمیوں کی طرح "Dead souls" کا خاکہ بھی بہت زکاوت کے ساتھہ تیار کیا گیا تھا -چی چی کوف (Chichi kov) نامی ایک روسی قسمت آزما جس کی زندگی کا مقصد صرف روپیہ کمانا ھے' تمام روس کی سیاحت کرتا ھے' اور جا بجا ایسے غلام خریدتا پھرتا ھے جو مر تو چکے ھیں ' لیکن حکام کے دفتروں میں اُن کی موت کا کوئی اندراج نہیں ھے - یہی مردہ غلام " مردہ روحیں " ھیں- غرض کہ اس طرح وہ ایسے غلاموں کی ایک کثیر تعداد کا آقا بن جاتا ھے 'جو کوئی خارجی وجود رکھتے ھی نہیں ' اور غلاموں کی اس فوج کو دوسروں کے ھاتھوں رھن رکھکر روپیہ وصول کرتا ھے - اپنے قصے کے اس خاکے کی بدولت گوگول کو راہگیروں ' سرائے والوں ' دیہاتیوں ' چھوٹے چھوٹے شہروں میں رھنے والوں غرض کہ روس کی وسیع سلطنت کے ھر قسم کے لوگوں کا حال بیان کرنے کا موقع

ہاتھہ آتا ہے۔ اس کے اس قصے کے اکثر افراد ضرب المثل ہوگئے ہیں اور زندگی اور ادبیات دونوں میں ان کی حیثیت ایسے نمونوں کی سی ہو گئی ہے جو بعض خاص خاص نفسیاتی خصوصیتیں رکھتے ہیں، خود چی چی کوف بڑا شریر، مکار، للو پتو کرنے والا، لاأبالی، ملنسار اور دوسروں کے ساتھہ معاملہ کرنے میں پورا استاد ہے، اور پھر ان صفات کے ساتھہ امیر بننے کا شوقین۔ ایک اور شخص مانی لوف (Manilov) ہے۔ یہ ایک مجہول الاحوال شخص ہے جو کسی کو کچھہ نقصان نہیں پہنچاتا، اس لئے کہ وہ کچھہ کرتا ہی نہیں ہے، اور جوش، زندگی، مقصد ہر چیز سے خالی ہے۔ مانی لوف کا پڑوسی سباکی وچ (Sabakievitch) ایک دوسرا ہی نمونہ ہے، وہ بہت ہٹا کٹا، پھوہڑ، افسردہ دل اور بازاری آدمی ہے۔ لالچ اس کی خاص صفت ہے۔ لیکن اس کے ساتھہ ہی ساتھہ وہ کسان اعلیٰ درجہ کا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے غلاموں کی حالت اچھی ہوگی تو میرا ہی فائدہ ہوگا۔ کروبوچ کا (Korobochka) ایک بیوہ عورت ہے، جو ہمیشہ اپنی بے بسی کا رونا رویا کرتی ہے لیکن اپنے مطلب کی بڑی ہوشیار ہے۔ پلوش کن (Plushkine) ایک افسردہ دل، شکی مزاج اور تباہ حال شخص ہے جو ہمیشہ خود فاقوں مرنے اور اپنے بچوں کو فاقوں مارنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ نوزدریف (Nazdrev) اس وسیع اور مخیر سیرت کا نمونہ ہے جو روسیوں میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ بڑا شہ خرچ، رنگین مزاج اور مہمان نواز ہے، تباہی کی طرف بے تکان بڑھا چلا جا رہا ہے، لیکن کیا مجال کہ کل کی فکر پاس بھی آنے دے۔ غرض کہ ان میں اور انھیں کے جیسے قصے کے دوسرے افراد میں آپ کو اس روس کی جھلک نظر آسکتی ہے جس نے موجودہ روس کے لئے اپنی بہت سی خصوصیتیں ترکے میں چھوڑی ہیں—

مرژ کو وسکی (Merejkovsky) نے جو زمانۂ حال کا مشہور ترین روسی مصنف اور نقاد ہے گوگول پر ایک کتاب موسومہ "Gogol & the Devil" (گوگول اور ابلیس)

لکھی ھے۔ اس میں اُس نے وہ فرق دکھانے کی کوشش کی ھے جو گوگول کی اوپری ظرافت میں اور اس کے نیچے کی الم رسیدہ، شکی، بے سونس و یاور اور متجسس روح میں پایا جاتا ھے۔ گوگول کی "مردہ روحوں" کو پڑھ کر پشکن کی آنکھوں میں آنسو بھر آے تھے، اس لئے کہ اس کتاب کی بدولت روسی زندگی کی وہ حقیقتیں پہلی مرتبہ اس کی نظر کے سامنے آئیں جنھیں وہ اپنی خلوت کے بلند مینار پر بیٹھہ کر دیکھہ ھی نہ سکتا تھا۔ گوگول کی ھستی [جس کا اثر داس ڈوایسکی (Dostoievisky) پر پڑا] ادبیات کی مغموم ترین ھستیوں میں سے ھے، اور ساتھہ ھی ساتھہ بہت کچھہ اصلی انسانی ھستی بھی۔ وہ زبردست روحانی خلش جو ھمیشہ روسی مصنفوں اور اصحاب فن کے دلوں میں موجود رھتی ھے، اس کے زمانے سے شروع ھتی ھے۔ اسی طرح سے آلام و مصائب میں گرفتار رھنا، اور ناکامیوں، گناھوں، اور قابل نفرت جگھوں میں خدا کا جلوہ دیکھنا (جو ھمیشہ سے دوسروں کے مقابلے میں روسیوں کے فن کی امتیازی خصوصیت رھا ھے)۔ اس کا آغاز بھی گوگول ھی کے زمانے سے ھوتا ھے —

مرھٹی لٹریچر میں سوانح عمریاں

از

(جناب مسٹر ڈی - بی کامت صاحب بی - اے، بی ٹی)

ھندؤں میں سوانح عمری لکھنے کا رواج نہ تھا اگرچہ مہا بھارت کے زمانے کے مشہور لوگوں کے سوانح اس رزمیہ میں پائے جاتے ھیں مگر وہ نا ممکن اور خلاف قیاس باتوں سے بھرے پڑے ھیں، اس لئے ھم ان کو حقیقی معنوں میں سوانح عمری نہیں کہہ سکتے - یہ کہا جاتا ھے کہ مہا بھارت اور رامائن کے سوواؤں کے کارناموں نے مرھٹوں کے سردار سیوا جی میں بڑے بڑے کام کرنے کا جوش پیدا کیا - مرھٹوں کے گھروں میں اب بھی مہا بھارت اور رامائن کا قصہ روزانہ پڑھا جاتا ھے - شاید اس خیال نے کہ معمولی انسان کی زندگی اس قابل نہیں ھے کہ تحریر کی جائے، مرھٹی میں سوانح عمری لکھنے کا رواج نہیں ھونے دیا - مسلمانوں کے تعلقات کے بعد سترھویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی کی ابتدا میں ''بکھر'' یا تاریخی حالات لکھے گئے - سیوا جی کے متعلق پہلا بکھر سیوا جی کے دوسرے بیٹے راجہ رام (۱۶۸۹ تا ۱۷۰۰) کے کسی درباری نے (شاید خود راجہ کے حکم سے) لکھا ھے - اٹھارویں صدی کے اختتام تک راجاؤں اور پیشواؤں کے بکھر لکھے گئے ھیں، لیکن ھم یقینی طور پر ان بکھروں کو سوانح عمریاں نہیں کہہ سکتے - جسے ھم آج کل سوانح عمری کہتے ھیں پچاس برس قبل مرھٹی میں اس کا نام و نشان نہ تھا - لیکن اس زمانے کے بعد کچھہ کچھہ اس کا آغاز ھوا اور پھر اس کی رفتار ذرا تیزی سے بڑھنے لگی اور اب

اس زبان میں ہندوستان کے اور دوسرے ملکوں کے نامور اشخاص کی سوانح عمریوں کی تعداد (۵۵۰) ہے - ہندو سادھوؤں اور اوتاروں کی زندگی پر لکھی ہوئی کتابیں (۱۶۵) کے قریب ہیں اور (۲۵) یا زیادہ عیسائی اولیا پر، تقریباً (۳۰) کتابیں جین، بدھ، اسرائیلی اور اسلامی فقرا و اولیا پر ہیں - اس سے یہ ظاہر ہے کہ دو سو یا اس سے زیادہ کتابیں تمام مذہب کے بزرگوں پر لکھی گئی ہیں —

ایسے سیاسی اشخاص کی زندگی جن کا تعلق ہندوستان کے سیاسی معاملات سے سنہ ۱۸۱۸ ع تک رہا ہے تعداد میں کم از کم (۲۵) ہیں - مرہٹی زبان کو فخر ہے کہ ۱۸۱۸ ع کے بعد کے مشاہیر پر سو کتابیں لکھی گئی ہیں اور غیر ملک والوں پر (۷۰) - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب نے لکھنے اور پڑھنے والوں کے دلوں پر کیسا سکہ جما رکھا ہے کیونکہ سیاسی مدبروں اور حکمرانوں کی سوانح عمریاں مذہبی پیشواؤں کی سوانح عمریوں سے بہت کم ہیں - غیر ملک والوں پر ابھی تک بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں - شاید ہمارے خیالات میں ابھی اتنی وسعت پیدا نہیں ہوئی ہے —

تعداد کا لحاظ کیا جائے تو ساڑھے پانسو کتابیں کچھ کم نہیں اور بظاہر یہ تعداد ہمت افزا معلوم ہوتی ہے، لیکن صرف تعداد ہی ایک چیز نہیں جو قابل لحاظ ہو؛ ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ لکھنے والے نے سوانح عمری کا حق ادا کیا ہے یا نہیں اور اس نے بغیر تعصب اور تنگ دلی کے ان اشخاص کی زندگی کی صحیح تصویر کھینچی ہے یا نہیں - ایک عام معیار ایسے سوانح کا یہ ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس زمانے کے حالات اور معاشرت کا نقشہ پھر جائے اور یہ معلوم ہو کہ جیتی جاگتی تصویریں ہمارے سامنے پھر رہی ہیں اور ہم خود ان میں شریک ہیں —

تاریخی اشخاص کی سوانح عمریاں

مسٹر واسدیو گوبند آپٹے نے اشوک کی زندگی لکھی ہے اور مسٹر ونایک کونڈ دیو اوک (Vinayak kord Dev ok) نے ایک کتاب سکندراعظم پر - یہ دونوں مورخ کوئی معمولی

شخص نہیں ہیں ' دونوں مشہور مؤلف اور مصنف ہیں - یہ دونوں کتابیں جدید تحقیقات کے بعد اور ونسنٹ سمتھہ (Vincent Smith) کی ہندؤں کی قدیم تاریخ سے پہلے لکھی ہوئی ہیں - پرتھی راج کی سوانح عمری راؤ بہادر گوپال راؤ ہری دیسمکھہ نے لکھی ہے ' لیکن اس کتاب کی بنیاد اصل تاریخی واقعات پر نہیں بلکہ راجپوتوں کے مشہور شاعر چند بردے بھاٹ کی نظم (پرتھی راج راسا) پر مبنی ہے —

ہندؤں کے زمانے کی تاریخ کی تحقیق ابھی کافی طور سے نہیں ہوئی اِس لئے اُس زمانے کے تاریخی اشخاص کی سوانح عمریاں بھی تحریر میں نہیں آئیں - اکبر پر دو کتابیں لکھی گئی ہیں جو ملیسن کی کتاب (حالات اکبر) کے لگ بھگ ہیں ' یعنی تقریباً اسی کے قرجمے ہیں - " جہانگیر کی زندگی " مسٹر بھسے نے توزک جہانگیری کی بنا پر لکھی ہے - مسٹر گوکلے نے انگریزی اور مرہٹی کتابوں سے مواد جمع کر کے اورنگ‌زیب کی زندگی پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے - یہ کتاب بابو جادو ناتھہ سرکار کی کتاب " اورنگ‌زیب " کے شایع ہونے سے قبل لکھی گئی تھی - ان کے علاوہ اور کوئی کتاب اسلامی بادشاہوں کے حالات پر مرہٹی میں نہیں لکھی گئی —

سیواجی مرہٹوں کی ایک دلکش اور پسندیدہ تصویر ہے - چھوٹی چھوٹی کتابوں اور بکھرون کے علاوہ سیواجی کی نسبت تین اچھی کتابیں لکھی گئی ہیں - راجہ رام شاستری بھاگوت نے بھی اُس زمانے کے مشہور واقعات پر عمدہ بحث کی ہے اور سکندر ' نپولین اور سیزر وغیرہ دنیا کے مشہور لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا ہے- دوسری کتاب داتار کی ہے - یہ بھاگوت کی کتاب سے بڑی اور مفصل ہے - تیسری مسٹر کیلوسکر کی (۶۰۰) صفحہ کی ضخیم کتاب ہے - یہ مصنف دلکش اور فصیح زبان نہیں لکھہ سکتا ' علاوہ اسکے اُس نے اپنے ہیرو سیواجی کو آسمان پر چڑھانے کے لئے دوسرے لوگوں کے ساتھہ جن کا ذکر ضمناً آتا ہے انصاف کا برتاؤ نہیں کیا -

کتاب میں جگہ جگہ زمانۂ حال کے ذات پات اور تعصبات اور جھگڑوں کے بد نما داغ نظر آتے ہیں - غرض کیلوسکر ایک پکا مرہٹہ ہے - یہ کتاب سیواجی کی بہترین سوانح عمری ہے ' لیکن جادو ناتھ سرکار کی کتاب " سیواجی " زبان کے لحاظ سے بے مثل ہے - مہاراجہ ہلکر نے کیلوسکر کی کتاب کے چار ہزار نسخے خرید کر بڑی سر پرستی فرمائی - پروفیسر مسٹر تاک کھاو نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے - اور اس کی بھی کئی جلدیں معزول مہاراجہ ہلکر نے حال ہی میں خریدی ہیں - مسٹر گو کھلے نے ساہو مہاراج (۱۷۰۸ تا ۱۷۴۹ ع) اور پہلے پیشوا بالاجی وشوناتھ (۱۷۱۳ تا ۱۷۲۰) اور تیسرے پیشوا (۱۷۲۰ تا ۱۷۴۰) بالاجی باجی‌راؤ کی سوانح عمریاں لکھی ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں - مسٹر ناگیش باپٹ نے باجی‌راؤ اول (۱۷۲۰ تا ۱۷۴۰ ع) پر ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے لیکن تاریخی لحاظ سے کچھ اہمیت نہیں رکھتی اسے بجائے تاریخی سوانح عمری کہنے کے ناول کہنا بجا ہوگا - ملہارراؤ ہلکر ' اہلیا بائی ' نانا فرنویس ' مہاداجی سندھیا کے سپہ سالار جیوبا دادا بخشی کی سوانح عمریاں اچھی خاصی لکھی گئی ہیں - واسدیو شاستری کھرے کی کتاب " نانا فرنویس " ایک معقول کتاب ہے اور مرہٹی لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہے - بالکشن نارائن دیو نے نانا کی نقادانہ سوانح عمری لکھی ہے - مہاداجی سندھیا پر مسٹر ناتوی نے بھی عمدہ کتاب لکھی ہے - فرگیوسن کالج پونہ کے پروفیسر بھانو نے ایک سنجیدہ مضمون (۸۰) صفحہ کا نانا اور مہاداجی پر لکھا ہے - یہ مشہور مصنف نانافرنویس کے خاندان سے ہے - اس لئے اِس کے عیوب نہیں بتاتا ' کیونکہ اپنے عیب آپ کو نہیں معلوم ہوتے - اس نے مرہٹہ قوت کے زوال کا سارا الزام جنگجو مرہٹہ مہاداجی سندھیا کے سر رکھا ہے - اس لئے اگرچہ کتاب فصیح مرہٹی میں بڑی خوبی سے لکھی گئی ہے تو بھی ناقص ہے - کوئی چار کتابیں اہلیا بائی ہلکر پر لکھی گئی ہیں ' جن میں وشوناتھ نارائن دیو کی " دیوی سری اہلیا بائی " بہترین ہے -

یہ کتاب سرکاری کاغذات اور اس زمانے کے رسل رسائل پر مبنی ہے —

گنیش رامچندر شرما نے سارسوت رتن مالا لکھی ہے - جس میں مشہور مرہٹہ سارسوت برہمنوں کے حالات ہیں - مسٹر موزمدار نے پربھو رتن مالا لکھی ہے - اور اس میں مرہٹہ مشاہیر کایستھوں کے کارنامے لکھے ہیں - مرہٹہ کائستھہ پربھو کہلاتے ہیں، جنھوں نے سیواجی اور اس کے جانشینوں کو مرہٹہ راج قائم کرنے اور ترقی دینے میں بہت مدد دی ہے - اس مالا میں باجی پربھو کی زندگی افسانہ معلوم ہوتی ہے - سدی جوہر جو عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کا سپہ سالار تھا ایک فوج کے ساتھہ سیواجی کو قید کرنے کے لیے بھیجا گیا - سیواجی قلعہ پنہالا میں محصور کرلیا گیا - جب محاصرہ برابر چار ماہ تک جاری رہا تو سیواجی نے جوہر سے عہد و پیمان کا سلسلہ شروع کیا اور ایک رات چار پانچ آدمیوں کو ہمراہ لے کر سدی سے ملاقات بھی کر آیا - سدی نے جب یہ دیکھا تو وہ اب پہلا سا چوکس نہ رہا، ایک رات موقع پاکر سیواجی اپنے اہل و عیال اور چھہ ہزار فوج کے ساتھہ بھاگ نکلا - جب اس عیاری کی خبر ہوئی تو بیجاپوریوں نے پیچھا کیا - سیواجی نے باجی پربھو کو ایک تنگ راستے پر متعین کردیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب تک میں اور میرے ساتھی وشال گڑہ میں داخل نہ ہوجائیں وہ اپنی جگہ سے کسی حال میں نہ ہٹے - اُس نے اس راستے کو مرتے دم تک بچایا - ادھر سیواجی کے گڈہ میں داخل ہونے کی توپیں سنائی دیں ادھر باجی پربھو کی روح زخموں کی شدت سے پرواز کرگئی - اُس کی لاش سیواجی کے سپاہی گڈہ میں اُٹھا لے گئے - رتن مالا میں بالاجی آوجی چت نس (کائستہ) کی سوانح عمری بھی قابل دید ہے - یہ سیواجی کا بڑا مقرب سکرٹری تھا اور وہ اسے بڑا عزیز رکھتا تھا - کھنڈ و بلّال کی زندگی اور اس کی جان نثاری اور وفاداری کے کارنامے پڑہ کر ہر ایک مرہٹے کے دل میں حب وطن کا جوش موجزن ہونے لگتا ہے - وہ بالاجی آوجی کا بیٹا تھا اور سنبھاجی اور راجہ رام کے لیے اس نے حیرت انگیز

قربانیاں کی ہیں —

مرھٹہ مورخ مسٹر پارس نس نے، جن کا حال ھی میں انتقال ھوا ھے، "اجودھیا کے نواب" کے نام سے تین عمدہ کتابیں لکھی ھیں جن میں تمام اودھ کے نوابوں کی سوانح عمریاں درج ھیں۔ ان کتابوں میں اس علاقے کی مرھٹی سیاست پر بھی روشنی ڈالی ھے۔ اس کی کتاب "لچھمی بائی کی زندگی" سے (جو جھانسی کی رانی اور مشہور برھمن عورت تھی اور سنہ ۱۸۵۸ ع کی شورش میں شریک تھی) ظاھر ھوتا ھے کہ انگریز حاکموں کے بے رحم اور ناروا برتاؤ نے بہت سے راجاؤں کو غدر میں شریک ھونے کے لئے کس طرح مجبور کیا۔ اس کی تیسری کتاب برھمندر سوامی کے حالات میں ھے جو باجی راؤ اول، ساھو مہا راجہ اور ان کی رانیوں اور اس زمانہ کے امیروں کا گرو تھا۔ سوانح عمری کے لحاظ سے یہ کتاب بہت دلچسپ ھے۔ اس دلچسپی کی بڑی وجہ یہ ھے کہ اس میں وہ تمام اصلی خط نقل کردیے گئے ھیں جو سوامی نے پیشواؤں، ساھو مہا راج، ان کی رانیوں اور پڑوسی مسلمان حکمرانوں کو لکھے ھیں اور جو ان لوگوں نے سوامی کو بڑی عقیدت سے تحریر کیے ھیں۔ اِس سوانح عمری سے ظاھر ھوتا ھے کہ سوامی کا اثر ان تمام لوگوں پر کس قدر تھا۔ اور اس زمانے کے حالات اس طرح نظر کے سامنے آجاتے ھیں گویا ھم خود اس میں کام کر رھے ھیں۔ ڈیوک آف ولنگٹن، سر رو اور بمبئی کے گورنر الفنسٹن کی سوانح عمریاں وفایک کونڈیو اوک نے لکھی ھیں۔ مسٹر اوک آسان، سادہ پر لطف اور نفیس مرھٹی لکھتے ھیں لیکن بدقسمتی سے وہ اس زمانے سے تعلق رکھتے ھیں جب کہ ھندوستانیوں کی آنکھیں انگریزی قوت، اثر اور لٹریچر اور ھر انگریزی چیز سے چکا چوند ھوگئی تھیں۔ اُس زمانے کے لوگ انگریزوں کو بے عیب سمجھتے تھے۔ اسی طرح مسٹر اوک کو بھی انگریزی مشاھیر میں کوئی عیب نظر نہیں آتا —

مسٹر ٹکیکر اور دھنوردھاری (تیر انداز) مرحوم نے مرھٹہ قوت کے عروج

کے دنوں یعنی اٹھارویں صدی کے بہادروں پر چھوٹی چھوٹی پر جوش زبان میں سوانح عمریاں لکھی ہیں - ان کی کتابیں ایک زمانے میں بہت عام پسند تھیں اب بھی کم دلچسپی سے وہ کتابیں پڑھی نہیں جاتی ہیں دھنور دھاری اردو کے شبلی ہیں' ان کی کتابوں میں تاریخی واقعات کم ہیں مگر زبان پر جوش اور تخیل اعلیٰ درجہ کا ہے —

——— (سادھو اور مہاتما) ———

پانچ سے زیادہ کتابیں گیانیشور کی زندگی پر لکھی گئی ہیں جو تیرھویں صدی یعنی دولت آباد کے رام دیوراؤ یادھو راجہ کے زمانے میں تھے - ان میں سے پانکارکر اور بھنگارکر کی کتابیں بہترین ہیں - پانکارکر اور بھنگارکر دونوں بہت خوش اعتقاد ہیں اور ان تمام کرامات اور معجزات پر جو اس سادھو شاعر سے منسوب کئے جاتے ہیں پورا یقین رکھتے ہیں - اگر چہ پانکار کر کی کتاب اچھی ہے تاہم ایک بہتر کتاب کی ضرورت ہے' جو تیرھویں صدی کے لوگوں کے حالات مفصل بیان کرے اور بتائے کہ دفعتاً اس کم عمری میں زمانے نے کس طرح ایک ایسا شاعر پیدا کر دیا جس کی کتابیں ہر پہلو سے آج تک مرہٹی زبان میں اعلیٰ درجہ کی تسلیم کی جاتی ہیں - اس نے عین عالم شباب یعنی ۲۱ سال کی عمر میں وفات پائی - اس نے پانچ فلسفیانہ کتابیں لکھی ہیں جن میں گیانیشوری یا بھگوت گیتا کی شرح بہترین ہے - گو گیانیشوری کے بعد اس لاثانی کتاب گیتا کی مرہٹی میں بیسوں شرحیں اور خلاصے لکھے گئے مگر ان میں سے کوئی بھی گیانیشوری کو نہیں پہنچتی - آج کل بھی یہ کتاب بہت دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے - گیان‌دیو یا گیانیشور پٹن کے قریب آپے گاؤں کے ایک پٹواری کا لڑکا تھا - اس کا باپ سنیاسی ہو گیا تھا لیکن اپنے گرو کے حکم سے پھر سنیاس ترک کر کے گھر ستی یعنے دنیادار بن گیا' اس کے بعد اُس کی اولاد ہوئی - تین لڑکے تھے اور ایک لڑکی - تین لڑکوں میں گیانیشور دوسرا لڑکا تھا - برہمن

اُن کو سنیاسی کے بیٹے ہونے کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور درپے ایذا ہوگئے - چاروں کے چاروں نے درویشی اختیار کی اور سادھو بن گئے - مالک کے تمام لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد اب تک زندہ ہے مگر ان ایذا رسان برھمنوں کو کوئی جانتا بھی نہیں —

گیانیشور کے ہمعصر شاعر نام‌دیو کے متعلق (جو درزی تھا) دو کتابیں لکھی گئی ہیں۔دونوں کتابیں پرانی طرز کی ہیں اس میں انہیں نام دیو کی کرامات کے تذکرے دل کھول کے کئے گئے ہیں - شاعر کے زمانے کے حالات سے کچھ بحث نہیں کی گئی —

پٹن کے شاعر ایکناتھہ پر دس کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں پانگار کر اور ازگاؤن کر کی کتابیں اچھی ہیں - یہ دونوں مصنف مستند سمجھے جاتے ہیں البتہ راجہ‌رام شاستری نے جو کتاب ایکناتھہ پر لکھی ہے اس میں اس زمانے کے مذھبی و تمدنی (اخلاقی) حالات کا بیان بھی کیا ہے - " ایکناتھہ کی بھاگوت " اپنے طرز کی اچھی کتاب ہے - کہتے ہیں کہ اول اول مشہور نقال (ایکٹر) گیارک نے شکسپیر کو مشہور کیا اسی طرح ایکناتھہ بھی گیانیشور کی شہرت کا باعث ہوا - ایکناتھہ نے گیانیشوری کو ان تمام غلطیوں سے پاک صاف کیا جو مسلسل تین سو سال سے کاتبوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی تھیں - وامن پنڈت پر بھرے اور ہنس نے اچھے مضامین لکھے ہیں - بالاجی کی کمپنی نے اس شاعر کی سوانح عمری ۳۵ سال قبل شائع کی تھی یہ کتاب معمولی سے بھی خراب ہے - مرھٹی شعرا میں عالم یا پنڈت کا اطلاق صرف اسی شاعر پر ہوسکتا ہے بقیہ تمام قدرتی شعرا ہیں جن کو کتابی معلومات سے بہت کم سروکار ہے —

سیواجی کے گرو رام‌داس پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے مسٹر دیو کی کتاب بہت اچھی ہے اور یہ بالکل جدید طریقے پر لکھی گئی ہے

اور اس بڑے قومی شاعر کے پیام اور کارناموں پر بحث کی گئی ہے - دوسری کتابیں ان کے عجائبات اور کرامات سے بھری پڑی ہیں' لیکن اس نے جو خدمات ملک اور قوم کی کی ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے—

تکا رام زیادہ خوش قسمت ہے کہ اس کی شاعری بعض انگریزوں کو پسند آئی - چنانچہ الکزنڈر گرانٹ ناظم تعلیمات بمبئی کی گذارش پر بمبئی کے گورنر وقت نے اپنے ماتحت عہدہ داروں کے نام یہ حکم نافذ کیا کہ تکا رام کی تمام نظمیں جمع کی جائیں - یہ کام شنکر ہانتہ ورنگ کے ذمہ کیا گیا تھا - چند سال کے پیشتر ایک مشنری مسٹر نکول (Nicol) نے تکا رام کی چند نظموں کو انگریزی میں ترجمہ کیا جس کے مطالعہ سے وہ لوگ بھی جو مرھٹی نہیں جانتے ایک حد تک یہ سمجھ سکتے ہیں کہ تکا رام کا کلام کس قسم کا ہے - تکا رام اور رام داس سیواجی کے زمانے کے لوگ تھے بھانڈار کر پنڈت اور راج واڑے نے جو کتابیں تکا رام کی زندگی پر لکھی ہیں بہت اعلیٰ درجہ کی ہیں - یہ تینوں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں اور انھوں نے زمانے کی نئی روشنی کے موافق نہایت عمدگی کے ساتھ بحث کی ہے - سوائے ان کے دوسری کتابیں جو تکا رام کی زندگی پر لکھی گئی ہیں مطالعے کے قابل نہیں - مورو پنت اور اس کی نظم پر پانگارکر نے ایک کتاب لکھی ہے جو (۴۰۰) صفحے سے زیادہ ہے - مرھٹی زبان میں کسی شاعر کے متعلق ایسی اچھی کتاب نہیں پائی جاتی - اس کتاب میں مورو پنت کے اشعار اور اس کی زندگی کے مختلف حالات کے متعلق ہر پہلو سے نظر ڈالی گئی ہے - مسٹر بن ھٹی پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی نے حال ہی میں مورو پنت کے حالات زندگی بہت اچھی طرح لکھے ہیں - مورو پنت مرھٹی زبان کا پوپ کہلاتا ہے اور اٹھارویں صدی کے آخر میں موجود تھا —

مسٹر ازگاؤن کر نے اپنی کوئی چترا یعنی (تذکرۂ شعرا) میں مرھٹی شاعروں کے متعلق سات جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے - جن میں ہر ایک کے منتخب اشعار

دے کر ان کی نظموں پر تنقید کی ہے - پہلے شاعر کے حالات زندگی لکھتا ہے بعد تنقید اور اس کے بعد انتخاب کلام—

پرشرام پنت گوڑ بولے نے ایک کتاب موسومہ نوائیت لکھی ہے جس میں سترہ مشہور شاعروں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے - اس میں ہر ایک کے منتخب اشعار دیکر ان پر مناسب طور سے راے کا اظہار کیا گیا ہے - اس کے علاوہ بغیر کسی تنقید کے آخر میں دس معمولی شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل کر دیا ہے - یہ کتاب اب تک تیرہ یا چودہ مرتبہ طبع ہوئی ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے -

گذشتہ سو سال میں پانچ مشہور مصلح گذرے ہیں' راجہ رام' موہن راے' دیا نند سرسوتی' رام کرشن' وویکا نند اور رام تیرتھ - یہ ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ انھوں نے ملک و قوم کی کیا کیا خدمتیں کیں اور اہل ہنود کے خیالات میں کیا انقلاب پیدا کیا - مسٹر کیسلر نے موہن راے کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے اور مسٹر تونکار نے دیا نند پر' جو قابل مطالعہ ہے- گنا جی اور کنارے نے جو کتابیں رام کرشن پر لکھی ہیں وہ بھی اچھی ہیں - وویکا نند اور رام تیرتھ کی کتابیں مرہٹی میں ترجمہ ہوگئی ہیں جن کے شروع میں ان کی زندگی کے حالات بھی درج ہیں - علاوہ ازیں اور ایک کتاب ہے جس میں وویکا نند کی زندگی کے تفصیلی حالات لکھے ہیں - اس کتاب کا نام وویکانند جیون ہے—

ہندوستان میں مختلف مذہب ہیں اور یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہو جاے کہ تمام مذہبوں کے اصول تقریباً ایک ہیں نا کہ وہ دوسرے مذہبوں کی حرمت کرے - دوسرے مذاہب والوں کی لا علمی دور کرنے سے آپس میں میل ملاپ شروع ہو جاتا ہے - اس لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی دیسی زبانوں میں ان بانیان مذاہب کی سوانح عمریاں لکھی جائیں - یہ امر باعث مسرت ہے کہ مرہٹی میں سہاتما بدھ' حضرت عیسیٰ' حضرت محمد'

جین، تیر تھنکراور مارٹن لوتھر کی سوانح عمریاں لکھی گئی ھیں. اتھم ولے کی کتاب " بدھ کی سوانح عمری " ایک چھوٹی سی کتاب ھے - گوینڈ راؤ کالے نے بھی ایک کتاب لکھی ھے جس کا نام " بدھ اور اس کی سوانح عمری " ھے جو مسٹر آرنلڈ کی " ایشیا کی روشنی " پرمبنی ھے مسٹر کیلو سکر کی کتاب " بدھ " اس سے کہیں بہتر ھے - پر بھانکر کی " مہاتما گوتم " چھوٹے طالب علم اور معمولی لیاقت والوں کے لئے ٹھیک ھے - وامن داجی اوک نے گرو نانک پر ایک کتاب لکھی ھے - مسٹر پانگل نے جین تیر تھنکر کے قصے لکھے ھیں لیکن اسمیں جین مذھب کے اصول نہیں بتائے گئے لہذا یہ کتاب غیر جین مذھب والوں کے لئے زیادہ مفید نہیں ھے - دی کرسچن ٹراکٹ بک سوسائٹی نے پیغمبر [صلعم] کی سوانح عمری پر ایک کتاب لکھی ھے لیکن یہ کتاب ایک خاص نظر سے لکھی گئی ھے اور طرح طرح کے نقائص سے بھری ھوئی ھے - مسٹر گوئیند راؤ کالے نے حضرت پیغمبر کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے جو اچھی خاصی ھے اور اس کی ترتیب بھی معقول ھے - ھماری زبان میں حضرت پیغمبر [صلعم] اور ان کے مذھب کے علوم پر کوئی ایسی کتاب نہیں ھے جو ھمدردانہ طور سے لکھی گئی ھو اور جس میں تمام حالات تفصیل سے درج ھوں - مسٹر اوک نے بھی اپنی " ھندوستانی کتھارس " میں پیغمبر اور ان کے مذھب کے متعلق مختصر واقعات لکھے ھیں- مسٹر بھاؤ نے اپنی "ترکاچے سامراجے" (ترکوں کی حکومت) میں حضرت پیغمبر کی زندگی اور ان کے مذھب کے متعلق مختصر ذکر کیا ھے، لیکن یہ بھی غلطیوں سے بھری ھوئی ھے- وجہ یہ ھے کہ ان میں کوئی اُردو یا فارسی یا عربی سے واقف نہیں، ان کی تحقیقات کا پورا دارومدار مشنری کتابوں پر ھے اور ظاھر ھے کہ ایسی کتابیں غلطیوں سے پاک نہیں ھوسکتیں- ایسی کتابیں جو حضرت عیسیٰ کی زندگی پر مشنریوں نے لکھی ھیں زبان اور مضمون کے لحاظ سے بہت کم حیثیت رکھتی ھیں - بابا پدم جی کی

''جیزس'' (حضرت عیسیٰ) قابل دید ہے - مارٹن لوتھر کی سوانح عمری جو ایک کرسچن مشنری سوسائٹی نے تصنیف کی ہے قابل مطالعہ ہے - شنکرراؤ دیسمکھ نے بھی مارٹن لوتھر کی زندگی پر ایک اچھی کتاب لکھی ہے —

مشہور غیر ملکیوں کی سوانح عمریاں

کرشنا شاستری چپلو نکرے نے سقراط کی سوانح عمری لکھی ہے اس کے بیٹے وشنو شاستری نے جو سرھٹی زبان کا میکالے ہے تاکٹر جان سن کی زندگی پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے مسٹر این - سی کیلکر نے جو اخبار کیسری کے ایڈیٹر ہیں گیری بالڈی کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے - کرندیکر نے بنجے میں فرانکلن پر ایک کتاب لکھی ہے - منڈلے نے کاور کے حالات تحریر کئے ہیں - داملے نے کارلائل پر اور آگاشے نے ارکوفل پر عمدہ کتابیں لکھی ہیں بھاوے نے جو ایک دولت مند شخص ہے - سرھٹی شاعروں پر خاص خاص کتابیں لکھی ہیں اور نپولین کی سوانح عمری اس نے دو جلدوں میں لکھی ہے - اس بہادر سپاہی پر انگریزی اور فرانسیسی میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب مبالغہ سے بھری ہوئی ہیں؛ انگریز اس پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور فرانسیسیوں نے اس کی تعریف کے پل باندہ دئے ہیں' لیکن بھاوے کا ''نپولین'' ان تمام خرافات سے بالکل مبرا ہے- مسٹر گناجی نے بکر ٹی - واشنگٹن [Buker T. Washington] پر ایک کتاب لکھی ہے اس کا طرز بیان نہایت ہی عمدہ اور دلکش ہے اس فاضل اور بڑے آدمی کی زندگی ' جو غلامی کے پنجے سے آزاد ہوکر حبشی قوم کا رہنما بن گیا ' ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے —

رنایک کونڈ دیو نے گلیڈ سٹن کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے ' لیکن چونکہ اس کتاب میں اُس زمانے کے سیاسی معاملات سے زیادہ بحث نہیں کی جس میں اس فاضل شخص کا بہت بڑا حصہ تھا ' اس لئے ناکمل ہے - نارائن لکشمی پھڑکے نے سپنسر اور میکالے کی مکمل سوانح عمریاں لکھی ہیں - گھاٹے کر نے میزینی

کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے - لیکن جو گلے کر اس سے بھی بہتر کتاب لکھ چکا ہے جو نہایت مفصل ہے - پھڑکے اور ٹھاکے کر کی زبان بہت ہی دقیق اور مشکل ہے اس لئے یہ کتابیں زیادہ تر عام پسند نہیں ہوئیں - ساور کر بیرسٹر کی "سیزینی" ہر نقطۂ نظر سے نہایت ہی عمدہ اور دلچسپ ہے - لیکن گورنمنٹ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے - ولیم دی سائلنٹ (William the silent) کی زندگی کے واقعات سرھٹی میں موجود ہیں - بھارت گورو گرنتھہ مالا نے ٹول سٹائی (Tolstoi) کی زندگی مفصل لکھی ہے - میک سوینی اور ڈی واڑا (Mc Swiney & Devaliera) کی سوانح عمریاں نارائن سیتا رام پھڑکے نے لکھی ہیں آر - جی پھڑکے بھی کئی اچھی کتابوں کا مؤلف ہے - سرھٹی زبان میں رابن ہوڈ (Robin hood) ولیم پٹ' تھامس پین - جارج واشنگٹن - قیصر' ٹوپلے وغیرہ وغیرہ کی سوانح عمریاں بھی موجود ہیں - سانڈلے نے نپولین اور پرنس بسمارک کی زندگی کے حالات لکھے ہیں - مسٹر ونایک کونڈ دیو ارک نے غازی امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے - امیر کی زندگی خاصکر طالب علموں کے لئے نہایت مفید ہے—

گذشتہ پچاس سال کے ہندوستانیوں کی سوانح عمریاں

بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی سوانح عمریاں لکھی جانی چاہئیں تھیں مگر افسوس ہے کہ ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی' مثلاً فیروز شاہ مہتا' طیب جی' جی جی بھائی' دادا بھائی' جام بھے کر' کیرو لکشمن وغیرہ وغیرہ - گوکھلے کی زندگی ان کے ایک شاگرد لکھنے والے تھے لیکن ہنوز وہ پردۂ خفا میں ہے - سانے اور ابھینکر نے گوکھلے کی زندگی پر دو کتابیں لکھی ہیں - کاشی بائی کامتی کر نے ڈاکٹر آنند بائی جوشی پر ایک کتاب لکھی ہے - ڈاکٹر آنند بائی علم طب کے سیکھنے کی غرض سے امریکہ گئیں اور کارپنٹر کی بیوی کے ساتھہ رہیں اور بڑی مصیبتوں اور دقتوں کے بعد ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی - اس کا شوہر گوپال راؤ جوشی پونا میں ایک غریب پوسٹ ماسٹر تھا -

اس کی واپسی کے بعد کولھا پور کے دربار نے اس کو ایک بڑا عہدہ دیا لیکن افسوس ہے کہ یہ غریب خاتون بہت جلد اپنے عالم شباب میں انتقال کر گئی - عالم مصنفہ نے اس کی جرأت اور دلیری کو بڑی ہمدردی سے بیان کیا ہے - اگرچہ یہ کتاب ایک عورت نے لکھی ہے مگر نہایت عمدہ کتاب ہے - کاشی بائی ایک لائق مؤلف اور شاعر ہے اور اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں وشنو شاستری چپلونکر کی زندگی اس کے بھائی لکشمن شاستری نے لکھی ہے اور مرھٹی زبان میں ایک نہایت عمدہ سوانح عمری ہے - حالانکہ یہ کتاب اس کے بھائی نے لکھی ہے تاہم ہر قسم کے تعصب سے خالی ہے - مصنف نے اس مرھٹی زبان کے میکالے(Macaulay) کی زندگی لکھنے میں تنقید کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا - مسٹر بسرے نے بھی وشنو شاستری پر ایک کتاب لکھی ہے - مسٹر دیو نے کرتنے کی سوانح عمری لکھی ہے' دیو اس کے حالات سے بخوبی واقف تھا - جگناتھ شنکر سیٹھ ساٹھ سال کے قبل جو بمبئی کا ایک مشہور لیڈر تھا اس کی زندگی پتلے نے لکھی ہے اور بہت ہی دلچسپ ہے - اس سے بمبئی کی ساٹھ سال قبل کی سوسائٹی اور اس زمانہ کی قومی ہلچل کا نقشہ صاف نظر آتا ہے - مسز راما بائی رانادے نے "امچا ایو شیا نتیل اٹھونی" یعنی "ھماری زندگی کی یادگاریں" لکھی ہے - یہ کتاب نہایت دلکش ہے اور اس میں مشہور جج رانادے کی سادہ زندگی بڑی خوبی سے بیان کی ہے - جسٹس رانادے کی زندگی پھاٹک نے بھی لکھی ہے اور حقیقت میں مرھٹی کتابوں میں بہت قابل قدر ہے - دادا بھائی کی زندگی پروفیسر پھڑکے نے لکھی ہے' لیکن اس نامور بوڑھے ہندوستانی کی دراز زندگی میں جو کچھ واقعات گذرے ہیں اس کا لحاظ کرتے ہوے یہ کتاب چھوٹی اور نامکمل ہے - مسٹر کلکرنی نے "تلک کے آخری آٹھ سال" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے' جس کے مطالعہ سے اس مشہور محب وطن کی زندگی کی باطنی حقیقت معلوم ہوتی ہے مسٹر کیلکر نے بھی تلک کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے جو (۸۰۰) صفحہ سے زیادہ ہے - یہ کتاب بہت بڑی ہے

اگر حجم ذرا کم ہوتا تو زیادہ دلچسپ اور مکمل ثابت ہوتی - ابھی وہ ایک جلد اور لکھنے والے ہیں معلوم نہیں کہ وہ کب شائع ہوتی ہے - مسٹر کیلکر بھی تلک کی طرح مرہٹی زبان کا ترقی دینے والا اور نہایت عمدہ مرہٹی لکھتا ہے - ایل ایل - بی کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہی اس نے بقیہ زندگی تلک کے ساتھہ بسر کی اور اس لئے لوگوں کی یہ توقع بے جا نہ تھی کہ اس کے قلم سے تلک کی سوانح عمری اس سے بہتر نکلے گی - مسٹر آمبےکر نے جو تلک کا ہم عصر اور اعتدال پسند شخص ہے " تلک کی زندگی کا راز " کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو غلط بیانیوں سے بھری ہوی ہے اور تلک کی سیرت پر حملے کئے ہیں - اس کتاب میں بے لاگ اور منصفانہ نکتہ چینی کا نام نہیں - مسٹر باپٹ (Bapat) نے " لوک مانیانچا آکھیایکا " (یعنی تلک کے متعلق قصے کہانیاں) نامی کتاب لکھی ہے - اس کی دو جلدیں ہیں جو (۱۰۰۰) صفحوں پر ختم ہوتی ہیں - ان قصوں سے تلک کی زندگی اور سیرت کا جو صحیح اندازہ ہوتا ہے وہ کیلکر کی کتاب سے بھی نہیں ہوتا —

مہاتما گاندھی کی سوانح عمری تین یا چار صاحبوں نے لکھی ہے لیکن اونتکابائی اور داملے کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت عمدہ ہیں - اونتکابائی چمپارن واقع اوڑیسہ میں مہاتما گاندھی کے ساتھہ رہ چکی ہیں - داملے کی کتاب بالکل نئی ہے - کاناڈے نے رابندرناتھہ ٹاگور کی سوانح عمری لکھی ہے - مسٹر آمبےکر نے ہری نارائن آپٹے کی زندگی کے حالات لکھے ہیں یہ مرہٹی کے مشہور ناول نویس ہیں - مسٹر پی - وی کلکرنی نے مرحوم دیش بندھو داس کی سوانح عمری لکھی ہے یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور مرحوم نے جو بڑے بڑے کام کئے ہیں اس کے مقابلے میں یہ بہت حقیر معلوم ہوتی ہے - رانڈے نے بیرسٹر ساورکر کی زندگی پر ۷۰ یا ۸۰ صفحے کی کتاب لکھی ہے - آنجہانی تلک کا دوست تھا اور اس کا ہم جماعت بھی، یہ ایک بڑا رفارمر ہوا ہے اور مرہٹی زبان کا استاد تھا -

اور اخبار (سدھارک) کا ایڈیٹر ' اُس کی تحریر میں جوش اور زور ہے - ان دونوں نے (یعنے تلک اور آگرکر نے) فرگیوسن کالج کی بنیاد ڈالی اور ابتدا میں چند سال تک وہیں (۳۰) روپیہ ماہوار پر کام کرتے رہے - وہ غریب گھرانے میں پیدا ہوئے اور غربت میں مرے - انھوں نے ملک کی تعلیم اور ترقی کے لئے اپنی زندگی قربان کردی - پرچورے نے آگرکر کے سوانح لکھے ہیں - ڈاکٹر بھانڈارکر کی زندگی ویدیہ (Waidya) نے لکھی ہے - مسٹر ویدیہ نے محترم ڈاکٹر کی سوانح عمری میں نہایت انصاف سے کام لیا ہے مگر اہل ملک کو اس بڑے عالم کی زندگی پر اس سے بہتر اور مکمل کتاب کی ضرورت ہے —

ایسے لوگوں کی زندگی جن کی عمریں خاص فنون اور پیشوں میں گزری ہیں آئندہ آنے والی نسل کی رہبری کے لئے لکھنی بہت ضروری ہے - جاوجی داداجی اپنی زندگی کی ابتدا میں تین روپیہ مہینے پر ایک مطبع میں نوکر تھے - لیکن اپنی محنت ' مستعدی اور شوق کی وجہ سے وہ " نرنیہ ساگر پریس " کے مالک ہوگئے ' جہاں کا منیجر اب پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہے - اس نے مرہٹی ٹائپ کو ایسی نمایاں ترقی دی کہ تمام دنیا میں " نرنیہ ساگر " کا خط سب سے خوش نما مانا گیا ہے - اس کی زندگی کے حالات کونڈدیو اوک نے لکھے ہیں جس کا مطبع سے خاص تعلق تھا اور جہاں سے " بال بودھ " کا ماہواری رسالہ جاری ہوتا ہے —

انا کرلوسکر مرہٹی سنگیت ناٹکوں کا بانی ہے ابتدا میں وہ ایک سرکاری ملازم تھا ' لیکن بعد میں اس نے نوکری چھوڑدی اور پرانے ناٹکوں میں اصلاح کرنے کا کام شروع کیا - اس کا ایک ہم پیشہ دوست بھاؤراؤ کولھٹکر نے جو نہایت عمدہ گانے والا اور ایکٹر تھا اس نے اپنی تمام عمر کرلوسکر سنگیت کمپنی میں گذاردی - موزمدار نے ان دونوں کے حالات لکھے ہیں - یہ خود بھی ایکٹر اور گانے والا اور چند ناٹکوں کا مصنف ہے - پروفیسر چھترے کی زندگی گدرے

نےلکھی ھے - چھترے سب سے پہلا ھندوستانی تھا جس نے انگریزی طریقہ پر ایک ھندوستانی سرکس قائم کیا اور ھندوستان ' برما اور سیلون وغیرہ ممالک میں سرکس لے کر گیا —

اپریل سنہ ۱۹۲۶ ع میں ایک خوبصورت کتاب رابندرناتھ ٹیگور کی زندگی پر آر - جی کاناڈے (Kunaday) نے لکھی ھے ' جس کا دیباچہ فرگیوسن کالج پونا کے پروفیسر داملے نے لکھا ھے - یہ نہایت حیرت انگیز بات ھے کہ بنگال کے اس نامور شاعر پر جس کا غلغلہ ساری دنیا میں مچا ھوا ھے کوئی قابل قدر کتاب بنگالی میں شائع نہیں ھوئی ھے - کاناڈے کی کتاب نہ تو ترجمہ ھے ' نہ کسی کتاب سے ماخوذ ھے ' بلکہ اصلی تصنیف ھے اور بہت فصیح مرھٹی میں لکھی ھے ' کتاب میں کل (۳۴۰) صفحے ھیں ' جن میں سے (۱۳۵) حالات میں ھیں اور باقی میں ان کے کلام کی تنقید ھے - کاناڈے ٹیگور کے بڑے معتقد ھیں اور ان کی تصنیف ٹیگور پر ایک مستند کتاب ھے - گیتان جلی کے مصنف کے پجاری سی - ایف آنڈریوز (C . F And r ews .) کی رائے ھے کہ اس سے مجھے نہایت درجہ مسرت حاصل ھوئی کہ میرے گرودیو (رابندر ناتھ ٹیگور) پر مرھٹی زبان میں ایک ایسی سنجیدہ اور پر از معلومات کتاب لکھی گئی ھے جس کا لکھنے والا ٹیگور کے کلام کا بہت بڑا نقاد ھے - مجھے یقین ھے وہ وقت قریب ھے جب کہ ٹیگور کی تصانیف کے ترجمے ھر ھندوستانی زبان میں ھو جائینگے اور ان کے ساتھ ساتھ اُن کی سوانح عمری بھی ھوگی جب یہ ظہور میں آئیگا تو یہ کتاب جسمیں شاعر کی زندگی اور تصانیف کا نہایت مفصل حال درج ھے مرھٹی جاننے والوں کی کثیر تعداد کے لئے نسلاً بعد نسل ایک بے بہا تصنیف ھوگی - مندرجۂ ذیل ابواب بہت دلچسپ ھیں : —

(۱) را بندر ناتھ کی زندگی (۲) ر بندر ناتھ اور مہا تما گاندھی (۳) بنگالی لٹریچر میں رابندر ناتھ کا درجہ (۴) ان کے ناول اور کہانیاں

(۵) ان کے ناٹک اور نقلیں (۶) اُن کا فلسفہ —

آپ بیتیاں | اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مرھٹی زبان میں چند خود نوشتہ سوانح عمریوں یعنی آپ بیتیوں کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - اپنی سوانح عمری خود لکھنا یہ ہندی خیال نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے باہر سے آیا ہے نانا فرنویس نے مختلف طور پر اپنے حالات خود لکھے ہیں - دادوبا پانڈورنگ مرھٹی زبان کا پہلا نحوی انیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوا اور اس نے اپنی زندگی خود لکھی ' جس سے اس زمانے کی تعلیم و تہذیب و رسم و رواج اور قوم کی حالت کا ٹھیک اندازہ ہوسکتا ہے - بابا پدمجي نے جو دادوبا پانڈو رنگ کا ہم زمانہ تھا اپنی ذاتی زندگی پر " ارون اودیا " یعنی " نور کا تڑکا " نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ بتاتا ہے کہ اس نے عیسائی مذہب کو کیوں اختیار کیا- یہ کتاب نئی نقطۂ نظر سے نہایت دلچسپ اور عمدہ کتاب ہے - پروفیسر کروے نے جس نے پونہ میں عورتوں کے لئے ایک یونیورسٹی اور کالج کی بنیاد ڈالي ہے ' اپني زندگی کے حالات لکھے ہیں جس کا نام " آتما چر تر " ہے- اس کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک معمولی آدمی جسے کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں کیسے بڑے بڑے کام اپنی کوشش اور استقلال سے کر سکتا ہے - مرھٹی زبان میں یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے - پروفیسر کروے ایک غریب آدمی کا لڑکا تھا بڑی مشکل سے اس نے بی - اے کامیاب کیا - اس کے بعد فرگوسن کالج میں بطور دوامی رکن کے شرکت کی اور ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا اور اس بات کو صحیح طور سے محسوس کیا کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوجائینگی ملک کی ترقی کی کوئی امید نہیں ہوسکتی - اس نے خلوص دل سے اپني زندگی تعلیم نسواں کے لئے وقف کردي ہے - اگر چہ اس وقت عام خیالات اس کے موافق نہ تھے لیکن آخر میں اس کو کامیابی ہوي اور اب یہ مدارس ' کالج ' بورڈنگ اور یونیورسٹی سب کچھ بلا

کسی سرکاری امداد کے محض پبلک کی مدد سے جاری ہیں اس نے یونیورسٹی اور کئی مدارس چند مستورات کے حوالے کردئے ہیں ' جو ملک و قوم کے لئے شوق سے کام کرتی ہیں اور خود وہ دست بردار ہو گیا ہے —

اتنت دامودر کانے بانئی " پیسہ فنڈ " نے خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے وہ ابتدا میں ۱۲ روپیہ ماہوار کا ایک مدرس تھا مگر یہ شخص اپنے ذاتی استقلال کی وجہ سے تمام مہاراشٹر میں نامور ہوگیا - وہ کہتا ہے کہ اگر ہر سال ہندوستان کا ہر مرد اور عورت اور بچہ ایک پیسے کے حساب سے بچائے تو (۳۳) کروڑ پیسے جمع ہوسکتے ہیں اور قومی کاموں میں خرچ کئے جاسکتے ہیں - اس خیال کو عمل میں لانے کے لئے وہ ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں پھرا اور وہاں کے لوگوں پر اپنے خیال کا اثر ڈالتا تھا - لوگوں نے اس کی خوب ہنسی اُڑائی اور کوئی توجہ نہ کی - تب وہ کئی صاحب اثر اور مشہور سرمشوں سے ملا ' جن میں تلک بھی تھے- اُس نے خیال کو ان کے سامنے ظاہر کیا تلک نے اس کا ہم خیال ہوکر اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اخبار " کیسری " میں اس کے متعلق بہت کچھ لکھا - لوگ رفتہ رفتہ اس طرف مائل ہوئے اور کام کی اساس پر آمادہ ہوگئے - اب ہر سال اس فنڈ میں بہت سے پیسے جمع ہوتے ہیں اور اسی " پیسہ فنڈ " کے برتے پر کئی کارخانے چل رہے ہیں —

پرنسپل جی سی بھاتے کی آپ بیتی " پریم کی لو کیک* " حال میں شایع ہوئی ہے مسٹر بھاتے کونکن† کے ایک پرانے راسخ الاعتقاد خاندان سے ہیں - ان کے والد ایک تعلقہ کے وکیل تھے - مسٹر بھاتے نے پونا میں تعلیم پائی - ان کی کالج کی زندگی بہت شاندار گذری اور ایم - اے کامیاب ہونے کے بعد دکن ایجوکیشنل سوسائٹی کے ممبروں کی ترغیب سے فرگیوسن کالج کے دوامی رکن ہوگئے - پہلی

---

* شہرت † بحیرۂ عرب سے مغربی گھاٹ تک کے حصہ کو جو تھانہ سے گوا تک ہے کونکن کہتے ہیں —

نظام

از

(جناب مولانا فضل حق صاحب "آزاد" عظیم آبادی)

[یہ نظم مولانا نے تادیب نسوانی کے لئے لکھی تھی، مگر بعض وجوہ سے مولانا وہاں
تشریف نہ لے جا سکے اور نظم پڑھنے کا موقع نہ ملا — ایڈیٹر]

خاکی کا پتلا ہو خستہ ہے وہ ہستی ہم نہیں
پانی سی صورت ہو پانی ہے تو وہ بیں ہم نہیں

ہم میں ہے کوئی اگر نام خدا یوسف جمال
ہو، مگر وہ بہر یار حسن و خوبی ہم نہیں

ہم میں ہے نام خدا کوئی اگر کشور کشا
ہو، مگر وہ خسرو کشور کشائی ہم نہیں

ہم میں ہے بالغ نظر کوئی اگر شمس العلوم
ہو، تو وہ آئینۂ عالم نمائی ہم نہیں

ہم میں ہے والا گہر کوئی اگر صاحب منش
ہو، تو اس کے ہمدم بیگانہ خوئی ہم نہیں

ہم نہیں ہے کوئی خمار قوم کا گر تکیہ بیں
ہو لے وہ اس کے رفیق تکیہ بیانی ہم نہیں

ہم میں سے کوئی تشخص نہ سہی گو حضور راہ
ہوئے تو دل دادۂ تقلید شخصی ہم نہیں

ہم سے ہیں پہلے سر جبیں کر سجدہ تہذیب کے
ہوئے تو تلمذ نہ سہی نوش ترش روئی ہم نہیں

قوم کی ہستی ہے اس کی شاہراہ عظمتیں
اب وہ پہلا دستیاں اس کی ہوں یا ہوں دستیاں

ہم برے ہیں یا بھلے ہیں آج جس پیکر میں ہیں
اپنے آپے میں ہیں اپنوں میں ہیں اپنے گھر میں ہیں

ایشیائی زندگی کی ہے یہ صدیوں پرانی رہگزار
ہم میں تھیں جو ہستیاں ہم کی وہی منزل میں ہیں

آتشیں نغموں میں اب تک ہے وہ شعلہ شور کا
تھیں جو آتش میں وہی دلسوزیاں اختر میں ہیں

ہم میں ہیں ہیں سہر و وفا کے ولولے اب تک وہی
گرمیاں اب تک ہماری خاک و خاکستر میں ہیں

خوئے پروانہ اب تک بھی وہی ہے گرد شمع
عشق کی وہ شورشیں اب تک ہمارے سر میں ہیں

درد سے خالی نہیں اب تک ہماری داستاں
لخت دل اب تک رواں خوناب چشم تر میں ہیں

آج تک اپنی زباں پر ہے وہی ذکر سلف
تیغ میں جوہر نہاں ایسے جو اس خنجر میں ہیں

میر و مرزا ناسخ و آتش نہ وہ بزم اسیر
لکھنؤ آئے کہاں ہم تو اسی چکر میں ہیں

چند غنچے ہیں کہ ہیں کچھ نرم باغ سخن
تا ابد یارب رہے آباد یہ باغ سخن

بان ۸ کہن

شیخ ولی اللہ محب

زمانے کے رنگے ڈالے تھے اور سودا سے تشبہ تھا۔ مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم تھے اور اُن کی غزل بنایا کرتے تھے۔ جب وہ لکھنؤ گئے تو چند روز بعد یہ بھی وہیں چلے گئے اور لکھنؤ ہی میں سنہ ۱۲۰۷ ھ میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان ہیں۔ اُن کا دیوان بہت کم یاب ہے۔ کلام پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسط درجہ کے شاعر ہیں اور صرف غزل کہتے ہیں۔ قومی خاص بات نہیں جس سے کسی قسم کی امتیازی شان پیدا ہوتی ہو۔ ایسے غزل گو شاعر اردو میں (چشم بد دور) بہت ہیں۔ لفظی رعایت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ زبان جیسی بولی جاتی تھی اور لفظ جس طرح بول چال میں استعمال ہوتے تھے وہ بے تکلف ویسے ہی لکھ دیتے ہیں۔ اس وقت تک لفظی صحت کا حصہ اُس حد تک نہیں پہنچا تھا جو بعد کے زمانے میں نظر آتا ہے۔ مثلاً سلیمؔ کا لفظ وہ اس شعر میں بے تکلف لکھ گئے ہیں اگرچہ ظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ مگر ایسے لفظ زبان میں اور بھی موجود ہیں اور وہ جزو زبان ہو گئے ہیں۔

تری جدائی میں ہم کو ساقی قسم ہے گزری نہ رات ایسی
کہ صبح آکر دھڑا سلیمؔ نہ خون دل سے پیالہ اپنا

چونکہ شیخ صاحب کو زبان کا درد تھا جو اُن کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لئے زبان کی تاریخ اور لغت کے لئے ان کا دیوان کارآمد ہوسکتا ہے۔ نمونے کے لئے اُن کی چند مزاحیہ لکھی جاتی ہیں۔ [ایڈیٹر]۔

(۱)

سایہ کہ لکھا یوں تھا تقدیر الٰہی میں
عاشق کی رہے کشتی امواج تباہی میں

یوں دل کے سویدا میں روشن ہے تری صورت
جوں پتلۂ مینواں کا ہے نور سیاہی میں

ہے مشرب رنداں میں بالفعل تو سے رائج
اس امر کو زاہد سمجھے ہیں ملاہی میں

معراج گدائی کا ہوتا نہیں کم ہرگز
پستی و بلندی ہے یہاں اصر شاہی میں

دریا میں حباب آسا کیا مظہر وحدت ہے
ہو طوق سراپا ہے اسرار الٰہی میں

سنبلہ سے بانکے سے ایک آہو ہوں ختن کی
کیا تاب جو ہو جرات رستم سے سپاہی میں

ہر برگ گل لالہ ایک مخبر خونی ہے
میلے کے (مصنف) تیرے داغوں کی گواہی میں

(۲)

شب فراق نہ کاٹے کٹے ہے کیا کیجے
نہ صبح ہوتی ہے نہ پو پھوٹے ہے کیا کیجے

صفا تھا عکس رخ اس کے سے دل کا آئینہ
اب اس پہ زنگ کدورت اٹھے ہے کیا کیجے

رحیم و رام کی سیرت ہے شیخ و برہمن کو
دل اپنے کام کی رکھنا رٹے ہے کیا کیجے

پئے تھا رات تو کل غیر پاس یار شراب
اور آج تمہیں ہی کہا کہا نئے ہے کیا کیجے

یہ ہوں ہوں وعدے کے دن رات بڑھتے جاتے ہیں
گوڑی گوڑی میں مرا جی نکلے ہے کیا کیجے

رقیب جم کے یہ بیٹھا ہے ہم اٹھے فاچار
نہ بیٹھ اب نہ نکالے ہلے ہے کیا کیجے

مگر کے ٹکڑوں سے جب تک نہ کوہ بھولے لے
یہ طفل اشک تو رو رو ہلے ہے کیا کیجے

یہ بخت وزگوں ایسی ملی ہے صبح
دل اس کی تاک میں اپنا نکل ہے کیا کیجے

(۳)

تک اس کو تو میں دیکھوں اگر نہ کیا ہی تجھ پر ہی ہٹک رہا ہے
یہ جی ترے دیکھنے کو پیارے اب آنکھوں میں آ اٹک رہا ہے

نہ پوچھ میرے ہلے کا بسنا فکر ہوا ہے انداز کیونکر
برہ کا دھرتی پہ یہاں کی پیارے سدا اترا کٹک رہا ہے

تری گلی میں برہ اگن سے ہوا ہوں میں جل کے راکھ تو بھی
تجھے وہی ہٹ ہے مجھ سے اب تک کہ پانوں رکھتے تھٹک رہا ہے

ترے نہ ملنے سے جان میری کو بے کلی ہے یہ رات اور دن
کہ سانس لیتے میں جیسے کانٹا کلیجے میں کر کھٹک رہا ہے

کلی کلی میں میں جتنا پھرتا ہوں ڈھونڈتا تجھکو اے سریجن
تو مجھسے اتنا ہی بھول ہٹ چسک کی ساری باتیں ..... تک رہا ہے

تو دیکھ پھلواریوں میں جاکر کہ جیسے اسپند آگ میں ہو
کلیجا ہر ایک کلی کا تیری نہ کھلنے میں چٹک رہا ہے

کیا آ کے تجھ کو دیکھ کے اپنا سا ہو گیا
جو ماتھے پہ تھا گلے کا سو بے تاب ہو گیا

کس کو ہے ذوقِ تلخ کلامی مگر اسد
تیرا ستم بھی حیف ہے بے مہر ہو گیا

ہر ایک بات پر کہ تو کہتا ہے تو ہمیں
اتنا نہ بن بلا کہ جو کہیے کہ تو گیا

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
بے نیازی تری عادت سہی کتنا اور سہی

ہے ہمیشہ کی طرح آج ترا رنگ کبھی
ہو ترا غیر سے پیمان وفا اور سہی

ہو گئے جمع ہیں اجزائے نگاہِ ساقی
اک دل شورش بزمِ طرب آشوب سہی

ہے ہمیشہ کی طرح آج ترا رنگ کبھی
ہو ترا غیر سے پیمان وفا اور سہی

روز و شب آنکھوں سے لیتی کام ہے وہ مہ جبیں
آہ کس دن سے دل سے ہاتھ اٹھا لیں

اس کی دیکھیں حسن کی دریا کی لہر آشوبیاں
عشق کی گرداب میں لے دل کو آنکھیں ڈوبیاں

عیب لے سننے سے نہ جانا جب تک نہ شرح
دوستی اس کی میں تو میں لیا نہ خرچ اسلوبیاں

دیکھنا سحبوں اگر دل کا ہمارے جانب عشق
جیوں غزال اس کی رکھیں دم کو نہیں سحبوبیاں

وہاں کسی کا کوں فریاد و فغاں سنتا نہیں
محفل خوباں ہے گویا مجلس کروبیاں

ہو لڑائی عشق کی تب فتح جب پاوے شکست
غالب اکثر ہوتی ہیں اس جنگ میں مغلوبیاں

ہے خبر سے کم بہا گوہر ہنر کا عشق میں
بیچ کر اس کو خریدا چاہئے سحبوبیاں

حسن کے لفظوں سے ہے وہ ملائم و لطیف
سوچ دونوں کو اس کے روپ میں مصروفیاں
کہ نہیں فرق ہے کہ جان کس طرح ہے (سیما)
لب کھلتے ہیں مسکوں کے سیاہ و سرخیاں

ساقیا لطف و عنایات کو پھر عام کر دے
میں ہوں اور کچھ خرابات ہو پھر جیتے ہیں
پرتوِ یار و لب و چشم و لبِ جو ہو جائے
پھر یہ سب طلسمات ہو پھر جیتے ہیں
تشنہ لب ساغر و مے لائے ہو پھر میخانوں
سرخوشوں سے یہ بات ہو پھر جیتے ہیں
الفت و دوستی و مہر و مروت معلوم
دلبروں سے کبھی سازش ہو پھر جیتے ہیں
جانِ من رحمت لب اور نوازش ہو خواہش
ایک دن اس سے ملاقات ہو پھر جیتے ہیں
حسنِ یار کے عاشق کو ہدیٰ شاہد ہے
کعبہ و دیر مساوات ہو پھر جیتے ہیں
صورتِ یار ہے خواہش ہے کہ آنکھیں میں
معنی لطف و اشارات ہو پھر جیتے ہیں
دور سے آجائے اک بند قبا کھولے یار
اے محب باب فتوحات ہو پھر جیتے ہیں

شاہ نامہ کا دیباچۂ قدیم

نوشتۂ

(جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری)

شاھنامہ کے دیباچۂ قدیم سے ناظرین رسالۂ اُردو نا واقف نہیں ھیں - کیونکہ اُردو کی گزشتہ اشاعتوں میں فردوسی کے متعلق جو مضامین شائع ھوے ھیں اُن میں دیباچۂ قدیم کا کئی جگہ ذکر آیا ھے - لیکن اس کی حقیقت اور تاریخی اھمیت سے بہت کم لوگ واقف ھیں - اس لئے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ایک مختصر مضمون میں اُس کی کیفیت بیان کی جاے اور اُس کے ساتھہ یہ دیباچہ بجنسہ شایع کر دیا جاے - تا کہ ناظرین اُردو اِس دیباچے اور اُس کی اصلیت سے واقف ھو جائیں—

دیباچۂ قدیم صدیوں سے پردۂ خفا میں مستور تھا - اور دنیا اِس کے وجود سے محض نا واقف تھی - گزشتہ صدي کے اوائل میں ایک یورپین مستشرق ویلن برگ (Wellenbourg) نے اس دیباچہ کو سب سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا - اس نے فرانسیسی زبان میں ایک مضمون شاھنامے کے متعلق لکھہ کر سنہ ۱۸۱۰ع میں بمقام وائنا چھپوایا - اور اس میں اس دیباچہ کا ترجمہ شایع کر دیا* - اس مضمون کی بدولت مستشرقین یورپ اس دیباچہ سے آگاہ ھوے - اس کے قریباً چھبیس سال بعد سنہ ۱۸۳۷ع میں جولیس موھل (J. Mohl) نے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھہ شاھنامے کو چھاپنا شروع کیا اور اس کی ابتدا میں

---

* M. de Wellenbourg, Notices sur le Schahnamae Vienne, 1810.

ایک عالمانہ مقدمہ لکھا جس میں شاھنامہ کے عہد تصنیف اور اُس کے ماخذات پر محققانہ مباحث درج کئے اور اِن مباحث میں اِس دیباچے سے بھی استفادہ حاصل کیا —

ان اشاعتوں کے بعد مستشرقین یورپ نے فردوسی اور اُس کے شاھنامے کے متعلق جو مضامین لکھے ھیں اُن سب میں اس دیباچے کے مضامین کا تھوڑا بہت اعادہ ھوتا رھا - اور خاص کر پروفیسر نولدیکے (Noldeke) نے اپنی عالمانہ تصنیف "رزمیات ایران" میں محض اس دیباچہ کی بنا پر شاھنامہ کے اصلی ماخذ کا سراغ لگایا * —

یہ کیفیت یورپین لٹریچر کی تھی' اب مشرقی لٹریچر کا حال سنئے - موجودہ صدی کے آغاز تک فارسی اور اُردو تصنیفات اس دیباچہ کے تذکرے سے بالکل معرا نظر آتے ھیں - ایرانیوں میں علامہ محمد بن عبدالوھاب قزوینی اور ھندوستانیوں میں پروفیسر محمود شیرانی سب سے پہلے شخص ھیں جنھوں نے اپنے مضامین میں اس دیباچے کا ذکر کیا اور اُن میں اِس کے مطالب اور اقتباس نقل کئے ھیں —

(۲)

شاہ نامۂ فردوسی کے دیگر دیباچے اور اُن کے مقابلے میں دیباچۂ قدیم کی قدامت

شاھنامے پر اس دیباچے کے علاوہ اور بھی دیباچے لکھے گئے ھیں - مرزا بایسنغر+ آل تیمور کا ایک ممتاز و مشہور شاھزادہ ھے - اس نے سنہ ۸۲۸ ھجری میں اپنے درباری شعراء سے شاھنامے کی تصحیح کرائی اور اس پر

---

* Noldeke, Das Iranische Nationalepos Grundriss der Iranischen Philologie 1896.

+ مرزا بایسنغر' شاھرخ مرزا کا بیٹا اور امیر تیمور کا پوتا ھے - سنہ ۸۰۳ ھ میں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ایک مبسوط دیباچہ لکھوایا، جس میں شاھنامے کے ماخذات اور فردوسی کی سوانح حیات کا مفصل تذکرہ ھے—

شاھم علی خان نے جو امیرالفقراء سید شاہ ابراھیم ادھم ثانی نقوی سبزواری کے فرزند ھیں سنہ ۱۱۲۱ ھجری میں شاھنامے کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اس کا نام عطر شاھنامہ رکھا اور اس پر ایک مفصل دیباچہ تحریر کیا جس میں مرزا بایسنغر کے دیباچے سے بہت سے نئے معلومات زیادہ ھیں -

مرزا بایسنغر کا دیباچہ دوسرے دیباچوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مقبول ھوا ھے - نویں صدی ھجری کے بعد شاھنامے کے جس قدر نسخے نقل ھوے ھیں قریب قریب اُن تمام کی ابتدا میں کاتبوں نے اس کی نقل بھی شامل کر دی ھے، یہاں تک کہ ٹرنرمیکن نے سنہ ۱۲۴۵ ھجری میں بمقام کلکتہ جب شاھنامے کو صحیح کر کے چھاپا تو اس کی ابتدا میں مرزا بایسنغر کا دیباچہ بھی چھاپ دیا—

(۳)

دیباچۂ قدیم کا عہد تصنیف

دیباچۂ قدیم ان دونوں دیباچوں سے بہت قدیم ھے لیکن اس کے عہد تصنیف پر ابھی تک گہری ظلمت چھائی ھوئی ھے اور مختلف مصنفین نے اس کی تصنیف کو مختلف زبانوں سے منسوب کیا ھے - ویلن برگ نے اس کے عہد تصنیف کے بیان کرنے میں بالکل سکوت اختیار کیا ھے - پروفیسر شیرانی اس کو شاھنامہ کے کم و بیش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸)

پیدا ھوا - اور سنہ ۸۳۷ ھ میں انتقال کیا - مشہور علم دوست اور سخن پرور شاھزادہ گذرا ھے - بڑے بڑے ارباب کمال اس کے دربار میں جمع تھے - اس نے ایک کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں چالیس خوش نویس کتابت کیا کرتے تھے - مولانا جعفر تبریزی ان کاتبوں کا امیر اور کتب خانہ کا مہتمم تھا - بابا سودائی، امیری ھروی، شاھی سبزواری، کاتبی ترشھزی وغیرہ اس کے درباری شاعر تھے - دولت شاہ سمرقندی نے شاہ قاسم‌الانوار کا تذکرہ کرتے ھوے ضمناً اس کا حال بھی لکھا ھے - تذکرۂ دولت شاہ طبع لاھور صفحہ ۲۳۸ و صفحہ ۲۳۹ -

دو صدی بعد کی تصنیف قیاس کرتے ہیں * برخلاف اس کے علامہ محمد قزوینی اس کی غیر معمولی قدامت کے قائل ہیں - اور اُن کی راے میں یہ دیباچہ ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی کے شاہنامۂ نثر کا ہے جو سنہ ۳۴۶ ھ میں تصنیف ہوا ہے اور زمانۂ ما بعد میں فردوسی کے شاہنامے کو منظوم کرنے کی سرگزشت اس میں الحاق کی گئی ہے - علامۂ موصوف کے خاص الفاظ یہ ہیں:—

> این مقدمۂ قدیم شاهنامه (یا بعبارت اصح قسمتے ازین مقدمه ابتداء تا آنجا که صحبت از فردوسی و سلطان محمود می شود) بدون کم و زیاد و بلا تصرف عین مقدمه است که برای شاهنامۂ نثری که باهتمام ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی در سنه ۳۴۶ ھ جمع آوری شده بوده است و فردوسی عین آن شاهنامه را بنظم در آورده است نوشته شده بوده است - پس بنا برین این مقدمه شاهنامه شش سال قبل از ترجمه تاریخ طبری که در سنه ۳۵۲ ھ باتمام رسیده است و چهار سال قبل از جلوس امیر منصور بن نوح سامانی تالیف شده است †

علامہ قزوینی کی اس راے کی صداقت خود دیباچے کی اندرونی شہادتوں سے ظاہر ہوتی ہے

اولاً - اس کی زبان کی قدامت اور بیان کا طرز و اسلوب اس راے کے سب سے بڑے مؤید ہیں—

ثانیاً - خود دیباچے میں ایسی عبارتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فراہم کنندہ ابوالمنصورالمعمری اور اس کے مرتب کرنے والوں نے اسے امیر ابومنصور بن عبدالرزاق کے ایما سے مرتب کیا ہے - چنانچہ دیباچہ کی اصل عبارتیں یہ ہیں:—

---

* رسالہ اُردو جلد سوم (سنہ ۱۹۲۳ ع) صفحہ ۱ † ایران شہر (سنہ ۱۳۴۰ ھجری) صفحہ ۳۲۴

" وبار خداوند نامهٔ شاهان از گرد آورندهٔ ابوالمنصور المعمری
دستور ابومنصور محمد بن عبدالرزاق ایدون گوید "
" پیش از آنکه سخن شاهان و کار نامهٔ ایشان یاد کنیم نژاد
ابومنصور بن عبدالرزاق راکه مارا تربیت فرمود تا جمع کاند
و نژاد چاکر او ابومنصورالمعمری بگویم که ایشان چه بودند -
وتا آنجا رسیدند " —

سطور بالا میں ہم نے جو اقتباس نقل کئے ہیں ان سے یہ امر ثابت ہے کہ دیباچۂ قدیم وہی دیباچہ ہے جو شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی کے لئے لکھا گیا تھا اور وہ چند واقعات جو فردوسی طوسی اور اس کے شاهنامے کی نسبت اس میں درج ہیں زمانۂ ما بعد میں الحاق کئے گئے ہیں اس لئے اس کا سنہ تصنیف بھی وہی ہے جو شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی کا ہے —

دیباچۂ قدیم میں شاهنامۂ ابومنصور طوسی کا سنہ تصنیف مذکور ہے لیکن اس میں کتابت کی تصحیف کے باعث اختلاف واقع ہوگیا - بعض نسخوں میں سنہ ۳۰۶ ھ اور بعض میں سنہ ۳۴۶ ھ پایا جاتا ہے * ڈاکٹر نولدیکے اور اس کی اتباع میں پروفیسر برؤن اور علامۂ قزوینی نے بھی سنہ ۳۴۶ ھ کو اختیار کیا ہے † لیکن اُس کے خلاف ایسے بہت سے تاریخی قرائن موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ یہ شاهنامہ سنہ ۳۴۶ ھ سے پہلے تصنیف ہوا ہے —

اول یہ کہ دیباچۂ قدیم سے ظاہر ہے کہ شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی امیر نصر

---

* دیباچۂ قدیم کا جو نسخہ ہمارے زیر استعمال ہے اس میں سنہ ۳۰۶ ھ (سی صد و شش) تحریر ہے - پروفیسر شہرانی نے اپنے مضمون تنقید شعرالعجم میں دیباچۂ قدیم کا جو نسخہ دیکھا اس میں سنہ ۳۴۶ ھ (سیصد و چہل و شش) لکھا ہوا ہے —

† Noldeke . I . N . pp . 14 . 15 . Browne . L . Vol . I pp . 123 .

بن احمد سامانی کے عہد میں تصنیف ہوا ہے —

دوم یہ کہ اسی نصر بن احمد سامانی کے زمانے میں وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی شاعر نے اسکو نظم کرنا شروع کیا تھا —

امیر نصر بن احمد سامانی کا زمانۂ حکومت سنہ ۳۰۱ ھ سے سنہ ۳۳۱ ھ تک رہا * ابوالفضل بلعمی نے ۱۰ صفر سنہ ۳۲۹ ھ کو انتقال کیا ‡ دقیقی شاعر نے سنہ ۳۶۱ ھ میں وفات پائی ‡ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابومنصور طوسی کا شاہنامہ سنہ ۳۴۶ ھ سے بہت پہلے مرتب ہوچکا تھا —

امیر ابومنصور طوسی صاحب شاہ نامہ کا حال

ابو منصور طوسی کے حال سے ہم بہت کم واقف ہیں - تاریخ سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آبا و اجداد طوس کے بڑے امرا میں سے تھے اور ان کا نسب سلاطین کیانیہ تک پہنچتا تھا —

خود ابو منصور دربار سامانیہ کے امرا سے تھا - اس کا ذکر پہلے پہل نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ ھ و سنہ ۳۳۱ ھ) کے زمانے میں آیا ہے - اس کے بعد منصور کی فوج (سنہ ۳۵۰ ھ سنہ ۳۶۶ ھ)کے آغاز حکومت تک کئی جگہ اس کا تذکرہ ملتا ہے- بیس سالہ مدت میں خراسان کے مختلف علاقہ جات مثلاً ہرات ونیشا پور کی گورنری انجام دی ہے —

پروفیسر نولدیکے اور اس کی اتباع میں پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ ابو منصور طوس کا والی تھا اور اس نے سنہ ۳۴۶ ھ سے سنہ ۳۶۴ ھ تک وہاں حکومت کی ہے- ابو منصور کی حکومت طوس کا تذکرہ کسی تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا قدیم ہے - بلکہ مجمل فصیحی سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ہے پر (سنہ ۳۴۳

کیا ہے

* حمزۂ اصفہانی صفحہ ۲۰۶ و صفحہ ۲۰۷ — ۱۲ ۱۰ صفحہ ۱۸۰

‡ مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۱۱۴

وسنہ ۳۵۰ ھ) نے اسے اپنے زمانۂ حکومت میں ہرات کا والی مقرر کیا تھا - لیکن کسی وجہ سے اس نے سنہ ۳۴۶ ھ میں یہاں کی حکومت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنے متعلقین کو ساتھ لیکر طوس چلا گیا - یہ کیفیت جب عبدالملک کو معلوم ہوئی تو اُس نے امیر حاجب ایپتگین کو یہاں کا والی مقرر کردیا، جس نے چار سال حکومت کی - اس کے بعد سنہ ۳۵۰ ھ کے اوائل میں ابوالحسن سیمجور ہرات کا والی اور ایپتگین نیشاپور کی حکومت پر روانہ کیا گیا - اس واقعہ کے چند روز بعد سنہ ۳۵۰ ھ کے اخیر ایام میں جب عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ منصور بن نوح (سنہ ۳۵۰ ھ - ۳۶۶ ھ) برسر حکومت ہوا تو اس نے ابو منصور کو نیشاپور کا والی بنا دیا - اور جب ایپتگین اس حکومت سے سبکدوش ہوگیا تو وہ بخارا چلا گیا - سنہ ۳۵۱ ھ میں منصور بن نوح نے ابو منصور طوسی کو نیشاپور کی حکومت سے معزول کر دیا - اور ابوالحسن سیمجور کو صاحب الجیش بناکر نیشا پور کا حاکم مقرر کیا اور ہرات کی حکومت عمر فاریابی کے تفویض کی* —

(۴)

نثر فارسی کی قدیم ترین تصنیفات اور دیباچۂ قدیم

فارسی زبان میں تیسری صدی ہجری کے اخیر ایام سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا ہے - لیکن اس امر کا پتہ چلانا دشوار ہے کہ سب سے پہلے کس مصنف نے کونسی کتاب تصنیف کی - تاہم اس عہد میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اُن میں کلیلہ دمنہ کا ترجمہ سب سے قدیم ہے - یہ ترجمہ امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱-۳۳۱ ھ) کی فرمائش سے ہوا ہے - ابتدا میں اسے ابوالفضل بلعمی نے ابن مقفع کے عربی ترجمہ سے فارسی میں ترجمہ کیا، اس کے بعد رودکی شاعر نے نظم کا جامہ پہنایا † -

---

* دیکھو بیہقی کا ترجمۂ طبقات ناصری جلد اول صفحہ ۴۰ نوٹ نمبر ۴ صفحہ ۴۲ و صفحہ ۷۱ نوٹ نمبر ۵ —

† دیکھو دیباچۂ قدیم شاہنامہ طبع بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ جلد چہارم صفحہ ۴۰ —

اس کے بعد سنہ ۳۰۶ ھ میں ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی نے شاهنامہ مرتب کرایا - قریب قریب اسی زمانے میں یا اس کے کچھہ عرصہ بعد ابوالمؤید بلخی، ابو علی محمد بن احمد بلخی مسعودی مروزی نے شاهنامے کے نام سے تین ضخیم تاریخیں تصنیف کیں* —

منصور بن نوح سامانی (سنہ ۳۵۰-۳۶۶ھ) اور اس کے جا نشین نوح بن منصور (سنہ ۳۶۶ - ۳۸۷ ھ) کے زمانے میں امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی تاریخ و تفسیر دونوں کے فارسی میں ترجمے ہوے ہیں - وزیر ابو علی محمد بن محمد بلعمی نے (سنہ ۳۵۲ = ۹۶۳ ع) میں تاریخ کبیر کا ترجمہ کیا - بخارا، سمرقند، اسبیجاب، اور فرغانہ کے علماء کی متفقہ کوشش سے کئی سال کے عرصے میں (سنہ ۳۷۱ = ۹۸۱ ع) کے قریب تفسیر کبیر کا ترجمہ تمام ہوا - ابو منصور موفق بن علی الہروی نے کتاب الابنیہ فی حقائق الادویہ کے نام سے سنہ ۳۶۱ ھ = ۹۷۱ ع کے قریب ایک کتاب علم الادویہ میں تالیف کی† —

یہ فارسی زبان کی قدیم ترین تصنیفات ہیں - ان میں کلیلہ دمنہ کا ترجمہ اور ابو منصور طوسی، ابوالمؤید بلخی اور ابوعلی بلخی کے شاهنامے ناپید ہوگئے ہیں اور ان کا تذکرہ صرف کتابوں میں باقی رہ گیا ہے - منصور بن نوح اور اس کے جانشین کے زمانے کی تصنیفات زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ گئی ہیں - تاریخ طبری کا ترجمہ ہندوستان میں چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے - ہروی کی کتاب الابنیہ سلگیمان کی سعی و کوشش سے یورپ میں چھپ کر شائع ہوگئی ہے - تفسیر کبیر کا ترجمہ اگرچہ چھپا نہیں ہے لیکن یورپ اور ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں —

یہ تینوں کتابیں سنہ ۳۵۲ ھ کے بعد تصنیف ہوئی ہیں - دیباچۂ قدیم ان سے

---

* ان شاهناموں کی مفصل کیفیت آئندہ اوراق میں درج ہوگی —

† Browne, L. H. P, Vol. II, pp, 115.

قریباً نصف صدی پہلے ضبط تحریر میں آیا ہے —

(۵)

دیباچۂ قدیم کے قلمی نسخے

دیباچۂ قدیم جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے نہایت نادر و کمیاب ہے - یورپ کے کتب خانوں میں ایسے شاہنامے کے صرف چھ نسخوں کا پتہ چلتا ہے' جن کے ساتھ یہ دیباچہ شامل ہے - ان میں سے دو نسخے برلن و پٹرو گراڈ میں اور چار انگلستان میں ہیں - ان چار نسخوں سے دو برٹش میوزیم میں ہیں - تیسرا انڈیا آفس اور چوتھا اوکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ہے* —

برٹش میوزیم کے دونوں نسخے خاص اہمیت رکھنے والے ہیں - پہلا نسخہ جو Add, 21, 103 پر ہے اپنی قدامت کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے - اس کے ابتدائی چھ اور اخیر کا ایک ورق نویں صدی ہجری کے لکھے ہوے ہیں - ان اوراق کے کاتب نے خاتمہ پر جو عبارت لکھی ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ایک ایسے نسخے سے نقل ہوا ہے جو سنہ ۶۷۵ ھ مطابق سنہ ۱۲۷۶ ع میں مکتوب ہوا تھا —

دوسرا نسخہ بھی جو or. 1, 403 پر ہے' قدیم ہے - اس کی کتابت سنہ ۸۴۱ ھ

---

* Pertsch, Uerzeichniss d. Persischen Handschriften d. Kgl. Biblio the K. Zu Berlin pp. 732.

Rosen les. Mss. de l' Institut des Langues Orientales. St. Petersb. pp. 169.

Rieu, Catalogue of the Persian Mss. in the Brit. Museum. Vol. II. pp. 534.

Ethe, Catalogue of the Persian Mss. in the Library of the Indian Office No. 860.

Sachau and Ethe, Catalogue of the Oriental Mss. in the Bodleian Library Oxford. Vol. 1 No. 497.

کے ماہ رمضان میں ہوئی ہے —

انڈیا آفس کا نسخہ No. 2, 118. گیارھویں صدی کا ہے - اِس کی چار جلدیں مسلسل تین سال کے عرصے میں ایک ہی کاتب نے لکھی ہیں - پہلی جلد جس کے ساتھ دیباچہ بھی شامل ہے یکم رمضان سنہ ۱۰۰۷ ھ مطابق ۲۸ مارچ سنہ ۱۵۹۹ع کو تمام ہوئی ہے -

ہندوستان میں دیباچۂ قدیم بالکل نایاب ہے - اور یہاں کے بڑے بڑے کتب خانوں میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے - پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون تنقید شعرالعجم میں دیباچۂ قدیم کے متعدد اقتباس نقل کئے ہیں اس لئے گمان تھا کہ اُن کے یہاں اس کا نسخہ موجود ہو گا - لیکن ہمارے ایما سے جب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو اُنھوں نے ٹونک میں دیکھا تھا اور وہاں سے اس کی نقل بھی لی تھی - جو ان کے یہاں عرصے تک موجود تھی لیکن اب وہ گُم ہو گئی ہے - اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیباچۂ قدیم کا ایسا نسخہ جس سے ہم واقف ہیں ہندوستان میں صرف یہ ہی ایک نسخہ ہے جو اس وقت ہمارے زیر استعمال ہے —

اس نسخے پر سنہ کتابت نہیں ہے کہ جس سے اس کی قدامت کا اندازہ کیا جاسکے - تاہم سرنامہ پر تین مہریں ثبت ہیں - جو مسخ ہوکر محو ہونے کے قریب ہوگئی ہیں اور ان پر جو عبارت کندہ ہے وہ نہایت مشکل سے پڑھی جاتی ہے - تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارھویں صدی کے عشرۂ ثانی میں موجود تھا - اگر یہی زمانہ اس کی کتابت کا قرار دیا جاے تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ یہ نسخہ اگر انڈیا آفس والے نسخے سے مقدم نہیں تو اس سے متأخر بھی نہیں ہے —

اس نسخے میں کاتب نے جدت پسندی سے کام لیا ہے اور دیباچۂ قدیم کو ختم کرکے اس کے ساتھ بغیر کسی لحاظ اور ترتیب کے دیباچۂ مرزا بایسنغر کا

جوڑ لگا دیا ہے - لیکن یہ جوڑ ایسا ہے کہ نہایت آسانی کے ساتھہ بلا کسی دقت کے تمیز ہوتا جاتا ہے - مزید توضیح کی غرض سے ہم ذیل میں اس نسخے کے جملہ مضامین کی فہرست درج کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان میں کس قدر حصہ اصلی اور کس قدر الحاقی اور کس قدر دیباچۂ بایسنغری سے منقول ہے —

۱ حمد و نعت

۲ کلیلہ دمنہ کا امیر نصر بن احمد سامانی کے عہد میں ترجمہ ہونا —

۳ ابوالمنصور طوسی کا اپنے وزیر ابوالمنصورالمعمری سے شاہنامہ مرتب کرانا —

۴ چند متفرق مضامین جن میں تقسیم زمین، حدود ایران شہر، تخلیق آدم سے زمانۂ تالیف کتاب تک امتداد ازمنہ کا ذکر ہے —

۵ ابومنصور طوسی اور ابو منصورالمعمری کے نسب ناموں کا تذکرہ —

۶ وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی شاعر کا شاہنامۂ ابومنصور کو منظوم کرنا —

۷ سلطان محمود کا فردوسی طوسی سے شاہنامے کو منظوم کرنا —

۸ شاہ نامے کا صلہ اور فردوسی کی ناکامی —

۹ سلطان محمود کی ہجو —

۱۰ فردوسی کا غزنین سے نکلنے کے بعد قوہستان، مازندران، عراق عرب وغیرہ کی سیاحت کرنا اور واپس آکر طوس میں فوت ہونا - اور شاہ نامے کے صلہ سے طوس کے قریب ایک سرائے کا جس کا نام چاہہ ہے تعمیر ہونا —

ان مضامین میں فقرات (۱ تا ۵) ابومنصور طوسی کے شاہنامہ کا عین مقدمہ ہیں - فقرات (۶ و ۷ و ۸) الحاقی ہیں اور انہیں غالباً پانچویں صدی ہجری کے اواسط ایام میں کسی نے اضافہ کرکے اس مقدمہ کو شاہ نامۂ فردوسی کا دیباچہ بنا دیا ہے - فقرات (۹ و ۱۰) لفظ بلفظ دیباچۂ مرزا بایسنغر سے منقول ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ واقعات کو قائم رکھنے کے لئے کاتب نے یہ حصہ اس میں

شامل کردیا ہے —

ان آخرالذکر فقرات کو چونکہ دیباچۂ قدیم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ہم نے انہیں خارج کردیا ہے اور فقرات (۱ تا ۵) کو جو دیباچۂ قدیم کا اصلی اور حقیقی متن ہیں اس مضمون کے ساتھہ شائع کرتے ہیں —

——— (۲) ———

عجم کی تاریخیں جو شاہنامۂ فردوسی سے پہلے مورخین اسلام نے لکھی ہیں

گذشتہ صدی کے خاتمے تک فردوسی اور شاہنامے کے حالات کا بہترین ماخذ مرزا بایسنغر کا دیباچہ اور دولت شاہ سمرقندی کا تذکرہ سمجھے جاتے تھے - لیکن جب زیادہ چھان بین کی گئی تو اس بارے میں نظامی عروضی سمرقندی کا چہار مقالہ قدیم ترین ماخذ قرار پایا - جو سنہ ۵۵۵ ھجری کے حدود میں فردوسی کی وفات سے کم و بیش ڈیڑھ سو سال بعد تصنیف ہوا ہے - لیکن اب تھوڑے عرصے سے یہ امر طے پایا ہے کہ فردوسی اور شاہنامے کے بہترین اور معتبر ترین حالات دیباچۂ قدیم سے مل سکتے ہیں —

دیباچۂ قدیم میں شاہنامہ اور اُس کے ماخذات کی نسبت جو کچھہ لکھا گیا ہے اُسے بیان کرنے سے پہلے ہم اُن تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہیں جو تاریخ عجم کے متعلق شاہ نامۂ فردوسی سے پہلے مورخین اسلام نے لکھی ہیں- اس تمہید سے نہ صرف تاریخ عجم کے اسلامی ذخیرے پر روشنی پڑے گی بلکہ ماخذات شاہنامہ کی نسبت جو واقعات مشہور ہیں اُن کی حقیقت بھی منکشف ہوجائے گی —

پہلوی تاریخوں کے عربی ترجمے

ایران کا تاریخی ذخیرہ جو ظہور اسلام کے وقت قدیم فارسی زبان میں موجود تھا وہ سب دوسری اور تیسری صدی میں خلفاء کے ایما سے عربی میں منتقل ہوگیا تھا- ہشام بن عبدالملک (سنہ ۱۰۹ - ۱۲۵ ھ) خاندان بنی اُمیہ کا آٹھواں خلیفہ ہے - اُس کے حکم سے جبلہ بن سالم نے عجم کی ایک مفصل تاریخ کا پہلوی سے عربی میں

ترجمہ کیا تھا - یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو عجم کے متعلق مسلمانوں نے لکھی ہے - مورخ مسعودی نے اس کتاب کو سنہ ۳۰۳ ھ میں بمقام اصطخر دیکھا تھا - اُس کا بیان ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور اُس کے نسخے فارس کے بعض ذی ثروت اور سر برآوردہ خاندانوں میں محفوظ ہیں - اس میں اہل عجم کے علوم و فنون، سلاطین کے واقعات، عمارات و اُبنیہ کے حالات اور سلطنت کے آئین و قوانین مذکور ہیں - اور ایسی باتیں کثرت سے ہیں جو عجم کی دوسری کتابوں مثلاً خدائی نامہ، ماہ نامہ، اور کہہ نامہ میں نہیں ملتی ہیں - علاوہ ازیں ملوک ساسانیہ کے پچیس بادشاہوں اور دو شہزادیوں کی تصاویر بھی اس میں لگی ہوئی ہیں * —

سکیکین کا ترجمہ

سکیکین کے نام سے قدیم فارسی زبان میں عجم کی ایک مبسوط تاریخ ساسانیوں نے لکھوائی تھی - خلیفہ منصور عباسی (سنہ ۱۳۶ - ۱۵۸ھ) کے ایما سے ابن المقفع نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا - یہ کتاب قدماے ایران کے متعلق تھی - اس میں اُن لڑائیوں اور غارت گریوں کے مفصل و مشرح حالات تھے جو قدیم فارسیوں اور ترکوں کے مابین واقع ہوئی ہیں - ان کے ضمن میں رستم و اسفندیار کی حکایات، سیاوش اور بہمن کے قتل کے واقعات بھی کمال تفصیل کے ساتھہ تحریر تھے - اسلات عجم کے قومی محاربات اور حیرت خیز واقعات کا بھی تذکرہ تھا - یہ کتاب مورخ مسعودی کے عہد میں موجود تھی اور قدماے ایران کے اکثر واقعات مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذھب میں اسی سے نقل کئے تھے † —

خدائی نامہ و آئین نامہ

ابن المقفع خلیفۂ منصور عباسی کا کاتب اور فارس کا باشندہ تھا - فارسی اس کی مادری زبان تھی - اس نے

---

* کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۰۶ —

† مروج الذھب جلد اول ص ۶۰۸ و ص ۱۰۹ —

خلیفہ کے حکم سے فارسی کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا تھا - ان میں خدائی نامہ اور آئین نامہ عجم کی تاریخیں تھیں - ابن مقفع نے خدائی نامہ کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا تھا - اس میں کیومرث کے زمانے سے عربوں کے تسلط تک تمام سلاطین عجم کے واقعات مزکور تھے• آئین نامہ خدائی نامہ سے زیادہ مفصل تھا اور کئی ہزار صفحوں میں تمام ہوا تھا + —

سیرملوک الفرس

خلفائے عباسیہ کے زمانے میں بعض دوسرے مترجموں نے بھی عجم کی متعدد تاریخوں کے عربی میں ترجمے کئے تھے - ان میں محمد بن جہم البرمکی‡' زادویہ بن شاھویۃ الاصفہانی$' محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی†' بہرام بن مہران الاصفہانی ‖ 'زیادہ مشہور ھیں اور ان کی کتابیں سیرملوک الفرس کہلاتی ھیں —

تاریخ ملوک ساسانیہ

اسی زمانے میں ھشام بن قاسم الاصفہانی نے تاریخ ملوک آل ساسان کا ترجمہ کیا - لیکن اس میں کثرت سے غلطیاں تھیں جن کی اصلاح بعد میں بہرام بن مردان شاہ موبد مدینۂ شاپور نے کی⊙

خدائی نامہ کے مختلف نسخوں میں کاتبوں کی نافہمی سے بکثرت غلطیاں ھوگئیں تھیں اور اُن میں اسقدر تناقض پیدا ھوگیا تھا کہ ایک نسخہ دوسرے نسخے سے بالکل مختلف نظر آتا تھا- اس خرابی کو سب سے پہلے بہرام بن مردان شاہ

• ابن ندیم ص ۱۱۸ - حمزۂ اصفہانی ص ۷ و ص ۱۴ - ص ۲۰ ص ۵۵

+ ابن ندیم ص ۱۱۸ - کتاب التنبیہ ص ۱۰۴

‡ حمزہ ص ۷ - آثار الباقیہ ص ۹۹

$ - حمزہ ص ۷ - ترجمۂ طبری ص ۳

† - حمزہ ص ۷

‖ ترجمۂ طبری ص ۳ - آثار الباقیہ ص ۹۹ —

⊙ حمزہ ص ۷ - ترجمۂ طبری ص ۳ - آثار الباقیہ ص ۹۹

نے جو مدینۂ شاپور کا موبد تھا محسوس کیا اور خدائی نامہ کے بیس مختلف نسخوں کو جمع کر کے اس کی تصحیح کی* اس کے بعد موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی نے اس جانب توجہ کی - یہ شخص تیسری صدی میں گذرا ہے - تاریخ عجم کا بہت بڑا ماہر تھا - اُس نے خدائی نامہ کی تصحیح کے لئے مراغہ کا سفر کیا - یہاں کے رئیس علا بن احمد کے یہاں ایک عالم حسن بن علی الہمدانی رہا کرتا تھا- اس کو تاریخ عجم میں خوب مزاولت تھی - کسروی نے اس کی مدد سے خدائی نامہ کی تصحیح کی اور اُس پر شرح وحواشی اس قدر اضافہ کئے کہ وہ ایک مستقل تصنیف ہوگئی+ —

کسروی کی تاریخ ملوک ساسانیہ

کسروی نے قدمائے ایران کے حالات چھوڑ دئے اور سکندر کبیر کی وفات سے کتاب کی ابتدا کی اور عربوں کے تسلط پر اُس کا خاتمہ کیا - لیکن کمال شرح و بسط کےساتھہ صرف سلاطین آل ساسان کے حالات تحریر کئے - یہی وجہ ہے کہ اس کی کتاب نامۂ ساسانیاں کے نام سے مشہور ہوگئی ‡—

تاریخ عجم پر متفرق کتابیں

یہ کتابیں ایران کی عام تاریخ سے تعلق رکھتی تھیں - ان کے علاوہ اکثر کتابیں ایسی بھی ترجمہ ہوئی ہیں جن میں خاص خاص واقعات اور خاص خاص بادشاہوں کے حالات تھے - جبلہ بن سالم نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے' خلیفہ ہشام کے لئے سکیکین کے علاوہ دو اور چھوٹی چھوٹی تاریخی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا - اُن میں سے ایک کتاب رستم بن اسفندیار کے محاربات سے تعلق رکھتی تھی- دوسری میں

---

* حمزہ ص ۲۰

+ حمزہ ص ۱۴

‡ حمزہ ص ۱۴ · ترجمۂ طہری ص ۳

بہرام گور کے وقایع مذکور تھے* —

خاندان سا سانیہ کے بانی ارد شیر بابکان کے حالات میں ایک مستقل کتاب پہلوی زبان میں لکھی گئی تھی - کارنامک ارتخشیر اس کا نام تھا - عربی میں اس کا ترجمہ بھی ہوگیا تھا † —

نوشیروان کے متعلق کئی کتابوں کا ترجمہ ہوا تھا - ان میں سے چار کتابوں کا تذکرہ ابن ندیم نے بھی کیا ہے‡ - کتاب الکارنامج ' کتاب الوقایع ' کتاب التاج ' کتاب التوقیع - پہلی تین کتابوں میں نوشیرواں کا تذکرہ ہے ' چوتھی میں احکام و فرامین ہیں —

اوپر جس قدر کتابوں کا ذکر ہوا ہے وہ پہلوی کے ترجمے تھے - اِن کے علاوہ مورخین اسلام نے تاریخ عالم پر جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں عجم کے حالات مستقل عنوانوں کے تحت میں تحریر کئے ہیں - بالخصوص طبری اور مسعودی نے اپنی تاریخوں میں عجم کے حالات کو خوب شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے —

بعض مورخین نے عجم کے متعلق مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں - اِن میں بحتری (وفات سنہ ۲۰۷ ھ) کی دو کتابیں تاریخ العجم اور اخبارالفرس زیادہ مشہور ہیں مسعودی نے بھی ایک کتاب محاربات عجم پر لکھی ہے - اس میں شجاعان ایران کی بڑی بڑی لڑائیوں کا تذکرہ ہے - اور اسے مسعودی نے عبید بن شریہ کی کتاب کے جواب میں لکھا ہے جو شجاعان عرب کی لڑائیوں پر تصنیف ہوئی ہے -

عجم کی تاریخیں فارسی زبان میں

یہ تذکرہ اُن تصنیفات کا ہے جو عجم کے متعلق عربی زبان میں ترجمہ یاتصنیف ہوئی تھیں - لیکن جدید فارسی جسے اسلامی فارسی کہنا زیادہ موزوں ہے تیسری صدی تک اس ذخیرے سے بالکل خالی تھی - خلیفہ مامون الرشید (سنہ ۱۹۸-سنہ ۲۱۸ ھ)

---

* ابن ندیم ص ۱۱۸ — † مروج الذہب جلد اول ص — ‡ ابن ندیم ص ۱۱۸ —

کے بعد خراسان میں سامانی حکومت قایم ہوئی تو اہل عجم نے اس جانب توجہ کی۔ سامانی فرماں روا بہرام چوبین کی اولاد سے تھے۔ انھیں اپنی زبان اور اپنے آبا و اجداد کے کارناموں سے خاص دلچسپی تھی۔ جس کے باعث ان کے عہد سلطنت میں فارسی زبان کے بہت سے مصنف پیدا ہو گئے اور انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں تاریخ عجم پر چار ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیں اور ان کے نام شاہ نامے رکھے۔ ان میں دو نثر اور دو نظم تھے—

شاہ نامۂ ابو منصور طوسی

نثر میں سب سے قدیم ابو منصور محمد بن عبدالرزاق طوسی کا شاہ نامہ ہے۔ اس کی نسبت دیباچۂ قدیم میں لکھا ہے کہ امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ - سنہ ۳۳۱ ھ) نے اپنے وزیر ابوالفضل بلعمی سے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ کرایا تو ابو منصور طوسی نے اپنے دستور ابو منصور المعمری سے تاریخ عجم کے مدون کرنے کی فرمائش کی۔ ابو منصور المعمری نے اس کام کے لئے اطراف ممالک سے چار مجوسی عالم طلب کئے۔ انھوں نے کیومرث کے زمانہ سے یزدگرد کی تباہی تک عجم کے واقعات فراہم کئے اور سنہ ۳۴۶ھ کے ماہ محرم میں اس کو تمام کر کے شاہ نامہ نام رکھا —

شاہ نامہ ابوالمؤید بلخی

اس کے کچھ عرصے بعد ابوالمؤید بلخی نے اپنا شاہ نامہ تصنیف کیا۔ یہ بھی نثر میں تھا۔ ابو علی بلعمی اپنے ترجمۂ تاریخ طبری* میں اس کو شاہ نامہ بزرگ کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ ابوالمؤید فارسی کے قدیم شعرا سے ہے۔ محمد عوفی نے اسے سامانی شعرا میں شمار کیا ہے† بعض تذکرہ نویس اسے ابوالمثل بخاری کا معاصر بیان کرتے ہیں‡ اس نے سب سے پہلے یوسف زلیخا کا قصہ بھی نظم کیا ہے۔ چنانچہ فردوسی طوسی نے اپنی

---

* ترجمۂ طبری صفحہ ۴۰

† لباب الالباب جلد دوم صفحہ ۲۶

‡ مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۶۵

یوسف زلیخا میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے —

دو شاعر کہ ایں قصد را گفتہ اند بہر جاے معروف نہفتہ اند
یکے بوالمؤید کہ از بلخ بود بدانش ہمی خویشتن را ستود
نخست او بدیں در سخن یافت ست بگفت ست چوں بانگ در بافت ست

شاہ نامۂ مسعودی مروزی | نظم میں مسعودی مروزی کا شاہ نامہ مقدم ہے - اس میں قدیم شاہان عجم کے محاربات مذکور ہیں - ابو منصور ثعلبی نے اپنی " کتاب الغرر " میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور مزدوجۃ الفارسیہ * کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے —

" ذکر المسعودی المروزی فی مزدوجۃ الفارسیہ "

شاہ نامہ ابو علی بلخی | اس کے بعد ابو علی محمد بن احمد البلخی الشاعر نے اپنا شاہ نامہ تصنیف کیا ہے یہ بھی نظم میں ہے - حاجی خلیفہ نے شاہ نامۂ فردوسی سے ساتھ امتیاز پیدا کرنے کے لئے اسے شاہ نامۂ قدیم کے نام سے موسوم کیا ہے † - ابو ریحان البیرونی کا بیان ہے کہ مصنف نے اس کے مضامین عبداللہ بن المقفع، محمد بن جہم البرمکی، ہشام بن قاسم، بہرام بن مردان شاہ موبذ مدینۂ شاپور اور بہرام بن مہران الاصفہانی کی سیرالملوک سے اخذ کئے ہیں اور ایک مجوسی عالم بہرام الہروی سے واقعات کی تصحیح کی ہے —

و قد ذکر ابو علی محمد بن احمد البلخی الشاعر
فی الشاهنامه هذا الحدیث فی بدو الانسان علی غیر ما
حکینا بعد ان زعم انه صحیح اخباره من کتاب سیرالملوک
الذی لعبدالله بن المقفع والذی لمحمد بن الجهم البرمکی

---

* علم بدیع کی اصطلاح میں مثنوی کو مزدوج کہتے ہیں —
† کتاب الغرر صفحہ ۱۰ صفحہ ۳۸۸
‡ کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۶۷

والذي لهشام بن قاسم والذی لبهرام بن سردان شاه موبد مدينة شابور والذی لبهرام بن مهران الاصبهانی ثم قابل ذلک بما اورده بهرام الهروی المجوسی* -

تیسری اور چوتھی صدی میں شاہ ناموں کی شہرت عام اور ان عہد کی تصنیفات میں ان کا تذکرہ

یہ شاہ نامے تصنیف ہونے کے بعد بہت جلد مشہور و مقبول ہو گئے تھے - یہاں تک کہ اُمرا و سلاطین کے لئے دستورالعمل مانے جاتے تھے - اور ان کا پڑھنا اور سننا اُن کے لئے امر لازمی سمجھا جاتا تھا - چنانچہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ سنہ ۴۲۰ھ میں جب سلطان محمود نے "ری" کو فتح کیا اور وہاں کا حکمراں مجدالدولہ بویہ گرفتار ہو کر سلطان کے روبرو آیا تو سلطان نے اُس سے سوال کیا کہ "کیا تم نے شاہ نامہ اور تاریخ طبری کو پڑھا ہے' جو سلاطین عجم اور خلفاے اسلام کی تاریخیں ہیں" اور "کیا تم نے شطرنج کھیلی ہے"- اُس نے جواب دیا "ہاں"- اس پر سلطان نے پوچھا کہ "کیا تم نے اُن میں کہیں پڑھا ہے کہ دو بادشاہوں نے ایک مملکت میں حکومت کی ہے یا کبھی دو بادشاہ شطرنج کے ایک خانہ میں جمع ہوتے ہوے دیکھے ہیں" - مجدالدولہ نے جواب دیا "نہیں" - اس پر سلطان نے کہا کہ "پھر تم نے اپنا اختیار و اقتدار کس لئے دوسرے کو دیدیا کہ وہ تم سے برتر ہو گیا" †—

وقال له اما قرات شاه نامه وهو تاريخ الفرس و تاريخ الطبری وهو تاريخ المسلمين' قال بلی' فاحالک حال من قرأها' اما لعبت بالشطرنج' قال بلی' قال رأيت شاهاً يدخل على شاه' قال فما حالک ان سلمت

---

* آثارالباقیہ صفحہ ۹۹

† روضۃ الصفا طبع طہران جلد چہارم صفحہ ۶۹

ففسک الی من ھو اقوی منک *

تیسری اور چوتھی صدی کے اکثر مصنفین نے ان شاہ ناموں سے استفادہ کیا ھے اور اپنی تصنیفات میں ان کے حوالے دئے ھیں—

ترجمۂ تاریخ طبری میں شاہ نامہ کا تذکرہ

ابو علی بلعمی نے ترجمۂ تاریخ طبری میں ابوالمؤید بلخی کے شاہ نامہ کا کئی جگہ ذکر کیا ھے۔ ایک جگہ لکھتا ھے کہ تور اور فرامرز کے قصے ابوالمؤید نے شاہ نامۂ بزرگ میں تفصیل سے بیان کئے ھیں—

" و حدیثہا و اخبارھائے ایشان بسیار گوید ابوالموید بلخی بشاہ نامہ بزرگ " †

قابوس نامہ میں شاہ نامہ کا تذکرہ

ابوالمعالی کیکاوس بن اسکندر بن قابوس و شمگیر نے اپنی مشہور تصنیف قابوس نامہ میں جو سنہ ۴۷۵ ھ میں تمام ھوئی ھے ' شاہ نامۂ ابوالمؤید بلخی کا اس طرح ذکر کیا ھے—

" و پیوستۂ جدت ملوک جہانی شمس‌المعالی قابوس ابن و شمگیر کہ نبیرۂ ار غش فرھادوند است کہ ملک گیلان بود۔ بروزگار کیخسرو ابوالمؤید بلخی ذکر اورا در شاہ نامہ آوردہ است ‡

البیرونی کی آثارالباقیہ میں شاہ مامون کا تذکرہ

ابو ریحان البیرونی نے جرجان میں شمس‌المعالی قابوس بن و شمگیر کے عہد میں سنہ ۳۹۰ ھ یا سنہ ۳۹۱ ھ کے قریب اپنی مشہور تاریخ اقوام عالم " آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ" تصنیف کی ھے اُس میں ابومنصور طوسی اور ابوعلی بلخی کے

---

* کامل ابن اثیر جلد نہم طبع یورپ ص ۳۹۱—

† ترجمہ تاریخ طبری ص ۴۰— ‡ قابوس نامہ طبع بمبئی ص ۳—

شاہ ناموں کا متعدد جگہ ذکر کیا ہے - ایک جگہ ذوالقرنین کی نسبت مورخین کے اختلافات کو بیان کرتے ہوے لکھا ہے کہ ابو منصور طوسی کے شاہ نامہ میں ذوالقرنین کا نسب منو شجہر تک پہنچایا گیا ہے * دوسری جگہ ملوک اشکانیہ کے نام بھی اسی شاہ نامے سے نقل کئے ہیں † - ایک اور جگہ بدوالانسان کی نسبت اہل عجم کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوے ابو علی بلخی کے شاہ نامہ سے اخذ کرکے کیومرث کے قیام جنت اور ہبوط کے بعد سکونت ارض کی مدت بیان کی ہے ‡-

امام ثعلبی کی کتاب الغرر میں شاہ ناموں کا تذکرہ

جس زمانے میں فردوسی شاہ نامے کی تصنیف میں مصروف تھا، قریب قریب اُسی زمانے میں امام ابومنصور ثعلبی نے اقوام عالم کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے، جس کا نام کتاب الغرر فی اخبار الملوک ہے ♂ اور یہ کتاب امیر ابوالمظفر نصر بن ناصرالدین سبکتگین کے نام پر لکھی گئی ہے - اس کے باب دوم میں سلاطین عجم کے چاروں طبقات کا حال نہایت تفصیل کے ساتھہ مذکور ہے - اور اس کے لکھنے میں ثعلبی نے نہ صرف عرب مورخین مثلاً طبری، جوالیقی ابن خرداذبہ وغیرہ کی تصنیفات سے مضامین اخذ کئے ہیں بلکہ فارسی تصنیفات سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے - کئی جگہ شاہ نامے کے حوالے دئے ہیں - مثلاً گشتاسپ کے حالات میں اُس کے معاصر بادشاہ ترکستان کا تذکرہ کرتے ہوے لکھا ہے کہ اس کا نام طبری نے خوراسف

---

* آثارالباقیہ ص ۳۸ — † آثارالباقیہ ص ۱۱۶ —

‡ آثارالباقیہ ص ۹۹ —

♂ کتاب الغرر کے مضامین بائیس ابواب پر منقسم ہیں - اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون " ترقی علوم و فنون بعہد سلطنت مسلمانان ہندوستان " جو رسالہ اردو بابت سنہ ۱۹۲۳ ع جلد سوم صفحہ ۳۵۳ میں شایع ہوا ہے - کتاب الغرر کا وہ حصہ جس میں سلاطین عجم کے حالات ہیں موسیو زوتن برگ M. Zotenberg نے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھہ سنہ ۱۹۰۰ ع میں بمقام پیرس چھپوایا ہے — Histoire des Rois des Perses.

ابن خرداذبہ نے ہزاراسف اور صاحب شاہ نامہ نے ارجاسپ بیان کیا ہے * - ایک اور مقام پر اشکانیوں کے حالات میں مورخین کے مختلف اقوال بیان کرتے ہوے صاحب شاہ نامہ کی راے بھی بیان کی ہے† - کیومرث کے حالات میں مسعودی مروزی کے شاہ نامے کا حوالہ دیا ہے‡ —

(۷)

شاہ نامۂ فردوسی کے ماخذات

شاہنامے کی نسبت مدت دراز سے یہ راے چلی آرہی ہے کہ اس کے قصص و حکایات زبانی روایات سے ماخوذ نہیں ہیں - بلکہ ان کا ماخذ اول سے آخر تک ایران کی قدیم تصنیفات ہیں اور خاص کر اس کا وہ حصہ جو اشکانی اور ساسانی بادشاہوں سے تعلق رکھتا ہے ضرور کسی نہ کسی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے - لیکن یہ امر کہ وہ کون سی کتاب تھی کہ جس پر فردوسی نے شاہنامہ کی بنیاد قایم کی ہے صدیوں سے معرض بحث میں ہے —

ماخذات شاہنامہ کی نسبت حاجی خلیفہ اور صاحب مجمع الفصحا کا بیان

حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ شاہنامہ ایران کی اُس تاریخ سے ماخوذ ہے جسے بعض قدماے ایران نے تصنیف کیا اور پھر ابن المقفع نے پہلوي سے عربی میں ترجمہ کیا تھا - اور اس سے اس کی مراد کتاب السکیکین ہے جس کا ذکر مسعودی نے مروج الذہب میں کیا ہے —

تاریخ الفرس لبعض قدماء اهل فارس و هو قد كان معظماً عندالعجم لما فيه من اخبار اسلافهم و سير ملوكهم و هو اصل الشاهنامه وغيرها و نقله ابن المقفع من

---

* کتاب الغرر ص ۲۶۳ —

† کتاب الغرر ص ۴۵۷ —

‡ کتاب الغرر ص ۱۰ —

الفهلویه الی العربیه کما فی مروج الذهب* —

صاحب مجمع الفصحا نے قدمائے ایران کی متعدد کتابوں کو شاهنامه کا ماخذ بیان کیا هے —

> وقایع بادشاهی سلاطین بعضے را سلاطین بعد و برخے را دانایان هر عهد بر نگاشته انه و اول کسے بنیاد این کار بر نهاد طهورث بود که حالات سیامک را با کیو مرث بتحریر و تاریخ در آورده است- بعد ازاں تا زمان یزد گرد آثار شاهان ایران را بهرور دهور ثبت کرده اند-از جمله نامهاے قدیم جاماسب نهاد کتاب اوست که در ذکر خسروان ایران بوده دیگر آئین بهمن است در احوال بهمن- دیگر داراب نامه است دیگر دانش افزاے نوشیروانی که جامع بزرگ مهر حکیم بوده و باستان نامه و دانشور نامه و خراد نامه و حکیم ابوالقاسم محمد بن منصور فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را از آن نامها بدست آورده منظوم کرده و اکنوں بشاهنامه مشهور است† —

ماخذات شاهنامه کی نسبت فردوسی کا بیان

فردوسی نے بھی شاهنامے میں اپنے ماخذ کا ذکر کیا هے اور اس کا بیان هے که قدیم زمانے میں ایران کی ایک تاریخ لکھی گئی تھی-اس کے مختلف اجزا موبدوں کے پاس محفوظ تھے- ایک رئیس دهقان نے جو شاهان کیانیه کی نسل سے تھا اطراف اکناف کے بوڑھے بوڑھے موبدوں کو جمع کرکے اُن پریشان اجزا کو جمع کرایا اور انھیں

---

* کشف الظنون ج ۲ ص ۹۷

† مجمع الفصحا جلد اول ص ۳۸۳

کتاب کی صورت میں ترتیب دلایا - اس کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن اُس کی قبل از وقت وفات سے یہ کام انجام کو نہ پہنچا -تو میں نے اسے مکمل کرنے کا ارادہ کیا' یہ کتاب کمیاب تھی لیکن ایک ہم وطن دوست نے مہیا کردی —

یکے نامہ بد از گہِ باستان — فراوان بدو اندرون داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے — از و بہرۂ بردہ ہر بخردے...
یکے پہلوان بود دہقان نژاد — دلیر و بزرگ و خرد مند و راد
ز ہر کشورے موبدے سال خورد — بیاورد' این نامہ را گرد کرد
بہ پرسید شان از نژاد کیان — وزان نام داران فرخ گوان
بہ گفتند پیشش یکایک مہان — سخن ہاے شاہان و گشت جہان
چو بشنید از ایشان سپہبد سخن — یکے نامور نامہ افگند بن
بہ نظم آرم این نامہ را گفت من — ازو شادمان شد دل انجمن
یکایک ازو بخت برگشتہ شد — بدست یکے بندہ برگشتہ شد
برفت او و این نامہ ناگفتہ ماند — چنان بخت بیدار او خفتہ ماند
دل روشن من چو برگشت ازوے — سوے تخت شاہ جہان کرد روے
کہ این نامہ را دست پیش آورم — ز دفتر بگفتار خویش آورم
بشہرم یکے مہربان دوست بود — تو گفتی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این واے تو — بہ نیکی خرامد مگر پاے تو
نوشتہ من این نامۂ پہلوی — بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو این نامۂ خسروان باز گوے — بدین جوے نزد میان آبروے*

یہ کتاب نثر تھی اور اس کو دو ہزار سال سے کسی نے بھی نظم کرنے کا ارادہ

---

* شاہ نامہ طبع بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ ص ۳ و ص ۴

قہیں کیا تھا - دقیقی نے اس میدان میں سب سے پہلے قدم رکھا ہے اور اسے نظم کرنا شروع کیا —

فسانہ کہن بود و منثور بود　　طبایع ز پیوند او دور بود
نبردے بہ پیوند او کس گمان　　بر اندیشہ گشت این دل شادمان
گذشتہ بر او سالیان دو ہزار　　گرایدون کہ بر تر فیاید شمار
گرفتم بگویندہ بر آفرین　　کہ پیوند را راہ داد اندرین *

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے فردوسی نے اپنے ماخذ کا ذکر کیا ہے لیکن وہ اس قدر مبہم و مجمل ہے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ فردوسی نے اُس سے کون سی کتاب مراد لی ہے - لیکن دیباچۂ قدیم سے فردوسی کے اس بیان پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ معمہ جو مدت دراز سے لاینحل سمجھا جاتا تھا بآسانی حل ہوجاتا ہے —

ماخذات شاہ نامہ کی نسبت صاحب دیباچۂ قدیم کا بیان

صاحب دیباچۂ قدیم کا بیان ہے کہ امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ ھ - سنہ ۳۳۰ ھ) کے عہد میں ابو منصور محمد بن عبدالرزاق طوسی نے تاریخ عجم کی تدوین کا ارادہ کیا اور اپنے وزیر ابو منصورالمعمری سے اس کی فرمائش کی - وزیر نے اس کام کے لئے اطراف اکناف سے چار مجوسی عالم طلب کئے - ماخ پسر خوی هرات سے - یزدان داد پسر شاپور سیستان سے شاهوے پسر بہرام نیشاپور سے - شادان پسر برزین طوس سے آے - اور اُنھوں نے کیومرث کے زمانے سے یزدگرد کی تباہی تک عجم کی تاریخ مرتب کی اور سنہ ۳۰۶ھ کے ماہ محرم میں اُس کو تمام کرکے شاهنامہ اس کا نام رکھا —

اس شاهنامے کو نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ ھ - سنہ ۳۳۱ھ) کے زمانے میں

---

* شاہ نامہ جلد سوم ص ۱۳

وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا - لیکن اسی اثنا میں اُس کے ایک غلام نے اُسے ہلاک کردیا - جس کے باعث شاہنامہ ناتمام رہ گیا - یہاں تک کہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ آیا اور سلطان کی فرمائش سے فردوسی نے شاہنامے کو نظم کیا —

"پس امیر ابومنصور محمد بن عبدالرزاق مروی بود باو فرخوش کام و با هنر و بزرگ منش اندر کام روائی و بادستگاه از بادشاهی و ساز مهتران و اندیشهٔ بلند داشت و نژادی درشت بزرگ بگوهر از تخم اسپهبدان ایران بود و کار کلیله دمنه و نهاد و نشان شاه خراسان بشنید خوش آمدش و از روزگار آرزو کرد تا اورا نیز یاد کارے بود درین جهان - پس دستور خویش ابو منصورالمعمری را بفرمود تا خداوندان آن کتب را از دهقانان و فرزانگان و جهان دیده‌گان از شهرها بیاورند و چاکر او ابو منصور بفرمان او نامه کرد کس فرستاد بشهر های خراسان و هشیاران از آنجا بیا ورند - از هر جاے - چون ماخ پسر خوی از هری و چون یزدان داد پسر شاپور از سیستان - و چون شاهوی پسر بهرام از نیشا پور و چون شادان پسر برزین از طوس - و هر جا نشان فرمود بفرا آوردن این نامه هائے شاهان و کارنامه هائے شان و زندگانی هر یکے و داد و بیداد و آشوب و جنگ و آئین - از نخستین کیومرث که اندر جهان آمد او بود که آئین مروی آورد و مردم را از جانوران پدید گردانید - تا یزد گرد شهر یار که آخر ملک کیان بودند - اندر ماه محرم سال

سی صد و شش از هجرت محمد مصطفی صلی‌الله علیه و سلم
و این را تمام نموده شاه نامه نام نهادند —

و این شاه نامه بروزگار نصر بن احمد ابوالفضل بلعمی
دقیقی که شاعر بود فرمودند که به نظم آورد - و دقیقی
مردی بود که غلامان نیکو روی را دوست داشتن چون از
شاه نامه یک چندی به نظم آورده بود اتفاق چنان افتاد
که غلامی ترک دران روزها خریده بود و باوی بازی میکرد
و آن غلام کاردی به شکم دقیقی زده بدان زخم هلاک شد
و این شاه نامه تمام نا گفته بماند —

محمود او را پسر بود و او را میل بیشتر بعلم بود.....
پس اتفاق چنان افتاد که درمیان حدیث سخن شاه نامه
برآمد.....سلطان محمود بفرمود تا پیش آورند - پس روزے
عنصری را گفت عجب است که این شاه نامه را به نظم
نیاورده اند - عنصری حکایت دقیقی و سرگذشت او بازگفت -
سلطان محمود عنصری را فرمود تا این کتاب را به نظم
آورد - عنصری گفت بنده فراغ آن نباشد که منظوم توانم
کرد اما بنده را دوستی هست که فراغ و مجال این دارد'
طلب کرد و پرسید که کجاست که حال معلوم گردد و بدان
فردوسی طوسی را خواست ..... القصه او را پیش
تخت خوانده و شاه نامه بدو دادند و فرمودند تا به نظم
آورد"—

فردوسی کے بیان کا دیباچے کی روایت سے مقابلہ کیا جاے اور دونوں کو
باہم تطبیق دی جاے تو یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ فردوسی کا رئیس دہقان

اور بوزھے موبد، دیباچہ کا ابو منصور طوسی اور شاہ نامۂ ابو منصور کے گردآورندے دونوں ایک ھیں اور نامۂ باستان سے فردوسی کی مراد شاہ نامۂ ابو منصور ھے۔ علاوہ اس کے فردوسی نے مختلف مقامات پر شاہ نامۂ ابو منصور کے گردآورندوں کا حوالہ بھی دیا ھے۔ چنانچہ ھرمز پسر نوشیرواں کی تخت نشینی کے حالات بیان کرتے ھوے ماخ ھروی کا اس طرح ذکر کیا ھے—

یکے پیر بد مرزبان ھری　　پسندیدۂ و دیدۂ از ھردری
جھاں دیدۂ و نام او بود ماخ　　سخندان و با برگ و بابدزوشاخ*

ایجاد شطرنج کی حکایت شاھوی کے حوالہ سے بیان کی ھے—

چنیں گفت فرزانہ شاھوی پیر　　زشاھوی پیر ایں سخن یادگیر†

کلیلہ دمنہ کے تذکرہ میں شادان پسر برزین کا حوالہ دیا ھے—

نگہ کن کہ شادان برزیں چہ گفت　　بدانگہ کہ بکشاد راز نہفت‡

یہ سب شواھد اس امر کے مؤید ھیں کہ فردوسی نے اپنے شاہ نامے کی بنیاد ابو منصور طوسی کے شاہ نامے پر قایم کی ھے۔ لیکن یہ ضرور ھے کہ اس کے علاوہ ایک یا دو کتابیں اور بھی ھیں کہ جن سے فردوسی نے شاہ نامے کے بہت سے مضامین اور مطالب اخذ کئے ھیں۔ چنانچہ فردوسی نے مختلف مقامات پر اپنے ماخذات کا مختلف ناموں سے تذکرہ کیا ھے۔ مثلاً نامۂ باستان اور نامۂ خسروان۔

داستان کیومرث میں

بژوھیدہ نامۂ باستان　　کہ از پہلوانان زند داستان§

---

* شاہ نامہ جلد چہارم صفحہ ۵۱ سطر ۲۲
† ،، ،، صفحہ ۳۳ سطر ۱۶
‡ ،، ،، صفحہ ۳۸ سطر ۲۹
§ ،، جلد اول صفحہ ۵ سطر ۲

داستان ملوک اشکانیه میں

از ایشاں جز از نام نشنیدہ ام نہ در نامۂ خسرواں دیدہ ام*

ماخذات شاہ نامہ

ان مختلف ناموں کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان سے فردوسی نے ایک ہی کتاب شاہ نامۂ ابو منصور طوسی کی جانب اشارہ کیا ہوگا - لیکن اس کے خلاف ایک ایسی قوی شہادت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نامۂ خسرواں سے شاہ نامۂ ابو منصور مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ایک ایسی کتاب مراد ہے جس کے نام و نشاں سے دنیا اس وقت تک محض نا واقف ہے ابو ریحان البیرونی نے "آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ" میں شاہ نامۂ ابو منصور طوسی سے ملوک اشکانیہ کے نام نقل کئے ہیں - اور فردوسی نے ان بادشاہوں کے ناموں کو نامۂ خسرواں سے اخذ کیا ہے - اگر ان دونوں کا مقابلہ کیا جاے تو ان میں صاف و صریح اختلاف نظر آتا ہے - اور یہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ فردوسی نے یہ نام شاہ نامۂ ابو منصور سے نہیں اخذ کئے ہیں اور نہ فردوسی کی مراد نامۂ خسرواں سے شاہ نامۂ ابو منصور ہو سکتی ہے - اب غور طلب امر یہ ہے کہ فردوسی نے نامۂ خسرواں سے کس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے - مشہور مورخ مسعودی (وفات سنہ ۳۴۶ھ) نے اپنی تصنیفات میں شاہان ایران کے جو حالات تحریر کئے ہیں اُن کے ماخذوں میں ایک قدیم تاریخ عجم بھی ہے جس کا نام "سکیکین" ہے - مسعودی نے ملوک اشکانیہ کے نام اسی کتاب سے نقل کئے ہیں اور یہ نام کسی قدر اختلاف کے بعد فردوسی کے بیان کردہ ناموں سے بالکل مطابق ہو جاتے ہیں جس کے باعث قوی گمان ہوتا ہے کہ فردوسی نے یہ نام اُسی کتاب سے نقل کئے ہیں جو مسعودی کا ماخذ ہے—

---

* شاہ نامہ جلد سوم صفحہ ۸۸ سطر ۱۴ —

اسماء ملوک اشکانیه

بموجب شاهنامهٔ ابونصور حسب روایت ابوریحان البیرونی *	بموجب کتاب سکیکین حسب روایت مسعودی †	بموجب نامهٔ خسروان حسب روایت فردوسی ‡
۱ - اشک بن دارا	۱ - اشک بن اشک	۱ - اشک از نسل قباد
۲ - اشک بن اشک	۲ - شاپور بن اشک	۲ - شاپور
۳ - شاپور بن اشک	۳ - جودرز بن اشک	۳ - گودرز
۴ - بهرام بن شاپور	۴ - بیزن بن شاپور	۴ - بیژن
۵ - نرسی بن بهرام	۵ - جودرز بن بیزن	۵ - فرسی
۶ - هرمز بن نرسی	۶ - فرسی بن بیزن	۶ - هرمز
۷ - بهرام بن هرمز	۷ - هرمز بن بیزن	۷ - آرش
۸ - هرمز	۸ - آرش بن فرسی	۸ - اردوان
۹ - فیروز بن هرمز	۹ - اردوان الاکبر	۹ - بهرام
۱۰ - نرسی بن فیروز	۱۰ - خسرو بن اردوان	۱۰ - اردوان الاکبر
۱۱ - اردوان	۱۱ - بلاش بن خسرو	
	۱۲ - اردوان الاصغر	

* آثار الباقیه ص ۹۹ —

† کتاب التنبیه والاشراف ص —

‡ Eranische Alterthums Kund Von Far. Spiegel, Vol. III. pp. 194

(۸)

شاہ ابو منصور طوسی کے ماخذات

جیسا کہ ہم نے گذشتہ فصل میں بیان کیا ہے کہ شاہ نامہ فردوسی کا بہت بڑا حصہ شاہنامۂ ابو منصور طوسی سے ماخوذ ہے ' اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس امر کی تحقیقات بھی کی جاے کہ شاہ نامہ ابو منصور طوسی کا ماخذ کیا ہے۔

مرزا بایسنغر کے دیباچہ نگاروں نے لکھا ہے کہ نوشیرواں نے اطراف و اکناف میں قاصد بھیج کر ایران کے تاریخی ذخیرے جمع کئے جن کو مداین کے رئیس دانشور دھقان نے یزدگرد بن شہر یار کی فرمائش سے مدون و مرتب کیا - عربوں نے جب ایران فتح کیا تو یہ کتاب مال غنیمت میں آگئی ' جسے انھوں نے شاہ حبش کے یہاں بطور تحفہ روانہ کردیا - شاہ حبش نے اسے ہندوستان بھیج دیا - یعقوب بن لیث نے (جو خاندان صفاریہ کا بانی ہے اور سنہ ۲۵۳-۲۵۴ ھ سے سنہ ۲۶۵ ھ تک خراسان میں حکمراں رہا ہے -) اپنے زمانۂ حکومت میں اسے ہندوستان سے طلب کیا اور ابو منصور بن عبدالرزاق کو حکم دیا کہ اسے پہلوی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرلے - ابو منصور نے یہ خدمت اپنے وزیر ابو منصورالمعمری کے تفویض کی اور اُس نے ہرات ' سیستان ' نیشاپور اور طوس سے چار عالم بلائے اور اُن سے اس کتاب کا ترجمہ کرایا - یہ ترجمہ سنہ ۳۶۰ ھ میں تمام ہوا —

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو منصور کا شاہنامہ ایک پہلوی کتاب کا ترجمہ ہے جو یزدگرد کے زمانے میں مرتب و مدون ہوئی تھی - خدائی نامہ بھی قریب قریب اسی زمانے کی کتاب ہے اس لئے بعض مستشرقین نے اسے خدائی نامہ سمجھا اور اسی بنیاد پر بائرن روزن (Baron Rosen) نے ابو منصور کے شاہ نامہ کو خدائی نامہ کا ترجمہ قرار دیا —

• ابن الندا جلد دوم ص ۴۶ ص ۵۲ —

بر خلاف اس کے دیباچۂ قدیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نامۂ ابو منصور کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ گرد آورندوں نے اس کے مضامین و مطالب مختلف کتابوں سے اخذ کئے ہیں—

یہ مختلف کتابیں کون سی تھیں، ان کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔لیکن ایک جگہ عجم کی مختلف تاریخوں کا حوالہ دیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخیں اُس زمانے میں گردآورندوں کے پیش نظر تھیں جب کہ وہ شاہنامے کی ترتیب و تدوین میں مصروف و مشغول تھے—

ان تاریخوں کی تفصیل یہ ہے :—

سیر ملوک الفرس	عبداللہ بن المقفع-یہ خدائی نامہ کا ترجمہ ہے
سیر ملوک الفرس	محمد بن جہم البرمکی
سیر ملوک الفرس	بہرام بن مہران الاصفہانی
سیر ملوک الفرس	زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی
تاریخ آل ساسان	ہشام بن قاسم الاصفہانی
تاریخ آل ساسان	موسیٰ بن عیسی الکسروی
تاریخ ملوک الفرس	جو خلیفہ مامون الرشید کے خزانہ سے حاصل کی گئی تھی * —

و اندر نامہ پسر مقفع و مانند ایشان شنیدیم کہ
انگاہ آدم صفی اللہ صلوات اللہ علیہ فراز آمد تا بدیں گاہ کہ
آغاز این نامہ گردید پنج ہزار و ہفت صد سال ست .....
و ہم چنیں از نامۂ محمد بن جہم بر مکی خبر آید و از

---

* حمزہ اصفہانی نے بھی اپنی تاریخ ص - میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔تاریخ ملوک الفرس المستخرج من خزانۃ المامون—

نامهٔ بهرام اصفهانی و نامهٔ زادوی اصفهانی هم چنین آید و
از نامهٔ ساسانیان موسی بن عیسی خسروی و از نامهٔ هاشم
اصفهانی و از نامهٔ شاهان فارس از گنج خانهٔ مامون " —

یه سب وهی کتابیں هیں جن کا ترجمه خلفا کے زمانے میں پہلوی سے عربی زبان میں هوا تها اور جن کا مفصل حال هم نے فصل ششم میں تحریر کیا هے - اس سے ثابت هوتاهے که شاهنامهٔ ابو منصور طوسی کا ماخذ اصل پہلوی تصنیفات نہیں تهیں بلکه اُن کے عربی ترجمے تهے —

معلوم ایسا هوتا هے که اُن ترجموں کو سامانیوں کے عهد میں قبول عام حاصل هوگیا تها اور اس عهد کے مصنفین تاریخ عجم کو انهیں ترجموں سے نقل کیا کرتے تهے - چنانچه ابوالمؤید اور ابو علی نے بهی اپنے شاهنامون کا ماخذ و منبع انهیں ترجموں کو قرار دیا تها —

ابو علي بلعمی نے تاریخ طبری کے ترجمے میں ایک جگه ابوالمؤید بلخي کے شاهنامے کا اقتباس نقل کیا هے - جس میں اس کے ماخذات کی تفصیل بهی درج هے —

" اندر نامهٔ بزرگ ایدون گوید پسر مقفع که از گاه
بیرون آمدن آدم علیه‌السلام تا بروزگار پیغامبر ما صلی الله
علیه و سلم شش هزار و سیزده سال بود و پنج هزار و نهصد
سال ایدون گویند نخستین کسی که بر زمین آمد
آدم علیه السلام بود و اورا کیومرث خوانند - و محمد بن
جهم‌البرمکی هم چنین گوید و زادوی شاهوي هم چنین گوید
و اندر نامهٔ بهرام مهران اصفهانی هم چنین گوید و اندر نامهٔ
مردان شاه صپاهانی و هاشم قاسم صفهانی هم چنین گوید
و اندر نامهٔ ساسانیان موسی بن عیسی خسروي و اندر نامهٔ

بادشاهان فارس هم چنین گوید و زادوي فرخان موبد
موبدان یزد گرد هم چنین آگاهي دهد "—

ابو ریحان البیرونی نے آثارالباقیه میں شاہ نامۂ ابو علی بلخی کے ماخذات کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے :—

سیرملوک الفرس	عبدالله بن المقفع
,,	محمد بن جهم البرمکی
,,	هشام بن قاسم اصفهانی
,,	بهرام بن مردان شاه موبد مدینۂ شاپور
,,	بهرام بن مهران اصفهانی

(۹)

شاہ نامۂ فردوسی کا عہد تصنیف

فردوسی نے خاتمے میں صراحت کی ہے کہ شاهنامه سنه ۴۰۰ھ میں پینتیس سال کی محنت کے بعد تمام هوا اس وقت اُس کی عمر اَسّی سال کے قریب تھی —

سی و پنج سال از سرائے سپنج — بسے رنج بر دم بامید گنج
چو برباد دادند رنج مرا — نبد حاصلی سی و پنج مرا
کنون عمر نزدیک هشتاد شد — اُمیدم به یکباره برباد شد
سر امد کنون قصۂ یزد گرد — بماه سفندارمذ روز ارد
ز هجرت شده پنج و هشتاد بار — که گفتم من این نامۂ شاه وار*

اس اعتبار سے معلوم هوتا ہے کہ فردوسی سنه ۳۲۰ ھ یا ۳۲۱ھ کے قریب پیدا هوا اور کم وبیش پینتالیس سال کی عمر میں سنه ۳۶۷ھ کے قریب شاہ نامه کو نظم کرنا شروع کیا - اُس وقت سامانی خاندان کے آٹھویں بادشاہ نوح بن منصور (سنه ۳۶۵-سنه ۳۸۷ھ) کی حکومت تھی - اور اسی نوح بن منصور کے حکم سے امام طبری کی مشهور تفسیر و تاریخ کا فارسی میں ترجمه هوا تھا —

* شاہ نامه جلد چهارم ص ۱۴۹ سطر ۵

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے پندرہ سولہ سال کی مدت میں شاہ نامے کی مشہور حکایات کو منظوم کر کے ان کا ایک مجموعہ مرتب کرلیا تھا- اور اسے سنہ۳۸۴ ھ میں اختتام کو پہنچا دیا تھا —

شاہ نامے کا نقش اول

شاہ نامے کے بعض قدیم قلمی نسخوں میں جو اس وقت برٹش میوزیم میں موجود ہیں * داستان یزد گرد کے خاتمے پر حسب ذیل ابیات پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نامہ ماہ اسفندارمذ کے روز ارد (یو م بست و پنجم) کو جو ۲۵ - محرم سنہ ۳۸۴ ھ کے مطابق ہے تمام ہوا ہے --

سر امد کنوں قصۂ یزد گرد بماہ اسفندارمذ روز ارد
ز ہجرت شدہ سی صد از روزگار دوھشتا دو چار از برش بر شمار

ابوالفتح علی بن محمد البندازی الاصفہانی نے سنہ ۶۲۰ ھ و ۶۲۴ھ کے ما بین شاہ نامۂ فردوسی کا نثر عربی میں ترجمہ کیا ہے - اس میں شاہ نامے کا سال اختتام بتا یا ہے + --

سنہ ۳۸۴ ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا جو نسخہ ختم کیا ہے وہ نقش اول ہے اس کی بنیاد ابو منصور طوسی کے شاہ نامے پر قائم تھی اور فردوسی نے اس کو اپنے وطن طوس میں مرتب کیا تھا —

شاہ نامہ کا نقش ثانی

شاھنامے کا جب نقش اول مرتب ہو گیا تو اُسے لے کر فردوسی اپنے وطن طوس سے نکلا - سنہ ۳۸۸ ھ میں فوج اصفہان میں وارد ہوکر خان النجان‡ کے رئیس احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی

---

* Rieu, B. M. C . vol II, pp, 534

+ حاجی خلیفہ نے الفتح بن علی البنداری مترجم کا نام لکھا ہے - کشف الظنون جلد چہارم ص ۱۲ -

‡ خان النجان - ایک ناحیہ کا نام ہے جو اصفہان سے سات یا نو فرسخ کے فاصلہ

(باقی برصفحۂ آیندہ)

کا مہمان ہوا - اور شاہ نامہ کو اُس کے نام سے منسوب و موسوم کرکے سنہ ۳۸۹ ھ میں نقش ثانی کا خاتمہ لکھا* —

چو شد اسپری داستان بزرگ — سخن ہای آن خسروان سترگ
بروز سیم شنیدی چاشت گاہ — شدہ پنج رہ پنج روزان ز ماہ
کہ تازیش خواند محرم بنام — از ارجمندیش ماہ حرام
اگر سال نیز آزردت آمدست — نہم سال و ہشتاد و باسی صدست
مہ بہمن و آسمان روز بود — کہ حاکم بدین نامہ پیروز بود
چو خواہش گری و نیازم نمود — بدین پرسشم چون زبان بر کشود
ہمایوں نہاد و پسندیدہ گل — خرد مند و ارمیدۂ و نیک دل
گرانمایہ احمد کہ ہم سال او — بجوید بہرجا از و آل او
زبا باش جوئی تو نام درست — ابو بکر آخر محمد نخست
سپاہانی و خان کشتن گہش — بنزد بزرگان ستودہ دہش

(بقیہ صفحۂ گذشتہ)

پر واقع ہے - سمعانی اور یاقوت حموی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن حکیم ناصر خسرو کے سفر نامہ اور ابن اثیر کی تاریخ میں اس کا ذکر آیا ہے —

"و از انجان لنجان رسیدیم و بر دروازۂ شہر نام سلطان طغرل بیگ نوشتہ دیدیم - و از انجان بشہر اصفہان ہفت فرسنگ بود - مردم خان لنجان عظیم ایمن و آسودہ بودند - ہر یک بکار و کدخدائی مشغول" - سفر نامۂ حکیم ناصر خسرو طبع برلین ص ۱۳۷ - طبع دہلی ص ۱۲۸ -

خان لنجان ..... وھی علی تسعۃ فراسخ من اصبہان -
کامل ابن اثیر جلد ہشتم ص ۳۶۷ -

* یہ اشعار مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں - لیکن ایک قدیم قلمی نسخے میں موجود ہیں جو برٹش میوزیم میں ہے (or. 1403) اور جس کی کتابت ماہ رمضان سنہ ۸۴۱ ھ میں ہوئی ہے - ملاحظہ ہو چارلس ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۵۳۴ و ص ۵۳۵ -

چون در خان النجان فراز آمدم　　بهرج بگوئی نیاز آمدم
مرا سوے خان خودش راه داد　　چو باسن بدید او بخر گاه داد
خداوند این دفتر بنده کرد　　لب هر مرادم پر از خنده کرد

اشعار بالا میں اختتام کی هجری اور فصلی دونوں تاریخیں مذکور هیں - هجری تاریخ ۲۵ محرم سنه ۳۸۹ھ هے جو فصلی تاریخ روز بهمن (یوم دوم) ماه بهمن سے مطابق هے - اس کے خلاف متن میں روز آسمان (یوم بست و هفتم) اور ماه بهمن لکھی گئی هے جو ۲۰ صفر سے مطابق هے—

بظاهر اس اختلاف کی کوئی وجه موجه سمجھه میں نہیں آتی-

داستان کیخسرو کے خاتمے سے ظاهر هوتا هے که فردوسی سنه ۳۹۷ یا سنه ۳۹۸ھ هیں جبکه اس کی عمر اٹھتر سال کی تھی غزنیں میں آیا - اس زمانے میں ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائینی جو قدیم شاهان عجم کی نسل سے هے' وزیر تھا - فارسی اس کی مادری زبان تھی اور اُس کو اِس کے ساتھه اس قدر دلچسپی تھی که سلطنت کے توقیع و مناشیر کو جو عربی میں لکھے جاتے تھے' اس نے فارسی میں لکھوانا شروع کر دیا تھا - فردوسی شاه نامه لیکر اس کے یہاں پہنچا تو اِس نے اس خیال سے که یه کتاب فارسی میں هے اور اس میں اُس کے آبا و اجداد کے کارنامے مذکور هیں فردوسی کی قدردانی کی اور اُسے دربار سلطانی تک پہنچا دیا—

جهاندار محمود کاندر نبرد　　سر سرکشان اندر آرد به گرد
جهان تا جهان باشد او شاه باد　　بلند اخترش افسر ز ماه باد
که آرایش چرخ رخشنده اوست　　به بزم اندرون ابر بخشنده اوست
خرد هست بهم نیک نامی او داد　　جهان بے سرو افسر او مباد
سپاه و دل و گنج و استور هست　　همان رزم و بزم و همان سور هست
یکے فرش گسترده شد در جهان　　که هرگز نشانش نگردد نهان

کجا فرش را مسند و مرقد است — نشستن گه فضل بن احمد است.
بندهٔ خسروان را چنان کد خدائی — به پرهیز و داد و بدین و برائی
که اسام این بادشاهی به اوست — که رو بر سر نامداران نکوست
کشادهٔ زبان و دل پاک و دست — پرستندهٔ شاه و یزدان پرست
ز دستور فرزانهٔ داد گر — پراگندهٔ رنج من آمد بسر
به پیوستم این نامهٔ باستان — پسندیدهٔ از دفتر راستان
که روزی به پیری سرا بر دهد — بزرگی و دینار و افسر دهد
ندیدم جهان دار بخشندهٔ — به گاه کیان بر درخشندهٔ
همی داشتم تا که آید پدید — جوادی که جودش نخواهد کلید
چنین سال بگذاشتم شصت و پنج — بدرویشی ز زندگانی و رنج
چو پنج از بر سال شصتم گذشت — بدانسان که باد بهاری بدست
رخ لاله گون گشت برسان ماه — چو کافور شد رنگ ریش و سیاه
ز پیری خم آورد بالای راست — هم از نرگسان روشنائی بکاست
بدانگه که بد سال هفتاد و هشت — جوان بودم و چون جوانی گذشت
خروشی شنیدم زگیتی بلند — که اندیشه شد پیر و من بی گزند
که ای نامداران و گردن کشان — که جست از فریدون فرخ نشان
فریدون بیدار دل زنده شد — زمین و زمان پیش او بنده شد
بداد و به بخشش گرفت این جهان — سرش برتر آمد ز شاهنشهان
از آن بس که گوشم بمیدان خروش — نخواهم نهادن بآواز گوش
به پیوستم این نامه برنام اوی — همه مهتری باد فرجام اوی
که باشد به پیری مرا دستگیر — خداوند شمشیر و تاج و سریر
همی خواهم از کردگار بلند — که چندان بماند تنم بی گزند
که این نامه بر نام شاه جهان — بگویم نهانم سخن در نهان

یکے بندگی کردم اے شہریار که ماند ز تو در جہان یادگار
بناهاے آباد گردد خراب ز باران و از تابش آفتاب
پے افکندم از نظم کافی بلند که از باد و باران نیابد گزند*

شاہ نامہ کا نقش ثالث

سنہ ۴۰۰ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا نقش سوم مرتب کیا اس کے اختتام کی تاریخ روز ارد (یوم بست و پنجم) ماہ اسفندار مذ ہے جو ۲۰ رجب سنہ ۴۰۰ھ اور ۸ مارچ سنہ ۱۰۱۰ع کے مطابق ہے—

سر آمد کنون قصۂ یزد گرد بماہ سفندارمذ روز ارد
ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار که گفتم سن این نامۂ شاہ وار†

عام خیال یہ ہے کہ فردوسی نے سنہ ۴۰۰ھ میں شاہ نامے کو ختم کردیا تھا - لیکن شاہ نامے میں بعض اشارات ایسے موجود ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۴۰۰ھ میں شاہ نامہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے بعد بھی کئی سال تک فردوسی اس میں اضافہ کرتا رہا - چنانچہ "داستان کشتہ شدن یزد گرد" کے خاتمے میں ایک شدید قحط کا ذکر کرتا ہے —

مرا دخل و خورد ار برابر بدی زمانہ مرا چون برادر بدی
تگرگ آمد امسال ہرسان مرگ مرا مرگ بہتر بدی زان تگرگ
در ہیزم و گندم و گوسپند بہ بست این برآوردہ چرخ بلند‡

داستان وفات سکندر کے خاتمے میں سلطان محمود کی ستائش کرتے ہوے رعایا کو خراج یک سالہ کے معاف کرنے کی سرگزشت بیان کی ہے —

گزشتہ ز شوال دہ با چہار یکے آفریں باد بر شہریار

---

* شاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۸۳
† ,, ,, چہارم صفحہ ۱۴۹ سطر ۶
‡ ,, ,, چہارم صفحہ ۱۴۷ سطر ۱۲

از این مژده دادند بهر خراج که فرمان بد از شاه با فر و تاج
که سالے خراجے نخواهد ز پیش زدینداز وبیدار و از مرد کیش
بدین عهد نوشیروان زنده شد همه کار بر دیگران زنده شد

سورخ عتبی کا بیان ہے کہ قحط سنہ ۴۰۱ ھ سے ۴۰۲ ھ تک رہا ہے - اور اسی زمانے میں سلطان نے خراج یک سالہ معاف کیا ہے —

فردوسی نے جنگ قادیسیہ کی داستان اُس زمانے میں لکھی ہے، جب کہ سنہ ۴۰۰ ھ گزر چکا تھا —

کزان پس شکست آمد از تازیان ستاره نگر دیگر پرنیان
بدین سالیان چار صد بگزرد کز این تخمه گیتی کسے نسپرد+

فردوسی نے سنہ ۴۰۴ ھ یا ۴۰۵ ھ میں جب کہ اس کی عمر پچاسی سال تھی دقیقی کے اشعار شاہ نامے میں شامل کئے اور اپنے کلام سے دقیقی کے کلام کا مقابلہ کر کے سلطان سے اپنے کلام کی داد اور محنت کا صلہ طلب کرتا ہے —

چنان دید گوینده یکشب بخواب که یک جام مے داشتی چون گلاب
دقیقی ز جائے پدید آمدی بر انجام مے داستانها زدی
به فردوسی آواز دادی که مے مخور جز بآئین کاؤس و کے
که شاهی گزیدی به گیتی که بخت بدو تازد و تاج و دیهیم و تخت
شهنشاه محمود گیرنده دهر ز گنجش بهر کس رسانیده بهر
از امروز تا سال هشتاد و پنج بکاهدش و ببالدش گنج‡

دقیقی کے اشعار ختم کرنے کے بعد کہتا ہے —

دقیقی رسانید این جا سخن زمانه بر آورد عمرش به بن

• شاہ نامہ جلد سوم ص ۸۷ سطر ۳۱ —
+ شاہ نامہ جلد چہارم ص ۱۲۹ سطر ۱۹ و ۲۰ —
‡ شاہ نامہ جلد سوم ص ۱

بگیتی ذ سانده ست ازو یادگار — مگر این سخن های نا پائیدار
چون این نامه افتاد درد ست من — سیاهی گرانیده شد شست من
نگه کرده این نظم چست آمدم — بسے بیت ناتندرست آمدم
من این را نوشتم که تا شهر یار — بداند سخن گفتن نابکار
دو گوهربد این بادو گوهرفروش — کنون شاه دارد بگفتار گوش
من این نامه فرخ گرفتم بفال — همی رنج بردم به بسیار سال
نهادم سرا فراز بخشندهٔ — بگاه کیان بر درخشندهٔ
سخن را نگه داشتم سال بیست — بدان تا سزاوار این گنج کیست
جهاندار محمود با فر جود — که اورا کند ماه و کیوان سجود
سرنامه را نام او تاج گشت — بغرض دل تیره چو عاج گشت*

اشعار بالا میں فردوسی نے جب کہ اس کی عمر پچاسی سال کی تھی صراحت کے ساتھہ بیان کیا ہے کہ شاہ نامے کو اس نے کئی سال کی محنت کے بعد منظوم کیا اور بیس سال تک اس انتظار میں رہا کہ اُسے ایسے صاحب ذوق سردار کے ہاں پیش کرے جو اُس کا سزا وار ہو ۔ ظاہر ہے کہ فردوسی نے ان اشعار میں بیس سال کا وہ زمانہ مراد لیا ہے جو نقش اول کے اختتام سے اس کی عمر کے پچاسی سال تک گزرا ہے ۔ کیونکہ نقش اول سنہ ۳۸۴ ھ میں تمام ہوا ہے اور بیس سال اضافہ کرنے سے سنہ ۴۰۴ھ ہوتا ہے جو اس کی عمر کا سال ہشتاد و پنجم ہے —

دیباچۂ قدیم کے موافق شاہ نامہ کا عہد تصنیف

دیباچۂ قدیم میں لکھا ہے کہ سلطان محمود کی فرمائش سے عرصۂ چھہ سال میں فردوسی نے شاہ نامہ تمام کیا —

---

* شاہ نامہ جلد سوم ص ۱۳ و ص ۱۴ —

"القصہ او را پیش تخت خواندہ شاہ نامہ بدو دادند و فرمود تا بنظم آورد - فردوسی تا ہزار بیت از جنگ سیاوش بگفت و پیش سلطان محمود بردہ و سلطان را خوش آمد و بفرمود تا ہزار دینار دکنی از خزینہ بدو دہند - و فردوسی قصد بنظم آورد تا مدت شش سال تمام کرد وپیش تخت برد"—

یہ بیان بظاہر عام روایات اور فردوسی کی تصریحات کے مخالف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب دیباچۂ قدیم نے اس میں چھ سال سے اُس زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے جو فردوسی کے غزنیں میں آنے کے بعد سلطان محمود کے دربار میں گزرا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے فردوسی سنہ ۳۹۸ھ میں جبکہ اُس کی عمر اکہتر سال کی تھی سلطان محمود کے دربار میں پہنچتا ہے اس کے بعد چھ سال غزنیں میں رہ کر متعدد حکایات شاہ نامہ میں اضافہ کرتا ہے اور سنہ ۴۰۲ھ تک اُس کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے کیونکہ سنہ ۳۹۸ھ سے سنہ ۴۰۴ھ تک جو عرصہ گزرا ہے اُس کی مدت چھ سال ہے—

دیباچهٔ قدیم

بسم الله الرحمن الرحیم

سپاس و آفرین مرخدای را که این جهان و آن جهان را آفرید و بندگان را در جهان پدیدار کرد، و نیک و بد اندیشان را و بد کرداران را و باد افراه برابر داشت و درود او بر بندگان و بر پاکان و دین داران او باد، خاصه بر نیکو ترین خلق محمد مصطفی علیه افضل الصلوات و اکمل التحیات و بر اهل بیت و فرزندان او باد —

وباز آغاز کارنامهٔ شاهان از گرد آورندهٔ ابو منصور المعمری دستور ابو منصور محمد بن عبدالرزاق بن عبدالله بن فرخ ایدون گوید درین نامه که تا جهان بود مردمان گرد دانش گشتند و سخن را بزرگ داشتند و نیکو ترین سخن دانستند چه اندرین جهان مردم بسخن بزرگوار تر و نام پرداز، و چون مردم بدانست که از وے چیزے نماند پائدار بغیر نام او که بماند دنبل گسسته نشود، پس بدانکه توانگری و درویشی وآبادانی کردن و خانها استوار کردن و مردمان بشوخی نمودن و جان سپردن و دانائی بیرون آوردن و فرمان فشناختن، و کارهاے نوائین چون شاه هندوستان که کلیله دمنه و شانق و رام و رامین بیرون آورد، و مامون پسر هارون الرشید که منش بادشان و همت مهتران داشت یک روز با مهتران نشسته بود گفت مردم بایم تا اندرین جهان باشند و بکوشند تا ازو یادگارے بود درین جهان تا پس از مرگ او

خاندش زنده بود، عبدالله پسر مقفع که دبیر او بود گفتش که از کسری انوشیروان چیزی مانده که از هیچ یک پادشاهان نمانده است - مامون گفت چه باید، گفت نامهٔ از هندوستان بیاورد بپانصد خروار درم خزینه و مامون آن نامه بخواست و آن داستان بخواند پس چون بدید بفرمود دبیر خویش را تا از زبان پهلوی بزبان تازی گردانید - پس آنگه بز رویه طبیب از هندوستان پهلوی گردانیده بود تا نام او زنده شد میان جهانیان - پس امیر سعید بن احمد این سخن را بشنید خوش آمدش دستور خویش را بران داشت تا از زبان تازی بزبان فارسی گردانید تا این نامه بدست مردمان اندر افتاد و هر کسی دست با او اندر زدند، و رودکی شاعر فرمود تا بنظم آورد و کلیله دمنه اندر زبان خرد و بزرگ افتاد بدان سبب نام او زنده گشت و ازو یادگاری ماند و چینیان تصاویر اندر افزودند تا هر کسی را خوش آمد دیدن و خواندن —

پس امیر ابو منصور محمد بن عبدالرزاق مردی بود با خرد خوش کام و ماهنر و بزرگ منش اندر کام روائی و با دستگاه از پادشاهی و ساز مهتران و اندیشهٔ بلند داشت و نژادی داشت بزرگ بگوهر از تخم سپهبدان ایران بود - و در کلیله دمنه نهاد و نشان شاه خراسان بشنید خوش آمدش، از روزگار آرزو کرد تا او را نیز یادگاری بود درین جهان، پس دستور خویش ابو منصور معمری را بفرمود تا خداوندان آن کتب را از دهقانان و فرزانگان و جهان دیده گان از شهرها بیاورند و چاکر ابو منصور بفرمان او نامه کرد - و کس فرستاد بشهرهای خراسان و هشیاران از آنجا بیاورند و از هر جای - ماخ پسر خوای از هری و چون یزدان داد پسر شاپور از سیستان و چون شاهوی پسر بهرام از نیشاپور، و چون شادان پسر برزین از طوس - و هر جا نشان فرمود بفرا آوردن این نامه های شاهان و کارنامهای ایشان زندگانی هر یکی و داد و بیداد و آشوب و جنگ و آئین از نخستین کیومرث که اندر جهان آمد او بود که آئین مردی آورد، و مردم از جانوران پدید گردانید

تا یزد گرد بن شهریار که آخر ملک کیان بردند اندر ماه محرم سال سی صد و شش از هجرت محمد مصطفی صلی الله علیه و سلم و این را تمام نمودند شاهنامه نام نهادند تا خداوند دانش اندرین نگاه کند و فرهنگ شاهان و مهتران و فرزانگان و رای و کار و ساز بادشاهی نهاده و رفتار و کردار ایشان را و آئین های نیکو و داوری و سپاه آراستن و رزم کردن و شهر کشادن و کین خواستن و شبخون زدن و خواستگاری کردن بدانند —

پس این نامهٔ شاهان گرد آوردند و گزارش کردند و هر کسے را دادند تا از و فائده گیرند و چیزها اندرین زیاده بیایند - که سهم گین نماند و آن نیکوست چون مغز آن بدانی ترا درست کرد، و دل پذیر آید چون سنگ که افریدون بپای برداشت و چون ماران که از دوش ضحاک بر آمدند - این همه درست آید بنزدیک داد و تجربه دان - و آنکه دشمن دانش بود زشت گرداند، و اندر جهان فراوان است شگفتگی چنانچه پیغمبر صلوات الله علیه گفت هر چه از بنی اسرائیل گویند همه بشنوید که (راست) بوده است و مپرسید که دروغ نیست —

پس دانایان که نامه خواهند ساخت ایدون سزد که هفت چیز بجای آورند هر نامه را: یکے بنیاد نامه، سه دیگر خواص نامه، چهارم (خداوند نامه) پنجم پایه و اندازه و سخن پیوستن، ششم نشان دادن از دانش که نامه از بهزاد ست، هفتم درهای هر سخنے کشادن و خواندن و دانستن کار شاهان ست و بخشش کردن ایشان و ورزیدن کار این جهان و سود این نامه مر کسے راست که اندوه گسارندگان ست و چاره در ماندهگان است و آن را شاهان کارنامه از بهر دو چیز خوانند یکے که کار کرد آئین بادشاهان بداند و رفتار آئین را نیک بداند، دیگر اندر که خدائے بداند هر کسے را چون باید ساختن و دیگر کاندرو داستان است که بگوش خوش آید که اندرو چیزهاست، نیکو بدانش و نیکی و بدی و تندی و نرمی و درشتی و آهستگی و شوخی و هنر منعی و اندر شدن و بیرون شدن و اندرز و پند و خشم و خوشنودی

و شگفتکی کار جهان و مردم —

اندرین نامه همه که یاد کردیم بدانید که اکنون یاد کنیم از کار شاهان و داستان های ایشان از آغاز کتاب و دیباچه هر کجا از امکان جهان بود از مردمان بچهار سوے جهان از کران تا کران این زمین را بخشیدند و هفت بهر کردند. و هر بهر را کشوری خوانند. نخستین را از ده خوانند، و دویم را راسوت خوانند، و سیوم را برچین خوانند، و چهارم را بدرخش خوانند، و پنجم را او زبرست خوانند، ششم را اخراست خوانند، هفتم جیرنامی ست خوانند این ست که ما بدو اندریم و شاهان "ایران شهر" خواندندی و این چین و ماچین است و هندوستان و روم و خزر و سقلاب و برطاس و آن که بیرون ازوست و ایران شهر از رود آموست تا رود مصر و سرحد های دیگر پیرامون اویند و ازین هفت بهر ایران شهر بزرگ تر است بهر هنری و آن که از سوے باختر ست چینیان دارند، و آن که از سوے راست هندیان دارند و آن که از سوے چپ است خاوریان دارند و دیگر خزریان دارند و دوم ماژندرانیان دارند. و مصر را گویند ماژندران است و این دیگر همه از ایران ست —

و بدان که اندر آغاز این کتاب مردم فراوان اندرین سخن گویند و تا یاد کنم گفتار ایشان و هر گروهے تا دانسته شود و آن را که خواهد برسد و آن را که خواهد و خرشتر آید بدان راه برود، و اندر نامه پسر مقفع مانند ایشان شنیدیم که آنگاه آدم صفی الله صلوات الله علیه فراز آمدن تا بدین گاه که آغاز این نامه کردند پنج هزار و هفت صد سال ست، و نخستین مردی اندر زمین آمد آدم بود. و هم چنین از نامهٔ محمد بن جهم برمکی خبر آید، و از بهرام (نامه) بهرام اصفهانی هم چنین آید و از نامهٔ ساسانیان موسی بن عیسی خسروی و از (نامه) قاسم اصفهانی و از نامهٔ بادشاهان فارس از گنج خانهٔ مامون موبذ یزد گرد شهریار و از نامهٔ رامین که گوینده وزیر یزد گرد شهریار بود آگاهی هم چنین آمد و از فرود بایشان بدو برسه

که یاد کنیم و از گاه آدم باز چند است و ایشان بدین گفتار گرد آمدند که ما یاد خواهیم کرد این نامه را هرچه گزارش کنیم از گفتار دهقانان باید آورد که این بادشاهی بدست ایشان بود و از کار و رفتار و کم و بیش و نیک و بد - پس ما بگفتار ایشان گرد کردیم و این دشوار ازان شد که هر بادشاهی که دراز کرد - و با دین پیغمبری شد چون روزگار برآید بزرگان او کار فراموش کنند و از نهاد دیگر کنند و از نهاد دیگر دانند و بر فرودی افتند چنان که جهودان را افتاد میان آدم و نوح و از نوح تا موسی و از موسی تا عیسی و از عیسی تا محمد علیه‌التحیة والسلام و این مهتران گفتند که این زمین بسیار تهی بوده است از مردمان و چون مردم نبود بادشاه بکار نیاید، چه مهتر و چه کهتر و هر جا که مردم بود از مهتری چاره نبود، و مهتر بر کهتر از گوهر بباید و گویند که پس از مرگ کیومرث صد و هفتاد سال بادشاهی نبوده جهانیان یله بودند چون گرسفند بی شبان تا هوشنگ پینش داد بیامد و چهار بار بادشاهی از ایرانیان بستند و ندانند که چند گذشت و از روزگار جهودان همی گویند که از توریت موسی علیه‌السلام که از گاه آدم تا آن روز که محمد قریشی ا لمکی ا لمدنی صلوات ا لله علیه و علی آله و سلم از مکه برفت چهار هزار سال بود و ترسایان از انجیل عیسی علیه‌السلام می گویند که پنج هزار سال بود و سه سال و بعضی آدم را کیومرث خوانند - این است شمار روزگار گذشته که یاد کردیم از روزگار ایشان ایزد داند و ایشان او را که آدم گویند ایدون گویند نخست بادشاهی که بنشست کیومرث بود که او را پیش داد خوانند که بیشتر کسی که آئین با داد اندر مردم پدید آورد او بود، دیگر گروه کیانان بودند، و دیگر گروه اشکانیان بودند، و چهارم گروه ساسانیان بودند، و اندر میان گاه و بیگاه بها و داوریها رفته از آشوب کردن و با یکدیگر تاختها کردن و بیشی کردن و برتری جستن و اگر بادشاه کشور تهی کردی و بیگانگان اندر آمدندی و بگرفتندی و این بادشاهی بر فروتنی بدل شدی چنانکه

جگاه جمشید بودی و بگاه نوذر و بگاه اسکندر و مانند این—

پیش از آنکه سخن شاهان و کارنامهٔ ایشان یاد کنیم نژاد ابو منصور عبدالرزاق که ما را تربیت فرمود تا جمع کنند و نژاد چاکر او ابو منصورالمعمری و بگویم که ایشان چه بودند و تا آنجا رسیدند، و پس ازانکه سرآورده بودند سلطان محمود سبکتگی حکیم ابوالقاسم منصور الفردوسی بفرمود تا بزبان دری بشعری گردانید و چگونگی بجای خود گفته شود—

اول آن ست که ابو منصور محمد (بن) عبدالرزاق بن عبدالله بن فرخ ابن ماسه ابن باربارى کیان ابن کنارنگ ابن خسرو ابن بهرام ابن آذر کشیب ابن گودرز ابن افرین ابن فرخ زاد ابن بهرام، که بگاه پرویز اسپهبذ بود، امیر فرخ بوزر جمهر که اسپهبذ افوشیروان بود برادر گلباد که بگاه پرویز اسپهسالار بود - پسر برزین که بگاه اردشیر بابکان سالار بود و پسر برزین کیوگوداز پسر اکشور او را ازان خوانندی که سالاری هیچکس آن آئین نیاورد که آورد و در پهلوانی و کشور های و مرزبانها بخش هفت که او کرده بود و این از سه گونه گویند و گودرز بگاه کیخسرو سالار بود و بیژن را بکشت که اسپهبد افراسیاب بود، بیژن پسر نود پسر بسوان پسر حسین پسر تور پسر افریدون پسر آبتین و ابتین از پسران جمشید بود —

نسب ابو منصور بن محمد بن عبدالله بن جعفر بن فرخ زاد بن کیان بن انجار بن کنارنگ پسر سرهنگ پسر پرویز بود، و کار های بزرگ گفتی و فرمودی و آنگه خسرو پرویز بدر روم شد کنارنگ پیشرو لشکر او بود و در هنگام شادة شاه ترک که بدر هری آمد کنارنگ پیش اوشد برزم وساده و شاه را به نیزه بیفگند و لشکر شکسته شد و چون رزم هری بگرد نیشابور بود او را داد و طوس دختر خود را بدو داده بود - و خسرو او را گفت که یک مرد گویند که با هزار مرد بزند - مرا شگفت می آید - کنارنگ آفرین کرد و گفت اگر شاه به بنده فرماید من با هزار مردم بزنم - خسرو از گفته کاران و زنهافیان گویند که هزار مرد نیک و برگزیده

و سلاح پوشانیده یکروز کنارنگ باهزار بهلوفی فرستاد وخسرو اردور همی
فگریست امامهتران سپاه کنارنگ با ایشان بر آویخت گاه بشمشیرو گاه به تیر بهری
را بکشت و بهری را نجست وهر باری که اسپ افگندی بسیار تبه کردی تا سرانجام
سیتهوهی پذیرفتندي - و کنا رنگ از بر ایشان بری شاه شد و نماز برد و آفرین
کرد و خسرو طوس بوی داد - و از گردان مردی هم نامی او بود نام او رقیه اورا
قیز از خسرو بخواست و با خود بطوس برد و رقیه آن بود که چون کنا رنگ هزار
مرد از خسرو بخواست که برزم ترکان برود - خسرو گفت هزار مرد با خود برد
خواهی رقیه که ترا بس بود.پس هردو آن بطوس شدند و باهزار مرد ایرانی ورقیه
را نیکو همی دانست و با ترکان جنگ کردندو برون آمدند و بطوس بنشستند و
کنارنگ بادشاهی بگرفت و رقیه را نیکو همی داشت و سر اندازی بود که اوراهمتا
نبود وپس روزی کنارنگ ورقیه بشکار شدند با پسران وسر هنگان- کنارنگ گفت امروز
هرشکاري که کنیم بر سر زنیم تا باریک اندازی پدید آید- هرچه کنارنگ زده بود بر
سر زده بود رقیه بر کنارنگ آفرین کرد روز دیگر ازپس شدکنارنگ بفرسود تاغراره
پر گاه بیاوردند و کنارنگ اسپ بر انگیخت و نیزه زد و غراره بالای سر بینداخت
و بگاه یزدگرد شهر یار اورا بکشتند.و چون عمر ابن الخطاب رضی الله عنه عبدالله
عامر را بفرستاد تا مردم بدین محمد صلی الله علیه و سلم خواند - کنارنگ بزیره
اورا فرستاد در شاپور مردمان کهن دز بردند و فرمان نبردند ازوی یاری
خواستند یاری کرد تا کار نیکو شد بعد ازان ازوی هزار درم خواست گردگان
طلبید گفت نشاپور بمن ده نشاپور بوی داد، باز عبدالله عامر کنارنگ برزم کردن
اوشد و حسن ابن علي مروزی از فرزندان او بود و کنارنگ از نسل طوس بود و
صد و بیست سال بزیست و همه طوس کنارنگیان بود تا بهنگام جمشید الطای که از
ایشان بستد و آن مهتری دیگر دو ده افتاد - پس بهنگام ابو منصور محمد بن
عبدالرزاق طوس را بستیدند سزا بسزا رسید و نسب این هر دوکه کتاب کردند چنین

بود که یاد کردیم —

و این شاه نامه بروزگار نصر بن احمد ابوالقصل‌البلعمی دقیقي که شاعر بود فرمودند که بنظم آورد - و دقیقی مردی بود که غلامان نیکرو روي را دوست داشتی چون از شاه نامه یک چندي بنظم آورده بود اتفاق چنان اُفتاد که غلامی ترک دران روز ها خویده بود و باوی بازی می کرد و آن غلام کاردي به شکم دقیقي زده بدان زخم هلاک شد و این شاهنامه تمام ناگفته بماند —

و بعد ازان سبکتگی غلام نصر بن احمد بود و از نژاد سامانیان و بادشاه خراسان بود بهندوستان قوت گرفت و چون خداوندش نصربن احمد از جهان بیرون شد سبکتگی از هندوستان باز گشت و بادشاهی بدست فروگرفت وکار بجاے رسید که خراسان و غرنین و هندوستان جمله بستد (سلطان محمود اورا پسر بود) و اورا میل بیشتر بعلم بود و حکمت و امثال و طبقات و آن شاعران سخت دوست داشتی و با ایشان مجالست بسیار کردی و ندیمان او جمله شاعر بودند و کار بجاے رسید که خواجگان وارکان دولت شعر گفتند تا به بهانهٔ شعر خودرانزدیک می کردند ودفتر هاے تازی پیش او پارسی خواندندی و عنصری را بغایت دوست داشتی و از خود جدا نمی کرد و او حرمت و عزت بیفزود و کار راستی شاعرو ندیم او بود - پس اتفاق چنان اُفتاد که درمیان حدیث سخن شاه نامه بر آمد که آثار و سیر ملوک آن جا بگفته است سلطان محمود بفرمود تا پیش آوردند پس روزی عنصری را گفت عجب است که این شاهنامه را بنظم نیاورده اند - عنصری حکایت دقیقی و سر گزشت او باز گفت سلطان محمود عنصری را فرمود تا این کتاب را بنظم آورد - عنصری گفت بنده را فراغ آن نباشد که منظوم توانم کرد که پیوسته در حدیث خالی نباشم اما بنده را دوستی هست که فراغ و مجال این دارد طلب کرد و پرسید که کجاست که حال معلوم گردد و بدان فردوسی طوسی را خواند- سلطان محمود خطاب کرد که مردی بدین معنی چرا خودرا بما عرضه نکند.عنصري عذر آن خواست

وگفت آن مرد دهقان است قانع القصه اورا پیش تخت خوانده و شاهنامه بدو دادنه و فرمود تا بنظم آورد - فردوسی تا هزار بیت از جنگ سیارش بگفت و پیش سلطان محمود برده و سلطان را خوش آمد بفرمود تا هزار دینار رکنی از خزینه بدودهند و فردوسی قصه بنظم می آورد تا مدت شش سال تمام کرد و پیش تخت برد اما به سر شاهنامه شرط ادب نگاه نداشته بود و سخن در مزمت خویش گفته آن‌جای گاه که این بیت گفته :—

گرت زین بد آید گناه من است چنین است این رسم و راه من است

چنانکه سلطان محمود را ناخوش آمد پس عنصری و جمله ندیمان زمین بوس کردندو اورا از ان سیاست خلاص کردند چون سخن بد انجا رسید شصت هزار دینار رکنی می بایست که ازو بموجب قرار شاهانه کهشصت هزار بیت بود پس ابو منصور که دبیر سلطان محمود و ابو سهل همدانی که وزیر او بود پیش تخت آمدند وگفتند شصت هزار دینار رکنی بیک شاعردادن چه واجب کند که هفت صد هزار درهم بسیار است و خزانه پرشاید که لشکر بسیار ست و سلطان بدان داشتند تاشصت هزار درم سیم بدو فرستاد ' بامداد و پگاه هنوز در گرمابه بود درم بدر سرائے بردند و اورا نیافتند بدر گرمابه رفتندو ا ورا خبر کردند' بیرون آمد' چون‌اورا بدید قضاراقضاعی چند بدو برده بودند بیست هزار درم بگرمابه بآن داد و بیست هزار درم بقضاعی داد و بیست هزار درم بآن کس که آورده بود - چون این خبر بگوش سلطان رسید دیگر بار سیاست خواست کردن ' جمله ندیمان برسه دادند و اورا بخواستند دیگر بار بخشید و بدو چیزی نگفت اما فردوسی چون از گرمابه بیرون آمد این چنده بیت بگفت —

اندرسبھا اور شرح اندرسبھا

از

(جناب سید مسعود حسن رضوی ایم - اے - لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی)

رسالۂ اُردو بابت جنوری سنہ ۱۹۲۴ع میں جناب محمد عمر و نور الہی صاحبان نے "ہندوستان کا ڈراما" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا - اُس مضمون میں امانت کی اندرسبھا کے بارے میں جو تحقیق کی گئی ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے - میں اُس مضمون کے بعض اجزا نقل کرتا ہوں اور ان محققوں نے جو غلطیاں کی ہیں وہ ارباب نظر کے سامنے پیش کر کے ان کے ازالے کی کوشش کرتا ہوں —

(۱) "واجد علی شاہ اودہ کے حالات کون نہیں جانتا ..... اس وقت کا دربار اودہ عیش و عشرت کا گہوارہ تھا ..... سب اس دھن میں لگے رہتے تھے کہ رنگیلے پیا کے لئے کوئی نیا سامان تفریح پیدا کریں ..... اسی سلسلے میں ایک فرانسیسی مقرب بارگاہ نے مغربی تھیٹروں کا نقشہ پیش کیا ..... یہ وہ وقت تھا کہ ..... فرانس بلکہ تمام یورپ ، اوپیرا ' (یعنی وہ ڈراما جو سراسر رقص و سرود کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے) کا گرویدہ ہو رہا تھا..... ..... ایسا ہوا کہ ہندوستانی مذاق کا اوپیرا تیار ہو - قرعۂ فال امانت کے نام پڑا جنھوں نے سنہ ۱۲۷۰ ھ میں اس فرض کو بوجہ احسن ادا کیا - اندرسبھا کی تاریخ تصنیف اس شعر سے نکلتی ہے —

ز روے وجد بول اُٹھے پریزاد خلایق میں ہے دھوم اندرسبھا کی"

(صفحہ ۵۶)

(۲) "اندرسبھا کا تیار ہونا تھا کہ قیصر باغ میں اسٹیج تیار ہوگیا - جس میں فرانسیسی ہدایت کے مطابق ہندوستانی حرفت نے اپنے کمال دکھاے - مہ جبینان قیصر باغ پریوں کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں - واجد علی شاہ اندر کے تخت پر براجمان ہوے - باقی پارٹ با مذاق اہل دربار کو ملے"—

(صفحہ ۵۷)

(۳) "اندرسبھا امانت میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں"— صفحہ ۶۹)

(۴) "اندرسبھا امانت میں "امانت" اور "اُستاد" دو تخلص استعمال کئے گئے ہیں ..... دو تخلص کیوں استعمال کئے گئے - اس بارے میں یقینی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے - ہاں کتاب کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم غزلوں میں امانت اور اُس نظم میں جو ڈراما سے تعلق رکھتی ہے اُستاد تخلص کرتے تھے - یہ خیال کہ وہ ڈراما کو اپنے سے منسوب ہونا پسند نہ کرتے تھے صریحاً غلط ہے"— (صفحہ ۶۹)

اب سنئے کہ ان اقتباسات میں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں کتنی غلط بیانیاں ہیں :—

(۱) اندرسبھا لکھنے کا خیال کسی فرانسیسی نے پیدا کیا -

(۲) اندرسبھا واجد علی شاہ کی فرمائش سے لکھی گئی -

(۳) اندرسبھا کا سال تصنیف سنہ ۱۲۷۰ ھ ہے -

(۴) اندرسبھا پہلے پہل قیصر باغ میں کھیلی گئی -

(۵) قیصر باغ میں اسٹیج فرانسیسی ہدایت کے مطابق تیار کیا گیا -

(۶) واجد علی شاہ نے اندر کا پارٹ کیا -

(۷) باقی مردانہ پارٹ واجد علی شاہ کے درباریوں نے کئے -

(۸) اندرسبھا میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں —

(۹) امانت نے غزلوں کے علاوہ اندرسبھا کی دوسری نظموں میں " استاد " تخلص کیا ھے - اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اندرسبھا کو اپنے نام سے منسوب کرنا پسند نہیں کرتے تھے—

مولانا شرر مرحوم نے اپنے رسالہ دلگداز میں ایک مضمون لکھہ کر ان میں سے اکثر کی تردید کر دی تھی مگر فاضل مضمون نگاروں نے اپنی کتاب فاتک ساگر میں اُن غلطیوں پر اصرار کیا ھے - اور فاتک ساگر کے فاضل مؤلفوں نے مولانا شرر کی عینی اور سماعی شہادت پر بالی والا خورشید جی لالہ کنور سین صاحب اور پنڈت کیفی صاحب کی شہادتوں کو ترجیح دے کر عجیب و غریب ذھنیت کا ثبوت دیا ھے - مجھہ کو بالی والا خورشید جی کے بہت بڑے ایکٹر ھونے سے جناب لالہ کنور سین صاحب کی " مایۂ ناز ادیب اور تاریخ و فن ڈراما کے ماھر " ھونے سے اور حضرت کیفی کے " ڈراما کے وحیدالعصر عالم " ھونے سے انکار نہیں - مگر کیا ان حضرات کو مولانا شرر مرحوم کی طرح لکھنؤ کے پرانے بزرگوں کی صحبت اتنی طویل مدت تک نصیب رھی ھے ؟ - کیا ان کو مولانا شرر کی طرح واجد علی شاہ کے دامن سے وابستہ ھوکر برسوں متیا برج میں رھنے اور بادشاہ کے مصاحبوں ' جلیسوں درباریوں ' درباری گویوں ' سازندوں ' ایکٹروں وغیرہ سے ملنے جلنے کا ھزارھا مرتبہ اتفاق ھوا ھے ؟- اور کیا اُن کو اودہ کی سیاسی اور تمدنی تاریخ پر وہ عبور حاصل ھے جو مولانا شرر مرحوم کو تھا ؟- اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ھے تو ان حضرات کی شہادت اس امر خاص میں مولانائے مرحوم کی شہادت سے زیادہ معتبر کیوں کر ھوسکتی ھے - ان حضرات نے اندر سبھا کی تصنیف کے بارے میں جو راے قایم کی ھے اُس کے لئے اُنھوں نے کوئی ثبوت اور سند پیش نہیں کی - جہاں تک میں سمجھتا ھوں اُن کو یہ راے لکھنؤ کے اُن ناواقفوں کے خیال پر مبنی ھے جو آج بھی واجد علی شاہ کے رھس مبارک اور امانت کی اندر سبھا کو ایک ھی

چیز سمجھتے ھیں—

اس غلط فہمی کی ایک وجہ تو ناٹک ساگر کے مؤلفوں نے خود ھی لکھہ دی ھے کہ " عوام کو اس مجلس (شاھی ڈراما) میں بار نہ مل سکتا تھا " - دوسری وجہ یہ معلوم ھوتی ھے کہ اندر سبھا کے نکلتے ھی اس کی عام پسندی نے اسی طرح کے بہت سے ناٹک تیار کروا دیے تھے اور یہ سب اندر سبھا کہلاتے تھے - مولانا شرر نے سچ لکھا ھے کہ " شہر میں غدر سے پہلے ھی ان ڈراموں کا جو اندر سبھائیں کہلاتی تھیں ھر طرح کے ناچ رنگ سے زیادہ رواج ھوگیا تھا "—

لکھنؤ میں سید رضا حسین ایک جلد ساز اور صحاف ھیں - پڑھے لکھے آدمی ھیں اور اپنے پیشے کی بدولت ایسی ایسی بے نظیر کتابیں ان کی نظر سے گذر چکی ھیں جن کا ذکر سن کر مجھے ان پر رشک آنے لگتا ھے - ان کی عمر ستر سال سے متجاوز ھوچکی ھے - بھویں اور پلکیں تکسفید ھوچکی ھیں - قوت سماعت بہت کم ھوگئی ' ھاتھوں میں رعشہ ھے ' مگر اب بھی قدیم ' کرم خوردہ ' مردہ کتابوں کے ساتھہ مسیحائی کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے - مجھہ کو چوں کہ ایسی کتابیں جمع کرنے کا شوق ھے اس لئے مجھے اُن کی مدد کی اکثر ضرورت ھوا کرتی ھے—

ایک دن بزم سلیمان کا ایک پرانا مطبوعہ نسخہ مرمت کے لئے میں نے انھیں دیا - یہ بھی اندر سبھا کے طرز کا ایک ناٹک ھے - جس کو سنہ ۱۲۶۷ فصلی میں " افسوس " نے تصنیف کیا تھا - اس کتاب کو دیکھہ کر کہنے لگے کہ بہت مدت کے بعد آج یہ کتاب پھر دکھائی دی - میری جوانی کے زمانے میں لکھنؤ میں چار اندر سبھائیں کھیلی جاتی تھیں - اندر سبھا امانت ' اندر سبھا مداری لال ' بزم سلیمان ' اور جشن پرستان - مختصر یہ کہ اس زمانے میں اندر سبھا ایک خاص قسم کے ناٹک کو کہتے تھے - اور جب تک " اندر سبھا کے " ساتھہ امانت کا لفظ شامل نہ کردیا جاے اس وقت تک یہ سمجھنا مشکل تھا کہ " اندر سبھا سے کون سا خاص

خلنگ مراد ہے - ابھی ہمارے زمانے میں کسی جاہل طباع نے ایک ناٹک میں رانی نوٹنکی کی سرگذشت بیان کی —

یہ ناٹک خاص ساز و سامان کے ساتھ کھولا گیا اور عوام اور جہلا میں اسقدر مقبول ہوا کہ اسی طرح کے بہت سے ناٹک اسی سامان کے ساتھ کھیلے جانے لگے - یہ سب ناٹک نوٹنکی کے نام سے مشہور ہیں - واجد علی شاہی رہس میں دیو، پریوں، جوگن وغیرہ کے پارٹ جو اندرسبھا کے امتیازی خصوصیات ہیں کئے جاتے تھے - ایسی صورت میں اگر لوگ اس کو بھی اندرسبھا کہنے لگیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ امانت ہی کی اندرسبھا تھی —

ناٹک ساگر کے فاضل مؤلفوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امانت نے کسی فرانسیسی کی تجویز پر اور واجد علی شاہ کی فرمائش سے اندرسبھا لکھی، ایسی ایسی قیاس آرائیاں کی ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں - میں اُن بے اصل باتوں کو نقل کر کے اور فرداً فرداً ان کی تردید کر کے اپنا اور ناظرین کا وقت ضایع کرنا نہیں چاہتا - مؤلفوں نے مفروضات اور قیاسات کا جو عالی شان محل تیار کیا ہے اِس کی بنیاد اسقدر کمزور ہے کہ تحقیق کی ایک ہی ضرب میں وہ سطح زمین کے برابر نظر آئے گا - ان کو اپنے دعوے کی دلیل میں کم سے کم یہ تو ثابت کر دینا چاہئے تھا کہ امانت کو دربار واجدی سے کوئی تعلق بھی تھا - یہ بات مسلم ہے کہ امانت کی رسائی واجد علی شاہ کے دربار میں کبھی نہیں ہوئی* —

---

* حضرت امانت مرحوم کے چھوٹے بیٹے سید عباس حسن صاحب 'فصاحت' ابھی بفضلہ موجود ہیں - موصوف سن میں بوڑھے مگر طبیعت کے جوان ہیں - عام مجلس، لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں اگلوں کی یادگار ہیں - آپ سے معلوم ہوا کہ شاہی میں چھتر منزل کے قریب بارہ اماموں کی درگاہ تھی - اس درگاہ سے سادات کو وظیفے ملتے تھے - امانت مرحوم کا اسم بھی وہاں تھا اور اُن کا وظیفہ دس چالیس روپے ماہوار تھا - اس کے علاوہ اُن کو کسی شاہی محکمے یا شاہی دربار سے کوئی تعلق نہ تھا

بہر حال ناٹک ساگر کے مؤلفوں کی تحقیق کے جو غلط نتیجے میں اوپر لکھ آیا ہوں ان کے خلاف تحقیق کے دعوے یہ ہیں—

(۱) اندرسبھا کی تصنیف کسی فرانسیسی کی تحویز یا واجد علی شاہ کی فرمائش کی منت گزار نہیں ہے۔ امانت نے یہ ناٹک اپنے دوست اور شاگرد حاجی مرزا عابد علی عبادت کی فرمائش سے "رہس" کے طور پر طبع زاد نظم کیا"—

(۲) اندرسبھا کا سال تصنیف سنہ ۱۲۶۸ ھ ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ ھ میں امانت نے اس کو چھپوانے کے لئے مرتب کیا۔ اور اس کا حاشیہ شرح اندرسبھا کے نام سے مقفیٰ نثر میں لکھا—

(۳) اندرسبھا کبھی یا کم سے کم پہلی مرتبہ قیصر باغ میں نہیں کھیلی گئی۔ اور اس کے اسٹیج کی تیاری میں فرانسیسی ہدایت اور شاہی امداد کو کچھ دخل نہ تھا—

(۴) واجد علی شاہ اور ان کے درباریوں نے اندرسبھا میں کوئی پارٹ نہیں کیا۔

(۵) اندرسبھا میں نثر بہت کم ہے مگر ہے—

(۶) امانت اندرسبھا کو اپنے نام سے منسوب کرنا معیوب سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے اندرسبھا کی مخصوص نظموں میں اُستاد تخلص کیا۔

ان دعووں کے لئے کسی دلیل اور قیاس کی ضرورت نہیں صرف اندرسبھا اور شرح اندرسبھا کو ایک دفعہ غور سے پڑھ لینا کافی ہے۔ مجھکو اس سلسلے میں صرف چند باتیں عرض کرنا ہیں۔ مولانا شور مرحوم نے اپنے اس مضمون میں جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے لکھا ہے کہ واجد علی شاہ نے جو رہس تیار کیا تھا اُس میں وہ خود کنھیا کا پارٹ کرتے تھے باقی پارٹ ان کی ممتوعہ عورتیں اور حرم سرا وغیرہ کرتے تھے' معزز اہل دربار نے کبھی کوئی پارٹ نہیں کیا۔ مولانا کے اس بیان کا ثبوت واجد علی شاہ کی کتاب "بنی" میں کافی سے بھی زیادہ

موجود ہے - اس کتاب میں واجد علی شاہ نے اپنے تیار کئے ہوئے متعدد رہس لکھے ہیں - ان رہسوں کے کھیلنے کے لئے تفصیلی ہدایتیں، ایکٹروں کی پوشاکیں اور تمام ساز و سامان کی فہرست دی ہے - جتنے "جلسے" یعنی کاتک منڈلیاں ان کے یہاں قایم تھیں اُن سب کے نام، ان کے ایک ایک ایکٹر کا نام، اُس کا پارٹ اُس کی تنخواہ وغیرہ نہایت تفصیل سے لکھی ہے - اس کتاب کو دیکھنے سے مولانا کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے - بلکہ ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ واجد علی شاہ خود کوئی پارٹ نہیں کرتے تھے - کنھیا کا پارٹ ہمیشہ کسی عورت کو دیا جاتا تھا - لیکن یہ کتاب واجد علی شاہ نے پچاس برس کی عمر میں لکھی تھی - اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ نوجوانی کے زمانے میں وہ کنھیا کا پارٹ خود کرتے ہوں گے - مگر قرینہ اس خیال کی مخالفت کرتا ہے - اگر کنھیا کے پارٹ کے لئے وہ کسی مرد کی ضرورت سمجھتے تو جس طرح عفریت، غربت، رام چیرا، مسافر وغیرہ کے پارٹ مرد کرتے تھے اسی طرح کنھیا کا پارٹ بھی کسی مرد کو دیا جا سکتا تھا - بہرکیف یہ محض ایک قیاس ہے اسی لئے میں اس پر زیادہ زور دیکر اُس غلطی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا جس میں مبتلا ہو کر کاتک ساگر کے فاضل مؤلف تحقیق کا راستہ بھول گئے اور کہیں کے کہیں جا پہنچے—

جناب لالہ کنورسین صاحب نے یقیناً غلط لکھا کہ "اس اندرسبھا کی زبان نثر سلیس بلا تصنع، با محاورہ اور قافیہ بندی سے آزاد ہے"- مگر کاتک ساگر کے مؤلفوں کا یہ بیان بھی یقیناً غلط ہے کہ "اندرسبھا امانت میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں"- میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ اندرسبھا میں نثر بہت کم ہے مگر ہے- اس دعوے کے ثبوت میں، میں تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں کہ اندرسبھا میں نثر کتنی اور کہاں کہاں ہے - راجہ اندر جب کسی پری کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو کہتا ہے "لاؤ فلاں پری کو" - جب سبز پری جوگن بن کر آتی ہے اور موسیقی کا کمال دکھاتی ہے تو راجہ اندر خوش ہو کر اُس کو پان دیتا ہے - جوگن مقفیٰ نثر کے

چند جملوں میں یوں جواب دیتی ہے :-

" پان لے کے کیا کروں کسی سبزہ رنگ کا دھیان ہے - ہتھیلیاں
چونا ہیں بدن دھان پان ہے - عشق لہو پی پی کے رنگ
لایا ہے - فراق نے قتل کا بیڑا اُٹھایا ہے - گلوری لئے مجھے
کیا تکتا ہے - فقیروں کا منہ کون کیل سکتا ہے "—

اس کے بعد جوگن ایک ہولی گاتی ہے اور راجہ اندر اس کو ایک ہار دینا چاہتا ہے وہ پھر انکار کرتی ہے اور کہتی ہے :—

" ہار زنہار نہ لوں گی دل کو خار ہے - اپنا گلعذار
گلے کا ہار ہو تو بہار ہے "—

جوگن پھر ایک غزل گاتی ہے - راجہ اندر شالی رومال پیش کرتا ہے اور جوگن ان الفاظ میں اس کے لینے سے بھی انکار کرتی ہے :—

" رومال اُنھیں دیجئے جو تنگ دست ہیں - فقیر اپنی
کملی میں مست ہیں - عشق کی گرمی نے مارا ہے پسینے
سے کنارا ہے - راجہ کے دور میں پلے سے آئی ہوں ' جو
مانگوں سو پاؤں " —

اس کے بعد کتاب میں یہ سرخی ملتی ہے " اقرار کرنا راجہ اندر کا جوگن سے اور غزل گانا جوگن کا طلب گلفام میں " - اس سرخی کے تحت میں غزل لکھ دی گئی ہے اور یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ راجہ اندر نے کن لفظوں میں اقرار کیا - لیکن حاشیہ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ نے کہا " مانگ کیا مانگتی ہے " - جوگن نے پھر کہا " جو مانگوں سو پاؤں " - اس طرح تین مرتبہ اقرار لینے کے بعد جوگن غزل گاتی ہے - جب راجہ اندر کے حکم سے لال دیو گلفام کنوئیں سے رہا کرنے کے لئے جاتا ہے تو یہ معلوم کرنے کی غرض سے کہ گلفام زندہ ہے یا مرگیا کنوئیں میں کان لگا کر اس کی آواز سننے کی کوشش کرتا ہے - اور نثر کے چند جملے گلفام کی زبان سے

سلتا ہے یہ جملے اصل کتاب میں نہیں ہیں - مگر حاشیے پر درج ہیں:—

"ہائے سبز پری تیری چاہ نے مجھے یہ دن دکھایا کہ
جیتے جی اندھیرا گور کا نظر آیا - نہ مونس ہے نہ
غمخورا ہے، فقط ذات پروردگار ہے - دم گھٹ کر لبوں پر
آتا ہے، دل کنوئیں میں ڈوبا جاتا ہے - کوئی تدبیر نہیں
بن آتی ہے، اب تو جان جاتی ہے" —

اندرسبھا میں جتنی نثر ہے وہ نقل کر دی گئی - اس کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ "اندرسبھا (امانت) میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں" اور کون یقین کر سکتا ہے کہ اُس کی زبان نثر سلیس، بلا تصنع، با محاورہ اور قافیہ بندی سے آزاد ہے" —

اندرسبھا میں بعض مقامات اور بھی ہیں جہاں قیاس چاہتا ہے کہ نثر کے جملے ہوں مگر چوں کہ وہ جملے نہ اصل کتاب میں درج ہیں نہ حاشیے پر، اس لئے محض قیاسی بات پر میں زور دینا نہیں چاہتا—

مؤلفوں نے اندرسبھا کے فرانسیسی الاصل ثابت کرنے کے لئے سب سے مضبوط دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس میں پردے استعمال کئے جاتے تھے - لیکن اول تو ہندوستان پردوں کے استعمال سے نا آشنا نہ تھا - زمانۂ قدیم میں سنسکرت ڈراموں میں پردے استعمال کئے جاتے تھے - دوسرے اندرسبھا میں موجودہ تھیٹروں کی طرح پردے منظروں کے قایم مقام نہیں تھے - یعنی یا تصویر پردوں کے ذریعے سے راجہ اندر کا عشرت خانہ، شہزادۂ گلفام کا محل، کوہ قاف، کنواں، جنگل وغیرہ نہیں دکھاتے تھے بلکہ راجہ اندر اور پریوں کی آمد کے وقت ایک سادہ پردہ تان دیا جاتا تھا - آنے والا پردے کے پیچھے آکر ٹھیر جاتا تھا - آمد گائی جاتی تھی، مہتاب چھوٹتی تھی اور پردہ اُٹھا دیا جاتا تھا - آنے والا محفل میں داخل ہو کر اپنے حسب حال غزل گاتا تھا - دوسرے آنے والوں کی آمد کے وقت وہی پردہ پھر

دان دیا جاتا تھا۔ پردے کا یہ استعمال کوئی ایسی مشکل چیز نہ تھی اور ہندوستانیوں کی عقل ایسی گئی گزری ہوئی نہیں ہے کہ اتنی سی بات بھی بغیر کسی غیر ملکی کے سمجھائے ہوئے انہیں خود سے نہ سوجھ سکے"—

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ امانت نے سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں اندرسبھا کا حاشیہ "شرح اندرسبھا" کے نام سے لکھا تھا۔ یہ حاشیہ اس زمانے کے رواج کے مطابق سقفی نثر میں ہے۔ اور امانت کی نظم کی طرح لفظی رعایتوں سے گرانبار ہے۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کریں تو اس میں شک نہیں کہ مصنف کو اپنے اس مقصد میں کہ "اس طرح جلسے کا نثر میں بیان ہو کہ سب کو تصور میں تصویر اندرسبھا کا گمان ہو" پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ انھوں نے اسٹیج کا ساز و سامان، ایکٹروں کی پوشاکیں، پریوں کے ناچ وغیرہ کی کیفیتیں اس تفصیل اور اس حسن سے بیان کی ہیں کہ اندرسبھا کے کھیل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ اور ایسی ایسی نادر تشبیہیں اور استعارے استعمال کئے ہیں کہ نثر میں شاعری کا مزہ آتا ہے۔ "شرح" کی ابتدا میں واجد علی شاہی رہس کی کیفیت، اندرسبھا کا سبب تالیف، اس کا زمانۂ تصنیف، اس کے جلسے کی تیاری وغیرہ کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے یہ گویا اندرسبھا کی تاریخ خود مصنف کی لکھی ہوئی ہے اور کوئی قیاس کوئی قرینہ اور کسی کی شہادت اس سے زیادہ معتبر نہیں ہو سکتی۔ میں ذیل میں "شرح اندرسبھا" لفظ بلفظ نقل کئے دیتا ہوں جس سے اندرسبھا کے بارے میں جتنی غلط فہمیاں ہیں وہ بھی دور ہو جائیں گی، اندرسبھا کے کھیلنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے گا اور امانت کی نثر نگاری کا بہت عمدہ نمونہ بھی پیش نظر ہو جائے گا۔ اندرسبھا کے جو ایڈیشن آج کل بازار میں مل سکتے ہیں ان میں شرح اندرسبھا موجود نہیں ہے۔ اندرسبھا کے جس نسخے سے میں نے یہ "شرح" نقل کی ہے وہ شیخ رجب علی تاجر کتب

کی فرمائش پر کپتان مقبول الدولہ احسان الملک مرزا مہدی علی خان بہادر ثابت جنگ کے اہتمام میں سلطان المطابع کی اجازت سے مطبع محمدی لکھنؤ میں سنہ ۱۲۷۱ ھجری میں چھپا تھا - غالباً یہ اندرسبھا کا پہلا ایڈیشن ہے جس کو مصنف نے سنہ ۱۲۷۰ ھجری میں مرتب کر کے مطبع کو دیا اور کچھ زمانے میں سنہ ۱۲۷۱ ھجری میں چھپ کر تیار ہوا —

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نغمہ ہند کا اُس کارساز اور بندہ نواز کی شان میں بجا ہے کہ جس نے منقار موسیقار کو مضراب ہوا سے دم ساز چنگ و ارغنون بتایا اور زہرہ کو آہنگ قدرت سے سازندۂ کائنات نے بے ساز و سرود پردۂ فلک میں علم موسیقی ایسا تعلیم فرمایا کہ مطربان خوش آہنگ جہاں کا ناک میں دم آیا ' کان پکڑ کر ندامت سے سر جھکایا یہاں تک کہ اپنا گانا کبھی خیال میں نہ آیا - جس کو بزم نشاط جہاں میں اُس کے قانون معرفت سے ساز ہے ' ہر تار نفس اُس وحدت بین کا خوش آواز ہے - نغمۂ حقیقی کا دم ساز ہے غنائی مجازی سے باز ہے - صل علی کیا کیا مطربان خوشنوا باغ بان گلشن ایجاد نے چمن ہستی میں پیدا کئے ہیں کہ جن کی زمزمہ سنجی سے رنگ الحان داؤدی کا گیندے کی مانند زرد ہے اور مزا میر کی لبوں پر گرمی صدائے پر درد سے ہر دم آہ سرد ہے - جب شعلۂ آواز اُن کا پردۂ گوش فلک میں سماتا ہے ' زہرہ کا زہرہ دفعتاً ہیبت سے آب ہو جاتا ہے - کیا کارساز ہے کہ سب کا ساز و سامان پردۂ دنیا پر درست ہے اور ہر ایک خلاق کے ذہن میں اپنے مقام پر چالاک و چست ہے - اہل زمین اُس کی کار سازی اور جہان نوازی پر حیران ہیں و اہل فلک میں غرفوں کے چولے ہیں شعاع مہر کی دوریاں ہیں - پنجۂ خورشید سے یہ بات روشن بہ عالم بالا ہے گویا کسی رشک مہر نے پردۂ زنگاری سے بجانے کے لئے ہاتھہ نکالا ہے - گردوں کی طبلہ میں مہتاب کی پڑی داغ کی سیاہی ہے اس نئے مثال کی دھوم ماہ سے تا بماہی ہے - کہکشاں کی سارنگی پر قیر شہاب کا گز ہے ' ستاروں کی طربیر ہیں شعاع ماہ کے تار ہیں یہ سازش دیکھہ کے

دل سازندہ ہائے ساز کی جلاجل کے مانند بے قرار ہیں - منقار بلبل گلزار میں موسیقار کی آواز ہے آہوان دشت پرخاران چکاروں کا انداز ہے جو بگولا بیاباں میں اُٹھہ کر رہ جاتا ہے نواسنجان بادیہ پیما کو مطرب کی مردانگ کا عالم نظر آتا ہے اور جو جادو کی سحرا میں چاہ مدور سے ہم کنار ہے ' ستار کی صورت آشکار ہے - چکارے اس پر چوکڑیوں کا تار باندھہ کر کہر کی مضراب بار بار لگاتے ہیں ' کیا پردہ پردہ میں مشتاق نغمۂ وحدت کا حکم بجا لاتے ہیں - آگے اُس کی صفت نہیں کہی جاتی ہے طبیعت اس رنگ میں راگ لاتی ہے - میری حقیت کیا ہے ' شہرت اس کی جا بجا ہے —

بعد حمد ایزد غفار نعت احمد مختار کا تار باندھنا ضرور ہے کس واسطے کہ وہ کارساز کا نور ہے سبحان اللہ کہ وہ ہر حال میں پردۂ دنیا پر ستار کا حکم دل و جان سے بجا لایا ہے اور اُسی کے ناخن شمشیر سے قانون اسلام نے جہاں میں جا بجا یک دست رواج پایا ہے - عارفان با ریا کا جاسۂ زاہد سالوس میں اُس حق بین کی قیل و قال سے برا حال ہے اور نواسنجان بزم غنا کو طنبور کے مانند پنجۂ ہدایت سے سدا گوشمال ہے - جو اُس دائرہ دوات میں کفر کی دھن لگا کر راگ لاتا ہے شعلۂ آواز در پردہ اُس ناری کے کام و زبان کو دفعتاً جلاتا ہے - نزدیک اس غنی کے غنائی مغنی محض حرام ہے لیکن ترانہ بلبل گلزار وحدت کا خیال مدام ہے —

——— (منقبت حضرت علی علیہ السلام) ———

وصی اُس نائب کار ساز کا علی ہے ' حال جس شمع بزم دین کا سب پر جلی ہے دنیا کے راگ اور رنگ سے ہمیشہ بد مزہ گی رہی خالق بندہ نواز سے سدا لو لگی رہی - ہتیار جنگ کی جسم اقدس پر سجتی رہی دھل فتح جا بجا بجتی رہی حیدر کرار پردۂ کائنات پر کیا جرار یکتا ہے کہ جس کی شجاعت کا ہر ٹک ہر دیس میں ہر آبادی ہر جنگلے میں کوسوں تک ڈنکا ہے - اسلام کی زینت ہے

کفر کی بری گت ہے - دیندار سر بازار مسجدوں پر اذان میں آواز لگاتے ہیں - کفار بستۂ زنار بت خانوں میں منہ چھپا کر سدا ناقوس بجاتے ہیں - سبحان اللہ کیا گل گلزار امامت ہے کہ جس کے دھن میں باغ کے اندر سدا بلبل کو بیکلی ہے اور بلبل نغمہ سنج کو اس کے خیال میں ترانہ کے عوض ہمیشہ ورد زبان نالہ علی ہے —

——— (مدح بادشاہ وقت) ———

بعد حمد خدا و رسول و منقبت زوج بتول تعریف بادشاہ وقت کی بھی واجب و لازم ہے کہ جس کے عہد معدلت مہد میں یہ کتاب اندرسبھا تصنیف کی گئی - وہ کیسا بادشاہ کہ جہجاہ سلیمان بارگاہ فریدون مکان کسری ایوان سکندر حشم دارا شیم قیصر منزلت خاقان مرتبت محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ و سلطنتہ - سبحان اللہ کیا خوش جمال بادشاہ ہے کہ جس کی زیارت کی ہر رشک یوسف کو چاہ ہے - شجاعت میں بے مثل ہے ' سخاوت میں یکتا ہے ' عدالت میں لا جواب ہے ' مروت میں انتخاب ہے - علاوہ ان صفتوں کے ایسا رنگین طبیعت ہے جس کی نازک خیالی کی جا بجا شہرت ہے - راگ کا بزم عشرت میں رنگ ہے ' طبلے کی تھاپ پر ہر امیر دنگ ہے - گانا سننے سے حضرت سلطان عالم کو رغبت ہے ' اپنے محظوظ ہیں ' بے گانوں کی بری گت ہے - ہنگامۂ رقص و سرود برپا رہتا ہے ' پیر فلک وجد میں آکر واہ واہ کہتا ہے - مشتری جمالوں کے گلوں سے ساز کی سازش میں یہ آواز آتی ہے کہ موسیقار کیا بکتا ہے - اور زہرہ کیا گاتی ہے جب کوئی طوائف خوش گلو ٹھمری حضرت کی شروع کر کے بلبل کی روش چہکارتی ہے شوری کی روح شور مچا کر خجالت سے ٹپا ٹوئی مارتی ہے اور جب کسی طوائف کو پکے گانے کا خیال آتا ہے تو ایسی دھرپت کی تان لگاتی ہے کہ آواز دھر پتال کو جاتی ہے ' گاو زمین وجد میں آتی ہے اور گھوڑے کی طرح مچھلی پر الف ہو کر تالیاں بجاتی ہے - سارنگی سے مل کر سازندے کی یہ صدائے مستانہ ہے کہ اپنی نغمہ سنجی

کا زمانہ ہے بیجو بورا ہے تانسین دیوانہ ہے مغنی رعب شاہی سے گانے میں
جی چھوڑتے ہیں یہانتک کہ پشیمان ہوکر طنبور کی عوض اپنے کان مروڑتے
ہیں صل علی کیا رہس مبارک طبع سلیمان جاہ سے ایجاد فرمایا کہ
پریوں کا ہوش اوڑایا اور راجہ اندر کے اکھاڑے پر حرف آیا بلکہ قات نے
قات کے مانند خجالت سے سر جھکا یا سب حسین حسن میں شہرۂ آفاق ہیں'
پریزاد جنکی دید کی مشتاق ہیں - طائفۂ حسیناں تعصب سے بری ہے جو دلبر
ہے وہ حیدری ہے پریاں بن بن کر محفل میں آتی ہیں حضرت کی چیزیں گاتی
ہیں ' رقص کا انداز دکھاتی ہیں ' زہرہ کو وجد میں لاتی ہیں ' پریاں قات سے
ہوا پر آکر اون کے حسن کا دم بھرتی ہیں ' حوریں غرفوں سے سر نکالکر واہ واہ
کرتی ہیں - پریوں کا عجب انداز ہے کہ ہوا کو جن پر ناز ہے - جواہر نگار
سب کے پر ہیں مرصع چوٹیاں بالائی سر ہیں رنگ سیم تنوں کے گوئی صحبت
سے کندن کے مانند دمکتے ہیں ' افشاں کے ستارے ناچ کی چھل بل میں تاروں سے
وہ چلد چمکتے ہیں - جڑاؤ بالیاں پریوں کے کانوں میں جواہر کی کان ہیں جن کو
دیکھکر جوانین حوروں میں حلقہ بگوش ہیں ' بالیاں قربان ہیں - بندے یا قوت
کی کان کی لو سے اخگر کے مانند روشن ہیں ' بجلیاں ہیرے کی چمک چمک کر
برق جہندہ پر چشمک زن ہیں - حلقہ سونے کا زلف کی بالوں میں تلوار کے مانند
کستا ہے ' موتیوں کے جھالوں پر ابر گیسو میں نور کا مینہ برستا ہے - گلے میں
ہر اک کی وہ جڑاؤ طوق ہے جس کو ماہ نو پر فوق ہے - ہیروں میں طوق کے وہ نور
کا عالم ہے کہ جن کی چمک دیکھکر جگنو کا دھکدھکی میں دم ہے - بازوں پر سونے
کی جڑاؤ جوشن ہیں' زورتن نور تن سے سات ستاروں کے مانند روشن ہیں - ہاتھوں
میں کنگن ہیں اور وہ ہیرے کے کڑے ہیں جنھیں دیکھکر جو زر گر دل کے کڑے
ہیں بیہوش پڑے ہیں - یہ کیونکر کہئے کہ ان کے بوجھ سے حسینوں کے نازک
پہنچے رقص میں لچک جاتے ہیں مگر چہرے ان کڑوں کے اپنا حسن دکھا کر

مچھلی کی طرح ساعدونکو تڑپاتے ھیں - کنگن اور کڑوں کے بیچ میں وہ جڑاؤ فوگریاں ھیں جن کی بنوٹ دیکھکر دس تڑپتے ھیں نوگریاں ھیں - پوشاک میں پریوں کی وہ تیاری ھے کہ ستاروں پر رشک سے رات بھاری ھے بیل ' گوکھرو' چٹکی' کون کی وہ بوچھار ھے کہ فانوسیوں کو پوشاک کا بوجھہ سنبھالنا دشوار ھے- چمکی کا ستارہ چمکتا ھے' کندنی مال روشنی میں دمکتا ھے' سلمے کا کھپاؤ ستاروں کی بھرتی ھے ' زردوزی پر نگاہ نہیں کام کرتی ھے - زھرہ جبیں جب رقص میں چلتے پھرتے ھیں سیروں ستارے چاندنی پر گرتے ھیں- ایسی محفل دیکھی نہ سنی ھے گویا فرش نے بھی افشاں چنی ھے - حسینوں کا ناچ توڑوں کا تار سونے چاندی کے گھنگروؤں کی جھنکار' پریوں کا ھاتھہ سے ھاتھہ ملا کر ھالۂ مہتاب کی صورت بنا کر گلدستہ لئے ھوے ناچنا عجب لطف دکھاتا ھے کہ پرستان کا سماں چشم فلک کو بھول جاتا ھے - سرخ دوپٹہ بھاری محفل میں تنتا ھے شفق کا جواب بنتا ھے جس میں سے نور چھنتا ھے زھرہ خصال مشتری جمال کس پھرتی سے ناچ نا چکر اُس کے تلے سے نکل جاتے ھیں گویا برج آتشی سے ستارے چمک چمک کر باھر آتے ھیں - طبلے کی تھاپ فلک میں سماتی ھے ' سارنگیوں کی آواز زمین کو ھلاتی ھے ' جوڑی کی صدا ناچ کے تال پر دانت کڑکڑاتی ھے مثنوی حضرت کی پڑھی جاتی ھے ' میر حسن کی روح تازگی پاتی ھے سازوں کی آواز ناچ سے ملکر دل توڑے لیتی ھے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی ھے خدا اس ھنگامۂ رھس مبارک کو زیر قدم سلطان عالم بہادر خلداللہ ملکہ کے مع ارکان دولت تا قیامت سلامت با کرامت رکھے —

———(سبب تالیف کتاب اندر سبھا)———

بندۂ خاکسار وھیچمدان آوارہ طبیعت سید آغا حسن متخلص بہ امانت شعر و سخن کا ھمیشہ سے ذوق تھا - وزوں کرنے کا شوق تھا - ذوحہ سلام کہنے کا ورد تھا' دلگیر کا شاگرد تھا - القصہ اقتضاے شوق طبیعت میں یہ واسوخت عاشقانہ کہ

مطبوع زمانہ ہے طولانی بکمال فکر و جانفشانی کہا گیا اور صحبت قرار دیکر مجمع خلائق میں پڑھا گیا - غل تعریف کا خوب ہوا سب کو مرغوب ہوا - مشتاق خلقت ہوئی چھپنے کی صورت ہوئی' چھپ کر روانہ دور دور ہوا فضل خدا سے ہر شہر میں مشہور ہوا - بعد اس کے خانہ نشینی اختیار کر کے دن بھر کمرے میں بیٹھکر مرثیہ یا غزل کہتا تھا اور شب کو شام سے دو پہر رات گئے تک صحبت میں شاگردوں اور احباب کا مجمع رہتا تھا' مگر دل میں در پردہ عشق کی آگ تھی طبیعت کو حسن سے لاگ تھی وضع کے خیال سے کہیں جاتا تھا نہ آتا تھا زبان کی وابستگی سے گھر میں بیٹھے بیٹھے جی گھبراتا تھا - ایک روز کا ذکر ہے کہ حاجی مرزا عابد علی* یگانۂ ازلی رفیق شفیق مونس و غمخوار قدیمی جان نثار شاگرد اول موزوں طبیعت تخلص 'عبادت' عاشق کلام امانت انھوں نے از راہ محبت کہا کہ بیکار بیٹھے بیٹھے گھبرانا عبث ہے ایسا کوئی جلسہ† کے طور پر طبع زاد نظم کیا چاہئے کہ دو چار گھڑی دل لگی کی صورت ہووے اور خلق میں شہرت ہووے - آخرالامر موافق اُن کی فرمائش کے بندہ اس کے کہنے پر آمادہ ہوا دم بدم شوق زیادہ ہوا' چونکہ یہ جلسہ کہنا سب کو مرغوب تھا مگر اپنے نزدیک معیوب تھا اس لحاظ سے اپنا تخلص بدل کر اس میں 'اُستاد' تخلص کیا لیکن لوگوں نے غزلوں کے سبب سے بندہ کا کلام دریافت کرلیا - غرض کہ چودھویں تاریخ شوال کی سنہ ۱۲۶۸ھ میں اندرسبھا اس جلسے کا نام رکھکر بجائے چہار باب چار پریاں قرار دیکر شروع کیا - شہرت گھر گھر ہوئی اہل محلہ کو خبر ہوئی دو شخص اس جلسے کی تیاری پر آمادہ ہوے ہجوم حد سے زیادہ ہوے رفتہ رفتہ بعد ہزاراں ہزار شور و فساد اور حجت و تکرار کے تیرہ برس میں جلسہ تیار ہوا مگر اپنے نزدیک بیکار ہوا

---

* مرزا عابد علی 'عبادت' 'امانت' کے شاگرد تھے - انھوں نے اندرسبھا کے چھپنے کی تاریخ بھی کہی تھی جو اس شرح کے آخر میں موجود ہے —

† 'جلسہ' اس جگہ ناٹک کے معنی میں مستعمل ہوا ہے —

کہ کس ریاض سے ایک درخت لگایا آخر کو اُس سے رنج کا پھل پایا - خیر جو ہوا سو بہتر ہوا اپنا تو یہ قول ہے مصرع :

تقدیر سے گلا ہے کسی سے گلا نہیں

الحمدللہ کہ بھگت کا کوئی نام نہیں لیتا ہے زمانہ اندرسبھا پر جان دیتا ہے شہر میں چاروں طرف یہ جلسہ ہوتا ہے مشتاقوں کے ہوش کھوتا ہے - اس طرح جلسہ کا نثر میں بیان ہو کہ سب کو تصور میں تصویر اندرسبھا کا گمان ہو—

——— (آغاز جلسہ شرح اندرسبھا) ———

جب ساری محفل لوگوں سے بھر جاتی ہے اور آدھی رات آتی ہے ہر شخص قرینے سے پیچھے ہٹایا جاتا ہے اگے کرسیاں رکھی جاتی ہیں تخت بچھایا جاتا ہے - عرصہ کرنا جلسے* والوں کا طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے ہر شخص عین اشتیاق میں ہمہ تن چشم انتظار ہوتا ہے سازندے محفل میں آکر کھڑے ہوتے ہیں ساز ملا کر دوربینوں کے ہوش کھوتے ہیں - سرخ پردہ زر تار مثل لکۂ شفق گلنار محفل میں تانا جاتا ہے راجہ اندر پردے کے پیچھے آ کے ٹھہر ٹھہر کر گھنگرو بجاتا ہے سارنگی چکارے سے ملائی جاتی ہے آمد اس طرح گائی جاتی ہے - شعر:

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

جب آمد تمام ہوتی ہے پردہ اُٹھتا ہے مہتاب چھٹتی ہے راجہ اندر خلعت فاخرہ در بر، کلاہ زرین بر سر، کمر میں دوپٹہ زر تار یا رومال آنچل دار باندھے ہوے دو دیو راس و چپ بشکل عجیب چہرے مہیب، دھانے کھلے ہوے، دانت بڑے بڑے، چپٹی ناک، ہاتھوں میں گرز، بدن میں تنگ پوشاک، محفل پر ہیبت کی نگاہ، ایک کا رنگ سرخ ایک کا سیاہ، وہی راجہ ہمراہ لیکر محفل میں آتا ہے، چوبولہ اپنے حسب حال گاتا ہے، ناچ کا انداز دکھاتا ہے، گھنگرو تال پر بجاتا ہے پھر

---

* 'جلسے والے' یہاں 'اکثر' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے—

صاحب محفل کو سلام کر کے تخت پر بیٹھہ جاتا ہے' پکھراج پری کو یاد فرماتا ہے' ایک دیو پیچھے کھڑا رھتا ہے' دوسرا پری کے لینے کو جاتا ہے - پھر پردہ تنتا ہے' ساز ملائے جاتے ھیں آمد کے شعر اس طرح گائے جاتے ھیں - شعر:

محفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے
سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے

جب آمد گائی جا چکتی ہے پردہ اٹھتا ہے مہتاب چھٹتی ہے پکھراج پری ناز کی بھری اس انداز سے گت ناچتی ہوئی نکلتی ہے کہ عاشق مزاجوں کی بری گت ہوتی ہے' مشتاقوں پر چھری چلتی ہے - چنپئی جوڑا بھاری بیل گوکھرو کرن کی تیاری اس چمک دمک کی اس کے بر میں ہے کہ چکا چوندہ ستاروں کی نظر میں ہے - زردوزی پر اس طرح تیاری کے سانچے میں ڈھلے ھیں کہ باڑ واروز چاہے ھیں گاتی کا دوپٹہ چمک میں برق ہے' کلاہ زرین بالائے فرق ہے' روپ کے ستاروں کے چہرۂ روشن پر جلوے بڑے ھیں گویا کسی نیک اختر نے چاند پر تارے جڑے ھیں - حسن حسینان محفل کا اُس کے آگے گرد ہے' چہرہ ہر ایک کا رشک سے پکھراج کے مانند زرد ہے' مشتاقوں کے دل میں درد ہے' غرض اپنے عالم میں فرد ہے - جب سنہری پیشواز کا دامن توڑوں کے چکر میں ہل جاتا ہے گویا محفل میں گیندے کا تختہ کھل جاتا ہے - سازندوں میں کھڑے ہو کے ایک پاؤں ناز سے آگے دھرتی ہے' اس طرح اپنے حسب حال شعر خوانی کرتی ہے - شعر:

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا
آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا

شعر خوانی تمام کر کے چھند کہتی ہے چھند کے بعد ٹھمری گاتی ہے' ٹھمری کے بعد ہولی کی فصل میں ہولی' نہیں تو غزلیں گاتی ہے' ناچ کا رنگ دکھاتی ہے' محفل کو وجد میں لاتی ہے - راجہ اندر محظوظ کچھہ' فقرے زبان پر لاتا ہے پکھراج پری کو اپنے پاس بلاتا ہے' پہلو میں اُسے بٹھاتا ہے' نیلم پری کو یاد فرماتا ہے

دیو لینے کو جاتا ہے—

پھر پردہ تنتا ہے نیلم پری بلائی جاتی ہے آمد اس طرح گائی جاتی ہے کہ :—

سبھا میں آمد نیلم پری ہے سراپا وہ نزاکت سے بھری ہے

آمد کے بعد پردہ اٹھتا ہے ' مہتاب چھٹتی ہے نیام پری نزاکت بھری اس طرح جھومکر گت ناچتی ہوئی پردے سے باہر آتی ہے کہ محفل میں اودی گھٹا چھا جاتی ہے-نافرمانی جوڑا گلے میں اس طرح کا مغرق ہے کہ ستاروں کا منہ حیرت سے فق ہے' عاشق دل لالا کے قدم پر دھرتے ہیں' اُس گل کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں - سنہری پرادے جوڑے میں اس طرح بازؤں سر اٹھاے ہیں جیسے ایک لکۂ ابر سے دو آفتاب چمک کر نکل آئے ہیں- فرق پر کلاہ پر زر ہے ' جس میں نور کا جلوہ سر بسر ہے- روپ کے ستارے اودی پوشاک میں کیا متصل دمکتے ہیں' عجب تماشا ہے کہ نیلم کے کان میں ہیرے چمتے ہیں- نیلم پری کے رنگ دھنگ نے جوہریوں کے وضو دھیلے کئے ہیں' حسینوں نے رشک سے چباچبا کر نیلم کی طرح ہونٹھ نیلے کئے ہیں-دامن اودی پیشواز کا بتانے کے وقت جب دست نازک میں جھول جاتا ہے' سبھا میں سوسن کا تختہ پھول جاتا ہے - آسمانی پوشاک سے ناچ کی چھل بل میں اس طرح کاسنی کے درخت سے جگنو اڑکر چاندنی میں پھرتے ہیں' سازندوں سے آگے بڑھکے سروں پر چڑہ کے اس طرح شعر خوانی اپنی حسب حال کرتی ہے :—

حوروں کے ہوش اُڑتے ہیں اُڑنے کی شان پر
نیلم پری ہے نام میرا آسمان پر

بعد اس کے دو چھند کہکے ٹھمری کی تانیں لگاتی ہے ' ٹھمری کے بعد غزلیں گاتی ہے' محفل کو رجھاتی ہے' راجہ کا حکم بجا لاتی ہے' راجہ خوش ہوکر طلب کے فقرے سناتا ہے ' نیام پری کو سامنے بلا کر دوسری طرف کرسی پر بٹھاتا ہے' لال پری کو یاد فرماتا ہے' دیو اوڑا ہوا لینے کو جاتا ہے پھر پردہ تنتا ہے '

بنتا ہے ' سازوں سے آواز ملائی جاتی ہے' آمد اس طرح کائی جاتی ہے:—

سبھا میں لال پری کی سواری آتی ہے
جھانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ہے

آمد کا مقطع گا کے پردہ اُٹھتا ہے مہتاب چھٹتی ہے' لال پری شرارت بھری اس انداز سے گت ناچتی ہوئی نکلتی ہے کہ محفل شوخی حسن پر ہاتھ ملتی ہے گلنار جوڑا لعل سے رنگ میں کھرا گوٹی کناری سے بھرا' اس بھڑک سے اُس کے زیب بدن ہے گویا محفل میں سرخ جھاڑ روشن ہے۔ پروں کے تار تار کی تیاری سرخ پوشاک میں اس طرح جلوہ دکھاتی ہے' جس طرح صبح کے وقت شفق کو توڑ کر سورج کی کرن باہر نکل آتی ہے ۔ سر پر کلاہ بہت بھاری ہے' جس میں تولوں مال کی تیاری ہے' گوکہ آفتاب نے کرن میں چھپ کر اُس کی نقل اتاری ہے ۔ اس پر بھی خجالت سے عاری ہے۔ روغن کی چمک روشنی میں چہرے کو چاند کرتی ہے' روپ کی چمکی ستاروں کو ماند کرتی ہے۔ روپ بھرنے لال پری کی چہرے پرخال سفید' سبز'لال کیا بنائے ہیں کہ نکتہ چینوں کے ہوش اوڑائے ہیں ۔ مجھے ان خالوں کی نئی مثال ملی ہے گویا لالہ کے تختے میں افشانی گل دوپہری کھلی ہے ۔ جب پیشواز گلنار' ستارہ دار کا دامن ناچ میں چکر کھا جاتا ہے لالہ زار میں جگنوؤں کا جھرمٹ نظر آجاتا ہے ' گت ناچ کے سازوں سے ملکر گل کی روش کھل کر شعر خوانی اس طرح شروع کرتی ہے :—

انسان کا کام حسن پہ میرے تمام ہے جوڑا ہے سرخ ' لال پری میرا نام ہے

شعر خوانی کہکے چھند زبان پر لاتی ہے ' بند بند پھڑکاتی ہے ۔ چھند کے بعد ٹھمری ' ٹھمری کے بعد ہولی ' ہولی کے بعد غزلیں گاتی ہے' محفل کے دل ہلاتی ہے ۔ جب تھک جاتی ہے تو راجہ اندر تعریف کے کلمے زبان پر لاتا ہے ' لال پری کو اپنے پاس بلاتاہے ' تیسری کرسی پر اشارے سے بیٹھاتا ہے' پھر سبز پری کو یاد کر کے آپ تخت پر سو جا تا ہے۔ دیو پاؤں دبا تا ہے —

اِدھر کا حال تو اِدھر رکھو، اُدھر کا ماجرا سنو کہ سبز پری بارہ سے ابرن، سولہ سے سنگار کر کے جو اپنے باغ سے اُڑی تو چاندنی کی کیفیت دیکھتی ہوئی ہندوستان کے طرف سڑی، عجب چاندنی کا وفور تھا کہ زمانہ پرنور تھا، شعر:

ہراک شے پہ تھا ماہ پر تو فگن　　عجب رات تھی وہ بقول حسن
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا　　وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھرا فلک اور مہ کا ظہور　　لگا شام سے صبح تک وقت نور *

سیر کرتی ہوئی چلی جاتی تھی کہ پر تو ماہ سے روے زمین پر ایک ستارہ سا چمکتا نظر آیا، دل اس کا آتش عشق نے جلایا۔ راہ اُلفت میں سر دست قدم مارا، اپنے تئیں آہستہ آہستہ ہوا سے نیچے اوتار - زمیں کے قریب پہنچکر کیا دیکھتی ہے کہ ایک باغ سر سبز ہے اس کے بیچ میں ایسی ایک لال بارہ دری† ہے کہ ہم سنگ یاقوت ہے، مرجان سے کھری ہے اس کے کوٹھے پر تخت سے اتر کیا عالم نظر آیا کہ سب کو کاردنیا فراموش ہیں، نیند کے نشہ سے بے ہوش ہیں - پچھلا پہر، نور قمر، ہوا کی سنک، کھڑیال کی کھنک، درختوں کی پتیوں کا موج نسیم سے آہستہ آہستہ کھڑکنا، جگنوؤں کا چاندنی میں ہوا پر چمکنا، سکتے میں در و دیوار، سوئے سنسار، جاگے پاک پروردگار۔ چاندنی کہتی ہے کہ آج نکل کے کبھی نہ نکلوں گی - یہ حال دیکھ کر حیران ہوگئی - آگے جو بڑھی تو وہ سفید چاندنی کا فرش پایا کہ چشم انصاف نے چانہ کی چاندنی کو داغ لگایا، ایسا فرش صاف بروے زمین ہے کہ چرس خواب میں بھی نہیں ہے، یہی جی چاہتا ہے کہ ہاتھہ پانوں پھیلا کے سو رہیے۔ ایک طرف کیا دیکھتی ہے کہ چاندی کی صراحیاں اور کوری کوری جھجھریاں سفید مہیں بھیگے ہوئے کپڑے سے لپٹی ہوئیں، ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئیں، چھوٹے چھوٹے سبوداذوں پر

---

* میر حسن کے اشعار نقل کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ امانت نے اندر سبھا کا پلاٹ یا کم سے کم اُس کا یہ حصہ میر حسن کی مشہور زمانہ مثنوی سحرالبیان سے لیا ہو۔

† یہ ایک شہزادے کی خواب گاہ کی تصویر ہے —

دھری ہوئیں ہیں۔ قریب اس کے چوکی پر لوٹا لولٹیہ تھالی جوڑ چاندی کا دھرا ہوا ہے ایک گلاس بلوری الماس تراش اس میں لگا ہوا رکھا ہے - آگے بڑھی تو کیا دیکھا کہ فرش کے کنارے پر پلنگڑی ایک چاندی کی بچھی ہوئی ہے' مخمودی کی چادر کھچی ہوئی ہے' پلنگڑی کے آگے ایک سفید قالیچہ لگا ہوا ہے' تکیے بدستور رکھے ہوے ہیں۔ پلنگ کے پاس ایک نازنیں خواص سفید جوڑا پہنے ہوے چاندی کا پاندان کھول کے پان لگا رہی ہے - نیند جو آئی تو ایک ہاتھہ میں پان رہا ایک ہاتھہ میں چھچی رہی ٹھنڈی ہوا کے جھوکے سے ایسی بے ہوش ہوگئی کہ پٹی پر سر رکھہ کے سوگئی - یہ دیکھہ کے پلنگ پر جو پانؤں رکھا تو ہک دک ہوگئی دیکھا کہ ایک شہزادہ چاند سے نور میں زیادہ' تیرہ چودہ برس کا سن' عروج حسن کے دن اس طرح متوالا نیند میں سو رہا ہے کہ گردن تکیے سے گری ہوئی ہے' مچھلی بازو کی پھری ہوئی ہے' پان دھن نازک میں چبے ہوے ہیں' ہار شانے کے تلے دبے ہوے ہیں' پھولوں کی ہر رگ رخسار نازک میں گڑی ہوئی' لٹ زلف عنبرین کی چہرے پر پڑی ہوئی' ایک ہاتھہ سیلے پر ایک ہاتھہ گھٹنے کے نیچے رکھے بے خبر سو رہا ہے کہ فلک اُس کے انوکھی نیند کے انداز پر نثار ہو رہا ہے بقول شاعر' شعر:

کیا پھیل پھیل سوتے ہیں عاشق کا ڈر نہیں
بارہ برس کا سن ہے ابھی کچھہ خبر نہیں

دو خواصیں باریدارنیاں شہزادہ کی صحبت کا مزہ چکھے ہوے ساق بلورین پر ہاتھہ رکھے ہوئے' ڈر دل سے نکالے ہوے' سر گھٹنوں میں ڈالے ہوے' سر رہی ہے گویا دولت بیدار ہاتھہ سے کھو رہی ہیں - یہ حال دیکھکے سبز پری کو تاب نہ رہی' بے تاب ہوکر شہزادہ کے منہ پر منہ رکھدیا' چہرۂ صاف کا جلوہ دیکھہ کر نشہ عشق کا چڑھا' آسمان کی طرف مخاطب ہوکر یہ شعر امانت کا پڑھا شعر:

فلک یہ تو ھی بتا دے کہ حسن و خوبی میں
زیادہ تر ھے ترا چاند یہ ھمارا چاند

یہ کہکے شہزادہ کے دونوں رخسارے دست نازک سے دباکر ھونٹوں کو سمٹاکر بوسہ لب و دندان کا لیا اور خوب گلے لپٹایا' جب شہزادہ خوب نیند میں کسمسایا تو اس نے زمرد کا چھلہ اپنے ھاتھہ سے اوتار آھستہ شہزادہ کی اُنگلی میں پنھایا اور الگ ھٹ کر یہ شعر 'حسن' کا سنایا' شعر :

کرم مجھہ پہ رکھیو سدا میری جاں
میں دل چھوڑے جاتی ھوں اپنا نشاں

یہ کہہ کے سر سے پانوں تک شہزادہ کے بلائیں لے کے' خدا کی پناہ میں دے کے' ھونٹ دانتوں میں دبائے ھوے' عشق کا تیر کھائے ھوے' صبح ھونے کے ڈر سے خیال عتاب راجہ اندر سے تخت پر بیٹھہ کر اکھاڑے کی طرف روانہ ھوئی —

ادھر کا حال سنو کہ پھر محفل میں سرخ پردہ تانا جاتا ھے تان پر تان اوڑائی جاتی ھے' سبز پری کی آمد اس طرح گائی جاتی ھے' شعر :

آتی نئے انداز سے اب سبز پری ھے
لب سرخ ھیں' پر سبز ھیں' پوشاک ھری ھے

جب آمد کا خاتمہ ھوتا ھے پردہ آتش حسن کی گرمی سے سیماب کے مانند اُڑتا ھے' محفل کا منہ سبز پری کی طرف مڑتا ھے' حسن کی دولت لٹتی ھے' مہتاب رشک آفتاب چھٹتی ھے' سبز پری زمرد سے کھری' اس ناز و انداز سے گت ناچتی ھوئی سامنے آتی ھے کہ لالہ رخوں کی رنگت رشک سے سبز ھوجاتی ھے - گلے میں جوڑا دھانی' سرسبزی کی نشانی ھر پری کی پوشاک سے بھاری' کندنی مال کی تیاری' کیا جلوہ دکھاتا ھے کہ مہتاب ستاروں سے منہ موڑ کر چرخ زنگاری پر زھر کھاتا ھے - سنہری چٹکی دوھری دوھری دھانی پیشواز کی کلی کلی پر وقت رقص جب حرکت میں آتی ھے گویا سبزہ زار میں بجلی کوند جاتی ھے- زمرد کا زیور پہن کر اس طرح

بنی ٹھنی ہے کہ پریوں کا رنگ بگڑا ہے' بنی جان کی جان پر بنی ہے - دھانی پوشاک میں کس بھڑک پر چھریرہ بدن ہے گویا سبز کنول میں شمع روشن ہے - چمکی سلمے کی پر چہرہ پر نور کی ادھر اُدھر بھاری پوشاک میں یوں جواہر کے تولے ہیں گویا مرغ زرین نے فلک پر اُڑجانے کو پر کھولے ہیں - کلاہ سر بلند عقد ثریا سے چمک میں دہ چند چہرۂ نورانی کے پاس یوں سر پر فروغ دکھاتی ہے کہ ہر شمع محفل حسن سے لو لگا کر یہ مطلع امانت کا زبان پر لائی ہے' شعر:

نور رخ کیا جلوہ گر ہے یار کی مندیل میں
ہے چراغ طور روشن عرش کی قندیل میں

روپ کے ستارے جبین و رخسار سبزہ رنگ پر شعلۂ حسن کی بھڑک سے یوں نکاہوں میں گڑے ہیں گویا زمرد کی تصویر کے چہرے پر کسی مرصع کار نے ہیرے جڑے ہیں دھانی جوڑے میں چہرے کے ستاروں سے لوگوں نے یہ ڈھنگ پہچانے ہیں کہ پتنگوں کے بدلے جگنو اس شمع سبز کے پروانے ہیں - آسمان پر ہو ساز کی آواز ہے' گت ناچنے کا وہ انداز ہے کہ زہرہ کو اس کے رقاصی پر ناز ہے - جب توڑا گت میں ایک' دو' تین پر ٹھیک آتا ہے سماں بندھ جاتا ہے' گونگرو کی جھنکار دلوں کو مل جاتی ہے یہاں تک کہ زاہدوں کی بھی منہ سے سم پر آئی آواز نکل جاتی ہے - آتش حسن میں کندن کے مانند تپ کے سازوں میں کھپ کے بجلی کی طرح تڑپ کے شعر خوانی اپنے حسب و حال اس طرح زبان پر لاتی ہے' شعر:

معمور ہوں شوخی سے شرارت سے بھری ہوں
دھانی میری پوشاک ہے میں سبز پری ہوں

شعر خوانی کرکے غزل گاتی ہے غزل گاکے جو دیکھتی ہے تو راجہ اندر کو سوتا پاتی ہے ایک چو بولہ از راہ طعن زبان پر لاتی ہے' پھر اپنے باغ میں جاتی ہے' کالے دیو کو سامنے بلاتی ہے' اپنے عشق کا حال سناتی ہے' شہزادے کو طلب فرماتی ہے' دیو اٹھا لانے کا اقرار کرتا ہے' پتہ دریافت آخرکار کرتا ہے - سبزپری اختر نگر کا نام

لیتی ہے، سبز نگوں چولے کا نشان دیتی ہے، باغ کو گلشن جنت کے روش تیار کرتی ہے، مسند پر بیٹھ کے شہزادہ کا انتظار کرتی ہے - دیو پتہ پاکر ہندوستان کی طرف اُڑا ہوا جاتا ہے، شہزادہ کا سراغ لگاتا ہے - مثل ہے کہ جوینده یابنده، آخرکار بعد جستجو کے اس چاند کے ٹکڑے کو لال محل کے کوٹھے پر مست خواب پاتا ہے، خوشی سے کیا بغلیں بجاتا ہے، پھر سبز پری کے نشان کا چھلا شہزادہ کے ہاتھ میں پاکر گود میں اُٹھاکر سوتا ہوا اُڑا لاتا ہے- باغ میں لاکر سبز پری کے زانو پر لٹاتا ہے پھر سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر یہ کلمے زبان پر لاتا ہے کہ اے پریوں کی جان اپنے معشوق کو پہچان - سبز پری شہزادہ کا منہ کھولتی ہے رخساروں کو تڈولتی ہے صدقے جاتی ہے، یہ چو بولہ خوش ہوکر سناتی ہے کہ:

یہی ہے شاہزادہ میرا یہی ہے میری جان
یہی میرا دلدار ہے میں اس پر قربان

یہ کہہ کے دست نازک سے شانہ ہلاکر چو بولہ درد آمیز زبان پر لاکر شہزادہ کو جگاتی ہے- محفل کو تڑپاتی ہے- شہزادہ جب نیند سے چونک کر ہوش میں آتا ہے، اُٹھتا ہے، گرتا ہے، چاروں طرف بھاگتا پھرتا ہے، ٹھوکریں کھاتا ہے، سرٹکراتا ہے، کوٹھا اپنا ڈھونڈھتا ہے، لوگوں کو یاد کرتا ہے، عزیزوں کا دم بھرتا ہے، زیست سے تنگ آتا ہے، گھبراتا ہے، پھر صدائے پر درد سے بھاگ کی چیز اس طرح زبان پر لاتا ہے کہ مجھے کون گھر سے لایا یہاں- جب اس کے فقرے تڑپ تڑپ کے گاتا ہے، لوگوں کو رلاتا ہے، اہل زمیں کو فلک یاد آتا ہے- گلے میں بھاری جوڑا گلنار ہے، باغ حسن کی بہار ہے، آنکھیں نیند سے لال ہیں، عشاق محو جمال ہیں، متوالی ادا ہے، پیاری بولی ہے، مسکی ہوئی انگرکھے کی چولی ہے، روپ کا گمان چہرۂ پرنور پر بیجا ہے کس واسطے کہ اپنے کوٹھے پر سے سوتا ہوا اُٹھ کے آیا ہے- روپ کس نے لگایا ہے باعث اس کا یہ ہے کہ سبز پری نے جو سوتے میں شہزادہ کے منہ سے منہ ملایا تو اُس کی افشاں کے ستارے اُس کے چاند سے منہ پر پسینے میں چپک گئے ہیں اس وجہ سے تاروں

کی طرح رخسار چمک گئے ھیں جب اس شہانے انداز سے شہزادہ بھاگ کی چیز کا چکتا ھے تو سبز پری ھاتھہ میں ھاتھہ لے کر گھر کا دھیان بھلاتی ھے' باتوں میں لگاتی ھے' باغ کی سیر دکھاتی ھے' نام' مقام' حسب و نسب کا ذکر زبان پر لاتی ھے' شہزادہ لال محل مقام' گلفام نام بتاکے ھندوستان کی سکونت حسب و نسب کی حقیقت کہہ کے پری کے پروں کی طرف جو منہ موڑیا تو تعجب سے ھوش اُڑگیا کس واسطے کہ پری کا سایہ بھی عمر بھر نہ دیکھا تھا - حیران ھوکر چو بولہ میں پوچھا کہ تو عورت کس قوم کی ھے اور دونوں شاخوں پر تیرے کیا نکلا ھے- پری ھنس کر جواب دیتی ھے کہ اے سورکھہ نادان مجھے حیوان نہ جان کہ میں پری ھوں اور یہ دونوں میرے پر ھیں' سبز پری نام ھے' راجہ اندر کے اکھاڑے میں ناچ گانا میرا کام ھے- پھر شاھزادہ نے فرمایا کہ میں کیونکر تیرے پاس آیا - پری نے کہا کہ میں سبھا میں آتے ھوے اثناء راہ میں تجھہ پر عاشق ھوئی' دل کو قرار نہ آیا' کالے دیو کو بھیجکر تجھے اُٹھا منگایا - پھر بے تاب ھوکر شہزادے کے ساعدوں کی طرف ھاتھوں کو پھونچایا اور شعر خوانی کا شعر اس طرح زبان پر آیا' شعر :

سر پہ آنکھوں پہ کلیجے پہ بٹھاؤں تجھہ کو
آ میرے پاس گلے سے میں لگاؤں تجھہ کو

شہزادے نے پری کا ھاتھہ جھٹک کر اس طرح جواب میں شعر پڑھا' شعر :

وصل کی تیری قسم گھر میں ھے کھانا مجھکو
نہ خبردار ابھی ھاتھہ لگانا مجھہ کو

غرضکہ شعر خوانی میں باھم دیر تک رکاوٹ اور لگاوٹ کی باتیں ھوئیں - معشوق کا انکار' عاشق کا اصرار' عجب لطف کی صحبت ھوئی کہ مائل طرفین کی طبیعت ھوئی - باطن میں پری کی طرف سے وصل کا پیغام ھوا' ظاھر میں برھم گلفام ھوا - آخر شہزادہ نے جبر اختیار کیا' اس شرط پر وصل کا اقرار کیا کہ میں نے "اندر کی سبھا" کہانی میں سنی ھے' وہ ھندوستان کے جلسوں

سے سو گُنی ہے، تو وہاں جاتی ہے، فاختی گاتی ہے، میں تیرا مہمان ہوں، گھر کے چھتّنے سے پریشان ہوں، میرا کہنا بجا لا، اندر کے اکھاڑے کی سیر اپنے ساتھہ لے چل کے دکھا لا۔ مجھے وہ لطف کی صحبت نظر آئی، تو تیری بھی امید بر آئی، ہمیشہ صحبت کا دم بھروں، کبھی وصل کا انکار نہ کروں۔ یہ بات سن کے وہ پرکالۂ آتش کانپ کر بولی کہ اے نادان اپنے خدا کو مان کر یہ بات زبان سے نہ نکال، دیدۂ و دانستہ آپ کو بلا میں نہ ڈال، یہ تیرا خیال خام ہے، پرستان میں آدم زاد کا کیا کام ہے۔ راجہ اندر اگر یہ خبر سن پائے گا مجھے پھونکے گا، تیرے دشمنوں کو جلائے گا، اگر نہ جلائے گا تو میری چاہ کا حال سن کر تجھے قات سے قات تک کنوئیں جھنکائے گا، اس ضد سے کیا ہاتھہ آئے گا۔ شہزادے نے یہ بات سن کر پھر تکرار کی، بلکہ طعنہ آمیز گفتار کی۔ پری نے ہزار سمجھایا، یہ کسی طرح راہ پر نہ آیا۔ جب سب طرح سے لاچار ہوا، تو گلا کاٹنے پر تیار ہوا۔ پری دل میں ڈری کہ مبادا یہ اپنا کام تمام کرے، تو مجھے پرستان میں بد نام کرے۔ ہاتھہ ملکر کہنے لگی کہ میری بات تیرے خیال میں نہ آئی، مفت اپنی جوانی خاک میں ملائی۔ عزیزوں کے ملنے سے ہاتھہ اُٹھاتا ہے، شیر کے منہ میں آپ سے جاتا ہے۔ خیر تن بتقدیر کہاں تک سمجھاؤں، چل اندر کی سبھا تجھے دکھا لاؤں۔ اپنی جھلک اکھاڑے میں کسی کو نہ دکھا نا، میں جدھر فاختی ہوئی جاؤں پیچھے پیچھے اُدھر تم بھی جانا۔ جب گھات اپنی پاؤں گی، تمھیں درختوں میں بتّھاؤں گی۔ پھر ہاتھہ بڑھا کر شہزادہ کو گلے سے لپٹا لیا، یہ شعر عالم یاس میں زبان پر آیا۔ شعر

کسی آفت میں یکایک اگر آنا جانی
یاد رکھنا کہ مجھے بھول نہ جانا جانی

یہ کہہ کے اپنے تخت کے پایہ میں شہزادے کو لٹکا کر اکھاڑے کی طرف لے اُڑی—

ادھر کا حال سنو کہ راجہ اندر بیدار ہوا، سبز پری کا طلبگار ہوا۔ سبز پری مع گلفام پھرتی سے فوراً سامنے آئی، چھلد شکایت آمیز زبان پر لائی۔

پرچ کی ٹھہری گائی، پھر غزل گا کے، ناچ کے چھل بل دکھا کے، سب کی آنکھہ بچا کے گلفام سرو قد کو شمشاد کے تلے باغ میں بٹھا آئی، آپ پھر اُسی طرح محفل میں ناچنے لگی۔ اتفاق کی بات دیکھو کہ مثل مشہور ہے کہ "کانے چور کلونڈے بھینٹ" عین اُسی چمن میں لال دیو ورسیاہ سبھا سے نکل کر جی بہلا رہا تھا، باغ کی ہوا کھا رہا تھا، یکایک آدمی کی جو بو آئی، سانس گند سانس گند پکارنے لگا، مستی میں ہاتھہ پاؤں مارنے لگا۔ ایک طرف منہ پھیرا تو کیا دیکھتا ہے کہ شمشاد گُہنہ میں خلات دستور لال پھل لگا ہے۔ جب بغور دیکھا تو آدمی کی ہیئت پا کر کھل کھلا کر روش پر کہنے لگا کہ ایں گل دیگر شگفت، یہ کہہ کے بھورے ریچھہ کے مانند ہبکتا ہوا، بندر کی طرح اُچکتا ہوا راجہ کے سامنے آیا اور ہاتھہ باندھکر شعر مثنوی کے اس طرح زبان پر لایا۔ شعر:

مہاراج کو حق رکھے شاد کام
نئی عرض ہے آج کرتا غلام

جب دیو نے شہزادہ کی راجہ سے چغلی کھائی، سبز پری زرد ہو گئی، شوخی گرد ہوگئی۔ آہ سرد بھر کے عالم یاس میں دیو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ شعر:

نکر لال دیو اس طرح کے کلام
ارے بے مروت زباں اپنی تھام

جب سبز پری یہ کہہ کے کلیجہ پکڑے رہ گئی، تو راجہ نے دیو سے حیران ہوکر کہا۔ شعر:

ارے دیو تو ہے یہ کیا بک رہا
مرے باغ میں کام انساں کا کیا

پھر طبیعت جو جھنجھلائی، طیش کھا کر دیو کو یہ بات سنائی کہ ارے جلد جا کر شعر:

اُسے کھینچ لا پاس میرے شتاب
کہ غصے سے ہے حال میرا خراب

دیو یہ سن کر باغ کی طرف روانہ ہوا، سبز پری کے نظر میں سیاہ زمانہ ہوا۔

دل کو مسوس کر جان کھونے لگی۔ چپکے چپکے رونے لگی - دیو شہزادہ کے آگے جا کر، ہیبت ناک صورت بنا کر استادہ ہوا، بیداد پر آمادہ ہوا - گلفام کی رنگت خوف سے بدل گئی، سن سے جان نکل گئی - دیو نے انجان جان کر، گرز تان کر اس طرح کہا

شعر: بشر ہے کہ جن ہے کہ سایہ ہے تو
پرستان میں کیونکر آیا ہے تو

آخر مرتبہ جھنجھلا کر، آنکھیں دکھا کر، چلا اُٹھا - شعر:

میرے ساتھ چل جلد اے بے شعور
بلایا ہے راجہ نے اپنے حضور

یہ کہہ کے شہزادہ کی کمر میں ہاتھ، ڈال کر بے دردی سے کھینچا اور کشان کشان راجہ کے سامنے لے چلا - کیا انقلاب زمانہ ہے کہ جس نازنیں کا تند ہوا کے جھوکے سے جی سنسناتا تھا وہ دیو کے ہاتھ کے جھٹکے کھاتا ہوا گرتا پڑتا راجہ کے سامنے چلا جاتا تھا - جب راجہ اندر کے تخت کے برابر پہنچا تو دیو نے ہاتھ باندھکر عرض کی - شعر:

حضوری میں حاضر ہے یہ شعلہ خو
مہاراجہ صاحب نگہ روبرو

پھر کہا - شعر:

ستم کیجئے جو سزاوار ہے
کھڑا دست بستہ گنہگار ہے

یہ بات سن کر راجہ خشمناک ہوا اور چشم غضب سے شہزادہ کی طرف دیکھا بقول حسن - شعر:

اُسے دیکھ غصے میں وہ تن گیا
کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا

پھر غصے سے تیوری چڑھا کر گلفام کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس طرح کہنے لگا - شعر:

ارے کون ہے تو ترا کیا ہے نام
سبھا میری کی تونے برہم تمام

پھر کہا - شعر:

بتا حال آنے کا اے درد ناک
جلا کر ابھی ورنہ کر دونگا خاک

یہ سنکر شہزادہ نے نزاکت سے ہانپ کر' بید کی طرح کانپ کر' جی چھوڑ کر' ہاتھہ جوڑ کر اس طرح راجہ کو جواب دیا - شعر:

کہوں کیا فلک کا ستایا ہوں میں
یہاں کھیل کر جی پہ آیا ہوں میں

پھر سبز پری کا اور اپنا حال ظاہر کر کے اس طرح کہا - شعر:

بلا میں ہوا یہاں گرفتار ہوں
جو چاہو سزا دو گنہگار ہوں

یہ بات سن کر راجہ قہر و غضب سے تھرایا اور سبز پری کی طرف مخاطب ہوکر یہ شعر زبان پر لایا - شعر:

ارے او پری سبز او بے حیا
میرے سامنے جلد آ بیحیا

پھر بہت سی لعنت ملامت کر کے کہنے لگا - شعر:

سبھا میں لگالائی انساں کو ساتھہ
ترا اب گریباں ہے اور میرا ہاتھہ

یہ سنکے سبز پری نے خوف سے تھرتھرا کر' حیا سے سر جھکا کر' اشک سرخ آنکھوں سے بہا کر اس طرح راجہ سے عرض کی - شعر:

جفا و ستم کی سزاوار ہوں
حقیقت میں تیری گنہگار ہوں

یہ کہہ کے شہزادہ کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگی شعر:

ارے کیوں ' میں واں تجھہ سے کہتی تھی کیا
نہ مانا میرا ہائے تونے کہا

بیٹھے بٹھائے آپ کو بلائے ناگہانی میں مبتلا کیا' مجھے اکھاڑے میں رسوا کیا۔ دیکھوں راجہ کس بلا میں ڈالے تجھے' خدا کے کیا حوالے تجھے' یہ کہہ کے جو دل نے سینے میں جوش کھایا تو راجہ کا بھی خیال نہ آیا' بھری سبھا میں شہزادہ سے لپٹ کر کہنے لگی' شعر:

جو جیتے ہیں تو پھر بھی مل جائیں گے
نہیں تو کیسے کی سزا پائیں گے

یہ حال دیکھہ کے راجہ آگ ہوگیا اور شعلہ کی طرح تھرا کر لال دیو سے کہنے لگا شعر:

ارے دیو کر قصد بے داد کا
پکڑ ہاتھہ اس آدمی زاد کا

اے دیو وہ جو قات میں پر خطر کنواں ہے' جس سے اُٹھتا دھواں ہے' اسے ابھی اُس میں جاکر قید کر' زیست سے نا امید کر اور سبز پری جو آگے کھڑی ہے' یہ بیسوا خطاوار بڑی ہے' سزا اس کو فی الحال دے' پر و بال نوچ کر ابھی میرے اکھاڑے سے نکال دے' شعر:

اڑاتی پھرے خاک یہ کو بکو
نہ آئے ہمارے کبھی رو برو

یہ سن کر لال دیو غصے سے لال ہوا اور اپنا لٹھا سا ایک ہاتھہ بڑھا کر گلفام کا دست نازک زور سے پکڑا اور دوسرے ہاتھہ سے سبز پری کے پر و بال نوچ کر اکھاڑے سے نکال دیا - پھر شہزادہ کو لے جاکر انعام کی چاہ سے کنوئیں میں ڈال دیا - جب شہزادہ کنوئیں میں بند ہوا' سبز پری کا عشق دہ چند ہوا' جنگل

کی خاک اُڑانے لگی ، بن میں ٹھوکریں کھانے لگی - جب فراق گلفام سے بہت تنگ آئی، طبعیت سے نیا سوانگ لائی ، دل کو جوگ پر آمادہ کیا ، فقیری کا ارادہ کیا - جب یہ صلاح دل سے سردست ہوئی شہزادہ کے یاد میں بد مست ہوئی ، اشعار :

خوش آیا اُسے جوگ کا یہ برن
کہ غش کر گئی وہ بقول حسن
پھر آئے جو کچھہ اس کو ہوش وحواس
سجا تن پہ جوگن کا اپنے لباس
پہن سیلی اور کیروا اوڑھہ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کا بھیس
کئی سیر موتی جلا راکھہ کر
بھبوت اپنے منہ پر ملا سر بسر
پہن ایک لہنگا زری بافت کا
وہ پردہ سا کر اُس تن صافت کا
زری کے دوپٹہ سے چھاتی کو باندھہ
بدن کو چھپا اور گاتی کو باندھہ
نہ سدھہ بدھہ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

ادھر کا حال سنو کہ پھر سرخ چادر محفل میں لگائی جاتی ہے جوگن کی آمد اس طرح کائی جاتی ہے، شعر:

جوگن آتی ہے پری بن کے پرستان کے بیچ
سمرنیں ہاتھوں میں، مندرے ہیں پڑے کان کے بیچ

، آمد ، گانے کے بعد دفعتاً پردہ کا اُٹھہ جانا ، جوگن کا فقیرانہ انداز سے محفل میں آنا ، جوگ کا جوبن دکھانا تازہ قیامت ہے - یہ حال دیکھہ کر مہتاب چرخ نیا

سوانگ لایا کہ ستاروں کی افشاں چن کر صبح کا سفیدہ منہ پر مل کر جوگی کا بھیس بدل کر جوگن کے مقابلے میں آیا، مگر آپ کو اُس کے ناخن پا کی برابر نہ پایا، خجالت سے مرنے جوگی نے خون جگر کھا کر دامن شفق میں منہ چھپایا - سبحان اللہ کس لطف کا عالم ہے کہ وجد میں عالم ہے ، صبح کا وقت ٹھنڈی ہوا ستاروں کا جھلملانا ، شفق کا رنگ دکھانا ، جانوروں کا درختوں پر چہچہانا ، لوگوں کا چاروں طرف سے سمٹ کر محفل میں آنا ، فرش میں چرسیں پڑیں ، شمعیں خاموش کھڑیں، مشعلوں کا رخصت ہونا، خفتہ بختوں کا بیٹھے بیٹھے سونا ایک تماشائیوں کا جوگن پر جان دینا ، حسینوں کا نیند سے جماہیاں لینا ، گلرخوں کے حسن کی تازہ بہار لوگوں کے ہاتھوں میں باسی ہار اُس مجمع میں ایک سے ایک کا انگڑائی لے کر کہنا کہ اب تو لوگ اوپر گرے پڑتے ہیں ، گھر چلو طرت ثانی کا فوراً جواب دینا کہ ابھی بیٹھے رہو ، جوگن کا سماں بھی دیکھ لو - جوبن کی بہار ہے، آنکھوں میں نیند کا خمار ہے یہ جلسہ بھی یادگار ہے، یہاں بیٹھو گے تو لطف اُٹھاؤ گے، گھر جا کے کیا آگ لگاؤ گے - ادھر تو یہ گفتگو یہ چھیڑ چھاڑ ہے ، اُدھر کا عالم سنو کہ سازوں کی بھینی بھینی آواز ، بھیرویں کا شہانا انداز، تالی کی بھرتال، سروں کا خیال ، طبلے کی گمک ، جوڑی کی کھڑک ، ہر لہرا انوکھا ، ہرگت نرالی، چکاروں کی آواز ،شیروں کے غشے ہرن کرنے والی ، جوگن کا سازندوں میں کھڑے ہونا ، محفل کا ہوھو کھونا ، بروگ کی صورت ، بھرتھری کی مورت ، آنکھیں مے الفت سے لال ، شہزادہ گلفام کا خیال - آنسو آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوے ، لٹیں چھٹکائے ہوے ، بھبوت رمائے ہوے ، جتنا چہرہ آپ کو راکھ میں چھپاتا ہے اُتنا جوبن اور جلوے دکھاتا ہے - اوسوقت شعر حسن کا یاد آتا ہے ، شعر :

کرے حسن کو کس طرح کوئی مانند
چھپے ہے کہیں خاک تالے سے چاند

روپ کے ستارے ملے دلے بھبوت کے تلے یوں نظر آتے ہیں جس طرح صبح کے وقت

ابر سفید میں آسمان پر تارے چمک جاتے ہیں۔ انڈوا خوشنما کلغی سمیت اسطرح سر کے بالوں میں بیٹھا ہے جیسے کہ جٹادھاري سانپ سنبلستان میں گنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ حسن بیباک ہررنگ سے مشتاقوں کا قتل کرنے والا ہے ' پوشاک سبز ہے ' دوپٹہ سرخ کفنی بنا کر گلے میں ڈالا ہے۔ گت ناچنے کو ہاتھ اُٹھائے ہیں ' پاؤں نکالے ہیں' حرکتیں نئی ہیں' توڑے نرالے ہیں' وجد میں دیکھنے والے ہیں' سماں بندھا ہے' محفل کا دل لگا ہے۔ دنیا کے مزے فراموش ہیں' کن رس ہمہ تن گوش ہیں۔ جاہل باتیں کرتے ہیں ' عاقل خاموش ہیں۔ زندہ دل گُھنگرو کی آواز پر مرتے ہیں' شیریں دھن ہرتال پر سم کھانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ جوگن جب یہ ٹھمری بھیرویں میں گاتی ہے' ٹھمری :

میں تو شہزادے کو ڈھونڈھن چلیاں
انگ بھبوت جوگن بن ملیاں
چھان پھیری سب گلیاں
میں تو شہزادہ کو ڈھونڈھن چلیاں

محفل کو تڑپاتی ہے بعد اس کے یہ غزل گاتی ہے ' مطلع غزل' :

مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے
اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے

اس غزل سے خوش فہموں کی طبیعت خورسند ہوتی ہے' واہ واہ کی صدا محفل سے بلند ہوتی ہے۔ بھیرکھی لوگ جانوروں کی طرح منہ کھولے گانا سنتے ہیں اور جو کہ اس مذاق سے آگاہ ہیں وہ ہر تان کا خیال کر کے سر دھنتے ہیں۔ دل کی حالت تباہ ہے ' لبوں پر واہ واہ ہے۔ رقص کی شوخی آفت جان ہے ' یہ شعر 'استاد' کا ورد زبان ہے' شعر:

نہ دیکھا ہوگا ناچ ایسا کسی نے
بلا ہے ' سحر ہے' جادو گري ہے

تماشائیوں کا ہر طرف ہجوم ہے ' پرستان میں جوگن کے گانے کی دھوم ہے- یہ رنگ دیکھکر کالا دیو آپ سے کھو گیا' جوگن کے جوبن پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا- فوراً اوڑا ہوا سبھا میں پہنچا' راجہ کے سامنے جاکر جوگن کے حسن کا دم بھرنے لگا ' ہاتھہ باندہ کر اس طرح عرض کرنے لگا' شعر :

خدا راجہ جی کو رکھے شادماں
جو ہو جاں بخشی تو کھولوں زباں
پرستان میں جوگن اک آئی ہے
خلائق سب اُس کی تماشائي ہے

مہاراج وہ جوگن اس انداز سے ناچتی گاتی ہے کہ آواز پر جنوں کی جان جاتی ہے - بھیرویں کی ہر تان فلک کے پار ہے ' دل خدائی کا اس پر نثار ہے' گانا لاجواب ہے ' حسن انتخاب ہے ' چہرۂ گرد آلود میں غضب کی آب و تاب ہے' شعر:

ملی ہے بھبوت اور ہے افشان چنی
نہ دیکھی ہے جوگن نہ ایسی سني

.....

● .....

دیو نے جب یہ کلام شوق آمیز راجہ سے سنا فوراً آداب بجالا کر رخصت ہوا' پرستان میں جوگن کے پاس جاکر کہنے لگا' شعر :

ارے جوگن اب دل میں ہو اپنے شاد
کیا ہے تجھے راجہ اندر نے یاد
مراد اب تیرے دل کی بر آئے گی
جو مانگے گی وہ چیز ملجائے گی

● اس مقام پر ورق کا کچھہ حصہ پھٹ گیاہے اور دوتین سطریں غایب ہوگئی ہیں-

اُس کی سخاوت ایسا تجھے نہال کریگی کہ عمر بھر کسی سے نہ سوال کریگی۔
یہ سنکر جوگن باطن میں خوش ہوئی، ظاہر میں تیوری چڑھا کر، جھانولی بتا کر، ہاتھہ بڑھا کر کہنے لگی کہ اے کل مو ہے، شعر:

یہ باتیں نہ لانا زباں پہ کبھی
فقیروں سے اچھی نہیں دل لگی
بڑا وہ میرا دینے والا ہوا
خوشامد سے منہ تیرا کالا ہوا

غرض اسی طرح رکھائی کے ساتھہ لگاوٹ کی باتیں کر کے چپ ہورہی۔ مثل مشہور ہے کہ "الخموش فیہم راضی" دیو جوگن کو ساکت پاکر گود میں اُٹھا کر بقول حسن، شعر:

زمیں سے اُڑا آسماں کے تئیں
وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں

آن کی آن میں آپ کو سبھا میں پہنچا کر جوگن کو راجہ اندر کے سامنے لیجا کر ہاتھہ باندھکر اس طرح عرض کرنے لگا، شعر:

مہاراج کیجے اِدھر اب نگاہ
یہ جوگن ہے حاضر بحال تباہ
ہر اک تان پر لوٹ جاتا ہے جی
سنا ہوگا گانا نہ ایسا کبھی

یہ بات سنکے راجہ اندر جوگن کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا، شعر:

اری جوگن اے درد کی مبتلا
فقیروں کا کیوں بھیس تونے کیا
سنا اپنا گانا مجھے بھی ذرا
اوڑا بھیرویں چھیڑ یا جوگیا

.....

*.....

گلفام کا سہکے ٹھمری درد آمیز اس طرح بھیرویں میں گانے لگی کہ:

کہاں گیو گیاں شہزادہ جانی پیارا

دل تڑپے رے ہمارا

کہاں گیو گیاں شہزادہ جانی پیارا

یہ ٹھمری اس طرح جوگن نے گائی کہ راجہ کو تاب نہ آئی۔ وجد میں آکر، ہاتھہ بڑھا کر گلوری دینے لگا۔ جوگن تو ایک عیارہ تھی۔ گلوری نہ چھوئی، دل میں سمجھی کہ سرخرو ہوئی۔ آزادوں کی طرح چبا چبا کر جواب دیا، پان ہرگز ہاتھہ میں نہ لیا۔ پھر ہولی بھیرویں میں اس طرح گانے لگی، راجہ کے ہوش اُڑانے لگی کہ:

جو جاے گیاں ایسی ہوری بن سنیاں دیہہ سلگت موری

جو جاے گیاں ایسی ہوری

یہ ہولی مل کر ساز سے، بروگ کی آواز سے اس طرح گائی کہ ساری سبھا کو سکتہ ہو گیا، راجہ آپ سے کھو گیا۔ گلے سے نولکھا ہار اُتار کے ہاتھہ بڑھا کر جوگن کو دینے لگا۔ جوگن باطن میں گل کی طرح شگفتہ ہوئی۔ مگر ظاہر میں غنچہ کی روش تنگ ہو کر، بے کلی سے عشق گلفام میں ہوش کھو کر راجہ کو صاف جواب دیا۔ منہ پھیلا کر ہٹ گئی۔ ہار زنہار نہ لیا، پھر پردہ پردہ میں دل کا مطلب جتانے لگی، غزل بھیرویں میں اس طرح گانے لگی۔ مطلع:

دل کو چین اک دم تہ چرخ کُہن ملتا نہیں

وہ مرا گلفام وہ گل پیرہن ملتا نہیں

یہ غزل جوگن نے اس رنگ سے گائی، کہ محفل میں قیامت آئی، خوش مذاق

* اس مقام پر ورق کا نچلا حصہ پھٹ گیا ہے اور درجنوں سطریں غایب ہوگئی ہیں

اُچھل پڑے، غمزدوں کے آنسو نکل پڑے، زندہ دل جیتے جی مرگئے، چرند و پرند غش کر گئے - غزل کی ہر بیت خوش فہموں کے دل میں گڑ گئی، سبھا میں ہل چل پڑ گئی، بقول حسن - شعر:

رواں اور دواں کر دیا جان کو

رلایا ہر ایک جن و انسان کو

تیسری مرتبہ راجہ نہایت محظوظ ہوکر منہ آنسوؤں سے دھوکر آہ کا نعرہ مار کے شالی رومال کاندھے سے اُتار کے ہاتھ بڑھا کر جوگن کو دینے لگا - جوگن تو اپنے مذاق میں فرد تھی - دل میں کہنے لگی کہ راجہ کا رنگ بے طور ہے اپنے گانے کا اس تختے پر دور ہے، زیر چرخ زر نگاری طمع سے کنارا چاہئے، رومال کو پشم پر مارا چاہئے - ان باتوں کے تار سے دل صد چاک کو رفو کیا، راجہ کو ذو معنی میں جواب دیا رومال ہرگز نہ لیا، ہاتھ باندہ کر کہنے لگی کہ راجہ کے دور میں پلے سے آئی ہوں، جو مانگوں سو پاؤں - راجہ نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے - جوگن نے کہا جو مانگوں سو پاؤں - جب اس طرح تین مرتبہ آپس میں قول و قرار ہوا جوگن کو ضبط راز عشق دشوار ہوا راجہ کو دعائیں دے کر دست نازک سے بلائیں لے کر طلب گلفام میں اس طرح غزل گانے لگی، مطلع :

ہوتا ہے کوئی آن میں اب کام ہمارا

انعام میں دیجئے ہمیں گلفام ہمارا

غزل درخواست گلفام کی جوگن سے سن کر راجہ کے کان کھڑے ہوے، تعجب بڑے ہوے - سبز پری کو پہچان کر گلفام کا عاشق جان کر تیور بدل کر ہاتھ مل کر گھبرا کر کہنے لگا شعر:

ارے لال دیو اس طرف جلد آ

بڑا مجھ کو جوگن نے دھوکا دیا

نکال اب کنوئیں سے تو گلفام کو
حوالے کر اس نیک انجام کو

یہ سن کر سبز پری راجہ کو آداب بجا لائی لال دیو خلاصی گلفام کے لئے چاہ قات کی طرف روانہ ہوا - سر چاہ پہنچ کر تہ کی طرف کان لگائے کہ دیکھوں جیتا ہے یا مر گیا ' ناگاہ یہ آواز اُڑتی ہوئی کان میں آئی کہ ہاے سبز پری تیری چاہ نے مجھے یہ دن دکھایا کہ جیتے جی اندھیرا گور کا نظر آیا ' نہ مونس ہے نہ غمخوار ہے' فقط ذات پروردگار ہے ' دم گھٹ کر لبوں پر آتا ہے ' دل کنوئیں میں ڈوبا جاتا ہے ' کوئی تدبیر نہیں بن آتی ہے ' اب تو جان جاتی ہے - یہ صداے پر درد سن کر لال دیو نے سر دست اپنا ایک ہاتھہ کنوئیں میں ڈالا اور سر کے بال پکڑ کے گلفام کو باہر نکالا - اشعار :

کنوئیں سے جو نکلا وہ گل پیرھن
کہوں حال کیا میں بقول حسن
وہ جیتا تو نکلا ولے اس طرح
کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں
کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
فقط پوست باقی تھا یا استخواں
نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
وہ ناخن جو تھے اُس کے مثل ہلال
سو وہ ہوئے بدر کے بدر کمال
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود
کہ اولجھا ہو جوں ریسمان کبود

یہ حال دیکھہ کر لال دیو حیران ہوا ' پھر گلفام کو کود میں اُٹھا کر سبھلا

میں لے جائو راجہ کا حکم پاکر سبز پری کے حوالے کیا - پہلے تو دونوں عاشق ومعشوق راجہ کو آداب بجا لائے - پھر ہاتھہ میں ہاتھہ لے کر یہ اشعار پر درد زبان پر لائے -

پہلے سبز پری نے کہا ' شعر:

قہر تھا ہجر قیامت تھی جدائی تیری
میرے خالق نے مجھے شکل دکھائی تیری

پھر شہزادہ نے حیران ہوکر کہا ' شعر :

خاک ہے منہ پہ ملی بال ہیں سر کے بکھرے
ہائے اس عشق نے کیا شکل بنائی تیری

غرض اسی طرح شعروں میں اُس نے اُس کا حال پوچھا ' اُس نے اُس کا حال پوچھا - اُس نے اُسے جواب دیا ' اُس نے اُسے جواب دیا - آخر سرتبہ سبز پری نے کہا ' شعر :

ہے تمنا یہ میرے دل میں کہ اب حشر تلک
فضل 'اُستاد' سے دیکھوں نہ جدائی تیری

بعد اس کے سبز پری اور گلفام خوب دل کھول کے آپس میں گلے ملے - پھر سبز پری ارمان جی کے نکال کے شہزادہ کی گردن میں ہاتھہ ڈال کے سب پریوں کو ساتھہ لیکے اس طرح مبارک باد سبھا میں گانے لگی ' شعر :

شادی جلوۂ گلفام مبارک ہوے
عیش و عشرت کا سرانجام مبارک ہوے

پھر یہ مقطع گا کے مبارک باد تمام کی ' شعر :

چھینے شہزادے کو اب راجہ نہ ہمسے 'اُستاد'
یہ 'امانت' سحر و شام مبارک ہوے

تاریخ شرح اندر سبھا طبع زاد مصنف' شعر:

اندر سبھا کی میں نے امانت لکھی جوشرح
فوراً سخن کے جوہریوں کی لڑی نکاہ

وہ تصویر اشعار کھینچی ہے اس میں
کہ بہزاد و مانی کو شرم و حیا ہے
کہی خوب تاریخ تو نے عبادت
مرقع امانت کی اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

(تاریخ از محمد وزیر علی حسرت شاگرد امانت)

لکھا ہے وہ استاد نے یہ فسانہ
کہ جلوہ پرستان کا جا بجا ہے
طرب کا ہے سامان ہر سو مہیا
جہاں دیکھو عشرت کی صحبت بپا ہے
ہر اک شخص کے دل میں دھن ہے خوشی کی
زمانہ کو جلسے کی حسرت سدا ہے
ملاکر سر ساز کہتے ہیں مطرب
پسند خلائق یہ اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

(تاریخ از سید صادق صداقت شاگرد امانت)

کہا ہے وہ استاد نے تازہ جلسہ
صداقت ثنا جو کروں سو بجا ہے
ہر ایک شعر پر جان دیتی ہیں پریاں
وہ بے تاب ہے جن نے اس کو سنا ہے
طبیعت کی رو سے یہ کہتے ہیں منصف
پرستان کی نقل اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

نثر دلپذیر و فقرات بے نظیر ریختہ خامۂ سحر بیان

مولوی محمد یعقوب مدظلہ *

پس از گہر ریزی قلم بدر مضامین آبدار تحمید مبدعی کہ اوراق ابیات وجود کائنات کو ساتھہ شیرازہ بندی ارکان رباعی عناصر کی زینت بخشی اور تنظیم لالی محمدت اُس در یتیم دریاے معرفت کی کہ مطلع قصیدۂ نبوت اُس کی نے بیچ جریدۂ عالم کے خلعت آفرینش کا پایا اوپر راے شائقان مرقع اشکال دل فریب مضامین رنگین و مشتاقان ترانہ سنجی ، عندلیبان خوش الحان فقرات نو آئین دل نشین کی پوشیدہ نر ہے کہ درین ایام فرخندہ فر جام مثنوی سحر بیان پری تمثال و کلام معجز نظام ہم چوحسینان خوش جمال بکمال مسرت و فرح مسمی اندرسبھا مع شرح کہ روبروے بندش الفاظ دل بند و حسن معانی خاطر پسند کی سحر سامری مانند سحر مند سفید نظر آتا ہے - اور آگے عروس مضامین فقرات رنگین نو آئین کے معشوق چرخ زنگاری باوجود آرایش انجم داغ کلف دکھاتا ہے الحق مرقع ہستی کا باین پستی کیوں کر ہمسر فلک نہ ہو کہ ایسی معشوقان الفاظ باز رونق بدر و ہلال کرسی نعین انجمن نظم ہوں اور عاشقان معانی حلقہ بگوش تمناے نظارا جمال مانند سیارہ گان ہر ساعت گرد و پیش رہیں نتائج افکار سر دفتر شعرے عصر سر آمد فصحاے دہر موجد بلاغت سید آغا حسن متخلص بہ امانت کہ روبروے ذہن رسا اُس یگانۂ روزگار کی فکر شعراے ماسبق عاری ہے ترکیب اور ترتیب نثر کیسی نرالی ہے کہ تمام عالم کو لی ہے۔ جس وقت کسی جلسے میں تالیف اُس بہر لطافت کی پڑھی یا دیکھی جاتی ہے سامعین گوہر آب دار مضامین ..... ہیں اور کیا کیا درج دہن ثنا و صفت میں کھولتے ہیں ناظرین رنگ لولوی شاہوار الفاظ..... ہیں کہ نقد حواس کھوتے ہیں.....

---

* اصل کتاب کے آخری ورق کا ایک حصہ پھٹ گیا ہے اس لیے کئی سطروں کے ابتدائی لفظ غائب ہوگئے ہیں۔ ایسے لفظوں کی جگہ پر نقطے لگا دیے گئے ہیں —

سنه یک هزار و دو صد وهفتاد و یک هجری میں حسب فرمائش تاجر عالی تبار صاحب عزت و وقار فتوت منتلی شیخ رجب علی سلمه الله‌تعالی به حسب.....محمد یعقوب غفرالله له علی احسن‌الاسلوب بیچ مطبع محمدی کے بطرز مرغوب و انداز خوش اسلوب رونق طبع پاکے زیب دہ محفل سخن هوئی امید ناظرین پر تمکین سے یه هے که بچشم عیب پوشی ملاحظه فرمائیں اور جهاں سهویا غلطی صنعت چهاپه سے پائیں باصلاح مزین فرمائیں ع :

که هیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

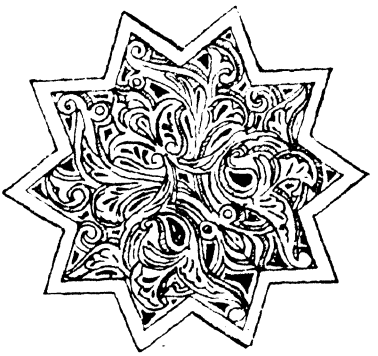

تبصرے

ادب

مضامین شرر جلد ششم و ہفتم ۳۶۷
لمعات نور ۳۶۸
عروس ادب ۳۶۹
سبد گل ۳۷۰
خمخانۂ عشق ۳۷۱
نظم شبیر ۳۷۱
چار سہیلیاں ۳۷۱
بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی ۳۷۲

تعلیم

عافیہ ۳۷۲
خزینۂ معلومات ۳۷۳
صحت کی کہانی ۳۷۳
الکحل اور زندگی ۳۷۴

متفرق

چند پرند ۳۷۳
مجمل فہرست مضامین کتاب مسالمت عثمانی ۳۷۵
ریگولیشن دادرسی اشخاص زراعت پیشہ ۳۷۵

اُردو کے نئے رسالے

مجلۂ عثمانیہ ۳۷۶
حیدرآباد ٹیچر ۳۷۸
صبح سعادت ۳۷۸
غالب ۳۷۹
الامین ۳۷۹
ستارۂ صبح ۳۷۹
یاد گار رضا ۳۸۰
رہبر ۳۸۰
اعجاز ۳۸۱
قانوس ۳۸۱
مخزن ۳۸۱
قوس قزح اور نیرنگ خیال ۳۸۲

ادب

مضامین شرر جلد ششم و ہفتم

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کے مضامین کی آخری دو جلدیں ہیں - سید مبارک علی شاہ صاحب گیلانی کی یہ بڑی اولوالعزمی ہے کہ انہوں نے مولانائے مرحوم کے تمام مضامین کو جو تعداد میں بہت کثیر ہے ہیں، آٹھ سات جلدوں میں شایع کردیا ہے - اُن کا یہ کام بہت قابل قدر ہے اور امید ہے کہ ان کی یہ کوشش مقبول ہوگی -

چھٹی جلد میں جس کا عنوان " تاریخی واقعات پر خیال آرائی " ہے، بہت دلچسپ مضامین ہیں - مولانا کے لکھنے کا ڈھنگ خاص تھا، تاریخ میں ان کی نظر غائر تھی - تاریخی روایتوں کو وہ بعض وقت قصے کی صورت میں ایسی خوبی سے لکھ جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو تاریخ کے پڑھنے سے زیادہ لطف آجاتا تھا - اس جلد میں بعض مضمون بہت ہی خوب ہیں - مثلاً ہارون الرشید کے دربار میں ہندوستانی تحفہ، ہندوستان کا ایک دلچسپ مناظرہ، ہندوستان کا اسپارٹا سلیم آباد، عربوں کی جمہوریت پسندی، ایک چھوٹے ذرے کی سرگزشت، پہلی صدی کا مرتد وغیرہ —

ساتویں جلد میں مولانا کی نظمیں اور ڈراما ہے - آج کل کے لوگ مولانا کے تخلص سے تو واقف ہیں مگر یہ بہت کم صاحبوں کو معلوم ہے کہ تخلص برائے بیت نہ تھا بلکہ ابتدا میں انہوں نے نظم کی بھی مشق کی ہے - فاضل مرتب نے تلاش سے کئی نظمیں جمع کرلی ہیں - ڈراما بلینک ورس یا نظم غیر مقفیٰ میں ہے - نظمیں سوانح نگار کے لئے ایک حیثیت رکھتی ہیں ورنہ شاعری کے لحاظ سے اُن کا پایہ بلند نہیں ہے - اس لئے ڈراما بھی بہت زیادہ کامیاب نہیں رہا ہے - اسی جلد میں اُن کے بعض متفرق مضامین

بھی جمع کردئے ھیں - مثلاً نیچرل شاعری، ھیرامن طوطا، مانی وغیرہ —

مولانا شرر کے مضامین بہت بڑا ذخیرہ ھیں جو معلومات اور دلچسپی دونوں سے لبریز ھے - چونکہ مولانا کا انتقال حال ھی میں ھوا ھے اور اُن کے قدردان ملک میں کثرت سے ھیں، اس لئے امید ھے کہ یہ مضامین بہت شوق سے پڑھے جائیں گے —

لمعات نور

منتخبۂ ماسٹر نورالدین صاحب 'نور' - ڈرائنگ ماسٹر سنٹرل ٹریننگ کالج لاھور

ملنے کا پتہ: حافظ قمرالدین اینڈ سنز، تاجران کتب موچی دروازہ لاھور

حجم ۲۸۰ صفحے - قیمت فی جلد مجلد پانچ روپئے

یہ اردو کے شعرا کے کلام کا انتخاب ھے - لیکن انتخاب مضامین کے اعتبار سے ھے - اس میں شک نہیں کہ نور صاحب نے بڑی کاوش اور محنت سے یہ مجموعہ تیار کیا ھے اور بہت کم ایسے خیالات اور مضامین ھوں گے جس کے تحت میں انہوں نے کسی نہ کسی کا کلام نہ دیا ھو بلکہ اس باب میں انھوں نے یہاں تک مبالغہ کیا ھے کہ بعض اوقات شعر میں کسی لفظ کے آجانے سے وھی اس کا عنوان قرار دیدیا ھے حالانکہ اس سے شعر کو کوئی خاص تعلق نہیں ھے - مثلاً "ٹپکا" کے تحت میں یہ شعر ھے:

آنکھوں میں دوں اُس آئینہ رو کو جگہ ولے
"ٹپکا" کرے ھے بس کہ یہ گھر نم بہت ھے یاں

نہ شعر کچھ زیادہ قابل تعریف ھے اور نہ عنوان کچھ مناسب ھے - یا

"سوار"

ملیں گے راھدان خشک کیونکر بادہ خواروں میں
کبھی گنتی نہ ھوگی ان پیادوں کی سواروں میں

"مزے"

روز رخسار کے لیتا ھوں مزے خوبوں کے
بہتر اس سے حجام، ھنر کیا ھوگا

"قرر"

بادل گرجے بجلی چمکی مینہ کے قرر سے بھائی توبہ .

اس قسم کے عنوان قائم کرکے اشعار کا انتخاب کرنا ایک قسم کی دل لگی معلوم ھوتی ھے-

ہوتی ہے۔ لیکن یہ لغزش صرف انہیں مقامات پر ہوئی جہاں ایک یک دو شعر انتخاب کرکے عنوان قائم کئے ہیں —

مگر ہم نور صاحب کی محنت اور سلیقے کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اشعار اور نظموں کا اس کثرت سے انتخاب کیا ہے کہ تقریباً اس مضمون کے اشعار اور نظمیں اس مجموعے میں آگئی ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف عنوانات کی فہرست (جو نہایت باریک قلم سے لکھی ہوئی ہے) پورے آٹھ صفحوں پر آئی ہے۔ متقدمین (میر و درد کے زمانے سے) و متاخرین سب ہی کا کلام ہے۔ متاخرین کا کلام بہت زیادہ ہے کیوں کہ مسلسل نظمیں زیادہ تر زمانۂ حال کے شعرا میں ملتی ہیں۔ نور صاحب نے مشہور و غیر مشہور ' بڑے چھوٹے کا بھی امتیاز نہیں کیا ' جس کا جو کلام درج کردیا ہے اور عنوان کے نیچے ٹھیک بٹھا دیا ہے۔ اور از راہ لطف خاص ناظرین کو اپنے کلام کے لطف و حظ سے بھی محروم نہیں رکھا۔ بعض نامور شعرا کی تصویریں اور اُن کے مختصر حالات بھی درج کردئے ہیں۔ کتاب کی چھپائی لکھائی اور خوبصورت بنانے میں بہت اہتمام کیا گیا ہے۔ سرورق بہت خوش نما ہے۔ کتاب مجلد ہے اور خوبصورت ہے —

آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب نے چھوٹا سا ایک دیباچہ بھی لکھا۔ کیا اچھا ہوتا اگر قابل مرتب فہرست عنوانات کی طرح اُن شعرا کی بھی فہرست درج کر دیتے جن کے کلام کا انتخاب اس کتاب میں کیا گیا۔ اور ہر شاعر کے نام کے سامنے اُن صفحات کا نشان بھی لکھ دیتے جہاں جہاں اس کا کلام ہے۔ اس سے اس کتاب کی قدر اور بڑھ جاتی —

عروس ادب

(یہ ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی کے مضامین کا مجموعہ ہے —
۲۲۴ صفحے مجلد قیمت تین روپئے)

سید ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی جو آج کل رام پور ہیں ' کچھ عرصہ پہلے حیدرآباد میں تھے اور وہاں سے رسالہ ذخیرہ نکالتے تھے۔ ریاست حیدرآباد میں اپنے وقت کا یہ ایک ہی رسالہ تھا اور جب تک نکلا خوب نکلا۔ اس لئے ہوش ہمارے تعارف کے محتاج نہیں۔ اس مجموعے میں انہوں نے اپنے اُن مضامین کو جمع کیا ہے جو ذخیرہ میں یا وقتاً فوقتاً دوسرے اخبارات اور رسالوں میں شایع ہوے ہیں۔ یہ مضامین

مختلف عنوانات کے تحت میں ہیں - یعنے اخلاقیات ' ادبیات-تاریخ'سیاسیات - ان کل مضامین کی تعداد ۳۲ ہے - مضامین دلچسپ ہیں اور بعض بعض مفید بھی ہیں جن کے پڑھنے سے معلومات کا اضافہ ہوتا ہے - کچھہ اِدھر اُدھر کی گپ ہے - لیکن جو کچھہ لکھا ہے اس سے مؤلف کا ذوق ادب ضرور پایا جاتا ہے - آپ نے سیاسیات پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے-لیکن اُن مضامین میں شاید ایک بھی سیاسی نہیں کہا جا سکتا - لیکن لطف سے خالی یہ بھی نہیں —

کتاب ہز ہائینس نواب صاحب رام پور کے نام معنون کی گئی ہے - لیکن کتاب کے شروع میں تصویر ہوش صاحب نے صرف اپنی ہی دی ہے - ہمیں اُمید ہے کہ جو صاحب ہوش صاحب کے ذوق کلام اور پر لطف طرز تحریر سے واقف ہیں وہ ضرور اس مجموعے کی قدر کریں گے —

سبد گل

(مجموعۂ کلام جناب مولوی سید اولاد حسین صاحب شاعر لکھنوی' مصاحب خاص و واعظ دربار حامدی ریاست رام پور - قیمت ایک روپیہ
پتہ سید ابن الحسن صاحب بازار ملا ظریف' رام پور)

اُردو شاعری کا رنگ روز بروز بدلتا جاتا ہے' یہاں تک کہ جو لوگ سوائے غزل کے کبھی کچھہ نہیں لکھتے تھے وہ بھی اب مظاہر قدرت اور فطرت انسانی کو آنکھہ کھول کے دیکھنے لگے ہیں اور نئی نئی نظمیں لکھنے لگے ہیں - ہمارے نوجوان شاعر مولوی سید اولاد حسین صاحب نے جو وعظ و حدیثخوانی میں اپنے قدردانوں کے حلقے میں خاص شہرت رکھتے ہیں' بہت ہی اچھی شاعرانہ طبیعت پائی ہے اور بلا تکلف ہر مضمون پر لکھنے کی قدرت رکھتے ہیں - اس مختصر مجموعے میں اُن کی مختلف قسم کی نظمیں ہیں - سب سے اول ایک قصیدہ "ظفر نامہ" کے نام فرمانروائے ریاست رام پور کی مدح میں ہے جس سے اُن کی زور طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے - اس کے بعد ہمارا وطن' گنگا' نمود صبح' تاروں بھری رات' برسات' جمال' شاعر' نور جہاں' محبت' میدان ریف' دوشیزۂ کوہسار وغیرہ پر بڑی اچھی نظمیں ہیں - ان کے کلام میں روانی اور شوکت دونوں پائی جاتی ہیں—

خمخانۂ عشق

(حاشی مولا بخش صاحب همدرد ڈراما ٹسٹ کی نظموں کا مجموعہ ہے ۔
اسٹار پبلشنگ ٹیپھر روڈ کراچی)

شروع میں چند نظمیں ایسی ہیں جن میں شاعر نے قومی جذبے اور درد کا اظہار کیا ہے ۔ باقی حصہ غزلیات کا ہے ۔ ہمدم صاحب کا دم کراچی میں بہت غنیمت ہے اور انجمن ترقی اردو کراچی کو ان کی ذات سے بہت کچھ فیض پہنچتا ہے —

نظم شبیر

(مجموعہ کلام جناب سید علی شبیر صاحب سررشتہ دار انتظامی
ہائی کورٹ حیدر آباد دکن)

اس مجموعہ میں قصائد ، غزلیات ، قطعات ، رباعیات ، ترکیب بند ، مسدس ، مخمس ، مثنویاں ، متفرق نظمیں اور نوحے شامل ہیں ۔ حضرت شبیر کے کلام میں روانی کے ساتھ زبان کی خوبی بنی پائی جاتی ہے ۔ روز مرہ کی زبان بڑی بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں اور متروکات کی ان قیود کے پابند نہیں ہیں جو زمانۂ حال کے ایک گروہ نے اپنے اوپر خواہ مخواہ عائد کرلی ہیں ۔ اُن کی اکثر نظمیں زمانہ کے واقعات اور واردات پر ہیں ۔ طبیعت میں شوخی اور ظرافت بھی ہے ۔ بعض نظمیں بہت پر لطف اور مزے کی ہیں ۔ ایسی نظمیں بھی اس مجموعے میں ملیں گی جن میں پردے ہی پردے میں بہت سے اخلاقی اور معاشرتی نکتے آگئے ہیں ۔ ہمیں ان نظموں کے پڑھنے سے خوشی ہوئی کہ اب اردو نظم کا میدان وسیع ہوتا جاتا ہے —

چار سہیلیاں

(مؤلفہ ایم ۔ اسلم صاحب ۔ نسیم بک ڈپو ، بازار بارود خانہ ۔ لاہور)

جناب اسلم صاحب نے یہ چار کہانیاں (طلسمی انگوٹھی ، کالی پتری ، گل لالہ ، طلسماتی صراحی) اپنی مرحوم بچی اصغری کی یادگار میں لکھی ہیں ۔ کہانیاں بہت

دلچسپ ہیں اور لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے بہت اچھی ہیں اور صاف ستھری عبارت میں لکھی ہوئی ہیں۔ کئی ایک رنگین اور سادہ تصویریں بھی ہیں۔ کتاب کے آخر میں اصغری کی یاد میں تین نظمیں بھی ہیں —

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی

(مؤلفہ منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب بی اے۔ ایچ
منصف کنوت۔ حیدرآباد دکن۔ قیمت چھ آنے

مولوی شمس الدین صاحب نے یہ مثنوی بیواؤں کے حال زار پر لکھی ہے اور اپنے خیالات کو اپنی زبان میں ادا کیا ہے

تعلیم

عافیہ

(مؤلفہ مولوی محمد ظفر الدین صاحب سپنیر مدرس مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ
بانکی پور۔ قیمت ساڑھے پانچ آنے)

قابل مؤلف نے یہ رسالہ عربی صرف پر لکھا ہے اور تمام ضروری مسائل صاف زبان میں بیان کئے ہیں۔ مدارس کے طلبہ کے لئے بہت مفید معلوم ہوتا ہے —

خزینۂ معلومات

(مؤلفہ شیخ عبدالحمید صاحب ایم - اے، لکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور
و مولوی محمدالدین صاحب بی - اے، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول
شیرانوالہ گیٹ، لاہور)

یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے اور مدارس کے طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے - لیکن مبتدیوں کے لئے نہیں بلکہ بڑی عمر کے طالب علموں کے زائد مطالعہ کے لئے ہیں - اس کے مضامین بہت ضروری اور کار آمد ہیں جن کا جاننا ہر فرد بشر کے لئے لازم ہے - علاوہ اس کے واقفیت عامہ کے بہت اچھے اچھے سبق ہیں - آخری جلدوں میں ہندوستان کی طرز حکومت، بینک، تجارت اور خاص کر شہرت پر بہت عمدہ مضامین ہیں - یہ صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ عام لوگوں کے مطالعہ کے لئے بھی بہت مفید ہیں، اور جیسا کہ کتاب کا نام ہے یہ حقیقت میں خزینۂ معلومات ہے -

---

صحت کی کہانی

(مصنفۂ مسٹر ای مارسڈن، مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی،
ایم - اے، ایل ٹی - صفحے ۲۶۴، قیمت ایک روپیہ
میکملن اینڈ کمپنی)

اس کتاب میں قصے کی صورت میں صحت کے قاعدے اور بیماریوں سے بچنے کے طریقے بتائے ہیں - موقع موقع سے تصویریں بھی دی ہیں - ہمارے ہاں لوگ ابھی صفائی اور صحت کے قاعدوں سے نا واقف ہیں اور اس لئے بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ کتاب دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی - قصے کا قصہ ہے اور دستورالعمل کا دستورالعمل —

میکملن اینڈ کمپنی نے بہت اچھے چکنے کاغذ پر چھاپی ہے - مدارس کے لئے خاص کر بہت کار آمد ہے - ترجمے کی عبارت صاف اور آسان ہے —

الکحل اور زندگی

(مترجمہ جناب حامد حسن صاحب قادری اڈیٹر اخبار سعید کانپور
صفحے ۱۴۰ قیمت ۱۲ آنے)

آج کل دنیا میں شراب نوشی کے مسئلے پر بہت بحثیں ہو رہی ہیں۔ اس کتاب میں بڑی خوبی اور صفائی سے یہ بتایا ہے کہ الکحل کو ہماری زندگی میں کیا دخل ہے اور ہمارے جسم، اخلاق اور معاشرت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ بہت دلچسپ اور ضروری مضمون ہے اور علمی طور سے اس کا جاننا بیحد مفید ہے۔ جا بجا نقشوں اور تصویروں سے مضمون کے مطالب کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نسخہ ہر گھر اور مدرسے میں رہنا چاہئے—

متفرق

چند پرند

(مؤلفہ مرزا سلیم بیگ صاحب۔ حیدرآباد دکن دفتر رسالۂ نمائش
حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے)

اس چھوٹی سی خوبصورت کتاب میں شروع میں پرندوں کے جسم و اعضا کے متعلق ضروری معلومات ہیں۔ پہلے باب میں چڑی مار اور چڑی مار کے فن پر بحث ہے۔ دوسرے باب میں پرندوں کا بیان اور اُن کی شکل و شباہت کا ذکر ہے۔ اس میں ابلقے، اگن، ہریرے، بلبل، بٹے، بٹیر، بھنگراج، تیتر، پدا، پدڑی، پپیہا، پپئی میلنا، جھانبل، چنڈول، خنجن، دیہ، رجی، شما، کاکا توا، طوطا، شین باز، طوطی، فاختہ، کلچڑا، کوئل، کنیری، گلدم، میلنا، ہدہد، نرئس وغیرہ کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں پرندوں کی داشت اور اُن کی ضرورتوں کا حال ہے۔ چوتھے باب میں پرندوں کے امراض

اور علاج بتائے ھیں -

کتاب پر لطف اور پڑھنے کے قابل ھے - یہ کسی اتائی کی لکھی ھوئی نہیں بلکہ مرزا صاحب نے ایک عمر اسی میں صرف کی ھے اور ان پرندوں کے حرکات سکنات اور اُن کے افعال و خواص پر غور کیا ھے - یہ سب کے سب یا تو خوبصورت یا گانے والے پرندے ھیں اور ان کی صحبت سے انسان کی مسرتوں میں اضافہ ھوتا ھے - خاصکر لڑکے لڑکیوں کے لئے یہ بہت ھی اچھا تحفہ ھے تا کہ ابھی شروع ھی سے دماغ اور آنکھوں سے کام لینے کی عادت پڑے - تعلیم کی تعلیم ھے اور شوق کا شوق —

کتاب اچھی چھپی ھے اور تصویریں نہایت عمدہ ھیں

مجمل فہرست مضامین کتاب مسالمت عثمانی

(مؤلفہ مولوی عبدالوھاب صاحب عندلیب مدیر رسالۂ واعظ - حیدرآباد دکن)

یہ اُن مضامین کی مجمل فہرست ھے جس کی تفصیل میں " مسالمت عثمانی درج ھے - یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں لکھی گئی یا لکھی جانے والی ھے - مضامین کی فہرست دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ بڑی جامع کتاب ھوگی اور اس سے بہت سی غلط فہمیاں رفع ھوں گی - مقصد اس کتاب کا یہ ھے کہ ریاست حیدرآباد میں اعلیٰ درجے کی رواداری برتی جاتی ھے - مضامین دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ مؤلف نے کتاب بڑی محنت اور جانکاھی سے تیار کی ھے - لیکن چوں کہ کتاب ھمارے سامنے نہیں اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ترتیب اور تحریر میں کہاں تک کامیابی ھوئی ھے —

ریگولیشن داد رسی اشخاص زراعت پیشہ

(مرتبۂ جذب نور الٰہی محمد عمر صاحبان - جموں ، ریاست کشمیر)

اس کاروبار اور تجارت کے زمانے میں سود سے بچنا محال ھے - لیکن نا واجب سود سے ملک پر جو بلا نازل ھوئی ھے اس کا انسداد نہایت ضروری ھے - ھمیں یہ دیکھہ کر

بہت خوشی ہوئی کہ ریاست کشمیر کے روشن خیال فرمان روا ہز ہائنس مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر کے عہد میں زراعت پیشہ جماعت کو اس موذی رسم سے بچانے کے لئے ایک ضابطہ تجویز کیا گیا ہے اور ریاست میں اس کا نفاذ کیا گیا ہے اور اس کی نگرانی کے لئے انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں - امید ہے کہ اس کی تقلید دیسری ریاستوں نیز برطانوی علاقے میں بھی کی جائے گی -

اس ضابطے کے مرتب کرنے والے ہمارے دوست محمد عمر نور الہی صاحبان ہیں جلھوں نے اردو ادب میں ڈرامے کی تنقید و تحریر سے امتیاز حاصل کیا ہے - ان کا یہ کام اس ریاست کے لئے جہاں کے باشندے خوار ہیں زیادہ مفید ہوگا - کیا اچھا ہو کہ وہ اس پر ایک ڈرامہ لکھ ڈالیں - یہ مضمون ڈرامے کے لئے بہت موزوں ہے —

شروع میں سود اور سود خوار کی تاریخ پر بحث کی ہے ' اس کی مختلف قسمیں بتائی ہیں جو اس ملک میں رائج ہیں- اس کے بعد وہ قانون ہے جو ریاست کشمیر میں نافذ ہوا ہے - اس کے پڑھنے سے اس مسئلہ میں بہت کچھ بصیرت ہوتی ہے -

—— ⊙ ——

اُردو کے نئے رسالے

مجلۂ عثمانیہ

یہ سہ ماہی رسالہ جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ کا ہے اور اس کے ایڈیٹر بھی طالب علم ہیں - البتہ مجلس نگرانی میں صرف پروفیسر ہیں (اور ہونا بھی یہی چاہئے) یعنے ایک صدر صاحب کلیۂ جامعۂ عثمانیہ اور دو اور پروفیسر - گویا طلبہ اور پروفیسروں کی باہمی کوشش سے مرتب ہوتا ہے - رسالہ شاندار ہے ' ضخیم ہے ' اچھا چھپا ہے ' مضامین کے لحاظ سے طلبۂ کلیہ کی سعی بہت غنیمت اور قابل تعریف ہے -

جامعہ کو قایم ہوئے کوئی سات سال کا عرصہ ہوتا ہے اور اسی وقت سے اس کی کھچڑی پک رہی تھی ' ارادے ہو ہو کے رہ جاتے تھے مگر اس میں ہاتھہ ڈالنے کی ہمت

نہوئی تھی۔ اخبار یا رسالہ کا نکالنا آگ سے کھیلنا ہے - شکر ہے کہ سات سال کی مدتوں اور آزمائش کا یہ نتیجہ نکلا جو ہمارے سامنے ہے اور جسے دیکھ کر ہمیں حقیقی مسرت ہوئی —

رسالہ اُردو اور انگریزی دو زبانوں میں ہے - لیکن اردو حصہ انگریزی سے کئی گنا زیادہ ہے - ان دو کا میل اب تک کہیں کامیاب نہیں ہوا لیکن یقین ہے کہ یہاں اسے ایسی ہی کامیابی ہوگی جیسی خود جامعہ کو ان دونوں کے ملاپ سے ہوئی ہے —

مضامین قسم قسم کے ہیں - نثر کے ساتھ نظم بھی ہے اور نظم میں غزلیں بھی —

اُردو کا حصہ بالکل ادبی ہے - لکھنے والوں میں طالب علم بھی ہیں، اساتذہ بھی اور باہر والے بھی - لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ طلبہ کے مضامین اساتذہ کے مضامین سے بہتر ہیں —

انگریزی حصے میں ایک مضمون غالب کے متعلق بھی ہے - جب سے مولانا حالی مرحوم نے غالب پر اپنی یادگار کتاب لکھی ہے غالب کی قدر روز بروز بڑھتی گئی اور اس کے بعد مختلف حضرات نے اس پر مضمون اور رسالے اور شرحیں لکھیں اور ان کا سلسلہ اب تک جاری ہے - اس مضمون میں زیادہ تر یادگار غالب اور محاسن (مصنفہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم) کی تنقید و تنقیص ہے - آخر میں قابل مضمون نویس ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے موجودہ تحریروں سے بیزاری ظاہر کر کے یہ تجویز فرمائی ہے کہ چند قابل ادیب اس کام کو صحیح علمی طریقے پر انجام دیں - لیکن وہ طریقہ ظاہر نہیں فرمایا - بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب یہ مضمون اردو میں تحریر فرماتے تاکہ وہ حضرات بھی اس سے مستفید ہوسکتے جو اردو نہیں جانتے اور اس کی انگریزی میں لکھنے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ شروع سے آخر تک انہیں تحریروں اور کتابوں سے بحث کی گئی ہے جو اُردو میں ہیں- مناسب تو یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب کم سے کم نمونے کے طور پر غالب پر کچھ خامہ فرسائی فرمائیں - یہ مضمون اس سے پیشتر کلکتے کے کسی انگریزی اخبار میں شایع ہوا تھا وہاں سے اس مجلے میں نقل کرلیا گیا ہے —

ہماری رائے میں یہ بہت مناسب ہوگا کہ مجلس نگرانی میں اردو کے کسی صاحب ذوق ادیب کو بھی شریک کرلیا جائے تاکہ اس قسم کے جملے یا فقرے (جو نیچے لکھے جاتے ہیں) انتخاب کے وقت نظرثانی کر دئیے جائیں —

۱- " رنگین کی رنگریلیاں " (پروفیسر ڈاکٹر نیونگ)

غالباً رنگ رلیوں سے مراد ہے —

۲- " اس عالم میں سب سے پہلی شوخی بنگیں نے دکھائی وہ سرھند میں شکم مادرے سر نکالنا تھا (پروفیسر ڈاکٹر نہرنگ)

اس میں ندکوئی ظرافت ہے نہ حسن بلکہ سراسر بد ذوقی ظاہر ہوتی ہے -

۳- " لنگوٹی آشنا " (پروفیسر ڈاکٹر نیرنگ)

بے معنی ہے - محاورہ " لنگوٹیا یار " ہے -

۴- " اس کی اصلیت زندگی کے دیگر اساسی وجدانات کی طرح محسوس کرنے والے کے لئے سب سے زیادہ بد یہی ہونے کے باوجود خانۂ منطق کے لئے حلقۂ بیرون در ہے " - (شاعری اور شاعر)

کس قدر صاف اور سلیس بیان ہے -

یہ چند مثالیں نمونے کے طور پر لکھ دی گئی ہیں -

سالانہ چندہ چھ روپئے ' طلبۂ قدیم سے پانچ روپئے -

حیدرآباد ٹیچر

[انجمن اساتذہ حیدرآباد دکن کا سہ ماہی رسالہ سالانہ قیمت تین روپیہ]

یہ رسالہ انجمن اساتذہ حیدرآباد کی جانب سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - آدھا انگریزی اور آدھا اردو ہے - مضامین یا تو تعلیم کے متعلق ہیں یا ایسے جو طلبہ اور اساتذہ کے لئے مفید ہوسکتے ہیں - نہایت عمدہ کاغذ پر طبع ہوتا ہے - ہماری رائے میں اردو حصے کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے -

---

صبح سعادت

[سالانہ قیمت دو روپیہ - الہلال بک ایجنسی شہر انوالہ دروازہ ' لہور
ایڈیٹر حافظ سید احمد صاحب]

سہ ماہی رسالہ ہے اور اسی سال کے شروع سے نکلا ہے - اس کے مضامین اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ہوتے ہیں اور یہی اس کا مقصد ہے - فسانہ اس رسالہ سے بری

نہیں چھپتا مگر اس میں بھی مذہبی شان نظر رکھی ہے - مضامین اوسط درجے کے ہیں-

غالب

(اڈیٹر مرزا شجاع صاحب' مروی - سالانہ قیمت تین روپئے - امرتسر پنجاب)

یہ ماہانہ رسالہ امرتسر سے نکلا ہے - جیسا کہ اس کے سر ورق پر لکھا ہے "اردو کی علمی و ادبی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ" ہے- اور قواعد و ضوابط میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ "روکھے پھیکے" مضامین شایع نہ ہوں گے - پہلا ہی مضمون "غالب اور صہبائی" کا موازنہ ہے جس کی ابتدا ہی میں یہ لکھا ہے کہ "غالب کے صفحات میں مرزا غالب اور ان کے چیدہ چیدہ معاصرین کے کلام کا باہم موازنہ کریں گے" - اس کے بعد غالب کے فارسی اور اردو کلام کا کچھ انتخاب ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کے نام کو مرزا غالب سے ضرور کوئی معنوی مناسبت ہے - تمام مضامین کسی نہ کسی حیثیت سے ادبی تعلق رکھتے ہیں —

الامین

(ماہانہ - سالانہ قیمت تین روپئے آٹھ آنے- اڈیٹر حافظ سید شاہ محمد شفیع فردوسی اور حکیم سید شاہ محمد الیاس ریاس - بہار شریف)

یہ رسالہ صوبۂ بہار سے شایع ہوا ہے - اردو زبان کو اس سے خاص تعلق ہے- اخلاقی اور ادبی مضامین کا مجموعہ ہے - بہر حال بہت غنیمت ہے - صوبۂ بہار میں اردو کے اچھے رسالے کی ضرورت ہے - امید ہے کہ وہاں کے اہل علم اسے بہتر اور زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں گے—

ستارۂ صبح

(ماہانہ چیف اڈیٹر موہن سنگھ صاحب- ایم- اے- سالانہ چندہ دو روپئے- کانپور)

یہ تھیو سو فیکل سوسائٹی کا ماہانہ رسالہ ہے اور اس کے تمام مضامین بھی تھیو سوفی کے متعلق ہوتے ہیں - یہ رسالہ ایک خاص مقصد رکھتا ہے اور اپنی جماعت

کے لئے کام کرنا چاہتا ہے - یہ اس کچھہ کم قابل تعریف نہیں - چیف اڈیٹر کے معاون دو اور اڈیٹر ہیں - ایک سید مرتضیٰ حسین عابدی دوسرے پروفیسر حکم چند کمار —

یادگار رضا

(غالباً ماہانہ - اڈیٹر ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی صاحب- بریلی)

خود رسالے کا نام اس کے مقاصد کا مظہر ہے - یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کی یادگار میں شایع ہوا ہے - خالص مذہبی رسالہ ہے - چندہ وغیرہ کی کیفیت رسالہ سے کہیں نہیں معلوم ہوتی —

پرچم

(ماہانہ - اڈیٹر ہشام صاحب - سالانہ چندہ تین روپئے - میرٹھہ)

یہ نیا رسالہ میرٹھہ سے شایع ہوا ہے - فرصت ہو تو دل چسپی کے لئے بہت اچھا ہے - نظم و نثر کا ڈھنگ وہی ہے جو عام طور پر اردو کے رسالوں میں پایا جاتا ہے —

رہبر

(اڈیٹر شاہ محمد عمیر صاحب - قیمت سالانہ دو روپئے - اول ضلع گیا)

اس رسالے کا خاص مقصد بیواؤں کی حمایت ہے - کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھہ کر رسالہ جاری کرنا ہمت اور تعریف کی بات ہے - اور ایسے رسالے خواہ اُن کی اشاعت محدود ہی کیوں نہ ہو، معمولی رسالوں کی نسبت زیادہ مفید ہوسکتے ہیں - تمام مضامین بیواؤں کی حمایت و اصلاح کے متعلق ہیں —

اعجاز

(اڈیٹر منشی ہیرا لال پوسٹ ماسٹر پنشنر، علی گڈھ)

یہ چھوٹی سی تقطیع کا ماہانہ رسالہ علی گڈھ سے نکلا ہے جس کا مقصد "زبان اردو میں مذاق سلیم پیدا کرنا اور خیالات کی اصلاح" ہے - مضامین دلچسپ ہیں - چندے کا کہیں ذکر نہیں —

قانوس

[اڈیٹر آفتاب انبرآبادی - جھانسی - سالانہ چندہ عام قدردانوں سے دو روپئے آٹھ آنے -]

یہ چھوٹا سا ماہانہ رسالہ مجلس علمیہ جھانسی نے شایع کیا ہے - اس کا مقصد "ادب اردو کی نظماً و نثراً اشاعت اور تحقیقات جدیدہ و قدیمہ کا نشر" بیان کیا گیا ہے - اور واعدہ کیا گیا ہے کہ آیندہ ذرا بڑی تقطیع اور عمدہ کاغذ پر شایع کیا جائیگا اور علاوہ دیگر مضامین کے "زباندانی اور ادب کا لحاظ رکھاجائیگا -" مقصد بہت اچھا ہے اور اگر سلیقہ اور محنت سے کام لیا گیا تو رسالہ بہت مفید ہوسکتا ہے - یہ پہلا نمبر ہے، ابھی اصلاح و ترقی کی بہت گنجائش ہے —

مخزن

مخزن اردو کا مشہور اور پرانا رسالہ ہے - یہ کئی چولے بدل چکا ہے - اب نئی ہیئت اور شان سے نکلا ہے اور اڈیٹر اردو کے مشہور شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں - ہمیں اُمید ہے کہ یہ پھر وہی شہرت اور قبولیت حاصل کریگا جو اسے پہلے حاصل تھی - حفیظ صاحب کی اڈیٹری سے یہ توقع پوری ہوتی نظر آتی ہے - علاوہ مضامین کی رنگا رنگی کے تصویروں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے —

قوس قزح اور نیرنگ خیال

اگر گزشتہ آٹھہ دس سال پہلے سے مقابلہ کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ اردو رسالوں کی تعداد اس قدر بڑہ گئی ہے کہ اس کی کبھی توقع نہ تھی - لیکن تعداد کے ساتھہ مضامین کا معیار بھی بڑہ گیا ہے - لاہور کے دو رسالوں نے خاص کر دلچسپی اور دلکشی کے پیدا کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہے جس وقت قوس قزح کا بہار نمبر پہنچا تو اس کی صفائی ' نفاست اور تصویروں کو دیکھکر بے حد خوشی ہوئی - لیکن اس کے بعد جب نیرنگ خیال کا عید نمبر آیا تو وہ اس سے بھی بڑھا چڑھا نکلا اور اُسے دیکھہ کر ہماری خوشی کی کوئی حد نرہی - قابل اڈیٹر نے علاوہ مختلف قسم کے مضامین کے جو خاصے ہیں ' اعلیٰ درجے کی رنگین اور دوسرے تصاویر کا جو اہتمام کیا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے - ضخامت میں بھی وہ سب سے نمبر لے گیا ہے - یعنے اس کے صفحات کی تعداد ۲۳۲ ہے - حیرت ہے کہ تین روپیہ سالانہ چندہ میں یہ اس قدر دل چسپیاں کیونکر جمع کردیتے ہیں -

مطبوعات انجمن

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اُردو کو دستیاب ہوگئی' اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اُردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر' طبع کی گئی ہے' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے۔ حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں۔ یہ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دانان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے۔ حجم دو سو صفحے سے زاید' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ۔

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں :-

Astronomy. Botany Economics. History (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archæology, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے —

مصنفین' مترجمین اور معلمین کے لئے ناگزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھ روپیہ — ،

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۳ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ —

سرگزشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - فہر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

استاد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد دو روپیہ مجلد دو روپیہ - آٹھ آنے —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں، ان سب کو جمع کردیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ۱ روپیہ —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ - کلید قاعدہ غیر مجلد ۴ آنہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ- جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمدالیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں' اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے - قیمت مجلد ۲ روپیہ —

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی - غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

قواعد اُردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اُردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے - بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت مجلد ڈھائی روپیہ غیر مجلد دو روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اُردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - لیڈز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک تذکرانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف " یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان

(نوٹ) کُل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں —

میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں " اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی ' مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں - اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی ' آشوری ' بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لیے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لیے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی - اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے ' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب اُن تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لیے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمائیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سایز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

یہ بیش بہا کتابیں بھی آپ کو انجمن ترقی اردو
اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت مجلد ۵ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنے مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر، اُردو و فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ مولفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد - مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

وکرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

نیرنگ ارض

روے زمین پر موسم ، ہوا ، آندھی ، طوفان ، دریا ، سمندر ، آتش فشاں اور زلزلے وغیرہ کے قدرتی واقعات اور ان کی وجہ سے ہونے والے قدرتی انقلابات ظہور میں آتے ہیں اُن کو نہایت سادہ اور دلچسپ عبارت میں بیان کیا گیا ہے - مولفۂ مولوی راحت حسین صاحب بی اے وکیل قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد سوا روپیہ —

الہشتہر
انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد - دکن

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں :

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں - غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

مسئلۂ شوریہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشوریہ " کا اردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بے نقاب کر دیے گئے ہیں - قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جدوجہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ —

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سید جمال الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید مرحوم نے افغانستان کی سوئی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال الدین افغانی

(مرتبۂ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی - اے ایڈیٹر زمیندار)

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا قیمت ۲ آنہ —

دربارعلم

عالم خیال میں دربار عام کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں - علما و طلبا - شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا - اور ان خرابیوں کا علاج — مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدا یونی - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی۔ اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے باوجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا۔ اُن کی فیاضی، ہمدردی، قناعت، توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے۔ قیمت دیڑھ روپیہ—

پھل اور میوے جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے۔ قیمت ۸ آنہ—

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام، تابعین، مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار، جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات اس کتاب میں جمع کردیے گئے ہیں۔ قیمت ۴ آنہ—

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں
(کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ	مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۶ روپیہ	سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	روح الاجتماع	۲ روپیہ
سفر نامۂ مولاناشبلی	۲ روپیہ	ابن رشد	۴ روپیہ
علم الکلام	۲روپیہ	گل رعنا	۵ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ	سیرالانصار	۳ روپیہ ۸ آنہ
کلیات شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ	شعرالہند مجلد	۵ روپیہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ	شعرالہند غیر مجلد	۴ روپیہ
انقلاب امم	۲ روپیہ		
برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ		
مکالمات برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ		

(مطبع کاویانی۔ برلن)

زادالمسافرین (فارسی)	۷ روپیہ
گلستان فارسی	روپیہ
تیاتر (فارسی)	۲ روپیہ ۸ آنہ

تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیه ۸ آنه
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیه
رهنمای پسران (فارسی) ۱ روپیه ۸ آنه
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیه
هزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنه

(جامعه ملیه دلی)

الخلافت الکبری ۵ روپیه
الصراط المستقیم ۲ روپیه
بصائر ۶ آنه
سیرة الرسول ۱ روپیه ۸ آنه
خلافت راشده ۲ روپیه
خلافت بنی امیه ۱ روپیه ۸ آنه
خلافت عباسیه ۳ روپیه
خلافت عباسیهٔ بغداد ۲ روپیه
مبادی معاشیات ۱ روپیه
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیه
قواعد عربی ۲ روپیه
عرض جوهر ۸ آنه
مجموعهٔ کلام جوهر ۶ آنه
اسلامی تهذیب و قومی تعلیم ۴ آنه
ازهارالعرب (عربی) ۸ آنه
انتخاب مضامین جوهر ۱ روپیه
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنه
خطبهٔ شیخ الهند ۲ آنه
خطبهٔ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنه
همارے نبی ۸ آنه
تاریخ هند قدیم ۱ روپیه

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنه

(نظامی پریس بدایون)

تاموس المشاهیر جلد اول ۶ روپیه
تاموس المشاهیر جلد دوم ۶ روپیه
نکات غالب مجلد ۱ روپیه
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیه ۸ آنه
دیوان جان صاحب مجلد تیره روپیه
دیوان درد ۱ روپیه ۴ آنه
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیه ۸ آنه
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیه
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیه
لیتهو گرافی مجلد ۲ روپیه ۸ آنه
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیه
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیه
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیه قسم دوم ۴ روپیه
تذکرة الصلحا ۸ آنه
کنزالتاریخ ۱ روپیه ۸ آنه
تصائد ذوق ۳ روپیه

(دائرهٔ ادبیه - لکهنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیه
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیه ۸ آنه
مکاتیب اکبر ۱ روپیه
مینائے سخن ۱ روپیه
حزن اختر ۸ آنه
درس عمل ۴ آنه
خواتین انگورہ ۱ روپیه

پیکسات بنگال	۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنہ
مشرقی ترکستان	۶ آنہ
سیاحت زمین	۱ روپیہ
سیاحت ہوا	۱ روپیہ

الناظر پریس لکھنؤ

فلسفیانہ ضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شعری	۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ	۶ آنہ
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ
ہرم رول	۵ آنہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ
وکٹر اروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب	۶ آنہ
الاحسان	۸ آنہ
ارض نہرین	۴ آنہ
تذکرۂ حزیں	۴ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ
خطاب	۴ آنہ
میلاد نبوی	۴ آنہ
قصیدہ بردہ	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
ریاد اُمت	۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سلنجوگ	۱۰ آنہ
جوہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سلفس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پور نادیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصہ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار	۳ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا چکما	۶ آنہ
گیہ مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواء السبیل	۱ روپیہ
سندھان باس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ

چترا ۱۲ آنہ
امتواز پچیسی ۸ آنہ
دلپسند کہانیاں ۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں ۱۰ آنہ
(تصانیف نیرنگ ۔ محمد عمر صاحبان)
موجودہ لندن بے اسٹار ۱ روپیہ
ناٹک ساگر (یعنے دنیے ڈراما کی تاریخ)
مجلد ۳ روپیہ
تین ٹوپیاں ۸ آنہ
طفل کی موت ۴ آنہ
قزاق ۸ آنہ
بگڑے دل ۸ آنہ
(دوسری قبیل کی کتابیں)
رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ ۵ آنہ
بادل کے بچے ۱ روپیہ
مجموعۂ نظم حالی ۸ آنہ
اکبری اقبال ۳ آنہ
الفاروق ۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۸ آنہ
ارض القرآن ۔ مکمل ۴ روپیہ
رسالۂ اہل سنت والجماعت ۸ آنہ
پردۂ غفلت ۱ روپیہ ۸ آنہ
بشریٰ ۶ آنہ
ذکریٰ ۱۰ آنہ
نیرنگ ارض ۱ روپیہ ۴ آنہ
سیر المصنفین ۲ روپیہ

HindustaniSimplified (اُردو آموز)
دنیش چندر دت صاحب ایم اے ۳ روپیہ
شرح HindustaniSimplified ۱ روپیہ
رسالۂ نماز Prayer Book ۱ روپیہ
معراج العاشقین ۶ آنہ
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی ۱ روپیہ
ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور اُن کی
جغرافیائی کیفیت ۸ آنہ
وہ جاندار جو نظر نہیں آتے ۴ آنہ
چہل آرا بیگم ۸ آنہ
نظم شبلی ۴ آنہ
نفس اللغہ ۱ روپیہ
خوبی سخن ۸ آنہ
دیگر ممالک میں قطع تعلق ۱۰ آنہ
آزادی اسلام ۴ آنہ
مصطفیٰ کمال پاشا ۱ روپیہ ۸ آنہ
گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنہ
سلف گورنمنٹ ۶ آنہ
عالم خیال ۸ آنہ
حیات خسرو ۸ آنہ
نظام حیات انسانی ۸ آنہ
فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
فرہنگ عربی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسلامی حکومت ۲ آنہ
ترجمہ خلاصہ تاریخ انگلستان ۱ روپیہ
۸ آنہ

———:o:———

دیوان غالب جدید و قدیم ،

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بیحد انتظار تھا - اس میں

مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

———:o:———

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنہ کسی قیمت کے ساتھ دی جائیں گی - امید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیں گے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ' ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

آنریری سکریٹری

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

———:o:———

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر ' کے ' سی ' آئی ' ای ' سی ' ایس ' آئی ' ایم ' اے ' بی ' ایل ' ایف ' آر ' ایس ' چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں ' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے ۱۲ آنہ (کلدار) میں مل سکتی ہے —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اُردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوئی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں ' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ' کاغذ بہت عمدہ ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا مہرتقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ اُنہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلمات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اُردو پریس نے اپنے مشہور ' نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا ' نہایت عمدہ ' حجم دوسو صفحات سے زیادہ ' جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے ' قیمت مجلد دو روپے —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی مہر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی ' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا ' اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اُردو کو دستیاب ہوگئی ' اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اُردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اسکا ذکر آجاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اِس میں مصنف کی غزلیں بھی جابجا آئی ہیں ' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں - یہ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدردانان اُردو کی خدمت میں اُس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے - جلد بھی مضبوط' عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید ' قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ ' غیر مجلد ایک روپیہ —

—:o:—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو ' وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدر دانان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے تو اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں ' اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —

اِن معاونین کی خدمت میں گُل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو مرحوم نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی، زہرہ بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب، بی - اے، معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات، اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بےنقاب کردیا ہے - مرتبہ محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ -

---

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے، ہر صاحب ذوق جانتا ہے، اُس کے دیوان کا ایک ایڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - اب دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ، کاغذ، چھپائی، جلد، سائز، ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ -

---

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے - سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے، اُن کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے، جس کو سید منظور حسین صاحب نے

مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سایز مختصر ' جلد نہایت نفیس اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ -

---

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اسانذہ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت وکتابت کیساتھ عید وغیرہ کے موقعہ پر دوست-احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ -

---

اُردوے قدیم

مجلس دارالمؤرخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں زبان اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح حالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس اللہ صاحب قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی' فارسی ' اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے - قابل دید ہے - قیمت قسم اول دو روپیہ ' قسم دوم ایک روپیہ آٹھ آنہ --

---

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جلھوں نے سنہ ۸۲۵ھ میں انتقال فرمایا- اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں- مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے- قیمت ۲ آنہ-

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو "ہون" کہا جاتا تھا۔ آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلبائے تاریخ دکنی کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس اللہ صاحب، قیمت ۶ آنہ -

---

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے۔ اس میں فارسی کے مشہور و غیر فانی شاعر ظہیرفاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر قابلانہ تبصرہ کیا گیا ہے- قیمت ۶ آنہ-کلدار-

---

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالات کا ہوبہو خاکہ کھینچا ہے - وہاں کی بد نظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھلایا ہے۔ مرتضیٰ، مشفق کاظمی - قدیم فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے- قیمت دو روپیہ آٹھ آنے کلدار-

---

سچ فرمائیے

۱ – کیا جناب کو علم و ادب سے ذوق ہے ؟
۲ – کیا جناب کو سیاسیات سے دلچسپی ہے ؟
۳ – کیا جناب کو تاریخ سے شوق ہے ؟
۴ – کیا جناب اپنی زبان میں یورپ کا بہترین لٹریچر دیکھنا پسند کرتے ہیں ؟
۵ – کیا جناب ہندوستان کے بہترین شعرا کا پاکیزہ کلام ہر ماہ دیکھنا چاہتے ہیں ؟
۶ – کیا جناب اخلاقی و تمدنی مضامین سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں ؟
۷ – کیا جناب اعلیٰ پیمانہ کے افسانوں سے نیک سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟
۸ – کیا جناب زمانہ کی جدید ترین ترقیات معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟
۹ – کیا جناب جدید ترین مطبوعات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ؟
۱۰– کیا جناب مصوری کے لاجواب نمونے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ؟
۱۱– کیا جناب تاریخی اور کمیاب تصاویر کے شائق ہیں ؟
۱۲– کیا جناب اپنے فاضل وقت کو بہترین مشغلہ میں صرف کرنا چاہتے ہیں ؟

اگر آپ

ان میں سے ایک بھی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو

رسالۂ (شمع) کو ضرور ملاحظہ فرمائیے

اور آج ہی

۱۰ آنہ کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب فرمائیے —

لکھائی، چھپائی بہترین، کاغذ چکنا حجم ۱۱۲ صفحہ، چندہ سالانہ ۶ روپیہ - ششماہی ۳ روپیہ ۸ آنہ —

(نوٹ)

(۱) جنوری سنہ۱۹۲۷ع سے مصوری کے بہترین نمونوں کے علاوہ شاہان اودھ کی نہایت قیمتی اور بے مثل تصاویر مسلسل شائع ہورہی ہیں —

(۲) تاجر خریدار صاحبان کے اشتہارات کے لئے حیرت انگیز رعایت. فوراً دریافت فرمائیے

المشتہر ——————— تہر

منیجر شمع - حسن منزل شاہ گنج آگرہ

اُردو

جلد ہفتم　　حصۂ بست و ہفتم

جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی	جناب مرزا فرحت‌اللہ بیگ صاحب بی - اے	۳۸۳
۲	اساتذہ کی اصلاحیں [نظم]	جناب صفدر مرزا پوری صاحب	۴۴۱
۳	خطبات گارساں دتاسی	مترجمۂ جناب نواب مسعود جنگ بہادر فاظم تعلیمات حیدرآباد دکن	۵۰۷
۴	قدیم اُردو	مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ایڈیٹر	۵۱۹
۵	صبح بنارس (جوگی کی صدا) [نظم]	ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم	۵۴۵
۶	بادۂ کہن (لچھمی نرائن شفیق اورنگ‌آبادی) [نظم]	مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ایڈیٹر	۵۴۷
۷	تبصرے	ایڈیٹر و دیگر حضرات	۵۵۵

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی

از

(جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب، بی - اے)

اللہ اللہ - ایک وہ زمانہ تھا کہ میں اور دادی مولوی صاحب مرحوم کی باتیں سنتے تھے - ان کی ہمت ہماری ہمت بڑھاتی تھی؛ ان کا طرز بیان ہماری تحریر کا رہبر ہوتا تھا؛ ان کی خوش مذاقی خود ان کو ہنساتی اور ہمارے پیٹ میں بل ڈالتی تھی؛ ان کی تکلیفیں خود اُن کو پرنم اور ہم کو تڑپاتی تھیں - اور آج وہ دن ہے کہ اُن کے حالات زبان قلم پر لانے سے ڈر لگتا ہے - وجہ یہ ہے کہ وہ بزرگ ہستی "اخوت اسلامی" کا سبق پڑھے ہوئے تھی - اس کو اپنے بل بوتے پر ترقی کرنے پر ناز تھا - وہ چھوٹے درجہ سے بڑے درجہ پر ترقی کرنا اپنا کار نامہ سمجھتی تھی- اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر دکھایا وہ کسی کی خوشامد، کسی کی سفارش یا کسی خاندانی وجاہت کے باعث نہ تھا - وہ تھا اور دنیا کا وسیع اکھاڑا - وہ اپنے دست و بازو کے بھروسے پر اس میدان میں اترا - ہر مصیبت کا سامنا اپنی ذاتی قابلیت و ہمت سے کیا - جس کام میں ہاتھ ڈالا اس کی تکمیل میں خون پانی ایک کر دیا- اور دنیا پر بخوبی ثابت کر دیا کہ بے یاری و مددگاری ترقی کی راہ میں ایسی رکاوٹیں نہیں ہیں جو بآسانی ہٹائی نہ جا سکیں اور خاندانی تعلقات کی عدم موجودگی ایسی چیز نہیں ہے جو مانع ترقی ہو سکے - جب کبھی جوش میں

آتے تو ہمیشہ (I am a self-made man) کا فقرہ ضرور استعمال کرتے۔اور جب کبھی اس پہلو پر نصیحت کرتے تو ہمیشہ یہی فرماتے کہ بیٹا جو کچھہ کرنا ہے خود کرو؛ باپ دادا کی ہڈیوں کے واسطے سے بھیک نہ مانگتے پھرو—

انسان فطرت سے مجبور ہے - جب دنیا کی نظریں اس پر پڑنے لگتی ہیں تو وہ ہمیشہ اپنی پہلی حالت کی کمزوریوں کو چھپاتا اور خوبیوں کو دکھاتا ہے - جس طرح بڑے بڑے گھرانوں کی نا اہل اولاد اپنے باپ دادا کے نام سے اپنی نالائقی کو چھپاتی ہے اسی طرح غریب گھرانوں کی لائق اولاد چاہتی ہے کہ ان کے باپ دادا کے نام لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائیں - یہ ہے ہماری اخلاقی کمزوری اور یہ ہے ہماری اسلامی سبق سے بے خبری - ایک مولوی نذیر احمد خاں تھے جو اپنے آبا و اجداد کا نقشہ اصلی رنگ میں دکھاتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے - ان کو اپنی ابتدائی غربت پر ناز تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ " میاں اگر لفٹننٹ گورنر کے بیٹے ہو تو کم سے کم ڈپٹی کمشنر تو ہو جاؤ - دس روپئے کے اہلکار ہوکر باپ کو لفٹننٹ گورنر کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی"—

بہر حال یہ فطرت انسانی کا خیال تھا جس نے اب تک مجھے مولوی صاحب مرحوم کے حالات لکھنے سے روکا - بہت کچھہ لکھہ لیا تھا وہ پھاڑ ڈالا کہ کہیں اینچ چھوڑ گھسیٹن میں نہ پڑ جاؤں لیکن رہ رہ کر جوش آتا تھا اور ٹھنڈا پڑ جاتا تھا - خدا بھلا کرے مولوی عبدالحق صاحب کا کہ انھوں نے مجھے اس اگر مگر سے نکالا اور دل کی باتوں کو حوالۂ قلم کرنے پر آمادہ کر دیا - اب جو کچھہ کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے وہ لکھونگا اور بے دھڑک لکھونگا، خواہ کوئی برا مانے یا بھلا - جہاں مولوی صاحب مرحوم کی خوبیاں دکھاؤنگا وہاں اُن کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دونگا تا کہ اس مرحوم کی اصلی اور جیتی جاگتی تصویر کھنچ جائے اور یہ چند صفحات ایسی سوانح عمری نہ بن جائیں جو کسی کے خرچ کرنے یا جلانے کو لکھی گئی ہو - میں واقعات کے بیان کرنے میں کوئی سلسلہ بھی قایم

نہ کرونگا کیونکہ یہ بناوٹ کی صورت ہے' جس موقعہ پر جو کچھہ سنا یا دیکھا اس کو جوں کا توں لکھہ دونگا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کرونگا کہ جہاں تک ممکن ہو واقعات مولوی صاحب ہی کی زبان میں بیان کئے جائیں' انشاءاللہ واقعات کے اظہار میں مجھہ سے غلطی نہ ہوگی' ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض نام بھول جانے کی وجہ سے چھوڑ جاؤں یا غلط لکھہ جاؤں - اب رہا سچ یا جھوٹ تو اس کی مجھے پرواہ نہیں - میں اپنے محترم اُستاد کے حالات لکھہ رہا ہوں' اگر سچ ہیں تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں' اگر جھوٹ ہیں تو وہ خود میدان حشر میں سود در سود لگا کر تاوان وصول کر لیں گے—

اب رہا طرز بیان تو اس میں میں متانت کو بالائے طاق رکھدیتا ہوں - کیوں کہ مولوی صاحب جیسے خوش مذاق آدمی کے حالات لکھنے میں متانت کو دخل دینا ان کا منہ چڑانا ہی نہیں ان کی توہین کرنا ہے - بلکہ یوں کہو کہ سید انشاء کو میر اور مارک ٹوئین کو ایمرسن بنانا ہے - جب اپنی زندگی میں انھوں نے میری شوخ چشمی کی ہنس ہنس کر داد دی تو کوئی وجہ نہیں کہ اب وہ اپنی وضعداری کو بدل دیں اور میری صاف گوئی کو گستاخی قرار دیکر دعویدار ہوں—

—— (چل رے خامہ بسم اللہ) ——

سنہ ۱۹۰۳ع میں میں نے اور میاں دانی نے ہندو کالج دہلی سے ایف - اے کا امتحان پاس کیا اور دونوں مشن کالج میں داخل ہو گئے - ایف - اے میں میرا مضمون اختیاری سائنس اور دانی کا عربی تھا - انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ بی - اے میں عربی لیلو' دونوں کو ایک دوسرے سے مدد ملے گی اور امتحان کی تیاری میں سہولت ہوگی - مجھے اپنے حافظہ پر گھمنڈ تھا یہ بھی نہ سمجھا کہ اس مضمون کو سنبھال بھی سکوں گا یا نہیں' جھٹ راضی ہو گیا - القصہ ہم دونوں بی - اے کے درجۂ ابتدائی میں شریک ہو گئے - ہمارے عربی کے پروفیسر مولوی

جمیل الرحمن صاحب تھے؛ بڑے اللہ والے لوگ تھے - عربی کا گھنٹہ بآسانی تصوف کی باتوں میں گزر جاتا تھا - کچھہ تھوڑا بہت پڑہ بھی لیتے تھے - دانی کچھہ سمجھتے ہوں تو سمجھتے ہوں، کمترین تو طوطے کی طرح حفظ کر لیتا تھا - اب رہی صرف و نحو اس میں تو کورا کا کورا ہی رہا - سنتے آئے ہیں کہ "مصیبت کہکر نہیں آتی" لیکن یہ نہیں سنا تھا کہ "عربی کے پروفیسر کہکر نہیں جاتے" ایک دن جو مولوی صاحب کے کمرے میں ہم دونوں پہنچے تو دیکھا کہ کمرہ خالی ہے - دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کل شام کو استعفاء دیکر کعبۃ اللہ چلدئے- پرنسپل صاحب کے پاس پہنچے - ان سے پوچھا کہ دوسرے صاحب کب آتے ہیں - تو انہوں نے کورا جواب دیدیا کہ ہم عربی کی جماعت کا بندوبست نہیں کرسکتے - بہتر یہ ہے کہ مضمون تبدیل کر لو - میں نے دانی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی ' اب میرے کہنے سے تم سائینس لے لو ' جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ "مرتا کیا نہ کرتا" وہ راضی ہوگئے دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رہا- لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بھائے دوسال کے تین سال میں شریک امتحان ہونا پڑیگا - سنگ آمد و سخت آمد- جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ہوئی - دونوں سر ملا کر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ہوئے ' آخر یہ تجویز پاس ہوئی کہ " خاک از تودہ کلان بردار " کے مقولے پر عمل کرکے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاہئے - دلی میں دو تین بڑے عربی دان مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب ' دوسرے شمس العلماء مولوی ضیاءالدین خان صاحب ایل ایل ٹی اور تیسرے مولوی نذیر احمد خانصاحب - پہلے کو تو دیوانگی سے فرصت نہ تھی اس لئے وہاں تو دال گلتی معلوم نہیں ہوئی - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا- گرمیوں کا زمانہ تھا ' مولوی ضیاءالدین

صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے ہم دونوں نے بھی جاکر شام ہی سے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ڈیرے ڈال دئے - آٹھ بجے نو بجے دس بجے گئے - مولوی صاحب نہ آج نکلتے ہیں نہ کل خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی ہوئی معلوم ہوئی- ہم دونوں بھی ہاتھ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے کے فقرے سوچ کھڑے ہوگئے - ہم آخری سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لئے دروازے میں سے پہلے قندیل نکلتی نظر آئی اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائی دیتا ہے اسی طرح پہلے مولوی صاحب کا عمامہ اس کے بعد ان کا نورانی چہرہ سرمگیں آنکھیں' سفید ریش مبارک ' سفید جبہ اور سب سے آخر زرد بافات کی سلیم شاہی جوتیاں نظر آئیں آہستہ آہستہ اُنھوں نے سیڑھیوں سے اُتر نا اور اوپر تلے ہمارے سانس نے چڑھنا شروع کیا- ہم سوچتے ہی رہے کہ راستہ روک کر کھڑے ہوجائیں وہ ست سے پاس سے نکل گئے - آخر ذرا تیز قدم چلکر ان کو جا لیا اور نہایت ادب سے دونوں نے جھک کر فراشی سلام کیا - وہ سمجھے کوئی راہگیر ہیں - میری یہ وجاہت کی وجہ سے سلام کر رہے ہیں - یہ نہ سمجھے کہ سائل ہیں' ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے- وہ تو سلام لیتے ہوے آگے بڑھے اور ہم نے وہی پہلے والی ترکیب کی کہ چکر کھا کر پھر سامنے آگئے - یہ دیکھکر وہ ذرا ٹھٹکے - پوچھا "میں نے آپ صاحبوں کو نہیں پہچانا ' کیا مجھ سے کوئی کام ہے " رام کہانی بیان کرکے عرض مدعا زبان پر لائے - فرمانے لگے " تمکو معلوم ہے کہ میں پنجاب یونیورسٹی کا ممتحن ہوں " بجنسہ اسی لہجے میں یہ الفاظ ادا کئے جیسے اس زمانے میں کوئی کہے " تم کو معلوم ہے کہ میں سی . آئی- ئی کا انسپکٹر ہوں " لیکن ہم جان سے ہاتھ دھوئے بیٹھے تھے ' عرض کیا کہ ہم امتحان میں رعایت کے طالب نہیں ' تعلیم میں مدد چاہتے ہیں- فرمانے لگے کہ " تمکو تعلیم دینا اور پھر ممتحن رہنا میرے ایمان کے خلاف ہے - کسی دوسرے کی تلاش کیجے " ممکن ہے کہ یہ مسئلہ کوئی جزو ایمان ہو - ممکن ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے مولوی صاحب سے

تعلیم نہ دینے کا حلف لے لیا ہو" - بہر حال کچھہ بھی ہو - انھوں نے ہم دونوں کو سلام علیکم کا ایک زور سے دھکا دیکر اور نوکر کو حکم دیا کہ آگے بڑھو - وہ حکم کا بندہ قندیل اٹھا آگے چلا اور مولوی صاحب اس کے پیچھے پیچھے لمبے لمبے ڈگ بھرتے روانہ ہوئے - ڈرتھا کہ کہیں یہ دونوں قطاع الطریق پھر راستہ نہ روک لیں- مگر مولوی صاحب کے طرز عمل اور سلام علیکم کے جھٹکے نے ہم دونوں کو مضمحل کردیا تھا' جہاں کھڑے تھے وھیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور مولوی صاحب رفتہ کے کوئیں کی گلی میں گھس اپنے مکان میں داخل ہوگئے - چلو امید نمبر ۲ پر پانی پھر گیا ' لیکن آیندہ کے لئے سبق مل گیا کہ ایسے زبردست دشمن پر کھلے میدان میں حملہ کرنا خطرناک ہے ؛ ایسے رستم کو پکڑنے کے لئے شغال بننا ضرور ہے - وھیں سیڑھیوں پر بیٹھکر کونسل ہوئی اور رزولیوشن پاس ہوا کہ مولوی نذیر احمد صاحب پر حملہ عبدالرحمن کی آڑ میں کیا جائے - اب میاں عبدالرحمن صاحب کا حال بھی سن لیجئے - ان کے والد کا نام سراج الدین صاحب تھا - نہایت نیک اور پرھیزگار شخص تھے - جوتوں کی دوکان تھی - مولوی نذیر احمد صاحب اس دوکان کو ھمیشہ رقمی مدد دیا کرتے تھے - اور روزانہ شام کو وھاں آکر بیٹھتے تھے عبدالرحمن گو میرے ھم جماعت نہ تھے لیکن آپس میں میل جول بہت تھا - مولوی صاحب کو ان کی تعلیم کا بہت خیال تھا چنانچہ انھی کی وجہ سے عبدالرحمن نے بی اے ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے - انھی کی وجہ سے وکالت میں ترقی کی یہانتک کہ مولوی صاحب ھی کی دلچسپی کا نتیجہ ھے کہ اس وقت دھلی میں ان کی ٹکر کا کوئی مسلمان وکیل نہیں ھے- اُس زمانے میں یہ ایف-اے میں پڑھتے تھے —

بہر حال اسکیم تیار ھو گئی - اور دوسرے ھی دن سے میں نے عبدالرحمن کو کانٹھنا شروع کیا دو ایک روز کے بعد ان سے اظہار مطلب کیا-کہنے لگے کہ "بھئی مولوی صاحب کو فرصت کم ھے 'کہیں انکار نہ کر بیٹھیں"- میں نے کہا کہ " میاں عبدالرحمن تم ان تک ھمکو پہنچادو اگر ھوسکے تو ایک دو کلمۂ خیر بھی ھمارے حق میں کہدو' آگے

ہم جانیں اور ہماری قسمت "وہ راضی ہوگئے اور کہا کہ "شام کو آٹھ بجے دوکان پر آجانا میں مولوی صاحب سے ملوا دونگا" - اندھا کیا چاہے دو آنکھیں - ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں سراج‌الدین صاحب کی دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کی مسجد کے قریب تھی - جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب بیٹھے سراج‌الدین سے کچھہ رقم کا حساب کر رہے ہیں - ہم نے جاتے ہی فراشی سلام کئے اور خاموش تخت کے کونہ پر بیٹھہ گئے - سراج‌الدین صاحب نے خیریت پوچھی - عبدالرحمن ہمارے پاس آبیٹھے - مگر مولوی صاحب روپئیوں کے حساب کتاب میں اس قدر مشغول تھے کہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا ' کون گیا ' میں نے سوچا کہ یہاں بھی معاملہ پٹتا معلوم نہیں ہوتا' دھتکار سن کر یہاں سے بھی نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسی انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے - "مرتا کیا نہ کرتا" - میں نے یہی سوچ لیا کہ آج اس پار یا اُس پار - مولوی ضیاءالدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوی نذیر احمد صاحب سے دو دو ہاتھہ ہوجائیں گے - قصہ مختصر مولوی صاحب حساب سے فارغ ہوے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے - کچھہ اُلٹے سیدھے خانداني حالات بھی بیان کئے اس کے بعد ہماری مصیبت کا بھی ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہوگئے - میں نے دل میں کہا "پرائے پرتے کھیلا جوا' آج نہ سواکل سوا" اب میاں عبدالرحمن کو رہنے دو جو کچھہ کہنا ہے خود کہہ ڈالو' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھی بے نیل مرام باضابطہ پسپائی ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا - فرمانے لگے "تو عربی چھوڑ دو' سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے - پڑھیں فارسی بیچیں تیل' یہ دیکھو قدرت کے کھیل - فارسی پڑہ کر تیل تو بیچ لوگے' عربی پڑہ کر تیل بھی بیچنا نہ آئیگا" - ان کی اس پرمذاق گفتگو سے ہم دونوں کے دل بڑہ گئے - ہم رہنے والے ٹھیرے جامع مسجد کے نیچے کے' بھلا

ایسی باتوں میں ہم سے کون ور آسکتا ہے - ہم نے بھی ایسے ہی شگفتہ الفاظ میں جواب دیا - مولوی صاحب پہلے تو مسکراتے رہے اس کے بعد کھلکھلاکر ہنس دئے - داڑھی کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے کہ "یہ بڑا غریب معلوم ہوتا ہے مگر تو بڑا بد معاش ہے - بیٹا جاؤ کسی دوسرے مولوی صاحب کی تلاش کرو - دلی میں کیا مولویوں کا کال ہے - مجھے ذرا بھی فرصت ہوتی تو کبھی انکار نہ کرتا" - میں نے عرض کی کہ "جناب والا کا ارشاد بالکل صحیح ہے مگر جو مولوی ہیں وہ پڑھاتے نہیں اور جو پڑھاتے ہیں وہ مولوی نہیں ہیں" - کہنے لگے "نہیں ایک آدہ ایسا بھی نکل آئیگا جو مولوی بھی ہوگا اور پڑھائیگا بھی - جناب شمس العلماء مولوی ضیاء الدین صاحب ایل ایل ڈی (یہ الفاظ بہت طنز سے کہے) کے پاس جاؤ - ان کو فرصت بھی ہے اور عالم بھی ہیں" - میں نے کہا کہ "اس کے ساتھ وہ پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہیں" - کہنے لگے "میں اس کا مطلب نہیں سمجھا" - یہاں تو جلے بیٹھے ہی تھے، جامع مسجد کی سیڑھیوں والا واقعہ خوب نمک مرچ لگاکر بیان کیا - بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ "بھئی تم لوفروں سے ڈرنا چاہئے - ضیاء الدین کو اگر خبر ہوجائے کہ ان کے اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ سراج الدین کی دوکان پر اس طرح معرض بحث میں آتے ہیں تو یقین جانو کہ نالش ٹھونک دیں - اچھا بھئی میں تم کو پڑھاؤنگا - مگر تم بھاگ جاؤگے" - ہم دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا "نہیں، ہرگز نہیں" مولوی صاحب نے کہا کہ "چھٹی ایک دن کی نہ ہوگی" - ہم نے کہا "بہت خوب" - مولوی صاحب نے کہا کہ "عید، بقر عید کو بھی آنا پڑیگا" - ہم نے کہا کہ "بہت مناسب - کل کس وقت حاضر ہوں" مولوی صاحب تھوڑی دیر تک انگلیوں پر کچھ اپنے وقت کا حساب کرتے رہے، اس کے بعد کہا - "دو پہر کو تیرہ بجے" - ہم نے کہا "بہت خوب" - چونکہ ان باتوں میں رات زیادہ ہوگئی تھی اس لئے مولوی صاحب دوکان پر سے اُٹھے - ہم سب نے سلام کیا اور وہ وعلیکم السلام کہتے ہوئے تشریف لے گئے - یہاں میں یہ ضرور کہونگا کہ

سراج‌الدین صاحب نے وقتاً فوقتاً ہماری ہاں میں ہاں ملاکر اس فیصلے میں بڑی مدد کی۔ ہم‌دونوں‌بھی خوش خوش اُٹھے اور سلام علیکم وعلیکم السلام کرکے دوکان سے چلے۔ راستے میں دانی نے کہا "میاں مرزا بڑے میاں نے مار ڈالا۔ بھئی گیارہ بجے کالج سے پڑھ کر نکلیں گے، کشمیری دروازے سے چل کر چوڑیوالوں آتے آتے ساڑھے گیارہ بج جائیں گے دم نہ لینے پائیں گے کہ مولوی صاحب کے ہاں چلنے کی تیاری کرنی پڑے گی۔ کہاں چاوڑی اور کہاں کھاری باولی، جون کا مہینہ کہیں راستہ میں لُو لگ کر ٹیں نہ ہوجائیں"۔ میں نے کہا "میاں دانی۔ کچھہ دنوں چل کر دیکھو شاید مولوی صاحب کو رحم آجائے"۔ مگر ان کو آخر تک رحم نہ آنا تھا نہ آیا۔ لطف یہ ہے کہ جاڑوں میں صبح ساڑھے چھہ بجے سے تعلیم کا وقت مقرر ہوا۔ لیکن ایمان کی بات ہے کہ مولوی صاحب ہی کی ہمت تھی جو وہ ہمارے پڑھانے کو تیار ہوگئے۔ بیچاروں کا ایک منٹ خالی نہ تھا۔ اور انھوں نے جو وقت ہم کو دیا تھا وہ اپنے آرام کے وقت میں سے کاٹ کر دیا تھا۔ تقریباً دو برس تک ہم ان سے پڑھتے رہے نہ ہم نے کبھی گرمی یا سردی کی شکایت کی اور نہ کبھی وقت بدلنے کا لفظ زبان پر لائے۔ نہ ان دو سال میں ایک دن ناغہ کیا۔ یہاں تک کہ مولوی صاحب بھی ہمیشہ کہتے تھے کہ "بیٹا جب تم دونوں آتے ہو میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔ کیونکہ میں تم میں طالب علمی کی بو پاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تعلیم کس کو کہتے ہیں اور علم کیونکر حاصل ہوتا ہے جس طرح ہم نے پڑھا ہے۔ کچھہ ہمارا ہی دل جانتا ہے۔ اس زمانے کے لونڈوں پر اگر ایسی بپتا پڑے تو گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ مگر (میری طرف دیکھکر) اُستاد تم سے مجھے کچھہ توقع نہیں۔ تم صرف بی۔ اے پاس کرنے کی فکر میں ہو۔ دانی کو شوق ہے یہ عربی میں ترقی کرے گا۔ مگر تم کورے کے کورے ہی رہوگے۔ اور انشاءاللہ پانچ چھہ ہی برس میں میری ساری محنت اکارت کردوگے" خدا کے فضل سے ان کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی —

اس سے پہلے کہ میں مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کا ذکر کروں، میں

مولوی صاحب کی شکل و صورت، مکان کی حالت، انکے رہنے سہنے کے طریقے اورانکے مشاغل کا نقشہ کھینچدینا منا سب خیال کرتا ہوں تاکہ مولوی صاحب کے کیرکٹر کا صحیح اندازہ ہو سکے - لیکن سینو میٹو گراف کا یہ فلم چڑھانے سے قبل میں اپنے طرز بیان کے متعلق معافی مانگ لیتا ہوں - کیونکہ میری شوخی بعض جگہ حد تجاوز سے بڑہ جائیگی - لیکن آپ تمام قارئین کرام کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب خود اپنی سوانح عمری لکھتے تو اسی رنگ میں لکھتے اور اگر آپ انکی صحبت میں رہے ہوتے تو آپکو بھی انکے حالات لکھتے وقت میری ہی طرح معافی مانگنی پڑتی - ورنہ آپ کی تحریر بجائے مولوی نذیر احمد صاحب کی سوانح عمری کے کسی ٹھوٹہ ملا کے بے لطف واقعات کا ایک مجموعہ ہوجاتی - خدا بہتر جانتا ہے کہ اسوقت بھی لکھتے لکھتے پنسل ہاتھ سے رکھہ دیتا ہوں اور ایک عالم بیخودی مجھہ پر چھا جاتا ہے - مولوی صاحب کی کوئی بات نہ تھی جس میں خوش مذاقی کا پہلو نہ ہو - کوئی قصہ نہ تھا جس میں ظرافت کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہو - کوئی طرز بیان نہ تھا جو ہنساتے ہنساتے نہ لٹا دے - وہ دوسروں کو ہنساتے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے اپنی باتوں سے انکو ہنسائیں - یہی وجہ تھی کہ ہم (اور خاصکر میں) مولوی صاحب کے سامنے بہت شوخ ہو گئے تھے - لیکن وہ طرح ہی نہیں دیتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ مجھے مقطع اور مسمسے شاگردوں سے نفرت ہے - اسکے بعد بھی اگر کوئی صاحب یہ توقع رکھیں کہ میں مولوی صاحب کے حالات متانت کا پہلو اختیار کر کے لکھوں تو میں اسکا صرف یہی جواب دونگا کہ "ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں" —

لیجئے اب مولوی صاحب کا حلیہ سنئے —

رنگ سانولا مگر روکھا قد خاصہ اونچا تھا مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا - دھرا بدن گدرا ہی نہیں بلکہ موٹا پے کی طرف کسیقدر مائل - فرماتے تھے کہ بچپن میں ورزش کا شوق تھا - ورزش چھوڑ دینے سے بدن جسطرح مرمروں کا

تھیلا ہوجاتا ہے بس یہی کیفیت تھی - بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قد ٹھنگنا معلوم ہونے لگا تھا اسلئے اسکا تکملہ اونچی ترکی ٹوپی سے کردیا جاتا تھا - کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ تھا - توند اس قدر بڑہ گئی تھی کہ گھر میں ازاربند باندھنا بے ضرورت ہی نہیں تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا - اور محض ایک گرہ کو کافی خیال کیا گیا تھا - گرمیوں میں تہمد (تہ بند) باندھتے تھے؛ اسکے پلو اُڑسنے کی بجاے ادھر اُدھر ڈال لیتے تھے ، مگر اُٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے - اول تو قطب سے بیٹھے رہتے تھے، اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال اٹھنے کو ملتوی کیا جا سکتا ہے یا نہیں - ضرورت نے بہت ہی مجبور کیا تو ازاربند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اُڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے - سر بہت بڑا تھا مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا - جو تھوڑے رہے سہے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرا دئے جاتے تھے- ورنہ بالوں کی یہ کگر سفید مقیش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ ہو جاتی تھی - آنکھیں چھوٹی چھوٹی ذرا اندر کو دھنسی ہوئی تھیں - بھویں گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ افگن تھیں - آنکھوں میں غضب کی چمک تھی - وہ چمک نہیں جو غصہ کے وقت نمودار ہوتی ہے بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی - اگر میں ان کو " مسکراتی ہوئی آنکھیں" کہوں تو بیجا نہوگا - کلہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا - چونکہ دہانہ بھی بڑا تھا اور پیٹ کے محیط نے سانس کے لئے گنجائش بڑھا دی تھی، اس لئے نہایت اونچی آواز میں بغیر سانس کھینچے بہت کچھہ کہہ جاتے تھے - آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے ساتھہ - کوئی دور سے جو سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کو ڈانٹ رہے ہیں لیکن پاس بیٹھنے والا ہنسی کے مارے لوٹ رہا ہو - جوش میں آکر جب آواز بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے - اسی لئے بڑے بڑے جلسوں پر چھا جاتے تھے - اور پاس اور دور بیٹھنے والے دونوں کو ایک ایک حرف صاف صاف

سفائی دیتا تھا - ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری - ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں "گاجر" اور دلی والوں کی بول چال میں "پھلکی" کہا جاتا ہے - گو متانت چھو کر نہیں گئی تھی لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار میں خود بخود متانت پیدا کر دی تھی - داڑھی بہت چھدری تھی' ایک ایک بال بآسانی گنا جا سکتا تھا - کلے تو کبھی قینچی کے منت کش نہیں ہوے البتہ ٹھوڑی پر کا حصہ کبھی کبھی ہموار کرا لیا جاتا تھا - داڑھی کی وضع قدرت نے خود فرنچ فیشن بنا دی تھی - بالوں میں سے ٹھوڑی اس طرح دکھائی دیتی تھی جیسے اکس ریز (X Rays) ڈالنے سے کسی بکس کے اندر کی چیز - ٹھوڑی چوڑی اور ان کے ارادے کے پکے ہونے کا اظہار کرتی تھی - گردن چھوٹی مگر موٹی تھی - لیجئے یہ ہیں مولوی نذیر احمد خاں صاحب —

اب رہی لباس کی بحث تو اس کا بھی حال سن لیجئے - جنھوں نے اسٹیج پر ان کو شالی رومال باندھے کشمیری جبہ یا ایل - ایل - ڈی کا گون پہنے دیکھا ہے انھوں نے عالی جناب شمس العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں صاحب ایل - ایل - ڈی مد ظلہ العالی کو دیکھا ہے' مولوی نذیر احمد صاحب کو نہیں دیکھا - ان کے گھر کے اور باہر کے لباس میں زمین آسمان کا فرق تھا - اگر ان کو روزانہ باہر نکلنے کا شوق نہ ہوتا تو لباس کی مد ہی ان کے اخراجات کی فہرست سے نکل جاتی - جب شام کو گھر سے نکلتے تو عموماً ترکی ٹوپی یا چھوٹا سفید صافہ باندھکر نکلتے تھے - گرمیوں میں نہایت صاف شفاف سفید اچکن اور سفید کرتہ پیجامہ ہوتا - اور جاڑوں میں کشمیرے کی اچکن یا کشمیری کام کا جبہ - چونکہ سراج الدین صاحب سے لین دین تھا اس لئے لال نری کا سلیم شاہی جوتہ زیادہ استعمال کرتے تھے پھر بھی وقت بے وقت کے لئے دو انگریزی جوڑے لگا رکھے تھے جن پر میری یاد میں پالش ہونے کی کبھی نوبت نہ آئی' یہاں تک کہ دونوں سوکھ کر کھڑنک ہو گئے تھے - انہی کا پاؤں تھا کہ ان چینیوں کے سے سخت جوتوں کی برداشت کرتا تھا -

جرابوں سے انھیں ہمیشہ نفرت تھی - گر دربار میں جانے کے لئے دو ایک جوڑیاں پاس رکھتی تھیں - یہ تو پبلک کے مولوی صاحب ہوے - اب ہمارے مولوي صاحب کو دیکھئے - آئیے میرے ساتھہ چوڑیوالوں سے چلئے - چوڑیوالوں سے نکل کر چارڑي میں آئیے' اُلٹے ہاتھہ کو مڑ کر قاضی کے حوض پر سے ہوتے ہوے سرکی والوں پر سے گزر کر لال کوئیں پہنچئیے - آگے بڑھئے تو بڑیوں کا کٹرہ ہے - وہاں سے آگے چل کر نئے بانس میں آئیے - یہ سیدھا راستہ کھاري باولی کو نکل گیا ہے - نکڑ سے ذرا ادھر ہی دائیں ہاتھہ کو ایک گلی مڑي ہے' یہ بتاشہ والوں کی گلی ہے - بتاشے بنتے ہوے ہم نے سب سے پہلے یہیں دیکھے - یہاں اچار چٹنیوں والوں کی بیسیوں دکانیں ہیں - انہی دوکانوں کے بیچ میں سے ایک گلی سیدھے ہاتھہ کو مڑی ہے' تھوڑی ہی دور جا کر بائیں طرف ایک پتلی سی گلی اس میں سے کٹ گئی ہے' اس گلی میں پہلا ہی مکان مولوي صاحب کا ہے - مکان دو منزلہ ہے اور نیا بنا ہوا ہے - صفائی کی یہ حالت ہے کہ تنکہ پڑا ہوا نظر نہیں آتا - دروازے کے باہر دونوں پہلوؤں میں دو سنگین چوکیاں ہیں - دروازے کو عبور کرنے کے بعد صحن میں آتے ہیں - صحن کسی قدر چھوٹا ہے - سیدھی طرف دفتر ہے جہاں اکثر دو تین آدمی بیٹھے ہوے کلام مجید پر حنا کیا کرتے ہیں - اس کے مقابل بائیں طرف باورچی خانہ ہے' چولھے بنے ہوے ہیں' آگ جل رہی ہے - مگر برتن اور ہنڈیاں وغیرہ جو باورچی خانہ کا جزو لاینفک ہیں سرے سے ندارد ہیں - آگ صرف حقہ کے لئے سلگائی جاتی ہے - کھانا دوسرے گھر سے پک کر آتا ہے - دروازے کے بالکل سامنے اکہرا دالان ہے اور اندر ایک لمبا کمرہ - گرمی کا موسم ہے اور مولوی صاحب ایک چھوٹی سی میز کے سامنے بیٹھے کچھہ لکھہ رہے ہیں - کمرے کے دو دروازے بند ہیں ایک کھلا ہے - باہر ایک بڑھیا پھونس چماری بیٹھی پنکھے کی رسی کھینچ رہی ہے - ہاں تو میں کیا تصویر دکھانا چاہتا تھا؟ مولوی صاحب کا لباس - مگر خدا کے فضل سے ان کے جسم پر کوئی لباس ہی نہیں ہے جس کا تذکرہ کیا جاے - نہ کرتہ ہے نہ ٹوپی

نہ پیجامہ' ایک چھوٹی سی تہمد برائے نام کمر سے بندھی ہوئی ہے' بندھی ہوئی نہیں ہے محض لپٹی ہوئی ہے' لیکن گرہ کے جنجال سے بے نیاز ہے - کمرے میں نہایت اجلی چاندنی کا فرش ہے - ایک طرف پلنگ بچھا ہوا ہے - کبھی اس پر چادر ہے کبھی نہیں ہے - سرہانے تکیہ رکھا ہے مگر اس کی رنگت کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے - البتہ جس گاؤ تکیہ سے مولوی صاحب لگے بیٹھے ہیں وہ بہت صاف ہے - قالین بھی عمدہ اور قیمتی ہے - اگر مولوی صاحب کی حالت دیکھکر آپ سوال کر بیٹھیں کہ "مولانا ایں چہ کار است کہ کردۂ" تو انشاءاللہ یہی جواب ملیگا کہ "محتسب را درون خانہ چہ کار" جاڑوں میں مکان کے اوپر کے حصے میں رہتے تھے - چلئے وہاں کا بھی رنگ دکھادوں- صدر دروازے سے ملا ہوا زینہ ہے اور سیڑھیوں کے ختم ہونے پر غسلخانہ اور بیت الخلاء ہے - اس کے بعد ایک دروازہ آتا ہے - دروازہ سے گزر کے چھت پر آتے ہیں - سامنے ہی ایک کمرہ ہے اور اس کے دونوں جانب کوٹھریاں- غسلخانے کے بالکل مقابل دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرہ ہے- آخر آخر میں مولوی صاحب یہیں رہا کرتے تھے جس زمانے میں ہم پڑھتے تھے تو ان کی نشست سامنے والے بڑے کمرے میں تھی- یہاں بھی چاندنی کا فرش ہے اس پر قالین' پیچھے گاؤتکیہ' سامنے ایک چھوٹی نیچی میز' پہلو میں حقہ- اس کی حقیقت کیا حقہ بیان کرنا مشکل ہے- مولوی صاحب کو حقہ کا بہت شوق تھا مگر تمباکو ایسا کڑوا پیتے تھے کہ اس کے دھوئیں کی کڑواہٹ بیٹھنے والوں کے حلق میں پھندا ڈالدیتی تھی- فرشی قیمتی تھی مگر چام پیسے کی دو والی اور نیچہ تو خدا کی پناہ - اس کے تیار ہونیکی تاریخ لوگوں کے دلوں سے مدت ہی محو ہوچکی تھی - ایک آدہ دفعہ ایک صاحب نے نیچہ بدلنے کا ارادہ بھی کیا مگر مولوی صاحب نے نیچے کو دورو کا مترادف قرار دیکر ایسا سخت فقرہ کسا کہ بچارے ٹھنڈے ہوکر رہ گئے - خیر جاڑے کا موسم ہے - مولوی صاحب بیٹھے حقہ پی رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں- سر پر کنٹوپ ہے - مگر بڑا دقیانوسی- کبھی کانوں

کو ڈھکے ہوے اور ڈوریاں نیچے لٹکتی ہوئیں ' کبھی اس کے دونوں پا کھے اوپر کی طرف سیدھے کھڑے ہوکر لاٹ پادری کی ٹوپی کا نمونہ بن جاتے اور ڈوریاں طرے کا کام دیتیں ' کبھی پاکھوں کو سر پر اوپر تلے ڈوریوں سے کس دیا جاتا اور اس طرح کنٹوپ فلٹ کیپ کی شکل اختیار کرلیتا - جسم پر روئی کی مرزئی مگر ایسی پرانی کہ اُس کی روئی کی گرمی مدت سے مائل بہ سردی ہوچکی ہے - اوپر صندلی رنگ کا دھسّہ پڑا ہوا - لیجئے دیکھا آپ نے ہمارے مولوی صاحب کو - چار بجے' اور مولوی صاحب نے آواز دی " پانی تیار ہے " جواب ملا " جی ہاں " مولوی صاحب غسل خانے میں گئے ؛ کپڑے بدل (یا یوں کہو کہ جون بدل) باہر نکل آئے اور چلے ٹاؤن ہال کو - اب یہ ہمارے مولوی صاحب نہیں رہے ' آپ کے مولوی صاحب ہوگئے —

گھر میں اس لباس سے استغناء کے کئی باعث تھے - اول تو یہ بات تھی کہ ان کو اپنے کاموں ہی سے فرصت نہیں تھی - پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے میں ان کا دن گزر جاتا تھا - دوسرے یہ کہ وہ بہت کم لوگوں سے مکان پر ملتے تھے جس کو ملنا ہوتا تھا شام کو ٹاؤن ہال کی لائبریری میں ان سے جاکر مل آتا تھا - جو لوگ مکان پر آتے تھے وہ یا تو ان کے شاگرد ہوتے تھے یا خود صاحب کمال - اور ظاہر ہے کہ ایسے صاحب کمال لوگ ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے - یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ہیں کتنے پانی میں - لباس سے اس بےاعتنائی کی تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے - کسی دوسرے کا دولتخانہ نہیں جانتے تھے - ان کو جس طرح آرام آتا اس طرح رہتے - جی چاہتا پہنتے نہ جی چاہتا نہ پہنتے - البتہ جب باہر جاتے " تو کھائے من بھاتا پہنے جگ بھاتا " پر عمل کرتے - اصل عالم تو گھر پر تھے ؛ باہر نکل کر ظاہری عالم بھی بن جاتے - سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گھر میں کوئی عورت نہ تھی جو ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی — یا کم سے کم ان کا کنٹوپ ' مرزئی یا سرھانے کے تکیہ کا غلاف تو بدل دیا کرتی - گھر میں تھا کون' ایک مولوی صاحب

دوسرا ایک کانڑا تٹو بدھو نفر - ان کا نوکر خدا بخش ' وہ بھی ایسا بے پرواہ کہ خدا کی پناہ - ظالم نے بہرا بن کر کام سے اور اپنا پیچھا چھڑالیا تھا - مولوی صاحب کی آواز جس سے مردے قبر میں چونک پڑیں اس کو کبھی نہ سنائی دے اور جب تک کسی نے جاکر اس کا شانہ نہ ہلایا ' اس نے ہمیشہ سنی کو ان سنی کردیا البتہ حقے کے معاملے میں بڑا تیز تھا - یا تو اس کو یہ خیال تھا کہ حقے بغیر مولوی صاحب کے ہاں گزارہ ہونا دشوار ہے یا یہ وجہ تھی کہ تمباکو زیادہ صرف کرنے میں اس کو دو ایک پیسے روز ملجاتے تھے - غرض یہ حال تھا کہ حقہ پورا سلگا بھی نہیں ہے اور وہ چلم اٹھا کر لے چلا - مولوی صاحب ہاں ہاں کرتے ہی رہے اس نے جا چلم اُلٹ دی - دوسرا سلفہ رکھہ' آگ بھر ' چلم حقہ پر لاکر رکھدی - تواگرم حقہ بھڑک گیا - میاں نوکر صاحب کو پھر بلا کر توا ٹھنڈا کرنے اور چلم بھروانے کی ضرورت پیش آئی - غرض سارے دن ان کا یہی کام تھا اور وہ اس میں خوش اور بہت مگن تھے —

جرمنی کے مشہور فلسفی کانت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کا اس قدر پا بند تھا کہ لوگ اس کو دیکھکر اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لیتے تھے - بعض یورپ پرست اس کی پابندئی اوقات کو یورپ والوں کا ہی حصہ خیال کریں تو خیال کریں میں تو یہ کہتاہوں کہ صرف دھلی میں میں نے تین ایسے شخص دیکھے ہیں جو آندھی آئے مینہ آئے' روزآنہ چھہ بجے ٹاؤن ہال کی لائبریری میں آتے تھے ادھر اُنھوں نے لائبریری کے دروازے میں قدم رکھا اور ادھر گھنٹہ گھرنے چھہ بجائے - لطف یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشرق میں رہتا تھا تودوسرا مغرب میں-یہ تین شخص کون تھے - ایک منشی ذکاءاللہ صاحب' دوسرے رائے بہادر پیارے لال صاحب اور تیسرے مولوی صاحب-ایک چیلوں کےکوچے سے آتا تھا' دوسرا دریبہ سے اور تیسرا کہاری باولی سے-ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک نے آکر دوسرے کا انتظار کیا ہو-اگر ان میں سے کوئی ایک نہ آتا تھا تو ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ نہ آنے والا ایسا بیمار ہے کہ

چلنا دشوار ہے - اور یہ نتیجہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا - میں نےخود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سےکسی سےملنا ہوتا اور چھ بجےسےذرا پہلے لائبریری کےکسی ملازم سےجاکر دریافت کرتا تو یہی جواب ملتا کہ"اب آتے ہی ہونگے چھ میں دو ہی منٹ تو رہ گئے ہیں"- دوسرے دو صاحبوں کا ٹائم ٹیبل تو مجھے معلوم نہیں البتہ مولوی صاحب کی مصروفیتوں کا حال لکھتا ہوں - انکے اس نظام اوقات میں گرمی اور جاڑے کے لحاظ سے کچھ کچھ تغیر ہو جاتا تھا - وہ ہمیشہ بہت سویرے اُٹھنے کے عادی تھے - گرمیوں میں اُٹھتے ہی نہاتے تھے - اور ضروریات سے فارغ ہوکر نماز پڑھتے - انکی صبح کی اور عصر کی نماز کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی- باقی کا حال اللہ کو معلوم ہے - نہ میںنے دریافت کیا اور نہ مجھ سے کسی نے کہا - صبح کی نماز پڑھکر کچھ تلاوت کرتے - ادھر ذرا دن چڑھا ' اُدھر مولویوں کی جماعت اور خود مولوی صاحب کا ناشتہ داخل ہوا - اس جماعت میں بخارا ' کابل ' سرحد وغیرہ کے لوگ تھے - انکی تعداد کوئی ۱۵ ' ۱۶ تھی - محنت ایسی کرتےتھے کہ دوسرا کرے تو مرجائے لیکن ٹھوٹھ ایسے تھے کہ مولوی صاحب بھی زچ ہوجاتے تھے - خوش مذاقی تو انھیں چھوکر نہیں نکلی تھی - خود مذاق کرنا تو کجا دوسرے کا مذاق بھی نہیں سمجھ سکتے تھے - متانت اور ادب کا یہ حال تھا کہ آنکھ اٹھا کر مولوی صاحب کو دیکھنا سوء ادبی سمجھتے تھے اب انکے " وہ عمامے اونچے اونچے یہ یہ لمبی داڑھیاں " دیکھو اور مولوی صاحب کی حالت کا اندازہ کرو - بچارے ناشتہ کرتےجاتے اور اپنا فرض اتارتے جاتے تھے عالم تھے دوسروں کو عالم بناتے تھے-لیکن کہا کرتے تھے کہ" ان فتحپوری کے ملانوں کو پڑھا کرمیرادل بیٹھ جاتا ہے کیا کہوں - میں ہوں ہنسوڑ اور توھے مقطع میرا تیرا میل نہیں 'کا نقشہ ہے' ' یہ جماعت اٹھی اور مولوی رحیم بخش صاحب آ نازل ہوئے - کاغذوں کاستھا بغل میں ' ہاتھ میں پنسل ' کان میں قلم '

ادھر فتحپوری کی جماعت نے کمرہ سے قدم نکالا ادھر انھوں نے کمرہ میں قدم رکھا - اب سلسلہ تصنیف و تالیف شروع ہوا - چونکہ آخر آخر میں مولوی صاحب کے ہاتھہ میں رعشہ آگیا تھا ' اسلئے لکھوانے کا کام اکثر انھیں سے لیا جاتا تھا - سب سے پہلے کلام مجید اور حمائل شریف کی کاپیوں کی صحت کی جاتی - اسکے بعد مطبع کا حساب دیکھا جاتا اور پھر جدید تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوتا - یہ کام سمیٹتے سمیٹتے ساڑھے گیارہ ' پونے بارہ بج جاتے - رحیم بخش صاحب کے اُٹھتے ہی کھانا آتا - کھانا کھایا اور پلنگ پر لیٹ گئے - ادھر ڈیڑہ بجا اور ادھر ہم دونوں داخل ہوے - ہمارا قدم رکھنا تھا کہ مولوی صاحب اُٹھہ بیٹھے - ساڑھے تین بجے تک ہم سے سرغزنی کرتے رہے - اگر کوئی دلچسپ بحث یا قصہ چھڑ گیا تو چار بج گئے - چار بجے اور مولوی صاحب غسل خانہ میں گئے - نہائے دھوئے کپڑے پہن نکل کھڑے ہوے - پہلے شمس العارفین کی دوکان پر ٹھیرے - یہاں بھی ان کا حساب کتاب تھا - وہاں کا کھاتہ دیکھا جو کچھہ لینا دینا تھا لیا دیا اور سیدھے ٹاون ہال کی لائبریری میں پہنچ گئے - سات بجے تک وہاں ٹھیرے جس کو ملنا ہوا وہ وہاں مل لیا - سات بجے وہاں سے اُٹھہ کر سراج الدین صاحب کی دوکان پر آئے - یہاں بھی حساب کتاب کیا - عبدالرحمن کو پڑھایا - گھنٹہ بھر یہاں ٹھیر کر مکان پہنچ گئے - کھانا کھایا - کچھہ لکھا پڑھا اور دس بجے سو رہے - جاڑے میں پروگرام میں یہ تبدیلی ہو جاتی تھی کہ پہلے صبح ہی صبح ہم پہنچتے تھے' اس کے بعد مولویوں کی جماعت آتی تھی' رحیم بخش صاحب کا نمبر سہ پہر میں آتا تھا —

خوش خوراک تھے اور مزے لے لے کر کھانا کھاتے تھے - ناشتے میں دو نیم برشت انڈے ضرور ہوتے تھے - میوہ کا بڑا شوق تھا - ناشتہ اور کھانے کے ساتھہ میوہ کا ہونا لازم تھا - پڑھاتے جاتے اور کھاتے جاتے تھے - مگر مجھکو ایک حسرت رہ گئی کہ کبھی شریک طعام نہ ہو سکا - خیر ان پٹھانوں کی جماعت کی تو کیا صلا کرتے ان کے لئے تو مولوی صاحب کا ناشتہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ہو جاتا - البتہ ہم

دونوں کی صلا نہ کرنا غضب تھا - کہتے بھی جاتے تھے " بھئی کیا مزے کا خربوزہ ہے"- "میاں کیا مزہ کا آم ہے" - مگر بندۂ خدا نے کبھی یہ نہ کہا کہ بیٹا ذرا چکھ کر تو دیکھو یہ کیسا ہے - میں نے تو تہیہ کرلیا تھا (میاں دانی اب انکار کریں تو کریں لیکن ان کا بھی یہی ارادہ تھا) کہ مولوی صاحب اگر جھوٹے منہ بھی شریک ہونے کو کہیں تو ہم سچ مچ شریک ہو جائیں—

مولوی صاحب کو مسلمانوں میں تجارت پھیلانے کا شوق تھا اور اس غرض کے حاصل کرنے میں ان کو مالی مدد دینے میں کبھی انکار نہوتا تھا - بے دریغ روپیہ دیتے تھے اور اکثر بڑی بڑی رقمیں ڈبو بیٹھتے تھے - کہا کرتے تھے " میاں میں سچ کہتا ہوں کہ اس تجارت کے شوق میں تین لاکھ روپیہ کھو بیٹھا ہوں - پھر بھی جو کچھ مجھے بعض کھرے دوکانداروں سے فائدہ پہنچا ہے اس نے میرے نقصان کی تلافی ہی نہیں کر دی بلکہ کچھ نفع ہی پہنچا دیا ہے - بیٹا تم بھی تجارت کرو - روپیہ میں دیتا ہوں - نوکری کی کھکیڑ اٹھاؤگے تو مزا معلوم ہوگا" - جس طرح روپیہ دل کھول کر دیتے تھے اسی طرح حساب بھی بڑی سختی سے لیتے تھے- گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا مینہ قرضداروں کے ہاں ان کا روزانہ چکر نہیں چھوٹتا تھا - گئے اور جاتے ہی پہلے " غلق " پر قبضہ کیا - اس کے بعد کھاتہ دیکھا، کردی دیکھی، سامان دیکھکر بکری کا اندازہ کیا، روپیہ جیب میں ڈالا، سلام علیکم وعلیکم السلام کیا اور چلدئے - دوسرے دوکاندار کے پاس پہنچے اور وہاں بھی وہی پہلا سبق دھرایا - کوڑی کوڑی کا حساب دیکھتے، اعتراضوں کی بوچھاڑ سے پریشان کرتے اور کہتے جاتے " بھئی حساب جو جو بخشش سو سو" - فقرے کے پہلے جزو سے تو بچاروں کو روزانہ واسطہ پڑتا لیکن دوسرے جزو کا دیکھنا کبھی کسی کو نصیب نہ ہوا - یہ ضرور ہے کہ اگر واقعی بازار کے مندہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ان کے کسی قرضدار کا نقصان ہو جاتا یا دیوالہ نکل جاتا تو پھر اس قرضے کا ذکر زبان پر نہلاتے - ان کو خیال تھا کہ دھلی کے پنجابی تجارت خوب سمجھتے ہیں، ان کو دل

گھول کر روپیہ دیتے تھے اور اکثر انھیں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے تھے - مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں - ایک صاحب جن کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں مولوی صاحب کے پاس آئے - تجارت کا ذکر چھیڑا - اور مولوی صاحب کو ولایتی جوتوں کے فائدے کے وہ سبز باغ دکھائے کہ تیسرے ہی روز بلا کسی طمانیت کے گیارہ ہزار روپئے کا چک مولوی صاحب نے ان کے نام لکھ دیا - بڑے ٹھاٹھ سے سنہری مسجد کے قریب دوکان کھولی گئی - مولوی صاحب جاتے، گھڑی دو گھڑی وہاں بیٹھتے - دوکاندار صاحب کی لچھے دار باتیں سنتے - چلتے وقت کچھ روپئے جیب میں ڈالنے کو مل جاتے اس لئے خوش خوش بغیر حساب کئے گھر آجاتے - یہی ٹھوکر تھی جس نے مولوی صاحب کو چوکنا کر دیا تھا اور وہ بغیر حساب کتاب دیکھے روپئے کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتے تھے - قصہ مختصر - اصل میں سے دو ڈھائی ہزار روپیہ مولوی صاحب کو تھما اس نے دیوالہ نکال دیا - قرقی ہوئی، مال نیلام چڑھا اور اس میرے یار نے کُل سامان دوسروں کے ذریعہ سے خود خرید لیا - مولوی صاحب کو اس چال کی کانوں کان خبر نہ ہوئی - اس کے بعد آیا، بہت رویا، بہت قسمے کھائے، مولوی صاحب سمجھے بچارے کو بڑا رنج ہوا - کہا "جاؤ بھئی جاؤ، تجارت میں یہی ہوتا ہے یا اس پار یا اُس پار" - چلو گئی گزری بات ہوئی - ایک روز خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ یہ چارڑی میں جا رہے تھے، کچھ جھٹپٹا ہوا تھا کیا دیکھتے ہیں کہ دوکاندار صاحب خوب پیئے ہوئے، عطر میں بسے، پھولوں کا کنٹھا گلے میں ڈالے ایک رنڈی کا ہاتھ پکڑے کوٹھے سے اُترے اور آکر ایک کھلی گاڑی میں سوار ہوئے - مولوی صاحب نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہیں ٹھٹک گئے - اتنے میں انھوں نے بھی مولوی صاحب کو دیکھا، بہت مسکرا کر سلام کیا - رنڈی نے چپکے چپکے کچھ دریافت کیا تو ایک قہقہہ لگایا اور اونچی آواز میں کہا کہ "یہ سب کچھ مولوی صاحب ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے" - مولوی صاحب کے آگ لگ گئی - دوسرے دن ہی فالش ٹھونک دی اور آخر ان کو ٹھکانے لگا کر دم لیا -

لوگوں نے سفارشیں بھی کیں، انھوں نے خود بھی آکر بہت کچھہ توبہ تلہ کی لیکن یہ نہ ماننا تھا نہ مانے - اور آخر جب اس کو کھک کر دیا اس وقت ان کو چین آیا—

دین لین سب کچھہ کرتے تھے مگر حساب کتاب صرف دوسروں کی کتابوں یا ان کے دل میں تھا - کچھہ تھوڑا بہت لوگوں کے کہنے سننے سے متفرق پرچوں پر لکھہ بھی لیا تھا - لیکن اتنے بڑے بیوپار کے لئے جیسا دفتر چاہئے وہ انھوں نے نہ رکھنا تھا نہ رکھا —

سود لینا وہ جائز سمجھتے تھے - اگر کوئی حجت کرتا تو مارے تاویلوں کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے - ایک تو حافظ دوسرے عالم تیسرے لسان ' بھلا ان سے کون ور آسکتا تھا - اور تو اور خود مجھہ سے سود لینے کو تیار ہوگئے - واقعہ یہ ہے کہ ہم پر متفرق قرضے تھے - خیال آیا کہ ایک جگہ سے قرض لیکر سب کو ادا کر دیا جائے - قرضہ کس سے لیا جائے ' یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا - ہر پھر کر مولوی صاحب ھی پر نظر جاتی تھی - آخر ایک دن جی کڑا کر کے میں نے مولوی صاحب سے سوال کر ھی دیا - کہنے لگے " کتنا روپیہ چاہئے "- میں نے کہا " بارہ ہزار "- بولے " ضمانت" میں نے کہا " چوڑیوالوں‌والا مکان " - پوچھا "کتنی مالیت کا ہے "- میں نے کہا " کوئی ساٹھہ ستر ہزار روپئے کا "- فرمایا " کل قبالہ لیتے آنا "- میں نے دل میں سوچا چلو چھٹی ہوئی - بڑی جلدی معاملہ پٹ گیا - دوسرے دن قبالہ لیکر پہنچا - پڑھکر کہا " ٹھیک ہے مگر بیٹا سود کیا دوگے "- میں نے کہا " مولوی صاحب آپ اور سود " کہنے لگے " کیوں اس میں کیا ہرج ہے ' میں نہ دونگا تو کسی ساہوکار سے لوگے ' اس کو خوشی سے سود دوگے- ارے میاں مجھے کچھہ فائدہ پہنچاوگے تو دین دنیا دونوں میں بھلا ہوگا - آخر میں تمہارا اوستاد ہوں یا نہیں - میرا بھی کچھہ حق تم پر ہے یا نہیں جاؤ شاباش بیٹا اپنے چچا سے جا کر تصفیہ کر آؤ - کل ھی چک بنگال بلک کے نام لکھے دیتا ہوں " میں نے کہا " مولوی صاحب

لوگ کیا کہینگے کہ مولوی ہوکر سود لیتے ہیں اور لیتے ہیں کس سے اپنے شاگردوں سے " - کہنے لگے " اس کی پرواہ نہ کرو جب مجھ پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے تو اب مجھے ڈر ہی کیا رہا - جاؤ تمہارے ساتھہ یہ رعایت کرتا ہوں کہ اوروں سے روپیہ سیکڑا لیتا ہوں تم سے چودہ آنے لونگا "- میں نے آکر گھر میں ذکر کیا ہم کو دوسری جگہ سے آٹھہ آنے سینکڑے پر روپیہ مل گیا اس لئے یہ معاملہ یونہی کا یونہی رہ گیا —

لیجئے یہ قصے تو سنا چکا - اب اصل کہانی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کے واقعات جو ان کی زبانی سنے تھے بیان کرتا ہوں —

ایک روز مولوی صاحب معلقات پڑھا رہے تھے' عمرو بن کُلثوم کا قصیدہ تھا جب اس شعر پر پہنچے :—

ابا ہند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا

تو بہت ہنسے - کتاب رکھدی اور ہنستے ہنستے لوٹ گئے - ہماری سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے - شعر میں کوئی ہنسی کی بات نہیں' پھر مولوی صاحب کو یہ کیا مرض اٹھا ہے - آخر جب ہنسنے کا ذرا زور کم ہوا تو وجہ دریافت کی - مولوی صاحب پھر ہنسنے لگے - تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر بولے - " میاں بعض شعر قصہ طلب ہوتے ہیں - یہ شعر میری زندگی کے قصے کا آغاز ہے - اچھا لو سنا تا ہوں - مگر پہلے تمہید سن لو - بھئی ہم بہت غریب لوگ تھے - نہ کھانے کو روٹی نہ پہننے کو کپڑا- تعلیم کا شوق تھا اس لئے پھرتا پھراتا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں ٹھیر گیا - یہاں کے مولوی صاحب بڑے عالم تھے - ان سے پڑھتا اور توکل پر گزارہ کرتا - مولوی صاحب کے دو چار شاگرد اور بھی تھے؛ انہیں بھی پڑھاتے' مجھے بھی پڑھاتے- دن رات پڑھنے کے سوا کچھہ کام نہ تھا - تھوڑے سے دنوں

میں کلام مجید پڑھکر میں نے ادب پڑھنا شروع کیا - چار پانچ برس میں معلقات پڑھنے لگا - گو عمر میری بارہ سال کی تھی مگر قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا - پڑھنے کے علاوہ میرا کام روٹیاں سمیٹنا بھی تھا - صبح ہوئی اور میں چھبڑی ہاتھہ میں لے گھر گھر روٹیاں جمع کرنے نکلا - کسی نے رات کی بچی ہوئی دال ہی دیدی ' کسی نے قیمے کی لگدی ہی رکھدی ' کسی نے دوتین سوکھی روٹیوں ہی پر ٹرخایا - غرض رنگ برنگ کا کھانا جمع ہوجاتا - مسجد کے پاس ہی عبدالخالق صاحب کا مکان تھا - اچھے کھاتے پیتے آدمی ہیں - انہی کے بیٹے دپٹی عبدالحامد ہیں جو سامنے والے مکان میں رہتے ہیں - ان کے ہاں سوا قدم رکھنا مشکل تھا ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ' اُدھر اُن کی لڑکی نے ٹانگ لی - جب تک سیر دوسیر مصالحہ مجھہ سے نہ پسوالیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا ٹکڑا دیتی خدا جانے کہاں سے محلے بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی - پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑگئے تھے ' جہاں میں نے ہاتھہ روکا اور اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا - بخدا جان سی نکل جاتی تھی - میں نے مولوی صاحب سے کئی دفعہ شکایت بھی کی مگر انھوں نے ٹالدیا - خبر نہیں مجھہ سے کیا دشمنی تھی چلتے چلتے تاکید کردیا کرتے تھے کہ عبدالخالق صاحب کے مکان میں ضرور جانا - بہر حال مارا دھاڑی روز وہاں جانا پڑتا اور روز یہی مصیبت جھیلنی پڑتی - تم سمجھے بھی کہ یہ لڑکی کون تھی - میاں یہ لڑکی وہ تھی جو بعد میں ہماری بیگم صاحبہ ہوئیں - جب سوچتا ہوں تو پچھلا نقشہ آنکھوں میں پھرجاتا ہے اور بے اختیار ہنسی آجاتی ہے - اکثر ہم دونوں پہلی باتوں کو یاد کرتے اور خوب ہنستے تھے ' خدا غریق رحمت کرے - جیسی بچپن میں شریر تھیں ویسی ہی جوانی میں غریب ہوگئیں - ان کے مرنے کے بعد ہماری تو زندگی کا مزا جاتا رہا -

بھئی دیکھنا میں نے بھی کیسے مزے کی تاریخ کہی ہے''۔ اس نے بعد انھوں نے عربی کے چار پانچ اشعار کا قطعہ سنایا مادہ تاریخ '' لھاغفر '' تھا۔ میں نے بڑی زور سے '' اوں‌ھوں'' کی' بگڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا '' کیوں آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے''۔ میں نے عرض کی جی نہیں' لیکن اس قطعہ کو سنکر مجھے دبیر کی ایک رباعی یاد آگئی۔ کیا خوب لکھی ہے' فرماتے ہیں —

ہم شان نجف نہ عرش انور ٹھیرا
میزاں میں یہ بھاری وہ سبکتر ٹھیرا
اس پلے میں تھا نجف اور اس پلے میں عرش
پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر ٹھیرا

بڑے غور سے سنتے رہے۔ پھر کہنے لگے '' یہ تو بے معنی ہے۔ نجف کی جگہ دنیا کی جس چیز کو رکھہ دو اس سے یہ رباعی متعلق ہوجائے گی اور وہ عرش سے بھاری ثابت ہوگی''۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے قطعہ کو اس سال میں مرنے والی جس عورت سے متعلق کردو متعلق ہوجائیگا۔ اس تاریخ میں خوبی ہی کیا ہے' اول تو ایسی عام تاریخیں کچھہ قابل تعریف نہیں ہوئیں دوسرے سر سید کے تاریخ انتقال ''غفرلہ'' پر آپ نے صرف الف کا اضافہ کرکے اس کو اپنا مال کرلیا ہے۔ مسکراکر کہنے لگے۔ ''اچھا بھئی تو ہی سچا سہی۔ اچھا اب اس جھگڑے کو چھوڑو اور میری اصل کہانی کو لو۔ ہاں تو فرصت کے وقت ہم دھلی کی گلیوں کا چکر لگاتے' کبھی کبھی کشمیری دروازہ کی طرف بھی نکل جاتے۔ ایک روز جو کشمیری دروازہ کی طرف گیا تو دیکھا کہ دھلی کالج میں بڑا ہجوم ہے۔ کالج وہاں تھا جہاں اب گورنمنٹ اسکول ہے؛ میں بھی بھیڑ میں گھس گیا۔ معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدرالدین صاحب آئے ہیں۔ ہم نے کہا چلو ہم بھی دیکھیں۔ بر آمدے میں پہنچا۔ قد چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ہوتا ہوا گھس گھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ دیکھا کہ کمرے کے بیچ میں میز بچھی ہے اس کے

سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ہیں - ایک ایک لڑکا آتا ہے اس سے سوال کرتے ہیں اور سامنے کاغذ پر کچھ لکھتے جاتے ہیں - میز کے دوسرے پہلو کی کرسی پر ایک انگریز بیٹھا ہے - یہ مدرسے کے پرنسپل صاحب تھے - تماشے میں محو تھا کہ صاحب کسی کام کے لئے اُٹھے - چپراسیوں نے رستہ صاف کرنا شروع کیا - جو لوگ دروازہ روکے کھڑے تھے وہ پیچھے نہ ہٹتے تھے - چپراسی زبردستی دھکیل رہے تھے - غرض اس دھکا پیل میں میرا قلیہ ہوگیا - دروازے کے سامنے سنگ مرمر کا فرش تھا - اس پر سے میرا پاؤں رپٹا اور میں دھم سے گرا - اتنی دیر میں پرنسپل صاحب بھی دروازہ تک آگئے تھے - اُنھوں نے جو مجھے گرتے ہوے دیکھا تو دوڑکر میری طرف بڑھے - مجھے اُٹھایا - پوچھتے رہے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی - ان کی شفقت آمیز باتیں اب تک میرے دل پر کالنقش فی الحجر ہیں - باتوں باتوں ہی میں پوچھا "میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ہو" - میں نے کہا "معلقات" - ان کو بڑا تعجب ہوا - پھر پوچھا - میں نے پھر وہی جواب دیا - میری عمر پوچھی - میں نے کہا "مجھے کیا معلوم" - وہ میرا ہاتھ پکڑ بجائے اپنے کام کو جانے کے سیدھا مجھ کو مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے "مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ہے میں معلقات پڑھتا ہوں - ذرا دیکھئے تو سہی سچ کہتا ہے - یا یونہی باتیں بناتا ہے" - مفتی صاحب نے کہا "تو کیا پڑھتا ہے" - میں نے کہا "معلقات" - کہنے لگے "کہاں پڑھتا ہے" - میں نے کہا "پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں" پھر کہا - "معلقات دوں، پڑھیگا" - میں نے کہا "لائیے" - اُنھوں نے میز پر سے کتاب اُٹھائی - میرے ہاتھ میں دیدی - اور کہا "یہاں سے پڑھ" جس شعر پر اُنھوں نے انگلی رکھی تھی - وہ یہی شعر تھا -

آبا هند فلا تعجل علينا و انظرنا نخبرك اليقينا

میں نے پڑھا معنی بیان کئے - اُنھوں نے ترکیب پوچھی وہ بیان کی - میاں دانی تمھاری طرح میں نے شعر نہیں پڑھا تھا اور مرزا فرحت صاحب تمھاری طرح ترکیب نہیں کی تھی (مولوی صاحب کا یہ اشارہ ہماری کمزوریوں کی طرف

تھا اس کا ذکر آئندہ آئے گا) مفتی صاحب بہت چکرائے - پوچھنے لگے "تجھہ کو کون پڑھاتا ھے" - میں نے کہا - "مسجد کے مولوی صاحب" کہا "مدرسے میں پڑھیگا" - میں نے جواب دیا - "ضرور پڑھوں گا" - مفتی صاحب نے قلم اُٹھا کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور پرنسپل صاحب کو دے کر کہا "اس کو پرسیڈنٹ صاحب کے پاس پیش کر دینا" - ہم وہاں سے نکل اپنے گھر آئے - مولوی صاحب سے کچھہ نہ کہا - کوئی سات آٹھہ روز کے بعد کالج کا چپراسی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا - اس میں لکھا تھا کہ نذیر احمد کو کالج میں داخل کرنے کی اجازت ہوگئی ھے - کل سے آپ اس کو کالج میں آنے کی ھدایت کردیجئے - اس کا وظیفہ ہوگیا ھے - چپراسی تو یہ حکم دے چلتا بنا - مولوی صاحب نے مجھہ کو بلایا - خط دکھایا - پوچھا یہ کیا معاملہ ھے - میں نے کچھہ جواب نہیں دیا - جب ذرا سختی کی تو میں نے واقعہ بیان کیا - وہ بہت خوش ہوے اور دوسرے روز لے جا کر میرا ھاتھہ پرنسپل صاحب کے ھاتھہ میں دے دیا - اس زمانے میں سید احمد خاں فارسی کی جماعت میں، منشی ذکاء اللہ حساب کی جماعت میں اور پیارے لال انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے، میں عربی کی جماعت میں شریک ہوا - ایک تو شوق، دوسرے پڑھانے والے ھشیار، تیسرے ایک مضمون اور وہ بھی ایسا جس کا مجھے بچپن سے شوق تھا، تھوڑے ھی دنوں میں اپنی جماعت والوں میں سب کو دبا لیا - اب جب کبھی یہ شعر پڑھتا ہوں تو پہلا زمانہ یاد آجاتا ھے اور میں بے اختیار ھنسنے لگتا ہوں - یہ کہتے ھی انھوں نے لہک لہک کر یہ شعر

أبا ھند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا

پڑھنا اور ھنسنا شروع کیا —

میں نے کہا "مولوی صاحب آپ کی جماعت کہاں بیٹھتی تھی" - کہنے لگے - "پرنسپل صاحب کے کمرے کے بازو میں جو چھوٹا کمرہ ھے اس میں ھماری جماعت تھی - دوسرے پہلو میں جو کمرہ ھے اس میں فارسی کی جماعت" دانی نے کہا "مولوی صاحب آپ کے اختیاری مضمون کیا تھے" - مولوی صاحب ھنسے اور کہا -

"میاں دانی! ہم پڑھتے تھے' آج کل کے طالب علموں کی طرح چوتڑوں سے گھانس نہیں کا تتے تھے۔ (مولوی صاحب اس فقرہ کا اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ معلوم نہیں کہاں کا محاورہ ہے) ارے بھئی ایک ہی مضمون کی تکمیل کرنا دشوار ہے' آج کل پڑھاتے نہیں لادتے ہیں۔ آج پڑھا کل بھولے۔ تمہاری تعلیم ایسی دیوار ہے جس میں گارے کا بھی ردا ہے' ٹھیکریاں بھی کھسیڑ دی گئی ہیں' مٹی بھی ہے' پتھر بھی ہے' کہیں کہیں چونا اور اینٹ بھی ہے۔ ایک دھکا دیا اور آڑا ڑا دھم گری۔ ہم کو اُس زمانے میں ایک مضمون پڑھاتے تھے مگر اس میں کامل کردیتے تھے۔ پڑھانے والے بھی ایرے غیرے پچکلیان نہیں ہوتے تھے' ایسے ایسے کو چھانٹا جاتا تھا جن کے سامنے آج کل کے عالم محض کاٹھ کے اُلو ہیں۔ اچھا بھئی اچھا آگے چلو۔

بانا نور دالرایات بیضا و نصدر هن حمراً قد رویٰنا

میں نے کہا مولوی صاحب پہلے شعر کے تو معنی رہ ہی گئے۔ کہنے لگے اتنا بڑا قصہ سنا دیا اس کے بعد بھی اس شعر کے معنوں کی ضرورت ہے۔ پس اس کے یہی معنی ہیں کہ تحقیق ایک ملا کا بیٹا ڈاکٹر ڈپٹی شمس العلماء ایل ایل ڈی ہو گیا' ساتھ آسانی کے' بیچ اسی دلی کے' بوجہ اس شعر کے —

مولوی صاحب کی تعلیم کا حال سن چکے۔ اب ہماری تعلیم کا حال سنئیے اور قصہ کو سراج الدین صاحب کی دوکان کے واقعہ کے دوسرے روز سے لیجئیے —

میں اور میاں دانی ساڑھے گیارہ بجے مدرسہ سے آئے کھانا دانا کھا یا سبق کا مطالعہ کیا اور ایک بجے نکل کھڑے ہوئے۔ مکان کا پتہ پوچھتے پوچھاتے ڈیڑھ میں پانچ منٹ تھے کہ مولوی صاحب کے دروازے پر جا دھمکے۔ دروازے کی ایک چوکی پر میں اور دوسرے پر میاں دانی ڈٹ گئے۔ سامنے ہی کمرہ تھا بی چماری رسی ہاتھ میں لئے اونگھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی رسی کو ایک آدہ جھٹکہ دیدیتی تھیں۔ کمرہ کے اندر مولوی صاحب تھے۔ لیکن دروازہ بند تھا اس لئے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اب یہ خیال ہوا کہ یہ مولوی صاحب ہی کا

مکان ہے یا کسی دوسرے کا - اندر زنانہ تو نہیں ہے غرض اس شش و پنج میں تھے کہ مولوی صاحب کے کمرہ کے گھنٹے نے تن سے ڈیڑھ بجا یا - ہم دونوں اُٹھے اور دبے پاؤں چوروں کی طرح اندر داخل ہوئے - گھر میں سناٹا تھا - بی چماری نے سر بھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ کون جا رہا تھا - کمرہ کا ایک دروازہ کھلا تھا اس میں گردن ڈال کر جھانکا - چونکہ روشنی سے اندھیرے میں آئے تھے اس لئے کچھ دکھائی نہیں دیا - اندر سے کسی نے ڈانٹ کر کہا "کون ہے" - اس آواز کو پہچان کر ہم تو سنبھل گئے - مگر بی چماری اچھل پڑیں اور بےاختیار انکے منہ سے گنبد کی آواز کی طرح نکلا "کون ہے" میں نے کہا "میں اور دانی" - مولوی صاحب نے کہا "آؤ، بیٹا اندر آؤ" - مولوی صاحب فوراً پلنگ پر اُٹھ بیٹھے اور تہمد کو سنبھالتے ہوے نیچے اتر آئے پوچھا "کیا پڑھتے ہو" - ہم نے کتاب پیش کی - تھوڑی دیر تک اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے - اس کے بعد کہا "بھئی ایک کتاب میرے لئے بھی لیتے آنا" - ہم نے اپنی ایک کتاب ان کو دیدی اور دوسری سے دونوں نے ملکر کام نکالا - کب پڑھایا اور کس طرح پڑھایا، اس کا میں آئندہ ذکر کروں گا - ہاں یہ ضرور ہے کہ جب پڑھ کر اُٹھے تو سب کچھ یاد تھا، مگر دماغ پر کسی قسم کا بار نہ معلوم ہوتا تھا خوشی خوشی گھر آئے - چلو اللہ دے اور بندہ لے—

ہم نے بھی کالج میں مولوی صاحب کی تعریفوں کے پل باندھ دئے - یہاں تک کہ یہ آواز ہندو کالج کے طلباء کے کان تک پہنچی - وہاں کے ایک طالبعلم مسٹر رضا کے دل میں گدگدی اُٹھی - وہ آئے - ہم سے ملے اور کہا "بھئی میں بھی تمہارے ساتھ چلوں - مولوی صاحب انکار تو نہ کریں گے" - ہم نے کہا "چلو اور ضرور چلو، مولوی صاحب کا کیا بگڑتا ہے - دو کو نہ پڑھایا تین کو پڑھایا" - انھوں نے کہا "نہیں پہلے مولوی صاحب سے پوچھ لو" - ہم نے کہا "یار چلو بھی، اگر انھوں نے کچھ کہا تو ہمارا ذمہ" - وہ نہ راضی ہوے اور یہی کہا کہ پہلے پوچھ لو - اس عرصے میں ہماری ہمت مولوی صاحب کے سامنے بہت بڑھ گئی تھی - دوسرے دن جاتے ہی رضا

کا ذکر کیا - انھوں نے کہا "لیتے کیوں نہ آئے" - ہم نے کہا "وہ ذرا شرمیلے ہیں، بغیر اجازت آنا نہیں چاہتے" - انھوں نے کہا "طالبعلم شرمیلا ہوا اور ڈوبا - خیر کل ضرور ساتھ لانا - ذرا ان کا بھی رنگ دیکھ لوں" - شام کو واپسی کے وقت جاتے جاتے فراش خانے میں ہم نے رضا کو مولوی صاحب کا اجازت نامہ پہنچا دیا اور کہہ دیا کہ بھئی پورے ڈیڑھ بجے پہنچ جانا ورنہ اندر گھسنا نہ ملے گا - دوسرے دن جو ہم پہنچے تو وہ پہلے ہی سے دروازہ پر ڈھئی دئے بیٹھے تھے - ٹھیک ڈیڑھ بجے ہم اندر داخل ہوے - مولوی صاحب ہم کو دیکھتے ہی پلنگ پر اُٹھ بیٹھے اور کہا "لاؤ کتاب" - ہم نے کتاب طاق پر سے اتار ان کے ہاتھ میں دی - اور وہ کتاب لیتے لیتے نیچے آبیٹھے - اور کہا "اچھا یہ ہیں میاں رضا" - بچارے رضا نے گردن جھکا کر کہا "جی ہاں" - مولوی صاحب نے کہا "اچھا بھئی شروع کرو"—

ہمارے پڑھنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک روز میں پڑھتا تھا، دوسرے روز میاں دانی - اب اس کو ہماری شرارت کہو یا محض اتفاق، ہم دونوں چپکے بیٹھے رہے - جب اس خاموشی نے طول کھینچا تو مولوی صاحب نے کہا "ارے بھئی آج تم پڑھتے کیوں نہیں، کیا منہ میں گھنگنیاں بھر کر آئے ہو - اچھا میاں رضا تم ہی شروع کرو" - رضا نے صفحہ پوچھا اور پڑھنا شروع کیا - مگر اعراب کی غلطیاں مجھ سے کم کیں تو نظم کو نثر، میاں دانی سے زیادہ بنا دیا - ایک آدھ شعر تک تو مولوی صاحب چپکے سنتے رہے - اس کے بعد کہنے لگے "واہ بھئی واہ ہم کو بھی عجب نمونے کے شاگرد ملے ہیں - میاں رضا اگر ہم تم کو ایک نیک صلاح دیں تو مانو گے" - رضا نے نہایت شرمیلی آواز میں گردن جھکا کر کہا "بسر و چشم" - مولوی صاحب نے کہا "دیکھو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا" - انھوں نے کہا "جی نہیں" - مولوی صاحب نے کہا "اچھا تو میری یہ صلاح ہے کہ کل سے تم میرے ہاں نہ آنا" - یہ سن کر وہ بچارے کچھ پژمردہ سے ہو گئے - مولوی صاحب نے کہا "بھئی رضا میں یہ نہیں کہتا کہ میرے ہاں آنا ہی چھوڑ دو، میں تم کو بھی ضرور پڑھاؤں گا

مگر تم دس پندرہ روز شام کے وقت کالی جان کے ہاں تعلیم میں ہو آیا کرو - اتنے دنوں کے آنے جانے میں تمہارے کانوں کو نظم اور نثر کا فرق معلوم ہونے لگے گا - بھئی مجھ سے تو شعروں کے گلے پر چھری پھیرتے دیکھا نہیں جاتا - بچارے متنبی کو کیا خبر تھی کہ بتاشوں کی گلی میں نذیر احمد کے کمرے میں اس کے اشعار مولوی رضا صاحب اس طرح حلال کریں گے" - بچارے رضا کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا - خدا خدا کر کے سبق ختم ہوا اور ہم سب رخصت ہوے - راستے میں ہم نے ان کو بہت بنایا - دوسرے روز سے وہ ایسے غائب ہوے کہ پھر شکل نہ دکھائی —

مسٹر رضا کی حیا کا حال تو سن چکے - اب ہماری بے حیائی کی داستان سنئیے - میری صرف و نحو بہت کمزور تھی اور کمزور کیوں نہ ہوتی شروع کئے ہوے کے دن ہوے تھے' اعراب میں ہمیشہ غلطی کرتا تھا' نثر کو تو سنبھال لیتا تھا مگر نظم میں دقت پڑتی تھی - شعر خود بھی کہتا تھا' دوسروں کے ہزاروں اشعار یاد تھے اس لئے شعر کو تقطیع سے گرنے نہ دیتا تھا - میاں دانی کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی - وہ اعراب کی غلطی نہ کرتے تھے مگر شعر کو نثر کر دیتے تھے' سکتے تو کیا جھٹکے پڑ جاتے تھے - مولوی صاحب ہم دونوں کے پڑھنے سے بہت جزبز ہوتے تھے - ایک دن یہ ہوا کہ میرے پڑھنے کی باری تھی - میں نے ایک شعر پڑھا - معلوم نہیں کہ کہاں کے اعراب کہاں لگا گیا - مولوی صاحب نے کہا "ہیں کیا پڑھا" - میں سمجھا کہ اعراب میں کہیں غلطی ضرور ہوئی - تمام اعرابیں بدل کر شعر موزوں کر دیا - انھوں نے پھر بڑے زور سے "ہوں" کی' ہم نے پھر اعراب بدل دئے - اس سے ان کو غصہ آگیا - کہا "دانی تم تو پڑھو" - انھوں نے شعر کا گلا ہی گھونٹ دیا - خاصے بھلے چنگے شعر کو نثر بنا دیا - اب کیا تھا مولوی صاحب کا پارہ ایک سو دس ڈگری پر چڑھ گیا - کتاب اُٹھا کر جو پھینکی تو کمرہ سے گڑھ دالان میں ہوتی ہوئی صحن میں پہنچی' اور نہایت غصیلی آواز میں کہا "نکل جاؤ

ابھی میرے گھر سے نکل جاؤ - نہ تم مجھ سے پڑھنے کے قابل ہو اور نہ میں تمہارے پڑھانے کے لایق" - دانی نے میری طرف دیکھا' میں نے دانی کی طرف دیکھا- انھوں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں کہا' "چلو"- میں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں جواب دیا "ھرگز نہیں"- انھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا' میں نے ان کا زانو دبا دیا - مولوی صاحب کی یہ حالت تھی کہ شیر کی طرح بپھر رھے تھے- آخر جب دیکھا کہ یہ اونٹے گس سے مس نہیں ھوتے تو کہنے لگے کہ اب جاتے ھو یا نہیں - میں نے کہا " مولوی صاحب جب تک کوئی دھکے دیکر نہ نکالیگا اس وقت تک تو ھم جاتے نہیں اور جائینگے تو ابھی پھر آجائینگے " - مولوی صاحب نے جو یہ بے حیائی دیکھی تو ذرا نرم ھوے - کہنے لگے - " اچھا نہیں جاتے تو نہ جاؤ - مگر میں ایک حرت تم کو نہ پڑھاونگا "- میں نے کہا " نہ پڑھائیے' مگر بغیر پڑھے ھم یہاں سے ھلینگے نہیں" کہنے لگے " بیٹا اس وقت میری طبیعت خراب ھو گئی ھے - اب چلے جاؤ' کل آجانا "- دانی نے سچ جانا ' میں سمجھا کہ اس وقت اٹھے اور مولوی صاحب ھاتھہ سے گئے - دانی اٹھہ کھڑے ھوے - میں نے پکڑ کر ان کو بٹھا لیا - مولوی صاحب یہ تماشہ دیکھتے رھے - میں نے کہا " مولوی صاحب پڑھینگے تو آج پڑھینگے اور آج پڑھینگے تو اس وقت پڑھینگے - پڑھانا ھے تو پڑھائیے ورنہ ھم یہاں سے نہ ٹلے ھیں نہ ٹلینگے " - آخرکار ھم جیتے اور مولوی صاحب ھارے- کہنے لگے " خدا محفوظ رکھے ' تم جیسے شاگرد بھی کسی کے نہونگے - شاگرد کیا ھوے اوستاد کے اوستاد ھوگئے- اچھا بھئی میں ھارا ' میں ھارا'-میں ھارا ' اچھا خدا کے لئے کتاب اٹھا لاؤ اور سبق پڑھکر میرا پنڈ چھوڑو' دیکھئے کونسا دن ھوتا ھے کہ میرا تم سے چھٹکارا ھوتا ھے"-میں جاکرصحن میں سے کتاب اُٹھا لایا اور مولوی صاحب جیسے تھے ویسے کے ویسے ھرگئے - کہا کرتے تھے کہ اگر اُس روز تم چلے جاتے تو میرے گھر میں گھسنا نصیب نہ ھوتا ' میں تمہارے شوق کو آزماتا تھا مگر تم نے مجھے ھی

آزما ڈالا - خدا ایسے شاگرد سب کو نصیب کرے - یہ بے حیائی نہیں میاں یہ شوق ہے - علم کا جس کو چسکا ہوتا ہے وہ بری بھلی سب ہی کچھ سنتا ہے ؛ بد شوق بھاگ نکلتے ہیں اور شوقین اوستاد کو دبا لیتے ہیں " —

پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی نے کتاب میں سے ایک شعر پڑھا اور مولوی صاحب نے کتاب اُلٹ کر میز پر رکھدی - پہلے دانی کی طرف متوجہ ہوے اور صرف و نحو کے نکات پر بحث شروع ہوئی - اس بحث میں مجھے بارہ پتھر باہر سمجھ لیا جاتا تھا کبھی میں نے دخل بھی دیا تو مولوی صاحب نے فرمایا - آپ مہربانی کرکے اس بارے میں اپنے دماغ پر زور ڈالنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیے " - اس کے بعد معنی بیان کئے ' نکات بتائے اور پھر اسی مضمون کے شعر اور مقولوں کا سلسلہ چھڑا - اب میاں دانی خارج از بحث ہوگئے - اول تو مجھے یونہی ہزاروں شعر یاد تھے ' دوسرے خاص طور پر تیار ہو کر جاتا تھا - مولوی صاحب اگر ایک شعر پڑھتے تو میں دو پڑھنے کو تیار ہوجاتا - غرض جب فریقین اپنا ہندوستانی گولہ باروت ختم کر چکتے تو یورپ اور انگلستان کے شعرا اور فلسفیوں کے مقولوں کا نمبر آتا - اس میں دانی بھی شریک ہوجاتے - اگر کوئی قصہ طلب شعر ہوا اور اسی قسم کا کوئی ماجرا مولوی صاحب پر گزرا تھا تو اس قصے کے ساتھ اپنا قصہ بھی ضرور بیان کر دیتے - غرض ایک شعر کی تصریح میں آدہ آدہ گھنٹہ گذر جاتا - مگر اس کے بعد جو وہ شعر ذہن نشین ہوتا تو اس کا محو ہونا مشکل تھا - چنانچہ اب تک مجھے اکثر شعر یاد ہیں - اگر کوئی رزمیہ قصیدہ ہوا تو اس سلسلے میں اکثر غدر کے حالات بیان کرتے اور جو کچھ شرفائے دہلی پر اس طوفان بے تمیزی میں گزری تھی اس کی داستان نہایت دردناک الفاظ میں سناتے - اکثر کہا کرتے تھے " میاں بچارا بہادر شاہ مجبور تھا - کسی اور پر بھی اگر یہی مصیبت نازل ہوتی

تو وہ بھی اسی طرح ان بد معاش تلنگوں کے ہاتھہ میں ناچتا - یہ لوگ کوئی بادشاہ کو فائدہ پہنچانے تھوڑی آئے تھے ان کی غرض تو شہر لوٹنا تھی، وہ پوری ہوئی اور انھوں نے دھلی کو کُھک کر دیا - ایک روز میں دریبہ میں سے جارہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک فوج کی فوج تلنگوں کی آرہی ہے - میں بھی دیکھ کر گُلاب گندھی کی دوکان کے سامنے کھڑا ہوگیا - آگے آگے بینڈ والے تھے، مگر وہ ایسا اندھا دھند ڈھول ٹھونک رہے تھے کہ خدا کی پناہ - پیچھے کوئی پچاس ساٹھہ سوار تھے مگر ان کی عجیب کیفیت تھی، گھوڑے کیا تھے دھوبی کے گدھے معلوم ہوتے تھے - بیچ میں سوار تھے مگر گٹھریوں کی کثرت سے جسم کا کچھہ تھوڑا ہی سا حصہ دکھائی دیتا تھا- یہ گٹھریاں کیا تھیں - دھلی کی لوٹ، جس بھلے آدمی کو کھاتا پیتا دیکھا اس کے کپڑے تک اتروالے، جس روپئے پیسے والے کو دیکھا اس کے گھر پر جا کر دھئی دیدی اور کہا چل ہمارے ساتھہ قلعہ کو تو انگریزوں سے ملا ہوا ہے؛ جب تک کچھہ روپیہ نہ لیا اس کا پنڈ نہ چھوڑا - اگر دھلی کے چاروں طرف انگریزی فوج کا محاصرہ نہ ہوتا تو شریف لوگ کبھی کے دھلی سے نکل گئے ہوتے - غرض خدائی فوجداروں کا یہ لشکر غل مچاتا، دین دین کے نعرے مارتا میرے سامنے سے گزرا- اس جم غفیر کے بیچوں بیچ دولہا میاں تھے - یہ کون تھے عالیجناب بہادر خان صاحب سپہ سالار - لباس سے بجائے سپہ سالار کے دولہ معلوم ہوتے تھے- جڑاو زیور میں لدے ہوئے تھے - پہنتے وقت شاید یہ بھی معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی تھی کہ کونسا مردانہ زیور ہے اور کونسا زنانہ- صافے پر بجائے طرے کے سراسری لگائی تھی - جیسے خود زیور سے آراستہ تھے اسی طرح ان کا گھوڑا بھی زیور میں لدا ہوا تھا - ماہ کے آٹے کی طرح اینٹھے جاتے تھے - معلوم ہوتا تھا کہ نعوذباللہ خدا کی خدائی اب ان کے ہی ہاتھہ آئی ہے - گلاب گندھی نے جو ان لٹیروں کو آتے دیکھا چپکے سے دوکان بند کرلی

اور اندر دروازوں سے بیٹھا جھانکتا رہا - خدا معلوم کیا اتفاق ہوا کہ بہادر خاں کا گھوڑا عین اس کی دوکان کے سامنے آکر رکا - بہادر خاں نے اِدھر اُدھر گردن پھیری' پوچھا "یہ کس کی دوکان ہے" - ان کے ایڈیکانگ نے عرض کی کہ گلاب گندھی کی - فرمایا " اس بد معاش کو خبر نہیں تھی کہ ما بدولت ادھر سے گزر رہے ہیں - دوکان بند کرنے کے کیا معنی - ابھی کھلواؤ" - خبر نہیں کہ اس حکم قضا شیم کا بچارے لالہ جی پر اندر کیا اثر ہوا - ہم نے تو یہ دیکھا کہ ایک سپاہی نے تلوار کا دستہ کواڑ پر مار کر کہا کہ دروازہ کھولو اور جسطرح 'سم سم کھل جا' کے الفاظ سے علی بابا کے قصے میں چوروں کے خزانے کا دروازہ کھلتا تھا اسی طرح اس حکم محکم سے گلاب گندھی کی دوکان کھل گئی - بجنسہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تماشہ کا پردہ اُٹھ گیا - دروازہ کے بیچوں بیچ لالہ جی کانپتے ہاتھہ جوڑے کھڑے تھے - کچھہ بولنا چاہتے تھے مگر زبان یاری نہ دیتی تھی - اس وقت بہادر خاں کچھہ خوش خوش تھے' شاید کسی موٹی آسامی کو مار کر آئے تھے' کہنے لگے "تمہاری ہی دوکان سے بادشاہ کے ہاں عطر جاتا ہے" - لالہ جی نے بڑی زور سے گردن کو ٹوٹی ہوئی گڑیا کی طرح جھٹکا دیا - حکم ہوا کہ جو عطر بہتر سے بہتر ہو وہ حاضر کرو - وہ لڑکھڑاتے ہوے اندر گئے - اور دو کنٹر عطر سے بھرے ہوے حاضر کئے - معلوم نہیں بیس روپئے تولہ کا عطر تھا یا تیس روپئے تولہ کا - بہادر خاں نے دونوں کنٹر لئے کاگ نکالنے کی تکلیف کون گوارا کرتا - ایک کی گردن دوسرے سے ٹکرا دی' دونوں گردنیں کھٹ سے ٹوٹ گئیں - عطر سونگھا' کچھہ پسند آیا' ایک کنٹر گھوڑے کی ایال پر اُلٹ دیا اور دوسرا دم پر - کنٹر پھینک حکم دیا گیا' "فارورڈ" - اور اس طرح بچارے گلاب گندھی کا سینکڑوں روپئے کا نقصان کرکے یہ ہندوستان کو آزادی دلانے والے چل دیے - ادھر اس خدائی فوجدار کا جانا' ادھر ہم لونڈوں کا تالیاں بجانا' بچارے لالہ جی نے کھسیانے ہوکر دوکان بند کردی - بھئی غدر کے طوفان بے تمیزی میں نقصان تو جو ہونا تھا وہ ہوا مگر کالج کی دور بین توڑ کر جو نقصان اس بے سری

فوج نے ملک کو پہنچایا اس کی تلافی ناممکن ہے۔ کالج میں پرنسپل صاحب کے کمرے کے اوپر ایک بڑی زبردست دوربین نصب تھی۔ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ دوربین کالج کے ایک بڑے دلدادہ انگریز نے کالج کے نذر کی تھی۔ اس کا سامنے کا شیشہ بڑی دقت سے تیار ہوا تھا۔ اس انگریز کے خاندان والوں نے برسوں میں اسے گھس کر پتلا اور اتنا پتلا کیا تھا کہ کاغذ سے بھی باریک ہوگیا تھا۔ غرض کہ یہ دوربین کالج کا سرمایۂ ناز تھی۔ دورسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوٹھے پر ایک بڑی توپ لگی ہوئی ہے۔ غدر کے زمانہ میں کسی بد معاش کی اس پر بھی نظر پڑگئی۔ اس نے جاکر فوج میں اُڑا دیا کہ انگریزوں نے راتوں رات کشمیری دروازہ سے آکر کالج کے اوپر توپ لگادی ہے۔ اور اب تھوڑی دیر میں قلعہ اُڑا دیں گے۔ یہ سننا تھا کہ فوج کالج پر چڑھ آئی، سیڑھیاں لگا، سینکڑوں سپاہی چھت پر پہنچ گئے۔ ایک کندۂ ناتراش نے بندوق کا کندہ سامنے کے شیشہ پر مارا۔ چھن سے شیشہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اور ایک خاندان کی پچاس ساٹھ برس کی محنت خاک میں مل گئی۔ ان نابکاروں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ دوربین کی دوربین اٹھا نیچے پھینک دی اور چند ہی منٹ کے اندر دین دین کے نعروں میں اس یادگار سلف کا ان نااخلفوں کے ہاتھوں خاتمہ بالخیر ہوگیا"۔ —

غدر کے ہزاروں واقعات مولوی صاحب سے سنے ہیں۔ لیکن اکثر تو ایسے ہیں کہ ان کا زمانۂ موجودہ میں دہرانا خطرناک ہے اور بعض ایسے ہیں کہ وہ پوری طرح یاد نہیں رہے۔ ہم بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ کیمبرج سے غدر کے متعلق ایک جواب مضمون پر انعام مقرر ہوا۔ اس مضمون کےلئے شرط یہ قایم کی گئی تھی کہ کوئی واقعہ تاریخی کتاب سے نہ لیا جائے، جو کچھ لکھا جائے شہر کے بڈھے بڑھیوں سے دریافت کرکے لکھا جائے۔ میں نے یہی مضمون لکھا تھا اور مجھ ہی کو یہ انعام ملا۔ اس مضمون میں میں نے ایک باب مولوی صاحب کے بیان کردہ قصوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ میں گُرید گُرید کر مولوی صاحب سے اس مضمون کے لئے واقعات

دریافت کیا کرتا اور وہ خوشی خوشی بتاتے- اب وہ مضمون دریا برد نہیں تو دریا پار ضرور ہوگیا- مسودہ نہ رکھا اور نہ رکھنے کی عادت ہے' اس لئے اب اس کا ذکر کرنا ہی فضول ہے —

ہمارے پڑھنے کا طریقہ تو سن چکے' اب مولویوں کی جماعت کا حال سن لیجئے- اس جماعت میں تمام کے تمام سرحد پار ہی کے لوگ تھے- لمبے لمبے کرتے' بڑی بڑی آستینیں' دیڑھ دیڑھ دو دو تھان کی شلواریں' شملہ بہ مقدار علم کے لحاظ سے کئی کئی سیر کے پگڑ' لمبی لمبی داڑھیاں' غرض معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان کا کوئی قطعہ اُٹھاکر بتاشوں کی گلی میں رکھ دیا گیا ہے- معنت کی یہ حالت کہ رات رات بھر کتاب دیکھتے' ٹھوٹھہ ایسے کہ باوجود اس معنت کے کورے کے کورے رہتے- مولوی صاحب ہم سے ہمیشہ ان کی موٹی عقل کی تعریف کیا کرتے اور کہتے' '' بھئی میں ان ملانوں سے عاجز آگیا ہوں؛ اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور میرا بھی- جواب اس لئے نہیں دے دیتا کہ دلشکنی ہوگی- مگرکیا کروں الله میاں نےان لوگوں کو ادب سمجھنے کا دماغ ہی نہیں دیا ہے- ہزار سمجھاتا ہوں ان کی سمجھ میں نہیں آتا- بھلا ان کو حماسہ یا متنبی پڑھنے کی کیا ضرورت پڑی ہے- فوج میں نوکر ہوجائیں' معنت مزدوری کریں یا ہینگ کا ٹوپرا گلے میں ڈال کر بیچتے پھریں''- ہم کہتے "مولوی صاحب آپ بھی غضب کرتے ہیں- رگڑ سے پتھر بھی گھس جاتاہے'آخر متنبی نےایسے کون سے شعر کہے ہیں جو غور کرنےسےسمجھ میں نہ آئیں''- ایک روز فرمانے لگے- ''لو آج تم ٹھیر جاؤ اور ان مولویوں کا رنگ بھی دیکھہ لو- مگر دیکھو کہیں ہنس نہ دینا' ورنہ چہرا ہی بھونک دیں گے'' - اس روز ہم کو بھی چھٹی تھی- ہم پڑھ کر فارغ ہی ہوے تھے کہ یہ جماعت آگئی - یہ لوگ مولوی صاحب کو گھیر کر بیٹھہ گئے - اور ہم اُٹھہکر ایک کونہ میں جا بیٹھے- اس روز مقامات حریری کا سبق تھا- کتابیں کھولی گئیں- اور ایک صاحب نے بڑی گرجتی ہوئی آواز میں اعوذ باللہ سے سبق شروع کیا - زید بن حارث کے سفر کا حال تھا اور رات

کے وقت سفر کرنے کو "فی اناء اللیل" سے ادا کیا تھا - ان بھلے آدمیوں نے رات کو قاموس دیکھہ کر مطالعہ کیا تھا' اس میں شامت اعمال سے "اناء" کے معنی "مٹکے" کے بھی ھیں - الدہ دے اور بندہ لے - اُنھوں نے یہاں مٹکا پھنسا دیا اور نہایت متانت سے "فی اناءاللیل" کے معنی "رات کے مٹکے میں سفر کیا" سے کردیے - مولوي صاحب نے فرمایا "اناء کے دوسرے معنی بھی تو ھیں" پڑھنے والے صاحب نے کہا "جی ھاں کئی معنی ھیں - لیکن اس مقام پر مٹکا ھی زیادہ چسپاں ھوتا ھے" - ھم کو ھنسی آئی - مولوی صاحب نے مسکراکر اور اُن لوگوں نے نہایت برے برے دیدوں سے ھماری طرف دیکھا - ھم نے سوچا بھائی یہاں ھمارا ٹھکانا نہیں - یہاں سے کھسک ھی جانا مناسب ھے - کہیں کوئی اٹھکر گلا نہ گھونٹ دے - ھم نے اجازت چاھی - مولوی صاحب کہتے ھی رھے "بیٹھو - ذرا اور کچھہ سن جاو" - ھم نے کہا " مولوي صاحب ھمکو کام ھے کسي اور دن دیکھا جائیگا" - یہ کہہ جو تیاں پہن سرپر پاوں رکھکر بھاگے - کوٹھے سے اُتر جو ھنسنا شروع کیا تو گھر پہنچتے پہنچتے بڑی مشکل سے ھنسی رکی - اب جب کبھی خیال آتا ھے تو اس جماعت کا نقشہ آنکھوں کے نیچے پھر جاتا ھے - اور رات کے مٹکے میں سفر کرنیکا فقرہ ھنسا تا نہیں تو مسکراھٹ ضرور پیدا کردیتا ھے —

مولوی صاحب کو اپنے ترجمہ پر ناز تھا اور اکثر اسکا ذکر فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے - اردو ادب میں انکی جن تصنیفات نے دھوم مچادی ھے وہ انکے نزدیک بہت معمولی چیزیں تھیں - وہ کہا کرتے تھے کہ " میری تمام عمر کا اصلی سر مایہ کلام مجید کا ترجمہ ھے - اسمیں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ھے اسکا اندازہ کچھہ میں ھی کرسکتا ھوں - ایک ایک لفظ کے ترجمہ میں میرا سارا سارا دن صرف ھوگیا ھے - میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ھے "- ھم نے کہا " مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ھے " جہاں یہ فقرہ کہا

اور مولوی صاحب اچھل پڑے - بڑے خفا ہوتے اور کہتے " کل کے لونڈو ! میرے محاوروں کو غلط بتاتے ہو - میاں میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے ' خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے " - محاوروں کی بھر مار کے متعلق اکثر مجھ سے انکا جھگڑا ہوا کرتا تھا - میں ہمیشہ کہا کرتا تھا " مولوی صاحب آپ نے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کرلی ہے اور کسی نہ کسی محاورہ کو آپ کسی نہ کسی جگہ پھنسا دینا چاہتے ہیں' خواہ اسکی گنجایش وہاں ہو یا نہو- جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوی ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلی والے ہیں"- تھوڑی دیر تو حجت کرتے رہے اس کے بعد کہتے "اچھا بھئی تم ہی دہلی والے سہی - ہم تو اسی طرح لکھیں گے جس طرح اب تک لکھا ہے: تم ہم کو دہلی والوں کی فہرست سے نکال دو مگر میاں اپنا ہی نقصان کرو گے"—

مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے- کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہی میں " خطاے بزرگان گرفتن خطا است" کی سب سے بڑی ٹھوکر ہے - دوسرے میری قابلیت محدود کی سرحد سے گزر کر مفقود کی سرحد میں آگئی ہے - لیکن با وجود ان موانعات کے میں نے مولوی صاحب کے سامنے یہی کہا - اب بھی کہتا ہوں اور ہمیشہ کہونگا کہ محاوروں کے استعمال کا شوق مولوی صاحب کو حد سے زیادہ تھا - تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کی ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے - اور بعض وقت ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے - خدا معلوم انھوں نے محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کر رکھی تھی یا کیا - ایسے ایسے محاورے ان کی زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے - و نہ کبھی دیکھے نہ سنے - ان کی عبارت کی روانی اور بے ساختگی کا جواب دوسری جگہ ملنا مشکل ہے' مگر چلتے چلتے راستہ میں عربی الفاظ کے روڑے ہی نہیں بچھاتے تھے بلکہ پہاڑ

رکھہ دیتے تھے - غرض یہ تھی کہ لوگ یہ جان لیں کہ میں دھلی والا ہی نہیں ہوں، مولوی بھی ہوں- بہر حال ان کی تحریر کا ایک خاص رنگ ہے اور اس کی نقل اُتارنا مشکل اور بہت مشکل ہے - ترجمہ کرنے کا انھیں خاص ملکہ تھا - وجہ یہ تھی کہ کئی زبانوں پر حاوی تھے - اگر ایک زبان کے لفظ سے مطلب ادا نہ ہوا تو دوسری زبان کا لفظ وہاں رکھہ دیا - مثال کے طور پر میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں - سنہ ۱۹۰۳ع کے دربار تاج پوشی پر جو انگریزی کتاب لکھی گئی تھی اس کا ترجمہ مولوی صاحب کے سپرد ہوا - ایک روز جو ہم پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خوبصورت سی جلد کی ایک بڑی موٹی کتاب مولوی صاحب کی میز پر رکھی ہے - ہم نے اجازت لیکر کتاب اٹھائی اور اول سے آخر تک ساری تصویریں دیکھہ ڈالیں - اول تو مولوی صاحب بیٹھے دیکھتے رہے، پھر کہنے لگے "بیٹا یوں سرسری نظر سے کیا دیکھتے ہو، گھر لیجاؤ، اچھی طرح پڑھو، مگر دیکھو خراب نہ کرنا"- ہم دونوں نے دل میں سوچا کہ خدا معلوم یہ کیا بھید ہے جو مولوی صاحب بغیر مانگے اپنی کتاب دے رہے ہیں - خوش خوش کتاب بغل میں مار گھر آئے - دو ایک روز میں پڑھ ڈالا - ایک آدھ تصویر بھی غائب کر دی - چوتھے روز کتاب لیجا مولوی صاحب کے حوالہ کی - پوچھا "کہو پسند آئی"- ہم نے کہا "مولوی صاحب خوب کتاب ہے"- کہنے لگے "اچھی کتاب ہے تو ترجمہ کر ڈالو"- ہم نے کورا جواب دیدیا - کہا "دیکھو، سنو، اس کتاب کا مجھے ترجمہ کرنا ہے، تم سے ترجمہ کراؤنگا، صحیح میں کر دونگا - اب مجھہ میں اتنا دم نہیں کہ اتنی بڑی کتاب کا ترجمہ کر سکوں - اگر اب کے انکار کیا تو کل سے گھر میں گھسنے نہ دونگا"- یہ کہتے کہتے کتاب کی جلد توڑ دس صفحے میرے اور دس میاں دانی کے حوالہ کر دئے - ساتھہ ہی میاں رحیم بخش کو آواز دی وہ آئے ان کو حکم دیا کہ ایک ایک دستہ بادامی کاغذ کا ان دونوں کو دیدو - قہر درویش بر جان درویش کی صورت تھی - جس طرح پہلے خوشی خوشی پوری کتاب لے گئے تھے اسی طرح منہ بنائے ہوئے ان پلندوں کو بغل میں مارا - گھر آکر

بیگار کے کام کی طرح ترجمہ کیا - دوسرے روز جا کر پڑھنے کے لئے کتاب اٹھائی - پوچھا "ترجمہ لائے" - ہم نے دبی ہوئی آواز میں کہا "لائے" - کہا "پہلے وہ پڑھو" - ہم پڑھتے جاتے اور مولوی صاحب اصل کتاب دیکھکر اس کی درستی کرتے جاتے - اب اگر میں یا میاں دانی کہیں کہ یہ ترجمہ ہمارا ہے تو یقین مانئے کہ دونوں جھوٹے ہیں - مولوی صاحب کی اصلاح نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس علم میں بھی مولوی صاحب سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے - اس کے بعد سے ہمیں ترجمہ کا شوق ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کتاب ختم ہو گئی - اس کے چھپنے کے بعد ہماری مولوی صاحب سے بڑی جنگ ہوئی - کیونکہ بندۂ خدا نے ہم دونوں غریبوں کا اس میں ذرا بھی ذکر نہیں کیا - مگر کچھ پرواہ نہیں - اس کا بدلہ ہم اب لے لیتے ہیں - اور تذکے کی چوٹ کہے دیتے ہیں کہ اس کتاب میں تھوڑے بہت لفظ ہم دونوں کے بھی ہیں - یہ ضرور ہے کہ اگر اصلاح شدہ مسودوں کو دیکھا جائے تو کاٹ چھانٹ کی وجہ سے ہمارے لفظوں کا تلاش کرنا سر میں لیکھیں دیکھنے سے کم مشکل نہ ہوگا - ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولوی صاحب چونکہ کئی زبانوں پر حاوی تھے اس لئے ان کو کہیں نہ کہیں سے مناسب لفظ ادائے مطلب کے لئے ضرور مل جاتا تھا - مثلاً اسی جشن تاج پوشی کی کتاب میں ایک جگہ لفظ Stallion آیا - تکشنری میں جو دیکھا تو اس کے معنی "سیاہ بڑا جنگی گھوڑا" نکلے - یاروں نے ترجمہ میں وہی الفاظ ٹھونک دئے - جب مولوی صاحب نے یہ الفاظ سنے تو بہت ہنسے - کہنے لگے "واہ بیٹا، واہ، کیوں نہ دھلی والے ہو، خالص اردو لکھی ہے - بندۂ خدا "شبدیز" لکھ دو - چلو چھٹی ہوئی" - اب کوئی صاحب اس سے بہتر لفظ بتا دیں تو میں جانوں - ان کے ترجمہ میں خوبی یہ ہوتی تھی کہ لفظ کی جگہ لفظ بٹھاتے تھے، لیکن وہ لفظ ایسا ہوتا تھا کہ وہاں نگینہ بن جاتا تھا - تعزیرات ہند کا ترجمہ اٹھا کر دیکھو وہی لفظ پر لفظ ہے، معنی بھی پورے دیتا ہے اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا - سینکڑوں

کتابوں کے ترجمے ہوے؛ دوسری اشاعت میں کچھہ اور تیسری میں کچھہ کے کچھہ ہوگئے، لیکن تعزیرات ہند کا ترجمہ جوں کا توں ہے - ایک لفظ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا - کہا کرتے تھے کہ " تعزیرات ہند کا ترجمہ بھی میرا ایک کارنامہ ہے - اس کتاب کے ترجمے کا کام تین آدمیوں کے سپرد ہوا تھا ان میں ایک مولوی عظمت اللہ صاحب تھے - اس کی اصلاح ڈاکٹر کلٹر صاحب کے ذمہ تھی اور ہم ڈاکٹر کلٹر صاحب کے سررشتہدار تھے - روزانہ ایک دو دفعات کا ترجمہ آتا - ہم ڈاکٹر کلٹر صاحب کو سناتے - وہ بڑا غل مچاتے کہ یہ لفظ خلاف محاورہ ہے اس لفظ سے مفہوم ادا نہیں ہوتا، یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا گیا ہے - غرض دو تین دفعات کہیں تین چار گھنٹے میں پاس ہوئیں - مجھے بڑا تاؤ آتا تھا کہ ترجمہ کرے کوئی، یہ باتیں سنے کوئی - مگر بھئی یہ ضرور کہونگا کہ وہ بھلا آدمی جو بات کہتا تھا باون تولے پاؤ رتی کی کہتا تھا؛ جو اعتراض کرتا تھا وہ اُٹھائے نہ اُٹھتا تھا - میاں پرانے زمانے کے انگریز غضب کی اردو سمجھتے تھے - گو اچھی اردو لکھہ نہ سکیں، مگر ترجمہ کی وہ وہ غلطیاں نکالتے تھے کہ تم جیسے دھاں والوں کے کان پکڑوادیں - میں بھی ترجمہ دیکھتا تو واقعی کچھہ اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتا - میں نے دل میں کہا کہ نذیر احمد تو بھی خم ٹھونک کر میدان میں کیوں نہیں آجاتا - اردو جانتا ہے، فارسی جانتا ہے، عربی جانتا ہے، کچھہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی سمجھتا ہے، ان لوگوں سے اچھا نہیں تو کم سے کم ایسا ترجمہ تو بھی کرلیگا - یہ سوچ سوا روپیہ کی رائل ڈکشنری بازار سے خرید لایا - رات کو لیمپ جلا، کپڑے اُتار، لنگوٹ باندہ، ترجمہ پر پل پڑا - جن دفعات کا ترجمہ دوسرے روز پیش ہونے والا تھا، ان کا خود ترجمہ کر ڈالا - دوسرے دن ترجمہ جیب میں ڈال دفتر پہنچا - ڈاکٹر کلٹر صاحب آئے مجھے بلایا اور ان لوگوں کے ترجمے کو سن کر وہی گڑبڑ شروع کی - خدا خدا کر کے یہ مشکل آسان ہوئی -

میں نے کہا کہ کمترین بھی کچھہ عرض کرنا چاہتا ہے - کہا ' اچھا کہو - میں نے جیب میں سے کاغذ نکالا ' وہ سمجھے عرضی ہے - لینے کو ہاتھہ بڑھایا میں نے کہا عرضی نہیں ' آج کی دفعات کا ترجمہ میں نے کیا ہے - ڈائرکٹر صاحب یہ سن کر اچھل پڑے - کہنے لگے ' تم نے ' تم نے ترجمہ کیا ہے تم کو تو انگریزی نہیں آتی - پھر ترجمہ کیسے کیا - میں نے کہا رائل ڈکشنری سے - انھوں نے ہنسکر کہا تعزیرات ہند کا ترجمہ رائل ڈکشنری سے نہیں ہوا کرتا - میں نے کہا ' سن تو لیجئے - کہا ' اچھا سناؤ - میں نے جو پڑھا تو صاحب بہادر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - کہنے لگے یہ ترجمہ تم نے رائل ڈکشنری سے کیا ہے ! - میں نے کہا - ہاں - کہنے لگے کل شروع کی چار دفعات کا ترجمہ کرکے لاؤ - میں دوسرے دن لیکر گیا ' بہت پسند کیا اور کہا تم نے پہلے ہی کیوں نہ کہا کہ میں ترجمہ کرسکتا ہوں جو میرا اتنا وقت ضائع کرایا - جاؤ تم بھی ان ترجمہ کرنے والوں میں شریک ہوجاؤ - اس دن سے ہم بھی پانچوں سواروں میں مل گئے اور یہی ہماری ترقی کا زینہ تھا - اب رہے ہماری تصنیفات پر انعام ' وہ تو الگ میاں نے چھپوا کر دئے ہیں - اگر کوئی کہتا بھی کہ مرأۃ العروس پر تم کو انعام ملیگا تو میں اس کو دیوانہ سمجھتا - اصل یہ ہے کہ یہ کتاب میں نے اپنی لڑکی کے لئے لکھی تھی ' وہی پڑھا کرتی تھی - میاں بشیر کو "چند پند" لکھ دی تھی - میں اس زمانے میں تعلیمات کا انسپکٹر تھا ' دورے پر نکلے تھے ' بال بچے ساتھہ تھے ' ایک جگہ ٹھیرے تھے کہ مسٹر گیمپ سن ڈائرکٹر تعلیمات کا ڈیرہ بھی قریب میں آلگا - شام کا وقت تھا - میاں بشیر اپنی ٹٹوانی پر سوار ہوکر ہوا خوری کو نکلے - ادھر سے ڈائرکٹر صاحب آرہے تھے - میاں بشیر نے جھک کر سلام کیا - صاحب ٹھیر گئے - پوچھا " میاں تمہارا کیا نام ہے " - انھوں نے نام بتایا - پھر پوچھا " تمہارے والد کون ہے " - انھوں نے میرا نام بتایا - پھر پوچھا " کہو میاں کیا پڑھتے ہو '

انھوں نے کہا " چند پند "- ڈاکٹر صاحب سمجھے تھے کہ اردو کی پہلی یا دوسری کھیپ - چند پند کا نام سنکر پریشان ہوئے - کیونکہ اس عجیب و غریب نام سے ان کے کان ناآشنا تھے - کہا" ہمیں اپنی کتاب دکھاؤگے " - بشیر نے کہا " جي ہاں ابھی لاتا ہوں - ہمارے آپا کی بھی کتاب دیکھئے گا " - اُنھوں نے کہا " اُس کتاب کا کیا نام ہے ؟ "- اِنھوں نے کہا " مرأۃالعروس " - یہ دوسرا نیا نام تھا - صاحب نے کہا " ہاں وہ بھی لاؤ " - میاں بشیر تڑوانی سے کود بھاگتے ہوے ڈیرے میں آئے - اپنا جزدان کھول" چند پند " نکالی - اس کے بعد اپنی بہن کے جزدان پر قبضہ کیا - اس نے جو دیکھا کہ بشیر جزدان ٹٹول رہا ہے تو دوڑتی ہوئي گئی- اتنے میں بشیر مرأۃالعروس لے کر بھا گا ' یہ اسکے پیچھے بھاگی ' دونوں میں بڑی دھینگا مشتی ہوئی - خوب رونا پیٹنا ہوا - بشیر بہن کو دھکا دے کتاب لے یہ جا وہ جا - بہن صاحبہ نے دل کا بخار آنسو بھاکر نکالا - میاں بشیر نے دونوں کتابیں لے جا ' صاحب کے حوالہ کیں- انھوں نے الٹ پلٹ کر کچھہ پڑھا اور بشیر سے کہا " ہم یہ کتابیں لیجائیں ' کل بھجوا دینگے "- انھوں نے کہا " لیجائیے' کل ہم کو چھٹی رھیگی " - میں جو ڈیرے میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت مچ رھی ہے - لڑکی نے رو رو کر آنکھیں لال کرلی ہیں میاں بشیر ڈرے سہمے ڈیرے کے ایک کونے میں دبکے بیٹھے ہیں - میرا اندر قدم رکھنا تھا کہ فریاد کی صدا بلند ہوئی - صاحبزادی نے رو رو کر اس طرح واقعہ بیان کیا جس طرح کسی عزیز کے مرنے کا کوئی بین کرتا ہے - میں نے بشیر کو بلایا وہ ڈرے کہ کہیں ٹھکائی نہ ہوجائے ؛ پہلے ہی سے بسورنا شروع کیا - وہ دبے جاتے تھے اور بہن شیر ہوئي جاتی تھی آخر بڑی مشکل سے اتنا معلوم ہوا کہ ایک انگریز دونوں کتابیں لے کر چلا گیا- میں نے جاکر سائیس سے پوچھا کہ وہ انگریز کون تھا- تو معلوم ہوا کہ سامنے جو ڈیرے پڑے ہیں ان میں وہ اترے ہیں- مجھے بڑا تعجب ہوا کہ بھلا

ڈائرکٹر صاحب کو بچوں کی کتابوں سے کیا کام - خیر لڑکی کو دلاسا دیا کہ میں لا دوں گا، نہیں تو دوسری لکھ دوں گا - اس نے کہا کہ میں لوں گی تو وہی کتاب لوں گی - بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا - اب فکر ہوا کہ صاحب سے پوچھوں تو کیوں کر پوچھوں - سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ صاحب کا مطلب اس طرح بچوں کی کتابیں منگوانے سے کیا ہوسکتا ہے - غرض اسی شش و پنج میں صبح ہوگئی - کوئی سات بجے ہوں گے کہ صاحب کا چپراسی آیا اور کہا کہ صاحب سلام بولتے ہیں - وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب بیٹھے مرأۃالعروس پڑھ رہے ہیں - سلام کرکے کرسی پر بیٹھ گیا - صاحب نے کہا "مولوی صاحب آپ نے ایسی مفید اور دلچسپ کتابیں لکھیں اور طبع نہ کرائیں - اگر کل آپ کا لڑکا مجھ کو نہ ملتا تو شاید کوئی بھی ان کتابوں کو نہ دیکھتا اور چند ہی روز میں بچوں کے ہاتھوں یہ کتابیں پھٹ پھٹاکر برابر ہوجاتیں - اگر آپ اجازت دیں تو میں مرأۃالعروس کو سرکار میں پیش کردوں - آج کل گورنمنٹ ایسی کتابوں کی تلاش میں ہے جو لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہوسکیں" - میں نے کہا "آپ کو اختیار ہے" - یہ کہکر میں چلا آیا - صاحب نے وہ کتاب گورنمنٹ میں پیش کردی - وہاں سے انعام ملا - یہاں شیر کے منہ کو خون لگ گیا - اوپر تلے کئی کتابیں گھسیٹ ڈالیں - جو کتاب لکھی اس پر انعام، جو لکھا گیا پسند کیا گیا - غرض ہم مصنف بھی بن گئے اور ساتھ ہی ڈپٹی کلکٹر بھی ہوگئے - مگر بھئی بات یہ ہے کہ انسان کا جتنا عہدہ بڑھتا جاتا ہے اسی طرح اس کی فرصت کا وقت بھی گھٹتا جاتا ہے - یہی مصیبت ہم پر پڑی - اِدھر کام کی زیادتی اُدھر سر سید کی فرمائشوں کی بھرمار - آج یہاں لکچر دیا، کل وہاں دیا - تصنیف کا سلسلہ ہی ٹوٹ گیا - خدا خدا کرکے بڑھاپے میں فرصت ملی تو قرآن شریف حفظ کرلیا - اس کے ساتھ ہی یہ شوق ہوا کہ اس کا ترجمہ بھی کرلو - لوگوں کو بھی مفید ہوگا - اور ممکن ہے کہ تمہاری نجات کا بھی ذریعہ ہوجائے - غرض جتنی محنت ممکن تھی

اتفی محنت کی - اسی ترجمے کے سلسلے میں 'الحقوق و الفوائض' کا مواد بھی جمع کرلیا' کلام مجید کی دعاؤں کو بھی ایک جگہ اکٹھا کرلیا - غرض ایک پنتہ اور کئی کاج ہوگئے - مگر بھئی سچ کہنا کہ کیسا ترجمہ کیا ہے'' - میں تو خاموش رہا مگر دانی نے کہا کہ مولوی صاحب ہم کو اس ترجمے کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا - مولوی صاحب نے کہا '' ہیں میاں دانی! یہ کیا کہا' تم نے ابھی تک میرا ترجمہ نہیں دیکھا' بھئی غضب کیا - ارے میاں رحیم بخش ذرا ادھر تو آنا' وہ جو سنہری جلد کی حمائل شریف ہے وہ میاں دانی کو دے دو - بیٹا ذرا اس کو غور سے پڑھو - دیکھو تو میں نے اس بڑھاپے میں کیا محنت کی ہے''- غرض حمائل شریف میاں دانی کے قبضے میں آگئی - اُنھوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ آپ کی یادگار رہے گی - جب ہم اُٹھ کر چلنے لگے تو مولوی صاحب نے دانی سے کہا - ارے بھئی ایک بات تو کہنی بھول گیا' اس حمائل شریف کا ہدیہ ساڑھے پانچ روپئے ہے کل ضرور لیتے آنا - بچارے کا شکریہ اکارت گیا اور دوسرے روز پورے ساڑھے پانچ روپئے مولوی صاحب نے دھروا لئے —

مولوی صاحب نے کئی موتبہ اس عاجز پر بھی رقمی حملے کئے' لیکن یہ ذرا ٹیڑھا مقابلہ تھا - ایک چھوڑ کئی کتابیں مولوی صاحب سے اینٹھیں کبھی ایک پیسہ نہ دیا یہ نہیں کہ خدا نخواستہ وعدہ کرتا اور رقم نہ دیتا - میں اس وقت تک کتاب لیتا ہی نہ تھا جب تک مولوی صاحب خود نہ فرمادیتے کہ'' اچھا بھئی تو یوں ہی لے جا - مگر میرا پیچھا چھوڑ'' - میری ترکیب یہ تھی کہ پہلے کتاب پر قبضہ کرتا' مولوی صاحب قیمت مانگتے' میں حجت کرتا - وہ جواب دیتے میں اس کا جواب دیتا - غرض بہت کچھہ جھک جھک کے بعد تھک کر کہتے کہ جاؤ میں نے قیمت معاف کی - آئندہ میری کسی کتاب کو ہاتھہ لگایا تو اچھا نہ ہوگا - مگر خدا غریق رحمت کرے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب مجھہ کو دے دیتے تھے اُور جان جان کر جھگڑتے تھے - ریویو کے لئے جو کتابیں آئیں وہ تو ہمارے باپ دادا کا مال تھیں - وہ پورا ریویو

لکھنے بھی نہ پاتے کہ کتاب کے صفحۂ اول پر میرا نام درج ہوکر شہادت دستاویزی اور ثبوت قبضہ کی شکل اختیار کرلیتا - اس وقت بھی میرے پاس اس زمانے کی بعض کتابیں موجود ہیں- معلوم نہیں کہ میاں دانی کو جو حمائل شریف عطا ہوئی تھی وہ ان کے پاس رہی یا نہیں —

کتابیں تو کتابیں میں نے مولوی صاحب کی ایل - ایل - ٹی کی گون پر قبضہ کرنے کی فکر کیا تھا - ہوا یہ کہ جب میں اور دانی بی - اے میں پاس ہوے تو جلسہ تقسیم اسنادکےلئے لاہور جانا پڑا - گون بنوانا بے ضرورت سمجھا گیا - اب خیال ہوا کہ گون کس کی چھینیں دانی کو تو گون مل گئی - میں نے مولوی صاحب کی گون تاکی- ہم دونوں مل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوے اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا - کہنے لگے "بیٹا! میری گون بڑی قیمتی ہے' ساڑھے چھ سو روپئے میں دو گونیں پڑی ہیں - بھلا میں کیا خریدتا' یہ میاں مشرف نے میرے سر منڈہ دیں - وہ ایڈنبرا میں پڑھتے تھے' مجھے لکھا کہ اپنی تمام تصنیفات و تالیفات کی نہایت عمدہ جلدیں بندھواکر بھجوا دیجئے' سر ولیم میور دیکھنا چاہتے ہیں - سر ولیم میور پہلے ممالک مغربی و شمالی کے لفٹننٹ گورنر تھے' مجھ پر بھی بہت مہربان تھے؛ میں نےمشرف کے لکھے کو سچ جانا' کتابوں کی جلدیں بندھوا ایڈنبرا روانہ کردیں- ان کتابوں میں میرا کلام مجید کا ترجمہ بھی تھا - وہ بہت پسند کیا گیا - سر ولیم میور نےیہ‌کتابیں ایڈنبرا یونیورسٹی میں پیش کردیں اور ہمیں گھر بیٹھے ایل - ایل - ٹی کی ڈگری مل گئی - مگر اس ڈگری کی اطلاع میرے پاس بعد میں آئی- پہلے ایک درزی کا خط اور بل آیا کہ مسٹر مشرف کی فرمائش کے بموجب ایل - ایل - ٹی کی ایک سیاہ اور ایک سرخ گون معہ ٹوپی کے روانہ کی گئی ہے' براہ کرم جس قدر جلد ممکن ہو ساڑھے چھ سو روپئے روانہ فرمائیے - میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے یا تو مشرف دیوانہ ہو گیا ہے یا یہ درزی پاگل ہے کہ بیٹھے بٹھائے بل روانہ کر رہا ہے - یہ سوچ ہی رہا تھا کہ

گون کا پلندہ بھی آگیا - غرض اسی شش و پنج میں ایک ہفتہ گزر گیا - دوسری ڈاک سے ایل - ایل - ڈی کی ڈگری ملنے کا مراسلہ اور میاں مشرف کا خط ملا - قہر درویش بر جان درویش، درزی صاحب کو رقم روانہ کی، مشرف کو برا بھلا لکھا کہ وہاں سے یہ تھیلے بنوا کر بھجوانے کیا ضرور تھے، میں یہاں اپنے ناپ کی گون بنوا لیتا - بہر حال یہ گونیں ساڑھے چھ سو روپیہ کی ہیں معاف کیجئے میں نہیں دے سکتا - جا کسی پروفیسر کی گون چھین کر کیوں نہیں لے جاتا، جو میرے پیچھے پڑا ہے" - میں یہ قصہ چپکا بیٹھا سنتا رہا - اس کے بعد بغیر کچھ کہے سنے اٹھا اور مولوی صاحب کے سامان کی کوٹھری کا رخ کیا - وہ "ہاں ہاں ہاں ہاں" کہتے ہی رہے - میں نے کُنڈے کھول اندر گھس الماری میں سے کالی گون نکال ہی لی جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر گیا تو سنبھل سنبھلا کر اٹھے - میں اتنی دیر میں دروازہ بند کر گون بغل میں مار پھر اپنی جگہ آگیا - مولوی صاحب بھی بیٹھ گئے اور اب انھوں نے گون کی قیمت، میری لا پروائی، ریل میں چوری کے خطرات، بی - اے اور ایل - ایل - ڈی کی گون کے اختلاف غرض اسی طرح بیسیوں چیزوں میں لکچر دے ڈالے، میں بیٹھا سنتا رہا - جب وہ کہتے کہتے تھک گئے تو میں نے لکچر شروع کیا - اُستادوں کی محبت، اپنی غربت، گون کی صرف ایک روز کی ضرورت، وقت کی قلت، غرض دس بارہ پہلوؤں پر میں نے بھی اسپیچ دیدی اور آخر میں صاف کہدیا کہ یہ گون میں لیکر جاؤنگا - اور ضرور لیکر جاؤنگا - اس کے بعد مولوی صاحب کچھ نرم پڑے، کہنے لگے "واپس کب کروگے" - میں نے کہا "آپ سرخ گون پہنتے ہیں کالی گون مجھے دیدیجئے، آپ کا کچھ نقصان نہوگا اور ایک غریب کا فائدہ ہو جائے گا" - مولوی صاحب نے کہا "نہیں بیٹا! لاہور سے آکر دیدیجئیو، مجھے دربار وغیرہ میں یہ گون بھی پہننی پڑتی ہے" - یہ الفاظ انھوں نے کچھ ایسے لہجے میں کہے کہ مجھے بھی وعدہ کرتے ہی بن پڑی - آخر میں گون لیکر گیا اور لاہور سے آکر واپس کر دی - جب مولوی صاحب نے گون پر قبضہ کر لیا

اس وقت بہت خفا ہوے - کہنے لگے "اب کے تو اگر میری کوٹھری میں گھسا تو اچھا ہی نہ ہوگا کل کو میرا کیش بکس اٹھا کر لے جاے گا - خیر دانی گون لیجاتا تو کچھ ہرج نہ تھا، کیوں کہ واپسی کی تو امید رہتی - مجھے کب امید تھی کہ آپ بزرگ واپس بھی کریں گے - وہ تو کہو میرا حلال کا مال تھا جو واپس آگیا"- میں نے کہا "مولوی صاحب اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کو گون کی واپسی کی توقع نہیں ہے تو آپ اس کی تمام عمر شکل بھی نہ دیکھتے" - ہنس کر کہنے لگے "چلو مشتے بعد از جنگ کی صورت ہے - آئندہ میں دینے میں احتیاط کروں گا اور تم واپسی میں احتیاط کرنا"- اس وقت تو یہ باتیں ہنسی میں ہوئیں، مگر اب افسوس ہوتا ہے - گون اگر میرے پاس رہ جاتی تو مولوی صاحب کی یادگار ہوتی - کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ وہ گون میرے پاس بھیج دے - کیونکہ اس میں میرا بھی حق ہے - یہ ضرور ہے کہ وہ گون مولوی صاحب نے مجھکو دی تو نہ تھی، لیکن وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ ہاتھ سے گئی - میری غلطی تھی جو اس کو لیجا کر واپس کیا - اب اگر مل گئی تو کبھی ایسی غلطی نہ کرونگا —

جس طرح مسٹر مشرت نے یہ گونیں مولوی صاحب کے گلے منڈھی تھیں اسی طرح نواب محسن الملک نے حیدرآباد میں فرنیچر ان کے سر چپیک دیا تھا - اس زمانے میں حیدرآباد میں نواب محسن الملک کا طوطی بول رہا تھا - ان کی تجویز اور سرسید کی تحریک پر مولوی صاحب حیدرآباد آئے - پہلے نواب محسن الملک ہی کے ہاں قیام کیا - اس کے بعد علیحدہ کوٹھی میں جا رہے - ہندوستانی وضع کا سامان تخت چوکیاں وغیرہ خرید لیں - بھلا محسن الملک یہ کیونکر دیکھ سکتے تھے کہ ان کا دوست پرانی وضع کے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے - ایک روز سکندرآباد جا، ایلن اینڈ کمپنی کو کئی ہزار کے فرنیچر کا آرڈر دیدیا اور کہدیا کہ مولوی صاحب کے ہاں پہنچا دو اور بل بنا کر بھیج دو - ایک روز جو مولوی صاحب اٹھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ چھکڑے پر چھکڑا فرنیچر کا لدا کوٹھی کے

باهر کھڑا ھے - بہت چکرائے' لینے سے انکار کیا - مگر وہ نواب محسن الملک کا پڑھایا ھوا شیطان تھا - وہ کب ماننے والا تھا - آخر لاچار گھر چھوڑ باھر آ بیٹھے اور دن بھر میں مولوي صاحب کا مکان صاحب بہادر کی کوٹھی ھو گیا - مگر یہ بھی نذیر احمد تھے' کچھہ ایسی چال چلے کہ جب انکا تقرر پٹنچرو کی صدر تعلقداري پر ھوا تو وہ سب کا سب سامان بہت ھی تھوڑی کمي پر ایان ھی کے سر مارا اور پٹنچرو وھي اپنے پرانے تخت وغیرہ لے گئے - نواب محسن الملک کو کانوں کان خبر بھی نہیں ھوئی - اب آگے کی داستان بڑی دلچسپ ھے - نواب محسن الملک دورہ پر نکلے' پٹنچرو قیام کیا - مولوی صاحب خود کہیں دورہ پر گئے ھوے تھے نواب صاحب نے گھر میں کہلا بھیجا کہ میں آیا ھوں میرے قیام کا انتظام کر دو - ایک کمرہ جس میں دو تین کرسیاں اور ایک دو میزیں تھیں کھول دیا گیا - یہ وہ ایان والے فرنیچر کي تلاش میں تھے - سمجھے کہ مولوی صاحب نے اپنے کمرے میں سجا کر رکھا ھوگا اندر کہلا بھجوایا کہ میں مولوي صاحب کے کمرے میں ٹھیرونگا - پہلے تو جواب ملا کہ وھاں آپ کو تکلیف ھوگی - مگر جب ادھر سے اصرار ھوا تو وہ کمرہ بھی کھول دیا گیا - اندر جا کر کیا دیکھتے ھیں کہ وھاں صفا چٹ میدان ھے - نہ دري ھے نہ چاندنی نہ میز ھے نہ کرسی - کمرے کے بیچ میں ایک چھوٹا سا تخت ھے' اس پر ایک کمبل پڑا ھوا ھے - بازو میں ایک چوکی پر رحل اور جانماز رکھی ھے - کھونٹی پر کلام مجید لٹک رھا ھے - یہ بہت چکرائے - لوگوں سے پوچھا "وہ فرنیچر کہاں گیا" - معلوم ھوا کہ آتے آتے مولوی صاحب اس کے کورے کر آئے - بچارے ایک رات ٹھیرے اور صبح ھی کوچ بول دیا—

کچھہ عرصے تک تو نواب محسن الملک اور اُن کی بنی رھی' بعد میں اتنی کھنچی کہ ٹوٹ گئی - مولوی صاحب کو یہ شکایت تھی کہ محسن الملک مجھہ پر دباؤ ڈال کر کام نکالنا چاھتے ھیں - محسن الملک کو یہ شکایت تھی کہ مولوي صاحب میرے مخالف ھو کر میرے اکھاڑنے کی فکر میں ھیں -

غرض جب عمادالسلطنت بہادر کا زمانہ آیا اور محسن‌الملک بہادر کی کمان چڑھی تو مولوی صاحب کو میدان سے ہٹ جانا ہی مناسب معلوم ہوا - دوسرے حیدرآباد میں صحبت کا جو رنگ تھا وہ ایسا نہ تھا جس میں مولوی صاحب کا رنگ جم سکتا - اس زمانے کے جو حالات مولوی صاحب بیان کیا کرتے تھے، اُن کا زبان قلم پر نہ آنا ہی زیادہ مناسب ہے —

بعد میں دونوں بظاہر ملتے جلتے تھے، لیکن موقع پڑا تو ایک دوسرے کو پردے ہی پردے میں سنائے بغیر نہ رہتے تھے - ایک واقعہ تو خود میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے - ۱۹۰۳ع کے دربار کے موقعہ پر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں اجمیری دروازہ کے باہر ہوا - اس زمانے میں نواب محسن‌الملک علی‌گڈھ کالج کے سکریٹری تھے - کانفرنس کے صدر ہز ہائینس سر آغا خاں تھے - آدمیوں کی یہ کثرت تھی کہ بیٹھنے کو پنڈال میں جگہ نہ ملتی تھی - ہر جلسے میں کئی کئی رئیس آجاتے تھے - ایک پورا دن خاص مولوی صاحب کے لکچر کے لئے مقرر ہوا - مدت ہوئی تھی کہ مولوی صاحب نے پبلک میں لکچر دینا چھوڑ دیا تھا - اس روز جو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب لکچر دینگے خلقت ٹوٹ پڑی - لکچر شروع ہی ہوا تھا کہ لارڈ کچنر نے کہلا بھیجا کہ آج میں بھی آؤنگا - نواب محسن‌الملک نے ایسے باوقعت و ذی وجاہت مہمان کے استقبال کی تیاریاں شروع کیں - مولوی صاحب کے لکچر میں اسی گڑ بڑ سے کھنڈت پڑتی تھی - پنڈال کے باہر ذرا گڑ بڑ ہوئی اور نواب محسن‌الملک سمجھے کہ لارڈ کچنر آئے - اٹھکر باہر گئے اور پھر آ بیٹھتے - اسی طرح وہ کوئی دس پندرہ دفعہ باہر گئے اور اندر آئے - مولوی صاحب بہت جز بز ہوتے - خفا بھی ہوئے مگر ان کی کون سنتا تھا - قصہ مختصر آخر لارڈ کچنر آہی گئے - نواب محسن‌الملک نے سب کا تعارف کرایا - مولوی صاحب نے خود اپنا تعارف کرلیا - لارڈ کچنر کہنے لگے " مولوی صاحب

هم نے کورس میں آپ کی کتابیں پڑھی ہیں ' آج آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی "۔ مولوی صاحب نے کہا " لاٹ صاحب مجھے بھی آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی۔ اور سب سے بڑی یہ خوشی ہوئی کہ آپ کی وجہ سے ایک معمہ حل ہوگیا "۔ لارڈ کچنر نے کہا کہ وہ کیا معمہ تھا ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ " ہمارے ہاں قیامت کی نشانیوں میں لکھا ہے کہ اس وقت ایسا تہلکہ ہوگا کہ حاملہ عورتوں کے حمل گر جائینگے ۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ ایسی کیا مصیبت ہوگی کہ حمل گرادیگی ۔ مگر آج یقین آگیا کہ جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے ۔ جب آپ کی آمد نے بڑے بڑے پیٹ والے بدھوں کے حمل گرادئے تو کیا تعجب ہے کہ قیامت کی آمد عورتوں کے حمل گرادے " ۔ تمام پنڈال میں سناٹا ہوگیا ۔ مگر مولوی صاحب کو جو کہنا تھا کہہ گئے اور اس طرح اپنے دل کا بخار نکال لیا ۔ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کو وقت پر ایسی سوجھتی تھی کہ باید و شاید ۔ چنانچہ امیر حبیب اللہ خاں ہی کے دربار کا واقعہ دیکھہ لو —

امیر حبیب اللہ خاں بقرعید کے دن دھلی میں تھے ۔ اس روز جمعہ تھا۔ صبح کو بقرعید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں' شام کو سرکٹ ہاؤس میں دربار کیا ۔ اس دربار میں ۸ یا ۹ دھلی کے ہندو امیر اور اسی قدر مسلمان مشاہیر بلائے گئے ۔ ان میں ایک مولوی صاحب بھی تھے ۔ سر ہنری میک موہن نے ان لوگوں کا تعارف امیر صاحب سے کرا یا ۔ جب مولوی صاحب کی باری آئی اور ان کی تعریف سر ہنری نے کی تو امیر صاحب نے کہا " آپ کو ان کی تعریف کرنیکی ضرورت نہیں ہے میں خود ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتا ہوں ۔ اور تقریباً سب کا ترجمہ بھی کرا چکا ہوں ۔ دیکھنے کا اشتیاق تھا وہ آج پورا ہوگیا" ۔ اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں پوچھا " آپ شعر بھی کہتے ہیں "۔ مولوی صاحب نے کہا " جی ہاں کہتا ہوں ۔ لیکن آج آپ کی تعریف میں اپنا نہیں دوسروں

کا شعر سناؤنگا" - یہ کہکر متنبی کا یہ شعر پڑھا :—

عید وعید وعید مجتمعا وجہالحبیب و یوم العید والجمعہ

موقعہ کے لحاظ سے یہ شعر ایسا بر محل ہو گیا کہ متنبی کو نصیب بھی نہ ہوا ہوگا - واقعات اور خاصکر حبیب کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی- تمام دربار چمک اُٹھا - امیر حبیباللہ خاں نے اٹھکر مولوی صاحب کو گلے سے لگا لیا اور اتنے بوسے دئے کہ مولوی صاحب گھبرا گئے - دوسرے روز جو انھوں نے اس واقعہ کا ذکر ہم سے کیا اس کو انہی کے الفاظ میں دھرانا اچھا معلوم ہوتا ہے - کہنے لگے " بھئی میں تو شعر پڑھکر مصیبت میں پھنس گیا - شعر پڑھنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کسی شیر نے آکر مجھے دبوچ لیا - اس میرے شیر کا کوئی سوا گز چوڑا سینہ ' میں ٹھیرا چھوٹے قد کا آدمی- اس نے جو پکڑ کر بھینچا تو اِدھر تو ہڈیاں پلپلی ہوگئیں اُدھر دم گھٹنے لگا- اس کی گرفت سے نکلنے کی ہزار کوشش کرتا ہوں' جنبش تک نہیں ہوتی- قسم خدا کی اس وقت تک ہڈیوں میں درد ہورہا ہے - بارے خدا خدا کر کے گرفت ڈھیلی ہوئی تو میں ذرا علیحدہ ہوا- ابھی پوری طرح سانس بھی نہ لینے پا یا تھا کہ اس نے میرے گلے میں باھیں ڈال بوسہ پر بوسہ لینا شروع کیا - بھلا مجھ بڈھے کو دیکھو اور امیر صاحب کی اس حرکت کو دیکھو - کچھہ تعریف کا یہ طریقہ افغانستان ھی میں اچھا معلوم ہوتا ہوگا مجھے تو مارے شرم کے پسینے چھوٹ گئے - وہ اللہ کا بندہ ذرا دم لیتا اور سبحان اللہ کہہ کر پھر لپٹ جاتا - لپٹتا اور لپٹتے ھی بوسے پر بوسہ لینا شروع کرتا- بچارے دوسرے بھلے آدمی بیٹھے ہوے کیا کہتے ہونگے - جب میں نے اس مصیبت سے رہائی پائی تو میری ناک سے پسینہ اس طرح بہہ رہا تھا جس طرح کسی ٹوٹی صراحی میں سے پانی رستا ہے - نا بھائی نا ایسے درباروں کو میرا دور ھی سے سلام ہے - کون شعر پڑہ کر اپنی ہڈیاں تڑوائے"- مولوی صاحب کو اپنی ہڈیاں

سہلاتے جاتے اور یہ قصہ بیان کرتے جاتے تھے مگر ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے مارے دل کھلا جا رہا ہے - اور سمجھ رہے ہیں کہ شعر کی داد اس طرح اور اس رنگ میں آج تک نہ کسی شاعر کو ملی ہے اور نہ ملیگی —

اس تیزیٔ طبع کے ساتھہ صاف گوئی بھی بلا کی تھی - جو کہنا ہوتا تھا وہ کہے بغیر نہ رہتے تھے - اس میں کسی لفٹننٹ گورنر پر ہی حملہ کیوں نہ ہوجائے - سنہ ۱۹۰۴ ع میں لارڈ کرزن کا ایک لکچر ہوا - اور اس میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک ہندوستانی یورپ والوں کی طرح سچ بولنے کی عادت نہ ڈالینگے اس وقت تک ہندوستان ترقی نہیں کرسکتا - اخباروں میں یہ لکچر پڑہ کر مولوی صاحب کو بہت غصہ آیا - خدا کی قدرت دیکھو کہ اس کے چند ہی روز بعد ہمارے کالج میں سالانہ جلسہ ہوا - اور لارڈ لیفراے جو ہندوستان کے لاٹ پادری تھے تشریف لائے - شامت اعمال سے انھوں نے بھی اپنے لکچر کا موضوع یہی قرار دیا - کالج کی طرف سے لاٹ صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مولوی صاحب تجویز کئے گئے - اب کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے - جو کچھہ دل میں بخار بھرا تھا' خوب اچھی طرح نکال لیا - کالج والے حیران تھے کہ یا الہی یہ کیا ماجرا ہے - مولوی صاحب شکریہ ادا کر رہے ہیں یا لاٹ صاحب پر اعتراضات - مگر انھوں نے جب تک اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نہ نکال لی' خاموش نہیں ہوے - سب سے پہلے انھوں نے ہندوستان کے مغربی اثر کو نہایت پر مذاق پہلو سے بیان کیا - فرمانے لگے "حضرات پیجامہ اچھا ہے یا پتلون' ہم پرانے آدمی تو موسم کے لحاظ سے اتھلے بیٹھنے کی سہولت و آرام کے لحاظ سے پیجامہ ہی کو اچھا کہیں گے - مگر آج کل کے ہندوستانی صاحب بہادر پتلون کا ساتھہ دیں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے - ہم اچکن یا انگرکھے کو اچھا کہیں گے کہ اس سے ستر ڈھکتا ہے - آدمی بھاری بھرکم معلوم ہوتا ہے - ہمارے یورپ کے دلدادہ بھائی کوٹ کو پسند کریں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے - ہم بڈھے سلیم شاہی جوتی پر جان دیں گے

کیونکہ اس میں پیر کو آرام ملتا ہے' نرم نرم اور سبک ہوتي ہے - ہمارے فیشن کے عاشق فل بوٹ کا انتخاب کریں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے - ہمارے پاس اپنی پرانی ہر چیز کے اچھے ہونے کا ثبوت موجود ہے - ان کے پاس صرف ایک جواب ہے کہ یورپ والے ایسا ہی پہنتے ہیں - اور بھئی ہے بھی یہی بات - قسمت نے ہم کو انگریزوں کا ماتحت کردیا ہے - ان کی ہر چیز ہمارے لئے قابل تقلید ہے اور ان کا ہر فعل ہمارے لئے چراغ ہدایت - اب افعال سے گزر کر اقوال پر نوبت آگئی ہے - پادری کرزن تھوڑے ہی دن ہوے فرماچکے ہیں کہ ہندوستانی سچ چھوڑو اور انگریزي سچ بولا کرو - آج ہمارے پادری لیفرائے بھی ان کے ہم نوا ہوے ہیں یا تو انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں کے سچ اور یورپ کے سچ میں فرق ہے اور وقت آگیا ہے کہ پیجامے کی طرح ہندوستانی سچ کو اتار پھینک دیا جائے اور پتلون کی طرح ولایتی سچ پہن لیا جائے - یا ان کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے کسی مذہب نے سچ کی تلقین ہی نہیں کی ہے اور یہ نیا مال دساور ہوکر ولایت سے آیا ہے - بہر حال کچھہ بھی ہو اب تمہارے پرانے سچ کی قدر نہیں رہی ہے - خدا کے لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو ان لاٹ صاحبوں کا حکم مانو - یہ بڑے لوگ ہیں' مولوي نذیر حسین یا پنڈت بانکے لال نہیں ہے کہ اُنھوں نے ہندوستانی سچ بولنے کی ہدایت کی اور تم ہنسکر ٹال گئے - لاٹ صاحبوں کی بات نہ مانوگے اور ولایتی سچ نہ بولوگے اور یہ تازہ مال استعمال نہ کروگے تو یاد رکھو کہ نوکری ملنی مشکل ہوجائیگی - اور نوکری نہ ملی تو روٹیوں کو محتاج ہوجاؤگے - کیونکہ دونوں لاٹ صاحبوں نے یہ ہدایت نہیں کی ہے کہ نوکری کا خبط چھوڑو اور تجارت یا صنعت و حرفت اختیار کرو' اسی سے تمہارے دلدر دور ہوں گے " —

آخر میں مولوی صاحب نے تھوڑا بہت لارڈ لیفرائے کا شکریہ بھی ادا کردیا - لاٹ صاحب اردو بہت اچھی جانتے تھے - مولوی صاحب کی اس پرمذاق تقریر پر

مسکراتے رہے - مگر دل کا خدا ھی مالک تھا - کالج کے منتظمین کے چہروں پر ھوائیاں اڑ رھی تھیں- مگر یہاں 'تیر از کمان جستہ' کی صورت تھی - کیا کرسکتے تھے - البتہ دل میں اُنھوں نے ٹھان لی ھوگی کہ آئندہ مولوی صاحب کو شکریہ ادا کرنے کی تکلیف نہ دینا ھی مناسب ھے —

اس واقعہ کے کچھہ ھی دنوں بعد میں حیدرآباد چلا آیا پھر دو دفعہ دھلی میں مولوی صاحب سے میرا ملنا ھوا - پہلی دفعہ جو ملا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ امہات الامہ کی وجہ سے مولوی صاحب پر بڑی لے دے ھو رھی تھی- میں نے بھی اس کا ذکر چھیڑا- کہنے لگے "بھئی مجھے تو اس کتاب میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے لوگ اس طرح بر انگیختہ ھوجائیں - تم نے بھی یہ کتاب دیکھی ھوگی - آخر تم ھی بتاؤ کہ اس میں میں نے کونسی ایسی نئی بات لکھی ھے"- میں نے خود امہات الامہ نہیں دیکھی تھی- مگر میں مولوی صاحب کے طرز تحریر سے واقف تھا - اس لئے میں نے یہی کہا کہ "مولوی صاحب آپ کا طرز تحریر مذاق کا پہلو لئے ھوتا ھے - وہ کچھہ قصہ کہانیوں ھی میں مزا دیتا ھے - تاریخ کی کتابوں اور خاصکر مذھبی معاملات میں وہ کسی طرح کھپ نہیں سکتا - اگر لوگوں کو اعتراض ھوگا تو آپ کی طرز تحریر ھی کے متعلق ھوگا" - مولوی صاحب نے کہا "میرے کلام مجید کے ترجمہ کے متعلق تو یہ اودھم کیوں نہیں مچا"- میں نے کہا "اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ھیں - مگر اس میں آپ کا معاملہ اللہ میاں سے ھے اور یہاں انسانوں سے- مشہور مقولہ ھے کہ "با خدا دیوانہ باش و با محمد ھوشیار" کچھہ سوچتے رھے پھر کہنے لگے - ھاں بیٹا کہتے تو سچ ھو - اس قسم کی تالیفات میرے دائرۂ تحریر سے باھر ھیں - انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس نقص کو رفع کر دوں گا —

جب میں چلنے لگا تو فرمایا "کہو بیٹا! پھر ملوگے - ابھی تو تمہارے جانے میں بہت دن ھیں"- میں نے کہا "انشاءاللہ ضرور آؤنگا"- ھنس کر کہنے لگے

نشاءاللہ کہنے کے بعد تم ضرور آئے - مسلمانوں کو جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو ہزاروں قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ یہ کام میں ضرور کروں گا - مگر جب کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا تو ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں کہ انشاءاللہ ضرور کرونگا - ہم تو اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس کام کے کرنے کا تو ارادہ نہیں ہے - ہاں اگر خدا نے چاہا اور زبردستی یہ کام کرا دیا تو مجبوراً کرلینگے " - میں نے کہا " مولوی صاحب آپکو " انشاء اللہ " کے یہ معنی پہنانے مناسب نہیں ہیں - آپ مذاقیہ پہلو مذہبی معاملات میں بھی نہیں چھوڑتے " - کہنے لگے "میاں - پہلے ' انشا اللہ ' کے معنی دوسرے تھے آج کل کے مسلمان وہی معنی لیتے ہیں جو میں نے بیان کئے " - خدا کی قدرت دیکھو کہ اسی رات کو عین میرے پلنگ کے نیچے طاعون کا چوہا مرا - اور صبح ہی کے میل سے میں ایسا دہلی سے بھاگا کہ حیدرآباد آکر دم لیا -

دوسری دفعہ جو میں ملا تو مولوی صاحب کی صحت جواب دے چکی تھی - چھت پر جو چھوٹا کمرہ تھا اس میں آرہے تھے - رعشہ میں اضافہ ہو گیا تھا ' آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا - پلنگ پر بیٹھے رہا کرتے تھے - میں نے کمرے کے دروازے میں قدم رکھتے ہی بڑی زور سے سلام کیا - کہنے لگے "ہیں یہ کون صاحب ہیں"- میں نے کہا "میں ہوں"- پھر پوچھا "آخر ' میں' کون صاحب ہوے - نام کیوں نہیں بتاتے - ارے بھائی اب مجھے صاف نہیں دکھائی دیتا - ذرا قریب آؤ"- میں نے کہا "واہ مولوی صاحب واہ - اگر آواز سے نہیں پہچانا تو خوب پہچانا ' دور سے پہچانئے تو بات ہے"- ایک دفعہ ہی ہنس پڑے اور کہنے لگے "اوھو' مرزا فرحت صاحب ہیں - بھلا اور کون یہ بے تکی باتیں کرے گا - آؤ بیٹا' آؤ - اب کے تو کئی برس کے بعد آئے"- میں پاس گیا ' گلے لگایا ' حالات پوچھتے رہے - باتیں کرتے کرتے کہا "ذرا دیکھنا بھئی گھڑی میں کیا بجا ہے" - میں نے گھڑی دیکھکر کہا کہ "ساڑھے نو میں پانچ منٹ ہیں"- کہنے لگے "اوھو' دیر ہوگئی - ذرا میرا جوتا اور

جرابیں تو لے آؤ - میں نے لاکر جرابیں پہنائیں - جوتہ سوکھہ کر لکڑی ہو گیا تھا - وہ زبردستی پاؤں میں ٹھونسا - جوتہ پہن کر کھڑے ہو گئے - میں نے کھونٹی پر سے اتار کر شیروانی اور ٹوپی دی - وہ پہن کر کہنے لگے " چلو بھئی چلو وقت تنگ ہو گیا ہے" - میں نے کہا " مولوی صاحب آخر کہاں جانا ہے" - کہنے لگے " بیٹا آج ایک مقدمہ کی پیشی ہے' وہاں جارہا ہوں' ذرا مجھکو کشمیری دروازہ تک تو لے چل" - بہر حال ہاتھہ پکڑ کر نیچے اترے باہر دیکھوں تو کوئی سواری نہیں - میں نے کہا " مولوی صاحب خدا کے لئے اب اس عمر میں تو اس طرح پیدل نہ پھرا کیجئے' خدا نے سب کچھہ دے رکھا ہے' آخر یہ کس دن کے لئے ہے - روپیہ اسی لئے ہوتا ہے کہ خرچ کیا جائے' بال بچوں کی طرف سے بھی بے فکری ہے' کیوں اس بڑھاپے میں آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں' ذرا اپنی حالت کو دیکھئے اور کشمیری دروازہ کو دیکھئے' یہ دو میل جانا اور دو میل آنا' آپ کو مضمحل کر دیگا - ذرا ٹھیر جائیے' میں گاڑی لے آتا ہوں" - بہت بگڑے اور کہنے لگے " تجھکو میرے معاملے میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے - اب چلتا ہے تو چل نہیں میں کسی اور کو بلاتا ہوں - ابھی میرے ہاتھہ پاؤں نے ایسا جواب نہیں دیا ہے کہ کشمیری دروازہ تک نہ جا سکوں" - میں نے کہا " مولوی صاحب خدا کے لئے اب تو گاڑی رکھہ لیجئے' اگر آپ خرچ نہیں اُٹھاتے تو میں اُٹھاؤنگا" - ہنس کر کہنے لگے " کیوں نہو روپیہ اُچھلنے لگا ہے' کیا میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ گاڑی نہ رکھہ سکوں - بیٹا بات یہ ہے کہ پہلے تو میں نے اس لئے گاڑی گھوڑا نہیں رکھا کہ سائیسوں سے تر لگتا تھا؛ ایک تو دانہ گھاس چراتے ہیں' دوسرے گھوڑے کی مالش نہیں کرتے' تیسرے گاڑی کا آج یہ توڑا کل وہ توڑا' کون بیٹھے بٹھائے اپنی بھلی چنگی جان کو یہ عذاب لگائے اور دن رات کا فکر مول لے - رفتہ رفتہ پیدل پھرنے کی عادت ہوگئی - اب آخری عمر میں گاڑی کی ضرورت ہوئی تو گاڑی رکھتے ہوئے شرم آتی ہے لوگ کیا کہیں گے کہ تمام عمر تو مولوی صاحب جوتیاں

چٹخاتے پھرے، اب بڑھاپے میں گاڑی پر سوار ہوکر پھرتے ہیں۔ نا بھئی نا، اب گاڑی رکھنا وضعداری کے خلاف ہے"۔ میں نے کہا "تو کمیشن ہی جاری کرا لیا ہوتا"۔ کہنے لگے "وہ بھئی میری وضعداری کے خلاف ہے۔ ہمیشہ کچہری میں جا کر گواہی دی، اب بڑھاپے میں اس وضعداری کو کیوں توڑوں"۔ بہر حال یہی حجتیں کرتے کرتے کچہری پہنچ گئے۔ تپٹی صاحب کو اطلاع ہوئی۔ انھوں نے مولوی صاحب کو اپنے کمرے میں بٹھایا اور سب سے پہلے انھیں کا مقدمہ لیکر ان کی شہادت قلمبند کی۔ اور یہ جس طرح گئے تھے اُسی طرح ہانپتے کانپتے میرا ہاتھہ پکڑ کر گھر آئے—

حیدرآباد آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اُس چہکتے ہوے بلبل نے اس گلشن دنیا سے کوچ کیا۔ جب کبھی دھلی جاتا ہوں تو مولوی صاحب کے مکان پر ضرور جاتا ہوں۔ اندر قدم نہیں رکھتا مگر باہر بڑی دیر تک دیوار سے لگ کر دروازے کو دیکھا کرتا ہوں اور رہ رہ کر ذوق کا یہ شعر زبان پر آتا ہے:

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائینگے

الله بس باقی ہوس

اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزاپوری صاحب)

——— (خواجہ وزیر 'وزیر') ———

خواجہ اسد علی آفتاب الدولہ 'قلق' : —

قلق: صاف لکھہ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
حال روشن ہوگیا سارا خط تقدیر کا

اصلاح : صاف لکھہ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کُھل گیا سارا خط تقدیر کا

مصرعہ ثانی میں " تحریر " کی رعایت سے خواجہ صاحب نے " لو لفافہ کُھل گیا " بنا یا اور خوب بنایا - اس اصلاح سے شعر میں لطافت پیدا ہوگئی - اور ایک محاورہ بھی نظم ہوگیا —

قلق : صاف دل ہوں مدعی پہنچا سکے گا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

اصلاح : بے لیاقت ہوں مدعی پہنچا سکے گا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

پہلے مصرع میں بجائے " صاف دل ہوں " کے " بے لیاقت " بنایا- جس سے ضمناً مدعی کی تصحیک بھی ہوئی اور شعر بھی صاف ہوگیا —

قلق: جب ہوا گرم سخن تو بزم کو مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

اصلاح: جب ہوا گرم کلام مختصر مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

مصرعہ اولیٰ میں بجائے " سخن تو بزم " کے " کلام مختصر " بنا کر دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کردیا کلام مختصر کا ٹکڑا ایسا معنی خیز رکھدیا کہ عطر کھنچنے کا ثبوت قوی ہوگیا - کتنی نازک اصلاح دی —

قلق اِدھر بھی دیکھہ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

اصلاح: ادا سے بھی دیکھہ لو جاتا رہا گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

صرف ایک لفظ " ادا "نے شعر میں کیا کیا ادا پیدا کردی - ایسی اصلاح کو اصلاح کہتے ہیں جسنے اس مطلع کو مقبول خاص و عام کردیا - دیکھئے اک زراسے لفظ نے مطلع میں لاکھوں بناو پیدا کردئے —

قلق: الٰہی خیر ہو کچھہ آج رنگ لایا ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

اصلاح: الٰہی خیرہوکچھہ آج رنگ بےڈھب ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

پہلے مصرع میں بجائے " رنگ لایا ہے" کے " رنگ بے ڈھب ہے " بنا کر شعر میں لطف زبان پیدا کردیا —

قلق: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
پھر جگہ آنکھوں میں دینے لگیں مردم مجکو

اصلاح: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
آنکھہ کا تارا سمجھنے لگیں مردم مجکو

دوسرے مصرع میں " پھر جکھہ آنکھوں میں دینے لگیں " کے بجائے " آنکھہ کا تارا سمجھنے لگیں " بنایا جس سے شعر میں ترقی کے علاوہ مناسبت الفاظ کس قدر پیدا ہوگئی —

قلق : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے خوشرو
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

اصلاح : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے گل تر
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

پہلے مصرع میں " خوشرو " کے بجاے " گُل تر " بنا کے شعر کو رعایت لفظی سے مالا مال کردیا - یہ اُس دور کا خاص مذاق تھا - جو اب نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے * —

——— (میر ' وحید ' الہ آبادی) ———

خان بہادر لسان العصر اکبر الہ آبادی :—

اکبر: آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
لو مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

اصلاح : آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے " لو " کے "پھر" بنا یا - اس ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع کے معنی کیا سے کیا ہو گئے' سبحان اللہ —

اکبر : ہاں کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

اصلاح : پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

---

* یہ اصلاحیں بھی حضرت' عشرت' لکھنوی نے مرحمت فرمائیں—

پہلے مصرع میں بجائے "ھاں" کے پھر "پھر" بنایا جس سے شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا اور معنوی خوبیاں بڑھ گئیں —

اکبر : ھوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
مرتے دم تک نہ کھلا یہ کہ جفا ھوتی ھے

اصلاح : ھوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ھوتی ھے

حضرت اکبر خود فرماتے تھے کہ میں نے اپنے خیال میں "مرتے دم تک" یہ تکڑا بہت سمجھہ کے رکھا تھا مگر اُستاد وحیدالعصر نے بجائے اس کے "مرتے مرتے" جو بنایا تو بے ساختہ جی چاھا کہ دست مبارک کو بوسہ دوں واقعی عجیب نادر اصلاح دی جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ھے - اب ذرا مرتے مرتے کے معنی غور فرمائیے - اور حضرت وحید سے کامل الفن اُستاد کی روح کو فاتحہ سے ثواب پہنچائیے —

اکبر : اُنھیں سے ھوئی مجھہ کو اُلفت کچھہ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

اصلاح : تمھیں سے ھوئی مجھکو الفت کچھہ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "اُنھیں" کے "تمھیں" کا معنی خیز لفظ رکھہ دینا ایسے ھی با کمال اُستاد کا کام تھا - ظاھری معنی تو جو ھیں وہ ظاھر ھیں مگر میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو معنی اس کے سمجھے ھیں وہ عرض کئے دیتا ھوں - دوسرے مصرع میں قایل کہتا ھے "نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی" اس موقع پر لفظ (میری) کو ذرا زور دے کر پڑھئے تو انکشاف معنی ھوجائے - مطلب یہ کہ میری طبیعت ایسی نہ تھی بلکہ تمھاری طرف سے ابتدا ھوئی - " عشق اول در دل معشوق پیدا می شود" کا مصداق سمجھہ لیجئے - یعنی تمھیں نے مجھے محبت کا

سبق دیا ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی نہ تھی کہ کسی سے الفت ہوتی - ابتدائے محبت اُدھر ھی سے ہوئی * —

——— (میر ببر علی انیس) ———

مشاطۂ سخن حصۂ اول صفحہ ۴۷ میں خاکسار مؤلف نے جناب نبی صاحب برادر کوچک مولوی سید سبط حسین سے سن کر یہ لکھدیا تھا کہ میر نواب مونس مرحوم نے ایک مرثیہ جس کا مطلع یہ تھا "پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" بڑی محنت سے کہا اور میر صاحب مرحوم کو یہ کہکر سنایا کہ اگر ایک اصلاح بھی آپ اس مرثیہ پر دیدیں تو میں مرثیہ آپ کے نذر کردوں - میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ میں مرثیہ لے لوں گا، اُنھوں نے کہا جی ھاں - اس شرط کے بعد کہا اچھا پڑھئے - مونس نے پڑھنا شروع کیا جب یہ بند پڑھا

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ھوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

اسی بند کے تیسرے "مصرع" کو میر انیس مرحوم نے یوں بنایا "رکھتی تھی پھونک قدم اپنا ھوائے سرد" اور مرثیہ مطابق شرط کے مونس مرحوم کو دینا پڑا —

اس واقعہ کی تردید زبانی اکثر احباب سے کی اور کئی مضامین اس کی تردید میں میرے پاس آئے - جس میں سے مولانا قتیل پھر سری کا مضمون مع اپنے مختصر نوٹ

---

* یہ اصلاحیں مجھے اپنے محترم دوست محمد علیم خاں صاحب "علیم" الہ آبادی سے ملیں جو حضرت اکبر کے خاص دوستوں میں ھیں اور مرحوم ھی سے مشورۂ سخن بھی فرماتے تھے - ان اصلاحوں کا ذکر خود اکبر مرحوم نے اُن سے فرمایا تھا جو ان کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں —

کے ''حسن ادب'' میں میں نے شایع کرادیا - میں انسان ہوں کوئی عالم لاہوت کا باشندہ نہیں اگر میں نے دھوکا کھایا تو اس کا اعتراف کرتے ہوے معذرت خواہ بھی ہوں —

میں اپنے فکتہ رس دوست حضرت حامی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے مشاطۂ سخن کا ریویو کرتے ہوے اس اصلاح کا بھی ذکر فرمایا اور نہایت تحقیق کے ساتھہ رسالہ ''زمانہ'' ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ع میں اس واقعہ کی اصل روایت یوں تحریر فرمائی —

میر انیس مرحوم نے ایک مجلس میں اپنا یہ مرثیہ پڑھا تھا -

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

اس کے اختتام پر وقت شام یوں دکھایا ہے-

تاپوں سے اُڑ کے سوے فلک جارہی تھی گرد
سبزے پہ لوٹ پوٹ تھا مینائے لاجورد

دوسرے روز میر مونس مرحوم ایک مرثیہ لکھکر لائے اور میر انیس کی خدمت میں پیش کیا - اُنھوں نے صبح کی سینری اس بند میں دکھائی-

زردی شفق میں اور وہ مینائے لاجورد
مخمل سي نرم گیاہ میں گُل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہواے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

میر انیس نے دیکھا اور گرم ہوکر فرمایا کہ یہ کیا دفعۃً آسمان سے زمین پر نیچے گر پڑے - ذرا خوب غور کرو کہ یہ ہوا کی چوری سے آنے کا محل نہیں رہا - پھر گُل بند کے مصرعوں کو یوں بنایا -

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سي وہ گیاہ وہ گُل سبز سرخ زرد

رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ھوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

مونس نے عذر کیا کہ ھوا کے آنکھیں کہاں جو دیکھ سکے - انیس نے فرمایا مگر کان تو ھیں - مطلب یہ کہ پھونکنا کسی بات کا کان کے اندر کہا جاتا ھے اور پامالی گل تر کے خوف سے ھوا کو قدم قدم پر دیکھنا ضرور تھا—

ایسے با خبر و با کمال سخنور اب مشکل سے پیدا ھوں گے جن کی ملکہ فطرت شناسی اور لطافت زبان آوری اب تک یادگار و سبق آموز لیل و نہار ھیں—

میر صاحب نے اس بند میں جن جن مقامات پر اپنا قلم لگا دیا ھے - وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ھیں اور واقعی سبق آموز ھیں—

میر مونس کا یہ مطلع آج زبانوں پر ھے مگر اصل میں مونس نے یوں کہا تھا

نہ تڑپنے کی اجازت ھے نہ فریاد کی ھے
یونہی مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ھے

میر انیس نے فرمایا کہ بھائی دوسرے مصرع کو یوں بنادو ' ع:

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ھے

سبحان اللہ - اس اصلاح کی تعریف میں زبان و قلم دونوں قاصر ھیں - پہلے مصرع میں دو ٹکڑے ھیں - ' نہ تڑپنے کی اجازت ھے ' دوسرا ' نہ فریاد کی ھے ' ان دونوں ٹکڑوں کا ثبوت قوی ''گھٹ کے مرجاؤں'' اِس ٹکڑے سے پیدا ھو گیا - ورنہ '' یونہی مرجاؤں'' تو یونہی تھا - اسی اصلاح کا یہ اثر ھوا کہ یہ مطلع مشہور عالم ھو گیا —

یہ اصلاح داروغہ واجد حسین صاحب ' واقف ' تلمیذ حضرت ' اسیر ' مرحوم نے عنایت فرمائی - اُن کو جناب بابو صاحب خلف عارف مرحوم نبیرۂ انیس سے حاصل ھوئی—

——— (مرزا سلامت علی دبیر لکھنوی) ———

میر واجد حسین مجھ سے ناقل تھے کہ ایک مرثیہ کسی شاگرد کا کہا ہوا، مجھے مرزا صاحب نے دیا کہ اس کو صاف کردو۔ حضرت عباس کے حال کا مرثیہ تھا، اس موقعہ پر کہ جب حضرت عباس خیمے سے برآمد ہوے ہیں، مرزا صاحب نے اصلاحاً یہ ٹیپ لکھی تھی —

آپ آتے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے
اقبال سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

مجھے جو شرارت سوجھی تو میں نے دوسرا مصرع یوں لکھدیا ع:

ہاں فتح سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

میں گردن جھکائے لکھ رہا تھا کہ مرزا صاحب آہستہ آہستہ آکر پیچھے کھڑے ہوگئے، مجھے خبر نہ ہوئی، اس ٹیپ کو پڑھکر ہنسے اور فرمایا، واہ میر واجد حسین صاحب! آپ نے تو مجھے بھی اصلاح دیدی۔ اب میں نے گردن اٹھائی، دیکھا مرزا صاحب کھڑے ہوے ہیں، میں چپ، فرمایا کیا اقبال سے آپ فتح کو اس موقع پر ترجیح دیتے ہیں میں نے عرض کی، جی نہیں، اس وقت میرے خیال میں یونہی آگیا، میں اس کو مٹائے دیتا ہوں، کپڑا پانی میں ڈبویا ہوا سامنے رکھا تھا، میں نے اٹھایا، فرمایا ذرا ٹھیرو، سمجھ تو لو، لفظ فتح میں کیا برائی اور اقبال میں کیا خوبی ہے۔ میں نے کہا فرمائیے، فرمایا، اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مونث ہے۔ پس جب شاعر اچھے شگون کے خیال سے یہ کہتا ہے کہ عورت کوئی نہ سامنے آئے تو فتح جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا۔ اس کے سوا لفظ اقبال کے لفظی معنے پر غور کرو، اقبال کے خود معنے آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں—

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۵۴)

برادر مکرم جناب نفیس بنگلوری تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا احمد صاحب ظہور، جن کے انتقال کو ابھی ۳ برس ہوے، مجھ سے ناقل تھے کہ ایک دن

میرصفدرعلی صفدر مرحوم میری موجودگی میں اپنا مرثیہ سناتے جاتے تھے، اور مرزا مرحوم سن سن کر جا بجا اصلاح دیتے جاتے تھے کہ انھوں نے ایک مقام پر تلوار کی تعریف میں یہ ٹیپ پڑھی—

سد سکندری کو تپ لرزہ آتی تھی دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھراتی تھی

فرمایا اس کو یوں بناؤ—

سد سکندری پہ جو بھڑکی گھلا دیا دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی رلا دیا

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۶۳)

———(مرزا اصغر علی خاں نسیم دہلوی)———

منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی :

ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ اُٹھتے ھی کسکا دیکھا

اصلاح :

ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ صبح کو کس کا دیکھا

دوسرے مصرع میں بجاے "منہ اٹھتے ھی" کے "منہ صبح کو" بنایا۔ خاص محاورہ یہی تھا جو اس محل پر اصلاح میں صرف کیا گیا۔ صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کس قدر لطف زبان پیدا ھو گیا اور ایک رکیک پہلو جو شعر میں پہلے تھا جاتا رہا—

تسلیم: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی باتیں
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

اصلاح: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی ساقی
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "باتیں" کے "ساقی" بنایا۔ ظاھر ھے کہ دوسرے مصرع میں مینا کا ذکر ھے اسی مناسبت سے پہلے مصرع میں ساقی سے خطاب ھے۔

اصلاح سے شعر صاف ہو گیا اور "تری بزم" کا ثبوت قوی ہو گیا —

تسلیم: روتے روتے میں اگر سو بھی گیا فرقت میں
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

اصلاح : روتے روتے میں اگر سو بھی گیا ہجر کی شب
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

مصرعۂ ثانی میں خواب کا ذکر ہے اس لئے مصرعۂ اولیٰ میں اُستاد نے بجائے "فرقت میں" کے "ہجر کی شب" بنایا - خواب کے لئے شب کی ضرورت تھی - میرے ایک دوست نے اس شعر کو سن کر فرمایا کہ ہجر کی شب کا سونا قیامت ہے میں نے عرض کیا کہ تقاضائے فطرت ہے - مسکرا کر خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اس برجستہ فقرے کی داد دی—

تسلیم : سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ سنبل پیچاں لچک گیا

اصلاح : سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ نازک سنبل لچک گیا

دوسرے مصرع میں اُستاد نے "نازک" کا لفظ بنا کر شعر میں نزاکت پیدا کردی —

تسلیم: لاتی ہے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے آکے تو غنچہ چٹک گیا

اصلاح: لاتی ہے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے پیار سے غنچہ چٹک گیا

دوسرے مصرع میں "آکے تو" زاید تھا اس لئے بجائے اس ٹکڑے کے اُستاد کامل نے "پیار سے" بنا کر پہلے مصرع میں جو "محبت" کا لفظ تھا اُس کو ثابت کردیا - عمدہ اصلاح ہے —

تسلیم: پہلو میں اب کہاں دل گم گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

اصلاح: پہلو میں اب کہاں دل خوں گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

پہلے مصرع میں " گم گشتہ " کو قلم زد فرما کے خوں گشتہ بنایا - واقعہ ہے کہ جب تک خوں گشتہ نہ ہوتا دیدۂ تر سے ٹپکنا ناممکن تھا - اُستادانہ اصلاح دی —

تسلیم: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
رودئے ہم عالم گور غریباں دیکھکر

اصلاح: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھکر

مصرعۂ ثانی میں " رودئے " کے بجائے "جی بھر آیا" بنا کر شعر میں درد و اثر پیدا کردیا - جیسا بے مثل شعر تھا ویسی ہی بے نظیر اصلاح بھی دی - اس شعر میں حسرت و یاس و بے کسی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اُس سے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے - حضرت تسلیم کا یہ شعر اُن کے تین دیوانوں میں سرمایۂ ناز ہے —

تسلیم: سچا ہے اگر دعوی دل میں وہی کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھالے

اصلاح: سچا ہے اگر دعوی دل میں بت کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھالے

پہلے مصرع میں " وہی " کی ضرورت کیاتھی جب " بت " کا لفظ بے تکلف آسکتا ہے - کافر کی رعایت اور مسجد کی مناسبت سے " بت " کا لفظ خوب

بنایا گیا* —

———(منشی امیر احمد 'امیر' مینائی)———

منشی نعیم‌الحق 'ضو' شیخپوری:—

بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
رو برو گالوں کے یا دو شمعیں روشن ہوگئیں

اصلاح :

بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
دھری شمعیں رو برو گالوں کے روشن ہوگئیں

جناب 'ضو' کا مصرعہ ثانی لیتا ہوا تھا - اُستاد نے اصلاح سے چمکا دیا - اب مطلع میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی —

ضو :

کس طرح سے بوسہ لوں زلفیں تو دشمن ہوگئیں
زلفیں اُڑ پڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں

اصلاح :

پردے پردے میں وہ زلفیں میری دشمن ہو گئیں
اُڑ کے اُن کے عارض روشن پہ چلمن ہوگئیں

اس اصلاح سے مطلع میں جو معنوی خوبیاں پیدا ہوگئیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں - 'ضو' کے دونوں مصرعوں میں زلف کی تکرار اور پہلے مصرع میں " بوسہ " کا مذموم لفظ سب کی اصلاح ہوگئی اور لطف یہ کہ مفہوم وہی رہا - بلکہ ایک نازک معنی یہ پیدا ہوگئے کہ زلفیں جب اُڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں تو ہم نظارۂ رخ روشن سے بھی محروم رہے —

ضو:

یاد میں اُس بت کے روئے اس قدر ہم پھوٹ پھوٹ
پتلیاں آنکھوں کی دھودھا کر برہمن ہوگئیں

---

* یہ اِصلاحیں بھی حضرت عشرت لکھنوی نے مرحمت فرمائیں۔ اِن اِصلاحوں کا ذکر خود حضرت تسلیم مرحوم نے خواجہ عشرت سے فرمایا تھا۔ جن کو اُنہوں نے نوٹ کرلیا تھا —

اصلاح : یاد میں اُس بت کے روئیں اس قدر آنکھیں مری
پتلیاں دونوں نہا دھو کر برہمن ہوگئیں

چونکہ دوسرے مصرع میں پتلیوں کا ذکر تھا اس لئے اُستاد عدیم النظیر نے پہلے مصرع میں آنکھیں دکھائیں اور مصرع ثانی میں " دھو دھا کر " عوام کی زبان تھی - اُسے " نہا دھو کر " بنا کے شعر کو شستہ و صاف کردیا—

ضو: روتے روتے کوئی دم میں دیکھنا تو بہیں گے ہم
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

اصلاح : روتے روتے عشق میں آخر کو جی ڈوبا مرا
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

پہلے مصرع میں جس خوش اسلوبی سے اُستاد نے "جی ڈوبا" کا محاورہ نظم کردیا اس سے شعر گوہر نایاب ہوگیا اور عشق کا لفظ بھی بڑھایا جس سے شعر میں روانی اور ترقی پیدا ہوگئی - کیا اُستادانہ اصلاح ہے کہ ردیف بھی ہاتھ سے نہ گئی—

ضو: قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی دل کو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

اصلاح : قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی مجکو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

پہلے مصرع میں بجائے " دل " کے "مجھہ" بنایا - جس سے پہلے مصرع کے دونوں ٹکڑے برابر کے ہوگئے - اصل مصرع میں ایک جگہہ 'مجکو' ایک جگہ 'دل' کو ٹبرا تھا —

ضو: سوزش دل کا برا ہووے کہ مرنے پر بھی ضو
ہڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

اصلاح : کس غضب کی دل میں سوزش تھی کہ مرنے پر بھی ضو
ہڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

پہلے مصرع میں "برا ہووے" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا - اس لئے اُستاد نے

"کس غضب کی دل میں سوزش تھی" بنایا سوزش کے لئے غضب کا لفظ بڑھاکر شعر میں گرمی پیدا کردی۔ اصلاح سے شعر صاف ہوگیا—

ضو: میں کس طرح سے تیرے کوچے میں آؤں
کہ آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے
کہ آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں "سے" زاید تھا اس لئے "کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے" یہ مصرع لکھدیا گیا اب شعر صحیح ہوگیا —

ضو: کوئی برق سمجھے ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی سیل سمجھا ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں بجائے "برق" کے "سیل" بنایا۔ کیونکہ "برق" ہوا سے سریع السیر ہے کتنی نازک اصلاح ہے —

ضو: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
سخن کے باغ کا مرجھا گیا گل

اصلاح: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
کہ مرجھایا سخن کے باغ کا گل

مصرعۂ ثانی میں تعقید تھی۔ اس لئے مصرع میں ذرا سی اُلٹ پھیر کردی گئی اور قافیہ بھی وہی رہا —

ضو: رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھ ایسی ہوئی
کہ نگاہ اُٹھتی ہے ان کی آج شرمائی ہوئی

اصلاح : رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھہ ایسی ہوئی
جو نگاہ اُٹھتی ہے ان کی ہے وہ شوخائی ہوئی

مصرعۂ ثانی میں بجائے "کہ" کے "جو" بنایا اور بجائے "آج" کے "ہے وہ" بناکر شعر میں صفائی پیدا کردی —

ضو : کوئی آفت آئے گی یہ تو کہے دیتا ہے رنگ
ہے اُداسی ہر در و دیوار پر چھائی ہوئی

اصلاح : کون اس گھر سے سدھارا ہے مثال شمع صبح
اک اُداسی ہے در و دیوار پر چھائی ہوئی

پہلا مصرع 'ضو' کا بالکل بے محل تھا - اس لئے پورا مصرع بدلا گیا۔ جس سے معشوق کی رخصت کا سین اور پھر شمع صبح سے اُسکی تشبیہہ - کتنی شاعرانہ نزاکتیں پیدا کردی گئیں۔ دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا یعنی "ہے" کے بجائے "اک" اور "ہر" کے بجائے "ہے" بناکر شعر کو حسرت و یاس کا اک مرقع بنادیا —

ضو : میری حالت رحم کے قابل بوقت نزع تھی
پھر گئی کچھہ سوچ کر جو موت بھی آئی ہوئی

اصلاح : رحم کے قابل میری حالت تھی ایسی وقت نزع
پھرگئی بالیں سے میری موت بھی آئی ہوئی

پہلا مصرع بالکل ترمیم کیا گیا - دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا جس سے شعر شعر ہوگیا۔ مصرعۂ اولیٰ میں "ایسی" کا لفظ بنانے سے شعر کا صحیح مفہوم اُبھر ہوگیا - اگر "ایسی" کا لفظ نہ بنایا جاتا تو موت کا بالیں پر آکر پھر نا ناممکن تھا

ضو : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
بار خاطر ہو نہ کم سن کے لئے

اصلاح : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
میرے نازک طبع کم سن کے لئے

مصرعۂ ثانی 'ضو' کا اُلجھا ہوا تھا - "بار خاطر" کا ٹکڑا اُستاد کے طبع نازک پر گراں تھا - اس لئے "مرے نازک طبع" بنا کر شعر میں ایک خاص نزاکت پیدا کردی- اسی قافیہ میں حضرت کا بھی ایک شعر زبانوں پر ہے' ملاحظہ ہو —

امیر : باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہیں ایک کم سن کے لئے

ضو : دخت رز کا کچھہ نہیں کھلتا ہے حال
ہے اُچھلتی جام میں کن کے لئے

اصلاح : دخت رز کا کچھہ نہیں کھلتا ہے حال
جام میں بے چین ہے کن کے لئے

دوسرے مصرع میں "ہے اچھلتی جام میں" کے بجائے "جام میں بے چین ہے" بناکر شعر کو فصیح کردیا - ہے اچھلتی کا ٹکڑا غیر فصیح تھا —

ضو : پھوٹتی نظروں بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

اصلاح : آنکھہ اُٹھا کر بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

پہلے مصرع میں "پھوٹتی نظروں" یہ ٹکڑا بے محل تھا- اس لئے "آنکھہ اُٹھاکر" بنا دیا - اب شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

ضو : گرد غم کی یہ میرے دل پہ نہیں بیٹھہ گئی
اک زمیں اُڑکے سر عرش بریں بیٹھہ گئی

اصلاح : گرد غم اُڑکے میرے دل پہ نہیں بیٹھہ گئی
اک زمیں اُٹھہ کے سر عرش بریں بیٹھہ گئی

پہلے مصرع میں بجائے "گرد غم کی یہ" کے "گرد غم اڑکے" بنایا کیونکہ "گرد" کے لئے اُڑنے ہی کی ضرورت تھی دوسرے مصرع میں بجائے "اک زمیں

اُڑکے'' ''اک زمیں اُٹھہ کے'' بنایا - کیونکہ زمیں اُڑ نہیں سکتی بلکہ اُٹھہ سکتی ہے—

ضو : کیسے اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھہ گئی

اصلاح : کیونکر اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھہ گئی

پہلے مصرع میں "کیسے" بجائے "کیونکر" ناجائز ہے - اس لئے یہ لفظ ترمیم کیا گیا —

ضو : تاب لائی نہ اجل بھی مرے سوز دل کی
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھہ گئی

اصلاح : تاب لائی نہ اجل پھرگئیں آنکھیں جو مری
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھہ گئی

پہلے مصرع میں سوز دل کو چکر سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے اُستاد کامل نے یہ ٹکڑا رکھدیا - ''پھرگئیں آنکھیں جو مری'' جس سے دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ایک خاص ربط پیدا ہوگیا- اور شعر میں روانی اور سلاست بڑہ گئی—

ضو : اے ضو نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھی کہ اُڑا لے گئی دل کو

اصلاح : ہاں ہاں نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھی کہ اُڑا لے گئی دل کو

پہلے مصرع میں ''اے ضو'' کے بجائے ''ہاں ہاں'' بناکر لفظ "نہیں" کی مناسبت پیدا کردی - اس تکرار نے مطلع کو دل آویز کردیا - بندش چست ہوگئی' شعر عمدہ ہوگیا —

ضو : چتون نے لیا ہے کہ ۱۵۱ لیگئی دل کو
یہ وہم غلط شرم وحیا لیگئی دل کو

اصلاح: چتون نے لیا ہے نہ ادا لیگئی دل کو
یہ سب ہے غلط شرم و حیا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں چتون و ادا کا ذکر کیا گیا ہے اسلئے دوسرے مصرع میں " یہ وہم " کے بجائے " یہ سب ہے " بنا کر پہلے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کرا دیا - کیو نکہ پہلے مصرع میں چتون و ادا دونوں کو اس الزام سے بری کرنا مد نظر تھا - اور دوسرے مصرع میں شرم و حیا کو مورد الزام ٹھہرانا تھا - اصلاح سے یہ معنی پیدا ہو گئے —

ضو: اے حضرت ضو شکر گزاری کا ہے موقع
دنیا سے چھٹے یاد خدا لیگئی دل کو

اصلاح: اے حضرت دل شکر گزاری کا ہے موقع
دنیا سے چھٹا یاد خدا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں بجائے " ضو " کے " دل " سے خطاب کیا گیا - کیو نکہ قافیہ مصرعۂ ثانی میں دل ہی کا ہے اور دوسرے مصرع میں بجائے " چھٹے کے " چھٹا " بنایا کیو نکہ " دل " کے لئے اسی لفظ کی ضرورت تھی —

ضو: اپنے کو سمجھتے تھے جو اُستاد زمانہ
لاتے ہیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

اصلاح: جو جانتے تھے آپ کو اُستاد زمانہ
لاتے ہیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

پہلے مصرع میں " اپنے کو سمجھتے تھے " اس ٹکڑے میں رکاکت تھی اس لئے " جو جانتے تھے آپ کو " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

ضو: آنکھیں تری کرتی ہیں اشارہ مجھے اے مست
یا ناچ دکھاتی ہیں یہ پریاں مرے آگے

اصلاح : آنکھیں تری کرتی ھیں اشارے سر محفل
یا رقص میں سر گرم ھیں پریاں مرے آگے

اے سبحان اللہ دونوں مصرعوں میں ترمیم اس حسن سے کی گئی کہ مفہوم وھی رھا اور شعر میں روانی وسلاست پیدا ھو گئی رقص کے لئے سر محفل ھی کی ضرورت تھی - مصرعۂ ثانی میں ناچ دکھاتی ھیں - اس ٹکڑے میں کسقدر ثقالت تھی بجاے اُس کے " رقص میں سرگرم ھیں " میں کتنی فصاحت ھے - اصلاح اسی کا نام ھے—

ضو : اے ضوجو کہیں بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جا ئیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

اصلاح : اے ضو میں اگر بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جائیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

پہلے مصرع میں "جو کہیں" بجاے "میں اگر" بنا کر شعر میں صفائی پیدا کر دی*

حافظ محمد علی حفیظ جونپوری مرحوم :

بیٹھنہ جا تا ھوں جہاں چھاؤں گھنی ھوتی ھے
کچھہ عجب چیز غریب الوطنی ھو تی ھے

---

* مصبی جناب وصل بلگرامی ایڈ یٹر " مرقع " کے دفتر میں حضرت ضو کی بیاض تھی - جس پر منشی صاحب کے قلم کی اصلاحیں تھیں - ایک روز حضرت وصل کی عدم موجودگی میں وہ بیاض میری نظر سے گزری میں نے ایک بار اُسے شروع سے آخر تک پڑھا - پھر دوبارہ اسکی نقل کی- میں نقل کر چکا تھا کہ جناب وصل و لسان الملک حضرت ریاض آگئے-وصل نے مجھسے کہا کہ آپ نے میری عدم موجودگی میں یہ اصلاحیں کیوں نقل کر لیں - میںنے کہا کہ مدت سے آپ وعدہ فرما تے رھے آج بیاض مجھے مل گئی میں نے نقل کر لیا - اس پر کہنے لگے تاھم میرے اجازت کی ضرورت تھی - مجھے یہ فقرہ گراں گزرا' میں نے وہ نقل شدہ کاغذ پرزے پرزے کر کے وھیں پھینک دیا اور گھر پر آکر ذھن پر زور دیا اور جو اصلاحیں یاد آئیں اُن کو لکھہ لیا —

اصلاح : بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

یہ مطلع حفیظ مرحوم کے دونوں دیوانوں میں سرمایۂ ناز ہے اور دنیا ے شاعری میں نہایت قدرکی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اُستاد عدیم النظیر نے مصرعۂ ثانی میں " کچھ عجب چیز " کے بجاے " ہائے کیا چیز " بنا کر تین صاف آبزر سے بنا کر یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ اگر میں بھی فکر کرتا تو یہی کہتا - دیکھئے ایک ہائے نے کیا قیامت ڈھائی کہ اب اس زمین میں ایسا حسرت انگیز وعبرت خیز درد میں ڈوبا ہوا مطلع ہونا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے -

حفیظ : دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
شب کو اک چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

اصلاح : دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے " شب کو اک " کے " رات کو " بنا یا - کیونکہ " اک " مصرعۂ ثانی میں زاید تھا اور پہلے مصرع میں دن کی بنا سبت سے رات ہی کا لفظ خوب ہوا —

حفیظ: پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
ورنہ انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

اصلاح: پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

دوسرے مصرع میں بجاے "ورنہ" کے "صاف" بنا کر شعر میں اور صفائی پیدا کردی —

حفیظ: داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
یہ ندامت ہے کہ انگشت بلب ہے کوئی

اصلاح : داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
سر جھکائے ہوئے انگشت بلب ہے کوئی

مصرعۂ ثانی میں "یہ ندامت ہے کہ" کے بجائے "سر جھکائے ہوئے" بنایا۔ اصلاح کیا دی شرمندگی و ندامت کی تصویر کھینچ دی۔ صنعت ایہام سے مطلع کو مزین کر دیا۔

حفیظ : آسماں میں بھی تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
یہ جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اصلاح : آسماں آج تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
میں جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اُستاد نے پہلے مصرع میں "آج" کا لفظ کیا رکھدیا بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا اور دوسرے مصرع میں بجائے "یہ" کے "میں" بنا دیا۔ اصلاح سے شعر میں معنوی خوبیاں کس درجہ ترقی کر گئیں۔

حفیظ : رونے آئے ہو کہ ہنسنے کو مری میت پر
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

اصلاح : رونے آئے ہو کہ ہنسنے کو مرے پھولوں میں
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

پہلے مصرع میں بجائے "میری میت پر" کے "مرے پھولوں میں" بنایا۔ ہنسنے کی رعایت سے "پھولوں" کا لفظ خوب ہے اب یہی ٹکڑا یعنی "مرے پھولوں میں" شعر کی جان ہوگیا۔

حفیظ : کرتے ہو تم مرے مرنے کی دعائیں ہر وقت
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

اصلاح : کوستے رہتے ہو مرنے کی دعا کرتے ہو
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

پہلے مصرع کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل کر بے مثل ہوگیا اس قادر اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کس قدر ربط پیدا ہوگیا۔

——(حکیم سید ضامن علی 'جلال' لکھنوی)——

محمد احسان علی خاں 'احسان' شاہجہانپوری:

نزع کا وقت ہے جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

اصلاح: نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

پہلے مصرع میں ایک ادنیٰ ترمیم سے مطلع میں معنوی خوبیاں کس قدر ترقی کر گئیں اور "بھی" کا لفظ اُستادانہ رکھدیا۔ مطلب یہ کہ عمر بھر تم ہم سے جدا رہے، اب نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو۔

احسان: آہ کھینچوں گا میں وہ ظلم کریں
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

اصلاح: آہ کھینچوں گا تم ستم تو کرو
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

---

* خدا بخشے حفیظ مرحوم سے میرے تعلقات بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جونپور میں برسوں یکجائی رہی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں کوئی بارہ سال کے بعد "گیا" کے مشاعرے میں ملاقات ہوئی، تو میں نے پہچانا ہی نہیں۔ وضع و قطع بالکل بدلی ہوئی تھی۔ خود ہی مرحوم نے مجھے پہچان کر مجھ سے خیریت پوچھی۔ آواز سے میں نے پہچانا۔ دو روز تک بڑے لطف کی باتیں رہیں۔ اس وقت کی اُن کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ مجھے مرحوم کی حالت پر بے حد تاسف ہوا۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں مرحوم کو جو چلد اصلاحیں یاد تھیں اُن کو میں نے سن کر پنسل سے نوٹ کر لیا۔ مشاطۂ سخن حصۂ اول کے اشاعت کے وقت وہ کاغذ جس میں اصلاحیں درج تھیں، تلاش سے بھی نہ ملا۔ بعد چھپنے حصۂ اول کے وہ کاغذ ایک کتاب میں رکھا ہوا مل گیا۔ اب حصۂ دوم کی زیب و زینت اِن اصلاحوں سے کی جاتی ہے۔

پہلے مصرع کی ترمیم سے لطف زبان بڑھ گیا - "تم ستم تو کرو" اسی ٹکڑے کی ضرورت تھی جس سے بندش میں چستی اور مصرع میں روانی پیدا ہوگئی—

احسان: مجھ سے یہ کہہ رہی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لاجواب کروگے سوال کیا

اصلاح: مجھ سے یہ پوچھتی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لاجواب کروگے سوال کیا

پہلے مصرع میں بجاے "کہہ رہی ہے" کے "پوچھتی ہے" دونوں کا معنوی فرق ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں —

احسان: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں چلے ہیں وہ مستانہ چال کیا

اصلاح: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں وہ چل گئے مستانہ چال کیا

دوسرے مصرع میں بجاے "چلے ہیں وہ" کے "وہ چل گئے" بنایا - ایک لفظ کی ترمیم سے زمانہ کا کتنا فرق پڑ گیا اصلاح کے دیکھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ محل "چلے ہیں وہ" کا نہ تھا، اُستادانہ اصلاح ہے—

احسان: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو لیکے ساتھ کسی کا خیال کیا

اصلاح: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو ساتھ لیکے عدو کا خیال کیا

دوسرے مصرع میں جناب 'احسان' نے پردے پردے میں کہا تھا مگر حضرت 'جلال' نے اُسے صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا خاکسار مؤلف کی راے ناقص میں

تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ہے*—

———(فصیح الملک نواب مرزا خاں 'داغ' دہلوی)———

نواب ناظم علی خاں 'ہجر' شاہجہانپوری:

اے حسن یار تیری ذرا بھی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

اصلاح: ہاں ہاں تمہارے حسن کی کوئی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

حضرت داغ نے ایک ذرا سی ترمیم میں اس شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا - "ہاں ہاں" کے ٹکڑے نے اس شعر کو کیا سے کیا کر دیا - معنی کا لطف، مصرع کی برجستگی، بندش کی چستی، معشوق کا جواب الجواب - ان سب خوبیوں کے علاوہ داغ مرحوم کے کلام سے اتنا ملتا جلتا ہے کہ اگر مہتاب داغ میں لکھدیا جاے تو یہ امتیاز نہیں ہو سکتا کہ یہ 'ہجر' کا شعر ہے - سبحان اللہ کیا بے نظیر اصلاح دی —

ہجر: سمجھے ہوے ہیں پی کے وہ ساغر کو آئینہ
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

اصلاح: رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر واقعی حسن کا آئینہ بن گیا - دوسرا مصرع اسی مصرع کا محتاج تھا اُستاد نے کتنا نازک مصرع لگا دیا - ہجر کے پہلے مصرع میں ساغر اور دوسرے مصرع میں جام اچھا نہ تھا اور دونوں

---

* یہ اصلاحیں سید تصدق حسین 'قرار' شاہجہانپوری مرحوم نے مجھے دی تھیں اور بھی وعدہ فرمایا تھا مگر افسوس کہ اُنھیں کا وعدہ وفا ہو گیا - خدا بخشے اور کیا کہوں —

مصرعوں میں " وہ " کی تکرار مخل فصاحت تھی - اصلاح سے یہ عیوب مٹ گئے۔ اور شعر میں جو خاص رنگ پیدا ہوگیا اُسے میکسا ران میخانۂ ادب ہی خوب سمجھ سکتے ہیں، اللہ کیا مصرع ہے :—

رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا

واقعی اصلاح اِسی کا نام ہے* —

———(منشی امیرالله 'تسلیم' لکھنوی)———

قاضی محمد نعیم‌الحق 'آزاد' شیخپوری :—

آزاد: بے خود ہیں خضر گیسوؤں والوں کے سامنے
لہرا گئے مسیح بھی کالوں کے سامنے

یہ نوٹ تحریر فرماکر مطلع کو قلمزد فرمایا " خضر و مسیح کو گیسو اور کالے سے کیا مناسبت " —

آزاد : جس دم سے تو چلا ہے غزالوں کے سامنے
بھولے وہ چوکڑی تری چالوں کے سامنے

اصلاح: چلتا ہے جس گھڑی تو غزالوں کے سامنے
کھاتے ہیں ٹھوکریں تری چالوں کے سامنے

آزاد کا پہلا مصرع کچھ نہ تھا، دوسرے مصرع کی روش گو اچھی تھی مگر اُستاد نے پہلے مصرع کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں بھی ترمیم کردی - جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہوگئی - جیسا مطلع تھا ویسی ہی اصلاح بھی ہوئی —

---

*یہ اصلاحیں خود جناب 'ہجر' مرحوم نے مشاعرۂ سندیلہ میں مجھے مرحمت فرمائیں تھیں- مجھے افسوس ہے کہ اس حصے میں باوجود اس کے کہ صدہا 'داغ' مرحوم کے تلامذہ ابھی موجود ہیں اور میں نے اکثر حضرات کو خطوط لکھے مگر سب نے بخل فرمایا - بعض حضرات نے تو جواب تک مجھے نہیں دیا صرف پرخود دہلوی کا جواب آیا کہ میں سخت علیل ہوں -

آزاد: گُل کا ہے رنگ اُڑا ہوا گالوں کے سامنے
موج نسیم پیچ ہے بالوں کے سامنے

اصلاح: گُل کا ہے رنگ اُڑا ہوا گالوں کے سامنے
سنبل ہے پیچ و تاب میں بالوں کے سامنے

مصرع ثانی میں " موج نسیم پیچ ہے " یہ ٹکڑا اُلجھا ہوا تھا - اس لئے اُستاد نے " سنبل ہے پیچ و تاب میں " بناکر مطلع کو سلجھادیا —

آزاد: دوڑاتے ہیں نگاہیں سرے آبلوں کے سمت
یا برچھیاں ہلاتے ہیں ڈھالوں کے سامنے

اصلاح: جاتے ہیں بےخطر ترے مژگاں کے روبرو
سینہ سپر ہم آج ہیں بھالوں کے سامنے

آزاد کے دونوں مصرعے قید شاعری سے آزاد تھے - اس لئے اُستاد نے الگ کر کے دوسرا شعر کہہ دیا —

آزاد: خجلت چھپ کے بیٹھی قیامت ہے آج میں
آتی نہیں ہے چوٹیو والوں کے سامنے

اصلاح: گلشن میں وہ بہار وہ رنگ چمن کہاں
اُڑتی ہے خاک خشک نہالوں کے سامنے

اُستاد 'تسلیم' نے دوسرا شعر اس شعر کے نیچے لکھکر یہ مزیدار نوٹ لکھدیا " قیامت کو چوٹی سے کیا علاقہ ہے" —

آزاد نشیلی آنکھ نہیں پھیر لیں دکھا کے مجھے
اُلٹ کے رکھدئے دو جام مے پلا کے مجھے

اصلاح: وہ آنکھیں قہر بھری کیا گئے دکھا کے مجھے
پیالے زہر کے چلتے ہوے پلا کے مجھے

آزاد کے مصرع ثانی میں تعقید تھی اس لئے دوسرے مصرع کی مناسبت

سے پہلا مصرع بھی ترمیم کیا گیا - اصلاح سے مطلع روشن ہوگیا - آنکھوں کی رعایت سے مصرعۂ ثانی میں "چلتے ہوے" کا ٹکڑا بھی خوب بنایا —

آزاد : چلے گئے خم کاکل وہ کیا دکھا کے مجھے
اسیر کر دیا دام بلا میں لا کے مجھے

اصلاح: چلے گئے خم زلف رسا دکھا کے مجھے
اسیر کر گئے دام بلا میں لا کے مجھے

پہلے مصرع میں "وہ کیا" حشو تھا اس لئے بجائے "خم زلف رسا" بناکر مصرع کو سلجھا دیا، چونکہ پہلے مصرع میں "چلے گئے" کا ٹکڑا ہے اس لئے دوسرے مصرع میں "کر گئے" بنا دیا جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہو گئی—

آزاد زمیں پہ کھینچ کے نقشہ مرا مٹاتے ہیں
یہ اُن کا کھیل ہوا خاک میں ملا کے مجھے

اصلاح : زمیں پہ کھنچ کے نقشہ مرا مٹاتے ہیں
یہ کھیل کھیلتے ہیں خاک میں ملا کے مجھے

چونکہ پہلے مصرع میں زمانہ حال تھا اس لئے دوسرے مصرع میں "یہ کھیل کھیلتے ہیں" بناکر دونوں مصرعے برابر کے کردئے —

آزاد: بتا یا گردش لیل و نہار کا نقشہ
اُنھوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

اصلاح: برنگ سرمہ شب روز دھر میں پیسا
اُنھوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

پہلا مصرع ترمیم فرماکر یہ نوٹ لکھدیا - نقشہ 'دکھانا' محاورہ ہے 'بتانا' نہیں ہے —

آزاد : کسی کا ہاے وہ کہنا مرا پیئے وہ لہو
جو چھیڑ چھاڑ کرے اب اکیلا پاکے مجھے

اصلاح : کسی کا ہاے وہ کہنا پیو لہو میرا
جو چھیڑ چھاڑ کرو تم اکیلا پاکے مجھے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی کے علاوہ لطف زبان پیدا ہوگیا —

آزاد : وہ کہہ رہے ہیں خدا اُس پہ تو گرا بجلی
بری نگاہ سے جو سمت مرے تاکے مجھے

اصلاح : وہ کہہ رہے ہیں خدا اس کا ہو بھلا نہ کہیں
بری نگاہ سے بیٹھا ہوا جو تاکے مجھے

مصرعۂ ثانی میں ''جو سمت مرے'' یہ ٹکڑا زبان اور محاورے کے خلاف تھا۔ اس لئے بجائے اس کے '' بیٹھا ہوا'' بنایا - اور پہلے مصرع میں ''اس پہ تو گرا بجلی'' اس ٹکڑے میں بھی رکاکت تھی اس لئے اس کو بھی قلم زد کر '' ہو بھلا نہ کہیں'' بناکر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا* —

خط

حضرت تسلیم مرحوم کا

بنام

آزاد پنچھوری

۱۴ جون سنہ ۱۸۹۳ع

عنایت فرمائے بندہ زاد لطفکم -

تسلیم - آپ کا عنایت نامہ آیا - حسب ایماے دونوں غزلوں کو بہ تعمیل ارشاد دیکھا - ہر چند اس بارے اب میں معذور ہوں - انکار نہ کرسکا - وہ عذر میرا یہ

---

* یہ اصلاحیں بھی سید مقبول حسین وصل بلگرامی سے ملیں - ان اصلاحات کے ساتھ ہم حضرت تسلیم مرحوم کا ایک خط بھی درج کرتے ہیں جس سے اُن کی پیرانہ سالی اور دوامی عوارض کا پتہ چلتا ہے —

ھے کہ اب میرا دماغ صحیح نہیں رہا اور عوارض نے دیوانہ بنایا - شعر و شاعری کے قابل نہیں - اس وجہ سے خدمت سے بھی علیحدہ کردیا گیا اور پنشن مقرر ھوگئی بہ مجبوری یہاں پڑا ھوں —

اس طرح میں اکثر اُستادوں کی غزلیں ھیں - مثل جناب منشی امیر احمد صاحب و نیز مغفور نواب مرزا صاحب اس وقت میرے پاس کوئی دیوان موجود نہیں - اگر آپ کے پاس ھو تو دیکھہ لیجئے گا - کہیں توارد نہ ھوگیا ھو اور تاریخ مثنوی بعد اس کے حاضر کروں گا* —

——— (تسلیم) ———

نواب فصاحت جنگ جلیل القدر جناب جلیل جانشین امیر مینائی

مؤلف :

تربت پہ وہ جو آئے تو عالم نیا ھوا
کھل اُٹھے پھول سبزۂ تربت ھرا ھوا

---

* حضرت 'تسلیم' مرحوم کا انتقال سنہ ۱۹۱۱ ع میں ھوا - بلبل 'تسلیم' حضرت 'صبر' رام پوری کی فرمایش سے خاکسار مؤلف نے ایک قطعہ تاریخ وفات کہا تھا - جسے "حیات تسلیم" میں جناب حسرت موھانی ارشد تلامذہ حضرت تسلیم نے ایک نوٹ کے ساتھہ شایع فرمایا تھا - چونکہ ان کا وہ نوٹ میری تعریف میں ھے اس لئے اپنے قلم سے اس کا لکھنا مناسب نہیں سمجھتا - حضرت 'صبر' رام پوری کے علاوہ خان بہادر مہر ناصر علی ایڈیٹر 'صلاے عام' دھلی نے بھی اس قطعۂ تاریخ کی مجھے داد دی تھی - ھم وہ قطعۂ تاریخ ناظرین "مشاطہ سخن" کی تفریح طبع کے لئے درج کئے دیتے ھیں —

ملاحظہ ھو : قطعۂ تاریخ وفات

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں — تربت پہ کون آکے نہیں نوحہ گر ھوا
چادر چڑھالی پھولوں کی روکر 'نسیم' نے — 'حسرت' کے ساتھہ ابر سیہ چشم تر ھوا
بے چین ھوکے بلبل تسلیم 'صبر' بھی — بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ھوا
اردو ھے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی — کہتی ھے شاعری مرا برباد گھر ھوا

تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ کہی
ھے ھے زباں کا خاتمہ تسلیم پر ھوا

سنہ ۱۹۱۱ ع

نسخہ : تربت پہ وہ جو آے تو عالم نیا ہوا
پھولوں میں جان پڑگئی سبزہ ہرا ہوا

مطلع یوں بھی صحیح تھا - اس لئے اُستاد نے نسخہ لکھہ کے دوسرا مصرع لکھدیا - چونکہ دونوں مصرعوں میں تربت کی تکرار تھی - اس لئے دیوان میں اُستاد ھی کے مصرع کو لکھکر توجیح دی گئی —

مؤلف : رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون سے میرے بھرا ھوا

اصلاح : رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون جگر سے بھرا ھوا

چونکہ مصرعۂ ثانی میں خون کی صراحت نہ تھی - خون تو جسم کے ھر اعضا میں ھوتا ھے اس لئے اُستاد نے "خون جگر" بناکر شعر کو رنگین کردیا کیونکہ ساقی کے ھجر میں جگر ھی کا خون ھونا اچھا تھا —

مؤلف : تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں مجھے
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ھوا

اصلاح : تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں کبھی
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ھوا

پہلے مصرع میں بجائے "مجھے" کے "کبھی" بنایا جس سے شعر میں ترقی ھوگئی

مؤلف : حصے میں وہ بھی آگئے سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ھوا

اصلاح : حصے میں آگئے وھی سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ھوا

پہلے مصرے میں "بھی" کا ثبوت قوی نہ تھا اس لئے "وھی" بناکر شعر کو نازک اور لطیف بنا دیا —

مؤلف : شکوہ کر یگے خنجر قاتل کا بخیہ گر
رھنے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ھوا

اصلاح : کرنا ھے شکر خنجر قاتل کا بخیہ گر
رھلے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ھوا

اُستاد بے عدیل پہلے مصرع میں بجاے " شکوہ " کے "شکر" بنایا کیونکہ شکوۂ معشوق شان عاشقی کے خلاف تھا۔ محبوب کے ھر ظلم و ستم پر شکر ھی کرنا مشرب عاشقی کی شان ھے ۔ اُستادانہ اصلاح ھے —

مؤلف : آے نکالنے وہ مرے دل کی حسرتیں
آے اُجاڑنے وہ میرا گھر بسا ھوا

اصلاح : آے نکالنے وہ مرے دل کی حسرتیں
آے اُجاڑنے کو میرا گھر بسا ھوا

دونوں مصرعوں میں " وہ " کی تکرار زرا بد نما تھی اس لئے مصرعۂ ثانی میں " کو " بنا کر شعر کو اور فصیح کر دیا—

منشی غلام حسین 'آفاق' بنارسی:

گل میں بو بلبل میں لفت شان تری ھے جلوا تیرا

اصلاح : گل میں بو بلبل میں الفت ھے یہ ایک کرشما تیرا

مصرعۂ ثانی کی ترمیم سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ھو گئی ۔ جس کا ایک کرشما یہ ھو اسکی شان اور جلوا کیا ھو گا—

آفاق : کسکا کسکا نام بتاؤں سب کو تو ھے سودا تیرا

اصلاح : کس کس کا میں نام بتاؤں سب کو تو ھے سودا تیرا

پہلے مصرع میں " کسکا کسکا " اچھا نہ تھا ۔ اس لئے "کس کس کا" بنایا اور ایک لفظ " میں " اور بڑھا کر دوسرے مصرع کا ثبوت قوی کر دیا —

آفاق : توبہ توبہ یہ ممکن ھے اب تک آئے شکوا تیرا

اصلاح : توبہ توبہ کیا ممکن ہے لب تک آے شکوا تیرا

پہلے مصرع میں "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئیے، "یہ" میں یہ بات کہاں تھی —

آفاق : جو ہو ہر موئے تن مرا زباں اے صانع عالم
نہو جب بھی بیاں وصف ایک ذرہ تری صنعت کا

اصلاح : اگر ہر مو ئے تن میرا زباں ہو صانع عالم
نہو جب بھی بیاں وصف ایک ذرہ تری صنعت کا

پہلے مصرع میں بجاے "جو ہو" کے "اگر" اور بجاے "اے" کے "ہو" بنا کر شعر کو صحیح کردیا —

آفاق : کسیکو قیامت کا تڑپا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

اصلاح : قیامت میری جان پر تھا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

پہلے مصرع میں "قیامت کا تڑپا رہا ہے" غیر فصیح تھا اس لئے پورا مصرع تر میم کر کے شعر کو فصیح کر دیا —

آفاق : ہاے وہ پیار کی بات اُن کی وہ بھولی صورت
بھولتی ہی نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

اصلاح : ہاے وہ پیار کی آنکھہ اُن کی وہ بھولی صورت
بھولتی ہی نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

پہلے مصرع میں "بات" کچھہ نہ تھی "آنکھہ" سحر سا مری بن گئی اصلاح نہیں اعجاز ہے —

آفاق : ساقی نہ ایک دن ہوئی مے سے زبان تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

اصلاح : ساقی نہ ایک دن بھی ہوا مے سے حلق تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

پہلے مصرع میں " زبان تر " کے بجائے " حلق تر " بنایا کیونکہ معاورہ یہی ہے یہ محل " زبان کا تر " کا نہیں تھا۔

——(لسان الملک حضرت 'ریاض')——

نواب غلام حسین 'قمر' تعلقہ دار گنیش پور ضلع بستی:

حمد خالق سے تر و تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

اصلاح: حمد خالق سے 'قمر' تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

پہلے مصرع میں بجائے "تر و" کے "قمر" بنا کر مطلع کو اور روشن کر دیا اب واقعی مطلع مطلع نور ہو گیا—

بابو مہادیو پرشاد شوق لکھنوی:

سحر عید ہے اُٹھ ہوش میں آ کھول بھی دے
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

اصلاح: سحر عید ہے اُٹھ ہوش میں آ آنکھ تو کھول
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

سبحان اللہ کیا اصلاح دی "کھول بھی دے" ایک ذم کا پہلو بھی تھا جس کو کامل الفن اُستاد نے کس حسن سے نکالا اور "آنکھ تو کھول" اس جواہر نگار تکڑے نے ایک اور در میخانہ بنا دیا جس کی داد اہل نظر جس قدر دیں کم ہے۔ ایسی اصلاح ایسے ہی کُہنہ مشق اُستاد دے سکتے ہیں جسے دیکھکر میگساران میخانۂ ادب بے پیئے مست ہو جاتے ہیں—

---

* یہ اصلاحیں خود جناب 'آفاق' نے اپنے دیوان شہرۂ آفاق کے ساتھ مرحمت فرمائیں دونوں کا شکریہ —

مؤلف: حسن کی شان ہے مسکے ہوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ہے چاک گریباں ہونا

اصلاح: دھج حسینوں کی ہے مسکے ہوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ہے چاک گریباں ہونا

چونکہ دوسرے مصرع میں "وضع دیوانوں" کی ہے اس لئے اُستاد کامل نے پہلے مصرع میں بھی دھج حسینوں کی دکھائی - اب دونوں مصرعے برابر کے ہوگئے اور تقابل بھی ٹھیک رہا —

مؤلف: تو بھی اے دل ہدف ناوک جاناں ہونا
ہم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ہونا

اصلاح: بڑھ کے اے دل ہدف ناوک جاناں ہونا
ہم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ہونا

پہلے مصرع میں "تو بھی" کے بجاے "بڑھ کے" بنا دیا - جس سے مطلع میں کتنی ترقی ہو گئی دل کے لئے "بڑھ کے" کیا خوب بنایا - اصلاح کے معنی یہی ہیں کہ کوئی بات شعر میں رہ نہ جاے —

مؤلف: تمہاری بزم رنگیں سے اِسے نسبت نہیں کوئی
وہ محشر ہی سہی یہ حسن محفل ہو نہیں سکتا

اصلاح: کسی کی بزم رنگیں سے اِسے نسبت نہیں صفدر
وہ محشر ہی سہی یہ حسن محفل ہو نہیں سکتا

پہلے مصرع میں دو لفظ ترمیم کئے گئے - "تمہاری" کے بجاے "کسی کی" بنایا - اب یہ ایک لفظ ساری دنیا پر حاوی ہو گیا اور "کوئی" کو قلمزد فرما کے "صفدر" لکھدیا جس سے شعر میں کتنی ترقی ہو گئی —

مؤلف: چھوٹی سی رات میں یہ وصل کا ساماں دیکھا
کہ تمہیں زُلف سے کچھ بڑھ کے پریشاں دیکھا

اصلاح : چھوٹی سی رات میں کیا وصل کا ساماں دیکھا
کہ تمھیں زلف سے کچھہ بڑہ کے پریشاں دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "یہ" کے "کیا" بنایا اس "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئے اور سب سے لطیف معنی اس "کیا" کے یہ ہوے کہ کچھہ بھی نہیں وصل کا ساماں دیکھا - واقعی اصلاح اسی کا نام ہے—

مؤلف: پھر گئی آنکھوں میں یاران گذشتہ کی شبیہ
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

اصلاح : پھر گئی آنکھوں میں بچھڑے ہوے یاروں کی شبیہ
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

سبحان‌اللہ کیا اصلاح دی - صرف ایک "بچھڑے ہوے" کے ٹکڑے نے شعر میں درد و اثر پیدا کر دیا —

مؤلف: یہ حسن و عشق کی نیرنگیاں ہیں آپ کیا جانیں
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

اصلاح : یہ حسن و عشق کی نیرنگیاں ہیں کوئی کیا جانے
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

پہلے مصرع میں "آپ کیا جانیں" کے بجاے "کوئی کیا جانے" اس موقع پر تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ہے—

مؤلف: اُٹھایا تھا قلم پھر یہ سمجھہ کر رکھدیا میں نے
اُنھیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

اصلاح : اُٹھایا تھا قلم میں نے یہ کہہ کر رکھدیا آخر
اُنھیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

پہلے مصرع میں "یہ سمجھہ کر" یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا اس لئے اُستاد نے "یہ کہکر" بنا کر آخر میں آخر کا لفظ بھی رکھدیا - اس اصلاح سے صرف عیوب شعر

ھی نہیں رفع ھوے بلکہ یہ شعر اب ضرب المثل ھو گیا اکثر دوستوں کے زبانوں پر ھے—

مؤلف: مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی خیر سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

اصلاح: مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی چین سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

پہلے مصرع میں یہ معمل " خیر سے " کا نہ تھا " چین سے " بنایا۔ کتنی نازک اصلاح ھے —

مؤلف: مزے غیروں ھی نے لوٹے ھیں چشم مست ساقی کے
کسی کی بزم میں مجھہ تک کہاں جام شراب آیا

اصلاح: رھی غیروں کی جانب آج گردش چشم ساقی کی
کسی کی بزم میں مجھہ تک کہاں جام شراب آیا

جام شراب کی مناسبت سے گردش چشم ساقی کی ضرورت تھی اس لئے مصرعہ اولیٰ ترمیم کیا گیا —

مؤلف: قیامت میں بھی گھوڑے پر ھوا کے تم سوار آئے
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ھمرکاب آیا

اصلاح: قیامت میں بھی تم آئے اُسی انداز سے تو بہ
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ھمرکاب آیا

مصرعۂ اولیٰ کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا۔ " تم آئے اُسی انداز سے توبہ " یہ ٹکڑا قیامت ھے —

مؤلف: جو پھول لاے تھے وہ لیچلے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ھے اب عنادل کا

اصلاح: جو پھول لاے تھے وہ لے گئے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ھے اب عنادل کا

پہلے مصرع میں بجائے " لیچلے " کے " لے گئے " بنا یا جس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا اور زمانہ ھی بدل گیا —

مؤلف: پڑا ھے آئینے میں آج کتنا پیارا عکس
جو آپ کہئے تو منہ چوم لوں مقابل کا

اصلاح : بچا ھوا ھے بہت آئینے میں پیار سے عکس
جو آپ کہئے تو منہ چوم لوں مقابل کا

کتنا پیارا مصرع لگا دیا کہ اب یہ شعر رنگ مینائی میں ڈوبا ھوا نظر آتا ھے سبحان اللہ !

مؤلف: خدا کرے کوئی فتنہ اُٹھے نہ محشر میں
وہ آج پوچھنے بیٹھے ھیں مدعا دل کا

اصلاح : خدا کرے کوئی فتنہ اٹھے نہ خلوت میں
وہ آج پوچھنے بیٹھے ھیں مدعا دل کا

فتنہ کی رعایت سے پہلے مصرعہ میں " محشر " کا لفظ رکھا گیا مگر بے محل سمجھا گیا - مدعا پوچھنے کا محل خلوت ھی میں خوب ھے - اھل ذوق ذرا دیکھیں کہ اُستاد کی نظر کتنی وسیع ھے اور کس مزے کی اصلاح دی ھے—

مؤلف : دل تپاں ھے ھائے اس کافر کا عالم دیکھکر
ھم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

اصلاح : اور ھی عالم ھے اس کافر کا عالم دیکھکر
ھم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

پہلے مصرع میں " اور ھی عالم ھے " اس ٹکڑے نے مطلع کا عالم ھی نیا کردیا - اس اصلاح سے یہ مطلع کس قدر بلند ھوگیا --

مؤلف : طور پر ان کی نگاہ شوخ تھی بجلی نہ تھی
کچھہ نہ بولے ہم مزاج یار پر ہم دیکھکر

اصلاح : طور پر ان کی نگاہ گرم تھی بجلی نہ تھی
کچھہ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھکر

نگاہ شوخ میں " برہمی " کا ثبوت نہ تھا - " نگاہ گرم " سے مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کتنی گرمی بڑہ گئی - استادانہ اصلاح ہے —

مؤلف: عبث ہے نیند کے شکوے سنائی کچھہ نہیں دیتا
تری آواز گُم ہے پاسباں شور سلاسل میں

اصلاح : سنوں بھی کچھہ تو بولوں شکوۂ خواب گراں کیسا
تری آواز گُم ہے پاسباں شور سلاسل میں

استاد کامل نے پہلا مصرع ترمیم نہیں کیا بلکہ بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا - اسی خیال کو اپنے الفاظ میں نظم کرکے شعر کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا اس قافیہ میں اب ایسا بے نظیر شعر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے —

مؤلف : لحد سے اپنی اُٹھکر کوئی کیوں آئے قیامت میں
کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

اصلاح : لحد سے اُٹھہ کے کوئی کیوں پڑے فتنوں میں محشر کے
کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

قیامت کی اصلاح ہے - اصل مصرع میں لفظ " اپنی " بھی زایہ تھا - "پھر فتنوں میں محشر کے " کیا قیامت خیز تکرار رکھدیا ہے - فتنوں کے ساتھہ محشر کا تناسب اور مصرع کی برجستگی، لفظوں کی ترتیب ، بندش کی چستی، روانی و سلاست سب باتیں تو آگئیں - دوسرے مصرع میں ایسی

محفل کا ٹکڑا تھا جس کا ثبوت اب ہوا —

مؤلف : اثر اتنا تو ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

اصلاح : کوئی تو بات ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

"کوئی تو بات ہے" اس ٹکڑے نے مطلع میں کیا کیا بات پیدا کردی۔ اہل ذوق ذرا غور سے اس اصلاح کو دیکھیں کیونکہ بادیدالنظر میں پہلے مصرع میں کوئی سقم نہ تھا مگر اصلاح سے یہ مطلع بلند سے بلند تر ہو گیا —

مؤلف : یہاں کی خاک خون بیگنہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن اُٹھا کر آئیے گور غریباں میں

اصلاح : یہاں کی خاک خون بیگنہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن بچا کر آئیے گور غریباں میں

دامن اُٹھانے سے دامن بچانے میں جو احتیاط کا مقتضا ہے ظاہر ہے لطف اصلاح کا یہی ہے کہ اُستاد کی نظر کہیں نہ چوکے —

مؤلف : مزہ دیتے ہیں جگنو شب کو کیا کیا نخل تربت کے
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

اصلاح : مزہ دیتے ہیں جگنو ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

پہلا مصرع اپنی جگہ پر گو محتاج اصلاح نہ تھا مگر اُستاد کامل نے "ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی" یہ ٹکڑا اور بڑھاکر روشنی کا لطف دوبالا کردیا۔ ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوا کرتی ہیں —

مؤلف : ہمارے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرے
تمہیں نے چاک کیا تھا تمہیں رفو کرتے

اصلاح : جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے
تمہیں نے چاک کیا تھا تمہیں رفو کرتے

"ہمارے" میں صراحت نہ تھی اور جگر کے زخم سے تصریح ہوگئی —

مؤلف : خدا کے واسطے اک جام مے پلا ساقی
ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے

اصلاح : قیا مت آے نہ کیوں قبر پر سبو بردوش
ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں بلاغت پیدا ہوگئی قیامت اور سبو بردوش۔ حیرت ہے کہ ایسے الفاظ کیو نکر مل جاتے ہیں —

مؤلف : یہ گر گئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
اِن آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

اصلاح : گرے ہوے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
اِن آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جب مصرعۂ ثانی میں " اُن " کا لفظ موجود تھا جسکی ضمیر آنسوؤں سے منطبق تھی تو مصرعۂ اولیٰ میں " یہ " کا لفظ زاید ہوا - اس لئے اُستاد مرتاض حضرت ریاض نے بجاے " یہ گر گئے " کے " گرے ہوے " بنا کر شعر کو اور فصیح کردیا۔

مؤلف : چشم حیرت نے تو بس صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

اصلاح : تو نے تو آئینے میں صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

عموماً ایک لفظ کی تکرار دونوں مصرعوں میں بد نما معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس محل پر دونوں مصرعوں میں آئینے کسقدر خوش نما ہیں - جسے بحر فصاحت کی لہریں کہنا زیبا ہے - اصلاح اسی کا نام ہے کہ پہلے مصرع میں " بس " کا لفظ حشو تھا - اس اصلاح سے مطلع میں ترقی ہی نہیں ہوئی

جلکہ یہ عیب بھی رفع ہو گیا —

مؤلف : دل کے آئینے میں اس شوخ کی صورت دیکھی
ہائے صورت تھی کہ اللہ کی قدرت دیکھی

اصلاح : دیکھنے والے نے کس شوخ کی صورت دیکھی
آنکھہ کہتی ہے کہ اللہ کی قدرت دیکھی

اصلاح سے مطلع کا حسن اور بڑہ گیا - پہلے مصرع میں دیکھنے والے کا تکرا اور دوسرے مصرع میں " آنکھہ کہتی " یہ دونوں قابل دید ہیں —

مؤلف : نذر کی جان دم جنبش ابرو اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

اصلاح : نذر دی جان پلک اُٹھتے ہی میں نے اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

" جنبش ابرو " اور پلک اُٹھنے میں جو فرق ہے وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں -

مؤلف : اشک کم بخت کچھہ آنکھوں میں بھر آے ایسے
اُن کی صورت بھی نہ ہمنے دم رخصت دیکھی

اصلاح : اشک کم بخت کچھہ آنکھوں میں بھر آے ایسے
آنکھہ بھرکر بھی نہ صورت دم رخصت دیکھی

مصرعۂ ثانی میں آنکھہ بھر کر دیکھنے کے لئے کتنا پیارا محاورہ ہے- جو اصلاح ہے وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے —

مؤلف : او جانیوالے پھر کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ہو گئی ہے شمع شبستاں اُداس ہے

اصلاح : او جانیوالے مڑ کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ہو گئی ہے شمع شبستاں اُداس ہے

گو پہلے مصرع میں " پھرکے" غلط نہ تھا - دونوں طرح بول چال میں داخل ہے

پھرکے دیکھنا ' مڑکے دیکھنا' ایک ھی بات ھے مگر مڑکے دیکھنا پھر کے دیکھنے سے زیادہ فصیح ھے اس لئے بجاے پھرکے مڑکے بنایا گیا—

مؤلف : ھم رو رھے تھے دیکھہ کے گھر ھی کو بے چراغ
اُس سے زیادہ کور غریباں اُداس ھے

اصلاح : روتے تھے دیکھہ دیکھہ کے ھم گھر کو بے چراغ
اُس سے زیادہ گور غریباں اُداس ھے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ھوگئی شعر کیا ھے عبرت و یاس کا مرقع ھے —

مؤلف: دل کے ٹکڑے لئے جاتا ھوں در دولت پر
آج سنتا ھوں کہ پرچے ھیں گزرنے والے

اصلاح : دل کے ٹکڑے لئے آیا ھوں در دولت پر
آج سنتا ھوں کہ پرچے ھیں گزرنے والے

ایک ذرا سے لفظ کی ترمیم سے زمانہ کے لحاظ سے کتنا فرق پیدا ھو گیا - " لئے جاتا ھوں" اور " لئے آیا ھوں" میں جو فرق ھے وہ ظاھرھے - کتنی نازک اصلاح ھے—

مؤلف: انتہا ضبط کی ھے لاش کو دیکھیں تو حضور
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اصلاح : ضبط کی خو ھے انھیں ایک ھے مرنا جینا
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اس اصلاح سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ھوگئی جس کی تشریح نہیں ھو سکتی - " ایک ھے مرنا جینا" اس ٹکڑے کی کیا تعریف ھو - غرض جو اصلاح ھے وہ سبق آموز - ایسے با خبر و با کمال سخنور اب زمانہ پیدا نہیں کر سکتا - جن کی ملکہ فطرت شناشی اور لطف زبان آوری تا حیات اُردو سبق آموز لیل و نہار رھیں گے—

——(مولوی سید سبحان اللہ عظیم رئیس اعظم گورکھپور)——

آقائے سخن سید محمد عسکری 'وسیم' خیرآبادی نے مولانا کے غسل صحت کے خوشی میں یہ ایک قطعہ تاریخ پیش کیا تھا - وہ یہ ہے :—

قطعۂ تاریخ

خدا نے شفا میرے آقا کو دی　　نہ کس طرح ہو مرے دل کو سرور
تم از روئے آب حیات اے 'وسیم'　　یہ لکھدو مبارک نہائے حضور

سنہ ۱۳۴۴ ھ

مولانا نے سن کر فرمایا کہ بجائے " از روے آب حیات " اگر " از کلک آب حیات " ہو تو اور اچھا ہو - یعنی تیسرا مصرع یوں بنادیا جائے " تم از کلک آب حیات اے 'وسیم' " چنانچہ خود جناب وسیم گلدستہ "تحفہ خوشتر" ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۹ ع میں یوں رقم طراز ہیں کہ مجکو یہ اصلاح مولانا کی بہت پسند آئی کہ لکھدو کہ کلک کا لفظ خوب ہے اور پھر الف آب حیات کو کلک قرار دینا کیا اچھی بات ہے - واقعی نادر اصلاح ہے سبحان اللہ !

خاکسار مؤلف نے ایک دن اپنا یہ مطلع مولانا کو سنا یا —

آئینہ ہے کہ ہے قاتل کے مقابل قاتل
مجکو یہ ڈر ہے کہ لڑجائیں نہ قاتل قاتل

سن کر بہت پسند فرمایا اور دیر تک مطلع کی محاسن اور خوبیاں فرماتے رہے - پھر یہ اِرشاد فرمایا کہ مصرع ثانی یوں ہوتا تو خوب تھا " مجکو ڈر ہے کہیں لڑجائیں نہ قاتل قاتل " اصلاح لاجواب تھی - تسلیم کرنی پڑی کیونکہ مصرع ثانی میں " یہ " کا لفظ زاید تھا شعر فہمی میں خدا رکھے مولانا کے موصوف کو وہ ملکہ ہے جس کی نظیر ہندوستان میں شاید ہی مل سکے - علمی و ادبی ذوق میں مولانا کی خاص شہرت ہے - علاوہ اس کے آپ

ایک ایسے ذخیرۂ کتب کے مالک ہیں جس کا جواب سوائے ریاست رام پور یا عظیم آباد کے اور کہیں شاید ہی مل سکے--

——(میر علی محمد عارف نبیرۂ انیس مرحوم)——

سید صادق علی عرف نواب چنگا صاحب 'حسین':

جب صبح شام غم کا فلک پر ہوا ظہور — مشرق سے جلوہ گر ہوا ناگاہ خط نور
تارا سحر کا ہو گیا ضو سے چراغ طور — صحرا میں روشنی ہوئی اک بار دور دور

سبزہ لہک دکھانے لگا آب جو کی طرح

اصلاح: سبزے میں لہریں آنے لگیں آب جو کی طرح
سرخی شفق کی پھوٹ کے نکلی لہو کی طرح

پانچویں مصرع میں "سبزہ لہک دکھانے لگا" یہ ٹکڑا ثقیل تھا اس لئے "سبزے میں لہریں آنے لگیں" بنایا —

حسین: -

بن میں سفید پھول کھلے ہیں جو بے شمار — تا دور چاندنی سے زمیں پر ہے آشکار
پھولوں سے نور دیتے ہیں اشجار سایہ دار — بلبل ہزار بار نہ کیونکر سے ہو نثار

اصلاح: بلبل ہزار بار نہ کیوں دل سے ہو نثار

جلوے کا آسماں پہ نہ ہوتا اثر کبھی
کھلتے نہ پھول یہ تو نہ ہوتی سحر کبھی

چوتھے مصرع میں "کیونکر سے" یہ ٹکڑا غلط تھا اس لئے "کیوں دل سے" بنا کر مصرع کو صحیح کر دیا —

حسین: -

یہ کہہ رہی تھیں خواہر سلطان کربلا — ناگاہ آئے اکبر و عباس باوفا
دوڑیں بلائیں لینے کو ہونے لگیں فدا — فرمایا ان کو بھیج رہی تھی میں غمزدا

اصلاح: [illegible]

سنتی ہوں تیر شاہ کے لشکر میں آگئے
قربان جاؤں خوب کیا گھر میں آگئے

چوتھا مصرع ترمیم کیا گیا کیونکہ "میں غمزدا" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا۔ اصلاح سے زبان کی حد میں آگیا ۔۔

حسین : ۔

یاں تو یہ کہہ رہے تھے پسر سے امام دیں — واں ظلم کر رہے تھے یہ عباس پر لعیں
بے انتہا تھی شیر کے نزدیک فوج کیں — بازو جدا تھے شانوں سے مجروح تھی جبیں

اصلاح : ۔

گھیرے ہوے تھی چار طرف سے سپاہ کیں — بازو جدا تھے خون سے رنگیں تھی جبیں

فرغہ تھا چار سمت سے جان امام پر
تیروں کا مینہ برستا تھا اُس تشنہ کام پر

تیسرا مصرع ترمیم کیا گیا جس سے اس بند میں لطافت و فصاحت پیدا ہوگئی۔ چوتھے مصرع میں " شانوں سے " یہ ٹکڑا بے محل تھا ۔ اور جبیں کو مجروح کہنا بھی اچھا نہ تھا اس لئے " خون سے رنگیں تھی جبیں" خوب بنایا * ۔۔

———(منشی احسان علی خاں ' احسان' شاہجہانپوری مرحوم)———

محمد عشرت حسین 'مضطر' مارہروی :

دل کسی پر بھی مبتلا کیوں ہو
اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

اصلاح : دل حسینوں پہ مبتلا کیوں ہو
اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

چونکہ پہلے مصرع میں " بھی" زاید تھا اس لئے " حسینوں پہ" بنایا اب مطلع صاف و بے عیب ہو گیا ۔۔

---

* یہ اصلاحیں جناب تسنا لکھنوی سے ملیں۔۔

مضطر: مجھ سے بیباک کیوں نہیں ہوتے
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

اصلاح: پاس آکر گلے سے مل جاؤ
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

دونوں مصرعوں میں "مجھ سے" کی تکرار بد نما تھی اس لئے پہلا مصرع ترمیم کیا گیا۔ اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہو گیا —

مضطر: راز کی بات کیجے پوشیدہ
راز کی بات بولا کیوں ہو

اصلاح: کیجئے عـــــــہد وصل پوشیدہ
راز کی بات بولا کیوں ہو

چونکہ دونوں مصرعوں میں راز کی بات کی تکرار عیب دے رہی تھی۔ دوسرا نقص یہ تھا کہ لفظ 'کیجے' اب شعرائے حال نے متروک کر دیا ہے اس لئے مصرع اولیٰ بالکل بدل دیا گیا۔ عمدہ اصلاح ہے—

مضطر: معاملہ میرا اور آپ کا ہے
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

اصلاح: عشق کا ہے معاملہ بے ڈھب
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

شاگرد کے پہلے مصرع میں "معاملہ" کا عین ساقط ہو رہا تھا اس لئے اُستاد نے پورا مصرع بدل دیا—

مضطر: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم آہوں کی پھر ہوا کیوں ہو

اصلاح: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم آہوں کی پھر ہوا کیوں ہو

مصرعۂ ثانی میں تعقید تھی اس لئے اک ذرا سے اُلٹ پھیر میں یہ عیب رفع ہو گیا —

مضطر: مدت سے میرا ہوگیا اے دل یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے اُن کی بدولت وبال کیا

اصلاح: مدت سے تیرا ہو گیا مضطر یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے دل کی بدولت وبال کیا

اصل مطلع بہت اچھا ہوا تھا دونوں مصرعوں کی ترمیم سے اچھا خاصہ مطلع ہوگیا - مضمون وہی رہا صرف دو چار الفاظ ترمیم کئے گئے جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی —

مضطر: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
اب تم بتاؤ تم سے کہوں دل کا حال کیا

اصلاح: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
بے فایدہ میں تم سے کہوں اپنا حال کیا

مصرعۂ ثانی میں " تم " کی کیا ضرورت تھی جب مصرعۂ اولیٰ میں تم موجود تھا اس لئے " بے فایدہ " بجاے " اب تم " کے بنایا اور دل کی تکرار بھی دونوں مصرعوں میں اچھی نہ تھی اس لئے " اپنا " بجاے " دل " کے بنا کر شعر کو شعر کردیا —

مضطر: تم اور مجکو یاد کرو کس طرح کہوں
تم کو عدو کے سامنے مرا خیال کیا

اصلاح: تم اور مجکو یاد کرو یہ یقیں نہیں
تم کو عدو کے سامنے مرا خیال کیا

مصرعۂ اولیٰ میں " کس طرح کہوں " یہ ٹکڑا مہمل سا تھا - اس لئے " یہ یقیں نہیں " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

مضطر : جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا پھر ایسے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح : جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا ہمارے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح سے شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

مضطر : وہ بھولے بن کے کہتے ہیں بتلاؤ تو ہمیں
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح : وہ بھولے بن کے پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح سے شعر میں فصاحت پیدا ہوگئی " کہتے ہیں بتلاؤ تو ہمیں " یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا اس لئے " پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح " بنایا —

مضطر : تیری فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
مجھ کو دنیا سے پر ارمان لئے لیتی ہے

اصلاح : شب فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
گھر کی دولت مری مہمان لئے لیتی ہے

پہلے مصرع میں بجائے " تری " کے " شب " کا لفظ بنایا دوسرا مصرع کچھ نہ تھا - اس لئے پورا مصرع بدل دیا گیا جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی —

مضطر : دخت رز کے ہیں اشارے مرے ایمان کی طرف
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

اصلاح : لے چلی ہے سوے دیر اُس بت کافر کی تلاش
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

پہلا مصرع بالکل بدل دیا گیا کیوں کہ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو تعلق نہ تھا اب باہمی مصرعوں میں ربط پیدا ہو گیا اور شعر مزے کا ہوگیا —

مضطر : یہ اشارہ ہے نگاہوں کا نہ دیکھہ اور طرف
یہ محبت تری پیمان لئے لیتی ہے

اصلاح : یہ اشارہ ہے کہ دیکھوں نہ کسی اور طرف
ہر ادا آپ کی پیمان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں ایک خاص ادا پیداہوگئی اور مفہوم وہی رہا —

مضطر : تری شوخی کے مقابل میں میری بیتابی
اب کوئی دم میں یہ میدان لئے لیتی ہے

اصلاح : تری شوخی کے مقابل میں بنی ہے بجلی
بیقراری میری میدان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں میں ترمیم کی گئی - یہ تڑپا دینے والی اصلاح ہے * —

———(منشی غضنفر علی ' حکیم ' خلف اکبر حضرت اسیر مرحوم)———

وزیر علی وزیر لکھنوی :

نظر نہ آوں کسی کو بھی جو وہ زار ہوں میں
وزیر اہل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

اصلاح : میں سب دیکھوں نہ آوں نظر وہ زار ہوں میں
وزیر اہل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

پہلے مصرع میں " جو " کا لفظ حشو تھا لہذا پہلا مصرع اس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ مطلع بلند ہوگیا + —

———(نواب اصغر حسین 'فاخر' لکھنوی) ———

میرے محترم دوست جناب ذاخر تلمیذ حضرت 'فاخر' مرحوم بیان فرماتے

---

* یہ اصلاحیں خود جناب مضطر نے بذریعہ ٹاک مجھے روانہ فرمائیں —

+ یہ اصلاح خود جناب وزیر سے ملی —

ھیں کہ ایک دن نواب مہدی حسین 'ماھر' لکھنوی اُستاد حضرت 'فاخر' دولت کدۂ جناب 'فاخر' واقع محلہ نرھی پر تشریف فرماتھے۔نواب صاحب موصوف ترتیب دیوان کے لئے ردیف وار سلام کہہ رھے تھے "ص" کی ردیف میں یہ مصرع فرمایا " اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص " مصرع ذرا بیڈھب تھا - آپ نے اُستاد جناب 'ماھر' سے مصرع لگانے کی فرمایش کی حضرت 'ماھر' نے یہ مصرع لگایا :—

اک بیٹی دے کے لے لئے حیدر سے دو پسر
اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

مصرع لگا تے کو لگایا مگر خود ھی فرمایا کہ یہ مصرع بلند نہیں - پھر اُسی وقت جناب ' فاخر' کے ذھن میں ایک مصرع آگیا جس کی حضرت 'ماھر' نے بے حد داد دے دیکر اپنے ذی حوصلہ شاگرد کا دل بڑھایا اور یہ الفاظ فرماے کہ میرے مصرع سے یہ مصرع بہت بلند ھے - اچھا اب وہ مصرع بھی ملاحظہ ھو :—

بڑھتے ھی جاتے ھیں شب معراج پیش حق
اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

———(خان بہادر لسان العصر 'اکبر' الہ آبادی)———

محمد علیم خان ' علیم ' الہ آبادی :

علیم : ھاں اک نظر میں دل تو ھمارا اُنھیں کا تھا
پھر جو ھمارے پاس تھا سارا اُنھیں کا تھا

اصلاح : پہلی اک نظر میں دل تو ھمارا اُنھیں کا تھا
پھر جو ھمارے پاس تھا سارا اُنھیں کا تھا

پہلے مصرع میں صرف ایک لفظ بنا کر مطلع کو اھل نظر کی نگاھوں میں وقیع کردیا - اس پہلی نظر کی کیا تعریف ھو —

علیم: بٹھلایا اپنے پاس پھر اُٹھوا دیا مجھے
میں آب بھی خوش ھوں کیونکہ اِشارہ اُنھیں کا تھا

اصلاح: بہلایا پہلے مجکو پھر اُٹھوا دیا مگر
میں آب بھی خوش ہوں کیونکہ اِشارہ اُنہیں کا تھا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اُس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہوا " پہلے " کی مناسبت سے " پھر " کی ضرورت تھی آخر میں " مگر " کا لفظ بھی بڑھایا - اس " مگر " کی وہی داد دینگے جن کی باریک بیں نگاہیں بحر سخن کے عمق تک پہنچکر موتی نکال لاتی ہیں —

علیم : حال وقت جانکنی کیونکر کُھلے
بند ہوجائے زباں بستر کُھلے

اصلاح: حال زار جانکنی کیونکر کُھلے
بند ہوجائے زباں بستر کُھلے

ایک " زار " کے لفظ سے مطلع میں جان آگئی - روح پرور اصلاح ہے—

علیم : دم بخود رہ گیا میں سنتے ہی پیغام اجل
بات ہی ایسی تھی جو منہ سے نکالی نہ گئی

اصلاح : دم بخود رہ گیا میں سنتے ہی پیغام اجل
بات کچھہ ایسی تھی جو منہ سے نکالی نہ گئی

دوسرے مصرع میں " بات ہی ایسی تھی " یہ ٹکڑا گو غلط نہ تھا مگر " بات کچھہ ایسی تھی " خاص محاورہ ہے - اس اصلاح سے شعر میں نفاست لطف زبان پیدا ہوگیا* —

---

* یہ اصلاحیں جناب علیم کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں مجھے فوت کرادیں اور بھی اصلاحیں دینے کا وعدہ فرمایا مگر شاعر کا وعدہ ہی کیا - ہم اسی کو غنیمت سمجھے -

——(ابو العلا سید مولوی حکیم سعید احمد ناطق لکھنوی)——

حافظ قاری سید عظمت علی مضطر :

مضطر: تیری گلی کی حسرت کیوں ہو نہ میرے دل کو
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھہ لینا

اصلاح : نظارہ اُس گلی کا جاں بخش ہو نہ کیونکر
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھہ لینا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا - جس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہوگیا - عمدہ اصلاح ہے —

مضطر کانپوری: رکھا ہے اب گلے پر قاتل نے مرے خنجر
جھولے گی عرش پر اب تلوار دیکھہ لینا

اصلاح : دل کو کیا ہے زخمی تیغ ادا سے اُس نے
جھولیگی عرش پر اب تلوار دیکھہ لینا

شاگرد کے پہلے مصرع میں خنجر اور دوسرے مصرع میں تلوار اچھی نہ تھی اس لئے اُستاد نے " تیغ ادا " بنایا اب دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ربط پیدا ہوگیا —

مضطر: آنکھوں کا اُن کی پھر مجکو عشق ہوگیا ہے
پھر کچھہ دنوں میں مجکو بیمار دیکھہ لینا

اصلاح: کچھہ روز سے محبت آنکھوں کی ہوگئی ہے
دو چار دن میں مجکو بیمار دیکھہ لینا

مضطر کے دونوں مصرعوں میں "مجکو" کی تکرار بدنما تھی- اس لئے دونوں مصرعے ترمیم کے گئے جس سے شعر صاف ہوگیا —

مضطر: عرض وصال پر نگہ یار اُٹھہ گئی
لو مفت باتوں باتوں میں تلوار اُٹھہ گئی

اصلاح : شوق وصال پر نگہہ یار اُٹھہ گئی
لو اک ذراسی بات پہ تلوار اُٹھہ گئی

پہلے مصرع میں "عرض وصال" کے بجاے "شوق وصال" بنا کر اور نزاکت پیدا کر دی - دوسرے مصرع میں " لو مفت باتوں باتوں میں" قلم زد کر کے " لو اک ذراسی بات پہ" بنایا - اس محل پر یہی محاورہ خوب تھا —

مضطر : گئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھہ بھی لو
جو حسرت رہ گئی دل میں بڑی مشکل سے نکلے گی

اصلاح : گئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھہ لینا
جو حسرت رہ گئی پھر وہ بڑی مشکل سے نکلے گی

پہلے مصرع میں "سمجھہ بھی لو" کے بجاے "سمجھہ لینا" بنا کر مصرع میں صفائی پیدا کر دی - دوسرے مصرع میں " دل میں" یہ ٹکڑا بیکار تھا اس لئے "پھر وہ" بنا کر مصرع میں روانی و سلاست پیدا کر دی کیونکہ حسرت سواے دل کے اور کہیں نہیں رہ سکتی اس لئے دل کی ضرورت نہ تھی —

مضطر : جو نظر آتا ہے عالم میں وہ ظاہر بیں ہے
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

اصلاح : کون اس راز سے واقف ہوا عاشق کے سوا
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا - جس سے مضمون مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا—

مضطر : کوئی دل دیتا ہے اپنا کوئی اپنا سر اُسے
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

اصلاح : سر بکف ہر اک چلا جاتا ہے شوق ذبح میں
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

پہلے مصرع کے بدل دینے سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا -

کیونکہ دوسرے میں ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل کا بیان کیا جاتا ہے اس لئے سر بکف ہی جانا اور پھر شوق ذبح میں نہایت ہی مناسب ہے—

مضطر : شمع ہوتی ہے جہاں پروانہ ہوتا ہے ضرور
وہ ہے جس محفل میں میرا دل بھی اُس محفل میں ہے

اصلاح : شمع روشن ہو جہاں پروانہ بھی ہوگا ضرور
وہ ہے جس محفل میں میرا دل بھی اُس محفل میں ہے

پہلے مصرع میں "شمع ہوتی ہے جہاں" کے بجائے "شمع روشن ہو جہاں" خوب بنایا کیونکہ جب تک شمع روشن نہ ہو پروانے کا آنا نا ممکن ہے - دیکھئے صرف دو لفظوں کی ترمیم سے شعر روشن ہو گیا - واقعی بے نظیر اصلاح ہے—

مضطر : خوان نعمت ہے جہاں میں اہل دولت کے لئے
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ہے

اصلاح : مجھ گدا سے کیا تواضع ہو تری اے شاہ حسن
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ہے

پہلے مصرع کے بدل دینے سے شعر میں تغزل کی شان پیدا ہو گئی - اُستادانہ اصلاح ہے—

مضطر : سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں
سیر گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

اصلاح : محرم راز تجلی ہوں ازل سے میں تو
سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں

اصل مطلع میں پہلا مصرع خوب تھا مگر دوسرا مصرع مہمل و بے ربط تھا - اُستاد کامل الفن نے پہلے مصرع پر اتنا بلند مصرع لگا دیا کہ شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا - لاجواب اصلاح ہے—

مضطر : جلایا مسیحا نے کشتوں کو اپنے
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

اصلاح : لحد پر شہیدوں کے آنا تھا کیا
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

استاد نے پہلے مصرع کو بدل کر شعر کو مطلع کر دیا - اب مطلع میں معنوی خوبیاں قابل دید ھیں - واقعی اصلاح اسی کا نام ھے —

مضطر : دشمنی کرنے لگی مجھ سے تمنا میری
جان اب وہ ھی نگہبان لئے لیتی ھے

اصلاح : دشمنی کرنے لگی مجھ سے تمنا میری
جان اب دل کی نگہبان لئے لیتی ھے

مصرعۂ ثانی میں "وہ ھی" کا ٹکڑا بے محل تھا چونکہ "تمنا" کا تعلق دل سے ھوتا ھے اس لئے "دل کی" بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

مضطر : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے ھیں کسی کی آج صورت دیکھنے والے

اصلاح : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے ھیں کسی کی پیاری صورت دیکھنے والے

مصرعۂ ثانی میں "آج" زاید تھا اس لئے "پیاری" بنا کر مطلع کو حشو و زواید سے پاک کرکے بے عیب کر دیا —

مضطر : ذرا چلمن ھٹا کر سامنے آ جائیں اچھا ھے
کھڑے ھیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

اصلاح : ذرا چلمن ھٹا دیں یا بلالیں سامنے اپنے
کھڑے ھیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " ھٹا دیں یا بلالیں سامنے اپنے " یہ دونوں ٹکڑے اس محل

پر خوب بنائے گئے - انھوں دونوں باتوں کی مشتاقان جمال کو ضرورت تھی " سامنے آجائیں اچھا ھے " یہ ٹکڑا بد نما تھا - اصلاح سے شعر میں بے حد ترقی ھوگئی —

مضطر: حسینو! یہ نہ پوچھو کیا نتیجہ اس سے نکلیگا
تمہارے ظلم پر کرتے ھیں حیرت دیکھنے والے

اصلاح: حسینو! یہ نہ پوچھو کیا زمانہ تم کو کہتا ھے
تمہارے ظلم پر کرتے ھیں حیرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " کیا نتیجہ اس سے نکلیگا " برائے بیت تھا اس لئے بجائے اس کے " کیا زمانہ تم کو کہتا ھے " بنا کر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا —

مضطر: رھیں ناکام کب تک تیری صورت دیکھنے والے
اِدھر بھی اک نظر او دل کی حسرت دیکھنے والے

اصلاح: رھیں بے چین کب تک تیری صورت دیکھنے والے
اِدھر بھی اک نظر او دل کی حسرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " ناکام " کے بجائے " بے چین " بنا کر تڑپادیا صرف ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع پھڑکا دینے والا ھوگیا —

مضطر: وقت سخن ھوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں نکلتے ھیں منہ سے سخن کے پھول

اصلاح: وقت سخن ھوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں ھیں گرتے ھیں منہ سے سخن کے پھول

مصرعۂ ثانی میں بجائے " نکلتے ھیں "کے " گرتے ھیں " بناکر شعر کو فصیح کردیا - منہ سے پھول جھڑتے ھیں یہ محاورہ بھی ھے مگر اس محل پر " گرتے ھیں " ھی اچھا ھے کیونکہ "جھڑتے ھیں" میں ایک مذموم پہلو بھی نکلتا ھے —

مضطر: آئے ہیں تعزیت کو مگر دیکھتے ہیں ہم
چھوتے نہیں ہیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

اصلاح: آئے ہیں تعزیت کو مگر ہے یہ اجتناب
چھوتے نہیں ہیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

پہلے مصرع میں " دیکھتے ہیں ہم " یہ تکرار مبالغہ آمیز تھا - مگر " ہے یہ اجتناب " اس اصلاح سے شعر میں جان آگئی —

مضطر: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ہاتھہ میں نازک بدن کے پھول

اصلاح: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ہیں کانوں میں نازک بدن کے پھول

دوسرے مصرع میں بجاے " ہاتھہ " کے " کانوں " میں خوب بنایا کتنی نازک اصلاح دی کیونکہ ہاتھہ میں پھولوں کے ہار پہنے جاتے ہیں - خالی پھول تو کانوں ہی میں پہنے جاتے ہیں —

مضطر: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
کس نے بتاؤ لوٹ لئے اس چمن کے پھول

اصلاح: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
بتلاؤ کس نے لوٹ لئے اس چمن کے پھول

دوسرے مصرع میں ایک ہلکی سی تعقید تھی اُستاد نے " بتلاؤ کس نے " بنا کر اس عیب کو رفع کر دیا —

مضطر: نہ پوچھو مجھہ سے تم اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر، بے مروت، خود غرض، نا آشنا تم ہو

اصلاح: بھلا میں کیا کہوں اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر، بے مروت، خود غرض، نا آشنا تم ہو

پہلے مصرع میں " تم " کی تکرار بدنما تھی اس لئے " نہ پوچھو مجھ سے تم " کے بجائے " بھلا میں کیا کہوں " بناکر مطلع کو بلند کردیا —

مضطر: یہی تواب کہوگے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہماری ہے خطا اِس میں سراسر بے خطا تم ہو

اصلاح: یہی تواب کہوگے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہمیں مجرم تمہارے ہیں سراسر بے خطا تم ہو

مصرعۂ ثانی میں " ہماری ہے خطا اِس میں " یہ ٹکڑا قلم زد کرکے " ہمیں مجرم تمہارے ہیں " بنایا جس سے شعر میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی *—

——(نواب حیدر یار جنگ مولانا سید علی حیدر 'نظم' طبا طبائی لکھنوی)——

' نشتر' تخلص - نام محمدعبدالحکیم:

نشتر: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
ایک دو تنکے ہی رکھے تھے کہ صیاد آیا

اصلاح: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
شاخ گل پر تھا نواسنج کہ صیاد آیا

مصرع ثانی میں "ایک دو تنکے ہي رکھے تھے " اس حالت میں صیاد کا آنا ممکن تو ہے مگر " شاخ گل پر تھا نواسنج " اس سے زیادہ لطیف ہے - یعني صیاد کب آیا- جب اُس کے کانوں میں بلبل کی آواز پہنچی - اُستادانہ اصلاح ہے —

نشتر: عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
ٹھوکریں قبر سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

---

* یہ اصلاحیں بذریعہ .ڈاک موصول ہوئیں ہم سعد حافظ قاری عظمت علی مضطر' کانپوری کے شکر گزار ہیں —

اصلاح : عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
ٹھوکریں کوہ سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

دوسرے مصرع میں بجائے "قبر" کے "کوہ" بنا دیا - کیونکہ فرہاد کے لئے "کوہ" کی سخت ضرورت تھی—

نشتر : ازل میں نور رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

اصلاح : ازل میں حسن رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

پہلے مصرع میں بجائے "نور" کے "حسن" بنایا کیونکہ رنگ و بو دونوں لفظوں پر حسن حاوی ہے اور نور میں صرف رنگ ہی کا رنگ تھا اس لئے یہاں حسن کی ضرورت تھی - صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں عجب حسن پیدا ہو گیا—

نشتر : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار ہے کوئی
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

اصلاح : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار نہ دلجو
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

مصرعۂ اولیٰ میں "ہے کوئی" کو قلم زد کرکے "نہ دلجو" بنا دیا جس سے شعر میں ترقی ہو گئی—

نشتر : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدو یہ زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

اصلاح : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدوں گا زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

دوسرے مصرع میں بجائے "رکھدو یہ" کے "رکھدوں گا" بنایا کیونکہ پہلے

مصرع میں کسی اور سے خطاب نہیں ہے شاعر خود ہی افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہنے کو کہہ رہا ہے اس لئے اس محل پر " رکھدوں گا " کہنا بہت مناسب ہے—

نشتر : دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر مچیگا جو ہوا مہر گہن میں

اصلاح : دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر ہے خورشید جو آجائے گہن میں

دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہو گئی - اگر پہلے مصرع میں بجائے "کاکل" کے 'زلفوں سے' ہوتا تو اور بھی اچھا تھا —

نشتر : ٹھہر ٹھہر کہ ہوں دم بھر کا مہماں میں بھی
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاح : ٹھہر ٹھہر کہ ہوں مہماں میں بھی دم بھر کا
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاحی الفاظ وہی ہیں مگر اک ذرا سے اُلٹ پھیر میں تعقید کا جو ایک عیب تھا جاتا رہا - شعر بھی اچھا ہے اور اصلاح بھی خوب ہے—

نشتر : ہے مشتعل مرے قلب و جگر میں آتش عشق
سلگ رہی ہیں تپ غم سے ہڈیاں میری

اصلاح : بھڑکتی جاتی ہے اندر ہی اندر آتش عشق
سلگ رہی ہیں تپ غم سے ہڈیاں میری

پہلے مصرع کی ترمیم سے بیان میں گرمی اور شعر میں زور پیدا ہو گیا - عجب قوت کا مصرع لگا دیا جس کی جس قدر داد دی جائے کم ہے' ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوتی ہیں—

نشتر : سر جھکا کر کہہ رہا ہے یہ ہلال آسماں
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے

اصلاح : آسماں پر یہ اشارہ کر رہا ہے ماہ نو
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے

ہلال آسماں کے کہنے سے ماہ نو کا اشارہ زیادہ نازک ہے—

نشتر : حضرت نشتر تھے قیس و کوھکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں آوازۂ ماتم رہے

اصلاح : حضرت نشتر تھے قیس و کوھکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں ھنگامۂ ماتم رہے

دوسرے مصرع میں " آوازۂ ماتم" یہ ٹکڑا ٹھیک نہ تھا اس لئے "ھنگامۂ ماتم" بنا کر شعر کو صحیح کر دیا—

نشتر : زمیں پہ پھول تو گردوں پہ انجم و مہ و مہر
یہ ھیں اُسی گل و رعنا کے گل کھلائے ھوے

اصلاح : چمن میں پھول فلک پر کواکب و مہ و مہر
یہ ھیں کسی گل و رعنا کے گل کھلائے ھوے

پہلے مصرع میں " زمیں پہ پھول" یہ ٹکڑا کئی عیبوں سے مملو تھا - اول تو دو قریب المخرج حرفوں کا یکجا ھونا عیوب شاعری میں داخل ھے اور پھر پھول کے لئے چمن ھی زیادہ موزوں ھے - اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا جس سے شعر اور بلند ھو گیا —

نشتر : ھلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ھے
جو سرفراز ھیں چلتے ھیں سر جھکائے ھوے

اصلاح : ھلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ھے
جو سرفراز ھیں رھتے ھیں سر جھکائے ھوے

مصرعۂ ثانی میں بجائے " چلتے " " رھتے " بنایا اس ایک لفظ کے تصرف نے شعر کو کتنا لطیف کر دیا پہلے سر جھکانے کی خصوصیت صرف چلنے میں تھی اب ھر

حالت میں سر جھکانا پایا جاتا ہے—

نشتر : عجب ہوائے فنا چل رہی ہے اے نشتر
کہ سب چراغ کواکب ہیں جھلملائے ہوئے

اصلاح : عجب ہوائے فنا چل رہی ہے عالم میں
کہ سب چراغ کواکب ہیں جھلملائے ہوئے

پہلے مصرع میں بجائے " اے نشتر " کے " عالم میں " بنا کر چراغ کواکب کا جھلملانا ثابت کردیا *—

———(منشی احمد علی شوق قدوائی مرحوم)———

عبدالحکیم نشتر جالندھری :

حنا مالیدہ پاؤں سے یہ کسنے سیر دریا کی
نگاہیں پھول چنتی پھرتی ہیں دامان ساحل سے

اصلاح : مگر پائے حنائی سے کسی نے سیر دریا کی
نگاہیں پھول چنتی پھرتی ہیں دامان ساحل سے

پہلے مصرع میں " حنا مالیدہ پاؤں سے " یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا اس لئے اُستاد کامل نے " مگر پائے حنائی سے " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا—

نشتر : مدد اے جوش الفت پر لگا دے میرے قدموں کو
کہ منزل دور مجھ سے اور میں ہوں دور منزل سے

اصلاح : مدد اے جوش الفت پر لگا دے توہی قدموں کو
کہ منزل دور مجھ سے اور میں ہوں دور منزل سے

پہلے مصرع میں " میرے " کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ جب دوسرے مصرع میں اُس کا مترادف "مجھ سے" اور "میں" موجود ہے اس لئے اُستاد نے بجائے "میرے" کے " توہی " بنا کر مصرع میں اور زور پیدا کردیا —

---

* یہ اصلاحیں بذریعہ ڈاک خود جناب نشتر نے ارسال فرمائیں مؤلف شکر گزار ہے—

نشتر : بڑھا ہے ربط و ضبط اتنا جدا دم بھر نہیں ہوتا
میرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

اصلاح : یہ ربط باہمی تو دیکھو کس الفت سے لپٹا ہے
مرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

پہلا مصرع کس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہوگیا—

نشتر : خیال آتا ہے جس دم نشتر مژگان جاناں کا
تو فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

اصلاح : پڑا ہے کام کسکی کاوش مژگاں سے اے نشتر
کہ فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

پہلے مصرع کو ترمیم کرکے اُستاد نے شعر کو مقطع کردیا اب یہاں نشتر نے دونوں معنی دئے —

نشتر : منہ چھپائے ہوے شمشیر ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلہن بن کے قضا آتی ہے

اصلاح : مجکوگھونگھٹ میں نظر اُن کی ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلہن بن کے قضا آتی ہے

پہلا مصرع کیوں ترمیم کیا گیا - اول تو شمشیر کے منہ چھپانے کا ثبوت نہ تھا اور پھر " آتی ہے " یہ ٹکڑا برا تھا - مصرع جو استاد نے لگا دیا اُس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا- " نظر " کا لفظ پہلے مصرع میں قابل دید ہے—

نشتر : داور حشر بھی عاشق نہ کہیں ہوجائے
اُن کو جاتے ہوے محشر میں حیا آتی ہے

اصلاح : بھیجدے حشر کو یارب تو اُنھیں کے گھر میں
اُن کو جاتے ہوے محشر میں حیا آتی ہے

نشتر کا پہلا مصرع معیار شادی سے بہت گرا ہوا تھا - اور سوء ادبی کا بھی ایک پہلو نکلتا تھا - حضرت شوق نے نئے انداز سے مصرع لگا دیا - اب مصرع ثانی کی جس قدر چاہے تاویل کیجئے —

نشتر : کشتۂ زلف ہوں ہر شب کو مری تربت پر
حور اوڑھے ہوئے ماتم کی ردا آتی ہے

اصلاح : کشتۂ زلف وہ ہوں میں کہ مری تربت پر
رات اوڑھے ہوئے ماتم کی ردا آتی ہے

پہلے مصرع میں دوسرے مصرع کی مناسبت سے کسی قدر ترمیم کی گئی - مگر دوسرے مصرع میں بجائے "حور" کے کشتۂ زلف کی رعایت سے " رات " بنایا حور کو تربت سے کیا تعلق-دیکھئے صرف ایک لفظ سے شعر میں کتنی خوبیاں پیدا ہوگئیں - رات کا ماتم کی ردا اوڑھ کر کشتۂ زلف کی تربت پر آنا نئی بات ہے —

نشتر : جو نہیں پیتا نکل جائے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

اصلاح : ہوش پیارے ہوں جسے جائے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

سبحان اللہ کیا بےنظیر مصرع لگا دیا ہے جس کی جس قدر تعریف کی جائے-اول تو اصل مصرع میں ایک نقص یہ تھا کہ پڑھنے میں کراہت معلوم ہوتی تھی - دوسرے جو نہیں پیتا یا جسے دخت رز سے بیعت حاصل نہیں وہ میخانے میں جائے ہی کیوں لگا - تیسرے " نکل جائے " یہ ٹکڑا بہت سخت تھا جس میں رکاکت پیدا ہوتی تھی-اب اصلاحی مصرع کی خوبیاں ملاحظہ ہوں- دوسرے مصرع میں ہے " دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے" اس کی مناسبت سے پہلے مصرع میں "ہوش پیارے ہوں" کیا

خوب بنایا اس اصلاح سے یہ مطلع مطلع آفتاب ہوگیا * —

---

* یہ اصلاحیں بھی جناب 'نشتر' نے بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں - جناب 'نشتر' نے حضرت نظم طبا طبائی سے بھی اصلاح لی اور جناب ' شوق ' کے سامنے بھی زانوے ادب تہ کیا —

خطبات گارساں دتاسی

(اُردو زبان و ادب پر)

[مترجمہ جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن]

چھٹا خطبہ

(جو ۲-دسمبر سنہ ۱۸۵۵ ع کو پڑھا گیا)

حاضرین!

اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنے ہندی (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض، کم سے کم، صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی وشمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ہی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شائع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے، جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۱ ع تک کی حالت میں نے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی - سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و

شمالی میں اُس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۶ ہندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپےخانوں سے ۱۲۶ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب ہندوستانی زبان میں تھیں-پہلی جنوری سنہ۱۸۵۳ع تک چھاپے خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور ہندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہوگئی - اور ان تمام کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی - بہر حال ہم کو معلوم ہے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپے خانے اور۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے'اور سنہ۱۸۵۳ع میں ۱۹۵ کتابیں شائع ہوئیں - اِس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں اپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہوگئے ہیں - لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی- اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ ہیں :- " زایرین ہند " بنارس کا' جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل " Debats " مورخہ ۱۶-جنوری سنہ ۱۸۵۱ع میں شائع کراچکا ہوں - " باغ و بہار " بھی اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز " بنارس گزٹ " جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اُردو میں شائع ہوتا تھا ؛ دھلی کا "فوائدالناظرین" ' میرٹھ کا " مفتاح الاخبار" ' لاہور کا "دریاے نور" ' " شملہ اخبار" ' لدھیانہ کا " نورٌ علی نور" اور امرتسر کا "باغ نور" —

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ع تک جو چالیس چھاپے خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان میں سے دس آگرہ میں تھے ' سات بنارس میں' ایک بریلی میں' ایک بھرتپور میں' دو لاہور میں' دو ملتان میں اور ایک سیالکوٹ میں —

نئے اخبارات جن سے ابھی مینے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ہیں :- آگرہ میں " نورالاخبار " اور "بدھی پرکاش" یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ہی ہیں اور ایک ہی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ہیں ؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا

ہندؤں کی زبان میں - ان دونوں کا اڈیٹر "سدا سکھ" نامی ایک لائق ہندو ہے' جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا ہے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے - یہ اخبار بہت کامیاب ہوے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ' جغرافیہ' ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں - ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن بہت پر تکلف نہیں ہوتا' کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے ہیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری ہوا ہے جس کا نام "آفتاب ہند" ہے - اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھوناتھ ہیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف ہیں - یہ اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلیٰ سائنٹفک اور ادبی مضامین کی وجہ سے جو ہمیشہ اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں' بہت مشہور ہے—

سنہ ۱۸۵۳ع سے ایک اُردو جریدہ "فتح الاخبار" ضلع علی گڈہ کے قصبہ کوئل سے نکلتا ہے' جو با وجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا ہے- اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے' عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی ہے—

مغلیہ سلطنت کے قدیم دارالسلطنت دہلی سے با وجود ان پانچ اخباروں کے جو وہاں پہلے ہی سے موجود تھے' تین اُردو اخبار سنہ ۱۸۵۳ع سے اور جاری ہوے ہیں جن سے ان کی تعداد آٹھ ہو گئی ہے - حالانکہ قسطنطنیہ میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع ہوتے ہیں - نئے اخباروں کے نام یہ ہیں :—

"صادق الاخبار" جسے مصطفیٰ خاں مصطفائی پریس کے منیجر نکالتے ہیں - یہ پریس پہلے لکھنؤ میں تھا لیکن چند خاص وجوہ کی بنا پر یہ کار خانہ وہاں بند

کر دیا گیا - اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے اُس کی دو نئی شاخیں ایک کانپور اور دوسری دھلی میں قائم کیں - یہ پرچہ دھلی سے شائع ہوتا ہے - اسی نام کا ایک دوسرا اخبار فارسی زبان میں بھی شائع ہوتا ہے - دھلی کے دوسرے نئے اخبار "نور مشرقی" و "نور مغربی" ہیں - ان دونوں کا ایک ہی مقصد ہے' یعنے اہل ملک کو جب بنی نوع انسان کے خیالات اور اصول سے با خبر کیا جاے - لیکن اپنے ناموں کے لحاظ سے پہلا مشرقی خیالات کا اظہار کرتا ہے اور دوسرا مغربی یعنی یورپین خیالات کا—

گوالیار سے ایک شخص لکشمی پرشاد جو وہاں کی حکومت کا ملازم ہے سنہ ۱۸۵۳ع سے ایک سرکاری اخبار نکالتا ہے جس میں دو کالم ہوتے ہیں - ایک اُردو میں اور دوسرا ہندی میں - یہی لائق شخص اس سے قبل بریلی سے ایک اخبار نکالتا تھا جس میں اکثر حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین شائع ہوتے تھے' مثلاً ایک مضمون میں دھلی اور لکھنؤ کی اُردو کا مقابلہ کیا گیا تھا—

ملتان سے علاوہ اس اخبار کے جو وہاں پہلے سے موجود تھا' سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اور اُردو اخبار نکل رہا ہے - اس کا نام "شعاع شمس" ہے اور یہ مہاراجہ ہلکر کی سرپرستی میں ایک لائق درویش غلام نصیرالدین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے—

سب سے آخر میں سیالکوٹ سے ایک اخبار "چشمۂ فیض" کے نام سے ماہ جون سنہ ۱۸۵۳ع سے جاری ہوا ہے - پنجاب کے اس شہر اور ضلع (سیالکوٹ) میں جس قدر تعلیم کے فوائد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے غالباً تمام ہندوستان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی - کیونکہ "دی فرنڈ آف انڈیا" (The Friend of India) نے حال ہی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ اس قرب و جوار کے نو سو پچاس دیہات نے وہ خاص ٹیکس جو حکومت برطانیہ نے دیسیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا پیشگی ادا کر دیا' جس کی وجہ سے مجوزہ مدارس بغیر کسی توقف

کے فوراً کھول دئے گئے—

حضرات! میں ابتدائی یا اس سے بھی کم درجے کی سائنس کی کتابوں کے بارے میں جو سنہ ۱۸۵۲ و ۵۳ع میں صوبجات مغربی و شمالی میں شائع ہوئیں کچھہ نہیں عرض کروں گا - میں صرف اُن کتابوں کا تذکرہ کروں گا جو ادب، تاریخ اور فلسفے کے زمرے میں شامل ہو سکتی ہیں - لہذا اس حیثیت سے میں "چراغ حقیقت" کا نام لونگا جس میں صوفیوں کے مذہبی اصول سے بحث کی گئی ہے- یا "تذکرۃ التمکین" کا، جس میں مظاہر قدرت، قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ہے - اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ہے - یا "عجائب روزگار" کا، جو در حقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ہوتا ہے مگر نام بدل دیا گیا ہے - یا "مخزن قدرت" اور "حیات السنائی" کا جو ایک ہی قسم کی کتابیں ہیں اور ان میں مذہبی نقطۂ نظر سے فطرت کی تصویر پیش کی گئی ہے—

مجھے آپ کے سامنے قوانین منو (Laws of Manu) کے اُردو ترجمے "منوسن ہتا" کا اور عربی کے فاضل ادیب ابوالحسن بغدادی المعروف بہ قدوری کے رسالۂ فقہ کا، جس کا نام "مختصر قدوری" ہے اور رام چند کے رسالۂ "بھوت نہنگ" کا تذکرہ بھی کرنا چاہئے - یہ ہندو ادیب جس کا میں آپ لوگوں سے تعارف کرا چکا ہوں عیسائی ہو گیا ہے - اس کی اس کتاب کا مقصد ہندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدہ رکھنے سے باز رکھنا ہے - یعنی درآں حالیکہ یورپ میں لوگ اس قسم کی ارواح سے حقیقی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں، ہندو لوگ یورپین اور عیسائی خیالات سے متاثر ہو کر اپنے ہم وطنوں کو ان پر عقیدہ رکھنے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں—

میں اس موقع پر اخلاقی قاعدوں کو فراموش کرنا بھی نہیں چاہتا - مثلاً "سدھی گُبدھی" جس میں برے اور بھلے اخلاق کا فرق بتایا گیا ہے - یا "بنجارا"

جس میں صاف طور سے دنیاوی چیزوں کی بے ثباتی ثابت کی گئی ہے - یا فارسی " تاریخ کشمیر " مولفۂ محمد عظیم کا اردو ترجمہ - یا سبحان کی " تاریخ فقہاے اسلام " یا " یوسف علی خاں کا سفر نامۂ یورپ " یا اس سے بھی زیادہ دلچسپ " ہندوستان کے غیر معروف حصوں میں فرساں رواے اندور کی سیاحت "۔ آخر کی دونوں کتابوں کا شائع کرنے والا امین چند ہے —

سب سے آخر میں ' قابل ذکر کتابیں امام بخش صہبائی کی تصانیف ہیں ' جن کے نام " حدیقۃالبلاغت " ' " انتخابات نظم " اور " قواعد اردو " ہیں - ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ہے - مولانا صہبائی منشی عبدالکریم کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے - یہ دہلی کے مشہور محلے " چیلوں کے کوچہ " میں رہتے ہیں - وہ ہمیشہ پرانی وضع کا لباس پہنتے ہیں ؛ ان کی داڑھی سرخ رنگی ہوئی ہے اور چہرے پر چیچک کے نشان ہیں - اِس وقت اُن کی عمر ساٹھ برس کی ہے —

سنہ ۱۸۵۲ - ۵۳ ع میں جو کتابیں ایسی شایع ہوئی ہیں جن کا تعلق تخیل سے ہے ' خواہ وہ اصل تصانیف ہوں یا دوسری ایشیائی زبانوں کے ترجمے ' ان میں سے میں صرف ذیل کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں :- " کرشن بالپن " جس میں کرشن کے بچپن کا حال نظم میں بیان کیا گیا ہے ؛ محمد حسین کی " لیلیٰ مجنوں " ؛ " سفینۂ ظرافت " جو ظریفانہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے ؛ "شرح قصائد سودا " جو ہندوستان کے زمانۂ حال کے شعرا کا بادشاہ مانا جاتا ہے ؛ " دیوان درد " جو گذشتہ صدی کے بہترین شعرا میں تسلیم کیا جاتا ہے ؛ "رامائن " کا ایک خوبصورت ہندی اڈیشن اور " انوار سہیلی " کا خلاصہ - انوار سہیلی فارسی ادب کی بہترین

کتاب ہے جس کا حال ہی میں بہت صحیح ترجمہ مسٹر ایسٹ وک نے انگریزی میں کیا ہے' جس سے ان کے ذوق سلیم کا پتہ چلتاہےاور جن کو ہم ان کے متعدد ادبی خدمات کی وجہ سے ایک نیا" ڈی ہیمر " (De Hammer) خیال کرتے ہیں—

حضرات ! میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہندوستان کے اُس انگریز حاکم کی راے سے اتفاق نہ کریں گے جو اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع میں ان کتابوں کا اور خاص کر " باغ و بہار " ' " گل بکاولی " ' " اخلاق جلالی " ' " زبدۃالخیال " ' " پریم ساگر " ' " ست سئی " اور " راج نتی " کا (جو میری راے میں ہندوستانی ادب میں بہت نفیس کتابیں ہیں) نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے اور بچوں کا کھیل سمجھتا ہے جن سے دل و دماغ میں ہرگز اعلیٰ اور شریفانہ خیالات پیدا نہیں ہوسکتے—

یہ آگے چل کر کہتا ہے کہ " راج نتی " کے پڑھنے سے دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو ایک مدہوش شرابی کو دیکھہ کر ہو سکتاہے-حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب " ہتوپدیش " کا صرف ہندی ترجمہ ہے ' جس کی فضیلت کا ہر شخص معترف ہے - اس انگریز کا خیال ہے کہ ہندوستانی لٹریچر کو انگریزی زبان کے ترجموں سے نیا جنم لینا چاہئے - غالباً وہ بھولتا ہے کہ انہی کتابوں میں بعض اس قدر دلچسپ ہیں کہ یورپ میں اُنہیں اس قدر قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ خالص یورپی کتابیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں - مثال کے طور پر میں صرف " الف لیلیٰ " کا نام لیتا ہوں - یہ دنیا کی نہایت دلچسپ کتابوں میں سے ہے اور پھر لطف یہ کہ اس سے ہمیں مسلمانوں کے رسم و رواج کا بھی علم ہوجاتا ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب محض تفنن طبع کے لئے ہے ' لیکن کم از کم " گلی ورس ٹریولس " (Gullivers Travels) سے یقیناً کہیں زیادہ قابل وقعت ہے جس کے بارے میں ایک دوسرے انگریز افسر نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کی راے دی ہے—

حضرات ! میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو کتابیں اس قدر حقارت سے دیکھی گئی ہیں وہ محض افسانے ہیں لیکن تاریخ بھی بسا اوقات غلط ہوتی ہے اور اس کی غلطیاں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں - جیسا کہ " بائی رن " اپنی نظم " لارا " میں لکھتا ہے :—

" ..... تاریخ کا قلم اس کی برائی یا بھلائی کو پورا کرتا ہے - وہ سچ کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے — "

انگریزی زبان سے جو کتابیں ہندوستانی میں ترجمہ ہوئیں ان میں ذیل کی کتابیں قابل ذکر ہیں :- ریورنڈ جے اے شرمن کی " تاریخ متقدمین و متاخرین " ؛ گولڈ اسمتھ کی تاریخہائے روم و یونان یا زمانۂ قدیم کے فلسفیوں مثلاً اسکندر ، ڈی ماس تھنیز ، سسرو وغیرہ کی سوانح زندگی جو پلوٹارک کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ کی گئی ہیں - ایک کتاب جس کا نام " بحری وبری انکشافات " ہے ؛ مارش مین کی تاریخ انگریزوں کا تسلط بنگال ؛ سلطنت چین کی تاریخ جس کو جے ات کا رکورن نے جو ایک اینگلوانڈین اور پر جوش کیتھا لک تھا جسوئٹ مشنریوں کے یک طرفہ معلومات سے مرتب کیا تھا —

مشرقی علم و فضل نیز ہندوستانیوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے (جن کے لئے یہ کتابیں شائع کی گئی ہیں) ، یہ بات بہت ہی قابل افسوس ہے کہ جن کتابوں کا انگریزی سے ترجمہ ہوا وہ تاریخ ، سیاست ، اور مشرقی ممالک کے مذاہب جیسے مضامین پر مشتمل ہیں - مثال کے طور پر ایک کتاب کا ایڈن برا کیبنٹ لائبریری سے ترجمہ ہوا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے؛ یا مثلاً ہندوستان کا جغرافیہ " مرے " کی " اِن سائیکلوپیڈیا آف جیاگرفی " سے کیا گیا ہے : یا تاریخ فارس جو " مادرن ٹریولر " کا ترجمہ ہے اور اسی قسم کی اور کتابیں ہیں - اس قسم کی کارروائی کے معنی حقیقتاً ہندوستان کو وحشی ملک سمجھنا ہے- کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کی بہ نسبت

ان کے ملک کو زیادہ بہتر جانتے ہیں - اگر ہندوستان میں تحریری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو اُس صورت میں بھی ہم اسے صحیح تسلیم نہ کرتے - اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی معلومات مشرق کے بارے میں ہے وہ مشرقی اصحاب قلم ہی کی بدولت ہے—

بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ اصل کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے - نیز اعلام میں بھی بہت کچھ کُد مَد ہو گئی ہے - اگر ان خامیوں کے ساتھ اُن خامیوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو ترجمے کے ساتھ لازمی ہیں تو ترجمے کا ماحصل حقیقتاً ایک بہت ہی نامکمل کتاب ہوگی جس سے ملک کے باشندوں کو اپنے وطن کی تاریخ کے متعلق غلط معلومات پیدا ہوں گی - اگر ہندوستانی زبان میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں تو بھی کوئی وجہ نہیں کہ انگریزی کو فارسی پر ترجیح دی جائے' کیوں نہ فارسی تاریخوں کا ترجمہ کیا جائے یا کم سے کم فارسی تاریخوں پر اُن کی بنیاد قائم کی جائے - اور جو باتیں اس میں صراحت کے ساتھ غلط ثابت ہوں یا خلاف اخلاق تصور کی جائیں ان کو حذف کر دیا جائے - اس قسم کا ترجمہ آسان بھی ہو گا اور دیسی اہل قلم حضرات کی طبیعت کے موافق بھی - اس طریقے کے اختیار کرنے سے وہ اپنے ہی دائرے میں رہیں گے اور ترجمے میں جو فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس سے محفوظ رہیں گے ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ مکھی پہ مکھی مار دیتے ہیں اور ہندوستانی الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں؛ خاص کر ان مترجموں کے ہاتھوں ایسے یورپی خیالات اور تلمیحات کی بڑی مٹی خراب ہوتی ہے جن سے وہ بالکل نا بلد ہیں—

مثلاً آنریبل مسٹر ڈبلیو میؤر نے جو صوبجات مغربی و شمالی کی انگریزی حکومت کے سکریٹری ہیں "ٹیلرس ہسٹری آف محمڈن ازم" کے ترجمے کو جسے دہلی کالج کے چار معلموں نے کیا ہے' بڑے غور سے ملاحظہ فرمایا' وہ بھی میری طرح انہیں نقائص کے شاکی ہیں - اس تاریخ کے پہلے ہی باب میں ان کو ایسے جملے

ملے جو بالکل مبہم ھیں اور جن کا کوئی مطلب نہیں اور جو یقیناً غلط ھیں۔ ان میں سے اکثر کے متعلق انھوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر اشارہ کر دیا ھے۔ اس لائق عہدہ دار کا بیان ھے کہ "یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس اس وجہ سے ھے کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ادب میں اچھی استعداد رکھتے ھیں ان غلطیوں کو فوراً معلوم کر لیں گے اور اس سے ھماری تمام تصانیف اور ترجموں پر بڑا حرف آئے گا"—

ایک بات اور بھی ھے کہ اس ترجمہ کا کام محض مسلمانوں ھی کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ چار میں سے صرف دو مترجم مسلمان تھے اور باقی دو ھندو۔ جن حصوں کا مسلمان پروفیسروں نے ترجمہ کیا ھے وہ خاصے صحیح ھیں؛ لیکن یہ حالت اُس حصے کی نہیں جسے ھندؤں نے ترجمہ کیا ھے؛ اس میں عربی الفاظ کا املا تک غلط ھے۔ اِس کے علاوہ ان ابواب میں ھندو مترجموں نے یورپی مصلف کے اُس طرز تحریر کو جو اُس نے قرآن اور اسلام کے متعلق استعمال کی ھے، نرم کرنے کی کوشش نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ھو گا کہ جو مسلمان اسے پڑھے گا وہ برھم ھوگا، حالانکہ پیغمبر (صلعم) اور مکے کے ساتھہ معمولی تعظیمی الفاظ برابر استعمال کئے گئے ھیں، لیکن ان کا کتاب کے متن سے جوڑ نہیں بیٹھتا —

حضرات! میں اس سے غافل نہیں ھوں کہ اس قسم کی مطبوعات کی سرپرستی سے حکومت برطانیہ کا مقصد محض یورپین خیالات کی اشاعت نہیں ھے بلکہ اس کے ساتھہ مسیحی خیالات کی اشاعت بھی ھے۔ آخری مقصد نہایت قابل قدر ھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ھو سکتا؛ مگر میرے خیال میں یہ مقصد دوسری طرح بھی حاصل ھو سکتا ھے یعنی جیسا میں نے ابھی کہا ھے، مشرقی کتابوں کی اصلاح سے۔ فلسفہ اور مسیحی اخلاق کی کتابوں کے ترجمے میں کوئی ھرج نہیں، بلکہ اس قسم کا ترجمہ در حقیقت ھندوستان والوں کے لئے مفید اور نفع بخش ھوگا۔ اسی وجہ سے میں "رابن سن کروسو" (Robinson Crusoe) کے ترجمے کو اور خاص کر "خدا کے وجود پر فنلن کے خیالات" (Thoughts of Fenelon on the

(E. Rwenshow) "ای راونشا" کو جس کا ترجمہ "Existence of God" کی انگریزی کتاب سے ہندوستانی میں بہت لیاقت کے ساتھہ کیا ہے' بہت پسند کرتا ہوں - در صورت امکان میں یورپ کے بہترین ادبی کارناموں کے ترجمے کا بھی بڑا موید ہوں - چنانچہ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی ہوئی کہ بنارس کے "سدھا کر" اخبار میں شکسپیر کے "مڈ سمرنا ئٹس ڈریم" کا ہندی ترجمہ شائع ہوا ہے - یہ ترجمہ "موچنت آف ویننس" کے بنگالی ترجمہ سے جسے خفیف ترمیمات کے بعد بالکل مشرقی بنا لیا گیا ہے' بہت اچھا ہے - اس میں شبہ نہیں کہ بہت جلد ہندوستانی میں اس نامور انگریز ڈراما نویس کی بہترین کتابوں کا ترجمہ ہو جاے گا اور کیا تعجب ہے کہ اِس وقت دہلی اور آگرے کے تھیٹروں میں بہ مقابلہ پریس کے زیادہ کامیابی کے ساتھہ "میکبتھہ" کا قابل قدر المیہ کھیلا جا رہا ہو' اور ہندوستانی اپنی ہی زبان میں ان پاکیزہ اشعار کی داد دے رہے ہوں جو نامور شاعر نے ڈنکن کے قتل کے بعد "میکبتھہ" کی زبان سے ادا کئے ہیں—

قدیم اُردو

بیجاپور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

(از اڈیٹر)

۲- حضرت شاہ برہان‌الدین جانم

حضرت شاہ میرانجی شمس‌العشاق کا حال پچھلے رسالے میں تحریر ہوچکا ہے - شاہ برہان‌الدین جانم قدس‌سرہ اُن کے فرزند اور خلیفہ تھے - علوم ظاہری اور باطنی کا اکتساب اپنے والد سے کیا- اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے - لوگوں کو ان سے بہت فیض پہنچا - تصوف اور سلوک میں متعدد رسالے تحریر فرمائے - اکثر ہندی زبان میں، جسے ہم ابتدائی اُردو کہتے ہیں، تلقین فرماتے تھے جو اُن کے رسائل سے ظاہر ہے —

مؤلف روضۃالاولیاے بیجاپور نے اُن کی تاریخ وفات صرف پانزدھم جمادی‌الاخری لکھی ہے، سنہ نہیں لکھا ہے - تذکرۂ اولیاے دکن کے مؤلف نے آپ کے وصال کا سنہ ۹۵۰ ہجری لکھا ہے - لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ اُن کا ایک رسالہ (جس کا ذکر آگے آئیگا) سنہ ۹۹۰ھجری کا تصنیف ہے-اور چونکہ یہ سنہ اُنہوں نے خود اپنی نظم میں لکھہ دیا ہے، اس لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی - ہمارے خیال میں یہ اُن کی آخری تصنیف تھی اور اسی سال میں انتقال فرمایا - علاوہ اس کے اُن کی ایک نظم نکتۂ واحد کے نیچے اُن کی زبانی دو " فرمان " لکھے ہیں جس میں سے ایک کی تاریخ ۶- ماہ صفر سنہ ۹۶۷ ہجری اور دوسرے کی

ماہ صفر سنہ ۹۷۷ ھجری درج ھے۔ اس سے بھی صاف ظاھر ھے کہ وہ ان سنین میں زندہ تھے - والد ماجد ھی کے مقبرے میں مدفون ھوے جس کی تصویر پچھلے رسالے میں شایع ھوچکی ھے - ان کا عرس ۱۶- جمادی الاخری کو ھوتا ھے —

میرے پاس اِن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ھے - ان میں سواے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ھیں جو تصوف سلوک کے مضامین پر لکھے گئے ھیں - ان کے علاوہ بہت سے دھرے' خیال اور مختلف چھوٹی نظمیں ھیں- ان میں سے ھر ایک کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ھے —

۱- وصیت الھادی - اس میں ذکر جلی' ذکر قلبی ' ذکر سری اور اسی قسم کی سلوک کی باتوں اور روح کا ذکر ھے- شروع میں دوشعر حمد میں ھیں :—

سکتا قادر قدرۃ سوں سمجھے تجھہ کوں کوئی کیا
جس کوں اوڑے* دیوے راہ کہیا یہدی من یشا
بہ روپ پرگٹ آپ چھپا یا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کوں کر سوجھے پنت

اس کے بعد دوشعر نعت کے ھیں :—

کیا محمد جگ میں پیارا جستھیں † سمجھی راہ
شیطان مدعی پکڑیا بات کیوں کرسکیں جاہ
محمد جس کی پیت پتھنکا اس کوں کیا ھے ڈر
نت اوٹھہ سمریں دل میں اس کوں کلمہ جپنے کر

اِس کے بعد شریعت پر قائم رھنے کی ھدایت کی-دوئی کا اور شیطانی مقامات کا پتہ بتایا ھے اور امر بالمعروف اور انہی عن المنکر کا رستہ سمجھایا ھے - کہتے ھیں :—

---

* چاھے — † جس سے —

امر خدا کا لیاؤ بچا توں نہی تھی منکر ہونا
مقام شیطانی جس کوں کہنا دل تھی سارا دھونا
چلنے کا تو نیم نہوے یہ توشا پھوکٹ کھایا
اس دھات عمر خرچ کیتا آخر پھر پچتایا
تو نفس سوں زھد تقوی راکھیں شرع محمد آوے
ہونت مشغول ذکر جلی سوں منزل ناسوت پاوے

یہ کہہ کر وہ اپنا ذکر چھیڑ دیتے ہیں - آخری شعر یہ ہے :—

ظاھر باطن کا وہ دانا سکتا ہے سبحان
سب پرشاھد مطلق بینا تجھہ پر لیہ برھان

۲- ایک نظم " سُک سُہیلا " کے نام سے ہے - جس کے معنے ہیں سُکھہ کا گیت- سہیلا اصل میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جو تعریف میں ہو - یہاں اسے روحانی معنوں میں لیا ہے - اس نظم کا ہر چوتھا مصرعہ یہ ہے :—

لوکاں یہ مت کچ الادھی جس بوجھہ بختوں لادھی

مثلاً :—

گُن آدم کا نہ ھات چڑھے رے کیوں کہنا انسان
صورت پر اعتبار نراکھیں جیسے ہیں حیواں
بلکہ ان تھی گمراہ کر یوں قرآن میں فرمان
لوکاں یہ مت کچ الادھی جن بوجھہ بختوں لادھی

اوپر کی مثال میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح ھندی اور عربی کے لفظ آپس میں گھلے ملے ہیں - اسی سے ہم اسے ابتدائی اُردو کہتے ہیں - اسی نظم کی ایک دوسری مثال لیجئے جو پوری ھندی ہے اور عربی فارسی لفظ کا نام نہیں :—

پنتھہ اکاس کا ویلکم جانے جل کا مارگ * میں +
سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین
ایسا سادھو بھا گوں لہیں تو چرنو رھنا لین
لو کاں یہ مت .....

یہ حقیقت میں وہ زمانہ ھے جب اردو بن رھی تھی - اس نظم میں کل ۵۶ شعر ھیں اور معرفت کی عام باتیں ھیں جو شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کی ھدایت کےلئےفرمائی ھیں :—

۳— منفعت الا یمان —

شروع دو چار شعر حمد میں ھیں :—

الله واحد سرجنھار دوجگ رچنا رچیا اپار
سگلا ‡ عالم کیا ظہور اپنے باطن کیرے ظہور
دیکھن جوندھی لایا جگ نہ سمجھے اس کوں لگ
غفلت کیتا پر دا آڑ سب جگ لیتا اس میں آڑ $
بھوتوں خلق کیا بچار بھولا سب جگ غفلت مار

نعت : —

نبی کیری بھولے راہ اُن میں تھوڑے حق آگاہ
جس کوں ھورے ارادۂ حق تو وہ بو جھے حق مطلق

اس کے بعد ملحدوں کے مختلف عقائد بیان کئے ھیں اور یہ سب بیان کر نے کے بعد اُن کی تردید کی ھے اور مریدوں کو اس سے بچنے کی ھدا یت فرمائی اور خدا کی توحید اور اس کی عظمت کا بیان کیا ھے - یہ نظم بہت صاف اور اچھی ھے - مثال کے طور پر دوچار شعر ملحدوں کے عقائد کے متعلق اور دوچار نصیحت کے بیان سے نقل کئے جاتےھیں :—

---

* رستہ + مچھلی ‡ سب $ پڑہ

کوی کہیں سب عشق تہام عشق کی انگہیں● کیا ہے فہام□
عشق لیا ہے سب پھر باس عشق تہی سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھہ معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھہ
ایک جمع سب پکڑیا بار جونکے بیچ تہی نکلیا جھاڑ△
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول شاخ برگ سب دیکھہ اصول
ایک جمع کر راکہیں بار بیج بنے کا نا ہیں بہار
ایکی بجین بیج اپار بیج بنے سو سگلا جھاڑ
کوی کہیں یہ دیکھہ مقیم یو سب عالم ہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے جیسا تیسا سمجھیا ہوے

نصیحت کے بیان سے چند شعر لکھے جاتے ہیں —

ایسا مالک ایکہ ہوے ملکت نا ہیں دوجا کوے
جے اس شرکت ہوتا آد ہوتا کل جگ مانہ فساد
جے ایک شاہ پر دوجا اور تو اس غوغا اٹلا شور
کدرے⊗ ملک تہی امن امان حاکم حکم یوں کرتا جان
وہ سب شاہد عالم کا مالک وہ جگ سالم کا
نروپ نردھار روپ بسے سب جگ ادھار وہی دیسے
قدرت سوں کرسب جگ زیر جوں اس بھاوے دیوے پھیر
ایسا بیچگو نہ جان اس پر لیا ویں کون ایمان

آخری شعر یہ ہے :—

بندے سگلے نا تواں اللہ راکھے آپ پنہاں =
یوں فرماے شاہ برہان اس میں آہے نفع ایمان

● آگے □ فہم △ درخت ⊗ صفقود ہونا = پناہ

اس نظم میں کوئی ایک سو بیس شعر ہیں—

۴- نکتہ واحد-

یہ نظم بارہ شعر کی ہے جس میں توحید کی تلقین ہے اور ہر حرف ابجد سے کوئی لفظ بنا کر ہدایت فرمائی ہے - پہلا شعر یہ ہے—

نکتہ واحد اپیں احد ہے الف ذات الٰہ صمد ہے
ب بہ* روپ کر آپیں ایکہ ت تہام سے پرگٹ لیکھہ

اسی طرح 'ی' تک لکھتے چلے گئے ہیں—

اسی کے ساتھہ دوسری نظم بھی اسی قبیل کی ہے - اس میں بھی ہر شعر کی ابتدا میں حرف ابجد ہے اور اس سے لفظ لیکر شعر کہا ہے- مثلاً

الف ایہاں الٰہ پر لیاؤ ان سب جگ نپایا
ایسی قدرت بہ بھانت رچیا آپس آپ چھپایا
ز زینت دنیاں کا چھوڑیں زحمت جاوے نھاس†
زیادتی تو ہت نہ آوے زیان انپڑے پاس

اس میں کل اُنتیس شعر ہیں - عربی حروف ابجد اٹھائیس ہیں - لیکن آخر میں ایک شعر 'پ' کا اور بڑھا دیا ہے - وہ یہ ہے:—

پ پورا جے طالب ہوے پرنور اس کا دل
پاک پند شا برہاہ آکھے پیارے حق کے واصل

۵ - نسیم الکلام -

پہلے قرآن کی ایک آیت لکھی ہے' پھر اس کا مطلب اپنی زبان میں ادا کیا ہے - آیت کے ساتھہ کہیں حدیث بھی لکھہ دی ہے - دو چار شعر اس طرح لکھہ کر پھر وہی مطالب بیان کئے ہیں جو بعض اوپر کی نظموں میں ہیں - اس میں کل ۴۵ شعر ہیں—

---

* بہت † بھاگ

۶ - رموزالواصلین -

یہ نظم بھی اُسی قسم کی نظموں میں سے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے - اس میں نور، روح، دل و نفس کی شناخت کا ذکر ہے اور اُن کے مقام فنا و خدا سے بحث کی ہے - مراقبۂ نفس، مراقبۂ دل، مراقبۂ روح اور مراقبۂ نور کے اصول بتاے ہیں اور اس کے بعد محققانہ گفتگو فرمائی ہے اور وصل و فراق، اعلیٰ عاشق اور ادنیٰ عاشق، تجرید و تفرید کا بیان فرمایا ہے - یہ سب کچھہ ہے لیکن کوئی خاص ایسی بات نہیں جس کا ذکر یہاں کیا جاے - نظم اس طرح شروع ہوتی ہے—

الله پاک منزہ ذات	اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار	سنتا، دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات	اس کوں ناہیں کہ ممات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات	جوں کہ چندنا چاند سگات
احدیت وہ ذات اپیں	بعد از صفتاں اُس پچھیں

نظم کے آخر میں نظم کا نام بھی بتا دیا ہے—

یو سب بولیا مختصر	جن وہ لوڑے دے نظر
نانوں ہے رموزالواصلین	سالک پر دیکھہ آے یقین
.....	.....
تمت اس تھی کیا تمام	حق تھی بولیا حق کلام
رموزالواصلین کہی بیان	بلدگی حضرت شاہ برہان

۷ - بشارت الذکر -

اس نظم میں ذکر جلی و خفی، قلبی و روحی کا ذکر ہے - سات شعر ہیں جس کا اظہار انھوں نے خود کر دیا ہے - آغاز یوں کیا ہے—

الله اسم ذاتی دھوں جگ ازل	جلی ہم خفی در کیا ہے فضل
شرت نام دیتا سہسر اُپر	ملا ئیک جن جگتر اُپر

دھوں جگ سمریں اللہ ٹیک نام — کہ مخلص و عابد جپے ہیں مدام
خلیل مجب صادق ولی اتقیا — اسی نام سیتی محیط دل کیا

آخری شعر یہ ہیں :

یہی حال واصل تو بوجھیں صفا — کہ رمزی خفی ہے صفا در صفا
نظم دیکھہ کیتا گنت سات یہ — یک یک آن سوزوں کیا پات یہ
خلاصاء مذکور نمودہ تمام — بفضل النبی علیہ السلام

۸ - حجت البقا -

اس نظم میں خدا کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی تلقین ہے - شروع یوں ہوتی ہے—

آپ واحد وہی یکت — دیکھہ قدرت کیا بکت
جے دھاوے • اس کے پنتھہ — نہ سمجھا کس یہ انت
ان اپیں اپرم پار — نہ کھوجت پاویں تھار
بیچوں چگونہ جان — کیوں کرتا اس بکھان
جے نظروں دیکھہ نہ آرے — نہ بوجھیں بوجھیا جارے
یہ معما بہت فکر — جے دھاوے اس کی دھیر

آگے چل کر یہ نظم سوال و جواب کی صورت میں ہو جاتی ہے - سوال طالب کی طرف سے ہے اور جواب مرشد کی جانب سے - اس کی صورت انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ ایک طالب تھا جسے علم کا غرور تھا اور سر میں خودی سمائی تھی، مگر چونکہ کسی سے ارادت اور محبت نہ تھی اس لئے بے بہرہ تھا - مرشد کی ہدایت نہ ہونے سے اس کا سارا علم اور اس کی ساری ریاضت بیکار تھی - اس نے سنا کہ کسی جگہ ایک مرشد کامل اور صاحب عرفاں ہیں - اسے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اسے چل کے آزماؤں - چنانچہ

• دوزے

وہاں پہنچا اور اُن نے سوال کرنے شروع کئے اور مرشد نے اس کے جواب دئے۔ آخر میں وہ قائل ہو گیا اور سارے شکوک رفع ہوگئے اور مرشد کے پاؤں پر گر پڑا —

طالب کا حال وہ یوں بیان کرتے ہیں :—

آپ خودی کی مت لیتا — کہیں یک چت سیوا نہ کیتا
ناست کا گرو میلا یا — جے پھوکت * جرم گنوایا
بھو بھول بکار میں ماتا — اور تفصیل میں نہ دھاتا
اور علم پڑھیا تھام سارا — بن مرشد تھا بے بارا
وہ زھد شرع ور زور — بن دل کی بیتی اور
اور دایم صلات صیام — نہ بن بندگی دوجا کام
وہ جپے ورد مدام — کچھہ تاثیر مکھہ کلام
کرے جہد ریاضت ساری — بن مرشد پرھیزگاری

....

ولے بولا بولے بول — دل اندھا سینہ پھول
جوں علم ابلیس کیتا — کیا فائدہ آخر لیتا

....

بے ارشاد خالی کام — سب کھت پھت دیکھہ تمام
لی+ایسی اُن مت پایا — آپ کر بھوں آپ سمایا

مرشد کی کیفیت یوں بیان کی ہے :—

یک مرشد مستحق — درمستی مستغرق
وہ صاحب توحید — اور تجرید کا تفرید

---

* فضول - مفت میں — + بہت —

اورخلوت کرے مدام　　نہ کس سوں اس کا کام
وہ دوست حبیب اللہ　　کی مرشید ھادی اللہ
اُن سنیا ایسا جب　　اس دیکھنے کیا طلب

اس کے بعد اُن کی بعث اور سوال و جواب شروع ھوتے ھیں، آخر طالب قائل ھوجا تا ھے اور جب :—

اور ھوا تسلی دل　　ھو رھیا وصل مل
ان پایا اُنند سکھہ　　تو بولیا اپنے مکھہ
" میں ثابت لیاو ایمان　　سب ٹوٹا مجھہ گمان
مجھہ کدرے دل کے بھول　　جے حق لیا و قبول
حق پایا جے مکھہ تجھہ　　من مراد حاصل مجھہ"
یوں کہہ پکڑیا پانوں　　"مجھہ تیری ھونا چھانوں"

اِس کے بعد وہ جہل و الحاد کو ترک کرکے پیر کے گن گانے لگتا ھے - نظم کا خاتمہ اِن اشعار پر ھوا ھے :—

یو (جانم) لکھیا بول　　لیہ یک یک معنا کھول
جی سنکر پکڑیا یاد　　لیا کیتا سب سواد
جے ھوویں لوک عوام　　بے مرشد بے فہام
جے برتیں خود قیاس　　نہ بوجھیں راسک راس

اس نظم کے کل اشعار (۸۰۵) ھیں —

۹- ایک نظم اس نام سے ھے :—

" مسافرت شیخ خان میاں و بیان خلاصۂ حضرت! شاہ برھان صاحب "

خان میاں ' حضرت شاہ برھان کے مرید معلوم ھوتے ھیں ' انھوں نے جو جو مقامات طے کئے ھیں اور وھاں جو جو کچھہ دیکھا ھے اُسے " مسافت " کے نام سے موسوم کیا ھے - ھر مسافرت کو ایک شعر میں ادا کیا ھے - اس کے بعد

" بیان خلاصہ " کے نام سے حضرت شاہ برہان نے اُن مشاہدات کی تعبیر کی ہے جو خان میاں نے ہر ہر مقام پر دیکھے ہیں اور جنھیں وہ خود پوری طرح نہیں سمجھے - لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ اشعار بجنسہ شاہ صاحب کے ہیں یا خان میاں نے اپنے پیر کے ارشادات کو نظم کردیا ہے - قیاس یہ ہوتا ہے کہ خان میاں نے اپنی مسافرت لکھکر دی یا بھیجی اور شاہ صاحب نے اس کے جواب میں اس کی تعبیر بیان کی - لیکن نظم کا خاتمہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم کا لکھنے والا یا مرتب کرنے والا کوئی شخص راجو نام ہے اور وہ بھی شاہ برہان صاحب کا مرید ہے چنانچہ وہ کہتا ہے :—

راجو بولے بیان خلاصہ حقیقت کی بات
خان میاں مسافرت کیتے یکبیس اور سات
دل میں فکر کر اس کا معنا لکھیا میں کچھہ یاد
دل کیاں آنکھیاں جس کوں ہوئیں وہ سن ہوے شاد

اس سے یہ امر مشتبہ ہوگیا ہے کہ " بیان خلاصہ " کے نام سے جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ شاہ برہان کی تصنیف ہیں —

۱۰ - ارشاد نامہ

یہ شاہ برہان کی سب سے بڑی نظم ہے - اس میں تقریباً اڑھائی ہزار شعر ہیں - پہلے حمد میں کچھہ شعر ہیں :—

الٰہ سنوروں * پہلیں آج کیتا جن یہ دھوں جگ کاج
جگتر کیرا توں کرتار سبھوں کیرا سرجنہار
....
ترلوک نر جے سمریں مل نت بکھانے ہو تلتل+
سب جگ روں روں‡ ہوے کلام جپیں ہردم لاکھوں نام

---

* سراہوں + ہر لحظہ ‡ روان روان

سپت● سمدر † سیاهی بهریں　　سب روکهه تنکے قلم پهریں
دهرتی آکاس کئے پتر　　لیکهن بیٹهه کریں چتر
قیامت لک جے کریں بهتّنت‡　　فاتجهه قدرت هوے گنّنت$

....

ایسا رچهیا دیکهه نندّاں §　　کیتا چند یں لکهه جهاں
دهرتی کیتا اور اکاس　　سنکت دوجا نا اس پاس
چندر سورج چندنیاں⊕ سات　　کیتا مانس دین اور رات
اور ملائک حور پری　　باراں بحر خشک تری
رچیا دوزخ اور جنت　　نیکی بدی کیا گنت
اِچها ۹ اپنی کیا جگت　　کس دیه بندهن⚔ کسی مکت⚭
سب کی پروے ‡‡ من کی آس　　اچهیا اوزیں⊗ بهوگ بلاس
سب کی کیلی⌑ ترے هات　　جوں تجهه بهاوے هرهردهات⟐

اس کے بعد نعت میں کچهه اشعار لکهے هیں - مثلاً :—

ختم نبوت جس کا نام　　بهیجیا درود اور سلام
اب میں سنوروں کروں بکهان　　نازل هوا جس فرقان
احمد محمد جس کا نانوں　　روز قیامت اس کا چها نوں
پرگٹ کیتا جس اسلام　　دهوں جگ سمریں جس کانام

نعت کے بعد اپنے پیر اور والد میرانجی شمس العشاق کی صفت بیان کی هے :—

● سات　† سمندر　‡ بهتّئی　$ کسی
§ دنیا - کائنات　⊕ سیارے　۹ مرضی　⚔ غلامی
⚭ تاج　‡‡ پوری کرے　⊗ خواهشیں　⌑ کلنجی
⟐ طرح ' قسم

صفت کروں کچھہ اپنا پیر　　جستھی روشن ہوی ضمیر
دوھوں جگ مانہ مجھہ میت وھی　　سمروں لیہ من نیت وھی
تس کوں سمریں تن من شاد　　جس کا آھے مجھہ پر ساد
جگ میں آھے تہیں رتن　　ھردیں⑫ میں لیہ کروں جتن
راکھیا کندن کر اس ٹھانوں　　تلتل سمروں نیہ اس نانوں
پیر میرانجی شمس العشاق　　دھوں جگ رب تجھہ کیتا کشاف
شاہ میرانجی منجھہ ھے پیر　　ھے کنونتا گیان گنبھیر
آھے تیری یہ بنیاد　　چشتیاں کیرا ھے خانواد
جے کوئی آھیں اندر چشت　　ان کوں آکھیں اھل بہشت
پیر وھی منجھہ ھے مرشید　　نت بکھیا نے ان توحید
سنتیں کھولیں دل کے پاٹ　　روشن ھوے حقیقت باٹ

پیر کی صفت وثنا کے بعد وجہہ تالیف کے متعلق کچھہ شعر لکھے ھیں اس میں شاہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد اور والد ماجد کی طرح⊙ "ھندی" میں لکھنے کی وجہ اور معذرت کی ھے اور لکھا ھے کہ ظاھر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو - لفظوں کہ نہ دیکھو اور معنے پر خیال کرو - ھندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ھے - اس سے ظاھر ھے کہ ان کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ اس زبان میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے بلکہ عیب خیال کرتے تھے - فرماتے ھیں —

عیب نہ راکھیں ھندی بول　　معنے تو چک دیکھہ دھنڈول
جونکے موتی سمدر سات　　تاہر میں جے لائیں ھات

---

⑫ ھردے　　⊙ ملاحظہ ھو اردو جلد ھفتم حصہ بست و ششم (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۷ع)

کیوں نہ لیوے اس بھی کوے　　سہانا* چطور† ہے کوئی ہوے
ہیں سمند‡ کے موتی یو　　گیان رتن کے جوتی یو
گھڑیا یو ہے مشقت سوں　　جتن راکھیں شفقت سوں
جیو کے منکے جاگے سوں　　محبت کیرے دھاگے سوں
موتیوں کیرا تھا انبار　　پرو کیتا ہاریں ہار
گوہر جے کوئی ہوے شناس　　سو ہی چن چن لیوے خاص
ارشاد نامہ اس کا نام　　لوڑے⊕ فکر اسے مدام
ہندی بولوں کیا بکھان　　جے گُر پرساد تھا منج گیان

اس کے بعد کتاب کے مضمون سے اطلاع دی ہے—

شریعت، طریقت، حقیقت سوں　　مجمع لیا یا معرفت سوں
جے کچھد کیتا اس میں سوال　　جواب انپڑیا ہے در حال

اب اصل کتاب شروع ہوتی ہے - اس کی صورت بھی سوال و جواب کی ہے - سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے - اس میں وہی باتیں ہیں جو صوفیا کے کلام میں بار بار دہرائی گئی ہیں اور خود ان کے کلام میں بھی کئی بار آچکی ہیں - مثلاً حدوث و قدم، ذات و صفات، جبر و قدر، روح و نفس، کفر و اسلام، دوزخ بہشت، شہود و وجود، دیدار الٰہی، سلوک، عرفاں اور مقام شیطانی وغیرہ وغیرہ —

تصوف ہماری ادبیات، معاشرت اور زندگی کے ہر شعبے میں رچا ہوا ہے (شاید ہماری سیاسیات بھی اس سے خالی نہیں ہے)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک لاش ہے جس میں روح کا نام نہیں اور جسے ہم صدیوں سے پیٹتے چلے آتے ہیں - یا ایک شاندار درخت ہے جو اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے؛ کہنے کو درخت ہے مگر صرف ایندھن کے قابل رہ گیا ہے - یا ایک خوبصورت اور نامور عمارت کا کھنڈر ہے

---

* سہانا　† چتر　‡ سمندر　⊕ چاہے

جس کی تعریف کردینا ہی ہمارے ذوق سلیم کی دلیل ہے - یا ایک قبر ہے جو اپنے پر عظمت گنبد کی وجہ سے بچ رہی ہے - بہت سوں نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا ہے - پیشے کی بدولت بہت سی مقدس چیزیں کھیل تماشا بن کر رہ گئی ہیں - یہ بھی محفل کے گرمانے کے لئے ایک لطیفہ ہو گیا ہے - تصوف اب اس کا نام کہ چند اصطلاحیں یاد کرلیں یا چند آسن یا ذکر رٹ لئے اور نہیں تو کم سے کم لباس ہی میں جدت پیدا کرلی - حسن و عشق کے چرچے میں جب کچھہ مزا نہ رہا تو تصوف نے ہماری غزلوں میں چاشنی پیدا کر دی - کسی شعر میں تصوف کی اصطلاح کا آجانا ہمیں وجد میں لانے کے لئے کافی ہے - مایوسی اور ناکامی، غفلت اور کاہلی کا سہارا اب یہی رہ گیا ہے - اور کیا ستم ظریفی ہے کہ ریا کا دشمن خود ریا کے لباس میں جلوہ گر ہے - اور اب تو اس کی لے اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ شاید چند روز میں ہمیں اپنی یونیورسٹیوں میں اس کے لئے کوئی ڈگری قائم کرنی پڑے—

غرض، تصوف ایک قسم کی روحانی سفطے ہے جو لفظی داؤ پیچ اور مبہم بیانات کا مجموعہ ہو گیا ہے - اسی قسم کے بیانات اور نظموں میں بھی ہیں جن سے نہ تزکیۂ نفس کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ اخلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے - مگر ہمیں ان مسائل سے کچھہ بحث نہیں ہے - ہمیں اس کلام سے اردو زبان و ادب کی تاریخ میں مدد لینی ہے اور یہ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے—

نظم کے آخر میں شاہ برہان نے اس کا سنہ تصنیف بھی بتا دیا ہے اور جہاں تک ہمارا قیاس ہے یہ اُن کی آخری تصنیف ہے اور غالباً اسی سنہ میں اُن کا انتقال ہو گیا - وہ اشعار جن میں اُن کے نام اور سنہ کا ذکر ہے، یہ ہیں:-

یہ سب بولیا ہے انجان عابد عاجز ہے برہان
ہجرت نہ صد نود ساں ارشاد نامہ لکھیا جان

کتابت اس نظم کی ۱۳ صفر سنہ ۱۰۶۸ ہجری میں ہوئی—

علاوہ ان نظموں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیالی، دھرے بھی لکھے ھیں، جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ھے - ھر دھرے کے ساتھہ اس کی راگ راگنی بھی لکھہ دی ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ شاہ صاحب کو موسیقی سے خاص ذوق تھا - خاندان چشتیہ کے بزرگ موسیقی کو مباح ھی نہیں سمجھتے بلکہ روحانی ذوق پیدا کرنے اور روحانی مدارج طے کرنے میں اسے بہت بڑا مدد خیال کرتے ھیں - دھرے ھندی بحروں میں اور ھندی طرز کے ھیں، جن میں روحانیت اور عشق و محبت کا راگ لگایا ھے-البتہ ان میں بھی اُن کی دوسری نظموں کی طرح ھندی الفاظ اور اصطلاحات کے ساتھہ کہیں کہیں فارسی اور عربی لفظ اور اصطلاحیں بھی پائی جاتی ھیں اور جس طرح ظاھر میں ھندی، فارسی اور عربی کے میل جول کو ظاھر کیا ھے، اسی طرح باطن میں ھندو مسلم خیالات اور تہذیب کے ارتباط کا رنگ بھی نظر آتا ھے اس میں ذرا شبہ نہیں کہ صوفیا نے ھندو مسلم تفرقے کے گھٹانے، امتیازات کے مٹانے، خیالات کی اصلاح کرنے اور آپس میں میل جول بڑھانے میں بڑا کام کیا ھے - جب سے اس فرقے کے ھادی پیشد ور ھونے لگے اور اُن کے دلوں کی قوت گھٹ گئی، تو اُن میں وہ اثر بھی باقی نہ رھا —

خیالوں کے بعض اشعار نمونے کے طور پر یہاں لکھے جاتے ھیں :—

اب سندیسا مجھہ ھے شہ کا — جب کب بھاگوں اتر ملے
پیر پرم کے ھیرے میرے — نینو مانہ جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری — نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکھیں میری آگ بلے کیوں — سپنے دیکھوں سوے کھڑے
قول پیا تجھہ آس لگی من — آس لگی تجھہ پاس رھیں
جب کا جھانسا تین مجھہ لایا — یک تل نہ مجھہ ساس رھیں
نہ کا پینسا مجھہ کوں لا گیا — لوک دیوانی دیکھہ ھنسیں
جگ کی ھانسیں کیا مجھہ ھوے — کہو سریجن کہاں بسیں

نس دن پیئے چنتا تن ماس سب گلے گا
کھڑی پرت سو میری سل دل کا ہو سلے گا
جل بل سو دیکھہ روتی نینو سو انجو جوتی
پلکاں سوں بند موتی گل ہار ہو ڈھلے گا
پیئے کے سروپ مکھہ تھی گذری سو اپنی سوکھہ تھی
شہ کے فراق دوکھہ تھی تن من جیو جلے گا
پیئے مل مجھہ بساری بیدھن* لگیا سو کاری
تلتل کروں سو زاری کیوں پیئے سوں ہت چلے گا

شاہ صاحب کے دھروں کی نظم کی دو ایک مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں :—

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھہ کوں تب لگ ہرنا نور
جب لگ سپنا نہیں چھوڑیا کان کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ہو نراں
یوں سب تن میں من بر تن دیکھہ چھوڑیں اے سکھہ دکھہ
دکھہ سکھہ دونوں یک رسی تو پاوے سہج کا سکھہ

پیاری توں کہہ نہ بھولی کس سنگ، تغیر دستا تیرا رنگ
جیوں آئنہ پکڑیا زنگ، عاشقی کے ایسے ڈھنگ
جس بھولی توں جگ بھلایا ایسی بھولی بھول
اُس بھولی سو پھول کھلے کبھیں نہ ہوے مخمول
ادگ حور تھی اُس کا اوسول [اصل ؟]

---

* چوٹ = چرکا —

بھولنا اُس کا جیوں زلیخا بھولی یوسف گیان
سب تھی اپسیں دور کرنا کہی لائی اُسی سوں دھیان
توپائی سب میں سان پھر خالق نے کیا جوان
آکہیں [جانم] پرت سب میں ہے نہیں کوئی اس تھی بھار
او زرا • ہے سب میں ظاہر ساریوں ادھار
کرو پرت یوں ہو بچار ' عشق توی ہے قائم قرار

ہول پڑی اس نگر میں ساتی بچھڑیا میرا
پو چھیں سندیسا مجکوں حال کیا ہے تیرا رغیرہ

آپیں جرگی ' سب جگ چیلا
آپیں الیک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا
نیکی بدی وے دو مندرے *بھایا
کلمہ نبی کا پنتھ مارگ لایا
تن کا کنتھا کر سب چیلوں پنھایا
بندگی ہیبوت کرفت اتھہ لایا
یقین جوگ دنڈا تکیہ خاصا
اجیا کچھوٹی دے بندی پاسا
اس تن کے متھہ میں وارل کاباسا
دھر تری پتر پھر بھو جن کیتا
با دل پھوڑواکر پانی دیتا رغیرہ

• ذرہ— † مندرے

میرے پیا کو پرت سوں کروں گی اپنا
تس دن سیرا کروں گی جپنا

.....

جانم پیو سوں پرت جن لائی
سب ری سکیاں میں اُن پر پائی
جس گھر پیا جی اس گھر بدھائی

جن دیکھی پیو اپنا اُسے اور نہ بھاوے
دھوں جگ مانند دیکھتیں نہ کوی پیو کے آوے
روپ کہوں تس پیو کا نا کوی خاطر لیاوے
بن روپ جی آرے جانسی نا کوی دیکھن پاوے
ایسا مشکل بولتیں جسے رہی سمجھاوے

.....

آکھے جانم پیو آپ وہ بے مثل کہاوے
تجھ سوں مل ترے رنگ سوں بے رنگ جناوے
ہے کوی گذرے آپ تیں پھیر آپ نجھاوے

آج کی رین سوہاگ کی سکھی شہو منائیں نہ کاہے
ایسی رین سو لکھنی پھر بہور نہ آوے

.....

برہان شاہ صاحب کی نظم بالکل سادہ ہے جو اکثر صوفیا کا رنگ ہے، لیکن بعض مقامات پر سادگی کے ساتھہ کلام میں شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً —

بن عشق بدہ کو سوج نہیں
اور بن بدہ عشق کی گوج نہیں

دکھہ سوکھہ مانت ایسا بھاو بھری ندی میں جیسا ناو
یا جوں چینڑو* کیری دھات تلے کھاوے نہتیں ھات

جے آپ کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

روت کوئل کرے پکار سور ناچے پنکھہ پسار
یہ ایسا سہج سبھاو دیک اپنی اپنی چاو
یہ سورج دیک تاپے چند چندنا سیتل راکھے
ان تاریاں کا انبار دیکھہ معلق پکڑیا ٹھار

کون اکاس میگھہ بھراوے کون بارا دیکھہ چلاوے
کون آسمان دیتا تان کون رچیا دھرت منڈان
کون معلق رچیا بارے چندر سورج دیکھہ ستارے
یوں جیتا مخلوقات یوں کل شے ھر ھر دھات
کون مارے کون جلاوے کون حکمت میں یہ آوے
ولیـــــک مثلي جان کہاں اُس کا پاویں ٹھان

بے مثل نا مانند کوچھہ کہنے میں نہ آوے پوچھہ

---

* گھند

جس وہ جنائے یا دکھائے　　تو کچھہ سمجھے دیکھن پائے
سمجھیا سو نا کہنے جوگ　　دیکھیا سو نا دیکھے بھوگ
کہنے آئے نہ سننے بات　　جس پر جورپا ہے ثبات
عارف سالک عاشق لوک　　وصال بن یہ سارے پھوک

اکثر نظموں کی بحر ہندی ہے اور زبان میں بھی ہندی کا رنگ غالب ہے جو ابتدائی اُردو کا رنگ تھا - وہ اپنی نظموں میں ہندو مسلم دونوں کے قصوں اور روایات سے کام لیتے ہیں - اوپر کے ایک ٹکڑے میں یوسف زلیخا کی تلمیح پائی جاتی ہے - ایک دوسری جگہ انہوں نے سری کرشن جی کے قصے کی طرف اشارہ کیا ہے—

سولا سہس گوپن کا نا بال برم تو چاری
یو دیکھہ بھوگ ابھوگی ہونا لوڑے گیان بچاری

وہ عروض اور نظم کے اصول و قواعد کی مطلق پرواہ نہیں کرتے - اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں - ضرورت شعری کے لئے لفظ کی ہیئت بدل دیتے ہیں: ساکن کو متحرک، متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں: اشباع اور امالہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں—

میرے پاس کے مجموعوں میں حضرت برہان الدین کی غزلیں بھی ہیں - چونکہ ابھی میں یہ صحیح طور سے تحقیق نہیں کرسکا کہ یہ وہی برہان الدین ہیں اس لئے میں نے انھیں نظر انداز کردیا ہے -

علاوہ نظم کے نثر میں بھی ان کے بعض رسالے ہیں، خصوصاً کتاب کلمۃ الحقائق جس کے میرے پاس دو نسخے ہیں، قابل ذکر ہے - یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل جواب و سوال کے طرز پر بیان کئے ہیں - شروع یوں ہوتا ہے:—

"الله کرے سو ہوے کہ قادر توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی

کرنہار، سہج سہج سو تیرا تہار و سہج ہوا بھی توج تھی بار - جدھاں کچھہ نہیں بھی تھا تہیں، دوجا شریک کوئی نہیں - ایسا حال سمجنا خدا تھی خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے''—

کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ سوال اور جواب دونوں فارسی میں ہیں، مگر یہ بہت کم ہے، تقریباً تمام کتاب دکھنی اُردو میں ہے - عبارت کا نمونہ دکھانے کے لئے دو سوال و جواب نقل کئے جاتے ہیں :—

سوال - یہ تن الادھا * دستا ولیکن جیتا بکار سو توتنے نہیں بلکہ ستنتر بکار روپ دستا ہے، یک تل قرار نہیں، جیوں مرکٹ روپ —

جواب - اے عارف ظاہر تن کے فعل تھی گذریا و باطن کرتب دستے، اس کا نانوں سو ممکن‌الوجود - دوسرا تن سو بھی کہ اس ایندرین کا بکار و چیشتا کرنہارا سو وھی تن نہیں تو یو خاک و سوکھہ دوکھہ بھوگن ہارا - جیتا بکار روپ وھی دوسرا تن، تو توں نظر کر دیکھہ یہ تن فہم سوں گذریا تو گن اُس کی کیوں رہے—

سوال - جوں باو آیا نیکل گیا ولیکن جہاز کا ڈول تو رہا—

جواب - صحیح، ولیکن پت جہڑی ہوے جہاز کوں تو بارا ناہے، ایسے سب تیرے نفس کے فعل کے پات تیری روح کے سات لگے ہیں - وہ بارا سو نفس اس سبب جھولے میں پڑیا تو پس وہاں کا بھی دیکھن ہارا ہو - وہاں کے بکار روپ کا جیتا چیشتا ہوتا جہاں تھی سوچ - دوسرا تن، وہ توں اس کا الادا دیکھن ہارا، سو اس میں نکو گن - ایسا بکار روپ سو روح کا مرکب - وہ جیسا تن یہ ویسا چہ اسی کا عکس - وہ تن قدیم میثاق کے وقت کا - اول وہ تن بازد + یہ تن، اسی کا عکس یو، ایتال کے دیکھنے میں اس کا عکس وہ - یو تن وقتی در سیری و طیری کناری ہوتا ہے - وہ روحانی تن ملائکاں و حوراں یہی تن دھرتے ہیں و بت و قویس یہی تن دھرتے ہیں - وہ جیسا جز نا پاک بتوں کے یہ جیتا اس تن سوں - اس تن

---

* علیحدہ + بعد از

سوں شہوت، حرص، ہوا خمس کا مورچا - اس کی صحبت سب اُسے اُزار ہوتا ہے جیوں لوہا - صحبت میاں بھوگنا، سونگنا، چاکھنا، دیکھنا یہ سب فعل سب اس تن کے - یہ کیا بازد گن سب رہے بلکہ زیادت دیکھلا آئیں گے - ایسا قدرت خدا کا فہم میں آنا و نظر میں نہیں دستا ولیکن دل کا نظر باطن اس میں آتا ہے تو توں اس کا فہم دار ہو و دوزخ و بہشت، حساب سب اس سوں تعلق دھرتا ہے - تا توں وتے سب فعل پر قادر ہو الادھا، تو توں اس کا شاھد ہو و جواب دیہ —

اب مجھے شاہ صاحب کے کلام کے متعلق کچھہ عرض کرنا ہے - اس سے قبل اس رسالے میں دکنی زبان کی بعض خصوصیات کے متعلق کئی بار لکھہ چکا ہوں لیکن اس وقت مجھے دو ایک باتیں خصوصیت کے ساتھہ بیان کرنے کی ضرورت ہے —

یہ بات ظاہر ہے اور کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ جو زبان ہم بولتے اور لکھتے ہیں اور جسے اس وقت اُردو کہتے ہیں وہ ہندی ہی سے نکلی اور ہندی ہی سے بنی ہے - ابتدا میں بڑا فرق جس سے اس کی الگ حیثیت قائم ہو گئی، یہ تھا کہ یہ فارسی حروف میں لکھی جاتی تھی مگر نام اس کا بھی ہندی ہی رہا - اور قدیم اُردو کی کتابوں ہی میں نہیں بلکہ بہت مدت بعد تک یہ زبان ہندی کے نام سے موسوم رہی - چنانچہ میر حسن دہلوی نے جو اُردو شعرا کا تذکرہ لکھا ہے اُسے وہ اپنے دیباچے میں "تذکرۂ سخن آفرینان ہندی زبان" فرماتے ہیں - ریختے کا لفظ بعد میں آیا ہے - جب یہی زبان دکن میں آئی اور اس میں دکنی لفظ اور لہجہ داخل ہوا تو دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو اسی خصوصیت کی وجہ سے گُجری یا گُجراتی کہی جانے لگی —

شاہ برہان صاحب نے اپنے کلام میں کئی جگہ اپنی زبان کو گُجری کہا ہے - مثلاً وہ کتاب حجت البقا میں فرماتے ہیں:

جے ہویں گیان بچاری، نہ دیکھیں بھاکا گُجری

یعنے جو صاحب عرفاں ہیں وہ گُجری (گُجراتی) زبان کا خیال نہ کریں گے - ایک

دوسری جگہ اپنی کتاب ارشاد نامہ میں مرشد کی زبانی لکھتے ہیں:

یہ سب گُجری کیا زبان
کر یہ آئنہ دیا نما

نثر کے رسالے کلمۃالحقائق میں بعد حمد و نعت یوں لکھا ہے:

" سبب، یو زبان گُجری، نام ایں کتاب کلمۃالحقائق"

اگر چہ دو ایک جگہ (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) وہ اپنی زبان کو ہندی کہتے ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھہ گُجری کہنے سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ اگر چہ وہ زبان جس میں اُن کا کلام ہے، ہندی ہے، لیکن گُجری ہندی ہے - اور حقیقت بھی یہی ہے- کلام کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زبان پر گجرات کا اثر ہے اور یہ قدرتی بات ہے - ہندی کہو یا اُردو، یہ جہاں گئی، مقامی رنگ کی جھلک اس میں ضرور آگئی - چند مثالیں اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں—

(۱) اچھنا اور اس کے مشتقات اچنہ، اچھو، اچھے، اچھوں، اچھتا، اچھے گا گُجراتی چھے کا اثر ہے—

(۲) ھمن، ھمنا گجراتی ھمنے کا اثر ہے - ھمنا کی طرح ھمنے بھی گجراتی میں فاعل اور مفعول دونوں حالتوں میں استعمال ہوتا ہے—

(۳) "اپن" ھم کے معنوں میں گجراتی ہے—

(۴) "چ" حرف تخصیص کے طور پر دکنی میں بہ کثرت استعمال ہوتا ہے اور یہی استعمال اس کا گجراتی اور مرھٹی میں ہے - مثلاً:- "جو کوئی داتا ہے نا اس کا ایساچ کام ہے، جو برے پیت کا آدمی ہے نا او یھوپچ کرتا ہے"—

(۵) گمنا (وقت گزرنا)، سوسنا (برداشت کرنا)، ابھال (بادل)، ایلاز (ورے)، پیلاز (پرے)، انجھو (آنسو)، ندرا (نیند) وغیرہ الفاظ خاص گجراتی ھیں اور قدیم دکنی میں بہ کثرت اور بلا تکلف استعمال ہوتے ھیں—

(۶) "سی" قدیم دکنی میں مستقبل کے لئے استعمال ہوتا تھا - جیسے کرسی، جاسی-

یہ استعمال سب رس اور بعض دوسری کتابوں میں صرف واحد حاضر کے صیغے کے ساتھ دیکھا گیا تھا لیکن شاہ برہان نے اس کی دوسری صورتیں بھی استعمال کی ہیں - جیسے، ہمیں ناکرسیں، نا دیکھہ سوں، کر سوں، کہہ سوں —

یہ لاحقہ ہندی زبان کی مختلف زبانوں میں استعمال ہوتا ہے - چنانچہ پنجابی میں ماضی متعدی اور مستقبل کے لئے آتا ہے - مشرقی راجستانی میں بھی مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے (اھے سی، سوں، ساں، سو) اسی طرح ریوائی اور بھوج پوری زبانوں میں بھی لہجے کے کسی قدر اختلاف سے یہ استعمال مستقبل کے لئے اب تک رائج ہے - گجراتی میں یہ "شے" ہے - جیسے، کرشے (کریگا) کرش، جشے (جاے گا) آوشے (آے گا) اصل میں یہ لاحقہ پراکرت کا ہے، جہاں یہ سنس، سسامی، ہسی وغیرہ کی صورت میں استعمال ہوتا تھا - سورسینی میں بھی، جس سے برج بھاشا، گجراتی وغیرہ زبانیں نکلی ہیں، یہ لاحقہ اسی صورت میں پایا جاتا ہے - اپ بھرنشا (بکتی ہوئی پراکرت) میں اس کی صورت سؤں، سسوں، سسی، سسے، سئی وغیرہ ہے —

اِن چند مثالوں سے ظاہر ہے کہ قدیم دکنی پر اور خاص کر اس زبان کے اس شاخ پر جو گجرات اور بیجا پور میں بولی جاتی تھی، گجراتی زبان کا اثر پڑا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے بعض اوقات گُجری سے موسوم کیا جاتا تھا —

میں بیان کرچکا ہوں کہ شاہ برہان کی نظم سادہ ہے - وہ قافیہ وغیرہ کے قواعد پر پورے عامل نہیں، ضرورت شعری کے لئے لفظوں کو توڑ موڑ دینا، متحرک کو ساکن، ساکن کو متحرک کردینا اُن کے لئے کوئی بات نہیں - اشباع، اسالہ، ترخیم سے بلا تکلف کام لیتے ہیں - قافئے میں وہ آواز کا خیال کرتے ہیں، تحریر کی پروا نہیں کرتے - بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی یکساں نہیں اور بہت کم تشابہ ہے، تو بھی وہ بلا تامل قافیہ باندہ جاتے ہیں مثلاً خالق کا

قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں 'ق' کا صحیح مخرج نہیں ادا ہوتا اور 'ق' اور 'ک' کا یکساں تلفظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عارف کا صادق ، فرق کا طرف ، عشاق کا کشاف یا شرف کا فرق کیوں کر قافیہ ہوسکتا ہے - مگر شاہ صاحب بلا تامل لکھہ جاتے ہیں - صوت کی بنا پر انہوں نے پاس کا خاص اور شناس کا خاص قافیہ لکھا ہے اور اس لحاظ سے یہ ٹھیک بھی ہے ، لیکن اس کے ساتھہ ہی وہ انصات کا قافیہ پاس بھی باندھتے ہیں ، شاید اس لئے کہ یہ حروف قریب المخرج ہیں - منسوخ کے قافئے کے لئے وہ رخ کو روخ کر دیتے ہیں - دکن اور بعض دیگر مقات میں 'خ' کا تلفظ 'ق' کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ طوق کا قافیہ روخ لکھتے ہیں - تقصیر کے قافئے کے لئے وہ سر کو سیر ، دھیر کے لئے فکر کو فکیر ، قید کے لئے مستعد کو مستعید کہتے اور سیس کے لئے مفلس کو مفلیس کر دیتے ہیں۔ عربی الفاظ میں ح ، ع جیسے لفظوں کا تلفظ ، (جب کہ وہ آخر میں ہوتے ہیں) اکثر اہل ہند ادا نہیں کرتے - شاہ صاحب نے اسی بنا پر گرو کا قافیہ شرو (شروع) صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے - اور آخر سے 'ع' اور 'ح' اڑا دی ہے - اور وجہ معقول ہے - ایک جگہہ حقا کے قافئے کے لئے بقا کے ق کو مشدد کر دیا ہے - دکنی کی اکثر نظموں میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں—

صبح بنارس (جوگی کی صدا)

از

(ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم)

یہ ستھری ستھری آنکھیں یہ لمبی لمبی پلکیں
یہ تیکھی تیکھی چتون یہ سندر سندر درشن
مایا ہے سب مایا ہے
یہ گورے گورے گال یہ کالے کالے بال
یہ پیاری پیاری گردن یہ ابھرا ابھرا جوبن
مایا ہے سب مایا ہے
کل جھوٹا ہے سنسار اک سچا ہے سرجن ہار

———: ●● ÷ ●● :———

ولہ

بچے اور بڑے

(اندلسی گیت)

(۱)

دیکھا گیا ہے
گودی میں سوتے
سپنے میں بچے

(۲)

دنیا کے نقشے
ہیں خواب سارے
دھوکے میں جن کے

ھیں سارے ھنستے ھیں سارے ھنستے
دیکھا گیا ھے لیکن جب اُٹھتے
گودی سے سوتے خواب گراں سے
اٹھنے پہ بچے (بچے ھوں جیسے)
ھیں سارے روتے ھیں سارے روتے

بادۂ کہن

(لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی)

لچھمی نراین شفیق کے آبا و اجداد پنجاب کے کھتری تھے' لاھور اُن کا وطن تھا - جب عالم گیر اورنگ زیب نے دکن پر فوج کشی کی تو ان کا دادا لالہ بھوانی داس لاھور سے دکن میں آیا اور اورنگ آباد میں سکونت پذیر ھو گیا - شفیق کے والد لالہ منسا رام کی ولادت اورنگ آباد ھی میں ھوئی—

محمد شاہ کے زمانے میں نواب نظام الملک آصف جاہ دکن کے صوبہ دار مقرر ھو کر اورنگ آباد آئے تو لالہ منسا رام کو اپنا پیشکار مقرر کیا - بڑا فرض شناس' محنتی اور دیانت دار تھا —

لچھمی نراین ۲ صفر سنہ ۱۱۸۵ھ کو اورنگ آباد میں پیدا ھوے اور اسی جگہ علوم رسمی کی تحصیل کی —

نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بڑے فرزند میر اکبر علی خاں عالی جاہ بڑے ھنرور پرور رئیس تھے' اُن کی سرکار میں ملازمت اختیار کی—

لچھمی نراین کو ابتدا سے شعر و شاعری کا شوق تھا - شروع میں 'صاحب' تخلص کرتے تھے' لیکن بعد میں مولانا آزاد بلگرامی کے ایما سے 'شفیق' اختیار کیا - اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے - اُردو میں تو تخلص صاحب ھی رھا مگر فارسی میں شفیق لکھنے لگے - شفیق مولانا آزاد کے ارشد تلامذہ میں سے ھیں - مولانا اُن کے حال پر خاص نظر شفقت رکھتے تھے - شفیق کا ذوق ادب بہت اچھا ھے'

تاریخ نویسی کا بھی خوب سلیقہ ہے - یہ مولانا آزاد کی صحبت اور تعلیم کا اثر ہے- شفیق اپنے اُستاد کے قدم بقدم چلتا ہے—

شفیق کی تالیفات متعدد ہیں - ان میں سے چمنستان شعرا، اُردو شعرا کا تذکرہ اور گل رعنا اور شام غریباں فارسی شعرا کے تذکرے ہیں - تنمیق شکرت، حقیقت ہائے ہندوستان، ماثر آصفی، ماثر حیدری، بسائطا لغنائم، حالات حیدرآباد، نخلستان فن تاریخ سے متعلق ہیں—

یہاں ہم اُن کا معراج نامہ نقل کرتے ہیں جو اتفاق سے ہمارے ہاتھ آگیا - اگرچہ شاعری اور خیالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن یہ اُس زمانے کا رنگ دکھاتا ہے جب ہندو مسلمان یک رنگ اور ہم خیال تھے اور آپس میں یہ اجنبیت نہ تھی جو آج کل نظر آتی ہے - آئندہ ہم اُن کی دوسری نظمیں بھی شایع کریں گے - ان کا تذکرہ 'چمنستان شعرا' بھی انجمن کی طرف سے شایع ہونے والا ہے—

در بیان معراج صاحب درۃ التاج

تصنیف لچھمی نراین 'صاحب' تخلص

اے مطرب مبارک باد کو گا — کہ ہے یہاں وصل کی شب کا تو چرچا

طنبورے کے ملا اس طور سے تار — کہ فرق تال و سر اُٹھہ جاے یک بار

عجائب رات تھی او نور افشاں — کہ ہر کوکب تھا یک مہر درخشاں

کہوں گر رات اُس کو ہے تامل — کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غل

نہ تھی و ورات اور دن بھی نہاں تھا — میان روز و شب اور ہی سماں تھا

عجب کچھہ نور تھا عرش بریں پر — قیامت نور تھا فرش زمیں پر

غلط میں نے کہا استغفر اللہ — زمیں کے تحت بھی تھی نور کو راہ

زمین و آسماں پر یہ زمانہ — بنا تھا نور حق کا ایک دانہ
غرض یہ ہفت سیار اور ثوابت — ہزاروں پھر کر کے محنت
لے آوے وو گھڑی اور ایسے اوقات — کہ وہاں اوقات کی ہرگز نہ تھی بات
یہی کہتا تھا وقت نور افشاں — کہ ہے ذرہ یہاں کا مہر رخشاں
فقط کہنے کو تھا خورشید تاباں — سراسر آسماں تھا جرم خورشید
سمجھ ست خلق کو اُس رات تھا خواب — نہیں تھا دیدۂ عالم کے تیں تاب
کہ ایسا نور نظارے میں لاوے — کثیف اصلا لطافت کو نہ پاوے
نظر ہوتی ہے خیرہ برق کو دیکھ — پھر اُس میں اور اِس میں فرق کو دیکھ
غرض غفلت سبوں پر چھا رہی تھی — خرد داروے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک پے پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا
در حجرہ پہ وو آ جوڑ کر ہات — کہا سرور ترے پر حق کے صلوات
خدا کی ذات خواہش سے بری ہے — سو اُس کو بھی تری خواہش کری ہے
چل اُٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا — غنی بھی آج ہے محتاج تیرا
خدائی ساری جوں دلہن بنی ہے — ظہور عشق کی سب روشنی ہے
زباں پر قدسیوں کی ہے یہ جد تد — خدا عاشق ہے شاہد ہے محمد
زمین و آسماں سب نور ہی نور — جدھر دیکھئے ہے نور بھر پور
منور ہو رہے ہیں آٹھوں جنت — ہوئی دونوں جہاں کو زیب و زینت
ملائک تک رہے ہیں سب تری راہ — سبھی ہیں قدسیاں تیرے ہوا خواہ
کھڑے ہیں انبیا سب باندہ کر صف — لئے ہیں عہدے سب خدمت کے برکف
در دولت پہ ہے با ساز و ساماں — سواری کو براق برق جولاں
خیال اور یہ گماں اور وہم یہ فکر — ہیں چاروں نعل اُس کے کیا کروں ذکر
نہایت خوش عناں اس کو کئے ہیں — ارادے کو لگام اس کو دئے ہیں
دم گرم اُس کے سے بجلی کی ایجاد — دھن کے کف سے ہے تاروں کی بنیاد

ٹپکتے ہیں عرق کے بوند جس دم — شہاب اُس کے تئیں کہتے ہیں عالم
نہوچے اب توقف کے روا دار — کہ ہیگا منتظر خلاق دادار
پیمبر وہیں اُٹھہ بستر سے چالاک — سوار اسپ ہو جستے سے بے باک
پلک کے مارتے اقصیٰ کو پہنچے — وہاں سے عالم بالا کو پہنچے
قمر کوں چرخ اول لا کے نزدیک — کہا اس کے بھی کانسے میں ملی بھیک
کہے حضرت مثال شمس انور — کئے ماہاے قمری ہم مقرر
براے معجزہ یہ شق ہوا ہے — ہماری ضرب سینے پر ایا ہے
قمر نے تب کہا اے شاہ شاہاں — مرے سے ہر طرف ہو نقص نقصاں
کہے حضرت تو ہے ہر چرخ دنیا — کہ یہاں لازم ہے گھٹنا اور بڑنا
ولے بخشی ترے تیں ہم نے عزت — ترے پر منحصر راکھی عبادت
ترے تیں دیکھہ روزہ کو دھریں گے — ترے تیں دیکھہ کر عیدیں کریں گے
کبھی دو دن نہ دیکھیں گے جو تجکو — بہت ڈھونڈھیں گے بدای میرو تجکو
قمر ہو خم کیا تسلیم اُس دم — ہلال اندر وہی ہے اب تلک خم
وہاں سے چرخ دوم پر کئے عزم — عطارد قصد خدمت کو کیا جزم
معرر ہوں مجھے امداد کچھہ ہو — کتابت وحی کی ارشاد کچھہ ہو
کہے حضرت نے اُس کو اے منرور — رسالت ہوگئی ہے ختم مجھہ پر
وحی کا بھی سرشتہ کوئی ہے دن — کئے گی زندگی کیوں مشغلہ بن
میں تجکو دفتر کونین بخشا — ابد تک جمع و خرچ عین بخشا
عطارد رہ گیا تسلیم کو کر — سواری گزری چرخ سیومیں پر
وہاں زہرہ خوشی سے ناچتی ہے — فلک کے دائرے کو باجتی ہے
ادا سے سامنے حضرت کے آئی — قدم بوسی کو کر سر کو جھکائی
ہوا ارشاد تو دنیا کے اندر — تمامی شب دکھا مت روے انور
سحر کو کوی دم یا شام کے تیں — نمود اپنا کیا کر نام کے تیں

حیا زن کو بجاے جان کے ہے — حیا بھی شرط سے ایمان کے ہے
یہ تلقین پاکے زہرہ وہاں سے آئی — خوشی کر گھر میں گائی اور بجائی
گئے جب چرخ چارم پر سواری — ہوئی خورشید کے تیں بے قراری
وہیں دوڑا سر اپنے کو قدم کر — قیامت تک ہوا روشن منور
کہے حضرت نے تجکو کچھہ خبر ہے — قیامت ترے ہی پر منحصر ہے
تجھے طالع کریں گے غرب سے ہم — ہمارا سایہ ترے سر پہ قایم
وو ہی خورشید کو اب تک خطر ہے — سفر مغرب کا اس کو ہر سحر ہے
وو ہی تر ایک دن مغرب کو یاد — پھرا حضرت علی کا سن کو ارشاد
مسیحا پیشوا تشریف کو لا — کہے میری شفاعت ہوئی مولا
وہاں سے چرخ پنجم پر جب آے — گئے مریخ کی یاد اور بلاے
کہے تجکو گئے مردوں کا سردار — دلیروں کا جہاں میں رہ مدد گار
سنا حضرت سے جب حرف بحالی — تہی مریخ کے منہ پر ہے لالی
عنایت کا جو مژدہ پا رہا ہے — اوسی شادی سے منگل کا رہا ہے
گئے جب چرخ ششم پر سواری — وہاں تو مشتری کی پہنچی باری
اُسے ارشاد ایسا کچھہ کئے ہیں — تجھے جوہر سعادت کا دئے ہیں
وہیں برجیس آداب عنایت — بجا لاکر ہوے اُس جا سے رخصت
سواری چرخ ہفتم پر کئے جب — زحل کی منزلت والا ہوئی تب
زحل نے آکے سجدہ کر کیا عرض — سیہ رو کیا کرے اب مدعا عرض
مخاطب ہو کہے اُس کو اے کیواں — کہ ہے ظلمات اندر آب حیواں
بلندی پر زحل اپنی مباہی — کہ رنگے نیست بالاے سیاہی
وہاں سے چرخ ہشتم پر گزر کر — گئے جرم ثوابت کو منور
ثوابت کروں کس طور اظہار — کہ ہے تاروں کی گنتی کار دشوار
یہاں آخر ثوابت کا ہے قصہ — ملا ہر یک کو قدر حال حصہ

قدم وهاں سے کئے عرش بریں پر — ملا چرخ فہم نے پاوں پر سر
کہا بارا اماموں کا فدا ہوں — بنا بارا دری میں نے کیا ہوں
گئے جب عرش کے آگے تو براق — وهاں روح الامیں بھی رہ گئے طاق
رہے جبریل بھی رت رت کے رو میں — کہ میکائیل تھے وهاں سے جلو میں
اوسی میداں میں رو کا شیر نے رہ — کہا کچھہ بھی عنایت ہوے للہ
وهاں انگشتری اپنی دئے ہیں — کہ اپنا مہر دار اُس کو گئے ہیں
کہوں میں لامکاں کی کس طرح بات — وهاں سے سب رہے اور اوگئے ذات
بیاں سے بات یہاں کی کچھہ بروں ہے — مری کیا طاقت اورکیا مجکوں سوں ہے
سرا پردہ سے نکلا هات ایدھر — کہ جس میں ووهی انگشتر تھی خوشتر
بہم شیر و برنج اوس سات کھاے — چشک اُمت لئے اس کو لے آے
گئے اور آے اس عرصہ کے اندر — کہ کچھہ باقی تھی یاں گرمئی بستر
یہ نقطہ زیر ہے جب تک جدا ہے — گیا جس وقت بلا پھر خدا ہے
اے صاحب قفل کر درج دهاں کو — نکال اب مت در راز نہاں کو
حقیقت یہ بہت مشکل ہے پانا — ملوث هورها ہے یہ زمانہ
حسد ہے بغض ہے کینہ عداوت — رعونت کبر ہے رشک اور شقاوت
انانیت یہاں رکھتی نہیں بار — یہاں ہے نیستی سے ہی سروکار
یہ شکر مل رهی ہے ریت کے بیچ — اوراوس میں مل رها ہے بھوت ساکیچ
شکر هاتی سے یہ کھائی نہ جاوے — کہ اوس کے دانتوں میں کرکرسی آوے
جو کوئی چمٹی * بلے شکر کو کھاوے — رہے تب ریت اور شکر کو پاوے
نبی تیرا ثنا خواں ہوں کرم کر — غریق بحر عصیاں ہوں کرم کر
مری دونوں جہاں میں آبرو رکھہ — سر اوپر میرے اپنا هات تو رکھہ

---

* چھونٹی—

ارے صاحب تجھے ہے کیا لیاقت — زباں رکھتی ہے تیری کیا طلاقت
مئے توحید کو ہر چند ہے جوش — پر اے کم حوصلے خاموش خاموش
ارے بیہودہ گو بک بک کو کم کر — کہاں عالم ہے اِن باتوں کا محرم
حقیقت کا سخن مستور کر تو — مجازی کا ذرا مذکور کر تو
سخن پر کاملوں کے کان تو دھر — نصیحت پر اب علی کی اب عمل کر
ز فہم مستمع ایں حرف دور است — سخن بےرنگ شد رنگش ضرور است
بطرز مولوي آهنگ بردار — حدیث دیگراں کن پردۂ تار
اثر بردار و از آواز بگذر — بدل ناخن زن و از ساز بگذر

تبصرے

ادب

حکایات و احتسابات ۵۵۷
مرقع ادب ۵۵۸
الغلیمۃ الکبریٰ ۵۵۹
خطوط محب ۵۵۹
افکار محب ۵۵۹
حیات کیفی ۵۶۰
دیوان اصغر اور دیوان عاقل ۵۶۰
کلام کیفی اور نظم کیفی ۵۶۱
شعرائے اورنگ آباد ۵۶۲

تاریخ

تاریخ فلسفۂ اسلام ۵۶۲
حکومت آصفی و برکات عثمانی ۵۶۳
بیداریٔ ہند ۵۶۴
تذکرۂ بابر ۵۶۵

متفرق

خزینۂ اخلاق ۵۶۶
علم الصحت ۵۶۶
لازمی ابتدائی تعلیم ۵۶۷

اُردو کے جدید رسالے

کیف ۵۶۸
تجلی ۵۶۸
حسن ادب ۵۶۸
بیدار ۵۶۸
نورجہاں ۵۶۸
سہیلی ۵۶۸

انجمن ترقی اُردو کی تجویز سہ ماہی رسالۂ " سائنس " کے متعلق ۵۶۹

ادب

حکایات و احتساسات

(شیخ مبارک علی تاجر کتب - لوہاری دروازہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چارآنے)

یہ اُن مختصر فسانوں اور مضمونوں کا مجموعہ ہے جو سید سجاد حیدر صاحب بی - اے نے ترکی زبان سے ترجمہ کئے یا خود تحریر فرمائے ہیں - بعض فسانے بہت دلچسپ ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں - انسانی فطرت اور معاشرت پر خوب نظر ڈالی ہے- مضامین زیادہ تر خیالی ہیں جن میں ادب کی چاشنی اور خیالات کی لطافت پائی جاتی ہے - ترجمے میں بعض مقامات پر بعض ترکیبیں' جملوں کی ساخت اور الفاظ کا استعمال بہت غیر مانوس اور عجیب ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اُردو اس کی متحمل نہیں ہوسکتی- اس قسم کی ترکیبوں سے عبارت بھونڈی ہوگئی ہے اور کہیں کہیں مطلب بھی خبط ہوگیا ہے — مثلاً :

" تمام رات چادر میں منہ لپٹے جن آنسوؤں کو وہ روکے رہی تھی بحران کے اس دقیقہ میں جب طغیان گریہ اٹھا تو اس نے انہیں بہنے کی اجازت دی "—

" اس خیال نے آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں اپنی پوری تاثیر سے بڑھنا اور کسب اہمیت کرنا شروع کیا ' لیکن اسی دقیقہ میں اس نے ذہناً اپنے تئیں متروک دیکھا "-

" اس ممتازیت عفیفانہ کے مقابل میں باقی تمام چیزیں قابل سقوط نہیں "—

"اس کی آنکھیں لڑکی کی تعقیب کر رہی تھیں کہ اس کا دل ایک حسن تفرع سے بھر اٹھا "—

اسی طرح اعماق مدھوشی ' آہ خسران ' حیات ساعیانہ ' آہ لک معصومانہ '

حیات سلیمانہ ' گریزاں شبہ ' مقرانہ کوششیں' وقور و آتشیں جوان ' محبوبۂ سودا انتسا کی عجیب و غریب ترکیبیں پائی جاتی ہیں -

خود احتساس کا لفظ بھی قابل اعتراض ہے - عربی میں یہ کوئی لفظ نہیں ہے - البتہ غریب الفاظ میں اس کا شمار ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے معنے بالکل دوسرے ہیں —

مرقع ادب

[حصۂ دوم - از جناب صفدر مرزا پوری - صدیق بک ڈپو - لکھنؤ صفحے ۳۱۲
قیمت دو روپئے]

جناب صفدر مرزا پوری ' جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے ' اُردو زبان کی خدمت کرتے رہتے ہیں - انہوں نے اپنی محنت اور ذوق سے ایسے اچھے اچھے مجموعے تالیف کئے ہیں کہ اُردو ادب کے شائق اُن کی ضرور قدر کریں گے - مرقع ادب کا پہلا حصہ اس سے قبل چھپ چکا ہے ' یہ دوسرا حصہ ہے - اس میں اکثر اُردو کے اساتذہ اور نامور اہل قلم کے خطوط درج ہیں - ایک خط مرزا غالب کا اور ایک مولانا حالی کا بھی ہے ؛ یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں - ان کے علاوہ امیر مینائی مرحوم' اکبر الہ آبادی مرحوم' جلال مرحوم' مولانا شرر مرحوم' شاد مرحوم کے خطوط بھی ہیں - زندہ ادیبوں اور شاعروں کے خط بھی تلاش کرکے اس مجموعے میں شریک کئے گئے ہیں- بعض حضرات تو بلاشبہ اپنے خطوط کو اس کتاب میں دیکھ کر خوش ہونگے مگر بعض بہت گھبرائیں گے کہ لکھے تھے کسے اور کس غرض سے اور پہنچے کہاں- آدمی اپنے دوست احباب کو بے تکلفی میں جو جی چاہتا ہے لکھ جاتا ہے ' اُسے کیا معلوم کہ حضرت صفدر گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان پرزوں کو الم نشرح کر دیں گے - گویا یہ خطوں کے ادبی سنسر ہیں - اگر لوگوں کو یہ عام طور پر معلوم ہوگیا (اور معلوم ہو ہی جائیگا) تو وہ سنبھل سنبھل کر اور بڑے احتیاط سے خط لکھنے لگیں گے اور اس سے خطوں کا اصل لطف جاتا رہیگا - مناسب یہ ہے کہ جو لوگ زندہ ہیں اُن کے خطوط ان کی اجازت بغیر شایع نہ کئے جائیں - رہے مردہ ' سو مردہ بدست زندہ ہے —

الغنیمۃ الکبریٰ

[شرح قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض- از مولوی محمدمصطفیٰ صاحب- ملنے کا پتہ- احمد مجتبیٰ بن عبدالرحمن خاں اندرئی دروازہ کاسگنج ضلع ایٹہ- قیمت ۸ آنے]

یہ قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض کے عربی قصیدے کا ترجمہ اور شرح ہے - آخر میں مصنف کے حالات اور بعض اصطلاحات کی تشریح ہے —

خطوط محب

[مرتبہ افضل النسا خانم صاحبہ صفحات ۴۲۶ - قیمت تین روپئے - ملنے کا پتہ مولوی محب حسین صاحب، سابق اڈیٹر معلم نسوان- منشی کارخانہ- حیدرآباد دکن]

مولوی محب حسین صاحب کو غالباً لوگ ابھی بھولے نہونگے - معلم نسوان ایک مدت تک ان کی اڈیٹری میں حیدرآباد سے شایع ہوتا رہا - پردے کے خلاف ایسے پر زور مضامین اس میں نکلے جن سے ایک ہل چل مچ گئی تھی- یہ انھیں صاحب کے خطوط ہیں جو انھوں نے اپنی شاگرد افضل النسا خانم صاحبہ کے نام لکھے ہیں اور ان میں انھوں نے اخلاق و مذہب کی تعلیم بہت خوبی اور صفائی کے ساتھہ دی ہے - یہ خطوط بہت دلچسپ اورپر از معلومات ہیں اور عبارت بہت سلیس ہے- نو جوان لڑکوں لڑکیوں اور مرد عورت دونوں کے مطالعہ کے قابل ہیں —

افکار محب

[کلام مولوی محب حسین صاحب- صفحات ۲۱۰ - قیمت دو روپئے مصنف سے مل سکتی ہے]

مولوی محب حسین صاحب کو شاعری کا چسکہ ایک زمانہ سے ہے - ان کا کلام

حکیمانہ اور اخلاقی ہوتا ہے۔اس دیوان میں قابل مصنف نے اپنی تمام غزلیں جمع کردی ہیں - جن لوگوں کو شعر و سخن کا ذوق ہے اُن کے لئے یہ مجموعہ بہت قابل قدر ہے -

---

حیات کیفی

[مرتبہ محمد سردار علی صاحب - کتب خانہ بزم ادب - عقب مسجد چوک حیدرآباد - قیمت ۲ آنے]

سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم حیدرآباد کے اُن چند نوجوانوں میں سے تھے جن کے دل میں درد تھا ' جو زمانے کے رنگ کو پہچانتے تھے اور اپنے ملک کی بہبودی کے لئے اپنی بساط کے موافق ' ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے شعر و سخن کا ذوق انہیں ابتدا سے تھا - اُن کی نظمیں ہر صنف میں ہیں اور اُن میں خاص لذت اور حلاوت پائی جاتی ہے - یوں تو اچھے اچھے شاعروں سے بعض اوقات لغزش ہوجاتی ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیفی مرحوم حیدرآباد میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے ' بہت جلد کہتے تھے اور ہر قسم کے مضمون پر لکھنے کی قدرت رکھتے تھے- رنگین مزاج ' صوفی منش اور سچے دوست تھے- یہ سولہ صفحے کا چھوٹا سا رسالہ انہیں کے حالات میں ہے - اُمید ہے کہ ان کے بیشمار دوست اور قدرداں اسے شوق سے پڑھیں گے -

---

دیوان اصغر اور دیوان عاقل

صاحبزادہ محمد محمود علی خان بہادر پریوٹ سکریٹری ہز ہائنس نواب صاحب رام پور نے اپنے جد امجد محمد اصغر علی خاں 'اصغر' اور اپنے والد ماجد محمد رضا علی خاں ' عاقل' کا کلام جمع اور مرتب کر کے دو دیوانوں کی شکل ایک مجلد میں شایع کیا ہے - مومن مرحوم دہلوی کے شاگردوں میں یہ وہی اصغر ہیں جن کی وجہ سے نواب اصغر علی خاں ' نسیم' کو اپنے نام کا جزوی تخلص " اصغر " چھوڑنا پڑا تھا - ان کے کلام میں تغزل کا رنگ غالب ہے مگر نسیم سے کم - اشعار کی بندش اور ترکیب میں وہی پرانا ڈھنگ ہے لفظی تعقید' مضمون آفرینی اور معاملہ بندی میں استاد کی پوری جھلک

موجود ہے بعض اشعار بہت بلند پایہ ہیں۔ شاگردان مومن میں مومن کا رنگ مخصوص یا تو ' قلق' سہرتھی میں دیکھا یا اب مدت کے بعد اصغر مرحوم کے کلام میں عاقل صاحب کے کلام میں سادگی اور صفائی زیادہ ہے' زبان روز مرہ کی ہے اور کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخیل میں وہ اپنے استاد سالک کے مسلک سے اونچے جارہے ہیں مضمون آفرینی میں باپ کے قدم پر قدم ہے استاد کی پیروی سے اسی لئے بے نیاز ہیں اور ہونا بھی چاہئے —

(م-ن-ظ)

کلام کیفی اور نظم کیفی

سید رضی الدین کیفی حیدرآبادی کا متفرق کلام ان کے ایک قدردان دوست محمد سردار علی صاحب مؤلف تذکرہ شعرائے اورنگ آباد (دکن) نے مع ایک دیباچہ کے ان دو رسالوں کی صورت میں چھپواکر شایع کیا ہے - اس میں کیا شک ہے کہ وہ حیدرآباد کے شاعروں میں مایۂ ناز شاعر تھے اور اپنے ہمعصروں میں انھوں نے ممتاز حیثیت پیدا کرلی تھی ان کا کلام ہی خود کہہ رہا ہے - کیفی ابتدا میں میکش تھانوی کے دم کشوں میں تھے ان کی وفات کے بعد فصیح الملک مرزا داغ مرحوم سے جن کو زبان کے اعتبار سے ہندوستان کا سہاشاعر کہنا چاہئے' تلمذ کا فخر حاصل ہوا - گو یہ فخر ان کو داغ مرحوم کے آخری دور حیات میں نصیب ہوا اور بہت کم اصلاح کلام اور مشورہ سخن کی نوبت پہونچی تھی کہ استاد نے کوچ کا نقارہ بجادیا اور اپنے نو مشق تلامذہ کو تشنہ کام چھوڑ کر شہر خموشاں کا راستہ لیا - لیکن اس جوہر قابل کے لئے استاد کامل کی دوچار صحبتیں ہی غنیمت ثابت ہوئیں۔ اگلی پچھلی مشق نے معاملہ بندی' روانی' سلاست اور کسی قدر زبان کی چاشنی ان کے کلام میں پیدا کردی۔ اب ان کے نمکین اشعار میں صاف نظر آتا ہے کہ میکشی کا کھف کافور ہوکر کوئی دوسری ہی ملاحت آگئی ہے اور ان کے بعض اشعار کی شیرینی اس فیریلی کا مزہ دیجاتی ہے جس میں کسی قدر داغ لگ گیا ہو اور جس کو ارباب ذوق بہت پسند کرتے ہیں -

ان دونوں رسالوں میں کچھ حصہ غزلوں کا ہے اور کچھ اخلاقی اور قومی نظموں کا - بہر حال کیفی کی شاعری کا نشو و نما جس ماحول میں ہوا اس کے لحاظ سے ان کا مجموعۂ اشعار بہت کچھ قابل تحسین و آفرین ہے -

(م-ن)

شعرائے اورنگ آباد

(مؤلفہ مولوی محمد سردار علی صاحب - صفحے ۳۸ ' قیمت ۶ آنے - کتب خانہ مسجد چوک ' حیدرآباد دکن)

یہ مختصر رسالہ اورنگ آباد دکن کے قدیم اُردو شعرا کے تذکرے میں ہے - مختصر حالات کے ساتھ کلام کا نمونہ بھی درج ہے - مولوی سردار علی صاحب اردو ادب کے متعلق بہت اچھا کام کر رہے ہیں اس سے قبل بھی وہ اس قسم کے کئی رسالے شایع کرچکے ہیں—

تاریخ

تاریخ فلسفۂ اسلام

(مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ' ایم - اے ' پی ایچ ڈی - صفحات ۱۵۸ ' قیمت ۲ روپئے ' مکتبۂ جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی)

جیسا کہ فاضل مترجم نے اپنے دیباچے میں بیان فرمایا ہے زندگی اور کائنات کے عقدہائے سربستہ کے حل کرنے کی کوشش اور اس کوشش کا نتیجہ جو چند خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے فلسفہ ہے - یہ گویا انسان کی ذہنی ترقی کا ما حصل ہے - اس جد و جہد میں ہر مہذب قوم نے کچھ نہ کچھ کام کیا ہے - اگرچہ سائنس اور فلسفہ تمام دنیا میں ایک ہی ہے اور اس میں نسلی اور قومی تفریق نہیں ہوسکتی ' تاہم ہر قوم نے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے جو کوشش کی ہے اور عام انسانی معلومات میں جو اضافہ کیا ہے اس حد تک وہ اس سے منسوب ہے - اسلامی فلسفہ بھی اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے اور خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے یونان کے فلسفے کو از سر نو زندہ کیا ' اسے وسعت دی ' دنیا میں پھیلایا ' نئے خیالات کا اضافہ کیا ' دنیا کے فلسفے کا قابل قدر جز ہے - دوسرے اسلامی ممالک سے قطع نظر ' خود ہندوستان میں اسلامی فلسفے کے

بڑے بڑے ماہر گزرے ہیں اور اب بھی چند نفوس باقی ہیں ؛ لیکن ان کی نظر محدود تھی اور اس لئے وہ تاریخ فلسفۂ اسلام کے لکھنے کا حق ادا نہیں کرسکتے تھے - اس کے لئے ایسے فاضل شخص کی ضرورت ہے جو اپنے فلسفہ میں ماہر ہونے کے علاوہ اصل ماخذوں سے آگاہ ہو دنیا کی دوسری قوموں کے فلسفوں پر گہری نظر رکھتا ہو اور خیالات کو صحیح طور پر ادا کرنے اور مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو - یہ کتاب جس کے مصنف ہالینڈ کے مشہور مستشرق دو بوائر ہیں ' اگرچہ مختصر اور ناکافی ہے ' مگر جس سلیقے اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے وہ بہت قابل تعریف ہے - اور ممکن ہے کہ اس داغ بیل کو دیکھ کر ہمارے علما میں شوق پیدا ہو اور وہ اس سے بہتر کتاب تصنیف کر سکیں اور ان مسائل اور مباحث پر ' جن کا اس میں سرسری ذکر ہے ' زیادہ روشنی ڈال سکیں —

حکومت آصفی و برکات عثمانی

(مصنفہ منشی فاضل مولوی محمد شمس‌الدین صاحب مصنف کلوت '
حیدرآباد دکن - صفحے ۶۱ قیمت ۸ آنے - ملنے کا پتہ :- مکتبۂ
ابراھیمیہ اسٹیشن روڈ ' حیدرآباد دکن)

اس مختصر رسالے میں قابل مؤلف نے حکومت آصفی حیدرآباد دکن کی برکات کا ذکر اعداد و شمار کے ساتھ کیا ہے - مثلاً بھرون ریاست کے باشندوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہندو مندروں ' دھرم سالوں کو بہ صورت نقد سالانہ باون ہزار چار سو اٹھاون روپئے دیے جاتے ہیں اور آراضی کی صورت میں دو لاکھ ایک ہزار نو سو ستاون ایکڑ ان کے لئے وقف ہیں - اسی مقصد کے لئے جو جاگیریں عطا کی گئی ہیں اُن کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے - مسیحی کلیساؤں کو سالانہ چودہ ہزار سات سو پندرہ روپئے دے جاتے ہیں - غیر مسلم معاش داران مذہبی کی تعداد ممالک محروسہ میں بشمول خالصہ و صرف خاص مبارک و سمستان و جاگیرات ایک ہزار نو سو سینتیس ہے - امرائے غیر مسلم و سمستانات کو سلطنت آصفیہ نے جن مواضعات کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے اُن کی تعداد تیرہ سو چھیانوے ہے ان مواضع کا رقبہ سات ہزار نو سو تہتر مربع میل ہوتا ہے ؛ ان کی آمدنی پینتالیس لاکھ اڑتیس ہزار تین سو تیرہ روپئے سالانہ ہے - غرض اسی طرح پر ہر مد اور ہر باب اور ہر شعبے کے اعداد دئے ہیں جس سے ریاست حیدرآباد کی روا داری اور بے

تعصبی ثابت ہوتی ہے - تفصیل کے لئے کتاب ملاحظہ فرمائی جائے - اس کے بعد اُن اصلاحوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے جو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے عہد میں عمل میں آئی ہیں —

لایق مولف کی یہ سعی قابل داد ہے

بیداریٔ ہند

(کارنامۂ مہاتما گاندھی ' مؤلفہ لالہ متصدی لعل صاحب ہندی - بڑی تقطیع ' صفحے ۴۰۰ قیمت دو روپئے - دارالاشاعت بیداری ہند ' مہرٹھہ)

اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ترک موالات کے انقلابی دور کے واقعات پر کوئی مبسوط کتاب لکھی جائے - لالہ متصدی لعل صاحب نے ایک حد تک اس ضرورت کی تکمیل کردی ہے - یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں ہے صرف انہوں نے تاریخ ہندوستان کے اس اہم دور کے مخزن سیاسیات یعنی ینگ انڈیا میں سے اہم مضامین منتخب کرکے ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کردیا ہے - ابتدا میں انہوں نے مہاتما گاندھی کے سوانح زندگی بیان کئے ہیں- فاضل مؤلف نے مہاتما جی کے ان ایام زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ کھینچا ہے جو انہوں نے ٹالسٹائی کے تتبع میں جنوبی افریقہ میں بسر کئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نو آباد ہندوستانیوں کے سیاسی حقوق کے واسطے کشمکش کی - جنگ عظیم کے بعد مہاتما گاندھی کے خیالات میں جو انقلابی شان پیدا ہوتی ہے اس کے اسباب بھی مجملاً بیان کئے گئے ہیں - پہلی سفید گرہ' اس کے انقلاب‌خیز نتائج' امرتسر کے درد انگیز واقعات' مارشل لا اور واقعات ما بعد پر فاضل مؤلف نے ایک گہری نظر ڈالی ہے اور ہنٹر کمیٹی رپورٹ ' بالخصوص مہاتما جی کی شہادت کو بالتفصیل بیان کیا ہے - ترک موالات کے ابتدائی واقعات بھی مختصراً بیان کئے ہیں اور اخیر میں ینگ انڈیا کے ان مضامین کا ترجمہ کیا ہے جو تاریخی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم ہیں اس جلد میں اپریل سنہ ۱۹۲۱ ع تک کے معرکتہ‌الآرا مضامین درج ہیں، جن میں مہاتما جی نے نہایت صاف طور پر مسئلہ سوراج ' برطانوی طرز عمل اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے —

ہم مؤلف کی محنت کی داد دیتے ہیں - زبان سلیس اور شستہ ہے اور ان تمام تعقیدوں سے پاک ہے جو سیاسیات کے اُردو ترجمے میں اکثر پائی جاتی ہیں - لیکن

ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ترجمے میں کئی مقامات پر جملوں کی ساخت بالکل انگریزی کی سی ہوگئی ہے —

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۰ - " آپ نے ایک ایسے خط پر نکتہ چینی کرکے جیسے آپ نے نہیں دیکھا بلکہ اس کے ایک حصے کا ترجمہ پڑھا ہے مشکل سے اپنے ساتھ انصاف کیا ہے "

صفحہ ۲۲۷ - " تومیں اس امر کا اعتراف کرنے میں آزاد ہوں گا "

صفحہ ۲۲۹ - " زمانہ بدل گیا ہے اور اب ان نوجوانوں کو جن کے دوش پر سر ہے اور جن کے دلوں میں ضمیر ہے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم اپنے والدین کے احکام کے مقابلہ میں بھی اپنی ضمیر کی اطاعت کرو مجھے سرزنش کی جاتی ہے -"اس قسم کی خامیاں ترجمہ میں موجود ہیں لیکن باجود اس کے فاضل مؤلف مستحق مبارک باد ہیں حقیقتاً انہوں نے نہایت کاوش و عرق ریزی سے یہ کام انجام دیا ہے —

تذکرۂ بابر

(مؤلفہ جناب نواب صدر یار جنگ بہادر - صفحے ۶۰
قیمت ۶ آنہ - مکتب خانہ مسجد چوک - حیدرآباد دکن)

چالیس برس ہونے کو آتے ہیں کہ مولانا حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) نے یہ مضمون لکھا تھا جو حیدرآباد کے مشہور رسالے"حسن" میں‌شایع‌ہوا تھا اور اُن مضامین میں شمار ہوا جن پر ایک اشرفی انعام دی جاتی تھی —

بابر اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مغلیہ خاندان میں ایک عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے - فاضل مؤلف نے کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ مضمون لکھا ہے - علاوہ تاریخی معلومات کے جس انداز سے یہ مضمون لکھا گیا ہے (جو مولانا کا خاص طرز ہے) وہ بہت قابل داد ہے- مولانا کی تحریرمیں جو ادبی شان اور ایک بانکپن پایا جاتا ہے وہ اس میں بھی صاف نظر آتا ہے —

متفرق

خزینۂ اخلاق

[مولوی سید عبدالعزیز صاحب عزیز - صفحے ۵۶ ' قیمت چھے آنے -
مکتبۂ ابراھیمیہ' حیدرآباد ' دکن]

قابل مصنف نے اس کتاب میں اپنے نظم و نثر کے مضامین جمع کئے ھیں - مضامین سب اخلاقی ھیں ' زبان صاف اور سادہ ھے - لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ھے - نثر میں صرف سات مضمون ھیں جو نو دس صفحوں میں آگئے ھیں ؛ نظمیں دلچسپ اور سادہ ھیں ساتھہ ھی سبق آموز ھیں —

علم الصحۃ

مؤلفہ شمس العلما مولوی عبدالجلیل صاحب سابق پروفیسر کوئینس کالج ' بنارس و ڈاکٹر جی - پی داس گپتا ' ایم - بی میڈیکل افسر انچارج بنارس استمت ھاسپٹل - صفحے ۱۳۴ - قیمت ۱۰ آنے - ملنے کا پتہ :- سعید برادرس' برنا کا پل ' بنارس چھاؤنی]

اگرچہ یہ کتاب مختصر ھے مگر ھمارے اھل وطن کے لئے بہت مفید اور کار آمد ھے - اس میں گیارہ فصلیں ھیں' جن کی تفصیل یہ ھے —

پہلی فصل' جسم انسانی - دوسری فصل' ھوا - تیسری فصل' پانی - چوتھی فصل ' کھانا پینا - پانچویں فصل' مکان - چھٹی فصل' کوڑا کرکٹ اور غلاظت کی صفائی - ساتویں فصل' لاش کے متعلق - آٹھویں فصل' ذاتی صفائی - نویں فصل ' متعدی امراض کے پیدا ھونے کے وجوہ - دسویں فصل ' متعدی امراض - گیارھویں فصل ' بیماروں کی غذا - آخر میں بطور تتمے کے طاعون اور ھیضے کے متعلق ھدایات درج ھیں -

ھر فصل میں روز مرہ کے کام کی باتیں لکھی ھیں جن کا جاننا صحت کے لئے ضروری ھے اور جدید تحقیقات کے رو سے جو باتیں دریافت ھوئی ھیں وہ بھی درج کردی ھیں - کتاب عام فہم اور سلیس زبان میں ھے -

لازمی ابتدائی تعلیم

[مصنفۂ منشی میوارام صاحب سابق انسپکٹر مدارس - صفحے ۸۳- قیمت ۶ آنے
ملنے کا پتہ :- منشی شانتی کمار صاحب - ہیوٹ روڈ - لکھنؤ]

لازمی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ ہر صوبہ میں مصلحان تعلیم کے زیر غور ہے - منشی میوا رام صاحب نے اس کتاب کی تصنیف سے ملک پر بڑا احسان کیا - تعلیم یافتہ حضرات تو ان مسائل کو سمجھ سکتے ہیں ضرورت اس امر کی تھی کہ اوسط اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ بھی تعلیم کی ضرورت کو سمجھیں - منشی صاحب نے شرح و بسط کے ساتھ یہ بات ثابت کردی ہے کہ ابتدائی تعلیم ہر طبقہ کے لئے ضروری ہے - اس کے بغیر نہ شہر کا کاریگر اور مزدور اور نہ دیہات کا کسان اپنے فن میں ترقی کر سکتا ہے- کون نہیں جانتا کہ آج مزدور اور کسان سرمایہ دار اور زمیندار کے ظلم و تعدی کا شکار بنا ہوا ہے؛ وہ نہ اپنے حقوق ہی جانتا ہے اور نہ اپنی محنت کی قیمت سے واقف ہے -

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ ابتدائی لازمی تعلیم ہی ہمارے ملک کے اقتصادی امراض کا ازالہ کر سکتی ہے - اس کے بغیر زراعت، دستکاری، مزدوری، صنعت و حرفت فرض کہ کسی پیشے میں ترقی نہیں ہوسکتی آج بھی موجودہ زمانہ نے کسان اور کاریگر کے معلومات ایک ہزار سال قبل کے لوگوں سے زیادہ نہیں - دنیا صدہا میل آگے بڑھ چکی ہے - مگر یہ جہاں تھے وہیں ہیں -

ہمیں امید ہے کہ صوبہ داری حکومتوں کو چاہئے کہ اس کتاب کی اشاعت میں مدد دیں گی اور جلد از جلد لازمی ابتدائی تعلیم رائج کرنے کی کوشش کریں گی جو مہذب ملکوں میں عوام کی ضرورت اولین سمجھی جاتی ہے - اس کے بغیر حکومت ہند کا موجودہ انتخابی نظام کامیاب نہیں ہوسکتا -

بہر حال ابتدائی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا - منشی میوارام کی کتاب ارباب حکومت اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے - کتاب میں زبان کی غلطیاں بہت ہیں مگر یہ ادبی نقص اس مقصد پر کوئی اثر نہیں ڈالتا جو مصنف نے پیش نظر رکھا ہے —

لکھائی چھپائی اچھی - کاغذ چکنا ہے - کتاب منشی شانتی کمار صاحب "شانتی نواس" ہیوٹ روڈ لکھنؤ سے ۶ آنے میں ملسکتی ہے —

[b]

اُردو کے جدید رسالے

——— : o : ———

جدید رسالے جس قدر اس عرصے میں ہمیں وصول ہوے ہیں وہ سب کے سب تقریباً اسی قسم کے ہیں جیسے کہ عام طور پر اور رسالے اس وقت جاری ہیں۔ یعنے ان میں کچھ ادبی مضمون ہیں - اور کچھ تاریخی - نظم و نثر دونوں پائی جاتی ہیں - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ذوق ادب اور لکھائی چھپائی کی صفائی میں ترقی نظر آتی ہے - 'کیف' اجمیر سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - اس میں ادبی اور تاریخی مضامین کے ساتھ قصے کی کی چاشنی بھی ہے - چونکہ آستانۂ خواجہ اجمیر سے نکلتا ہے اس لئے تصوف کا چھینٹا بھی نظر آتا ہے - 'تجلی' ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو حال ہی میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا - اس میں ادب کے ساتھ تاریخ کا پلہ بھی مساوی ہے - رسالہ بہت اچھا ہے اور معلومات کے جمع کرنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے- 'حسن ادب' لکھنؤ سے نکلا ہے- علاوہ نثر کے زیادہ تر حصہ طرحی غزلوں کا ہے-ہر لحاظ سے اوسط درجے کا معمولی پرچہ ہے- 'بیدار' جوالاپور ضلع سہارنپور سے شایع ہوتا ہے - علاوہ ادبی اور اخلاقی نظم و نثر کے مذہبی تحریکوں کا بھی ذکر کرتا ہے - دو رسالے عورتوں کے لئے مخصوص ہیں ایک 'نورجہاں' دوسرا 'سہیلی' دونوں امرتسر سے شایع ہوتے ہیں اور سلیقے سے مرتب کئے جاتے ہیں - عورتوں کے لئے بلاشبہ مفید ہیں —

یہ سب رسالے' سوائے حسن ادب لکھنؤ کے ' لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں —

جیسے جیسے نئے نئے رسالے نکلتے آتے ہیں' لکھنے والے بھی نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور لوگوں میں بھی مطالعہ کا شوق بڑھتا جاتا ہے یہ اُردو زبان کی مقبولیت کی دلیل ہے اور اس سے زبان کو ضرور فائدہ پہنچے گا - لیکن جو صاحب کسی نئے رسالے کے جاری کرنے کا ارادہ کریں تو انہیں تمام پہلوؤں پر غور کر کے اس میدان میں قدم رکھنا چاہئے - ایک آدہ یا چند رسالے جاری کر کے بند کر دینا بہت مذموم اور ناعاقبت اندیشی پر دلالت کرتا ہے - اردو کے متعدد رسالے اس کے شکار ہو چکے ہیں —

انجمن ترقی اُردو کا نیا سہ ماہی رسالہ "سائنس"

اگرچہ اُردو زبان میں رسالوں کی تعداد کچھہ کم نہیں ہے اور آے دن نئے نئے رسالے شایع ہوتے رہتے ہیں، مگر وہ سب کے سب شعر و سخن، خیالی مضامین اور عام ادب تک محدود ہیں۔ جو رسالے علمی کہلاتے ہیں، اُن کی جستجو بھی تاریخ و فلسفہ تک رہتی ہے۔ سائنس سے ہمارے رسالے اور ہماری زبان بالکل خالی ہے۔ سائنس کی تعلیم ہر جگہہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے، مگر اب تک ہماری زبان پر اس کا کچھہ اثر نہیں پڑا اور اہل ملک میں اس کا ذوق پیدا نہیں ہوا۔ یہ بہت بڑی کمی ہے اور اس کا پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے انجمن ترقی اُردو نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ایک سہ ماہی رسالہ ایسا شایع کرے جو شروع سے آخر تک سائنس کے مضامین اور سائنس کی تحقیقات کے لئے وقف ہو۔ اس تجویز کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے —

مقاصد

۱ - زبان اُردو کے ذریعے ملک میں جدید تجربی اور طبیعی علوم کی ترویج و اشاعت —

۲ - یورپ و امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ و با خبر کرنا اور انھیں بھی اِن علوم کے سیکھنے سمجھنے اور اُن کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلانا —

۳ - زبان اُردو کو تجربی علوم کے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرنے کے قابل بنانا اور جدید علمی یا فنی مصطلحات وضع کرنے کی مشکلات حل کرنا —

نظام عمل

۱ - مقاصد بالا کے حاصل کرنے کے لئے انجمن ترقی اُردو اپنے مستقر سے ایک رسالہ موسوم بہ " سائنس " شایع کرے گی، جو سر دست سہ ماہی اور خالص علوم تجربی کے مضامین و مباحث کے واسطے وقف ہوگا —

الف - رسالے کے ہر نمبر میں رسالۂ اُردو کی تقطیع کے کم سے کم سو صفحے ہوں گے اور اسے بہترین ٹائپ میں تصاویر و اشکال کے ساتھہ خوش نمائی کا پورا لحاظ رکھہ کر طبع کیا جاے گا —

ب۔ ہند اور بیرون ہند کے لائق سائنس دانوں کے مفید اور پر از معلومات مضامین فراہم کئے جائیں گے اور ہر مضمون کا کشادہ دلی سے معاوضہ دیا جائے گا —

ج۔ انگریزی یا دوسری زبانوں کے مضامین کے اُردو میں ترجمہ کرنے کا مستقل انتظام کیاجائے گا - اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا جائیگا کہ تمام مضامین کی زبان تاامکان عام فہم اور سلیس ہو —

د -رسالہ کے مستقل ابواب فی الحال حسب ذیل ہونگے :—

(۱) اخبار علمیہ: یعنے جدید انکشافات اور علمی تجربات کی خبریں -ایسے مسائل ومباحث حاضرہ کی اطلاعیں جن کا علمی دنیا میں چرچا ہے —

(۲) علمی مضامین : [الف] علوم تجربی کے متعلق پرمغز اور محققانہ مضامین اور ان کے ترجمے - اور [ب] نسبتہً سادہ اور مفید عام مضامین—

(۳) علمی مصطلحات: جدید اصطلاحات اوران کے وضع کرنے کے قواعد پر بحث وتنقید-

(۴) قدیم علوم تجربی: زمانۂ گزشتہ میں طبیعی اور تجربی علوم کی جو کچھ تحقیقاتیں ہوی ہیں اُن پر تاریخی اور تحقیقی مضامین-

(۵) صناعتی علوم: جن کا مختلف مصنوعات کی ایجاد اور تیاری سے تعلق ہے -

(۶) تبصرے : یعنے اعلیٰ درجے کی تازہ علمی کتابوں کو تفصیلی طور پر اُردو خواں حضرات میں روشناس کرنا -

۲ - ڈاکٹر مظفرالدین صاحب قریشی [پی - ایچ - ڈی] پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی رسالے کے ایڈیٹر منتخب کئے گئے ہیں اور اسی غرض سے ان کے تحت میں ایک دفتر حیدرآباد میں قایم کیا جائیگا جو مضامین کی فراہمی ' ترجموں اور ترتیب وغیرہ جملہ فوائض کا ذمہ دار ہوگا —

۳ - رسالے کی سالانہ قیمت آٹھ روپئے کلدار اور ایک نسخے کی قیمت دو روپئے کلدار ہوگی —

تصریح :— رسالے کے مصارت کا جو تخمینہ کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے جب تک پانسو یا کچھ زیادہ مستقل خریدار نہ ہوجائیں ' رسالے کا خرچ پورا نہیں ہوسکتا- لیکن انجمن ترقی اُردو نے فیصلہ کیا ہے کہ کم از کم دوسال تک بطور تجربہ اس کے تمام مصارت کی کفالت کرے - اُمید کی جاتی ہے کہ روشن خیال اہل وطن جو اُردو زبان کی ترقی اور ملک میں جدید علوم کی ترویج کے فوائد بخوبی سمجھتے ہیں ' اس تجربے میں انجمن کی تا امکان مدد فرمائیں گے —

معتمد انجمن ترقی اُردو' اورنگ آباد [دکن]

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکٹری انجمن ترقی اُردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) " عطائے سلیم "

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جائے گا —

(۲) " عطائے عبدالحق "

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا ، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی —

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا۔ اور ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کرکے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا۔ انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

سچ فرمائیے

۱- کیا جناب کو علم و ادب سے ذوق ہے ؟
۲- کیا جناب کو سیاسیات سے دلچسپی ہے ؟
۳- کیا جناب کو تاریخ سے شوق ہے ؟
۴- کیا جناب اپنی زبان میں یورپ کا لٹریچر دیکھنا پسند کرتے ہیں ؟
۵- کیا جناب ہندوستان کے بہترین شعرا کا پاکیزہ کلام ہر ماہ دیکھنا چاہتے ہیں ؟
۶- کیا جناب اخلاق و تمدنی مضامین سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں ؟
۷- کیا جناب اعلیٰ پیمانہ کے افسانوں سے نیک سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟
۸- کیا جناب زمانہ کی جدید ترین ترقیات معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟
۹- کیا جناب جدید ترین مطبوعات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ؟
۱۰- کیا جناب مصوری کے لاجواب نمونے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ؟
۱۱- کیا جناب تاریخی اور کمیاب تصاویر کے شایق ہیں ؟
۱۲- کیا جناب اپنے فاضل وقت کو بہترین مشغلہ میں صرف کرنا چاہتے ہیں ؟

اگر آپ ان میں سے ایک بھی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو رسالۂ 'شمع' کو ضرور ملاحظہ فرمائیےاور آج ہی ۱۰ آنے کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب فرمائیے- لکھائی' چھپائی بہترین' کاغذ چکنا حجم ۱۱۲ صفحے' چندہ سالانہ ۶روپے ششماہی ۳ روپے آٹھ آنے — [نوٹ] ۱-جنوری سنہ ۱۹۲۷ع سے مصوری کے بہترین نمونوں کے شاہان اودہ کی نہایت قیمتی اور بےمثل تصاویر مسلسل شایع ہورہی ہیں -
۲- تاجر خریدار صاحبان کے لئے حیرت انگیز رعایت- فوراً طلب فرمائیے —

المشتہر

منیجر شمع . حسن منزل شاہ گنج آگرہ

اصلاح سخن

جناب شوق سندیلوی کے کلام پر مشاہیر شعرائے عصر کی اصلاحوں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا محمدعبدالحلیم صاحب 'شرر' و مقدمہ مولوی سلطان حیدر صاحب 'جوش' قیمت تین روپیہ —

المشتہر

حکیم محمد بہاءالدین صدیقی وہائٹ گنج ہردوئی

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ—

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیٰن کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ—

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے- قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں- قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ—

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم‌الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے- مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے- قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر المصدور امور مذھبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی، مفرد ومرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اورعلمی بحثوں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اُردو میں بعض اوربھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے- اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل- بلی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد- اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب‌الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمائیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ‌تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت‌تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا ئے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایون نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھای روپیہ —

قاموس المشاھیر

جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھ روپیہ، جلد دوم چھ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدہ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدہ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن السکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چارآنہ -

مقتل فریب مغربی معمل خانے

مولفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

الـــ

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل موقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت ' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ' دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عہدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر داں اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ' اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر' سہل' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجاے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے' کاغذ بہت عمدہ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaology, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے ناگزیر ہے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ—

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ' کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے-

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی‌بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ' اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس‌العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس‌العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ-مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زہرا بیگم صاحبہ نیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' ہر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے-

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامیں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یاد گار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے- کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھہ عید کے موقعہ پر دوست- احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالسرور خمن حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ‌زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو نے صحیح خیالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس‌اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب وتالیف کیا ہے- قابل دید ہے- قیمت قسم اول دو روپیہ' قسم‌دوم ایک روپیہ‌آٹھہ‌آنہ -

معراج‌العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنھوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھہ چھپی ہے - قیمت ۲ آنہ —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلبائے تاریخ ذکری کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس‌اللہ صاحب' قیمت ۲ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و فیرفانی شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر تابلانہ

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۶ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھلایا ہے ' مرتضیٰ' مشفق' کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک ملغم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات- قیمت ڈیڑھ روپیہ—

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوئی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا ' قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑھ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی' مردی' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)		کلمات شبلی	ڈیڑھ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	انقلاب الامم	۲ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۶ روپیہ	برکلے	ڈیڑھ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	مکالمات برکلے	ڈیڑھ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ	مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
علم الکلام	۲ روپیہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ	سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ

(نوٹ' کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رشد ۴ روپیہ
کل رعنا ۵ روپیہ
سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعر الہند مجلد ۵ روپیہ
شعر الہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

تہاتر (فارسی) ۳ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دلی)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۶ آنہ
سیرۃ الرسول ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۶ آنہ

اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہار العرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۶ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ڈیڑھ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زریں مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ
قسم دوم ۴ روپیہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مکاتیب اکبر	۱ روپیہ
میدانِ سخن	۱ روپیہ
حزن اختر	۸ آنہ
درس عمل	۴ آنہ
خواتین انگورا	۱ روپیہ
بیکمات بنگال	۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنہ
مشرقی ترکستان	۶ آنہ
سیاحت زمین	۱ روپیہ
سیاحت ہوا	۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری	۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ	۶ آنہ
ملسمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ
ہوم رول	۵ آنہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ
و کرم عروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب	۶ آنہ
الحسان	۸ آنہ
ارض نہریں	۴ آنہ
تذکرۂ حزیں	۴ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ
خطابی	۴ آنہ

میلاد نبوی	۴ آنہ
تصویر درد	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
فریاد اُمت	۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سلجوق	۱۰ آنہ
جواہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائلس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اخترالنسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دھلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم بتیسی حصہ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گوہر مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواءالسبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی	۸ آنہ
دلچسند کہانیاں	۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنہ
(تصانیف نورالهي و مصدعسر صاحبان)	
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ
ناٹک ساگر [یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ] مجلد ۳ روپیہ	

تین توپیاں	۸ آنہ
ظفر کی موت	۴ آنہ
قزاق	۸ آنہ
بگڑے دل	۸ آنہ
(دوسری قابل قدر کتابیں)	
رسائل شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ	۵ آنہ
بشریٰ	۶ آنہ
زکریٰ	۱۰ آنہ
سیرالمصنفین	۲ روپیہ
جہاں آرا بیگم	۸ آنہ

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کسی قیمت کے ساتھہ دی جائینگی - اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھا ئینگے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں، ان کی قیمتوں میں کوئی کسی نہیں کی جاسکتی —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے—

اِن معاونوں کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کے تصانیف

جو دفتر دلگداز کتبہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

میں موجود ھیں

(تاریخ اور لائف)

جنید بغدادی

سلسلۂ مشاھیر اسلام کی پہلی کتاب، حضرت جنید قدس سرہٗ العزیز کے حالات زندگی۔ آپ کی تعلیمیں، آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفۂ الٰہی ۱ روپیہ—

حسن بن صباح

بانیٔ فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی۔ اُس کی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور اس کے جانباز فدائی۔ ۲ آنہ—

ملکۂ زنوبیہ

ارض شام کی ایک عربی نژاد ملکہ جو ظہور غیر اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ ۳ آنہ—

افسانۂ قیس

مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی۔ جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شایع ہوے تھے۔ ۳ آنہ—

ابوبکر شبلی

آپ کے حالات، آپ کا جوش وحدت اور جذب و خروش ۱ روپیہ—

خواجہ معین الدین

حضرت قطب الہند خواجہ اجمیری کے مستند تاریخی حالات و کمالات۔ ۲ آنہ—

المشتہر

منیجر دلگداز کتبہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

سکینہ بنت حسین

جناب امام حسین (رض) کی صاحبزادی کے سچے تاریخی حالات - ۶ آنہ—

قرۃ العین

ایران کی ایک مشہور مجتہد زادی کے دلچسپ حالات ڈھائی - آنہ—

ولادت سرور عالم

مولد شریف مصنفہ علامہ ابوالفرج بن جوزی رحمۃ اللہ کا اُردو زبان میں فصیح و بلیغ ترجمہ - نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں ۸ آنہ —

ذی النورین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی ۱۰ آنہ—

ثانی اثنین

حضرت ابوبکر صدیق (رض) کے حالات زندگی ۶ آنہ—

ابوالحسنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی ۸ آنہ —

———: o :———

(ناول)

یوسف و زلیخا مکمل

ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول - ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد کا ایک واقعہ - جگ بیتی نہیں آپ بیتی - کیا موثر ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری ۱ روپیہ ۸ آنہ—

شوقین ملکہ

دوسری صلیبی لڑائی کے واقعات انیفر ملکۂ فرانس کی عشق بازیاں - مردوں کے پہلو میں زنانہ کیمپ اور اُس کی سحر آفرینیاں - عجب مزے کا ناول ہے ۱ روپیہ ۸ آنہ—

فتح اُندلس

اسپین پر عربوں کا حملہ - جولین حاکم سبطہ کی بیٹی کے ساتھ مسیحی شاہ اسپین کی دغابازی - اور آخر اُن مظالم کا مسلمانوں کے ہاتھ سے عجب لطف کے

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

ساتھہ خاتمہ - صرف ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے سچے واقعات میں کیسی جان ڈالی ہے ۲ روپیہ—

مقدس نازنین

ایک انگریز لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے میں ترقی کر کے پوپ منتخب ہو جانا - مسند پاپائی پر بیٹھہ کے اُس کا وضع حمل - مسیحیوں میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھہ سے اُس کا نجات پانا ۱ روپیہ ۸ آنہ —

فلورا فلورنڈا

ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان میں عیسائیوں کی حالت اور اُن کا مجذونانہ جوش شہادت - ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور محو حیرت بنا دینے والا انجام ۱ روپیہ ۸ آنہ —

ایام عرب

[دو حصہ] - جاہلیت عرب کے رسم و رواج - شاعری اور بہادری - رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق - دو عربی شاہزادیاں اور دو عربی سچے بہادر نوجوان اور پھر اُس کے ساتھہ عربی مکاری دغابازی اور انتقام لینے کی تصویر - دربار بنی غسان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیریں و مریم کی سرگذشت ۲ روپیہ ۸ آنہ —

ملک العزیز ورجنا

تیسری صلیبی لڑائی - رچرڈ شیر دل - اور صلاح الدین اعظم - معرکۂ کارزار- جانبازی اور سرفروشی-اور پھر اُس کے ساتھہ سچا عشق - دس آنہ —

حسن اینجلنا

روس اور روم کی لڑائی-ایرانیوں اور ترکوں کی پھوٹ - اس کا انجام اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد - دس آنہ —

منصور موہنا

ارض سندہ میں ایک مسلمان انصاری خاندان- اس کی تباہی اور پھر نمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا - حسن و عشق کی نہایت دلفریب و دلکش تصویریں- مسلمان مجاہدوں کے آگے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری- دس آنہ—

فردوس بریں

نہایت ہی حیرت انگیز ناول فرقۂ باطنیہ -حشیشین-اور اُن کے فدائی-جیتے جی

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

جنت کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حور بن جانا - اور اُس کے عاشق کا باطنی لوگوں کے ہاتھہ میں پڑ کے خراب ہونا- اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفۂ الٰہی اور اُس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رخ - اس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے- بے مثل و بے نظیر ناول ہے- قیمت ایک روپیہ —

شہید وفا

غرناطہ اور اسپین میں مسلمانوں کا زوال اور اس زوال کی حالت میں بھی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا - بیتابانہ عشق - حسرت و اندوہ کی سچی تصویر قیمت ایک روپیہ —

درگیش نندنی

بابو بنکم چندر چٹر جی کے اِسی نام کے دلچسپ ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اُردو میں-قیمت ایک روپیہ —

دلچسپ

[دو حصے] مصنف کا پہلا زور قلم - عشق اور اُس کی بیتابیاں - خاندانی جھگڑے- بگڑے شریف زادے-اس کا دلکش لٹیریچر خاص شان اور خاص رنگ کا ہے — قیمت چودہ آنہ —

دلکش

[دو حصے] طالب علمی اور عشق - نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نہایت دلکش و پر لطف- قیمت چودہ آنہ —

ڈاکو کی دولہن

ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول جس کا ترجمہ کرکے دلگداز میں شایع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - قیمت بارہ آنہ —

آغاصادق کی شادی

لکھنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر-جو عورتیں دھوکہ دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات سمجھتی ہیں اُن کی غفلت کا خمیازہ— قیمت دس آنہ —

بدرالنسا کی مصیبت

ایک حسرت ناک داستان جس میں ریل پر بیبیوں کے بدل جانے سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں- قیمت چھہ آنے —

المشتہر

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

میوۂ تلخ

ایک دلچسپ ڈراما رضامندی اور نا رضامندی کی شادیاں-قیمت آٹھہ آنے —

الفانسو

ایک سچا عاشقانہ تاریخی ناول جو بہت دلچسپ ہے قیمت بارہ آنے —

بابک خرمی

سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی ناول ہر دو جلد ایک روپیہ آٹھہ آنے۔

جویاے حق

حضرت خاتم الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مبارک حالات نہایت دلچسپ عنوان سے ازولادت تا رحلت - حصۂ اول ایک روپیہ چار آنہ حصۂ دوم دو روپیہ بارہ آنہ کامل چار روپیہ —

فلپانا

ارض طرابلس الغرب پر صحابہ کا حملہ-حضرت عثمان ذی النورین کا عہد- صحابہ کی پاکبازی و نیک نفسی - سچی شجاعت اور ایثار نفس - شاہزادی فلپانا اور عبداللہ بن زبیر [رض] قیمت ایک روپیہ آٹھہ آنے—

زاول بغداد

چھ سنیوں کی نااتفاقی کا عبرتناک نتیجہ-بغداد کی تباہی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

رومۃ الکبریٰ

قدیم دولت روم اس کا کر و فر اور کانہ لوگوں کا اس پر حملہ - قیمت ایک روپیہ چار آنے —

قیس و لبنیٰ

عرب کا سچا عاشق اور سچے جذبات محبت - ۱ روپیہ ۴ آنہ—

لعبت چین

عہد صحابہ کا ایک تاریخی ناول جس میں فتوح ما وراالنہر کے حالات مذکور ہیں - ۱ روپیہ—

مفتوح فاتح

بنی امیہ کے عہد میں اسپین کا ایک سچا تاریخی واقعہ - کوہ پیرے نیز کے دلچسپ و دلکش مناظر کی سیر - ایک نہایت ہی دلچسپ تاریخی ناول ۱ روپیہ ۴ آنہ —

الناشر ——— تہر

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

ماہ ملک

دولت غوریہ کا عروج، سلاطین غوریہ کے کارنامے اور اُس عہد کی معاشرت - ۲ روپیہ—

طاہرہ

لکھنؤ کے آخری عہد شاہی کا ایک نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول جس سے ہماری معاشرت کو بہت سے فائدے پہونچ سکتے ہیں بالکل نیا اور اچھوتا - ۱ روپیہ—

حسن کا ڈاکو

حرام پور کے نواب کا اعمال نامہ حصۂ اول ۱۲ آنہ حصۂ دوم ۱۲ آنہ—

اسرار دربار حرام پور حصۂ اول و حصۂ دوم

نواب مذکور کے رہے سہے حالات - فی حصہ ۵ آنہ—

خوفناک محبت

ہندوستانی شریف زنديوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی ۱ روپیہ ۴ آنہ—

غیب دان دولھن

بی بی کی حیرت انگیز غیب دانی ۱ روپیہ—

مینا بازار

شاہجہاں کے عہد کا ایک دلچسپ اخلاقی و تاریخی ناول ۱ روپیہ --

نیکی کا پھل

مولانا کا سب سے آخری تاریخی ناول - ۱ روپیہ—

———: o :———

(ڈرامے اور نظمیں)

اسیری بابل

گولڈ اسمتھ کے ایک ڈراما کا نظم اُردو میں ترجمہ - ۴ آنہ—

زمانہ اور اسلام

ایک پرسوز و گداز نظم - ۳ آنہ—

منیجر دلگداز فتحپور بزن بیگ خاں لکھنؤ

شب غم

فراق کی بیتابیاں اور بیقراریاں - ۱ آنہ—

———: o :———

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ

معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک پر مغز رسالے کا ترجمہ - ۳ آنہ—

حلیۃ العذرا (فارسی)

دین برحق حنیفی کی تاریخ جس میں انبیاے سلف کے صحیح مشرح حالات کے سلسلے میں تاریخ قدیم بھی درج کر دی گئی ھے - اسیریا - مصر - یونان - روم کے پورے تاریخی حالات موجود ھیں اور ملت ھاے یہود و نصاریٰ کی سچی تاریخ معلوم ھو جاتی ھے اور کل سنین ولادت معمدی سے نکالے گئے ھیں - اس کتاب کو مولانا نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم کے لئے نہایت سلیس و فصیح فارسی میں لکھا اور چکنے سفید ولایتی کاغذ پر چھپوایا ھے - قیمت حصۂ اول' ۱ روپیہ- حصۂ دوم ۲ روپیہ ۸ آنہ' کامل ۳ روپیہ ۸ آنہ—

سرسید کی دینی برکتیں

اِس کا بیان کہ سرسید احمد مرحوم سے مسلمانوں کو کیسا دینی فائدہ پہنچا - ۲ آنہ—

ھندوستان کی موسیقی

مولانا شرر کا ایک عالمانہ لکچر جس میں ھندی موسیقی پر عربی موسیقی کا اثر دکھایا ھے ۴ آنہ—

معیار زندگی

مولانا مرحوم کا ایک قابل قدر لکچر ۴ آنہ—

معتزلہ

فرقۂ معتزلہ کے مفصل حالات - اس فرقے کا عروج و زوال ۱۲ آنہ—

———: * :———

المشتہر

منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

دلگداز کی جلدیں

جلد دلگداز سنہ ۱۸۹۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۷ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۸ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۹ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۱ ع یہ جلد ۱۹۲۰ ع و ۱۹۲۱ ع میں مرتب (ہوئی مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۲ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۳ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۴ ع (دس پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ

—:*:—

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

اتالیق بی بی

میاں بی بی کی نوک جھوک خلوت کا جاسوس ۸ آنہ—

پاداش عمل

رینالڈز کے مشہور ناول کلتھہ کا نہایت فصیح اور عام پسند ترجمہ یہ ناول نہایت ہی دلچسپ اور دیکھنے کے قابل ہے جن لوگوں نے دیکھا بہت پسند کیا-پانچ جلدوں میں پورا ہوا-حصۂ اول ۱ روپیہ ۴-آنہ حصۂ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ سوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ پنجم ۱ روپیہ ۱۲ آنہ - مکمل کی قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ

دولت ہسپانیہ عرب

خود اسپین کا مورخ کانتی وہ ہے جس کی نسبت یقین کرنا چاہئے کہ اسلام

الہ ——— شہر

منیجر دلگداز کتڑہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

کا دلدادہ اور مسلمان تھا۔ اصل عربی و ہسپانی تاریخوں سے اخذ کرکے ایک صدی پیشتر اِس نے یہ صحیح تاریخ لکھی تھی جو تقریباً پانچ پانچ سو صفحوں کی تین جلدوں میں ہے - اِس کا ترجمہ یورپ کی سب زبانوں میں ہوگیا ہے - اب مولوی محمد صدیق حسن صاحب نے بڑی محنت سے اور عربی ناموں کی تصحیح کے ساتھ اُس کا ترجمہ اُردو میں کیا - قیمت حصۂ اول ۱ روپیہ حصہ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ حصہ سوم ۲ روپیہ ۶ آنہ- حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ- حصۂ پنجم ۲ روپیہ —

رفع النقاب

مروجہ پردہ کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۸آنہ —

رامائن کے بعض سین ۴ آنہ—

مسلمان تاجداران ہند حصۂ اول

یعنے مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مستند اور نہایت بکارآمد تاریخ جس میں خلافت فاروقی سے آخر عہد سلاطین غوریہ تک کے حالات بہت اچھی اور سادی زبان میں بیان کردیے گئے ہیں قیمت فی جلد ساڑھے ۵آنہ—

مسلمان تاجداران ہند حصۂ دوم

جس میں غلام تاجداروں کے عہد سے صاحبقران تیمور کے حملے تک کے تمام حالات بیان کردیے گئے ہیں - قیمت ساڑھے ۶ آنہ —

مسلمان تاجداران ہند حصۂ سوم

جس میں صاحبقران تیمور کے ہندوستان سے جانے کے بعد جو سلطنتیں قائم ہوئیں اُن کا اور سلاطین سادات اور لودھی و بابر و ہمایوں و شیر شاہ اور اس کے خاندان کے دیگر بادشاہوں کا حال لکھا گیا ہے - قیمت ۸ آنہ—

مجذوب

جنگ کریمیا کے واقعات پر ایک دلچسپ ناول جس میں سباسٹپول اور پیرس کے مناظر اور انگریزی اور فرانسیسی معاشرت کے اختلافات نہایت خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں قیمت۸ آنہ —

منیجر دلگداز کثرہ بزن بیگ خاں - لکھنؤ

مولانا شرر مرحوم کی یاد گار

دلگداز

لکھنؤ کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اُردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹیریچر سے بھردیا - خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال مابعد کے چندے اور محصولڈاک پروی پی روانہ کردیا جاتا ہے قیمت سالانہ مع محصولڈاک ایک روپیہ آٹھہ آنے دلگداز کا وي پی ایک روپیہ گیارہ آنے کا اور ناول کا اُس کا محصول بڑھاکےایک روپیہ بارہ آنے کا بھیجا جاتا ہے —

منیجر دلگداز

کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

اُردو

جلد ہفتم　　حصۂ بست و ہشتم

اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	۱۲۶۱ ھجری میں دھلی کا ایک مشاعرہ	جناب مرزا فرحت‌اللہ بیگ صاحب بی - اے دھاوی	۵۷۱
۲	مومن پر ایک نظر	جناب ضیاء احمد صاحب ایم - اے بدایونی لکچرار اُردو انٹر میڈیٹ کالج علی گڈھ	۶۶۳
۳	پروفیسر براؤن	مترجمہ جناب اختر محمود شیرانی صاحب اڈیٹر "بہارستان" لاہور	۷۱۵
۴	کیا اُردو شاعری تقلیدی اور غیر فطری ہے؟	جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم - اے لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی	۷۵۳
۵	زندگی (نظم)	جناب مولانا وحیدالدین صاحب سلیم، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ	۷۷۱
۶	تبصرے	اڈیٹر و دیگر حضرات	۷۷۵

۱۲۶۱ ھجری میں دھلی کا ایک مشاعرہ

از

[جناب مرزا فرحت‌اللہ بیگ صاحب بی۔اے دھلوی]

۱ - تمہید

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت بر قرار

بقول غالب مرحوم "انسان "ایک محشر خیال" ہے لیکن خیال میں حشر بپا ہونے کے لئے کسی بیرونی تحریک کا ہونا لازمی ہے - دماغ خیال کا گنجینہ ہے ' لیکن اس گنجینے کے کھلنے کے واسطے کسی ظاہری اسباب کی کُنجی کی ضرورت ہے - مجھے بچپن سے شعرائے اُردو کے حالات پڑھنے اور سننے کا شوق رہا ہے' مگر کبھی کوئی ایسی تحریک نہیں ہوئی جو اُن کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کا خیال پیدا کرتی- اور یہ خیالات الفاظ کی شکل میں ظاہر ہوکر ایک خوشنما چلتی پھرتی تصویر بن جاتے-

جب کوئی بات ہونیوالی ہوتی ہے تو اسباب خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں - اتفاق دیکھئے کہ پرانے قدیم کاغذات میں مجھکو حکیم مومن خاں 'مومن' دھلوی کی ایک قلمی تصویر ملی؛ تصویر کا ملنا تھا کہ یہ خیال پیدا ہوا کہ تو بھی محمدحسین آزاد مرحوم کے "نیرنگ خیال" کی محفل شعراء کی طرح ایک مشاعرہ قایم کر ' مگر اُن لوگوں کے کلام پر تنقید کرنے کی بجاے صرف اُن کی چلتی پھرتی تصویر ہی دکھا- خیال میں رفتہ رفتہ پختگی ہوئی اور اس پختگیء خیال نے ایک مشاعرے کا خاکہ پیش نظر کردیا - لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مختلف زمانوں کے شاعروں کو کس طرح ایک جگہ جمع کروں اس عقدے کو امیرالدہ تسلیم مرحوم کے اس شعر نے حل کردیا —

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

اس شعر کا یاد آنا تھا کہ شعرائے دھلی کا آخری دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا - اور دل میں یہ بات جم گئی کہ بجائے تمام شعرائے اُردو کے، دھلی کے آخری دور کا نقشہ کھینچ دیا جائے - قاعدے کی بات ہے کہ مرنے سے پہلے بیمار سنبھالا لیتا ہے - اُردو شاعری کے حق میں بہادر شاہ ثانی کا زمانہ بھی دھلی کا سنبھالا تھا - بادشاہت برائے نام تھی اور جو تنخواہ بادشاہ سلامت کو ملتی تھی اس میں قلعہ کا خرچ بھی مشکل سے چلتا تھا - برخلاف اس کے دکن اور اودھ میں دولت کی گنگا بہ رہی تھی، پھر بھی "دریائے جمنا کی چمکیلی ریت" دھلی والوں کے لئے نظر فریب رہی اور اس "اُجڑے دیار" میں شعرا ہی نہیں ہر فن کے کاملوں کا ایک ایسا مجمع ہو گیا جس کی نظیر ہندوستان تو ہندوستان دوسرے کسی ملک میں بھی ملنی دشوار ہے—

زمانہ ایک رنگ پر نہیں رہتا - ۱۸۵۷ع سے قبل ہی ان کاملین فن میں سے بہت سے تو ملک عدم کو سدھارے، جو بچے کھچے رہ گئے تھے ان کو غدر کے طوفان نے تتر بتر کر دیا - جس کو جہاں کچھ سہارا ملا، وہیں کا ہو رہا - دھلی برباد ہو کر حیدرآباد اور رامپور آباد ہوے - اکثر شرفا گھروں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کو دھلی کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، جو رہ گئے ہیں وہ چلنے چلانے کو تیار بیٹھے ہیں؛ بہت سے اُٹھ گئے، بہت سے اُٹھتے جاتے ہیں؛ اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ کوئی یہ بتانے والا بھی نہ رہے گا کہ مومن مرحوم کا مکان کہاں تھا، جس طرح سوائے میرے اب شاید کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے—

ان حالات کو دیکھ دیکھکر مجھے خیال آیا (اس خیال کی محرک مومن مرحوم کی تصویر بھی ہوئی) کہ "اُردو" کے لئے ان سے ایک ایسا تو چراغ روشن کر لوں

جس کی روشنی میں آنے والی نسلیں زبان اُردو کے ان محسنوں کی شکلیں (خواہ وہ دھندلی ھی کیوں نہ سہی) دیکھہ سکیں اور ان کا کلام پڑھتے وقت کم سے کم ان کی صورتوں کا ایک موھوم سا نقشہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے پھر جاے۔ جو لوگ علمی مذاق رکھتے ھیں وہ جانتے اور سمجھتے ھیں کہ کسی کا کلام پڑھتے وقت اگر اس کی شکل و صورت، حرکات و سکنات، آواز کی کیفیت، نشست و برخاست کے طریقے، طبیعت کا رنگ اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کے لباس اور وضع قطع کا خیال دل میں رھے تو اس کا کلام ایک خاص اثر پیدا کردیتا ھے اور پڑھنے کا لطف دوبالا ھوجاتا ھے۔ ورنہ مصنف کے حالات سے واقف ھوے بغیر اسکی کسی کتاب کا پڑھ لینا گراموفون کے ریکارڈ سننے سے زیادہ موثر نہیں ھوتا۔ یہی وجہ ھے کہ آجکل مہذب ممالک کے کسی مصنف کی کوئی کتاب شائع نہیں ھوتی جس کے شروع میں اسکے حالات درج نہ کئے جائیں اور وہ واقعات نہ دکھائے جائیں جن کی موجودگی میں وہ تصنیف ضبط تحریر میں آئی —

یہی خیالات تھے جنھوں نے مجھے ان چند اوراق کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ اس البم میں آپ ایسی بہت سی تصویریں دیکھیں گے جو ان کاملین فن نے اپنے ھاتھہ سے خود کھینچی ھیں؛ بہت سے ایسے مرقعے پائیں گے جو دوسرے مصوروں کے ھاتھہ کے بنے ھوے ھیں؛ بعض ایسے نقش و نگار ملیں گے جو فوٹو یا قلمی تصاویر دیکھکر الفاظ میں اُتارے گئے ھیں؛ اکثر و بیشتر ایسی صورتیں ھوں گی جو خود میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھکر بنائی ھیں۔ لیکن ھر صورت میں شہادت تائیدی کے مقابلے میں شہادت تردیدی کو زیادہ وقعت دی ھے یعنی اگر کسی واقعے کے متعلق ایک بھی مخالف بات معلوم ھوئی تو اس واقعے کو قطعاً ترک کر دیا—

اگر اتنے سارے حلیے ایک جگہ ھی جمع ھو جاتے تو یقیناً یہ مضمون فوج کے چہروں کا رجسٹر بن کر بے لطف ھو جاتا لیکن اِدھر تو آزاد مرحوم کے فیرنگ خیال نے دل میں مشاعرہ کا خیال ڈالا، اُدھر کریم الدین مغفور کی کتاب

طبقات الشعرائے ہند کے طبقۂ چہارم نے رجب ۱۲۶۱ ھجری کے ایک مشاعرے کا پتہ دیا - اب کیا تھا دونوں کو ملا کر ایک مضمون پیدا کر لیا ' رھی رنگ آمیزی اس کی تکمیل میں خود کر دیتا ھوں - البتہ اچھے برے کی ذمہ داری نہیں لیتا—

بحیثیت مورخ ۱۲۶۱ ھجری کے واقعات میں خود اس طرح لکھ سکتا تھا گویا یہ سب میرے چشم دید ھیں - اور

ھمچو سبزہ بارھا روئیدہ ام ھفصد و ھفتاد قالب دیدہ ام

پر نظر رکھتے ھوے اس زمانے کا بھی " مرزا الم نشرح" بن سکتا تھا - مگر میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ کریم الدین مرحوم کی کامیابی کا سہرا اپنے سر پر باندھوں اور ایسے شخص کو دودہ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینکدوں جس نے اس مشاعرے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا : جس کے مکان پر یہ مشاعرہ ھوا تھا اور جو اس مشاعرے کی روح رواں تھا - یہ ضرور ھے کہ ان کی یہ مجلس محدود تھی اور میں نے اس کو اتنی وسعت دی ھے کہ اُس زمانے کے تقریباً سب بڑے بڑے شعراء کو اس میں لا بٹھایا ھے - اب اس میں مجھے کامیابی ھوئی یا نہیں اس کا اندازہ قارئین کرام فرما سکتے ھیں - اگر ھوئی ھے تو زھے نصیب میری محنت ٹھکانے لگی' اگر نہیں ھوئی تو کم سے کم یہی سمجھکر کر میری داد دی جاے کہ " مرزا صاحب نے بات تو اچھی پیدا کی تھی مگر نباہ نہ سکے'جو ان سے نہیں ھوا وہ اب ھم کر دکھاتے ھیں"- ممکن ھے کہ اس طرح کوئی قلم کا دھنی ان " خفتگان خاک" کا ایک ایسا مرقع تیار کردے جو بزم ادب اُردو میں سجانے کے قابل ھو—

لیجئے " میں" اب " مولوی کریم الدین صاحب" کی جون میں حاضر خدمت ھوتا ھوں' لیکن یہ ضرور عرض کئے دیتا ھوں کہ جب میں اپنی تمام محنت " کریم الدین صاحب" کے نذر کر رھا ھوں تو جو کچھہ برا بھلا آپ کو اس مضمون کے متعلق کہنا ھے وہ مجھے نہ کہئے' مولوی صاحب کو کہئے اور خوب دل بھر کر کہئے - میں خوش اور میرا خدا خوش - والسلام—

۲ - تدبیر

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

میرا نام کریم‌الدین ہے - میں پانی پت کا رہنے والا ہوں یہ قصبہ دہلی سے ۴۰ کوس پر بجانب شمال مغرب واقع ہے اور اپنی لڑائیوں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہے - ہم اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے ؛ مولویوں کا خاندان تھا ؛ لیکن زمانے کی گردش نے ایسا پیسا کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگئے ؛ جائداد ضبط ہوگئی ؛ میرے دادا صاحب قبلہ ایک مسجد میں جا بیٹھے اور اللہ اللہ کرکے گزاردی - جب ضبط شدہ جائدادوں کے متعلق دریافت شروع ہوئی تو توکل نے انکا دامن پکڑلیا ؛ اپنی جگہ سے نہ ہلے - نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے روٹیوں کا سہارا کھو بیٹھے - میرے والد سراج الدین مرحوم بمصداق عصمت بی بی از بے چادری متوکل بنے رہے اور مسجد میں ایسے بیٹھے کہ مر کر اٹھے - میں ۱۲۳۷ ھجری میں عین عیدالفطر کے دن پیدا ہوا - میری تعلیم انہی دونوں بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی - لیکن بے چین طبیعت اور خاندانی جھگڑوں نے آخر پانی پت چھڑایا - اس زمانے میں دہلی میں علم کا بڑا چرچا تھا ہر فن کے کاملوں سے دہلی بھری پڑی تھی ؛ ہر سمت علم کے چشمے جاری تھے "ملا کی دوڑ مسجد" میں بھی پانی پت چھوڑ دہلی آگیا - کاپی نویسی سے گزارا کرتا ؛ محنت مزدوری کے بعد ہی ذوق علم ہر حلقہ درس میں مجھے لے جاتا - اسی زمانے میں دہلی کالج کی تنظیم جدید ہوئی تھی - طالب علموں کی تلاش تھی ؛ میں بھی ۱۸ سال کی عمر میں وہاں شامل ہوگیا - سولہ روپیہ وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اس طرح میں نے علم کی پیاس بڑی حد تک بجھائی ؛ لیکن یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ علم کو علم کے لئے حاصل کیا جاتا ؛ اب اس کے ساتھ گزارہ کی ایک بڑی شق لگ گئی تھی - اس لئے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک مطبع کھولا - قاضی کے حوض پر مبارک‌النساء بیگم کی حویلی کرایہ پر لی - عربی کی مشہور مشہور کتابوں کے ترجمے چھاپے لیکن مطبع جیسا چلنا چاہئے تھا نہ چلا - یہ اُردو شاعری کے

شباب کا زمانہ تھا - بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب اسی رنگ میں رنگے ہوے تھے خیال آیا کہ ایک مشاعرہ قائم کر کے شعراء کے حالات اور ان کا کلام طبع کروں ' ممکن ہے کہ اس طرح مطبع چل جاے - مجھے شاعری سے نہ کبھی لگاؤ تھا اور نہ اب ہے' بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ہوں ؛ کیونکہ اہل علم کا یہ پیشہ نہیں ہے - وہ لوگ جو معیشت سے فارغ البال ہیں اپنے دل بہلانے اور حسرت نکالنے کے لئے شاعری کرتے ہیں —

میں خود عالم ہوں ' میرے باپ دادا عالم تھے ' بھلا میں تو اس قسم کے فضولیات کی طرف توجہ بھی نہ کرتا ' مگر کیا کروں ' ضرورت سب خیالات پر حاوی ہوگئی اور مجھے قیام مشاعرہ پر مجبور کیا - لیکن بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک تو اس شہر میں غریب اور خاص کر پردیسی غریب کو منہ نہیں لگاتے ؛ دوسرے یہ کہ میری جان پہچان تھی تو مولویوں سے وہ بھلا اس معاملے میں میرا کیا ساتھ دے سکتے تھے- سوچتے سوچتے نواب زین العابدین خان 'عارف' پر نظر پڑی ' اُن سے دو چار دفعہ ملنا ہوا تھا - بڑے خوش اخلاق آدمی ہیں - لال کوئیں کے پاس ایک حویلی ہے اس کو مدرسہ بھی کہتے ہیں ' وہاں رہتے ہیں - کوئی ۳۰ سال کی عمر ہے؛ گوری رنگت' اونچا قد اور نہایت جامہ زیب آدمی ہیں-البتہ داڑھی بھر کر نہیں نکلی ہے'تھوڑی ہی پر کچھ گنتی کے بال ہیں - غالب کے بھانجے بھی ہیں اور شاگرد بھی-کچھ عرصے تک شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی ہے' بہر حال اُن کی محبت' اُن کی شرافت اور سب سے زیادہ اُن کے رسوخ نے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور اس بارے میں ان کی امداد حاصل کرنے پر مجبور کیا - ایک روز صبح ہی صبح گھر سے نکل ان کے مکان پر پہنچا - معلوم ہوا کہ وہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیراعظم کے مکان پر تشریف لے گئے ہیں - حکیم صاحب کا مکان سرکی والوں ہی میں تھا - واپسی میں دروازے پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواب زین العابدین خان اندر ہیں - چوبدار کے ذریعہ سے اطلاع کرائی - انہوں نے اندر بلا لیا - بڑا عالیشان مکان ہے '

صحن میں نہر ہے، سامنے بڑا چبوترہ ہے اور چبوترے پر بڑے بڑے دالان در دالان، مکان خوب آراستہ پیراستہ ہے ؛ ہر چیز سے امارت ٹپکتی ہے - سامنے گاؤتکیہ سے لگے نواب صاحب بیٹھے تھے- میں نے تو ان کو پہچانا بھی نہیں، سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے اور چہرے پر جھریاں پڑگئی تھیں - میں نے سلام کرکے کیفیت پوچھی - کہنے لگے " مولوی صاحب کیا کہوں کچھہ دل بیٹھا جاتا ہے بظاہر کچھہ مرض بھی معلوم نہیں ہوتا، علاج کر رہا ہوں مگر بے نتیجہ - بھئی اب ہمارے چل چلاؤ کا زمانہ ہے کچھہ دنوں دنیا کی ہوا کھا رہے ہیں - مگر یہ تو کہئے آج آپ کدھر نکل آئے "- میں نے واقعات کا اظہار کر کے ضرورت بیان کی - تھوڑی دیر تک سوچتے رہے - پھر ایک آہ بھر کر کہا " میاں کریم الدین تم کو بات تو اچھی سوجھی ہے، مگر بھئی اس کا نباھنا مشکل ہے - تمہیں خبر نہیں دھلی کے پہلے مشاعروں نے کیا کچھہ دلوں میں فرق ڈالدئے ہیں - دل تو میرا بھی چاھتا ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھہ لوں جس میں یہاں کے سب کاملین فن جمع ہوجائیں، مگر مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی - اچھا تم بھی کوشش کرو، میں بھی کرتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صورت نکل آئے - ہاں ٹھیرو، حکیم صاحب کو آنے دو، ایک تجویز ذھن میں آئی ہے، اگر چل گئی تو میری بھی آخری خواھش پوری ہوجائیگی اور تمہارا بھی کام نکل جائے گا" - ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حکیم صاحب نکل آئے - گورے چٹے آدمی ہیں، سفید بھری ہوئی داڑھی، گول چہرہ اس میں کچھہ کچھہ چیچک کے داغ، آنکھوں سے ذھانت ٹپکتی تھی ؛ سر سے پاؤں تک سفید لباس پہنے ہوئے تھے ؛ فن طب میں کامل اور تاریخ کے عالم ہیں- میں آداب بجا لایا- میری طرف مسکرا کر دیکھا- اور نواب صاحب سے کہا "آپ کی تعریف کیجئے"-اُنہوں نے کہا "یہ میرے قدیم ملنے والوں میں سے ہیں- خود شاعر نہیں مگر شعر فہم ہیں - آجکل خیال پیدا ہوا ہے کہ شعرائے دھلی کا ایک تذکرہ لکھیں اور اس میں ان کے حلیے اور ان کے کلام کے نمونے دکھائیں - مجھہ سے

مشورہ کرنے آئے تھے - آپ جانتے ہیں مجھے ان چیزوں سے عشق ہے - اب اپنے آخری وقت میں چاہتا ہوں کہ پرانے رنگ کا ایک مشاعرہ اور دیکھ لوں اگر آپ مدد فرمائیں تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے "- حکیم صاحب کہنے لگے " میاں عارف خدا کے لئے تم ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیا کرو' ابھی جوان ہو ' انشاءاللہ خود طبیعت مرض پر غالب آجائیگی اور تمہیں مرض ہی کیا ہے' وہم ہی وہم ہے' مگرہاں یہ تو بتاؤ تم مجھ سےکس قسم کی مدد چاہتے ہو"- نواب صاحب نے کہا " حکیم جی اور کچھ نہیں اتنا کردو کہ میاں کریم‌الدین کو بارگاہ جہاں پناہی تک پہنچادو ' میں خود جاتا مگر ہمت نہیں ہوتی ' میں ان کو بہت کچھ سمجھا دونگا - اگر حضرت ظل‌اللہ اپنا کلام بھیجنے پر راضی ہوگئے تو مشاعرے کا جم جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے - اور اگر بدقسمتی سے انکار ہوگیا تو پھر مشاعرے کا خیال کرنا ہی فضول ہے - اب رہا مشاعرے کا انتظام وہ میں خود کرلوں گا ' کیونکہ یہ بچارے ان چیزوں کو کیا سمجھیں " - حکیم صاحب پہلے تو کچھ سوچتے رہے - پھر کہا " عارف ! تمہارے لئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں ' اس لئے اور بھی کرونگا کہ اس سے تمہاری طبیعت بہل جائیگی اور کچھ دنوں اس مشغلے میں لگ کر ممکن ہے کہ تمہارے دل سے مرض کا وہم جاتا رہے - بادشاہ سلامت سے تو میں کہتا نہیں ' ہاں آپ کے دوست کو صاحب عالم مرزا فتح‌الملک بہادر * سے ملا دیتا ہوں - ان کو آجکل مشاعرہ کی لولگی ہوئی ہے ' حضور سے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکے ہیں مگر وہ ٹال گئے - اگر

---

* ان کا نام مرزا فخرالدین' خطاب مرزا فتح‌الملک' شاہ بہادر عرف مرزا فخرو اور تخلص 'رمز' تھا - بہادر شاہ ثانی کے منجھلے بیٹے تھے - مرزا محمد دارا بخت عرف مرزا شیو ولیعہد سلطنت کے انتقال کے بعد ۱۸۴۹ع میں ولیعہد ہوئے- مگر قدر سے پہلے ہی ۱۰- جولائی ۱۸۵۳ع میں ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا - ان کے انتقال کے بعد مرزا جوان بخت کی ولیعہدی کے جھگڑے ہوئے —

ان صاحب نے ذرا بھی زور دیا تو مجھے یقین ہے کہ صاحب عالم کہہ سن کر ضرور اجازت حاصل کرلیں گے - اچھا تو مولوی صاحب کل آپ ایک بجے قلعۂ معلی میں آجائیے - میں چوبدار سے کہے جاتا ہوں ' یہ اندر پہنچادے گا ' آگے آپ جانیں اور آپ کی قسمت " - یہ کہہ کر حکیم صاحب نے خدابخش کو آواز دی - وہ آیا تو اس سے کہا کہ " کل یہ صاحب حویلی * میں ایک بجے آئیں گے ' ان کو میری بیٹھک میں پہنچا دینا " - یہ کہہ کر وہ نواب صاحب کی طرف متوجہ ہوگئے اور میں آداب کرکے واپس چلا آیا —

دوسرے روز ایک بجے کے قریب میں مولویانہ ٹھاٹھہ سے جبہ پہن ' شملہ باندہ قلعۂ معلی پہنچا - لاہوری دروازے کے باہر خدابخش کھڑے ہوے تھے وہ مجھہ کو حکیم صاحب کی بیٹھک میں لے گئے - یہ بیٹھک جس کو پہلے زمانے میں " نشست " کہا جاتا تھا دیوان عام سے ملی ہوئی تھی حکیم صاحب بیٹھے کچھہ لکھہ رہے تھے ' مجھے دیکھہ کر بولے - اجی مولوی صاحب ! میں نے آپ کا کام کردیا ہے : صاحب عالم مرزا فتح‌الملک بہادر سے صبح ہی کو ملنا ہوگیا ' وہ اس تجویز سے بڑے خوش ہوے - فرماتے تھے ' جہاں پناہ سے میں اجازت لئے لیتا ہوں ' مگر مشاعرے کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ ہم لوگ بھی آسکیں - خیر بیٹھئے ' شاید ابھی آپ کی یاد ہو - میں ایک طرف بیٹھہ گیا - بیٹھا ہی تھا کہ چوبدار نے آکر کہا ' " وہ کریم‌الدین کون صاحب ہیں ان کو حضور والا یاد فرماتے ہیں " - یہ سننا تھا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے - میں سمجھا تھا کہ حکیم صاحب ہی کے پاس جاکر معاملہ طے ہوجاے گا ' یہ کیا خبر تھی کہ بارگاہ جہاں پناہی میں یاد ہوگی - اور یاد

---

* قلعۂ دہلی کو لال حویلی یا صرف حویلی بھی کہا جاتا تھا —
حافظ عبدالرحمن خاں احسان کا شعر ہے کہ

مری تنخواہ لوتی ان لٹھروں نے حویلی میں
بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

بھی ایسے وقت کہ میرا سانس بھی پیٹ میں پوری طرح نہیں سمایا ہوگا - " حکم حاکم مرگ مفاجات " اُٹھا اور چوبدار کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا - تمام راستے آیۃالکرسی پڑھتا رہا' آنکھہ اُٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بلدۂ خدا کدھر لئے جارہا ہے - اندر سے قلعہ دیکھنے کا مدت سے شوق تھا ' اب جو موقعہ ملا تو کن‌انکھیوں سے بھی دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی - چلتے چلتے آندہ آئی - آخر خدا خدا کرکے چوبدار نے دیوان خاص کی سیڑھیوں کے پاس لے جاکر کھڑا کر دیا اور آپ اندر اطلاع دینے چلا گیا- حضرت جہاں پناہ اس وقت حمام میں رونق افروز تھے- جن صاحبوں نے دھلی کا قلعہ نہیں دیکھا ہے وہ شاید نہ سمجھہ سکیں کہ گرمیوں میں حمام میں بیٹھنے کے کیا معنی - اصل یہ ہے کہ یہ حمام کیا ہے ایک عالی شان عمارت ہے- اس کے دو درجے ہیں ' ایک گرم اور دوسرا سرد - عمارت کا جو حصہ موتی مسجد کی جانب ہے وہ گرم ہے اور جو جمنا کے رخ پر ہے وہ سرد ہے - ریتی کے رخ خس کے پردے ڈال کر خس خانہ بنا لیا جاتا ہے - اندر نہر بہتی ہے - بیچ میں کئی بڑے بڑے حوض ہیں ' ان میں فوارے چلتے ہیں - حمام کیا ایک بہشت کا ٹکڑا ہے - چوبدار جو گیا تو آنے کا نام نہیں لیتا - دھوپ میں کھڑے کھڑے نڈھال ہوگیا - پسینہ میں تر بتر گردن نیچی کئے کھڑا ہوں اور ناک سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں - ارادہ ہوا کہ واپس چلا جاوں ' مگر اول تو طلبی کے بعد بھاگ جانا ہی نازیبا ' دوسرے راستہ کس کو معلوم - خدا خدا کرکے یہ مشکل آسان ہوئی اور چوبدار نے آکر کہا کہ " چلئے " - اِس ایک لفظ نے خود بخود پاوں میں لغزش اور دل میں کپکپی پیدا کردی-خیر کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے پاوں ڈالتا حمام مبارک میں داخل ہوگیا- چوبدار نے آواز دی " ادب سے ' نگاہ روبرو ' حضرت جہان پناہ سلامت ' آداب بجا لاو " - میں نواب زین‌العابدین خاں صاحب سے یہ سبق پورا اور اچھی طرح پڑھ کر آیا تھا ' دھرا ہوکر سات تسلیمات بجا لایا اور نذر گزارنی - نذر دیتے وقت ذرا آنکھہ اونچی ہوئی تو وہاں کا رنگ دیکھا - حضرت پیر و مرشد ایک چاندی کی

پلنگڑی پر لیٹے تھے ' پائتی مرزا فخرو بیٹھے پاؤں دبا رہے تھے - دھلی میں وہ کون ہے جس نے حضرت ظل‌الله کو نہیں دیکھا - میانہ قد ' بہت نحیف جسم ' کسی قدر لمبا چہرا ' بڑی بڑی روشن آنکھیں ' آنکھوں کے نیچے کی ہڈیاں بہت اُبھری ہوئی ' لمبی گردن ' چوکا ذرا اونچا ' پتلی ستواں ناک ' بڑا دہانہ ' گہری سانولی رنگت' سر منڈا ہوا' چھدری داڑھی' کلوں پر بہت کم ' ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ' لبیں کتری ہوئی - (۷۰) برس سے اونچی عمر تھی ' بال سفید بھق ہوگئے تھے : لیکن پھر بھی داڑھی میں اکا دکا سیاہ بال تھا - چہرے پر جھریاں تھیں لیکن باوجود اس پیرانہ سالی اور نقاہت کے آواز میں وہی کرارا پن تھا - سبز کمخواب کا ایک برکا پیجامہ اور سفید دھاکے کی ململ کا کرتہ زیب بدن تھا - سامنے ایک چوکی پر جامہ وار کی خفتان اور کار چوبی چوگوشیہ ٹوپی رکھی ہوئی تھی - اب رہے مرزا فخرو تو وہ عین مین باپ کی تصویر تھے' ۳۲' ۳۳ برس کی عمر تھی' فرق تھا تو بس یہی کہ وہ بڈھے تھے ' یہ جوان - اُن کا رنگ بڑھاپے کی وجہ سے ذرا کلونس لے آیا تھا - اِن کا گُھلا گیہواں رنگ تھا- اُن کی داڑھی سفید تھی ' اِن کی سیاہ- ورنہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ایک بادشاہ لیٹے ہیں اور ایک بیٹھے ہیں - دونوں نے مجھہ پر ایک گہری نظر ڈالی اور بادشاہ سلامت نے فرمایا - " اماں * ! تمہارا ہی نام کریم‌الدین

---

* شاہان دھلی ہمیشہ مرد عورت دونوں کو " اماں " سے خطاب کیا کرتے تھے - چنانچہ اس طرز کلام کی جھلک ابتک حیدرآباد میں پائی جاتی ہے - مجھے بڑا تعجب ہے کہ ایک مورخ نے اس طریقۂ مخاطبت کی بنا پر قلعۂ معلی کی تہذیب و اخلاق پر حملہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ " بادشاہ کے اخلاق کی پستی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی "اماں" کہتا تھا " - معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے ورنہ انکو یہ پڑھ کر تعجب ہوتا کہ جس قوم کو وہ تہذیب کا پتلا اور اخلاق کا نمونہ ظاہر کرتے ہیں انکے ہاں بھی خاوند اپنی بیوی کو " اماں " ہی کہتا ہے اور بیوی خاوند کو کبھی "ابا" کبھی "دادا" پکارتی ہے —

(میرے خیال میں یہ " ارے میاں " کا اختصار ہے - چنانچہ اب بھی بے تکلف بول چال میں میاں کو ماں ہی کہہ جاتے ہیں - ادیتر)

ہے ؛ تم کہیں باہر کے معلوم ہوتے ہو - " میں نے کہا کہ " خانہ زاد پانی پت کا رہنے والا ہے ' بچپن ہی سے حضرت ظل‌اللہ کے سایۂ عاطفت میں آ رہا ہے " فرمایا " اماں ! ابھی تمہارا ہی تذکرہ مرزا فخرو کر رہے تھے میرا خود جی چاہتا ہے کہ پہلے کی طرح دیوان عام میں مشاعرہ کروں ' مگر کیا کروں زمانے کی ہوا ایسی بگڑ گئی ہے کہ مناسب معلوم نہیں ہوتا - یہ صحیح ہے کہ " بود ہم پیشہ باہم پیشہ دشمن " لیکن خدا محفوظ رکھے ایسی دشمنی بھی کس کام کی کہ دو گھڑی مل جل کر نہ بیٹھنے دے - دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا ؛ وہ کچھ دنوں ٹھیک چلا ' پھر میں نے دیکھا کہ بے لطفی بڑھ رہی ہے - اس لئے بند کردیا - منشی فیض پارسا نے اجمیری دروازے کے باہر غازی الدین خاں کے مدرسے میں مشاعرہ شروع کیا ' وہ تیلیوں کی طرح بکھر گیا - وہ تو کہو غنیمت ہوا کہ ردیف میں " تیلیاں " ہی تھیں ' کہیں خدانخواستہ اگر ردیف " کڑیاں " ہوتیں تو خدا معلوم کتنوں کے سر پھوٹ جاتے - تم مشاعرہ تو کر رہے ہو مگر ان ہاتھیوں کی ٹکر کیسے سنبھالو گے - اُستاد ذوق تو بچارے بے زبان آدمی ہیں ' مگر خدا بچائے حافظ ویران سے وہ ضرور لڑ مریں گے - اور تم جانتے ہو " اندھے کی داد نہ فریاد اندھا مار بیٹھے گا " کسی نے اگر مشاعرے میں استاد پر ذرا بھی چوٹ کردی تو ان نابینا صاحب کا سنبھالنا مشکل ہوجائے گا - میاں تم سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا "- میں نے عرض کی کہ " قبلہ عالم ! میری کیا ہمت ہے جو میں اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکوں ' مشاعرے کا سارا انتظام نواب زین‌العابدین خاں 'عارف' نے اپنے ذمے لیا ہے - " فرمایا " تو پھر مجھے اطمینان ہے - یہ لڑکا بڑا ہشیار اور ذہین ہے ' مرزا نوشہ اور مومن خاں کو وہ سنبھال لے گا ' رہے اُستاد ذوق ان سے میں کہدوں گا - خدا نے چاہا تو اس طرح مشاعرہ چل جائے گا - مگر میں یہ کہے دیتا ہوں - کہ مشاعرے سے پہلے ان لوگوں سے مل لو - کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت پر انکار کر بیٹھیں - میں اور مرزا شبو تو آ نہیں سکتے ہیں - ہاں ' مرزا فخرو کو اپنی جگہ بھیج دوں گا اور

انشاءاللہ اپنی غزل بھی بھیجوں گا-ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم نے " طرح " کیا رکھی ہے ؛ " طرح " ہی تو بڑے جھگڑے کی چیز ہے - یہ ذرا سوچ سمجھ کر دینا - " یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ باہر سے آواز آئی - " اے ہے ' یہ انا بچہ کو کیا بے طرح سلا گئی ہے " - یہ سنتے ہی بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا " لو بھائی ! یہ خود بخود فال گوش مل گئی - تم اس مشاعرے میں کوئی " طرح " ہی نہ دو - جس شخص کا جس بحر ' جس ردیف قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاہے پڑھے - نہ لینا ایک نہ دینا دو - " میں نے عرض کی " تاریخ " فرمایا " ۱۴ رجب مقرر کردو ' دن بھی اچھا ہے ' چاندنی رات بھی ہوگی ' آج پانچ تاریخ ہے نو دن باقی ہیں ؛ اتنے دنوں میں بہت کچھ انتظام ہوسکتا ہے ؛ ۲۰ جولائی پڑے گی موسم بھی ٹھنڈا ہوجائے گا - اچھا اب خدا حافظ " میں نے عمر و دولت و اقبال کو دعا دی اور خوش خوش الٹے قدموں واپس ہوا - مرزا فخرو بیچ میں کچھ نہیں بولے مگر میں سمجھتا تھا کہ یہ سب کیا دھرا انہیں کا ہے ' ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ خلوت شاہی - سچ ہے " بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے " - یہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میرے لئے حضوری اتنا مشکل کام نہ تھی جتنا یہ الٹے پاؤں واپس ہونا - زمین پاؤں کو نہیں لگی تھی ' اس لئے دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ دیوار سے ٹکر کھائی اس ٹکر سے نہیں سنبھلا تھا کہ نہر میں پاؤں جا پڑا - خیر بہ ہزار دقت باہر نکل ہی آیا - اِدھر میں نکلا اُدھر چوبدار ساتھ ہوا - اس کو انعام دے دلا کر ٹالا - حکیم صاحب کے پاس آیا - وہ میرے انتظار ہی میں بیٹھے تھے - ان سے تمام واقعہ بیان کیا - فرمانے لگے " مولوی صاحب بات یہ ہے کہ مرزا فخرو بہت دنوں سے مشاعرے کے لئے بیچین ہو رہے تھے - انہی کی یہ کارگزاری ہے ' ورنہ بھلا یہ معاملہ اس طرح تھوڑی طے ہوتا - مگر چلو تمہارا کام بن گیا - میاں عارف سے بھی جاکر کہدو ' وہ میرے ہی ہاں بیٹھے انتظار کررہے ہوں گے —

حکیم صاحب کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعیٔ نواب صاحب میرے انتظار

میں بیٹھے ھیں - ان سے حالات بیان کئے - کہنے لگے کہ " چلو یہ مشکل تو آسان ھوئی اب تم یہ کرو کہ کل کم سے کم استاد ذوق، موزا نوشہ اورحکیم مومن خان کے مکان کا گشت لگا ڈالو ؛ مگر دیکھنا ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا، یہ تینوں بڑے دماغ دار آدمی ھیں، اگر ذرا بھی تم سے بات چیت میں لغزش ھوئی تو یاد رکھو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا - جب دیکھو کہ ان میں سے کوئی ھاتھوں سے نکلا ھی جاتاھے تو میرا نام لے دینا - امید ھے کہ میرا نام سنکر شاید راضی ھوجائیں - دوسری بات یہ ھے کہ مبارک‌النساء بیگم کی حویلی جسمیں تمہارا مطبع ھے دو روز میں خالی کرکے بالکل میرے حوالے کردو، مجھے وھاں نشست کا انتظام کرنا ھوگا " میں نے کہا " اور میں کہاں جاؤں " فرمانے لگے "میرے مکان میں آٹھہ نوروز کے لئے آجاؤ- تم کو تکلیف تو ھوگی مگر کیا کیا جاے - جب قلعہ کے لوگوں کو بلا رھے ھیں تو انھی کے رتبے کے موافق مکان کو بھی درست کرنا ھوگا - دیکھئے خرچ کیا پڑتا ھے " - میں نے کہا " مشاعرے میں خرچ ھی ایسا کونسا ھوتا ھے، زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپئے اُٹھہ جائینگے" - یہ سنکر نواب صاحب مسکراے اور کہا " میاں کریم‌الدین- تم کیا جانو کہ ایسے مشاعروں میں کیا خرچ ھوجاتا ھے- ھزار دو ھزار میں بھی اگر پوتھہ پورا ھو گیا تو سمجھو کہ سستے چھوٹے " - یہ سنکر تو میرے ھاتھوں کے طوطے اُڑ گئے-میں نے کہا "نواب صاحب اگریہ صورت ھے تومیرا ایسے مشاعرے کو دورھی سے سلام ھے؛ مطبع تومطبع اگر اپنے آپکو بھی بیچ ڈالوں تواتنی رقم نہ اُٹھے"- فرمانے لگے " بھئی تم اس خرچ کے جھگڑے میں نہ پڑو، خدا یہ مشکل بھی آسان کردیگا - جب میں نے اس کام میں ھاتھہ ڈالا ھے تو میں جانوں اور میرا کام جانے - تم بیٹھے تماشہ دیکھو - مگر ھاں مکان کل تک خالی کردینا - نوھی دن تو رہ گئے ھیں، رات کم اور سوانگ بہت ھے - اب جاؤ خدا حافظ - تم تھک بھی گئے ھو، ذرا آرام لیلو اور کل صبح ھی سے اِدھر مکان خالی کرنے کی فکر کرو، ادھر ان تینوں استادوں کے مکان کا چکر لگاؤ - مکان خالی ھوجاے تو فوراً مجھے اطلاع دینا اور خود میرے ھاں چلے

آنا۔ اس میں شرم کی کونسی بات ھے ' آخر میری ھی وجہ سے توتم اپنا مکان چھوڑ رھے ھو''۔ وھاں سے نکل کر میں اپنے گھر آیا ' مطبع کو بند کرتے کرتے اور سامان کو سمیٹتے سمیٹتے شام ھوگئی۔صبح اُٹھکر اپنے پہننے اُوڑھنے کا سامان تو نواب زین العابدین خان کے مکان پر روانہ کیا اور خود کابلی دروازے کی طرف چلا کہ پہلے استاد ذوق ھی سے بسم اللہ کروں —

کابلی دروازے کے پاس ھی ان کا مکان ھے' مکان بہت چھوٹا ھے' چھوٹی سی دیوڑھی ھے اس میں ایک طرف جانے ضرور ھے ۔اندر صحن اتنا چھوٹا ھے کہ دو پلنگ بچھنے کے بعد راستہ چلنے کے لئے مشکل سے جگہ رھتی ھے ۔ سامنے چھوٹا سا دالان ھے اور اس کے اوپر ایک کمرہ۔ صحن میں سے زنانے مکان میں راستہ جاتا ھے۔ جب میں پہنچا تو اُستاد صحن میں بان کی کُھری چارپائی پر بیٹھے حقہ پی رھے تھے ۔ دوسری چار پائی پر ان کے چاھیتے شاگرد حافظ غلام رسول ویران بیٹھے تھے ۔ یہ اندھے ھیں اور انھی سے ھوشیار رھنے کے لئے حضرت جہان پناہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اُستاد ذوق قد و قامت میں متوسط اندام ھیں ' رنگ اچھا سانولا ھے ' چہرے پر چیچک کے بہت داغ ھیں۔ آنکھیں بڑی بڑی اور روشن اور نگاھیں تیز ھیں ۔ چہرے کا نقشہ کھرا کھرا ھے ۔ اس وقت سفید تنگ پیجامہ ' سفید کُرتہ اور سفید ھی انگرکھا پہنے ھوئے تھے ۔ سرپر گول چندوے کی ململ کی ٹوپی تھی ۔ میرے پاؤں کی آھٹ سنتے ھی حافظ ویران نے چونک کر کہا " کون ھے " میں نے کہا "کریم الدین ' استاد ذوق کی خدمت میں حاضر ھوا ھوں " ۔ اُستاد نے اپنا نام سنکر کہا " آئیے آئیے ' اندر تشریف لائیے" میں نے آداب کیا ۔ انھوں نے فرمایا " بیٹھو ' بھئی بیٹھو "۔ میں حافظ ویران کے پاس چار پائی پربیٹھ گیا۔ کہا " فرمائیے کیسے تشریف لانا ھوا میں نے عرض کی کہ " میرا ارادہ قاضی کے حوض پر ایک مشاعرہ شروع کرنے کا ھے ۔ ۱۴-رجب تاریخ مقرر ھوئی ھے اگرحضور بھی از راہ ذرہ نوازی قدمرنجہ فرمائیں تو بعید ازکرم نہوگا " ۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ حافظ ویران تو چراغ پا ھوگئے ۔ کہنے لگے

''جائیے' جائیے' کہاں کا مشاعرہ نکالا ہے: استاد کو فرصت نہیں ہے- ان مرزا لے پالک * کے پاس کیوں نہیں جاتے جو خواہ مخواہ ان کو آکر دق کرتے ہو''- استاد نے کہا '' بھئی حافظ ویران ! تمہاری زبان نہیں رکتی - بیٹھے بٹھائے تم دنیا بھر سے لڑائی مول لیتے ہو''- حافظ ویران کہنے لگے '' اُستاد' جب وہ آپ کو برا بھلا کہیں تو ہم کیوں چپ بیٹھنے لگے - وہ ایک کہینگے تو ہم سو سنائینگے - اور تو اور میاں آشفتہ کو دن لگے ہیں ' کل ہی کی بات ہے آپ کو ناوزا+ کہہ رہے تھے ' مگر میں نے بھی ایسی خبر لی کہ تمام عمر یاد کرینگے اُن کی سات پشت کو تو م ڈالا '' - اُستاد ہنسکر فرمانے لگے '' نا ' بھئی نا ' تم میرے وجہ سے کیوں بلا میں پڑتے ہو - مجھے جس کا جو جی چاہے سو کہے میں نے تو ان سب کا جواب ایک رباعی میں دیدیا ہے —

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق
ہے برا وہ ہی کہ جو تجھکو برا جانتا ہے
اور جو خود توہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے اس کے تو برا مانتا ہے

میں نے عرض کی کہ '' میں کل بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا تھا ' حضرت ظل اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس مشاعرے میں ہم مرزا فتح الملک بہادر کو اپنی طرف سے بھیجیں گے اور اپنی غزل بھی بھیج کر مشاعرے کی عزت بڑھائیں گے- اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ استاد ذوق سے بھی کہدیں گے وہ بھی مشاعرے میں ضرور آئیں گے '' یہ سنکر حافظ ویران تو ٹھنڈے پڑگئے - استاد نے فرمایا '' ہاں بھئی مجھے یاد آگیا

---

* اُن دنوں دھلی میں لوگوں نے یہ اُڑا رکھا تھا کہ مرزا نوشہ [غالب] مرزا عبداللہ بیگ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اُنہوں نے ان کو پال لیا ہے اور یہ در اصل کسی کشمیری کی اولاد ہیں - حافظ ویران نے اسی کی طرف اِشارہ کیا ہے - خدا محفوظ رکھے دھلی والوں سے جو باہر سے آیا اس کے حسب نسب میں اُنہوں نے کیڑے نکالے —

+ اُستاد ذوق کو شہر بھر نائی کہتا ہے - یہ دوسری بات ہے کہ آزاد مرحوم نے اُن کے ہاتھ میں استرے کی بجائے تلوار دیکر اُن کو سپاہی زادہ بنا دیا ہے —

کل شام کو حضرت پیرومرشد نے مجھ سے بھی فرمایا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ تو بھی ضرور جائیو - میاں میں انشاءاللہ تعالیٰ ضرور آؤنگا - مگر یہ تو بتاؤ "طرح" کیا رکھی ہے"- میں نے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ "حضرت ظل سبحانی نے "طرح" کا جھگڑا ہی نکال دیا - جو شخص جس بحر اور جس ردیف قافیہ میں چاہے آکر غزل پڑھے" - اُستاد تو "بہت خوب - بہت خوب" کہتے رہے مگر حافظ ویران کی تیوری کے بل نہیں گئے' برابر بڑبڑاتے ہی رہے کہ "اللہ خیر کرے' دیکھیے اس مشاعرے کا کیا حشر ہوتا ہے - حضرت پیر و مرشد بھی بیٹھے بیٹھے اشقلے• چھوڑا کرتے ہیں"- وہ اپنی کہے گئے میں تو اُٹھہ سلام کر چلا آیا—

دوسرا حملہ اسداللہ خاں غالب پر تھا - چاندنی چوک سے ہوتا ہوا بلی ماروں میں آیا - حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے سامنے سے قاسم جان کی گلی کٹتی ہے - بائیں طرف پہلا ہی مکان اُن کا تھا - یہ مکان مسجد کے پیچھے ہے اس کے دو دروازے ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ - مغلسرا کا ایک راستہ مردانے مکان میں سے بھی ہے - باہر کے دروازے کی دہلیز ذرا دھنسی ہوئی سی ہے - دروازے کے اوپر ایک کمرہ ہے اور کمرے کے دونوں پہلوؤں میں دو کوٹھریاں - گرمی میں مرزا صاحب دو پہر کے وقت اسی ایک کوٹھری میں رہا کرتے ہیں - دروازے سے گزر کر مختصر سا صحن ہے اور سامنے ہی دالان در دالان - جب میں پہنچا تو اندر کے دالان میں گاؤ تکیے سے لگے بیٹھے کچھہ لکھہ رہے تھے—

مرزا نوشہ کی عمر کوئی ۵۰ سال کی ہوگی - حسین اور خوشرو آدمی ہیں - قد اونچا اور ہاڑ بہت چوڑا چکلا' موٹا موٹا نقشہ اور سرخ و سفید رنگ ہے - لیکن اس میں کچھہ کچھہ زردی جھلکتی ہے - ایسے رنگ کو محاورے میں چمپئی کہا جاتا ہے - آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ہیں' داڑھی بھری ہوئی ہے' مگر گھنی نہیں ہے-

---

• معلوم نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے - مگر دہلی میں عام طور پر "شگوفے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے—

سر منڈا ہوا اُس پر لمبی سیاہ پوستین کی ٹوپی ہے جو کلاہ پاپاخ سے ملتی جلتی ہے - ایک بر کا سفید پیجامہ، سفید ململ کا انگرکھا، اُس پر ہلکے زرد زمین کی جامہ وار کا چغہ * میری آہٹ پا کر لکھتے لکھتے آنکھ اونچی کی - میں نے آداب کیا۔ سلام کا جواب دیا اور آنکھوں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا - میں ایک طرف بیٹھ گیا - ابھی بیٹھا ہی تھا کہ نواب ضیاءالدین احمد خاں آگئے - یہ امین‌الدین خاں صاحب نواب لوہارو کے بھائی ہیں - ریختے میں 'رخشاں' اور فارسی میں 'نیر' تخلص کرتے ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے - انشاء پردازی، جغرافیہ، تاریخ، علم انساب، اسمائے رجال، تحقیق لغات اور واقفیت عامہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے - مرزا نوشہ کے خلیفہ ہیں - چھوٹا قد، بہت گورا رنگ، نازک نازک نقشہ، غلافی آنکھیں، چگی داڑھی، چھریرا بدن - غرض نہایت خوبصورت آدمی ہیں - ایک بر کا سفید پیجامہ اور سفید ہی انگرکھا زیب بدن تھا - قالب چڑھی ہوئی چوگوشہ ٹوپی سر پر تھی - ایک بڑا رومال سموسہ بنا کندھے پر ڈالے ہوے تھے - میں نے اُٹھ کر سلام کیا - اُنھوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور خاموش ایک طرف دو زانو نہایت ادب سے بیٹھ گئے - تھوڑی دیر میں مرزا غالب بھی لکھنے سے فارغ ہوے، پہلے نواب صاحب کی طرف مڑے اور کہنے لگے "میاں نیر! تم کس وقت آبیٹھے - بھئی، اس مرزا تفتہ نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے - ظالم کی طبیعت کی روانی کسی طرح کم نہیں ہوتی - ہر خط میں آٹھ دس غزلیں اصلاح کے لئے بھیج دیتے ہیں - اصلاح دیتے دیتے تھک جاتا ہوں"- میری طرف دیکھکر کہا " آپ شاید مولوی کریم‌الدین صاحب ہیں" - میں نے کہا "جی ہاں" فرمانے لگے " حضرت آپ کے تشریف لانے کی مجھے پہلے ہی سے اطلاع مل گئی تھی - کل ہی میاں عارف آکر مجھ سے مشاعرے میں چلنے کا وعدہ لے گئے ہیں - کہو میاں نیر! تم بھی چلو گے" - نواب صاحب نے

---

* قلعۂ دہلی کے عجائب خانے میں مرزا غالب کی ایک تصویر ہے - اس سے یہ لباس لیا گیا ہے—

کہا "جہاں آپ وہاں میں - آپ تشریف لے جائیں گے تو انشاالله میں بھی ضرور ہمراہ ہونگا" - مرزا صاحب نے پوچھا "مگر بھئی اب تک 'علائی' نہیں آے - مجھکو ان کا کل سے انتظار ہے - اے لو! وہ آھی گئے - بھئی بڑی عمر ہے' ابھی میں تم کو پوچھہ رہا تھا" —

نواب علاء الدین خاں 'علائی' نواب لوہارو کے ولیعہد ہیں - کوئی ۲۳' ۲۴ سال کی عمر ہے - متوسط قد' گندمی رنگ' موٹا موٹا نقشہ' گول چہرہ' شربتی آنکھیں اور گھنی چڑھی ہوئی داڑھی ہے - لباس میں غلطے کا تنگ مہری کا پیجامہ' سفید جامدانی کا انگرکھا' اس پر سینہ کھلی ہوئی سیاہ مخمل کی نیمہ آستین اور سر پر سیاہ ہی مخمل کی چوگوشیہ ٹوپی تھی؛ وہ بھی آداب کر کے ایک طرف بیٹھہ گئے اور کہا "واقعی آج دیر ہوگئی' مجھے خود خیال تھا کہ آپ انتظار کر رہے ہوں گے"- میری طرف دیکھکر کہا "آپ کی تعریف" مرزا فوشہ نے تمام قصہ بیان کیا اور کہا "علائی تم کو بھی چلنا ہوگا' ابھی تو شاید تم لوہارو نہیں جا رہے ہو"- انھوں نے کہا "بہت خوب آپ تشریف لے جائیں گے تو میں بھی حاضر ہوں"- جب یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تو میں نے اجازت چاہی - وہاں سے رخصت ہو کر زین العابدین خاں کے مکان میں آیا - انھوں نے مردانے کا ایک حصہ میرے لئے خالی کر دیا تھا - جو اسباب صبح میں نے بھیجا تھا اس کو جما جمایا پایا - کپڑے اُتارے' اندر سے کھانا آیا - کھانا کھا کر تھوڑی دیر سو رہا - چار بجے کے قریب اُٹھکر حکیم مومن خاں کے ہاں جانے کی تیاری کی —

حکیم صاحب کا مکان چیلوں کے کوچہ میں ہے - راستے میں مولوی امام بخش صاحب 'صہبائی' مل گئے - یہ کالج میں میرے استاد رہے ہیں - کُھلا ہوا گندم گون رنگ ہے' منہ پر کہیں کہیں چیچک کے داغ ہیں - سر پر پٹھے ہیں ' بڑے دبلے پتلے آدمی ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہوگی - ایک بر کا سفید پیجامہ ' سفید انگرکھا ' کشمیری کام کا جبہ پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافہ باندھتے ہیں - یہ بھی

چیلوں کے کوچے ھی میں رھتے ھیں - مجھہ سے پوچھنے لگے " کہاں جاتے ھو" میں نے کہا " حکیم مومن خاں کے پاس"- پوچھا " کیا کام ھے"- میں نے حال بیان کیا - کہنے لگے' " چلو میں بھی وھیں جا رھا ھوں"- حکیم آغا خاں کے چھتے کے سامنے خاں‌صاحب کا مکان تھا - بڑا دروازہ ھے ' اندر بہت وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت ھے - دو طرف دو صحلچیاں ھیں اور سامنے بڑے بڑے دالان در دالان - پہلے دالان کے اوپر کمرہ ھے - سامنے کے دالان کی چھت کو کمرے کا صحن کردیا ھے - لیکن منڈیر بہت چھوٹی رکھی ھے* - دالانوں میں چاندنی کا فرش ھے - اندر کے دالان میں بیچو بیچ قالین بچھا ھوا ' قالین پر گاؤ تکیے سے لگے حکیم صاحب بیٹھے ھیں - سامنے حکیم سکھانند المتخلص بہ 'رقم' اور مرزا رحیم الدین 'حیا' مؤدب دو زانو بیٹھے ھیں - معلوم ھوتا تھا کہ کوئی دربار ھو رھا ھے کہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بولنے کا یارا نہیں - حکیم مومن خاں کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی - کشیدہ قامت ' سرخ و سفید رنگ تھا جس میں سبزی جھلکتی تھی - بڑی بڑی روشن آنکھیں ' لمبی لمبی پلکیں ' کھنچی ھوئی بھوئیں ' لمبی ستواں ناک ' پتلے پتلے ھونٹ ' ان پر پان کا لاکھا جما ھوا ' مسی آلودہ دانت ' ھلکی ھلکی مونچھیں ' خشخاشی داڑھی ' بھرے بھرے ڈنڈ ' پتلی کمر ' چوڑا سینہ اور لمبی انگلیاں - سر پر گھونگر والے لمبے لمبے بال کاکلوں کی شکل میں کچھہ تو پشت پر اور کچھہ کندھوں پر پڑے ھوے - کان کے قریب تھوڑے سے بالوں کو موڑ کر زلفیں بنا لیاتھا- بدن پر شربتی ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا تھا لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا

---

* میں نے خود یہ مکان ۲۰ ' ۲۲ برس ھوے دیکھا تھا - ٹوٹ کر کھنڈر ھوگیا تھا - تین طرف کی عمارت ڈھے گئی تھی - سامنے کا حصہ قائم تھا - معلوم نہیں کہ اوپر کی منڈیر کیوں اتنی نیچی رکھی گئی تھی - اسی منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے- ھاتھہ اور بازو ٹوٹ گیا اور اسی‌کی وجہ سے انکا انتقال ھوا - خود ھی مرنے کی تاریخ کہی تھی کہ " دست و بازو بشکست "—

اور جسم کا کچھہ حصہ انگرکھے کے پردے میں سے دکھائی دیتا تھا - گلے میں سیاہ رنگ کا فیتہ ' اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ - کاکریزی رنگ کے دوپٹے کو بل دے کر کمر میں لپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوے تھے - ہاتھہ میں پتلا سا خار پشت' پاوں میں سرخ گلبدنی کا پیجامہ ' مہریوں پر سے تنگ اوپر جاکر کسی قدر ڈھیلا - کبھی کبھی ایک برکا پیجامہ بھی پہنتے تھے - مگر کسی قسم کا بھی ہو ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا : چوڑا سرخ فیفہ - انگرکھے کی آستینیں آگے سے کٹی ہوئیں ' کبھی لٹکتی رہتی تھیں اور کبھی پاٹ کو چڑھالیتے تھے - سر پر گلشن کی بڑی دو پلڑی ٹوپی ' اس کے کنارے پر باریک لیس - ٹوپی اتنی بڑی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈہ کر آگئی تھی - اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھہ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے - غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمی تھے - جب ہم دونوں پہنچے تو صاحب عالم مرزا رحیم‌الدین ' حیا ' سے کہہ رہے تھے کہ " صاحب عالم ! تمارے شطرنج کے نقشوں نے میرا ناک میں دم کردیا ہے : ایک ہوں ' دو ہوں ' آخر یہ روز روز کی فرمائشیں کوئی کہاں تک پوری کرے " - صاحب عالم نے کہا " استاد کیا کروں رزیڈنٹ بہادر کے پاس ولایت سے حل کے لئے شطرنج کے نقشے آیا کرتے ہیں ' کچھہ تو میں خود حل کرکے ان کے پاس بھیج دیتا ہوں ' جو سمجھہ میں نہیں آتے وہ آپ کے پاس لے آتا ہوں " - حکیم صاحب نے نظر اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا - ہمارا سلام لے کر کہا " بیٹھیئے ' بیٹھیئے " - ہم بیٹھہ گئے اور وہ پھر صاحب عالم کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے " میاں حیا ! جو نقشہ تم لائے ہو وہ تو میرے خیال میں کچھہ پیچیدہ نہیں ہے - تم کہتے ہو کہ سرخ مہروں کو مات ہوگی ' میں کہتا ہوں نہیں ' سبز کو ہوگی - تم بساط بچھاؤ ' میں ابھی سمجھائے دیتا ہوں - اچھا پہلے ذرا مولوی صہبائی سے بات کر لوں - اور میاں سکھا نند تم بیٹھے انتظار کرتے رہو ' میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کی طرف سے اس چھپکلی کا جوڑا نہ آجاے یہ سامنے کی دیوار سے نہ جاے گی - اس کا

جوڑا آے پر آے - " سکھا نند حکیم تھے ' رقم تخلص کرتے تھے ؛ دھرم میں پورے رھتے تھے - کوئی ۴۰ سال کی عمر تھی - ریختے میں شاہ نصیر کے اور رمل میں خاں صاحب کے شاگرد تھے - بڑے خوش پوشاک ' خوش وضع ' خوش اخلاق ' ظریف الطبع ' حلیم ' خوبصورت اور شکیل آدمی تھے - استاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئی بیٹا باپ کا کرتا ھے - حکیم صاحب کی باتیں سن کر " بہت خوب ' بہت مناسب " کہتے رھے - ان سے گفتگو کرکے حکیم صاحب ھماری طرف متوجہ ھوے اور کہنے لگے " ارے بھئی صہبائی ! تم تو کئی دن سے نہیں آے - کہو خیریت تو ھے - اور آپ کے ساتھہ یہ صاحب کون ھیں " - مولوی صہبائی نے کہا " یہ پہلے کالج میں میرے شاگرد تھے ' اب مطبع کھول لیا ھے ' وھاں مشاعرہ کرنا چاھتے ھیں : آپ کو تکلیف دینے آے ھیں " - حکیم صاحب نے ھنس کر کہا " بس صاحب مجھے تو معاف ھی کیجئے - اب دھلی کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رھے - ایک صاحب ھیں وہ اپنی امت کو لے کر چڑہ آتے ھیں * ؛ شعر سمجھنے کی تو کسی کو تمیز نہیں ' مفت میں ! واہ واہ ! سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! کا غل مچاکر طبیعت کو منغض کر دیتے ھیں - یہ نہیں سمجھتے کہ —

صائب دو چیز می شکند قدر شعررا تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

دوسرے صاحب ھیں وہ ھد ھد کو ساتھہ لئے پھرتے ھیں اور خواہ مخواہ استادوں پر حملہ کرتے ھیں - خود تو میدان میں نہیں آتے ' اپنے نا اھل پٹھوں کو مقابلے میں لاتے ھیں - اس روز جو اس جانور نے یہ شعر پڑہ کر —

مرکز محور گردون بہ لب آب نہیں ناخن قوس قزح ' شبہہ مضراب نہیں

کہا کہ یہ غالب کے رنگ میں لکھا ھے تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھکو کس قدر ناگوار گزرا - غالب کے رنگ میں شعر کہنا تو کجا وہ یا ان کے اُستاد پہلے

---

* یہ اُستاد ذوق اور شہزادوں کی طرف اشارہ تھا —

مرزا نوشہ کے شعروں کوسمجھ تو لیں- اب رہے میر صاحب * تو اُن کی بات دوسری ہے - وہ بھی واہیات بکتے ہیں مگر کسی پر حملہ تو نہیں کرتے ' بلکہ ان کی وجہ سے مشاعرے میں چہل پہل ہوجاتی ہے - بھئی میں نے تو اسی وجہ سے مشاعروں میں جاناہی ترک کردیا ہے- میں نے عرض کی کہ " اس مشاعرے میں استاد ذوق اور مرزا نوشہ نے آنے کا وعدہ کرلیا ہے - حضرت ظل سبحانی کی غزل بھی آئیگی" فرمایا "ہرشخص مختار ہے چاہے غزل بھیجے' میں تو نہ آؤں گا نہ غزل بھیجوں گا "- یہ باتیں ہی ہورہی تھیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لیکر آیا - شہر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تھا- ریشمی کپڑوں سے ان کو عشق تھا- کوئی کپڑا پسند آتا تو پھر قیمت کی پروا نہیں کرتے تھے - جو مانگتا دیتے - اس سوداگر نے آکر ایک گٹھری مزدور کے سر پر سے اُتاری - اس میں سے پت سے ایک چھپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ گئی - جو چھپکلی پہلے سے دیوار پر جمی بیٹھی تھی وہ لپک کر اس سے آملی اور دونوں ملکر ایک طرف چلے گئے + - ہم لوگ بیٹھے یہ تماشہ دیکھتے رہے - جب دونوں چھپکلیاں چلی گئیں توحکیم صاحب نے کہا" کہو میاں رقم' تم نےدیکھا" انھوں نے کہا "جی ہاں'ایک خانے کے حساب لگانے میں مجھ سے غلطی ہوئی-میں نے جو اپنی رائے پر اصرار کیا تھا اس کی معافی چاہتا ہوں"- کہنے لگے "بھئی انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے - ہاں تو بھئی صہبائی مشاعرے کے متعلق ہمارا تو صاف جواب ہے "- میں نے جب دیکھا کہ خاں صاحب ہاتھوں سے نکلے ہی جارہے ہیں تو مجھے نواب زین‌العابدین خان کا آخری نسخہ یاد آیا - میں نے کہا " مجھے تو اس مشاعرے سے براے نام تعلق ہے ' سب کیا دھرا نواب زین‌العابدین خان عارف کا ہے - وہ بہت

---

* انکا مفصل حال آگے آئیگا یہ بھی عجیب رقم تھے-

+یہ واقعہ ہے- اس کے دیکھنے والےایک صاحب کا ابھی کوئی بیس برس ہوئے انتقال ہوا ہے - میں نے یہ واقعہ خود اُن کی زبانی سنا ہے —

بیمار ہوگئے ہیں اور ان کو اب زندگی کی اُمید نہیں رہی - اُن کی آخری خواہش ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں جس میں دہلی کے تمام کاملین فن جمع ہوں - وہ خود حاضر ہوتے مگر حکیم احسن اللہ خاں صاحب نے ان کو کہیں آنے جانے سے منع کردیا ہے" - یہ آخری فقرہ میں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا - خان صاحب بڑے غور سے میری بات سنتے رہے - میں خاموش ہوا تو مولوی امام بخش صاحب کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے" افسوس ہے' کیا خوش فکر اور ذہین شخص ہے - یہ عمر اور یہ مایوسی - سچ ہے ' ہمیشہ رہے نام اللہ کا ' "- میری طرف دیکھکر کہا " اچھا بھئی' تم جاؤ : میری طرف سے عارت سے کہدینا کہ میاں میں ضرور آؤں گا " - جب میں نے دیکھا کہ یہ جادو چل گیا تو اور پاؤں پھیلاے اور کہا " نواب صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صہبائی صاحب ' مفتی صدرالدین صاحب اور نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ کو بھی اپنے ہمراہ لائیے گا تو عنایت ہوگی"- حکیم صاحب کہنے لگے- "میاں صہبائی سے تو میں ابھی کہے دیتا ہوں' اب رہے آزردہ اور شیفتہ تو واپس جاتے جاتے ان سے بھی کہتے جاو - یہ کہدینا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے - ہاں تاریخ کیا مقرر کی ہے ؛ مشاعرہ کہاں ہوگا اور ' طرح ' کیا ہے" - میں نے تاریخ بتا کر مکان کا پتہ دیا - " طرح " کے متعلق حضرت جہاں پناہ کے حضور میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بیان کی-کہنے لگے"ہمارے بادشاہ سلامت بھی عجیب چیز ہیں' جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے -شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوا ہوگا جس میں " طرح" نہ دی گئی ہو - خیر یہ تو اچھا ہوا جھگڑے کا جھونپڑا ہی نہیں رہا - مگر بھئی بات یہ ہے کہ جب تک مقابلے کی صورت نہو نہ شعر کہنے میں جی لگتا ہے اور نہ پڑھنے میں لطف آتا ہے"- یہ کہکر وہ کپڑے دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور میں سلام کرکے رخصت ہوا —

چتلی قبر کے قریب حویلی عزیزآبادی کے سامنے مفتی صدرالدین صاحب کا مکان تھا اس کے نزدیک متّیا محل میں نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ رہتے ہیں

مفتی صاحب کے ہاں جاکر معلوم ہوا کہ شیفتہ بھی مفتی صاحب ہی کے پاس بیٹھے ہیں - میں نے کہا چلو ' اس سے بہتر موقعہ ملنا مشکل ہے' دونوں سے ایک ہی جگہ ملناہوگیا- یہ سوچ کر اندر گیا - مکان کوٹھی کے نمونے کا ہے' انگریزی اورہندوستانی دونوں وضع کو ملاکر بنایا گیا ہے صحن بہت بڑا نہیں ہے - اس میں مختصر سی نہر ہے - سامنے دالان در دالان اور پہلو میں انگریزی وضع کے کمرے ہیں - باہر کے دالان میں کواڑ لگا کر اسکو بھی کمرے کی شکل کا کردیا ہے - دالانوں کے سامنے اونچا چبوترہ ہے- چبوترے کے اوپر تخت بچھے ہوئے تھے' اس پر چاندنی کا فرش اور دو طرف گاؤ تکیے لگے ہوے تھے- تختوں پر مفتی صاحب اور نواب صاحب بیٹھے باتیں کر رہے تھے - مفتی صاحب کی عمر کوئی ۵۶ ' ۵۷ سال کی تھی- گداز جسم' سانولا رنگ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں' ذرا اندر کو دھنسی ہوئیں ' بھری ہوئی داڑھی ' بہت سیدھی سادی وضع کے آدمی ہیں ؛ ظاہری نمائش سے کوئی سرو کار نہیں- لباس سفید ایک بر کا پیجامہ ' سفید کرتا اور سفید ہی صافہ تھا * جامہ زیبی میں حکیم مومن خاں کے بعد دہلی میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ہی کا نمبر تھا ' ان کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن فاک نقشہ غضب کا پایا تھا - اس پر نیچی سیاہ گول داڑھی بہت بھلی معلوم ہوتی تھی - جسم کسی قدر بھاری اور قد متوسط تھا - لباس میں بھی زیادہ تکلف نہیں کرتے تھے - تنگ مہری کا سفید پیجامہ' سفید کرتہ'

---

* پرانے زمانے میں شرفاء گھر پر بھی پورا لباس پہنے رہتے تھے - زنانے میں جانے کے خاص خاص وقت تھے ورنہ سارا وقت مردانے ہی میں گزرتا تھا- ہر وقت کوئی نہ کوئی ملنے جلنے والا پاس بیٹھا رہتا - عالم ہوے تو درس کا حلقہ ہوتا ' شاعر ہوے تو شعر کا چرچا رہتا - غرض کوئی وقت بیکار نہ گزرتا- خاص خاص دوستوں سے مذاق کی گفتگو ہوتی ورنہ عام طور پر اپنے کو بہت لئے دئے رہتے - جہاں جاؤ یہی معلوم ہوتا کہ دربار لگا ہوا ہے - ہر شخص دوزانو مودب بیٹھا ہے- بےضرورت نہ بات کی جاتی ہے نہ جواب دیا جاتا ہے - کوئی ہنسی کی بات ہوئی تو ذرا مسکرا دئے' کھلکھلاکر ہنسنا معیوب اور بڑھ بڑھ کر بولنا یا اونچی آواز میں بات کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا -

نیچی چولی کا سفید انگرکھا اور قبہ نما پچگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - تقریباً ۳۹، ۴۰ سال کی عمر ہے—

میں آداب کر کے تخت کے ایک کونے پر دو زانو بیٹھہ گیا - مفتی صاحب نے آنے کا سبب پوچھا - میں نے حکیم مومن خاں کا پیام پہنچا دیا - مفتی صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا "ھیں! خاں صاحب نے تو مشاعرے میں نہ جانے کا عہد کر لیا ہے - بھئی شیفتہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ یا تو خود نہیں جاتے تھے یا دوسروں کو بھی ساتھہ گھسیٹ رہے ہیں" - میں نے نواب زین العابدین خاں عارف کا واقعہ بیان کیا - کہنے لگے "ہاں، یوں کہو، یہ بات ہے - ورنہ مجھے تو یہ سنکر حیرت ہوئی تھی کہ حکیم صاحب اور مشاعرے میں جائیں - اچھا بھئی عارف سے کہدینا کہ میں اور شیفتہ دونوں آئیں گے" - یہاں سے چھٹی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ گویا گنگا نہا لیا - خوشی خوشی آکر نواب زین العابدین خاں سے واقعہ بیان کیا - وہ بھی مطمئن ہو گئے - میں نے حکیم مومن خاں کا جب حال بیان کیا تو ان کے آنسو نکل آئے - کہنے لگے "میاں کریم الدین! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میری حکیم صاحب سے صفائی نہیں ہے" - میں نے کہا "نواب صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں ان پر تو آپ کی بیماری سننے کا ایسا اثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا - شاید ان کا سگا بھائی بھی بیمار ہوتا تو اتنا ہی اثر ہوتا - مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے مشاعروں میں نہ جانے کا عہد کرلیا تھا، صرف آپ کی وجہ سے انھوں نے یہ عہد توڑا ہے" - نواب صاحب نے کہا "بھئی، تم کو ان لوگوں کی محبتوں کا کیا حال معلوم؟ یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے دشمن کو بھی مصیبت میں نہیں دیکھہ سکتے - خیر اس کو جانے دو؛ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا مکان خالی ہو گیا یا نہیں" - میں نے کہا "جی ہاں بالکل خالی ہے - حکم ہو تو میں بھی خدمت میں حاضر رہ کر مدد کروں" - فرمایا "نہیں بھئی، نہیں - جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسی کام میں ہاتھہ ڈالا اور وہ خراب ہوا - تم اس انتظام کو بس مجھہ پر چھوڑ دو، میں جانوں اور میرا

کام جانے - بلکہ تم تو ادھر آنا بھی نہیں - تم نے آکر اگر میں میخ نکالی تو مجھ پر دوھری تہری معنت پڑ جائیگی"—

۳ - ترتیب

به شعر و سخن مجلس آراستند نشستند و گفتند و برخاستند

میں تاریخ ابوالفداء کے ترجمے میں ایسا گُتھہ گیا کہ ۷، ۸ روز تک گھر سے باھر ھی نہیں نکلا - نواب زین العابدین خاں کے شوق کی یہ حالت تھی کہ با وجود کمزوری و نقاھت کے روز صبح ھی سے جو باھر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھہ نو بجے جا کر ان کی صورت گھر میں دکھائی دیتی - اس لئے ان سے ملنا نہیں ھوا کہ کچھہ حال پوچھتا - بہر حال یہ آٹھہ دن آنکھہ بند کرتے گزر گئے اور مشاعرے کی تاریخ آھی گئی - ۱۴ - رجب کو شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب میں بھی مشاعرے میں جانے کو تیار ھوا - نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ وہ صبح سے جو گئے ھیں تو اب تک واپس نہیں آئے - گھر سے جو نکلا تو بازار میں بڑی چہل پہل دیکھی - ھر شخص کی زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا - کوئی کہتا تھا کہ یہ میاں کریم الدین کون ھے - کوئی کہتا کہ بھئی کوئی ھوں مگر انتظام ایسا کیا ھے کہ دیکھکر جی خوش ھوتا ھے - "میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ھوتا ھوا قاضی کے حوض پر آیا، کیا دیکھتا ھوں کہ سڑک کے دونوں جانب ٹٹیاں لگا کر اور ان میں روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا ھے - سڑک پر خوب چھڑکاؤ ھے، کٹورا بج رھا ھے - مبارک النساء بیگم کی حویلی کے بڑے پھاٹک کو گلاسوں، قمقموں اور قندیلوں سے سجا کر گلزار آتشین کر دیا ھے - صدر دروازے سے اندر کی دھلیز تک روشنی کا یہ عالم ھے کہ آنکھوں میں چکا چوند آتی ھے - مکان کے اندر جو قدم رکھا تو ھوش جاتے رھے - یا اللہ یہ میرا ھی مکان ھے یا کسی شاھی محل میں آگیا ھوں - کھڑی کھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور کہتا " واہ میاں عارف واہ! تم نے تو کمال کر دیا" - کہاں وہ بچارے کریم الدین کا مکان اور کہاں یہ

بادشاہی ٹھاٹھ ؛ واقعی تمہارا کہنا صحیح تھا کہ اگر دو ہزار میں بھی کام نکل جائے تو یہ سمجھو کہ کچھ نہیں اُٹھا" - چونے میں ابرک ملا کر مکان میں قلعی کی گئی تھی جس کی وجہ سے در و دیوار پڑے جگ مگ، جگ مگ کر رہے تھے - صحن کو بھروا کر تختوں کے چوکے اس طرح بچھائے تھے کہ چبوترہ اور صحن برابر ہو گئے تھے- تختوں پر دری، چاندنی کا فرش، اس پر قالینوں کا حاشیہ، پیچھے گاؤ تکیوں کی قطار، جھاڑوں، فانوسوں، ہانڈیوں، دیوار گیریوں، قمقموں، چینی قندیلوں اور کلاسوں کی وہ بہتات تھی کہ تمام مکان بقعۂ نور بن گیا تھا - جو چیز تھی خوبصورت اور جو شے تھی قرینے سے - سامنے کی صف کے بیچوں بیچ چھوٹا سا سبز مخمل کا کارچوبی شامیانہ، کنگا جمنی چوبوں پر سبز ہی ریشمی طنابوں سے استادہ تھا - اس کے نیچے سبز مخمل کی کارچوبی مسند، پیچھے سبز* کارچوبی گاؤ تکیہ، چاروں چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھ چاندی کے فانوس نصب تھے ؛ فانوسوں کے کنول بھی سبز - چوبوں کے سنہری کلسوں سے لگا کر نیچے تک موٹے موٹے موتیا کے گجرے سہرے کی طرح لٹکے ہوے - بیچ کی لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتونی ڈوریوں سے جس کے کونوں پر مقیش کے گھنے تھے اس طرح چوبوں پر کس دیا گیا تھا کہ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں کے دروازے بن گئے تھے - دیواروں میں جہاں کھونٹیاں تھیں وہاں کھونٹیوں پر اور جہاں کھونٹیاں نہیں تھیں وہاں کیلیں گاڑ کر پھولوں کے ہار لٹکا دئے تھے - اس سرے سے لگا کر اُس سرے تک سفید چھت گیری جس کے حاشیے سبز تھے، کھنچی ہوئی تھی - چھت گیری کے بیچوں بیچ موتیا کے ہار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچ دیا گیا تھا کہ پھولوں کی چھتری بن گئی تھی - ایک صحنچی میں پانی کا انتظام تھا ؛ کورے کورے گھڑے رکھے تھے اور شورے میں جست کی صراحیاں لگی ہوئی تھیں، دوسری صحنچی میں پان بن رہے تھے - باورچی خانے میں حقوں کا تمام سامان سلیقے سے جما ہوا تھا -

* سبز رنگ دہلی کا شاہی رنگ تھا—

جابجا فوکر صاف ستھرا لباس پہنے دست بستہ مؤدب کھڑے تھے - تمام مکان مشک، عنبر اور اگر کی خوشبو سے پڑا مہک رہا تھا - قالینوں کے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حقوں کی قطار تھی ؛ حقے ایسے صاف ستھرے تھے کہ معلوم ہوتا تھا ابھی دوکان پر سے خرید ہوکر آے ہیں - حقوں کے بیچ میں جو کچھہ جگہ چھوٹ گئی تھی وہاں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھہ کر ان پر خاصدان رکھہ دئے تھے - خاصدانوں میں لال قند کی صافیوں میں لپٹے ہوے پان - گلوریوں کو صافی میں اس طرح جمایا تھا کہ بیچ میں ایک ایک تہہ پھولوں کی آگئی تھی - خاصدانوں کے برابر چھوٹی چھوٹی کشتیاں ' ان میں الائچیاں ' چکنی ڈلیاں اور بن دھنیا - مسند کے سامنے چاندی کے دو شمعدان ' اندر کافوری بتیاں ' اوپر ہلکے سبز رنگ کے چھوٹے کنول - شمعدانوں کے نیچے چاندی کے چھوٹے لگن ' لگنوں میں عرق کیوڑا - غرض کیا کہوں ایک عجیب تماشہ تھا - میں تو الف لیلیٰ کا ابوالحسن ہوگیا - جدھر نظر جاتی اُدھر ہی کی ہو رہتی * - میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا —

سب سے پہلے مرزا کریم الدین ' رسا ' آے - یہ سلاطین زادے ہیں - کوئی ستر برس کے پیٹے میں ہیں - استعداد علمی تو کم ہے مگر شاعری میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے - بہت رحم دل ' خوش خلق اور سادہ مزاج ہیں - دغل فصل نام کو نہیں ہے - ملاح کہا کرتے ہیں کہ کشتی میں " چڑھے سب سے پہلے اور اترے سب سے پیچھے " - انہوں نے اس مقولہ کو مشاعرے سے متعلق کر دیا ہے - مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک ایک کرکے سب نہیں چلے جاتے یہ اُٹھنے

---

* بزرگوں کی زبانی دیوان عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سنا ہے بجنسہ اسی پر اس مشاعرہ کا نقشہ قایم کیا ہے —

کا نام نہ لیتے - ایک روز کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ ہو رہا تھا - بڑے زور سے ابر آیا - سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم کیا - لوگ اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھیرے اپنی وضع کے پابند جب تک سب نہ جا چکے اپنی جگہ سے نہ اُٹھے - ہاں گھڑی گھڑی جھک جھک کر آسمان دیکھ لیتے - اتنے میں موسلا دھار مینہہ برسنا شروع ہوا - ایسا برسا ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے - کہیں دو گھنٹے کے بعد خدا خدا کرکے ذرا مینہہ تھما تو یہ بھی اُٹھے مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ہاتھہ کو ہاتھہ نہیں سوجھتا تھا - مالک مکان نے ایک نوکر کو قندیل دے کر ساتھہ کردیا - گلیوں میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا - ان بچارے کے پاؤں میں زر دوزی کا قیمتی جوتا ' کیچڑ میں پاؤں رکھیں تو کیسے رکھیں - آخر چپکے سے نوکر سے کہا کہ تو اپنا جوتا مجھے دیدے - اس کا جوتا کیا تھا لیترے تھے ' وہی گھسیٹتے ہوے چلے ؛ اپنا جوتا بغل میں دبا لیا - قلعہ پہنچ کر ایک نیا جوتا نوکر کو دیا اور کہا " میاں تونے آج میرے ساتھہ ایسا احسان کیا ہے کہ تمام عمر نہ بھولوں گا ' جب کبھی تجھے کوئی ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کیجئیو " - آگے چل کر اس بدمعاش نے ان کو بہت دق کیا اول تو اس راز کا دھنڈورا پیٹ دیا دوسرے ہر تیسرے چوتھے ان سے ایک دو روپئے مار لاتا - مگر انہوں نے کبھی " نا " نہیں کی ؛ جب جاتا کچھہ نہ کچھہ سلوک ضرور کرتے -

نواب زین العابدین خاں صاحب نے بڑھ کر لب فرش ان کو لیا اور پوچھا - " ہیں صاحب عالم ! میاں ' حیا ' آپ کے ساتھہ نہیں آے " - مرزا رحیم الدین حیا ان کے بڑے بیٹے ہیں ' لیکن تھوڑے دنوں سے باپ بیٹے میں کچھہ صفائی نہیں رہی ہے - نواب صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم ناسور کی طرح پھوٹ بہے ' کہنے لگے " نواب ! وہ بھلا میرے ساتھہ کیوں آتے - جب سے بنارس ہوکر آے ہیں ان کا تو رنگ ہی بدل گیا - میں بچارہ تو کس گنتی میں ہوں وہ کسی کو بھی اب خاطر میں نہیں لاتے - پالا پوسا ' بڑا کیا ' پڑھایا ' لکھایا ' شاعر بنایا ' بٹیریں لڑانا

سکھایا اور تخت * کی قسم وہ وہ نسخے بتیروں کے بتاے ہیں کہ قلعہ تو قلعہ ہندوستان بھر میں کسی کے فرشتہ خاں کو بھی معلوم نہ ہوں گے ' اور اب وہ ہا - صاحبزادے صاحب ہیں کہ استاد مانتا تو درکنار مجھکو باپ بھی کہتے شرماتے ہ آئے - ہاں بھئی کیوں نہ ہو ' تیرھویں صدی ہے - ان کو بنارس بھیج کر میں تو مد صاحب میں آگیا - ایک نقصان مایہ دوسرے شہامت ہمسایہ - بیٹا ہاتھہ سے گیا تو گ ان کی رات کی دانتا کلکل اور مول لے لی " - یہ باتیں کرتے کرتے نواب صاحب اُستاد سے ' رسا ' کو لے جاکر ایک جگہ بٹھا دیا - ابھی ان سے فارغ نہ ہوے تھے کہ ایسا ہیں کا ایک گروہ حافظ عبدالرحمن احسان کو جھرمٹ میں لئے آ پہنچا - ہ ہے - کوئی شہر میں کون ہے جو " حافظ جیو " کو نہ جانتا ہو ' جگت استاد ہیں - رہے ہیں- قلعے کا قلعہ ان کا شاگرد تھا مگر اُستاد ذوق کے قلعے میں قدم رکھتے ہی ان کے مولانا ذرا ٹوٹا- یہ بھی زمانے کی آنکھیں دیکھے ہوے تھے اور شاہ نصیر سے ٹکر لڑا چکے تھے شروع اس بڑھاپے میں بھی خم ٹھونک کر سامنے آگئے اور مرتے دم تک مقابلے سے نہ ہٹے قلعہ تھا نہ ہٹے - کوئی ۹۰ برس کی عمر تھی ' کمر دھری ہونے سے قد کمان بن گیا تھا - " اپنے زمانے کے بلعم باعور تھے- لیکن غزل اس کڑاکے سے پڑھتے تھے کہ تمام مشاعرے پر چھا جاتے تھے- ان کی استادی کا سکہ زمانے سے تمام دلی پر بیٹھا ہوا تھا - پہلے مرزا تیلی کے استاد ہوے ' رفتہ رفتہ شاہ عالم بادشاہ غازی نورالله مرقدہ تک رسائی ہوگئی- وہ ان کو " حافظ جیو " کہتے تھے ' اس لئے اسی نام سے تمام قلعے میں مشہور تھے - مصرعے پر مصرعہ لگانے میں کمال تھا اور سنہ ایسے تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض منہ دیکھتے رہ جاتے تھے - ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرعہ کہا —

صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں

---

* روز روز کی خانہ جنگیوں نے ہر شہزادے کے دل میں یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ شاید کل میں ہی بادشاہ ہوجاؤں ' اسلئے قلعہ کے سب لوگ خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ہمیشہ تخت کی ' تاج کی اور اسیطرح کی قسمیں کھایا کرتے تھے—

کا ن
سب نے
وضع کے
جھک جھ
ایسا برسا
مینھہ تھما
سوجھتا تھا
ٹھنوں ٹھنا
لرح اُڑایا ھے:—
میں پاؤں
دیدے -
میں د
ساتھ

اُنھوں نے فوراً عرض کی:—

نامناسب ھے میاں وقت سحر گاہ نہیں

کسی نے " وقت سحر گاہ " کی ترکیب پر اعتراض کیا - انھوں نے جھٹ صائب
مر پڑھا :—

آدمی پیر چو شد حرص جوان می گردد
خواب در وقت سحرگاہ گران می گردد

، صاحب اپنا سا منھ لیکر رہ گئے —

دبلے پتلے آدمی تھے ' رنگ بہت کالا تھا ؛ شاہ نصیر نے اسی رنگ کا

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بنا تا
پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

نواب صاحب نے اُن سب کو بھی ھاتھوں ھاتھہ لیا اور اپنی اپنی جگہ لاکر بٹھا یا-
بھی ان کو بٹھانے سے فارغ نہ ھوئے تھے کہ منشی محمد علی 'تشنہ' چُم نفگے' نشے میں چور'
جھومتے جھامتے اندر آئے - نوجوان آدمی ھیں مگر عجب حال ھے - کبھی برھنہ پڑے پھرتے
ھیں ' کبھی کپڑے پہن خاصے بھلے آدمی بن جاتے ھیں - کسی کے شاگرد نہیں اور پھر'
سب کے شاگرد ھیں - کبھی حکیم آغا خاں عیش سے اصلاح لینے لگتے ھیں' کبھی اُستاد ذوق
کے پاس اصلاح کے لئے غزل لے آتے ھیں - ذھن بلا کا پایا ھے ؛ لاکھوں شعر زبان کی
نوک پر ھیں ' شعر سنا اور یاد ھوا - اکثر ایسا بھی ھوا ھے کہ کسی کی غزل سنی
اور یاد کرلی - مشاعرے میں خود اپنے نام سے وہ غزل پڑہ ڈالی اور وہ بچارا منھ
دیکھتا رہ گیا - نواب صاحب آگے بڑھے ' پوچھا " منشی جی یہ کیا رنگ ھے " - کہنے
لگے " اصلی رنگ ' مشاعرہ کب شروع ھوتا ھے " - نواب صاحب نے کہا " ابھی شروع
ھوتا ھے آپ بیٹھئے تو سہی "- خیر ایک کونے میں جاکر بیٹھہ گئے - میاں عارت نے اُن
پر ایک دوشالہ لاکر ڈالدیا - اُنھوں نے اٹھا کر پھینک دیا - غرض جس طرح ننگے آئے تھے

اسی طرح بلا تکلف بیٹھے رہے - اس کے بعد تو لوگوں کے آنے کا تانتا بندھ گیا - جو آتا اس کا استقبال نواب صاحب کرتے اور لا لا کر بٹھاتے - حکیم مومن خاں آئے - ان کے ساتھہ آزردہ، شیفتہ، صہبائی اور مولوی مملوک العلی تھے - مولوی صاحب مدرسۂ دھلی میں مدرس اول ھیں - عجیب با کمال آدمی ھیں - مدرسے میں ان کی ذات بابرکات سے وہ فیض ھوا ھے کہ شاید ھی کسی زمانے میں کسی اُستاد سے ھوا ھو - بہت پابند شرع ھیں، اس لئے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ھیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کر دینا گویا اس کو دوام کی سند دینا ھے - کوئی ۶۰ سال کا سن ھے - رھنے والے تو فانوتے کے ھیں مگر مدتوں سے دھلی میں آرھے ھیں - دن رات پڑھنے پڑھانے سے کام ھے - مشاعروں میں کم جاتے ھیں، یہاں شاید مولانا صہبائی ان کو اپنے ساتھہ گھسیٹ لائے - تھوڑے ھی دن ھوے بچارے پابندیٔ شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے تھے - ھوا یہ کہ رزیڈنٹ بہادر مدرسے کے معائنہ کو آئے - ان کے علم اور رتبے کے خیال سے ھاتھہ ملایا - جب تک صاحب بہادر وھاں رھے انھوں نے ھاتھہ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ھے - صاحب کے جاتے ھی بہت احتیاط سے ھاتھہ کئی بار دھویا - کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی، اُن کو بہت غصہ آیا کہ ھم نے تو ھاتھہ ملا کر ان کی عزت افزائی کی انھوں نے اس طرح ھماری توھین کی - غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ھوا —

مولوی صاحب میرے بھی اُستاد تھے - میں بھی آگے بڑھا - آداب کیا - فرمانے لگے "میاں کریم الدین میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا - تم نے تو دھلی والوں کو مات کر دیا ' سبحان اللہ سبحان اللہ ! کیا انتظام ھے ' دیکھکر دل خوش ھو گیا ' خدا تمھیں اس سے زیادہ حوصلہ دے" - میں نے عرض کی "مولوی صاحب بھلا میں کیا اور میری بساط کیا ؛ یہ سب کیا دھرا نواب زین العابدین خاں کا ھے" - فرمانے لگے "بھئی یہ بھی اچھی ھوئی ' وہ کہیں کہ سارا انتظام کریم الدین خاں کا ھے، تم کہو

کہ نواب صاحب کا ہے - چلو، من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو"- ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مرزا نوشہ پالکی میں سے اُترے - نیر، علائی، سالک اور حزیں اُن کے ہمراہ تھے - مرزا غالب مومن خاں کی طرف بڑھے، مصافحہ کیا اور کہا "بھئی حکیم صاحب آج محمد ناصر خاں معزوں کا عظیم‌آباد سے خط آیا تھا، تم کو بہت بہت سلام لکھا ہے؛ معلوم نہیں کہ کیوں ایکا ایکی پٹنہ چلے گئے - خواجہ میر درد کے پوتے ہوکر ان کا دہلی کو چھوڑنا ہم کو تو پسند نہیں آیا، اب یاروں کو روتے ہیں - دیکھنا کیا درد بھرا شعر لکھا ہے —

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
آہ معزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

ارے بھئی رات تو خاصی آگئی ہے، ابھی تک میاں ابراھیم نہیں آئے - آخر یہ مشاعرہ شروع کب ہو گا" - حکیم صاحب کچھہ جواب دینے ہی والے تھے کہ دروازے کے پاس سے "السلام علیکم" کی آواز آئی - مولانا صہبائی نے کہا "اے لیجئیے مرزا صاحب وہ اُستاد کے نشان کے ہاتھی حافظ ویران صاحب آگئے اور وہ آپ کے دوست ھدھد بھی ساتھہ ہیں؛ دیکھئیے آج کس کے چونچ مارتے ہیں"- میاں ھدھد کا نام عبدالرحمن ہے - پورب کے رہنے والے ہیں، دلی میں آکر حکیم آغا خاں عیش کے ہاں ٹھیرگئے ہیں - ان کے بچوں کو پڑھاتے ہیں - حکیم صاحب ہی کے مشورے سے ھدھد تخلص اختیار کیا - انہی کی تجویز سے چگی داڑھی رکھی، سر منڈا کر نکو عمامہ باندھا اور اس طرح خاصے کھت بڑھئی ہو گئے - انہی کے ذریعے سے دربار میں پہنچے اور طائرالاراکین، شہپرالملک، ھدھدالشعراء، منقار جنگ بہادر خطاب پایا - شروع شروع میں تو ان کے ظریفانہ کلام سے مشاعرہ چمک جاتا تھا، مگر بعد میں انہوں نے اُستادان فن پر حملے شروع کر دئے - کہتے تو یہ ہیں کہ حکیم صاحب کے اشارے سے ایسا کیا، لیکن کچھہ بھی ہو، آخر آخر سب کو ان سے کچھہ نفرت سی ہو گئی اور بجاے دوسروں کا مذاق اُڑنے کے خود اُن کا مذاق اُڑ جاتا تھا -

حکیم صاحب علانیہ تو اُن کی مدد کر نہیں سکتے تھے خود ان میں اتنی قابلیت نہ تھی جو دلی والوں کی پھبتیوں کو سنبھال سکتے' اس لئے تھوڑی ھی دیر میں ٹھنڈے ھوکر رہ جاتے - مرزا نوشہ اور حکیم مومن خاں پر ھمیشہ منہ آتے تھے - اسی لئے مرزا نوشہ مولانا صہبائی کے منہ سے "آپ کے دوست" کا لفظ سنکر مسکرائے اور کہا "بھئی میں تو ان کے منہ کیوں لگنے لگا مگر آج دیکھا جائے گا "ھر فرعونے را موسیٰ" سنتا ھوں کہ ھمارے میر صاحب مولوی ھدھد کی شان میں آج کچھہ فرمانے والے ھیں - ان کے سامنے اگر یہ شہباز سخن تک گئے تو میں سمجھونگا کہ بڑا کام کیا"- غرض یہ باتیں ھو رھی تھیں کہ اُستاد ذوق بھی اندر آگئے - تمام قلعہ ان کے ساتھہ آیا تھا - صاحب سلامت کر کے سب اپنی اپنی جگہ بیٹھہ گئے - قلعہ والوں اور اُن لوگوں میں جن کا تعلق قلعہ سے ھے سلام کرنے کا کچھہ عجیب طریقہ ھے - سیدھے کھڑے ھو کر دایاں ھاتھہ اس طرح کان تک لے جاتے ھیں جس طرح کوئی نماز کی نیت باندھتا ھے اور پھر چھوڑ دیتے ھیں' چلو سلام ھو گیا- باقی سب لوگوں سے معمولی طرح سلام کرتے ھیں- قلعہ والوں کی صورت کچھہ ایسی ھے کہ ایک ھی نظر میں پہچان لئے جاتے ھیں - شہزادے ھوں یا سلاطین زادے سب کی وضع قطع ایک سی ھے - وھی لمبی گردن' وھی پتلی اونچی ناک' لمبا کتابی چہرہ' بڑی بڑی لمبوتری آنکھیں' بڑا دھانہ' اونچا چوکا' آنکھوں کے نیچے کی اُبھری ھوئی ھڈیاں' گہرا سانولا رنگ' داڑھی کلوں پر ھلکی' ٹھوڑی پر زیادہ - غرض جیسی مشابہت ان لوگوں میں ھے شاید ھی کسی خاندان والوں میں ھوگی - امیر تیمور سے لگا کر اس وقت تک ان کی شکل میں کوئی فرق نہیں آیا ھے - پہلے تو قلعہ بھر کا ایک ھی لباس تھا • مگر اب کچھہ دورنگی ھوگئی ھے - وجہ یہ

• اس مضمون میں جابجا دھلی والوں کے لباس کا ذکر آیا ھے - مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ذرا وضاحت سے اس لباس کو بتا دوں تاکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ہوئی کہ جب سے سلیمان شکوہ کا اودھ کے دربار میں رسوخ ہوا خاندان کے کچھ لوگ تو وہیں جا رہے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ بنارس آتے جاتے رہتے ہیں - جو وہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۵)

اس محفل کا نقشہ اور اچھی طرح پھر جائے- مرزا نوشہ کا تو ذکر جانے ہی دو وہ تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں ' ان کی ٹوپی دنیا بھر سے جدا تھی -نہ ترکی تھی نہ تاتاری' کمال کو (خواہ وہ سمور ہو یا برہ) اس طرح سی لیا جاتا تھا کہ نیچے کا گھیر اوپر کے چلدوے سے ذرا بڑا ہے - اس کے بعد چار کنگرے قائم کرکے کمال کو ٹوپی کی آدھی لمبان تک، اس طرح کاٹ لیا کہ ٹوپی گوکھرو کی شکل بن گئی - بیچ میں چلدوے کی جگہ مخمل یا گہرے رنگ کی بانات کنگروں کے کناروں سے ملا کر سی لی ' اندر استر دے دیا ' چلو مرزا نوشہ کی ٹوپی ہو گئی - شہر میں کلاہ ترکی کا بہت استعمال ہے جس کو عام اصطلاح میں چوگوشیہ ٹوپی کہتے ہیں - یہ بھی کئی وضع کی ہوتی ہیں اور کئی طرح پہنی جاتی ہیں - جو ٹوپی شرفا استعمال کرتے ہیں اس کا دمہ (گوٹ) ذرا نیچا ہوتا ہے - دمے کے اوپر چار پاکھے - پاکھے کی وضع بالکل شاہجہانی محراب کی سی ہوتی ہے - چاروں کو اس طرح ملا کر سیتے ہیں کہ چاروں کونے کمرک (کمرخ) کے نمونے کے ہوجائیں - بعض لوگوں نے اس میں ذرا جدت بھی کی ہے ' وہ یہ کہ دمے کو اونچا کرکے پاکھوں کی لمبان کو چوڑان سے کسی قدر بڑھا دیا ہے اور ان کے سل جانے کے بعد جو پہل پیدا ہوے ہیں ان کو پھر کاٹ کر کلیاں ڈال دی ہیں - اس طرح بجائے چار پہل کے ٹوپی کے آٹھ پہل ہوگئے ہیں- خوبصورتی کے لئے دمے کے کناروں پر پتلی لیس اور گوشوں کے کناروں پر باریک قیطون لگاتے ہیں - بادشاہ سلامت کی ٹوپی ہوتی تو اسی نمونے کی ہے مگر سلمے ستارے کے کام سے لپی ہوئی اور جابجا موتی اور نگینے ٹکے ہوے-اس قسم کی ٹوپی کئی طرح پہنی جاتی تھی- قلعہ والے تو پاکھوں کو کھڑا رکھتے ہیں ' باقی لوگ ان کو کسی قدر دبالیتے ہیں - جو ٹوپی آٹھ پہل کی ہوتی ہے اس کے پاکھوں کو تو اتنا دباتے ہیں کہ گوشے دمے کے باہر پھول کر کنول کی شکل بن جاتے ہیں - اس قسم کی ٹوپی ہمیشہ آڑی پہنی جاتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ایک کونہ بائیں بھوں کو دبائے - اس ٹوپی کے علاوہ ارخ چین کی ٹوپی کا بھی بہت رواج ہے - اس کا بنانا کچھ مشکل کام نہیں - ایک مستطیل کپڑے کے کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سی لیا ' نیچے پتلی سی گوٹ دیدی اور اوپر کے حصے میں چنٹ دے کر چھوٹا سا گول کتہ لگا دیا - دھلی کی دوپلڑی ٹوپی اور لکھنؤ کی ٹوپی میں صرف یہ فرق ہے کہ یہاں یہ ٹوپی اتنی بڑی بناتے تھے کہ سر پر ملدہ جائے'

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

جاکر آتا ہے لباس میں نئی تراش خراش کرتا ہے - اس طرح اس کا لباس آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوکر نہ لکھنؤ کا رہتا ہے نہ دہلی کا - اب جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں انہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۶)

بر خلاف اس کے لکھنؤ کی ٹوپی صرف بالوں پر دھری رہتی ہے - ان ٹوپیوں کے علاوہ بعض بعض لوگ پنج گوشیہ ٹوپی بھی پہنتے ہیں - اس ٹوپی میں پانچ گوشے ہوتے ہیں ' لیکن اس کی کاٹ چوگوشیہ ٹوپی سے ذرا مختلف ہے - گوشوں کے اوپر کے حصے نوک دار ہوتے ہیں ' بس سمجھ لو کہ جیسے فصیل کے کنگرے - نیچے دسے کی بجائے پتلی سی گوٹ ہوتی ہے - یہ ٹوپی قالب چڑھا کر پہنی جاتی ہے - قالب چڑھ کر بس ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ہمایوں کے مقبرے کا گنبد- عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کی ٹوپی کا بھی بہت استعمال تھا - بعض تو بالکل سادی ہوتی ہیں اور بعض سوزنی کے کام یا فیتے کے کام کی ہوتی ہیں - اس ٹوپی کو بھی قالب چڑھا کر پہنتے ہیں—

لباس میں انگرکھا بہت پسند کیا جاتا ہے - انگرکھے کی چولی اتنی نیچی ہوتی ہے کہ ناف تک آتی ہے - چونکہ ہر شخص کو کسرت کا شوق ہے اس لئے جسم کی خوبصورتی دکھانے کے لئے آستین بہت چست رکھتے ہیں اور بعض شوقین آستینوں کو آگے سے کاٹ کر الٹ لیتے ہیں - انگرکھے کے نیچے کرتہ بہت کم لوگ پہنتے ہیں - تلعے والوں کے انگرکھے کے اوپر جامہ وار یا مخمل کی خفتان ہوتی ہے ' بہت تکلف کیا تو اس کے حاشیوں پر سمور لگا لیا ' نہیں تو عموماً پتلی لیس لگاتے ہیں - بٹنوں کی بجائے صرف ایک تکمہ اور گھنڈی ہوتی ہے جس کو " عاشق معشوق یا چشمے " کہتے ہیں ' اس کی آستینیں ہمیشہ آدھی ہوتی ہیں - قلعے میں تو اس کو خفتان کہا جاتا ہے - مگر شہر والے اس سیدھ کھلے نیمہ آستین کو " شیروانی " کہتے ہیں - انگرکھے کے اوپر چوکور شامی رومال سموسہ کرکے پیٹھ پر ڈال لیتے ہیں - اس رومال کو عام اصطلاح میں " ارخ چین " کہتے ہیں - کمر میں بھی پٹی کرکے رومال لپیٹنے کا رواج ہے ' مگر بہت کم - پائجامہ ہمیشہ قمیتی کپڑے کا ہوتا ہے ' اکثر گلبدنی ' غلطے ' مشروع ' مرتعے ' اطلس یا کمخت کا ہوتا ہے - پرانی وضع کے جو لوگ ہیں وہ تو اب بھی ایک بر ھی کا پائجامہ پہنتے ہیں ' مگر تنگ موریوں کے پائجامے بھی چل نکلے ہیں - سلیم شاہی جوتی کا استعمال شروع ہوگیا ہے - پھر بھی دہلی کے شرفا کھیتلی جوتی زیادہ پسند کرتے ہیں شاید ہی شہر بھر میں کوئی ہوگا جس کے ہاتھ میں بانس کی لکڑی اور گز بھر کا

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

کو دیکھہ لیجئے - جو شاھزادے لکھنؤ جاکر آے ھیں ان کے سرپر لکھنؤ کی دو پلڑی ٹوپی ھے' اونچی چولی کا انگرکھا ھے' نیچے باریک شربتی ململ کا کرتہ اور تنگ پیجامہ ھے - جنھوں نے قلعہ کبھی نہیں چھوڑا اُن کے جسم پر وھی پرانا لباس ھے - سر پر چوگوشیہ ٹوپی 'جسم پر نیچی چولی کا انگرکھا ' اس کےاُوپر مخمل یا جامہوار کی خفتانی ' پاؤں میں گلبدنی یا غلطے کا ایک برکا پیجامہ - جو لوگ لکھنؤ ھو آئے ھیں انھوں نے دھلی کے لباس کے ساتھہ داڑھی کو بھی خیر باد کھدیا ھے' چہرے کی ساخت سے تو ان کو دھلی کا شہزادہ کھدو توکھدو مگر لباس اور وضع قطع سے تو یہ ٹھیٹہ لکھنؤ والے معلوم ھوتے ھیں—

اُستاد ذوق سب سے مل ملا کر شامیانے کے دائیں طرف بیٹھہ گئے - مشاعرے میں شعرا کو سلسلے سے بٹھانا بھی ایک فن ھے - نواب زین‌العابدین خاں کی تعریف کروں گا کہ جس کو جہاں چاھا بٹھا دیا اور پھر اس طرح کہ کسی کو نہ کوئی شکوہ نہ شکایت - اگر کوئی ایسی جگہ بیٹھہ جاتا جہاں ان کے خیال میں اس کو نہ بیٹھنا چاھئے تھا تو بجائے اس کے کہ اس کو وھاں سے اُٹھاتے خود ایسی جگہ جا بیٹھتے جہاں اس کو بٹھانا چاھتے' تھوڑی دیر کے بعد کہتے " ارے بھئی ' ذرا ایک بات تو سننا " - وہ آکر اُن کے پاس بیٹھہ جاتا ' اس سے باتیں کرتے رھتے ؛ اتنے میں کوئی ایسا شخص آجاتا جس کو وہ خالی جگہ کے موزوں سمجھتے اس سے کہتے ' " تشریف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۷)

لٹھے کا چوکور رومال نہ ھو - ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لمبی پور کا ٹھوس بھاری بانس لیتے ' تیل پلاتے 'میندھی مل کر باورچی‌خانے میں لٹکاتے' یہاں تک کہ اس کی رنگت بدلتے بدلتے سیاہ ھوجاتی اور وزن تو ایسا ھوجاتا گویا سیسہ پلا دیا ھے - جو نکلتا ھے اینٹھتا ھوا نکلتا ھے ' جسکا دیکھو ' چوڑا سینہ ' پتلی کمر ' بلے ھوئے ڈنڈ - شرفا میں تو شاید ڈھونڈے سے ایک بھی نہ نکلیگا جسکو کسرت کا شوق نہو اور بانک ' بلوت اور لکڑی نہ جانتا ھو - بچپن ھی سے ان فنوں کی تعلیم دیجاتی ھے ' مقابلے ھوتے ھیں' واہ واہ سے بچوں اور نوجوانوں کا دل بڑھاتے ھیں اور فنون سپاہ گری کو شرافت کا تمغہ سمجھتے ھیں —

رکھئے' وہ جگہ خالی ہے "۔ جب وہ جگہ بھرجاتی تو کسی بہانے سے اُٹھ جاتے اور اس طرح دو نشستوں کا انتظام ہوجاتا - شہزادوں کا سلسلے سے بٹھانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کر اُٹھ جاتے ہیں کہ واہ ہم اور یہاں بیٹھیں - پھر لاکھ منائیے وہ بھلا کیا ماننے والے ہیں- ان جھگڑوں کو استاد ذوق خوب سمجھتے تھے اس لئے اپنے ساتھ والوں کا انتظام اُنھوں نے خود کرلیا ' مگر اس طرح کہ کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ یہ محفل کا بندوبست کر رہے ہیں- کسی سے کہتے "صاحب عالم ' ادھر آئیے" - کسی سے ' کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے' کہتے " بیٹھو ' بھئی بیٹھو " - غرض تھوڑی دیر میں پوری مجلس جم گئی - نشست کا یہ انتظام تھا کہ میر مشاعرہ کے دائیں جانب وہ لوگ تھے جن کا تعلق قلعے سے تھا اور بائیں طرف شہر کے دوسرے استاد اور ان کے شاگرد- ایک چیز جو مجھے عجیب معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ قلعے والے جتنے آئے تھے ' سب کے ہاتھوں میں بٹیریں دبی ہوئی تھیں- یہ بٹیر بازی اور مرغ بازی کا مرض قلعہ میں بہت ہے - روزآنہ تیتروں ' بٹیروں اور مرغوں کی پالیاں ہوتی ہیں - ایک شہزادے صاحب نے تو کمال کیا ہے ' ایک بڑے چھکڑے پر ٹھاٹھر لگا کر چھوٹا سا گھر بنا لیا ہے اور اوپر چھت پر مٹی ڈالکر کلکنی بودی ہے - ٹھاٹھر میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو لاکھوں ہی پدڑیاں ہیں- جہاں چاہا چھکڑا لیگئے اور پدڑیاں اڑا دیں ' ایسی سدھی ہوئی ہیں کہ جھلڑ سے ایک بھی پھٹ کر نہیں جاتی انھوں نے جھنڈی ہلائی اور وہ اُڑیں ' انھوں نے آواز دی اور وہ آکر چھت پر بیٹھ گئیں —

اُستاد ذوق کو آئے ہوے چند ہی منٹ ہوے ہونگے کہ مرزا فتح الملک ہوادار میں آپہنچے - اُن کے ساتھ نواب مرزا خاں داغ تھے - میاں داغ کی کوئی سولہ سترہ برس کی عمر ہوگی - رنگت تو بہت کالی ہے مگر چہرے پر غضب کی نرماہٹ ہے - بڑی بڑی غلافی آنکھیں ' ستواں ناک کشادہ پیشانی ' سر پر سیاہ مخمل کی لیس لگی ہوئی چوگوشیہ ٹوپی - جس میں سانسلیت کا انگرکھا ' سبز گلبدنی کا پیجامہ'

ہاتھہ میں ریشمی رومال-ہیں تو ابھی نو عمر مگرشعر ایسا کہتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ شہر بھر میں ان کی غزلیں گائی جاتی ہیں - غرض ہوادار فرش سے ملا کر لگا دیا گیا - پہلے میاں داغ اُترے* اور اُتر کر ایک طرف کھڑے ہوگئے - ان کے بعد مرزا فتح الملک اُترے ان کا نیچے قدم رکھنا تھا کہ سب سرو قد کھڑے ہوگئے - چار چوبدار سبز کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، نیچی نیچی سبز بافات کی چپکلیں پہنے، سرخ شالی رومال کمر سے لپیٹے، ہاتھوں میں گنگا جمنی عصا اور مورچھل لئے ہوادار کے پیچھے تھے - ادھر مرزا فخرو نے فرش پر قدم رکھا ادھر عصا بردار تو ان کے سامنے آگئے اور مورچھل بردار پیچھے ہولئے - اس سلیقے سے یہ جلوس آہستہ آہستہ شامیانے تک آیا - مرزا فخرو نے شامیانے کے قریب کھڑے ہوکر سب کا سلام لیا - پھر چاروں طرف نظر ڈال کر کہا "اجازت ہے" - سب نے کہا "بسم اللہ، بسم اللہ" - اجازت پا کر یہ شامیانے میں گئے اور سب کو سلام کرکے بیٹھہ گئے - دوسرے سب لوگ بیٹھنے کی اجازت کے انتظار میں کھڑے تھے - ان سب کی طرف نظر ڈال کر کہا "تشریف رکھئے، تشریف رکھئے" - سب لوگ سلام کر کے اپنی اپنی جگہ بیٹھہ گئے - اُستاد ذوق نے داغ کو اپنے قریب ہی ایک جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ وہاں جا بیٹھے - مورچھل بردار شامیانے کے پیچھے اور عصا بردار سامنے کی صف کی پشت پر جا کھڑے ہوے - جب یہ سب انتظام ہو گیا تو نواب زین العابدین خاں آگے بڑھے، شامیانے کے پاس جا کر تسلیمات بجا لائے اور دو زانو ہوکر وہیں بیٹھہ گئے - چپکے چپکے صاحب عالم سے کچھہ باتیں کیں اور پھر اُٹھہ کر اپنی جگہ جا بیٹھے -

---

* مرزا فخرو کے ساتھہ نواب مرزا خاں داغ کے آنے کی یہ وجہ تھی کہ نواب شمس الدین خاں کے پھانسی پانے کے بعد ان کی بیوی یعنی داغ کی والدہ کا نکاح مرزا فخرو سے ہو گیا تھا اور اسی نسبت سے داغ قلعہ میں رہتے تھے - (نواب فخر الملک کا عرف مرزا فخرو تھا) —

اُن کے اُٹھہ کر چلے جانے کے بعد نواب فتح‌الملک نے دونوں ہاتھہ فاتحہ * کو اُٹھائے۔ ساتھہ ہی اہل مجلس نے ہاتھہ اُٹھائے - فاتحہ خیر کے بعد صاحب عالم نے فرمایا "اے خوشنوایان چمن دہلی! میری کیا بساط ہے جو آپ جیسے اُستادان فن کے ہوتے ہوے میر مشاعرہ بننے کا خیال بھی دل میں لا سکوں - صرف حضرت پیر و مرشد کے فرمان کی تعمیل میں حاضر خدمت ہو گیا ہوں، ورنہ کہاں میں اور کہاں ایسے بڑے مشاعرے کی میر مجلسی - محبو! اس مشاعرے کی ایک خصوصیت تو آپ کو معلوم ہے کہ اس کے لئے کوئی "طرح" نہیں دی گئی - اس کی دوسری خصوصیت آپ یہ پائیں‌گے کہ بجاے ایک شمع کے دو شمعیں گردش کریں گی - جس طرح "طرح" کے نکل جانے نے ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر و مباہات کا دروازہ بند کر دیا ہے، اسی طرح دو شمعوں کی وجہ سے پڑھنے میں تقدیم و تاخیر سے جو خیالات طبیعتوں کو مکدر کرتے تھے وہ بھی رفع ہو جائیں‌گے- مشاعرے کی ابتدا کرنے اور ختم کا خیال بھی اکثر دلوں میں فرق ڈالتا ہے، لیکن اس مشاعرے میں، میں نے انتہا کو ابتدا کر دیا ہے - چنانچہ حضرت ظل سبحانی کے کلام معجز نظام سے مشاعرے کی ابتدا ہوگی اور اس کے بعد ہی میں اپنی غزل عرض کرکے ابتدا اور انتہا کے فرق کو مٹا دونگا"- یہ کہکر مرزا فخرو نے ہاتھہ کا اشارہ کیا - دونوں چوبدار جو سامنے کھڑے تھے دونوں شمعیں اُٹھا کر ان کے سامنے لائے - انہوں نے بسم اللہ کہکر فانوس اُتارے اور شمعیں جلا کر فانوس چڑھا دئے - چوبداروں نے شمعوں کو لیجا کر لگنوں میں رکھدیا اور سیدھے کھڑے ہو کر مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انہوں نے گردن سے اشارہ کیا- اشارہ پاتے ہی دونوں چوبداروں نے بآواز بلند کہا "حضرات! مشاعرہ شروع ہوتا ہے"—

اس آواز کا سننا تھا کہ ایک سناٹا سا ہو گیا - قلعے والوں نے بٹیریں تھہلیوں

---

* نواب فتح‌الملک بڑے کٹے مسلمان تھے، کوئی کام بغیر فاتحہ خیر کے شروع نہ کرتے تھے اسی لئے سب قلعے والے ان کو "ملا" یا "ملّٹا" کہا کرتے تھے—

میں بند کر، تکیوں کے پیچھے رکھدیں - نوکروں نے جھٹ پٹ حقے سامنے سے ہٹا دئے اور ان کی جگہ سب کے سامنے اوگالدان، خاصدان اور پُن دھنیے کی طشتریاں رکھ اپنی اپنی جگہ جا کھڑے ہوے - اتنے میں بارگاہ جہاں پناہی کا خواصی بادشاہ سلامت کی غزل لئے ہوے قلعے سے آیا - اس کے ساتھ کئی نقیب تھے وہ خود شمع کے قریب آکر تسلیمات بجا لایا اور غزل پڑھنے کی اجازت چاہی - مرزا فخرو نے گردن کے اشارے سے اجازت دی - وہ وہیں بیٹھ گیا - نقیبوں نے آواز لگائی—

"حاضرین! حضرت ظل سبحانی، صاحبقران ثانی خلدا اللہ ملکہ و سلطنتہ کا کلام معجز نظام پڑھا جاتا ہے - نہایت ادب کے ساتھ گوش دل سے سماعت فرمائیے"—

تکمیل

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمایش ہے
چمن میں خوشنوایان چمن کی آزمایش ہے

نقیب کی آواز کے ساتھ ہی سب اہل محفل دوزانو ہو سنبھل کر بیٹھ گئے اور پاس ادب سے سب نے گردنیں جھکا لیں - خواصی نے بادشاہ سلامت کی غزل خریطے میں سے نکالی، بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور بلند آواز سے سورٹھ کے سروں میں پڑھنا شروع کیا - الفاظ کی نشست، زبان کی خوبی، مضمون کی آمد اور سب سے زیادہ پڑھنے والے کے گلے نے ایک سماں باندہ دیا - ایک کیفیت تھی کہ زمین سے آسمان تک چھائی ہوئی تھی، کسی کو تعریف کرنے کا بھی ہوش نہ تھا - اُستادان فن ہر شعر پر جھومتے تھے - کبھی کبھی کسی کے منہ سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کے الفاظ بہت نیچی آواز میں نکل گئے تو نکل گئے ورنہ ساری مجلس پر ایک عالم بے خودی طاری تھا - مقطع پر تو یہ حال ہوا جیسے کسی نے سب پر جادو کر دیا - ہر شخص وجد میں جھوم رہا تھا - باصرار تمام کئی کئی دفعہ مقطع پڑھوایا اور مضمون اور زبان کی چاشنی کا لطف اُٹھایا - لیجئے آپ بھی پڑھئیے اور زبان

کے مزے لیجئیے—

نہیں عشق میں اسکا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا، کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہد نشاط، یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

غزل پڑھ چکنے کے بعد خواص نے کاغذ مرزا فخرو کے ہاتھہ میں دیا - زر افشاں، کاغذ پر خود حضرت ظل اللہ کے قلم کی لکھی ہوئی غزل تھی - خط ایسا پاکیزہ تھا کہ آنکھوں میں کھبا جاتا تھا- مرزا فخرو نے کاغذ لے کر اِدھر اُدھر دیکھا - مملوک العلی نے سینے پر ہاتھہ رکھہ کر کہا " صاحب عالم! ہمارا کیا منہ ہے جو ہم حضرت ظل سبحانی کی غزل کی جیسی چاہئے ویسی تعریف کرسکیں، البتہ ان نوازشات شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو حضرت پیر و مرشد نے غزل بھیج کر شرکاے مشاعرہ پر مبذول فرمائی ہیں، بارگاہ جہاں پناہی میں ہمارا ناچیز شکریہ پیش کرکے ہماری عزت افزائی فرمائی جاے " - مرزا فخرو نے خواص کی طرف دیکھا - اُس نے عرض کی " قبلہ عالم! میں یہ پیام جاتے ہی پیش گاہ عالی میں پہنچا دوں گا"- خواص آداب کرکے جانے والا ہی تھا کہ مرزا فخرو نے روکا اور کہا " جانے سے پہلے صاحب عالم و عالمیان حضرت ولی عہد بہادر کی غزل بھی پڑھتے جاو، چلتے چلتے مجھے عنایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ کسی خوش گلو شخص سے پڑھوانا - بھلا تم سے زیادہ موزوں

اور کون شخص مل سکتا ہے - " یہ کہہ کر جیب میں ہاتھہ ڈالا اور ایک کاغذ نکال کر خواصی کو دیا - اُس نے آداب کرکے کاغذ لیا اور وہیں بیٹھہ کر یہ غزل سنائی —

دل سے لطف و مہربانی اور ہے — مہربانی کی نشانی اور ہے
قصۂ فرہاد و مجنوں اور ہے — عشق کی میرے نشانی اور ہے
روکنے سے کب مرے رکتے ہیں اشک — بلکہ ہوتی خوں فشانی اور ہے
ہم سے اے دارا وہ کب ہوتے ہیں صاف — ان کے دل میں بد گمانی اور ہے

غزل تو بہت پھسپھسی تھی مگر ولی عہد بہادر کی غزل تھی ' بھلا کس کا جگرا تھا جو تعریف نہ کرتا - البتہ غالب اور مومن بالکل چپ بیٹھے رہے - بعض قلعےوالوں کو برا بھی معلوم ہوا مگر ان دونوں کو خوب سمجھتے تھے کہ یہ سچی تعریف کرنے والے لوگ ہیں - ولیعہد تو ولی عہد اگر بادشاہ سلامت کی بھی کمزور غزل ہو تو گردن تک نہ ہلائیں-القصہ خواصی تو غزل پڑہرخصت ہوا اور اب حاضرین جلسہکے پڑھنے کی نوبت آئی —

مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا - اس نے دونوں شمعیں لا شامیانے کے سامنے رکھہ دیں - صاحب عالم نے اپنی غزل نکالی اور اِدھر اُدھر نظر ڈال کر اور گردن کو ذرا جھکا کر کہا " بھلا میری کیا مجال ہے کہ آپ جیسے کاملین فن کے مقابلے میں کچھہ پڑھنے کا دعوے کروں ' البتہ جو کچھہ برا بھلا کہا ہے وہ بہ نظر اصلاح عرض کرتا ہوں" —

۱ - غم وہ کیا ہے جو جاں گزا نہ ہوا — درد وہ کیا جو لا دوا نہ ہوا
۲ - حال کہل جائیں غیر کے سارے — پر کروں کیا کہ تو مرا نہ ہوا
۳ - درد کیا جسمیں کچھہ نہو تاثیر — بات کیا جس میں کچھہ مزا نہ ہوا
۴ - وہ تو ملتا ' پر ' اے دل کم ظرف — تجھہ کو ملنے کا حوصلہ نہ ہوا
۵ - شکوۂ یار اور زبان رقیب — کھیل ٹھیرا کوئی گلہ نہ ہوا
۶ - تم رہو اور مجمع اغیار — میرا کیا ہے ' ہوا ' ہوا نہ ہوا

۷ - پھر تمہارے ستم اٹھانے کو رمز اچھا ہوا برا نہ ہوا

مرزا فخرو کی آواز تو اونچی نہ تھی، مگر پڑھنے میں ایسا درد تھا کہ سن کر دل بے قابو ہوجاتا تھا سارا مشاعرہ واہ واہ اور سبحان اللہ کے شور سے گونج رہا تھا۔ تیسرے شعر پر مرزا غالب نے اور پانچویں پر حکیم مومن خاں نے ایسے جوش سے واہ واہ کی کہ صف سے آگے نکل آے - مرزا فخرو اپنی غزل پڑھتے رہے مگر ان دونوں کو انہی دو شعروں کی رٹ لگی رہی - پڑھتے اور مزے میں آکر جھومتے۔ جب غزل ختم ہوئی تو مرزا نوشہ نے کہا " سبحان اللہ ! صاحب عالم ! سبحان اللہ - واہ کیا کہنا ہے ' شعر یوں کہتے ہیں ' مزا آگیا "- اُستاد ذوق بھی مسکرائے کہ چلو اسی بہانے سے میری تعریف ہورہی ہے - مرزا فخرو نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا " یہ آپ اصحاب کی بزرگانہ شفقت ہے جو اس طرح ارشاد ہوتا ہے ورنہ من انم کہ من دانم " - وہ جدھر نظر ڈالتے لوگ تعریفیں کرتے اور وہ جھک جھک کر سلام کرتے - جب محفل میں ذرا سکون ہوا تو مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا اس نے شامیانے کے سامنے سے ایک شمع اٹھا ' سامنے کی صف میں میاں یل*

---

* اس غرور ہی نے آخر اُن کو نیچا دکھایا - ان کا روز روز اکھاڑے میں آکر خم ٹھونکنا لوگوں کو ناگوار گزرا - شہشو والوں کے اُستاد حاجی علی جان نے ایک پٹھا تیار کیا۔ بدن میں تو کچھ ایسا زیادہ نہ تھا مگر داؤپیچ میں طاق تھا اور پھرتی اس بلا کی تھی کہ کیا کہوں - ایک دن جو میاں یل نے حسب معمول شہشو والوں کے ہاں آکر خم ٹھونکے تو لونڈا کپڑے اتار پھینکا بدل سامنے آگیا اور خم ٹھونک کر ہاتھ ملانا چاہا - میاں یل کو ہنسی آگئی کہ بھلا یہ پودنا میرا کیا مقابلہ کریگا - ہاتھ ملانے میں تامل کیا - اُستاد علی جان نے کہا " کیوں بھئی ہاتھ کیوں نہیں ملاتے ' یا تو ہاتھ ملاؤ یا پھر کبھی اس اکھاڑے میں آکر خم نہ ٹھونکنا " - کہنے لگے " استاد ! جوڑ تو دیکھ لو ' خواہ مخواہ اس لونڈے کو پسوانے سے حاصل "- اُستاد نے کہا " میاں جوجیسی کریگا ویسی بھریگا دنگل میں تم اسے کچل ڈالنا یہی ہوگا نا کہ ہڈی پسلی تڑوا کر آیندہ کو کان ہوجائیگے "- بہرحال دونوں ہاتھ مل گئے - تاریخ مقرر ہوگئی - اس مشاعرے کے دوچار ہی دن بعد شاہی دنگل میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے آگے رکھدی - نام تو ان کا عبدالقادر تھا مگر شہر کا بچہ بچہ ان کو میاں یل کہتا تھا۔ ان کو اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا کہ کسی پہلوان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جس اکھاڑے میں جاتے وہاں خم ٹھونک آتے اور کسی کو جواب میں ان کے سامنے خم ٹھوکنے کی ہمت نہ ہوتی، پہلوانی کی نسبت سے تخلص 'یل' رکھا تھا - مضمون بھی رندانہ باندھتے تھے - پڑھتے اس طرح تھے کہ گویا میدان کارزار میں رجز پڑھ رہے ہیں - اس سے غرض نہ تھی کہ کوئی تعریف کرتا ہے یا نہیں کرتا، ان کو اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۵)

کشتی قرار پائی - عیدگاہ کے پاس ہی یہ دنگل ہے، دس پندرہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے مگر اس روز وہاں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی - جدھر نظر جاتی سر ہی سر دکھائی دیتے - میاں یل کی بھبودگھوں کی وجہ سے ساری دھلی اس لونڈے کی طرف تھی - پہلے چھوٹی موٹی کشتیاں ہوتی رہیں، ٹھیک چار بجے یہ دونوں جانگئے پہن، چادریں پھینک دنگل میں اُترے - اُترتے ہی دونوں نے "یا علی" کا نعرہ مارا - دوچار ڈھکیلیاں کھائیں، کچھ پڑہ کر مٹی سبلے پر ڈالی اور خم ٹھونک آمنے سامنے آگئے - دونوں کے جسموں میں زمین آسمان کا فرق تھا - ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا - تمام دنگل میں سناٹا تھا۔ سوئی بھی گرے تو آواز سن لو - ہاں آواز تھی تو یا علی کی یا خم ٹھوکنے کی۔ میاں یل نے لونڈے کا ہاتھہ پکڑ جھٹکا دیا۔ وہ آگے کو جھکا یہ کمر پر آگئے - وہ چٹ غوط مار ہاتھوں کو چیر نکل گیا - انہوں نے اس کا سیدھا ہاتھہ پکڑ دھوبی پاٹ پر کسنا چاہا وہ توڑ کر کے الگ جا کھڑا ہوا - یہ گاوزوری کر کے اس کو دبا تو لیتے لیکن وہ اپنی پھرتی کی وجہ سے ذرا سی دیر میں صاف نکل جاتا - آخر ایک دفعہ یہ اس کو دبا ہی بیٹھے وہ چپکا پڑا رہا انہوں نے ہفتے کس لئے - تھوڑی دیر تک اس کو خوب رگڑا وہ سہے چلا گیا - انہوں نے پہلو میں آ کسکر اس کا سیلہ کھولنا چاہا وہ بھی موقعہ تاک رہا تھا، یہ کھچلے میں ذرا غافل ہوئے اس نے تاک پر باندہ جو اُڑایا تو میاں چاروں خانے چت جا پڑے لونڈا اُچک سیلے پر سوار ہوگیا۔ "وہ مارا - وہ مارا" کی آوازوں سے دنگل ہل گیا - لوگوں نے دوڑ لونڈے کو گود میں اُٹھا لیا - کسی نے یہ بھی پھر کہ کر نہ دیکھا کہ میاں یل کہاں پڑے ہیں - یہ بھی چپکے سے اُٹھہ چادر اُوڑہ سلہ لپیٹ ایسے غایب ہوے کہ پھر کسی نے ان کی صورت نہ دیکھی - دنگل سے کیا گئے ہمیشہ کے لئے دھلی سے گئے - تھے بڑے غیرتمند وہ دن اور آج کا دن، پھر اُن کی صورت نظر نہ آئی ؛ خدا جانے کہاں مرکھپ گئے —

شعر پڑھنے سے کام تھا۔ غزل لکھی تھی :—

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے
ہرگز نہیں ہیں یار بھی کچھہ اس دبنگ سے

لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے
ساقی نے پشت دی مئے صافی کو بنگ سے

دل اب کے بے طرح سے پھنسا زلف یار میں
نکلے یہ کیونکہ دیکھئے قید فرنگ سے

آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا
یاری تو تم نے کی ہے 'یل' اس شوخ و شنگ سے

ان کی غزل ختم ہوتے ہی چوبدار نے دوسری شمع اُٹھا ' مرزا علی بیگ کے سامنے رکھدی - یہ بڑے گورے چٹے نوجوان آدمی ہیں - کسرت کا بھی شوق ہے - نازنین تخلص کرتے ہیں- دھلی میں بس یہی ایک ریختی گو ہیں- ادھر شمع رکھی گئی اُدھر نواب زین‌العابدین خان نے آواز دی " اوڑھنی لاؤ "-ایک نوکر فوراً تاروں بھرے گہرے سرخ رنگ کی اوڑھنی لیکر حاضر ہوا - نازنین نے لے بڑے ناز و انداز سے اس کو اوڑھا ایک پلوکا بکل مارا' دوسرا پلو سامنے پھیلا لیا اورخاصی بھلی چلتی عورت معلوم ہونے لگے - غزل ایسی لڑ لڑ کر اور اَڑ اَڑ کر پڑھی کہ سارا مشاعرہ عش عش کرنے لگا - فرت ایسا پیارا کرتے تھے کہ کوئی بیسوا بھی کیا کریگی - دوسرا شعر تو اس طرح پڑھا کہ گویا"باجی"کو جلانے کےلئے سب کچھہ کرنےکوتیار ہیں- قلعے والوں کو تو اس غزل میں بڑا مزا آیا مگر جو ریختے کے اوستاد تھے وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے - غزل یہ تھی :—

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
ہوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

مجھے کہتی ہیں باجی تونے تاکا چھوٹے دیور کو
نہیں ڈرنے کی میں بھی'ہاں' نہیں تاکا تو اب تاکا

اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی کاملی سی ہے
چھریرا سا بدن نام خدا ہے تیرے دولہا کا

اب دونوں شمعیں اس طرح گردش کرنے لگیں کہ پہلے صف کے سیدھی جانب کا ایک شخص غزل پڑھتا تھا اورپھراسی طرف کا۔ نیچے ایک نقشہ دیتا ہوں اس سےنشست

کی کیفیت پڑھنے والوں کا سلسلہ اور مشاعرے کا انتظام اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا —

[۱۴ — رجب سنہ ۱۲۶۱ھ کے مشاعرے میں شعراء کی نشست کا نقشہ]

| | | |

نازنین کے پڑھنے کے بعد دائیں جانب کی شمع ہٹ کر میاں عاشق کے سامنے آئی - یہ بچارے ایک مزدور پیشہ آدمی ہیں' لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے' نہ کسی کے شاگرد ہیں نہ کسی کے اُستاد - شعر خاصہ اچھا کہتے ہیں - اس مشاعرے میں ایک شعر تو ایسا نکل گیا ہے کہ سبحان اللہ' لکھا ہے:—

فقط تو ہی نہ میرا اے بت خونخوار دشمن ہے
ترے کوچے میں اپنا ہر در و دیوار دشمن ہے

غزل میں باقی سارے اشعار تو صرف بھرتی کے تھے مگر اس شعر پر ہر طرف سے بڑی دیر تک واہ واہ ہوتی رہی - ان کے غزل ختم کرنے پر بائیں طرف کی شمع اُٹھا کر عبداللہ خاں 'اوج' کے سامنے رکھدی گئی - یہ بڑے پرانے ۴۰' ۴۵ برس کے مشاق شاعر ہیں - مضمون کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں لیکن ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایسے بلند مضامین اور نازک خیالات لاتے ہیں کہ ایک شعر تو کیا ایک قطعے میں بھی ان کی سمائی مشکل ہے اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایک ہی شعر میں مضمون کو کھپادیں ' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مطلب کچھہ کا کچھہ ہو جاتا ہے- بھلا دوسروں کو تو ان کے شعروں میں کیا مزا آئے اور کوئی کیا داد دے - ہاں یہ خود ہی پڑھتے ہیں خود ہی مزے لیتے ہیں اور خود ہی اپنی تعریف کر لیتے ہیں- غزل اس زور شور سے پڑھتے ہیں کہ زور میں آکر صف مجلس سے گزوں آگے نکل جاتے ہیں - ان کے شاگرد تو دو چار ہی ہیں مگر اُستاد بھی ان کو اُستاد مانتے ہیں - بھلا کس کا بل بوتہ ہے جو ان کو اُستاد نہ کہکر مفت کی لڑائی مول لے - اِدھر انہوں نے شعر پڑھایا اُدھر اُستاد ذوق یا مرزا غالب نے داد دی - داد دینے میں ذرا دیر ہوئی اور ان کے تیور بدلے - ان کے غصے کی بھلا کون تاب لا سکتا ہے - چار و نا چار تعریف کرنی پڑتی' جب کہیں جا کر یہ ٹھنڈے پڑتے - غزل ہوئی تھی:

دم کا جو دمدمہ یہ باندھے خیال اپنا بے پل صراط اُتریں' یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سراسے نفرت سم میں گڑا ہوا ہے' آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا، ہے یاد کسکو قاتل　　سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
چیچک کے آبلوں کی میں باگ توڑتا ہوں　　(رکھے کے) دیوی کے آستاں پر سیمیں ہلال اپنا

آخری شعر پر تو مرزا غالب اُچھل پڑے - کہنے لگے " واہ میاں اوج اس شعر کے دوسرے مصرعے نے تو غضب ڈھا دیا ہے - بھئی واللہ الفاظ " رکھے کے" کیا خوب پھنسائے ہیں - یہ سب کافر ہیں جو تمھیں اُستاد کہتے ہیں - میاں تم تو شعر کے خدا ہو خدا " - غرض، سب اُستادوں نے تعریفوں کے پل باندہ دئے اور میاں اوج ہیں کہ پھول کر کُپا ہوے جاتے ہیں - جب ذرا سکون ہوا تو سیدھی طرف شمع کھسک کر محمد یوسف 'تمکین' کے سامنے آئی - اُن کی عمر کوئی ۱۵، ۱۶ سال کی ہوگی - مدرسۂ دھلی میں طالب علم ہیں - غضب کی ظریفانہ طبیعت پائی ہے - بات کرنے میں منہ سے پھول جھڑتے ہیں - نازک نازک نقشہ، سانولا رنگ، بھرے بھرے ہاتھ پاؤں - جوان ہوں گے تو بڑے خوبصورت آدمی نکلیں گے - غزل کہی تھی :

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا　　کس دل جلے کی بار خدایا یہ آہ تھی
خانہ خراب ہو جو ترا عشق بے حیا　　آئین کون سا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی
تونے جو دل کو میرے صنم خانہ کردیا　　رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی
تمکین کو اک نگاہ میں دیوانہ کر دیا　　جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

میاں تمکین کا دل بڑھانے کو سب نے تعریف کی - قطعہ کو کئی کئی دفعہ پڑھوایا - اُستاد احسان نے کہا "میاں یوسف! کیا کہنا ہے، خوب کہتے ہو، کوشش کئے جاؤ؛ ایک نہ ایک دن اُستاد ہو جاؤ گے - مگر میاں کسی کے شاگرد ہو جاؤ، بے اُستادے رہے تو بھٹک نکلوگے"- میاں تمکین نے مسکرا کر کہا " اُستاد! میں کہیں آپ کے حکم سے باہر ہو سکتا ہوں، کل ہی انشاءاللہ اُستاد اوج کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں" - اُستاد ذوق نے کہا " ہاں، بھئی ہاں، خوب انتخاب کیا - بس یہ سمجھو کہ چند ہی دن میں بیڑا پار ہے"- یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسری شمع غلام احمد 'تصویر' کے سامنے پہنچ گئی - ان کو میاں ببن بھی

کہتے ہیں - الف کے نام بے نہیں جانتے' مگر طبیعت غضب کی پائی ہے - پہلے میاں تنویر کے شاگرد تھے' بعد میں اُن سے ٹوٹ کر اُستاد ذوق سے آ ملے - بھاری بدن' منڈی ہوئی داڑھی' چھوٹی چھوٹی موچھیں' کھرا سانولا رنگ' جسم پر سوسی کا تنگ مہری کا پائجامہ' اوپر سوسی ہی کا کرتہ' کندھے پر لٹھے کا رومال' سر پر سوزنی کے کام کی گول ٹوپی - بچارے نیچہ بندی پر گزر اوقات کرتے ہیں - بڑے پرگو شاعر ہیں' لکھنا پڑھنا تو جانتے ہی نہیں اس لئے جو کچھہ کہتے دل و دماغ ہی میں ٹھونستے جاتے ہیں - یاد اس بلا کی ہے کہ ذرا چھیڑ دو تو ارگن کی طرح بجنے لگتے ہیں اور ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیتے - کلام ایسا پاکیزہ ہے کہ بڑے بڑے اُستادوں کے سر ہل جاتے ہیں - ان کو سنو تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ایک اُمی پڑھ رہا ہے - بس یہ سمجھہ لو کہ "الشعراء تلامیذ الرحمن" کی بہترین مثال ہیں - غزل کہی تھی :—

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب　　وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی
جان بے کار تو اپنی نہ گئی　　اے ستمگر تری شہرت ہی سہی
مجھہ سے اتنا بھی نہ کھنچئے صاحب　　آپ پر میری طبیعت ہی سہی
جذبۂ دل نہیں لایا تم کو　　آپ کی خیر عنایت ہی سہی

ہر شعر پر واہ' واہ اور سبحان اللہ کے شور سے محفل گونج جاتی تھی - غزل تمام ہوئی تو اُستاد ذوق نے حکیم مومن خاں کی طرف دیکھکر کہا "خاں صاحب یہ میاں ببن بھی غضب کی طبیعت لیکر آئے ہیں - کہنے کو تو میرے شاگرد ہیں مگر اب تک ان کے کسی شعر میں اصلاح دینے کی مجھے تو ضرورت نہیں ہوئی - کل ایک غزل سنائی تھی' میں تو پھڑک گیا - ایک شعر تو ایسا بے ساختہ نکل گیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - ہاں میاں ببن وہ کیا شعر تھا" - میاں ببن نے ذرا دماغ پر زور ڈالا اور شعر دماغ سے پھسل زبان پر آگیا - مطلع تھا :—

برچھی تری نگاہ کی پہلو میں آ لگی
پہلو سے دل میں، دل سے کلیجہ میں جا لگی

اور شعر یہ تھا —

دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی

حکیم صاحب نے بہت تعریف کی اور کہا " میاں ببن ! یہ خدا کی دین ہے ، یہ بات پڑھنے پڑھانے سے پیدا نہیں ہوتی - میاں خوش رہو ، اس وقت دل خوش کردیا " —

ان کے بعد شمع محمد جعفر تابش کے سامنے آی - یہ الہ آباد کے رہنے والے ہیں ، بہت دنوں سے دلی میں آرہے ہیں - بچارے گوشہ نشین آدمی ہیں - شاعری سے دلی لگاو ہے ، کوئی مشاعرہ نہیں ہوتا جہاں نہ پہنچتے ہوں - غزل میں دو شعر بہت اچھے تھے وہی لکھتا ہوں —

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے تو یہ کچھہ ہم کو ساز گار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو، پر اے تابش وہ ستمگر کسی کا یار نہیں

مقطع کی کچھہ ایسی پیاری بندش پڑی ہے کہ سب کے منہ سے بے ساختہ واہ واہ نکلی - مفتی صدرالدین صاحب کی تو یہ حالت تھی کہ پڑھتے تھے اور جھومتے تھے —

تابش کے بعد التی جانب کی شمع میاں قلق کے آگے گئی - خدا ان سے محفوظ رکھے بڑے چالاک آدمی ہیں - عبدالعلی نام ہے ، مدراس کے رہنے والے ہیں ، کوئی ۳۰ برس کی عمر ہے - بچپن ہی میں گھر سے نکل کھڑے ہوے ، حیدرآباد ہوتے ہوے دہلی آے - ہزاروں کو تعویذوں کے جال میں پھنسا کر پتڑا کردیا - ان کی شکل سے لوگ گھبراتے ہیں - شاہ صاحب بنے پھرتے ہیں مگر دل کا خدا مالک ہے - شعر خاصہ کہتے ہیں - لکھا تھا —

خم شراب کے خم گردوں تو بن گیا
ساقی بنا دے ماہ پیالا اوچھال کے

ہم مشربوں میں چل کے قلق میکشی کرو
جھگڑے وہاں نہیں ہیں حرام و حلال کے

یہ پڑھ چکے تو شمع* منشی محمود جان اوج کے سامنے گئی - ان کی غزل میں دو ہی شعر ایسے تھے جن کی تھوڑی بہت تعریف ہوئی، باقی تو سب بھرتی کے تھے —

آنے میں اس جان جاں کے دیر ہے　　کچھہ مقدر کا ہمارے پھیر ہے
ہے یقیں وہ جان جاں آتا نہیں　　موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اُن کے بعد مرزا کامل بیگ کی باری آئی - یہ سپاہی پیشہ آدمی ہیں، کامل تخلص کرتے ہیں - مشاعرے میں بھی اوپچی بن کر آے ہیں - غزل اس طرح پڑھی گویا فوج کی کمان کر رہے ہیں - دیکھہ لو مضمون میں بھی وہی سپاہیانہ رنگ کی جھلک ہے ان کی غزل میں قطعہ بڑے مزے کا تھا وہی لکھتا ہوں —

"مژگاں سے گر بچے دل، ابرو کرے ہے ٹکڑے"
یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اب حکیم سید محمد تعشق کے پڑھنے کا نمبر آیا - یہ بڑے پایہ کے ادیب ہیں، ۶۳ - ۶۴ برس کی عمر ہے - حکمت میں اپنا جواب نہیں رکھتے - غرض کیا کہوں ایک جامع کمالات شخص ہیں مگر اپنے آپ کو بہت دور کھینچتے ہیں - اچھا شعر سنتے ہیں تو بیتاب ہوجاتے ہیں، چاہتے ہیں کہ جس طرح میں تعریف کرتا ہوں، اسی طرح دوسرے بھی میرے شعر کی تعریف کریں - شعر برا نہیں کہتے مگر ایسا بھی نہیں ہوتا کہ مشاعرہ چمک اُٹھے اور ہر شخص کے منہ سے بیساختہ واہ واہ نکل جاے - اب

---

* آیندہ یہ ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ سیدھی طرف کی شمع بڑھی یا اُلٹی جانب سے، بس یہ سمجھہ لیجئیے کہ پہلے دائیں طرف کا ایک شاعر پڑھتا تھا اور پھر بائیں طرف کا —

خود ہی ان کا کلام دیکھہ لیجئے —

تجھہ کو اس میری آہ و زاری پر رحم اے فتنہ گر نہیں آتا
وعدہ شام تو کیا لیکن کچھہ وہ آتا نظر نہیں آتا
تیرے بیمار کا ہے یہ عالم ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تعریف تو ہوئی مگر کچھہ ان کے دل کو نہ لگی اس لئے ذرا آزردہ سے ہوگئے —

ان کے بعد شمع میر حسین تجلی کے سامنے آئی - یہ میر تقی میر کے پوتے ہیں - بڑے ظریف اور نکتہ سنج آدمی ہیں - کلام میں وہی میر صاحب کا رنگ جھلکتا ہے - زبان پر جان دیتے ہیں - غزل تو چھوٹی سی ہوتی ہے مگر جو کچھہ کہتے ہیں اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ ہو ' آخر کس کے پوتے ہیں —

سری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر ' یہ تیغ ہے ' لے اب تو اعتبار آیا
یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

دوسرے شعر پر وہ وہ تعریف ہوئی کہ میاں تجلی کی باچھیں کھل گئیں —

میاں تجلی پڑھ چکے تو حکیم سکھا نند رقم کی باری آئی - ان کو میں حکیم مومن خاں صاحب کے مکان پر دیکھہ چکا تھا - کلام تو ایسا اچھا نہیں ہوتا مگر پڑھتے خوب ہیں - جہاں کسی نے ذرا بھی تعریف کی اور انہوں نے سلام کا تار باندھ دیا - غزل لکھی تھی —

بجھانا آتش دل کا بھی کچھہ حقیقت ہے ذرا سا کام تجھے چشم تر نہیں آتا
عدم سے کوچۂ قاتل کی راہ ملحق ہے گیا ادھر جو گزر پھر اُدھر نہیں آتا
ہو خاک چارہ گری اس مریض کی تیرے نظر میں تجھہ سا کوئی چارہ گر نہیں آتا

تیسرا شعر حکیم مومن خاں صاحب کے رنگ کا تھا ' اس کی اُنہوں نے بہت تعریف کی - مگر اس کے ساتھہ یہ بھی کہا" میاں رقم ! یا تو تم حکمت ہی کرو یا شعر

ھی کہو ' ان دونوں چیزوں کا ملاکر چلانا ذرا مشکل کام ھے " —

شمع کا شیخ نیاز احمد جوش کے سامنے جانا تھا کہ شاگردان ذوق ذرا سنبھل بیٹھے - جوش کو اُستاد ذوق بہت عزیز رکھتے ھیں - ان کی عمر تو ۱۸ - ۱۹ سال کی ھے مگر بلاکے طباع اور ذھین ھیں - ان کی سخن گوئی اور سخن فہمی کی قلعے بھر میں دھوم ھے ' مگر مشاعرے میں اُنھوں نے جو غزل پڑھی وہ تو مجھے کچھ پسند نہ آئی - ھاں قلعے والوں نے واہ واہ کے شور سے مکان سر پر اُٹھا لیا ' استاد ذوق نے بھی سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کہہ کر شاگرد کا دل بڑھایا - غزل دیکھہ لیجئے ممکن ھے کہ میں نے ھی غلط اندازہ لگایا ھو —

کیونکر وہ ھاتھہ آئے کہ یاں زور و زر نہیں
لے دے کے ھے اک آہ سو اس میں اثر نہیں

قسمت سے درد بھی تو ھوا وہ ھمیں نصیب
جس درد کا کہ چارہ نہیں ' چارہ گر نہیں

قسمت ھی میں نہیں ھے شہادت وگرنہ یاں
وہ زخم کونسا ھے کہ جو کارگر نہیں

سجدے میں کیوں پڑا ھے ارے اُٹھہ شراب پی
اے جوش سے کدہ ھے خدا کا یہ گھر نہیں

آپ نے غزل ملاحظہ کرلی - میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ کوئی شعر بھی ایسا نہیں جو تعریف کے قابل ھو ' اب زبردستی کی تعریفیں کرنا دوسری بات ھے —

اُن کے بعد مولوی امام بخش صہبائی کے بڑے فرزند محمد عبدالعزیز کا نمبر آیا - یہ عزیز تخلص کرتے ھیں - غزل خوب کہتے ھیں - کیوں نہ بڑے باپ کے بیٹے ھیں - ھائے! کیا کیا شعر نکالے ھیں ' لکھتے ھیں :—

جوں شمع شغل تیرے سراپا نیاز کا — جلنا جو سوز کا ھے تو رونا گداز کا
کج فہمیوں سے خلق کی دیکھا کہ کیا ھوا — منصور کو حریف نہ ھونا تھا راز کا

ہم عاصیوں کا بار گُنہ سے جھکا ہے سر　　اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا
مغرور تھا ہی اور وہ مغرور ہوگیا　　اس میں گلہ نہیں مجھے آئینہ ساز کا
اوروں کے ساتھہ لطف سے تھا صورت نیاز　　یاں بڑھگیا دماغ تغافل سے ناز کا

ذرا سچ کہئے گا ' ساری کی ساری غزل مرصع ہے یا نہیں - ہاں اس غزل کی جو کچھہ تعریف ہوئی وہ بجا ہوئی - اُستاد ذوق نے بھی کہا " بھئی صہبائی تمہارا یہ لڑکا غضب کا نکلا ہے ' خدا اس کی عمر میں برکت دے ' ایک دن بڑا نام پیدا کریگا - واہ میاں صاحبزادے واہ! کیا کہنا ہے! دل خوش ہوگیا- کیوں نہو ایسوں کے ایسوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں "- میاں عزیز نے اُٹھہ کر سلام کیا اور بیٹھہ گئے —

میاں عزیز کے بعد شمع خواجہ معین الدین یکتا کے سامنے آئی - ان کا کیا کہنا' سرکار سے خطاب خالق پایا ہے - کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے-کبھی کسی کے شاگرد ہوتے ہیں کبھی کسی کے- پہلے احسان سے تلمذ تھا' آج کل مرزا غالب کی طرف ڈھلک گئے ہیں -ایسے متلوں مزاجوں کو نہ کبھی کچھہ کہنا آیا ہے نہ آئیگا-میرا بڑا دل خوش ہوا کہ کسی نے تعریف نہیں کی - بڑے جلے ہونگے - بھلا ایسے شعروں کی کوئی خاک تعریف کرتا —

اے آہ شعلہ زا یہ خس وخار بھی نہیں　　نو آسمان ہیں' دو بھی نہیں چار بھی نہیں
ہے کس کو بات شکوۂ دشمن کہ ضعف سے　　لب پر ہمارے تذکرۂ یار بھی نہیں
جینا فراق یار میں وعدے کی لاگ پر　　آسان گر نہیں ہے تو دشوار بھی نہیں

ہاں اب جس کے سامنے شمع آئی ہے وہ شاعر ہے - یہ کون ہیں - مرزا حاجی بیگ شہرت -گورا رنگ' میانہ قد-'کوئی ۳۰ ' ۳۲ برس کی عمر-بڑے بلے سنورے رہتے ہیں - پہلے انہی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا ' اب تھوڑے دنوں سے بند ہے - مفتی صدرالدین صاحب کے شاگرد رشید ہیں - کہتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں- بڑی پاٹ دار آواز ہے' پڑھنے کا ڈھنگ ایسا ہے کہ ایک ایک لفظ دل میں اُترتا جاتا ہے - ہر شعر پر تعریفیں ہوتیں اور کیوں نہ ہوتیں ' ہر شعر تعریف کے قابل

تھا- غزل یہ ھے :—

ایک دن دو دن ' کہانتک ' تو بھی کچھہ انصاف کر
یہ تو جلنا روز کا اے سوز ھجراں ھوگیا
ھے ترقی جوھر قابل ھی کے شایاں کہ میں
خاک کا پتلا بنا ' پتلے سے انسان ھوگیا
کفر دیں میں تھا نہ کچھہ عقدہ بجز بند نقاب
اس کے کھلتے ھی یہ کار مشکل آسان ھوگیا
پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا
کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا

آخری شعر پر تو مرزا غالب کی یہ حالت تھی کہ گویا بالکل مست ھوگئے ھیں ' رانوں پر ھاتھہ مارتے اور کہتے " واہ میاں شہرت واہ! کمال کردیا ' شعر کیا ھے اعجاز ھے - یہ ایک شعر بڑے بڑے دیوانوں پر بھاری ھے - ھاں کیا کہا ھے ' سبحان‌اللہ ! پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا - کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا " - غرض اس شعر نے ایک عجیب کیفیت محفل میں پیدا کردی تھی - لوگ خود پڑھتے ' ایک دوسرے کو سناتے ' مزے لے لے کر جھومتے اور جوش میں واہ واہ اور سبحان‌اللہ کے نعرے مارتے - بڑی دیر میں جاکر محفل میں ذرا سکون ھوا تو شمع نوازش حسین خان تنویر کے سامنے گئی - یہ نو جوان آدمی ھیں ' کوئی ۳۲ ' ۳۳ برس کےھونگے - بادشاہ سلامت اُن کو بہت عزیز رکھتے ھیں' میاں شہرت کے شعر نے وہ جوش پیدا کردیا تھا کہ ان کی غزل کسی‌نے‌بھی غورسےنہیں سنی -غزل بھی معمولی تھی ' صرف یہ قطعہ خاصہ تھا —

جان کر دل میں مجھے اپنا مریض تپ غم کہتا لوگوں سے بظاھر بت عیار ھے کیا
رنگ‌رخ زردھے' ترچشم‌ھے'لب پردم سرد پوچھنا اس‌سے کہ‌اس شخص کوآزار ھےکیا

یہ پڑھ چکے تو شمع میر بہادر علی حزیں کے سامنے رکھی گئی - یہ بڑے

سنجیدہ، متین اور وضع دار آدمی ہیں، عارف کے شاگرد ہیں۔ اُن کا ایک شعر بڑے مزے کا ہے —

سبو سے منہ لگائیں گے اب اتنا صبر ہے کس کو
کہ بھرتے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

جو غزل انہوں نے اس روز مشاعرے میں پڑھی تھی، اس کے یہ دو تین شعر اچھے تھے —

دنیا کی وسعتیں ترے گوشے میں آگئیں
اللہ رے وسعتیں تری اے تنگنائے دل
جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہ گیا مرے پہلو میں جائے دل
دیکھا وہ اپنی آنکھ سے جو کچھ سنا نہ تھا
اور دیکھئے حزیں ابھی کیا کیا دکھائے دل

مقطع کو سب نے پسند کیا اور واقعی ہے بھی اچھا —

ان کے بعد شمع ایسے شخص کے سامنے آئی جو خود شاعر، جس کا باپ شاعر، جس کا بھائی شاعر، جس کا سارا خاندان شاعر۔ وہ کون؟۔ میاں باقر علی جعفری، فخرالشعراء نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی، ملک الشعراء قمرالدین منت کے چھوٹے بیٹے۔ ان کی غزل میں زور نہ ہوگا تو اور کس کی غزل میں ہوگا۔ دو شعر لکھے ہیں —

تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
نا خدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ
بے سر و پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
ناز ہر گل نہ اُٹھا منت ہر خار نہ کھینچ

غزل کی جیسی چاہئے ویسی تعریف نہیں ہوئی - وجہ یہ ہے کہ یہ رنگ اب دھلی سے اُٹھتا جاتا ہے - اب تو روز سرہ پر لوگ جان دیتے ہیں، اس میں اگر مضمون پیدا ہو گیا تو سبحان اللہ - مرزا غالب اس رنگ کے بڑے دلدادہ تھے، وہ بھی اس کو اب چھوڑتے جارہے ہیں —

اس کے بعد منشی محمد علی تشنہ کے پڑھنے کی باری تھی - چوبدار ان کے سامنے شمع رکھنے میں ذرا ہچکچایا - یہ ننگ دھڑنگ مزے میں دوزانو بیٹھے جھوم رہے تھے - چوبدار نے مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انہوں نے آنکھ سے اشارہ کیا کہ رکھ دے - اس نے شمع رکھ دی - جب شمع کی روشنی آنکھوں پر پڑی تو میاں تشنہ نے بھی آنکھیں کھولیں - کچھہ سمجھہ کر پھونک مار شمع گل کردی اور کہا میں بھی کچھہ عرض کروں - سب نے کہا " ضرور فرمائیے"- انہوں نے نہایت آزادانہ لہجے میں کچھہ گاتے ہوے، کچھہ پڑھتے ہوے یہ غزل سنائی —

آنکھہ پڑتی ہے کہیں، پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر، اپنی خبر کچھہ بھی نہیں

شمع ہے، گل بھی ہے، بلبل بھی ہے، پروانہ بھی ؟
رات کی رات یہ سب کچھہ ہے، سحر کچھہ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے ؟
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھہ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش ؟
سیر کرتا ہوں اُدھر کی کہ جدھر کچھہ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نہ کرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھہ بھی نہیں

میں کیا بتاؤں کہ اس غزل کا کیا اثر ہوا - ایک سناٹا تھا کہ زمین سے آسمان

تک چھایا ہوا تھا - غزل کا مضمون، آدھی رات کی کیفیت، پڑھنے والے کی حالت، غرض یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری محفل کو سانپ سونگھ گیا ہے - اِدھر یہ عالم طاری تھا، اُدھر میاں تشنہ ہاتھ جھٹکتے ہوے اور "کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کہتے ہوے اُٹھے اور اسی عالم بے خودی میں دروازے سے باہر نکل گئے - ان کی "کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کی آواز بڑی دیر تک کانوں میں گونجتی رہی - جب ذرا طبیعتیں سنبھلیں تو سب کے منہ سے بے اختیار یہی نکلا کہ "واقعی کچھ بھی نہیں"—

مرزا فخرو نے شمع منگا کر روشن کی اور کہا "ہاں صاحب پھر شروع کیجئیے"- شمع حافظ محمد حسین بسمل کے سامنے رکھی گئی - بھلا تشنہ کے بعد ان کا کیا رنگ جمتا - اول تو یہ نومشق ہیں، مرزا قادر بخش صابر سے اصلاح لیتے ہیں؛ دوسری غزل میں بھی کوئی خاص بات نہ تھی، البتہ مقطع اچھا تھا - غزل ملاحظہ ہو—

دل تونے ہم سے او بت کافر اُٹھا لیا
اس نازکی پہ بوجھ، یہ کیونکر اُٹھا لیا
بار گران عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا
کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا
پیر مغاں نے بسمل میکش کو دیکھکر
شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا

بہر حال کسی نے سنا کسی نے نہیں سنا، کچھ تھوڑی بہت تعریف بھی ہوئی اور شمع میر حسین تسکین کے پاس پہنچ گئی - ان کی کوئی ۴۰ برس کی عمر ہوگی - صہبائی کے شاگرد ہیں، مومن سے بھی اصلاح لی ہے - ان کا خاندان دہلی میں بہت مشہور ہے؛ انہی کے دادا میر حیدر نے میر حسین علی وزیر فرخ سیر

اُن کی وجہہ سے چمک نہیں اُٹھتا ؛ کونسی محفل ہے جہاں ان کے قدم کی برکت سے رونق نہیں آجاتی - ان کا نام تو شاید گنتی کے چند لوگ جانتے ہوں ' ہم نے تو جب سنا ان کا نام میر صاحب ہی سنا - کوئی ستر برس کی عمر ہے ' بڑے سوکھے سہمے آدمی ہیں ' غلافی آنکھیں ' طوطے کے چونچ جیسی ناک ' بڑا دہانہ لمبی داڑھی ' بتّیا سا سر ' خشخاشی بال ' گوری رنگت ' اونچاقد - غرض ان کے حلیے کو دہلی کے کسی بچے سے بھی پوچھئے تو پورا پورا بتادے - نہایت صاف ستھرا لباس ' سفید ایک بر کا پائیجامہ ' سفید کرتہ اس پر سفید انگرکھا ' سر پر ارخچین کی ٹوپی ' چہرے پر متانت بلا کی تھی - مگر جب غصہ آتا تھا تو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلتے تھے - چھوٹا ہو یا بڑا کوئی ان سے بغیر مذاق کے بات نہیں کرتا تھا اور یہ بھی تڑ سے وہ جواب دیتے تھے کہ منہ پھر جائے - اس سے ان کو غرض نہ تھی کہ جواب ہو بھی گیا یا نہیں - مشاعرے میں بادشاہ سلامت سے لیکر میاں تمکین تک ان کو چھیڑتے تھے - انھوں نے نہ اِن کا برا مانا نہ اُن کا ' جواب دینے میں نہ اِن سے رکے نہ اُن سے - غزل ہمیشہ فی‌البدیہ پڑھتے تھے - لکھکر لانے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی - غزل میں مصرعوں کے توازن کی ضرورت ہی نہ تھی - صرف قافیہ اور ردیف سے کام تھا - جو کچھہ کہنا ہوا نہایت اطمینان سے نثر میں بیان کرنا شروع کیا - بیچ میں دوسروں کے اعتراضوں کا جواب بھی دیتے رہے - جب کہتے کہتے تھک گئے تو ردیف اور قافیہ لا شعر کو ختم کردیا - اُنھوں نے شعر پڑھنا شروع کیا اور چاروں طرف سے اعتراضوں کی بوچھاڑ ہوئی - یہ بھلا کب دبنے والی آسامی ہیں' چو مکھالڑتے ؛ جب زبان سے نہ دباسکتے تو زور میں آکر کھڑے ہوجاتے - یہ کھڑے ہوئے اور کسی نہ کسی نے ان کو بتّھا دیا ' معترض کو ڈانٹا میر صاحب کا دل بڑھایا اور پھر وہی اعتراضوں کا سلسلہ شروع ہوا - اور تو اور مولوی مملوک‌العلی صاحب کو ان سے الجھنے میں مزا آتا تھا یہ بھی مولوی صاحب کی وہ خبر لیتے تھے کہ اگر اُن کا کوئی شاگرد سن لیتا تو مدرسے سے مولوی صاحب کا سارا رعب داب رخصت ہوجاتا —

میر صاحب * نے شمع کے سامنے بیٹھتے ہی ساری محفل پر ایک نظر ڈالی ۔ اور کہا "حضرات! میں آج میاں ھد ھد کی شان میں ایک قصیدہ سناؤں گا؛ اپنے منہ میاں مٹھو، یہ اپنی تعریف خود تو بہت کچھہ کرچکے ھیں اب ذرا دل لگاکر اپنی ھجو بھی سن لیں " —

میاں ھد ھد سے سب جلے بیٹھے تھے، اب جو سنا کہ ان کی ھجو ھورھی ھے اور پھر وہ بھی میر صاحب کے منہ سے ، سب نے کہا " ھاں میر صاحب ضرور فرمائیے" ۔ میاں ھد ھد حکیم آغا جان عیش کے پٹھو تھے اور اُنھی کے بل پر پھدکتے تھے، اب جو حکیم صاحب نے سنا کہ میر صاحب ھد ھد کی ھجو پر اترآئے ھیں تو بہت پریشان ھوئے ڈر تھا کہ کہیں مجھکو بھی نہ لپیٹ لیں ، دوسرا کوئی ھجو کرے تو جواب بھی دیا جائے بھلا میر صاحب کی بحر طویل کا کون جواب دے سکتا ھے۔ اور تو کچھہ بن نہ پڑا، میاں ھد ھد کو گاؤ تکیہ کے پیچھے غایب کردیا ۔ اب جو میر صاحب ادھر نظر ڈالتے ھیں تو ھد ھد ندارد ھیں ۔ بہت گھبرائے ، ادھر دیکھا ادھر دیکھا، جب کسی طرف نظر نہ آئے تو کہا "ھجو ملتوی کر کے اب میں غزل پڑھتا ھوں " سب نے کہا "ھیں! میر صاحب، یہ آپ نے ارادہ کیوں تبدیل فرمادیا، پڑھئے میرصاحب! خدا کے لئے پڑھئے ۔ سودا کے بعد ھجوتو اُردو زبان سے اُٹھہ ھی گئی ، اگر آپ بھی اس طرف توجہ نہ کرینگے تو غضب ھوجائے گا ، زبان ادھوری رہ جائے گی "۔ میر صاحب نےکہا " فا ، بھئی فا میاں ھد ھد ھوتے تو ھم کوجو کچھہ کہنا تھا ان کے منہ پر کہتے ، ان کے پیٹھہ پیچھے ان کو کچھہ کہنا ھجو نہیں، غیبت ھے، اور میں غیبت

---

* غدر کے بہت بعد میر صاحب کا انتقال ھوا ھے ۔ میاں کالے صاحب کے فرزند میاں نظام‌الدین صاحب کے مکان پر جو مشاعرہ ھوتا تھا اُس میں بھی یہ شریک ھوتے تھے ۔ اس مشاعرے کے دیکھنے والے اب بھی دھلی میں بہت موجود ھیں ۔ انھی لوگوں کی زبانی میر صاحب کے حالات معلوم ھوئے اوردرج کئے گئے ۔ تذکروں میں تو ان بچارے کا کیوں ذکر آنے لگا —

کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں "۔جب میر صاحب کا یہ رنگ دیکھا تو حکیم آغا جان کے دم میں دم آیا انھوں نے بھی اس ہجو اور غیبت کے فرق کے متعلق چند مناسب الفاظ کہے اور خدا خدا کر کے یہ آئی بلا ٹلی ۔

اب میر صاحب نے غزل شروع کی - کیا پڑھا' خدا ہی بہتر جانتا ہے؛ بس اتنا تو معلوم ہوا کہ تیر' پیر' کھیر قافیہ اور "ہے" ردیف ہے - اس کے علاوہ میں تو کیا' خود میر صاحب بھی نہیں بتا سکتے کہ انھوں نے کیا پڑھا اور مضمون کیا تھا - جہاں قافیہ اور ردیف آئی لوگوں نے سمجھ لیا کہ شعر پورا ہو گیا اور تعریفیں شروع ہوئیں - کسی نے ایک آدہ اعتراض بھی جڑ دیا - اعتراض ہوا اور میر صاحب بگڑے - ان کے بگڑنے میں سب کو مزا آتا تھا - اعتراضوں اور میر صاحب کے جوابوں کا رنگ بھی دیکھ لیجئے - غزل میں میر صاحب نے جو ایک مصرعے کو کھینچنا شروع کیا تو اتنا کھینچا' اتنا کھینچا کہ شیطان کی آنت ہو گیا - مولوی مملوک العلی صاحب نے کہا "اجی میر صاحب! یہ مصرعہ بحر طویل میں جا پڑا"۔ میر صاحب نے کہا " مولوی صاحب کبھی بحر طویل دیکھی بھی ہے یا یوں ہی سنی سنائی باتوں پر اعتراض ٹھونک دیا - پہلے مطول پڑھئے' مطول* جب معلوم ہوگا کہ بحر طویل کس کو کہتے ہیں" - مولوی صاحب بڑے چکرائے' کہنے لگے " میر صاحب بھلا مطول کو بحر طویل سے کیا واسطہ' ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' آپ کا جو جی چاہتا ہے کہہ جاتے ہیں" - میر صاحب کو اب کسی حمایتی کی تلاش ہوئی - مولانا صہبائی کی طرف دیکھا - انھوں نے کہا "مولوی صاحب! مطول میں بحر طویل کی بحریں نہیں ہیں تو اور کیا ہے' آپ بھی ہمارے میر صاحب کو اپنی علمیت کے دباؤ سے خاموش کر دینا چاہتے ہیں"۔ بس اتنی مدد ملنی تھی کہ میر صاحب شیر ہو گئے۔ کہنے لگے " جی ہاں' مولوی صاحب آپ سمجھے ہوں گے کہ آپ کے سوا کسی نے مطول پڑھی ہی نہیں - اجی حضرت میں تو روزانہ اس کے دو دور کرتا ہوں' کل ہی اس

---

* علم کلام پر حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف کا نام مطول ہے۔

کی ایک بحر میں غزل لکھنے بیٹھا تھا ' لکھتے لکھتے تھک گیا ' ایک مصرعہ کوئی پونے دو سو صفحے میں لکھا؛ وہ تو کہو کہ بیاض کے صفحے ہی ختم ہو گئے جو مصرعہ ختم ہوا ورنہ خدا معلوم اور کہاں تک جاتا"۔ مرزا نوشہ نے کہا " میر صاحب! آپ سچ فرماتے ہیں' ہمارے مولوی صاحب نے بحر طویل کہاں دیکھی - مجھ سے پوچھو' میرے بھتیجے خواجہ امان کو جانتے ہو' اُس نے ایک کتاب بوستان خیال لکھی ہے' یہ بڑی اور یہ موٹی' بارہ جلدیں ہیں' بحر طویل کے بس بارہ مصرعوں میں ساری جلدیں ختم ہو گئی ہیں - آپ کا مصرعہ بحر طویل میں نہیں رباعی کی بحر میں ہے"۔ میر صاحب نے بڑے زور سے " ہیں" کی اور بگڑ کر کہا " واہ مرزا صاحب یہ سیدھا چلتے چلتے بھٹک گئے' رباعی کی بحریں آپ کو معلوم بھی ہیں' بھلا بتائیے تو سہی کونسی کتاب میں ہیں"۔ یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا ' مرزا غالب ذرا چپ ہوے تو خود میر صاحب نے کہا " میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ نے زبردستی اعتراض کر دیا ہے - مرزا صاحب! اربعین* پڑھئے' جب معلوم ہوگا کہ رباعی کی بحریں کون کونسی ہیں"—

غرض اسی طرح کی خوش مذاقی میں کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا - ہنستے ہنستے جو آنسو نکلے انہوں نے نیند کے خمار سے آنکھیں صاف کردیں اور ایسا معلوم ہونے لگا گویا مشاعرے کا دوسرا دور شروع ہو رہا ہے اور سب لوگ تازہ دم ابھی آکر بیٹھے ہیں - جب لوگ اعتراض کرتے کرتے اور میر صاحب جواب دیتے دیتے تھک گئے تو ایک دفعہ ہی میر صاحب نے کہا " حضرات! غزل ختم ہوئی"۔ سب نے کہا "میر صاحب! ابھی مقطع تو آیا ہی نہیں' بے مقطع کی یہ کیسی غزل" - میر صاحب نے فرمایا " مقطع کی اس شاعر کو ضرورت ہے جو بتانا چاہے کہ یہ غزل مہری ہے؛ ہمیں اس کی ضرورت نہیں' ہماری غزل کی یہی پہچان ہے' جہاں شروع

---

* اربعین فی اصول الدین حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف ہے جس کو میر صاحب نے رباعیوں کی بحروں سے متعلق کر دیا —

کی بس معلوم ہو گیا کہ یہ میر صاحب کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی"۔ یہ کہتے کہتے انہوں نے جزدان گردانا اور اپنی جگہ آبیٹھے - ایک شمع اُٹھا کر میر صاحب کے عین مقابل کے شاعر موزا جمعیت شاہ ماہر کے سامنے رکھدی گئی - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی انارالله برهانه کے پوتے اور صابر کے شاگرد ہیں - کلام صاف اور زبان بڑی میٹھی ہے' لکھا تھا—

ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا

ناصح کی بات سننے کا کس کو یہاں دماغ
تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا

اے ہمنشیں وہ حضرت ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا' سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

میر صاحب کے کلام نے سب کی آنکھوں سے نیند کا خمار اُتار دیا تھا' اس لئے اس غزل کی جیسی چاہئے ویسی تعریف ہوئی اور میاں ماہر کو محنت کا پورا پورا صلہ مل گیا—

ان کے بعد شمع قاضی نجم‌الدین برق کے سامنے آئی - یہ سکندرآباد کے رہنے والے ہیں کوئی ۲۰' ۲۲ برس کی عمر ہے - سر پر لمبے لمبے بال' سانولی رنگت اس میں سبزی جھلکتی ہوئی' اونچا قد' وجیہ صورت' سفید غرارہ دار پائجامہ' سفید انگرکھا' دو پلڑی ٹوپی' بڑے خوش مزاج' شیریں کلام' ہنس مکھ' بذلہ سنج' وارستہ مزاج' رند مشرب آدمی ہیں-پہلے مومن خاں کے شاگرد تھے پھر ان کے ایما سے میاں تسکین کو کلام دکھانے لگے - آواز بڑی دلکش اور طرز ادا خوب ہے - غزل بھی ایسی پڑھی کہ واہ' واہ - کہتے ہیں—

بزم اغیار ہے' ڈر ہے نہ خفا تو ہوجائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہوا ہوجائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھادے تو ' توھی تو ھوجاے
کچھہ مزہ ھے یہ ترے روٹھہ کے من جانے کا
چاھتا ھوں یوں ھی ھر روز خفا تو ھو جاے
تو تو جس خاک کو چاھے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ھو جاے
آپ انکار کریں ' وصل سے میں در گزرا
کچھہ تو ھو ' جس سے طبیعت مری یکسو ھو جاے
ھو نہ ھو ' بس میں کوئی،کچھہ نہیں اسکی پروا
دل بیتاب پہ اے برق جو قابو ھو جاے

اللہ ' اللہ !درو دیوار سے بے خودی برس رھی تھی - جب یہ مصرعہ پڑھا کہ " میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ھو جاے " تو ساری محفل پر ایک مستی سی چھا گئی - اور تو اور استادان فن کی بھی یہ حالت تھی کہ بار بار شعر پڑھواتے' خود پڑھتے اور مزے لیتے تھے —

ابھی ان کی تعریفیں ختم نہ ھوئی تھیں کہ شمع مرزا منجھلے المتخلص بہ فسوں کے سامنے رکھی گئی- یہ نوجوان آدمی ھیں مرزا کریم بخش مرحوم کے فرزند اور حضرت ظل سبحانی کے نواسے ھیں - ان کا کیا کہنا ' زبان تو ان کے گھر کی لونڈی ھے - گا کر غزل پڑھتے ھیں ؛ پڑھتے کیا ھیں جادو کرتے ھیں - ان کی غزل کے دو شعر لکھتا ھوں —

اللہ رے جذبۂ دل مضطر کہ تیر کا
باھر ھمارے پہلو کے سوفار ھوں نہیں
کچھہ آپ ھی آپ دل یہ مرا بیٹھا جاے ھے
ظاھر میں تو الہی میں بیمار بھی نہیں

دوسرے شعر میں الفاظ کیا بٹھائے ہیں ' نگینے جڑ دئے ہیں - آخر کیوں نہ ہو' قلعہ کے رہنے والے ہیں —

ان کے بعد سیدھی جانب سے شمع سرک کر لالہ بالمکند حضور کے سامنے آئی - یہ ذات کے کھتری اور خواجہ میر درد کے شاگرد ہیں - کوئی ۷۰ ' ۸۰ برس کا سن ہے-سفید نورانی چہرہ اس پر سفید لباس'بغل میں انگوچھہ'کندھوں پرسفیدکشمیری رومال - بس جی چاہتا تھا کہ ان کو دیکھے ہی جائے - شمع سامنے آئی تو انہوں نے عذر کیا کہ میں اب سنانے کے قابل نہیں رہا ' سننے کے قابل رہ گیا ہوں - جب سبھوں نےاصرار کیا تو انہوں نے یہ قطعہ پڑھا —

نہ پاوں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت
جو اٹھہ ' کھینچیں دامن ' ہم اس دلربا کا
سر راہ بیٹھے ہیں اور یہ صدا ہے
کہ اللہ والی ہے بے دست و پا کا

قطعہ اس طرح پڑھا کہ خود تصویر ہوگئے - " نہ پاوں میں طاقت " کہتے ہوے اٹھے مگر پاوں نے یاری نہ کی لڑکھڑا کر بیٹھہ گئے - " نہ ہاتھوں میں طاقت" کہہ کر ہاتھہ اُٹھائے مگر ضعف سے وہ بھی کچھہ یوں ہی سے اُٹھہ کر رہ گئے- دوسرا مصرعہ ذرا تیز پڑھا-تیسرا مصرعہ پڑھتے وقت اس طرح بیٹھہ گئے جیسے کوئی بے دست و پا سر راہ بیٹھہ کر صدا لگاتا ہے' اور ایک دفعہ ہی دونوں آنکھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر جو چوتھا مصرعہ پڑھا تو یہ معلوم ہوتا تھا گویا ساری مجلس پر جادو کردیا - ہر ایک کے منہ سے تعریف کی بجائے بیساختہ یہی نکل گیا " کہ اللہ والی ہے بے دست و پا کا "- استاد ذوق نے کہا " استاد یہ خدا کی دین اور خواجہ میر درد کا فیض ہے ؛ سبحان اللہ ! کیا موثر کلام ہے - ہم دنیا داروں میں یہ اثر پیدا ہونے کے لئے میر درد ہی جیسا استاد چاہئے" -

اس کلام کے بعد مرزا غلام محی الدین اشکی کی غزل بھلا کون سنتا - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے پوتے ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے - اونچا قد ' سفید پوش ' ثقہ صورت آدمی ہیں - پہلے نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اب مفتی صدرالدین کے شاگرد ہوگئے ہیں - لکھا تھا —

کچھہ وجد نہیں نغمہ مطرب ہی پہ موقوف
کافی ہے یہاں نالۂ بے ربط درا کا
سجدے میں گرے دیکھہ کے تصویر بت' اشکی
معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا

ان کے بعد شمع صاحبزادہ عباس علی خاں بیتاب کے سامنے آئی - ۳۰ ' ۳۲ کا سن ہوگا - رامپور کے رہنے والے اور مومن خاں کے شاگرد ہیں - نواب مصطفی خاں شیفتہ سے بڑی دوستی ہے - انہی کے ساتھہ مشاعرہ میں آگئے تھے - بڑی اونچی آواز میں غزل پڑھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تحت اللفظ پڑہ رہے ہیں - غزل تو کچھہ اچھی نہ تھی مگر قطعہ ایسا تھا کہ تعریف نہیں ہوسکتی - میخانے کی تقسیم ایسی خوبی سے کی تھی کہ سبحان اللہ - ہاے لکھا ہے —

معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ
ساقی اگر نہیں ہے ' نہ ہو' مے سے کام ہے
بیتاب پی' خدا نے تجھے بھی دئے ہیں ہاتھ
یہ خم ہے ' یہ سبو ہے' یہ شیشہ ' یہ جام ہے

بھلا ایسے بڑے مشاعرے میں مرزا فخرالدین حشمت کو پڑھنا کیا ضرور تھا- نہ کلام ہی اچھا نہ پڑھنے کی طرز ہی اچھی - مگر ان کو روک کون سکتا تھا - شہزادے تھے اور وہ بھی شاہ عالم بادشاہ کے پوتے- خیر پڑہ لیا اور بھائی بندوں نے تعریفیں بھی کردیں خوش ہوگئے - غزل یہ تھی —

ترے بیمار ہجراں کا ترے بن یہ عالم ہے کہ عالم نوحہ گر ہے

مجھے روتے جودیکھا ہنس کے بولے مرے حشمت بتاکیوں چشم تر ہے

ہاں ان کے بعد جس کےسامنے شمع آئی وہ نوجوان سہی مگر شاعر ہے؛ اور ایسا شاعرہوگاکہ ہندوستان بھر میں نام کرےگا- بھلا کونسا مشاعرہ ہےجس میں مرزا قربان علی بیگ سالک کی غزل شوق سے نہیں سنی جاتی - اور کونسا شعر ہوتا ہے جو بار بار نہیں پڑھوا یا جا تا -جو ایک دفعہ بھی کسی مشاعرہ میں گیاہے وہ ان کو دور سےپہچان لے گا- چھوٹا سا قد، دبلے پتلے ہاتھہ پاؤں، موٹی سی ناک ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں ، موٹی جلد ، گندمی رنگ ، اس پر چیچک کے داغ ، چھدری چھوٹی سی داڑھی ، کلوں پر کم ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ، سر پر خشخاشی بال - کوئی ۳۰ سال کی عمر - بس بخارا کے ترک معلوم ہوتے ہیں - ہاں لباس ان لوگوں سے مختلف ہے- نیچی چولی کا انگر کھا ، تنگ مہری کا پائجامہ ، سر پر سفید گول ٹوپی ، ہاتھہ میں سفید لٹھہ کا رومال - شمع کا ان کے سامنے آنا تھا کہ سب سنبھل کر بیٹھہ گئے- انھوں نے بھی انگر کھے کی آستین اُلٹ ، ٹوپی کو اچھی طرح جما اپنے استاد مرزا غالب کی طرح دیکھا - ادھر سے مسکرا کر کچھہ اشارہ ہوا تو انھوں نے صاحب عالم کی طرح دیکھہ کر عرض کی " اجازت ہے" مرزا فخرو نے کہا " ہاں میاں سالک پڑھو، آخر اس میں اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے " سالک نے جیب میں سے کاغذ نکالا ، کچھہ اُلٹا پلٹا ، پھر ایک بار سنبھل کر کہا ، "عرض کیا ہے" —

۱- انتہا صبر آزمائی کی ہے درازی شب جدائی کی
۲- ہے برائی نصیب کی، کہ مجھے تم سے اُمید ہے بھلائی کی
۳-نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے داستاں اپنی جبہہ سائی کی
۴- ہے فغاں بعد امتحان فغاں پھر شکایت ہے نارسائی کی
۵- کیانہ کرتا وصال شادی مرگ تم نے کیوں مجھہ سے بے وفائی کی
۶- راز کھلتے گئے مرے سب پر جس قدر اس نے خودنمائی کی
۷- کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں بندے بندے میں بو خدائی کی

۸۔ رہ گئیں دل میں حسرتیں سالک آ گئی عمر پارسائی کی

ایک ایک شعر پر یہ عالم تھا کہ مجلس لوٹی جاتی تھی - ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا جاتا تھا - ایک ایک لفظ پر تعریفیں ہوتیں اور ایک ایک بندش کی داد ملتی - استاد ذوق نے تیسرے شعر پر کہا " واہ میاں سالک کیا کہنا ہے ؛ سب ہی جبہہ سائی باندھتے آئے ہیں ' تمہاری داستان کو کوئی نہیں پہنچا - کیا کلام ہے ' کیا روانی ہے ' سبحان اللہ " - حکیم مومن خاں نے کہا " میاں سالک یہ جوانی اور مقطع میں یہ بوڑھا مضمون ' تمہاری " عمر پارسائی " کو بہت دن پڑے ہیں ' ابھی سے تو بڈھوں کی سی باتیں نہ کیا کرو " میاں سالک نے جواب دیا ' استاد میں تو جوانی ہی میں بڈھا ہو گیا ' دیکھئے بڑھاپا دیکھنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں ' پھر دل میں آئے ہوئے مضمون کیوں چھوڑ دوں بعد میں یہ کون دیکھتا پھرے گا کہ یہ شعر بڈھے نے کہا تھا یا جوان نے - ہم نہ رہینگے مضمون رہ جائے گا "—

جب تعریفوں کا سلسلہ ذرا رکا تو شمع مرزا رحیم الدین ایجاد کے سامنے آئی - یہ شہزادے مرزا حسین بخش کے صاحب زادے اور مولانا صہبائی کے شاگرد ہیں - کوئی ۲۴ ' ۲۵ سال کی عمر ہے - شعر کہتے ہیں مگر پھیکے - ہاں پڑھتے بڑی اچھی طرح ہیں - گانا خوب جانتے ہیں - ان کی آواز شعر کی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتی —

بت خانے میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا
اے زاہد ناداں تجھے کیا ہے میں کہیں تھا

ہر چند کہ میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے ' وہ جہاں تھا یہ وہیں تھا

توڑا ہے یہ کچھہ آپ کو میں نے کہ جہاں میں
ثابت نہ رہا نام کا جو میرے نگیں تھا

غزل میں تو کیا خاک مزا آتا ہاں ان کے گانے میں مزا آگیا - گا کر پڑھنے کا یہ فیا رنگ

قلعہ سے چلا ہے ' مگر استادان فن اس کو پسند نہیں کرتے —

ان کے بعد شمع نواب علاءالدین خان علائی کے سامنے آئی - انھوں نے بہت اونچی آواز میں اپنی غزل سنائی - علائی مرزا غالب کے بڑے چاہیتے شاگرد ہیں ' ابھی نو عمر ہیں ' بڑے ہوکر اچھے شاعر نکلینگے —

شمع کا سامنے رکھنا تھا کہ مرزا کریم‌الدین رسا سنبھل کر بیٹھ گئے ایک بڑی لمبی غزل پڑھی مگر ساری کی ساری بے مزا - نہ الفاظ کی بندش اچھی نہ مضامین میں کوئی خوبی ' تعقیدوں سے اُلجھن پیدا ہوتی تھی اور رعایت لفظی سے جی گھبراتا تھا- ان کے بس دوھی شعر نمونے کے طور پر لکھدینا کافی سمجھتا ہوں—

باز آستا توسجھہکو بہت عشوہ گر نہیں　　کرتا کسی پہ ظلم کوئی اس قدر نہیں
گوتزم‌میں‌ہوں‌میں ترے‌بن آے جان من　　کرتے کي جان بھی مرے تن‌سے سفر نہیں

یہ پڑھ چکے تو نواب ضیاءالدین‌خاں نیرو رخشاں‌کے‌پڑھنے کی باري آئی-فارسی کے شعر خوب کہتے ہیں' اُردو کی غزلیں ذرا پھیکی ہوتی ہیں - لکھا تھا —

پی کے گرنے کا ہے خیال ہمیں　　ساقیا لیجیو سنبھال ہمیں
شب نہ آے جو اپنے وعدے پر　　گزرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں
دل میں مضمر ہیں معنی باقی　　کسی صورت نہیں زوال ہمیں
تیرے غصے نے ایک دم میں کیا　　مردہ نہ ہزار سال ہمیں
طالع بد سے نیر رخشاں　　اپنے ہی گھرمیں‌ہے وبال ہمیں

ان کے بعد شمع مرزا پیارے رفعت کے سامنے آئی - یہ سلاطین زادے ہیں - بٹیریں لڑانے کا بڑا شوق ہے - شعر بھی خوب کہتے ہیں ' پڑھتے بھی خوب ہیں - پہلے احسان کے شاگرد تھے اب مولانا صہبائی سے تلمذ ہے - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہوگی' لکھا تھا—

بسان طائر رنگ پریدہ وحشت سے
کسے دماغ ہے اب آشیاں بنانے کا
نہ عذر تھا ہمیں ہونے میں خاک کے، گر ہم
یہ جانتے کہ وہ دامن نہیں بچانے کا
گندھی تھی کون سے بدمست تشنہ لب کی وہ خاک
کہ جس سے خم یہ بنائے شراب خانے کا
بذوق یار کو دے رخصت جفا کہ یہاں
ہمیں بھی عزم ہے طاقت کے آزمانے کا
ہیں ایک وہ بھی کہ تم سے ہے جن کو راز و نیاز
اور ایک ہم ہیں کہ تکتے ہیں منہ زمانے کا

آخری شعر میں مایوسی کی جو تصویر کھنچی ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی - کوئی نہ تھا جو اس شعر کے دوسرے مصرعے کو پڑھ پڑھ کر نہ جھومتا ہو اور بار بار واہ واہ اور سبحان اللہ نہ کہتا ہو - ہوتے ہوتے میاں عارف کا نمبر آ ہی گیا - بھلا ان کو مشاعرے کے انتظام سے کب فرصت تھی جو غزل لکھتے - پھر بھی چلتے پھرتے کچھ لکھ ہی لیا تھا، وہی پڑھ دیا - اس دن رات کی گردش کے بعد اتنا بھی لکھ لینا کمال ہے - غزل تھی—

اُٹھتا قدم جو آگے کو اے نامہ بر نہیں
پیچھے تو چھوڑ آئے کہیں اس کا گھر نہیں
اوروں کو ہو تو ہو، ہمیں مرنے سے ڈر نہیں
خط لیکے ہم ہی جاتے ہیں گر نامہ بر نہیں
بے التفاتیوں کا ترے شکوہ کیا کریں
اپنے ہی جب کہ نامۂ دل میں اثر نہیں

مطلع کی سب نے تعریف کی - اُستاد احسان نے کہا "میاں عارف! میں بھی

شعر کہتے کہتے بڈھا ہو گیا ہوں، لاکھوں شعر سنے، لاکھوں سنائے، مگر یہ مضمون بالکل نیا ہے اور کس خوبی سے ادا کیا ہے کہ دل خوش ہو گیا"۔ میاں عارت کے بعد شمع مرزا غلام نصیرالدین عرف مرزا منجھلے کے سامنے آئی - یہ شہزادے ہیں، احسان کے شاگرد ہیں اور قناعت تخلص کرتے ہیں - غزل خاصی کہتے ہیں - میں تو یہی کہونگا کہ شہزادوں میں بہت کم ایسے شاعر ہوں گے - غزل تھی—

شوق کو کثرت نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسر ہو وہ دیدار مجھے
کعبے تک جانے میں تھی خاطر زاہد ورنہ
دیر میں بھی تھی سدا رخصت دیدار مجھے
جنس دزدیدہ کی مانند ہے اُلجھاؤ میں جاں
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے
راز دل لب پہ نہ لانا کبھی منصور، کہ یاں
کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

شمع کا حکیم آغا جان عیش کے سامنے آنا تھا کہ لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں - حکیم صاحب بادشاہی اور خاندانی طبیب ہیں - زیور علم سے آراستہ اور لباس کمال سے پیراستہ، صاحب اخلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ صورت، جب دیکھو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکرا رہے ہیں - طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پائی ہے کہ سبحان اللہ - میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک ایک اُنگل بال سفید، ایسی ہی داڑھی، اس گوری سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی ہے - گلے میں ململ کا کرتہ جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے - مگر کچھ دنوں سے اُن کے دوست بھی ان سے ذرا کھنچ گئے تھے - میاں ھد ھد کو پال کر انہوں نے سب سے بگاڑ لی - شروع شروع میں تو اس کی واہی تباہی باتوں پر کسی نے دھیان نہیں کیا، لیکن جب اس نے اُستادوں پر حملے شروع کئے اس وقت سے

ہد ہد کے ساتھہ ہی حکیم صاحب سے بھی لوگوں کو کچھہ نفرت سی ہو گئی - غضب یہ کیا کہ اجمیری دروازے والے مشاعرے میں خود انھوں نے مرزا نوشہ پر کھلا ہوا حملہ کر دیا - ایک قطعہ لکھا تھا کہ

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مولوی مملوک‌العلی نے کہا " حکیم صاحب، شعر کے سمجھہ میں نہ آنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو شعر ہی بے معنی ہے یا سمجھنے والے کے دماغ کا قصور ہے - ہم سب تو ان کے شعر سمجھتے ہیں، پھر آپ نے ہم غریبوں کو کیوں لپیٹ لیا "- مومن خاں نے کہا " بھئی مجھے تو اس قطعے کے تیسرے مصرعے میں بھی شاعرانہ تعلی معلوم ہوتی ہے" - بہر حال بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا - اس معرکے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ حکیم صاحب مشاعرے میں تشریف لائے تھے - میر صاحب نے ہد ہد کے مقابلے میں جو اعلان جنگ کیا تھا وہ سن چکے تھے، اب لوگوں میں جو کانا پھوسی ہونے لگی اس سے اور بھی پریشان ہوے - پڑھنے میں تامل کیا - آخر مرزا فخرو کے اصرار پر یہ غزل پڑھی—

؎ صلح ان سے ہمیں کئے ہی بنی ؎ دل پہ جھگڑا تھا دل دئے ہی بنی
؎ زہد و تقوے دھرے رہے سارے ہاتھہ سے اس کے پیئے ہی بنی
لائے وہ ساتھہ غیر کو، ناچار پاس اپنے بٹھا لئے ہی بنی
کس کا تھا پاس شوق ظلم، اے عیش ان جفاؤں پہ بھی جئے ہی بنی

جب ایسی غزل ہو تو بھلا کون تعریف نہ کرے - صل علی کے شور اور سبحان‌اللہ کی آوازوں نے پڑھنے والے اور سننے والوں دونوں کے دلوں سے غبار کدورت دور کردیا اور حکیم صاحب وہی حکیم صاحب ہو گئے جو پہلے تھے - نہ

ان سے کسی کو رنج رہا اور نہ ان کو کسی سے ملال - ہاں اگر پہلے کہیں میاں ھد ھد کچھہ چرک جاتے تو خدا معلوم مشاعرے کا کیا رنگ ہو جاتا - وہ تو خدا بھلا کرے ہمارے میر صاحب کا انہوں نے پہلے ہی اس پکھیرو کی زبان بند کردی- خیر رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت —

حکیم صاحب کے بعد مرزا رحیم الدین حیا کا نمبر آیا - یہ وہی میاں حیا ہیں جن کی تعریف مشاعرے میں آتے ہی ان کے والد صاحب قبلہ مرزا کریم الدین رسا نے فرمائی تھی - بڑے خوش طبع ' ذہین ' نیک فطرت ' بدیہہ گو اور ظریف آدمی ہیں - کوئی ۳۵ - ۳۶ سال کی عمر ہے- اکثر بنارس میں رہتے ہیں ' کبھی کبھی دہلی چلے آتے ہیں - شکل تو بالکل شاہزادوں کی ہے مگر داڑھی منڈی ہوئی اور لباس لکھنو والوں کا ہے - پہلے اپنے والد کے شاگرد ہوے ' پھر شاہ نصیر سے اصلاح لی' اب اپنا کلام استاد ذوق کو دکھاتے ہیں - شطرنج بے مثل کھیلتے ہیں ؛ پہلے حکیم شرافت علی خاں سے سیکھی اب مومن خاں کو گھیرے رہتے ہیں - ستار ایسا بجاتے ہیں کہ سبحان اللہ - شاعر بھی اچھے ہیں ' مگر محنت نہیں کرتے ؛ زبان کی چاشنی پر مضمون کو نثار کر دیتے ہیں - یہ غزل لکھہ کر لاے تھے —

موت ہی چارہ ساز فرقت ہے　　رنج مرنے کا مجھہ کو راحت ہے
ہوچکا وصل ' وقت رخصت ہے　　اے اجل جلد آ کہ فرصت ہے
روز کی داد کون دیوے گا　　ظلم کرنا تمہاری عادت ہے
کارواں عمر کا ہے رخت بدوش　　ہر نفس بانگ کوس رحلت ہے
سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے　　دم نکلتا نہیں ' مصیبت ہے
تم بھی اپنے حیا کو دیکھہ آو　　آج اس کی کچھہ اور حالت ہے

پانچویں شعر پر ان کے والد نے ٹوکا اور کہا " میاں حیا ! لکھنؤ جاکر اپنی شکل تو بدل آے تھے اب زبان بھی بدل دی ' سانس کو مونث باندہ گئے " - حیا نے جواب دیا - " جی نہیں قبلہ میں نے تو استاد ذوق کی تقلید کی ہے ' وہ فرماتے ہیں

" سینے میں سانس ہوگی اڑی دو گھڑی کے بعد " - بھلا صاحب عالم * کب چوکنے والے تھے کہنے لگے " بھلا ہمارے مقابلے میں آپ کے استاد کا کلام کہیں سند ہوسکتا ہے ' وہ جو چاہیں لکھیں ' یہ بتاؤ قلعے میں سانس مذکر ہے یا مونث " - بچارے حیا مسکرا کر خاموش ہوگئے —

اب شمع مولانا صہبائی کے روبرو آئی - ان کی علمیت کا ڈنکا تمام ہندوستان میں بج رہا ہے - ایسے جامع‌الکمال آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں - ہزاروں شاگرد ہیں - اکثر ریختہ کہتے ہیں ' ان کو اصلاح دیتے ہیں اور خوب دیتے ہیں ' مگر خود ان کا کلام تمام و کمال فارسی ہے - میں نے تو ریختے میں نہ کبھی ان کی کوئی غزل دیکھی نہ سنی ' اور مشاعرے میں بھی فارسی ہی کی غزل پڑھی - خوب خوب تعریفیں ہوئیں مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو مزہ نہ آیا —

همچو شبنم خویش را فارغ ز عالم ساختم
محرم خورشید گشتم با خساں کم ساختم
مردم و در چشم مردم عالمے تاریک گشت
من مگر شمعم چو رفتم بزم برهم ساختم
کفر در کیشم سپاس نعمت دیدار اوست
جلوہ در هر رنگ دیدم گردنے خم ساختم
جرم عشقم را جزا شد حور و من از هجر دوست
داغ بر دل بردم و خلدش جهنم ساختم
نیست صہبائی چو جام جم نصیبم گو مباد
مے زخون دل کشیدم خویش را جم ساختم

مقطع پر تو اتنی تعریفیں ہوئیں کہ بیان سے باہر ہے ' مگر جو بیچارے

---

* قلعے والوں کو خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ' صاحب عالم کہا جاتا تھا —

فارسی نہیں سمجھتے تھے وہ بیٹھے منہ دیکھا کئے - صاف بات تو یہ ہے کہ اُردو کے مشاعرے میں فارسی کا ٹھونسنا کچھ مجھے بھی پسند نہ آیا—

اہاہاہا ! زبان کا لطف اُٹھانا ہے تو اب سید ظہیرالدین حسین خاں ظہیر کو سنئیے - ابھی ۳۰-۳۲ سال کی عمر ہے مگر کلام میں خدا نے وہ اثر دیا ہے کہ واہ‌واہ، اُستاد ذوق کی اصلاح نے اور سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے - شکل صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی طبیعت اس بلا کی ہے- قد خاصہ اونچا، چھریرا بدن، کشادہ سینہ، سانولی رنگت، کشادہ دہن، اونچی ستواں ناک، آنکھیں نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی مگر روشن - گول داڑھی نہ بہت گھنی نہ بہت چھدری، سر پر پٹھے، لباس میں انگرکھا، تنگ مہری کا سفید پائجامہ، سر پر سفید گول ٹوپی، خوش مزاج اور لطیفہ سنج ایسے کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں - پڑھنے کا بھی ایک خاص طرز ہے - لکھنؤ والے کے تحت‌اللفظ پڑھنے سے ملتا جلتا ہے، ساتھ ہی اشاروں سے ایک ایک لفظ کو سمجھاتے جاتے ہیں- غزل ہوئی تھی —

جبیں اور شوق اس کے آستاں کا ؎ ارادہ اور ارادہ بھی کہاں کا
لٹا ہے قافلہ تاب و تواں کا خدا حافظ ہے دل کے کارواں کا
مری وا ماندگی منزل رساں ہے ؎ سراغ نقشِ پا ہوں کارواں کا
رہے پابند دل کے دل میں ارمان ؎ قدم منزل نے پکڑا کارواں کا
اُٹھا سکتے نہیں سر آستاں سے غضب ہے بار منت پاسباں کا
ہمیشہ مورد برق و بلا ہوں ؎ مٹے جگھڑا الٰہی آشیاں کا
دل بیتاب نے وہ بھی مٹایا کسی کو کچھ جو دھوکا تھا فغاں کا
ظہیر ! آؤ چلو اب میکدے کو نکالا زہد و تقویٰ ہے کہاں کا

اور تو اور اُستادان فن نے اس غزل کی ایسی داد دی کہ میاں ظہیر کا دل غنچے کی طرح کھل گیا - تیسرے شعر پر تو یہ حالت تھی کہ تعریفوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا - سلام کرتے کرتے بچارے کے ہاتھ دکھ گئے ہونگے - جب ذرا سکون

ہوا توسیدھی جانب کی شمع نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے سامنے آئی۔ ان کا کیا کہنا۔ یہ استادان فن میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مومن کے شاگرد ہیں مگر خود استاد ہیں۔ انھوں نے کسی شعر کی تعریف کی اور اس کی وقعت بڑھی؛ یہ سنکر ذرا خاموش ہوگئے اور شعر دوسروں کی نظروں سے بھی گرگیا۔ زبان کے ساتھ مضمون کو ترتیب دینا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے۔ پڑھتے بھی ہیں تو ایک ایک لفظ سمجھاسمجھا کر۔ آواز ایسی اونچی ہے کہ دور اور پاس سب کو صاف سنائی دے۔ غزل پڑھنے سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا، ذرا انگرکھا درست کیا، ٹوپی درست کی، انگرکھے کی آستینوں کو چڑھایا اور یہ غزل پڑھی —

آرام سے ہے کون جہان خراب میں　　گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
سب اس میں محو اور یہ سب سے علاحدہ آئینہ میں ہے آب، نہ آئینہ آب میں
معنی کی فکر چاہئے صورت سے کیا حصول　　کیا فائدہ ہے، موج اگر ہے شراب میں
ذات و صفات میں بھی یہی ربط چاہئے　　جوں آفتاب و روشنی آفتاب میں
وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گم ہوا　　وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں
بیباک شیوہ، شوخ طبیعت، زباں دراز　　ملزم ہوا ہے پر نہیں عاجز جواب میں
تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو، مگر حضور　　اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

غزل تو ایسی ہے کہ بھلا کس کا منہ ہے جو تعریف کا حق ادا کر سکے، مگر تعریف بڑی سنبھل سنبھل کر کی گئی۔ بڑے مشاعروں میں میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ نو مشقوں کے دل تو تعریفوں سے خوب بڑھاتے ہیں مگر جب استادوں کے پڑھنے کی نوبت آتی ہے تو وہ جوش و خروش نہیں رہتا، بلکہ جوش کے بجائے متانت زیادہ آجاتی ہے۔ استادوں کے انہی شعروں کی تعریف ہوتی ہے جو واقعی قابل تعریف ہوں۔ اگر کسی شعر کی ذرا بے جا تعریف کردی جائے تو اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ صرف اسی کلام کی تعریف چاہتے ہیں جس کو یہ خود سمجھتے ہیں کہ اس کی تعریف ہونی چاہئیے۔ شعر پڑھ کر اگر دیکھتے بھی ہیں تو اپنے

برابر والوں کی طرح اور رہی داد بھی دیتے ہیں ' مشاعرے کے باقی لوگ ان کے کلام سے لطف ہی نہیں اُٹھاتے ' کچھہ حاصل بھی کر لیتے ہیں ' ان کے لئے یہ غزلیں کسی طرح اُستاد کی اصلاح سے کم نہیں ہوتیں —

اُن کے بعد شہزادہ مرزا قادر بخش صابر کی باری آئی یہ کوئی ۴۰ برس کے ہونگے - ان کی شاعری کی قلعہ میں بڑی دھوم ہے - خود ہ ان کو بھی اپنے کلام پہ ناز ہے- شعرائے دھلی کا ایک تذکرہ لکھہ رہے ہیں مگرمشہور یہ ہے کہ الف سے لیکر یے تک مولانا صہبائی کا قلم ہے : یہ سچ ہے یا جھوٹ خدا بہتر جانتا ہے - خود انہوں نے اپنے حالات ایک قطعہمیں لکھے ہیں' وہ نقل کرتا ہوں —

قطعہ

پہلے اُستاد تھے احساں و نصیر و ممنون
ہوئی احساں سے پر اصلاح طبیعت میری
پھر ہوا حضرت صہبائی کی اصلاح کا فیض
طبع باریک ہوئی ان کی بدولت میری
اور ہم بزم رہے مومن و ذوق و غالب
اُوستادوں ہی سے ہردم رہی صحبت میری
ہند کا فضل و ہنر ذات پہ ہے جن کی تمام
مانتے ہیں وہی اشخاص فضیلت میری
منعقد ہوتی ہے جب شہر میں بزم افشا
کرتے ہیں اہل سخن وقعت و عزت میری

اب اس کلام پر ان کو استاد کہو یا جو جی چاہے کہو- غزل میں بھی یہی پھیکا رنگ ہے ' مضمون بھی کچھہ بلند پایہ نہیں ہیں ' مگر سارا شہر ان کو استاد مانتا ہے؛ ہونگے ' ممکن ہے میری ہی سمجھ کا پھیر ہو - غزل کہی تھی —

نظارہ برق حسن کا دشوار ہوگیا جلوہ حجاب دیدۂ بیدار ہوگیا

محفل میں، میں تو اس لب میگوں کے سامنے نام شراب لے کے گنہگار ہوگیا

حائل ہوئی نقاب تو تیری نگاہ شوق پردہ ہی جلوہ گاہ رخ یار ہوگیا

معلوم یہ ہوا کہ ہے پرسش گناہ کی عاصی گنہ نکردہ گنہگار ہو گیا

اس کی گلی میں آن کے کیا کیا اُٹھائے رنج ؎ خاک شفا ملی تو میں بیمار ہوگیا

پیری میں ہم کو قطع تعلق ہوا نصیب قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہوگیا

یہ پڑھ چکے تو شمع مفتی صدرالدین صاحب آزردہ کے سامنے پہنچی - اس پائے کے عالم شاعر نہیں ہوتے اور ہوتے ہیں تو استاد ہوجاتے ہیں۔ مفتی صاحب کے جتنے شاگرد جید عالم ہیں اس سے کہیں زیادہ ان کے تلامذہ شاعر ہیں اور شاعر بھی کیسے کہ بڑے پائے کے۔ مفتی صاحب کہتے تو خوب ہیں مگر پڑھتے اس طرح ہیں گویا طالب علموں کو سبق دے رہے ہیں - آواز بھی ذرا نیچی ہے لیکن ان کی وجاہت کا یہ اثر ہے کہ مشاعرے میں سناٹا ہوتا ہے اور تعریف بھی ہوتی ہے تو خاص خاص شعروں پر اور بہت نیچی آواز میں - ہاں مرزا نوشہ ان سے مذاق کرنے میں نہیں چوکتے - کبھی کبھی اعتراض بھی کر بیٹھتے ہیں اور مزے مزے کی نوک جھونک ہوجاتی ہے - غزل ملاحظہ ہو؛ کیا پختہ کلام ہے —

؎ باتوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمیں و زمیں آسماں نہیں

افسردہ دل نہو در رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں

؎ شب اس کو حال دل نے جتا یا کچھہ اس طرح
ہیں لب تو کیا، نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کتنی کسی طرح بھی نہیں یہ شب فراق ؏
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں
کہتا ہوں اس سے کچھہ میں، نکلتا ہے منہ سے کچھہ
کہنے کو یوں تو ہیگی زباں اور زباں نہیں
آزردہ ہونے تک نہ ہلے اس کے روبرو ؏
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ جیسے اُستاد کے بعد نواب مرزا خاں داغ کا پڑھنا ایک عجیب سی چیز ہے، مگر بات یہ ہے کہ اول تو داغ کو سب چاہتے ہیں، دل بڑھاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کسی دن یہی داغ ہندوستان کا چراغ ہوگا؛ دوسرے مرزا فخرو کے خیال سے ان کو اُستادوں میں جگہ ملی تھی مگر انہوں نے غزل بھی ایسی پڑھی کہ اُستاد بھی قائل ہو گئے - ۱۷، ۱۸ برس کے لڑکے کا اس قیامت کی غزل اور اس جرأت سے پڑھنا واقعی کمال ہے - میری تو یہ راے ہے کہ جو زبان داغ نے لکھی ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوگی - ذرا زبان کی شوخی، مضمون کی رنگینی اور طبیعت کی روانی ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے—

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں ؏ ناز والے نیاز کیا جانیں
شمع رو آپ گو ہوے لیکن ؏ لطف سوز و گداز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہہ سائی کی ؏ شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو رہ عشق میں قدم رکھیں وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھئے میکشوں سے لطف شراب ؏ یہ مزا پاکباز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک ؏ وہ مرے دل کا راز کیا جانیں
حضرت خضر جب شہید نہوں لطف عمر دراز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے ؏ آپ بندہ نواز کیا جانیں

اللہ، اللہ! وہ سہانا وقت، وہ چھوٹی سی آواز، وہ دلکش سر، وہ الفاظ کی

نشست، وہ بندش کی خوبصورتی اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ داغ کی بھولی بھالی شکل، ایک عجیب لطف دے رہی تھی - ساری محفل میں کوئی نہ تھا جو محو حیرت نہ ہو گیا ہو اور کوئی نہ تھا جس کے منہ سے جزاک اللہ، سبحان اللہ اور صل علیٰ کے الفاظ بیساختہ نہ نکل رہے ہوں - مرزا فخرو کی تو یہ حالت تھی کہ گھڑی گھڑی پہلو بدلتے اور دل ہی دل میں خوش ہوتے تھے - غزل ختم ہوئی اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کب ختم ہوگئی - جب شمع حکیم مومن خاں مومن کے سامنے پہنچ گئی اس وقت لوگوں کا جوش کم ہوا اور اس ریختے کے اُستاد کا کلام سننے کو سب ہمہ تن گوش ہو گئے - انہوں نے شمع کو اُٹھا کر ذرا آگے رکھا، ذرا سنبھل کر بیٹھے، بالوں میں اُنگلیوں سے کنگھی کی، ٹوپی کو کچھ ترچھا کیا، آستینوں کی چنت کو صاف کیا اور بڑی درد انگیز آواز میں دلپذیر ترنم کے ساتھ یہ غزل پڑھی—

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں، یہ تو کچھہ باغ خلد ہے
کس جاے مجھکو چھوڑ گئی موت، لاکے ساتھہ

الٰہ رے گمرہی، بت و بتخانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھہ

شاعری کیا تھی، جادو تھا - تمام لوگ ایک عالم محویت میں بیٹھے تھے - وہ خود بھی اپنے کلام کا مزا لے رہے تھے - جس شعر میں ان کو زیادہ لطف آتا تھا اس کے پڑھتے وقت ان کی اُنگلیاں زیادہ تیزی سے بالوں میں چلنے لگتی تھیں - بہت جوش ہوا تو کاکلوں کو اُنگلیوں میں بل دیکر مروڑنے لگے - کسی نے تعریف کی تو گردن جھکا کر ذرا مسکرا دئے - پڑھنے کا طرز بھی سب سے جدا تھا، ہاتھہ بہت کم ہلاتے تھے اور ہلاتے بھی کیسے، ہاتھوں کو بالوں سے کب فرصت تھی - ہاں آواز کے زیر و بم اور آنکھوں کے اشاروں سے جادو سا کرجاتے تھے - غزل ختم ہوئی تو تمام شعرا نے تعریف کی - سنکر مسکراے اور کہا "آپ لوگوں کی یہی عنایت تو ہماری ساری محنت کا صلہ ہے، میں تو عرض کرچکا ہوں

ہم داد کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر کچھہ
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا"

ان کے بعد شمع اُستاد احسان کے سامنے آئی - میں سمجھا تھا کہ ان کی آواز کیا خاک نکلے گی مگر شمع کے پہنچتے ہی وہ تو کیچلی سی بدل کچھہ سے کچھہ ہو گئے اور اتنی بلند آواز سے غزل پڑھی کہ تمام مجلس پر چھا گئے - کسی شعر پر مومن خاں کو متوجہ کرتے، کسی پر مرزا نوشہ کو، کسی پر اُستاد ذوق کو - ان کی عظمت کچھہ لوگوں کے دلوں پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ جس کو انہوں نے متوجہ کیا اس کو تعریف ہی کرتے بن پڑی - ردیف سخت اور قافیہ مشکل تھا مگر ان کی اُستادی کی داد دینی چاہئے کہ ان دشواریوں پر بھی ساری کی ساری غزل مرصع کہہ گئے ہیں - ہاے لکھتے ہیں—

تو کیوں ہے گریہ کناں ' اے مرے دل محزوں
نہ رو نہ رو کہ نہ تجھہ کو کبھی رولاے خدا
بتو! بتاو تو ' کیا تم خدا کو دو گے جواب
خدا کے بندوں پہ یہ ظلم ' بندہ ہاے خدا
رضا پہ تیری ہوں دن رات اے صنم مصروف
جو اس پہ تو نہیں راضی ' نہ ہو ' رضاے خدا
بتوں کے کوچے میں کہتا تھا کل یہی احسان
یہاں کسی کا نہیں ہے کوئی سواے خدا

جب یہ پڑہ چکے تو مرزا غالب کی باری آئی - یہ رنگ ہی دوسرا تھا- صبح ہو چلی تھی ' شمع کے سامنے آتے ہی فرمانے لگے " صاحبو ! میں بھی اپنی بھیرویں الاپتا ہوں" - یہ کہہ کر ایسے دلکش اور موثر لہجےمیں غزل پڑھی کہ ساری محفل محو ہوگئی - آواز بہت اونچی اور پر درد تھی - یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدر داں نہیں پاتے اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے - غزل تھی —

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جبکہ تجھہ بن کوئی نہیں موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکن زلف عنبریں کیوں ہے نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں　　میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھہ نہیں غالب　　مفت ہاتھہ آے تو برا کیا ہے

غزل پڑہ کر مسکراے اور کہا " اس پر بھی نہ سمجھیں وہ تو پھر ان سے خدا سمجھے "- حکیم آغا جان سمجھہ گئے اور کہنے لگے " مرزا صاحب ! غنیمت ہے کہ تم اس رنگ کو آخر ذرا سمجھے "- غرض تعریفوں کے ساتھہ ساتھہ مذاق بھی ہوتا رہا اور شمع اُستاد ذوق کے سامنے پہنچ گئی - اُستاد نے مرزا فخرو کی طرف دیکھہ کر کہا " صاحب عالم غزل پڑھوں یا کل جو قطعہ ہوا ہے وہ عرض کروں- کل رات خدا جانے کیا بات تھی کہ کسی طرح نیند ہی نہ آتی تھی، لوٹتے لوٹتے صبح ہوگئی، شب ہجر کا مزا آگیا - اسی کشمکش میں ایک قطعہ ہو گیا ہے اجازت ہو تو عرض کروں - مرزا فخرو نے کہا " اُستاد آج کا مشاعرہ سب بندوں سے آزاد ہے : غزل پڑھئیے، رباعی پڑھئے، قصیدہ پڑھئے، قطعہ پڑھئے، غرض جو دل چاہے پڑھئے، ہاں کچھہ نہ کچھہ پڑھئے ضرور " - اُستاد ذوق سنبھل کر بیٹھہ گئے اور یہ قطعہ ایسی بلند اور خوش آیند آواز میں پڑھا کہ محفل گونج اُٹھی اور اُن کے پڑھنے کے انداز نے کلام کی تاثیر میں اور زیادہ زور پیدا کردیا —

کہوں کیا ذوق احوال شب ہجر　　کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب تال رکھا تھا اک اندھیر　　مرے بخت سیاہ کی تیرگی نے
تپ غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم　　اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے　　کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں میں اور کہاں یہ شب، مگر تھے　　مری جانب سے تیرے دل میں کینے
سو اس ظلمت کے پردے میں کئے ظلم　　ارے ظالم تری کینہ وری نے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج　　پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پینے
حواس و ہوش جو مجھہ سے قرین تھے　　قرینے سے ہوئے سب بے قرینے
مری سینہ زنی کا شور سن کر　　پھٹے جاتے تھے ہمسایوں کے سینے

اٹھایا کاہ اور کاہے بٹھایا　　مجھے بیتابی و بے طاقتی نے
کہا جب دل نے تو کچھ کھا کے سو رہ　　بہت الماس کے توڑے نگینے
نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ　　بہت سی جان توڑی جانکنی نے
بہت دیکھا نہ دکھلایا ذرا بھی　　طلوع صبح سے منہ روشنی نے
کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات　　یقیں ہے صبح تک دے گی نہ جینے
لگے پانی چوانے منہ میں آنسو　　پڑھی یاسین سرہانے بیکسی نے
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی　　لگا رکھے تھے میری زندگی نے
کہ قسمت سے قریب خانہ میرے　　اذان مسجد میں دی بارے کسی نے
بشارت مجھکو صبح وصل کی دی　　اذاں کے ساتھ یمن و فرخی نے
ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر　　کہ خوش ہوکر کہا خود یہ خوشی نے
موزن مرحبا بر وقت بولا　　تری آواز مکے اور مدینے

آخری شعر پر پہنچے تھے کہ برابر کی مسجد سے آواز آئی " اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! " اس کے ساتھ ہی سب کے منہ سے نکلا " تری آواز مکے اور مدینے " - آذان ختم ہوئی تو سب نے دعا کو ہاتھ اُٹھائے - دعا سے فارغ ہوکر مرزا فخرو نے کہا " صاحبو ! کچھ عجب اتفاق ہے کہ فاتحہ خیر ہی سے یہ مشاعرہ شروع ہوا تھا اوراب فاتحہ خیر ہی پر ختم ہوتا ہے "- یہ کہہ کر اُنھوں نے دونوں شمعوں کو جو چکر کھا کر ان کے سامنے آگئی تھیں بجھا دیا - شمعوں کے گُل ہوتے ہی نقیبوں نے آواز دی " حضرات مشاعرہ ختم ہوا "- یہ سننا تھا کہ چلنے کو سب کھڑے ہوگئے - سب سے پہلے مرزا فخرو سوار ہوئے اور پھر سب ایک ایک کرکے رخصت ہوئے - آخر میں ' میں اور نواب زین العابدین خاں رہ گئے - میں نے انکا شکریہ ادا کیا - کہنے لگے " میاں کریم الدین یہ تمہاری نیک نیتی تھی جو جو اتنا بڑا مشاعرہ بہ خیر و خوبی ختم ہوا - تمہارا کام بھی بن گیا اور میرا ارمان بھی نکل گیا - اچھا خدا حافظ " —

— تقدیر —

درماند گی میں غالب کچھہ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ، ناخن گرہ کشا تھا -

دوسرے روز سب سامان اُٹھہ گیا اور پھر وھی چھاپے خانے کی گھڑ گھڑ اور پریسمینوں کی گڑبڑ شروع ھوگئی - دوسرے مہینے میں پھر مشاعرے کا اعلان کیا، اشتہار بھی تقسیم ھوئے ، مگر گذشتی کے آدمی آئے ، آخر یہ مجلس بند کرنی پڑی - کچھہ تو مطبع کے کام میں نقصان ھوا، کچھہ ملازمین پیشگی رقمیں دبا بیٹھے ، غرض تھوڑے ھی دنوں بعد میرے دوچار جاھل شرکا نے مجھ سے فریب کرکے مطبع چھین لیا - ھر چند کہ میں نے سوچا تھا کہ اگر دعوی کروں ، حاکم بےشک میرا انصاف کریگا ، لیکن چند صدمات پڑجانے کی وجہ سے وہ ارادہ بھی پورا نہ ھوا - اس مشاعرے کی کیفیت کے مسودات پڑے رہ گئے ھیں ، دیکھئے کب چھپتے ھیں اور کون چھاپتا ھے —

مومن پر ایک نظر

از

(جناب ضیاء احمد صاحب ایم - اے بدایونی لکچرار اُردو، انٹرمیڈیٹ کالج - علی گڈھ)

جس زمانے میں ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا آفتاب نصف النہار پر جلوہ گر تھا اور اسلامی تہذیب و تمدن کی شعاعیں نزدیک و دور پڑ رہی تھیں تمام اہل فن اپنے اپنے فنون کو ترقی دینے اور ان میں باریکیاں پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے - ایک طرف سلاطین و اُمرا کی فن شناسی اور سرپرستی مخفی استعدادوں کو قوت سے فعل میں آنے کی دعوت دیتی تھی دوسری طرف ارباب فن کی جدت اور جودت قدما کے چھوڑے ہوے ذخیرے میں اضافہ کرنے پر مائل تھی۔ فن تعمیر ہو یا فن مصوری، نقاشی ہو یا موسیقی، ہرایک کے اندر ارتقا کا عمل جاری تھا اور ضرورت کے بدلے تکلف کار فرما تھا - جب یہ حالت تھی تو غیر ممکن تھا کہ فن شعر اس کلیے سے مستثنیٰ رہتا - چنانچہ شاعری میں بھی انقلاب اور زبردست انقلاب ہوا؛ متاخرین* نے متقدمین کی سادگی اور متوسطین کی مضمون آفرینی پر قناعت نہ کرکے نازک خیالی اور بدیع الاسلوبی کی بنیاد ڈالی اور اسی موہوم بنیاد پر تخیل کے فرضی سربفلک قلعے تعمیر کردئے - ظاہر ہے کہ قدما نے واردات حسن و عشق کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا تھا اور اب ان فرسودہ خیالات میں کسی قسم کی دلکشی

---

* متاخرین کی شاعری پر مفصل بحث ہمارے مضمون " ارتقاے ادب فارسی عہد اکبری میں " کا موضوع ہے جو اُردو اور انگریزی میں شائع ہو چکا ہے —

باقی نہ تھی - اس لئے ضرور تھا کہ ہمارے شعرا انہیں خیالات میں استعارہ در استعارہ کے زور سے جدت طرازیاں اور موشگافیاں پیدا کریں- اسی کا نتیجہ تھا کہ عرفی* اور اس کے معاصرین نے تمامتر نزاکت تخیل اور ندرت اسلوب پر شاعری کا دارومدار رکھا - یہ لے یہاں تک بڑھی کہ آخر میں بیدل اور اس کے ہمعصروں کے یہاں شاعری معما بن کر رھگئی —

ملک کی فضا ابھی اِنہیں نغموں سے گونج رھی تھی اور بیدل و علی کی نکتہ سنجیاں مشاقان فن کے لئے ابھی شمع راہ بنی ہوئی تھیں کہ سنہ ۱۲۱۵ ھ میں مومن نے اس خراب آباد گیتی میں قدم رکھا —

شاھجہان آباد جیسی مردم خیز سر زمین کا اثر ' دارالسلطنت کے ادبی چرچے ' خاندان کے علمی مشاغل ' اور سب پر مستزاد مومن † کی نادرہ کار اور دقیقہ آفرین طبیعت ان سب نے مل کر تھوڑے ھی عرصے میں ان کی شاعری کو سحرسامری بنادیا ' رجحان طبعی نے طرز بیدل ' کی طرف رھنمائی کی اور ندرت پسندی نے چند روز میں کلام کو شہرت کے عرش الکمال پر پہنچا دیا —

مگر اِس کو ان کی دقت پسندی کا اثر کہو یا ملک کی بد مذاقی کا ' ان کی شاعری کو مقبولیت عام نہ ہوی —

شعرو سخن سے مومن کو فطرتاً ذوق تھا اور بقول شمس العلما آزاد عاشق مزاجی نے اسے چمکادیا - ان کی شاعری پر حقیقت میں "قلندر ھرچہ گوید دیدہ گوید" کی مثل پورے طور پر صادق آتی تھی - یہی وجہ تھی کہ جو بات ان کی زبان سے نکلتی

---

*ھندوستان میں عرفی وغیرہ جو نازک خیالی کے دل دادہ تھے' فغانی کے مقلدین میں گنے جاتے تھے- اِس کے برخلاف ایران میں شرف جہاں کی معاملہ بندی کا دور دورہ تھا -

† مومن کے ہم عصر و حریف استاد مرزا غالب بھی اپنے کو طرز بیدل کا متبع کہتے تھے' جس کا انہوں نے اپنے اشعار میں بھی اعتراف کیا ہے ، مگر جیساکہ ہم آیندہ بتائیں گے مومن اس رنگ میں ان کے شریک غالب ھیں —

تھی درد و اثر کے اعتبار سے نشتر بنکر نکلتی تھی - اور" ازدل می خیزد و بر دل می ریزد" کی مصداق ہوتی تھی - تجربہ اسکا شاھد ھے کہ اگر چہ مومن کا کلام عوام میں مقبول نہ ہوا تاھم ھرزمانے میں خواص اونکی اشعار پر سردھنتے رھے ھیں - مومن کے ھم عصروں (ذوق و غالب) میں ھر ایک بے شبہ اپنے رنگ میں بے نظیر اور با کمال استاد گذرا ھے ' مگر انصاف سے دیکھئے تو مومن کا درجہ بھی کسی سے نیچے نہیں ھے - البتہ یہ مومن کی بد قسمتی کہ اونکو کوئی آزاد یا حالی نہیں ملا جو انکے محاسن کلام کو ملک کے سامنے نمایاں طور پر پیش کر تا —

ایسی حالت میں جبکہ مومن پر ناقدانہ مضمون لکھنے کےلیئےکسی موزوں ھستیکی ضرورت تھی'عالی جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردوکا اس کیلئے ارشاد اورمیری تعمیل دونوں حیرت انگیز ھیں-مگر محض اس خیال سے استعمالامر کی جرات کی گئی کہ مجھے ذاتی طور پر مومن سے خاص دلچسپی ھے - نیز یہ گمان ھے کہ شاید میری یہ جسارت اُن ھل قلم کےلیئے محرک بن سکے جو اس مبحث پر تحریر کر نےکے مجھہ سے زیادہ اھل ھیں —

حکیم مومن خاں کے کلیات پر بالاستیعاب نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا ھوجاتا ھے کہ ایک طرف اونکی حسن پرستی اور عاشق مزاجی کے باعث کلام میں سوز و گداز اور تاثیر و درد کی بجلیاں کوندتی ھیں اور دوسری طرف انکی روش عام سے بیزاری اور ندرت پسندی کی بدولت شاعری کے مطلع پر اخلاق و ابہام کی گھٹائیں چھا جاتی ھیں- یہ بحث بڑی تفصیل چاھتیھےاور ضرورت ھے کہ مومن کی ھر صنف شعر اور اس کے خصوصیات کو کھول کر بیان کیا جائے - لیکن اصناف سخن پر بالترتیب بحث کر نے سے پیشتر مناسب معلوم ھوتا ھے کہ مومن کی وہ خصائص جو عام طور پر انکی تمام شاعری کا امتیازی جوھر ھیں پیش کروں —

خصائص کلام مومن

(۱) تغزل - غزل سے ماخوذ ہے جس کے معنے لغت میں "حکایت از جوانی و حدیث عشق با زنان" ہیں - اور حقیقت یہ ہے کہ خاں صاحب کی زندگی اور اُن کی شاعری دونوں اس تعریف کی صحیح مصداق ہیں- اُن کی زندگی سراپا عشق تھی اور اُن کا کلام یکسر تغزل - عرب کے شاعر کی طرح وہ موہوم وصل اور مصنوعی ہجر کے تخیل سے نا آشنا تھے بلکہ جو کہتے تھے دل کے جوش اور طبیعت کی اُمنگ سے کہتے تھے —

اُن کی رندی و سرمستی اخلاقی نقطۂ نظر سے کتنی ہی بدنما سہی مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسی صفت نے اُن کے کلام میں وہ سوز وگداز پیدا کردیا جس سے اُن کے ہم عصروں کی شاعری عاری ہے - یہ رنگ اس قدر گہرا ہے کہ غزل و مثنوی تو در کنار قصیدوں میں بھی ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے ' اُن کی معاملہ بندی یا وقوعہ گوئی کو دیکھ کر ہر ہر قدم پر جرأت کا دھوکا ہوتا ہے - ذیل کی مثالوں سے اس کا کسی قدر اندازہ ہوگا —

مضامین تغزل و واردات عشق : —

وصل

شب وصل آپ کا عذر نزاکت بجا ہے، پر نہ مجھ سے نیمجاں سے
وصل* کی شب شام سے میں سو گیا ؟ جاگنا ہجراں کا بلا ہوگیا
نہ جانے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھہ گئی بہار ' وضع ترے مسکرا کے آنیکی
یا رب وصال یار میں کیونکر ہو زندگی نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کیسا تھہ
وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جانفشاں کیلئے
کشاد دل پہ باندھی ہے کمر آج نہیں خیر آپ کے بند قبا کی

---

* اس مضمون سے ملتا ہوا مرزا غالب کا شعر ہے اور انصاف یہ ہے کہ کہیں بہتر ہے - خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے :—
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہجر

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ — لو منہ اُسی پردہ نشیں کا کیا
جانا حرام ہجر بتاں میں تو کیا گناہ — پیر مغاں شراب ہے شیشہ میں سم نہیں
خار بستر پہ شب ہجر بچھاوں کیوں کر — دل میں تو ہے وہ گُل اندام اگر بر میں نہیں
تو کہاں جائے گی کچھہ اپنا ٹھکانا کر لے — ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے
شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے — زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

رشک

یہ مومن کا مخصوص مضمون ہے جس کے وہ بلا شرکت غیرے مالک ہیں —

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
دیکھہ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب — تھا ساز گار طالع ناساز دیکھنا

شاعر نے اپنی بد نصیبی کی داستان منجم کو سنائی ، مگر سوے اتفاق کہ وہ خود رقیب بن بیٹھا ، اور اُس (شاعر) کے ستارے کی گردش دیکھہ کر اُس کو اپنی کامیابی کے خواب نظر آنے لگے —

رشک فغاں کی ہائے رقیب آفریلیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یعنی محشر نے میری فغاں کے رشک میں صور پھونکا مگر افسوس خرابی یہ ہوئی کہ نفخ صور کے ساتھہ ہی بے شمار رقیب بھی پیدا ہوگئے —

وہ علی الرغم عدو مجھہ پر کرم کرتے ہیں
ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں

اُستاد ذوق کا شعر بھی سننے کے قابل ہے —

سمجھے ہے واجب الرعایت دوست — دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے

وہم فغان غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دلدار کی طرف

غیروں* سے شکر لب سخن تلخ بھی تیرا ہرچند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے
رشک پیغام ہے عنواں کش دل نامہ بر راہ بر نہ ہو جاے

رندی

کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے افسوس سے آلودہ لب جام نہ ہوگا
خاک میں حیف یہ شراب ملے محتسب! بادہ خوار ہونا تھا
حوض میخانہ پٹنے سے بھی مرا جی نہ بھرا کیا تنگ ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں پتہ ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں
وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں بہ تنگ آکے حریفان بادہ خوار مجھے

خم کدہ کشی کی ترکیب اُن کی ایجاد خاص ہے۔ حریف اِس لئے زہر دیتے ہیں کہ میں (شاعر) اُن کے لئے شراب کا قطرہ باقی نہیں چھوڑتا —

جنون اور اس کے لوازم

لیچلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا
ہم چارہ گر کو یونہی پنہائیں گے بیڑیاں دم میں ہمارے گر وہ پری زاد آگیا
دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں نہ پایا محرم اپنے رازداں کو
دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا الجھا ہے ان سے شوخ کے بندقبا کے ساتھ
صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں چارہ فرما بھی کبھی قیدئی زنداں ہوں گے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

---

* مرزا فرماتے ہیں

ہے ہم کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
ہرچند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

مگر خاں صاحب کا انداز بیان زیادہ نادر ہے —

جلوں میں بھلا کوئی کیا خاک اُڑاے — کہ اک جوش ھی میں زمیں ھوچکی
یہ ناتواں ھوں کہ ھوں اور نظر نہیں آتا — مرا بھی حال ھوا تیری ھی کمر کا سا
صبر و حشت اثر نہو جاے — کہیں صحرا بھی گھر نہو جاے
میرے* تغئیر رنگ کو مت دیکھہ — تجھے اپنی نظر نہو جاے

زار نالی

اُس کوچے کی ھوا تھی کہ میری ھی آہ تھی — کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
بجھوہ گئی اک آہ میں شمع حیات — مجکو دم سرد نے ٹھنڈا کیا
نالہ اک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں — چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
کوئی تیر اُس کا دل میں رھگیا تھا کیا کہ آنکھوں سے — ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا
چھوڑا نہ کچھہ بھی سینے میں طغیان اشک نے — اپنی ھی فوج ھوگئی لشکر غنیم کا
بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر — جو حادثہ کبھی نہ ھوا تھا سو اب ھوا
آتش آہ بے اثر سے مری — آسماں گلشن خلیل ھوا

شاعر نے آتش (آہ) کے بے اثر ھونے کے لحاظ سے آسمان کو گلشن خلیل سے تشبیہ دی ھے اور یہ تشبیہ درحقیقت اپنی ندرت میں لاجواب ھے —

اے پردہ نشیں چلون اٹھادے کہ نہ جلجاے
کرتا ھوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت

چھوٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ھے

---

* میر تقی کا مشہور شعر ھے —:
مہرے تغئیر رنگ پر مت جا — اتفاقات ھیں زمانے کے
مگر مومن کے یہاں ترقی معلوم ھوتی ھے ؛ پھر بھی الفضل للمتقدم-

+ اسی مضمون کو مرزا نے یوں ادا کیا ھے :-
قید حیات وبند غم اصل میں دونوں ایک ھیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاے کیوں

[باقی بر صفحہ آیندہ]

تو بی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

یہ اوپر کی مثالیں چند مخصوص عنوانوں سے متعلق ہیں جو کسی طرح جامع نہیں کہے جاسکتے - اور سہولت کی غرض سے یہ مثالیں صرف غزلیات ہی سے انتخاب کی گئی ہیں (اور فی الحقیقت غزل کو مومن کی معراج الکمال سمجھنا بھی چاہئے) تاہم قارئین کرام کو بآسانی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک ایک شعر جوش قلب اور صدق جذبات کا آئینہ ہے —

قصائد کی تشبیب میں شعرائے سلف بالعموم بہاریہ مضامین یا مناظرے وغیرہ سے ابتدا کیا کرتے تھے - خاں صاحب نے تشبیب کو اس کے حقیقی معنے میں منحصر کردیا - گویا ان کی تشبیب میں سر تا پا تغزل کی شان نظر آتی ہے - مثال کے لئے قصیدہ سوم، چہارم، پنجم، ہفتم ملاحظہ ہوں- امثلۂ بالا اس امر کی شاہد عدل ہیں کہ مومن کا کلام ایک طرف تغزل اور لطیف تغزل میں رئیس المتغزلین نظیری کی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف معاملہ بندی و وقوعہ گوئی میں میلی و وحشی کا نقش ثانی نظر آتا ہے —

مومن کے بعض بعض مسلسل غزلوں پر واسوخت کا گمان ہوتا ہے مثلاً وہ غزل جس کا آغاز یہ ہے - اب اور سے لو لگائیں گے ہم - یا - تو یہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے —

نازک خیالی اور بلند پروازی - متاخرین فارسی کی شاعری کا یہ خاص مابہ الامتیاز جوہر ہے کہ وہ کمزور سی بنیاد پر تخیل کی بلند عمارت قائم کردیتے ہیں - ان کے کلام میں عموماً اغلاق اور دقت پائی جاتی ہے جس کی وجہ یا تو یہ ہے

[بقیہ صفحۂ گزشتہ]
مگر جنبہ داری کا الزام نہ لگایا جاے تو کہا جا سکتا ہے کہ خاں صاحب کا اسلوب زیادہ لطیف ہے —

کہ مبالغہ اس قدر پر از غلو اور بعید ہوتا ہے کہ عام ذہن کی رسائی اوس تک محال ہوتی ہے ؛ یا یہ کہ تمام شعر کی بنا ایہام یا رعایت لفظی پر رکھی جاتی ہے؛ یا استعارہ در استعارہ کی بدولت اصل خیال حقیقت سے دور جا پڑتا ہے یا بڑے خیال کو مختصر عبارت میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شعرائے متاخرین کے مقلدین کا کلام فارسی و اُردو بھی اسی صفت سے متصف نظر آتا ہے ۔ غالب اور مومن کی نازک خیالی دیکھکر اِن یا کمالوں کے انتقال ذہن کی داد دینی پڑتی ہے ' مگر حق یہ ہے کہ گو تخئیل کے بغیر شاعری ناقص ہے پھر بھی بے اعتدالی کی حدتک پہنچ کر تخئیل بے مزہ ہوجاتی ہے —

بہرحال اشعار ذیل پڑھئے اور حکیم‌صاحب‌کی بلندئی خیال کا اعتراف‌کیجئے۔ مثلاً وہ ایک شعر میں شام وعدہ اپنے تھک‌کر سورہنے کوکس خوبی‌سے ''شکوۂستم اضطراب'' قرار دیتے ہیں —

؎ پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سورہے آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

یا معشوق کے نہ دیکھنے کو کس شوخی سے ''نگہۂ التفات'' ثابت کرتے ہیں —

؎ پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اوس کا نہ دیکھنا نگہۂ التفات ہے

شاعر خوت رسوائی سے معشوق کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور اس کے دیکھنے سے شرم کرتا ہے ' لیکن یہی شرم موجب رسوائی ہوئی اور دیکھنے والے اس بےگانہوشی کودیکھہکر تاڑ گئے کہ دل میں چور ہے ورنہ غیر ممکن ہےکہ ایسے پری‌وش کو کوئی نہ دیکھے —

؎ اُن سے پری وش کو نہ دیکھےکوئی مجکو مری شرم نے رسوا کیا

اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دوسرے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے —

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑاچاہئے

اختر شناش (منجم) عوام کے عقیدے میں آنے والے واقعات سے با خبر ہوتا ہے ' اگروہ اتفاق سے بد نصیب ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قبل از وقت اپنے آئندہ

مصائب سے مطلع ہو جائیگا اور بجائے اس کے کہ نوشتۂ تقدیر کو مٹا سکے اُس کا ہر ایک لمحہ کرب و الم میں گذرے گا - حکیم مومن خاں جو در اصل اختر شناس تھے اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں—

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

شاعر نے محبوب سے بے رخی کا شکوہ کیا جس پر اُس نے یہ عذر کیا کہ میں تمہارے جذب دل کا امتحان کرتا تھا کہ اگر واقعی طلب صادق اور جذب کامل ہے تو مجھے خود کھینچ بلائے گا—

؟ یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مومن نے غم مآل کے خیال سے عشق صنم ترک کیا، مگر دیکھا تو ترک صنم بھی سوز جحیم سے کم نہیں؛ گویا جس انتہا کے خوف سے عاشق چھوڑتی تھی ابتدا ہی میں وہ دکھ پیش آیا—

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

شرع مطہر میں ایک طرف تو دوزخ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "وقودھا الناس والحجارۃ" (اُس کا ایندھن انسان اور بت ہوں گے)، دوسری طرف کافروں سے دوزخ میں عذاب الیم کا وعدہ کیا گیا ہے - شاعر اپنے زعم میں یہ سمجھتا ہے کہ اگر دوزخ میں کافروں کے ساتھ بتوں کو بھی رکھا گیا تو عذاب الیم بھی راحت جاوداں بن جائے گا - اس لئے دریافت کرتا ہے

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں؟
ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بیقراریٔ کامیاب کو جس کی تاثیر سے معشوق بے چین ہو جائے دنیا سراہتی ہے،

مگر مومن اپنی بیقراریٔ نا کام کے ممنون ہیں کہ معشوق جیسے شوخ طبع کو اُس نے سنبھال لیا—

تاثیر بیقراریٔ نا کام، آفریں!
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھا سدا

ناصح کی دوستی کو عشق کے مذہب میں ہمیشہ عداوت مانا گیا ہے لیکن مومن کا شاعرانہ استدلال قابل داد ہے۔ لکھتے ہیں—

جیب درست لایق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

یعنی جب میرا گریباں ثابت ہوگا تو کون مجھ پر رحم کرے گا—

رقیب عمر دراز کی دعا مانگتے ہیں، مگر شاعر کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ زمانۂ ہجر ہی دراز ہوتا ہے کیونکہ مہلت وصل کا مختصر ہونا امر بدیہی ہے—

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمان ہجر کے امیدوار ہیں

گھر کا صحرا ہونا تو معمولی بات ہے، مگر خاں صاحب کس خوبی سے صحرا کے گھر ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں—

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے صحرا پر قناعت کرلی ہے مگر خوف یہ ہے کہ کہیں وہ بھی گھر کی طرح کاٹنے کو نہ دوڑے—

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

رشک فغاں کی ہاے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یہی حال قصائد کا ہے - دیکھئے ایک بڑے خیال کو کن مختصر الفاظ میں ادا کرتے ہیں—

مدد غیب پہ کی لشکر مغلوب سے صلح
کہ مسلمان نہوں معتقد طالع شوم

مراد یہ ہے کہ ممدوح (سیدنا امام حسن رض) کے مخالفوں کے طالع میں نحوست ہے، اگر آپ اُن سے لڑتے تو وہ ضرور ہارتے؛ اس طرح سے مسلمانوں کو اُن کی نحوست کا یقین اور واثق ہو جاتا، مگر چونکہ نحوست اور سعادت کا اعتقاد شرعاً ممنوع ہے اس لئے حضور نے عامہ مسلمین کو اس بد اعتقادی سے بچانے کے لئے لشکر مغلوب سے صلح کرلی—

دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا خاطر حاسد کا غبار

ممدوح کے دل روشن نے حاسد کو حیرت زدہ کردیا، گویا اس حیرت کی وجہ سے (نہ کہ صفا سے) اُس کا دل آئینہ ہو گیا اور اُس کے غبار خاطر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی کہ وہ اس آئینے کے صیقل کا کام دے سکے؛ یعنے دل حاسد کی حیرت کو اور ترقی دے - فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضاً—

اُن کے کلیات کا بامعان نظر مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اُن کے قصائد اور غزلیات سر تا پا نازک خیالی اور بلند پروازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں - ان کی مضمون آفرینی کہیں کہیں خاص لطف دے جاتی ہے، جس سے ہر صاحب ذوق سلیم مومن کے علو خیال کے اعترات پر مجبور ہو جاتا ہے؛ مگر بعض مواقع پر خیال کی رفتار اس قدر دور از کار اور مضمون اتنا مستبعد ہوتا ہے کہ اُس کے حل کرنے کے لئے ایک مسئلۂ ریاضی سے کم محنت نہیں پڑتی - روش عام سے علیحدگی ہر ہر قدم پر

اس درجہ نمایاں ہے کہ کلام کا اغلاق طبیعت کو اُلجھن میں ڈال دیتا ہے اور نشاط روح ہونے کے بجائے شعر دماغ پر بار ہو جاتا ہے —

۳ - ندرت اسلوب بیان ور شوخیء ادا —

یہ خصوصیت حکیم صاحب کی شاعری میں نہایت امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور لاریب کہ اس میں اُن کا نظیر معال نہیں تو قریب معال ضرور ہے- وہ سیدھی سی بات کو ایسے انوکھے پیرایے میں بیان کرتے ہیں کہ سامع حیران رہ جاتا ہے —

مثلاً مقصود یہ ہے کہ محبوب کی گالی بری نہیں معلوم ہوتی - اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں —

۲ دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

اور سنئے —

۲ محفل میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیء عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس کو طفل تسلی کہئے یا طنزیہ شوخی' بہر حال خوب ہے —

معشوق قتل عام کرتا ہے؛ شاعر کو اُس کی عاشق کُشی پر کوئی اعتراض نہیں' صرف یہ شکایت ہے کہ اگر ایک کے سامنے دوسرے کو قتل کیا جاتا تو سفاکی کا منشا زیادہ خوبصورتی کے ساتھہ پورا ہوتا —

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

سبحان اللہ ! شعر نہیں جادو ہے —

حرم کی یہ شان ہے کہ اس کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کشادہ ہے : نیز یہ کہ وہاں کشت و خون منع ہے - خاں صاحب اُس سے یوں مضمون پیدا کرتے ہیں —

۲ دربان کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

ذیل کے اشعار سے قارئین کرام یہ اندازہ کر لیں گے کہ مومن کا اسلوب بیان کس قدر نادر تھا - ہم ان اشعار کو بلا تشریح نقل کر دینے پر اکتفا کریں گے —

۱ درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیٔ بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھہ زنداں ہے کوئی دن یہ بیاباں ہوگا

۲ ہنسیں نہ غیر مجھے بزم سے اُٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

۳ اُلجھا ہے پاوں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۴ تم * مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

آغشتہ بخون دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
اُلٹا کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

جذب دل اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا

---

* یہ شعر در حقیقت مومن کے شاہ کاروں میں شمار ہونے کے قابل ہے - اورمشہور ہے کہ مرزا غالب اس کو بار بار پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے ' اور اپنے دیوان سے بدلنے کو جی تو ——

بتخانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن خضر راہ برھمن ھے ھمارا

جلوہ دکھلاے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعوی کیا تحمل کا

بیزار جان سے جو نہ ھوتے تو مانگتے
شاھد ' شکایتوں پہ تری ' مدعی سے ھم

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ھیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں اُن کا مدعا ھوں

ڈرتا ھوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ھے لب تلک
کہتے ھیں اپنے نالے کو ھم نا رسا عبث *

رھتے ھیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ھے جہان خراب میں

جی اُٹھے اور وھی رنج محبت کا عذاب
ھم نہ مانیں‌گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

---

* اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دو موقعوں پر باندھا ھے —

دل میں آ جاے ھے ھوتی ھے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ھیں

ایضاً

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ھے جو ایسا ھی رسا ھوتا ھے

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزہ حرف مکرر میں نہیں
چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے
کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہو جائے
رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے
ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے
لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیان کے لئے
کبھی ' انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اوس کو میں رہا کی
مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی * لاوں کہاں سے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
کریں ہم کیا نکل کر آشیاں سے

---

* زندگی کی تمنا کس انوکھے انداز سے کی ہے - یہ سکر شاعرانہ ہر آئینہ قابل ستایش ہے —

مانگا کریں گے اب سے * دعا ہجریار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھہ

علی ہذا قصائد کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ شاہراہ عام سے کس قدر الگ چلتے ہیں —

یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ
ہوا وفور سخاوت سے مانع سائل
ہر بار کیوں نہو تری تلوار تیز تر
اعدا کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ
جوہر ترے مخالف مجروح میں نہیں
کوئی مگر یہی کہ وہ ہے قدردان تیغ
سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رہے کوچہ میں نہ دھوم

ایسی وحشت سرا میں آے کون بے دری کر رہی ہے در بانی

اِسی طرح مثنوی میں فرماتے ہیں - (ہجو)

گر نہ تھا غنچہ دہن گلرنگ تھا گو زبان سے ہو ' و لیکن تنگ تھا

حمد میں کہتے ہیں —

وہ حافظ کہ آتش سے خس کو بچاے غم عشق سے بوالہوس کو بچاے

اِسی سلسلے میں شوخئی ادا کی تمثیل کے لئے ذیل کے اشعار پر اکتفا کی جاتی

---

* مرزا فرماتے ہیں :—

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

مگر واقعہ یہ ہے کہ مومن کا طرز بیان زیادہ شاعرانہ ہے اس طرح کے ہم مضمون اشعار محض تفنن طبع کے لئے دیدئے ہیں ' حاشا اس سے مرزا کی تنقیص مقصود نہیں نہ اس قسم کا موازنہ شعرا کے مجموعی طرز پر کوئی معتدبہ اثر ڈال سکتا ہے -

ھے ؛ مذاق سلیم کلیات مومن سے اس قسم کی بیشمار مثالیں اخذ کر سکتا ھے —

نجاؤں گا کہوں جنت کو میں نجاؤں گا
اگر نہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

ھم چارہ گر کو یونہیں پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا

کس دن تھی اس کے دل میں محبت جو اب نہیں
سچ ھے کہ تو عدو سے خفا بےسبب ھوا

خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ھے وہ شوخ
مجکو یہ غم ھے کہ میں کیوں ترا قاتل نہوا

اِسی ضمن میں حضرت ناظم کا شعر پڑھو اور مومن کی شوخی سے موازنہ کرو - ناظم (نواب یوسف علی خاں) فرماتے ھیں —

کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ھیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ھیں کہ مرے در پہ ھے غوغا کیسا

انصاف سے کہو مومن کے شعر میں کس قدر ترقی ھے —

اِسی طرح معشوق کے عاشق ھونے کا مضمون اکثر اساتذہ نے باندھا ھے - مرزا لکھتے ھیں :—

عاشق ھوے ھیں آپ بھی اک اور شخص پر بارے ستم کی کچھہ تو مکافات چاھئے

لیکن خاں صاحب کا انداز بیان سب سے نرالا ھے ؛ اُن کا شعر ھے —

عاشق ھوے ھیں آپ کہیں، گو اُسی پہ ھوں
شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا

عاشقی کا اثر دکھانا مقصود ھے یعنے بےخودی اور دوسروں سے بے اعتنائی، اسی کا نتیجہ تھا کہ " شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا " - مگر یہ ٹکڑا " گو اسی پہ ھوں " شوخی ھے اور بے پناہ شوخی —

دونوں با کمال اُستادوں کے کلام کو نکتہ سنج انصاف کی ترازو میں تولیں اور دیکھیں کہ کس کی شوخی کا پلہ بھاری ہے - الحق کہ یہ محاسن وجدانی ہیں نہ کہ استدلالی - ہر شخص کا ذوق صحیح بجاے خود فیصلہ کر سکتا ہے - اور دو تین مثالیں ملاحظہ کیجئے :—

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

کرذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجاے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سودا گری زیاں کے لئے

علی ہذاالقیاس شوخی کی تمثیل میں مثنوی دوم کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جہاں محبوب کے حسن کا حضرت یوسف(ع) کے حسن سے موازنہ کیا ہے ' یہاں بخوف طوالت ترک کئے جاتے ہیں —

ندرت اسلوب کے تحت میں ایک نہایت اہم نکتہ قابل گزارش ہے' یعنی مومن کے کلام میں ایک مخصوص وصف ہے جس میں کوئی استاد ان سے بہتر تو در کنار ان کے برابر بھی نہوسکا - وہ یہ کہ مومن اپنے مطالب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب اس میں اپنا فائدہ تصور کرتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ دشمن کی طرف نہ دیکھو' مگر ان غریب کی سنے کون' تو یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں—

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

دیکھو ذیل کے شعر میں رقیب کے خط کی تعظیم سے کس طرح روکتے ہیں —

سرمگیں آنکھوں سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

مسلمہ اصول ہے کہ عادت کے خلاف ہر بات تکلیف دیتی ہے - غور کرو اس سے کیونکر فائدہ اُٹھایا ہے - فرماتے ہیں —

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

اسی رنگت کے اور چند شعر ملاحظہ ہوں—

مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جاے سر افراز دیکھنا

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم

لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں

خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیونکر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں

پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

یہ مکر شاعرانہ مومن کا طرز خاص ہے اور اُردو شاعری میں اوروں کے یہاں بہت کمیاب ہے - اصل یہ ہے کہ وہی اس رنگ کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی—

(۴) لطافت تشبیہات و استعارات —

اکثر مقامات پر تشبیہ و استعارہ کی خوبی نے کلام کے حسن کو دوبالا کردیا ہے اور اثر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے جیسے —

کیا کیا شکن دئے ہیں دل زار کو مگر اُس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

قاعدہ ہے کہ کتاب میں جو منتخب ورق ہوتا ہے اُس کو موڑ دیتے ہیں—

ہم رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
طوفان باد ہے مجھے جھونکا نسیم کا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیان اشک نے
اپنی ہی فوج ہوگئی لشکر غنیم کا
محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا
آتش آہ بے اثر سے مری
آسماں گلشن خلیل ہوا
سوز دل سے گئی جان بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسم گرما میں سفر آخر شب
سو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخر شب
ہر دم رہین کشمکش دست یار ہیں
چلمن کے تار کس کے گریباں کے تار ہیں
دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

کبھی انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اُس کو میں رہا کی
بے سبب قتل سے آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے مری خاک مزار
ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ
دشمنوں کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوپارہ حلقوم
خط بیاض صبح وہ شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو آئینۂ سکندری
طرۂ یا روز سیاۂ بوالہوس
جمعہ رشک دود آہ بوالہوس

کہیں کہیں مرکب اور مسلسل تشبیہات خاص لطف دیتی ہیں؛ دیکھو مثنوی پنجم (اشعار ہجو)- بعض موقعوں پر صائب کی سی مرکب تشبیہات اور اخلاقی تمثیلات بھی لکھی ہیں مگر چونکہ وہ اُن کی رنگ کی نہیں اس لئے بے مزہ ہیں- جیسے—

بے صبر کو کہاں تپ داغ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجر بارور سے فیض
بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض
ہے چرخ سے اُمید کشایش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض
تصویر سے ترے مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض

(۵) شکوہ و زور-

مومن کی شاعری (اور خصوصاً قصائد) میں زور و شکوہ اس درجہ پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُن کے کلام کا زور اور موقع بہ موقع تعلی کا جوش دیکھ کر معاً عرفی کا دھوکا ہوتا ہے۔ اسی کے دوش بہ دوش شکایت زمانہ کی تلخ نوائی اس قدر پر اثر ہے کہ پڑھنے والے کا دل ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس مبحث کی مزید تفصیل کئے بغیر ہم اپنے دعوے پر ذیل کے اشعار بطور شاہد پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں—

مومن تجھے تو وہب ہے مومن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا
کتنی ہے میری تیغ زباں سے زبان تیغ
کیونکر سخن فروش ہوں سوداگران تیغ
میرے نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ہے کہ دم نہ رہے درمیان تیغ
فردوسی ایک خار جنان بیان تھا
گلریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ
میدان کشت و خوں میں مرا دست نے سوار
جائے عناں کشیدہ تو ہو ہم عنان تیغ
ہرگز نہ کر سکے مرے خامہ سے سرکشی
پیدا سر نگوں سے ہے عجز عیان تیغ

مت پوچھہ مجھہ سے خون عنادل کا ماجرا
ہر گل زمین شعر یہ ہے آسمان تیغ
کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھہ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمان تیغ

چند شعر اور ملاحظہ ہوں—

کیا ہوئی وہ بلندیٔ دیوار — کیا ہوے وہ عماد طولانی
جاے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ — کاہ کرتی ہے ناز ریحانی
نظر آتی نہیں وہ تصویریں — نقش دیوار کیوں نہ ہو مانی
صرف دلق گدا ہوے پردے — زینت افزاے کاخ سلطانی
آپ کا شافہ فرش خاک ہوا — کیسے غالیچہاے کاشانی

....

وہ خردمند ہوں کہے ہے مجھے — عقل اول حکـــــیم لاثانی
میں روش دان حکم برجیسی — میں ادا فہم سیر کیوانی
ہوں وہ نباض جس کے ناخن میں — حرکات عروق شریانی
آئنہ ہے صفا سے دل میرا — کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
میرے خامہ کے جوش گریہ سے — روے دیتا ہے ابر نیسانی
سامنے میری تر زبانی کے — نطق الکن حدیث سحبانی
میرے ربط کلام کو پہونچے — نثر سعدی نہ نظم سلمانی
میرے زاغ قلم کی نیم صریر — صد صفیر ہزار دستانی
میرے گوہر تمام ناسفتہ — میرے یاقوت سب بدخشانی
میرے نسبت سے خاک ہند کو ہے — رونق سرمۂ صفاہانی

(۶) تراکیب جدیدہ—

کلام میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں اور دلکش تراشیں ہیں جو کہیں کہیں

بقول آزاد اُردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں، تا ہم مجموعی طور پر نہایت دل پسند اور مفید ہیں بلکہ انصاف یہ ہے کہ غالب کی ترکیبوں سے شوخ تر ہیں - مومن کی مجتہدانہ اختراعوں میں ذیل کی بندشیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اشعار بہ خوف طوالت نقل نہیں کئے گئے—

خموشی اثر (جس کا اثر خاموشی ہو) - اجل چارہ (جس کا علاج موت ہو) آشوب گاہ حشر غم - جراحت زار - امام اقتداسنت - آمین سرا - زبان اجابت نشاں - دم خون‌فابہ ریز - حادثہ ریز - زخم ریز - تیر بار - رنہ خمکدہ کش - جراحت منکر - ابر تنہ بار ظفر - گرم پائی برق تپاں - زبان بیہدہ سائل - گلریز تکلم - بے پروا خرامی - زود کشتن - غم ہلاک شدن - حسرت فرماں روا - نوی بخش - تتق بند بہ دور آور - بہ الم خو کردہ - بخت بخواب آسودہ - عقوبت ربا - قدم فرسا - خواب تمنایاب - عشق جبلت - زبون اضطراب - مصیبت بہرہ - قبول شوق دشواری پسند - پایہ بالا تربرافروز سخن-کج خرام شاہراہ عاشقی-دورگرد بار گاہ عاشقی-رقیب آفرینیاں (رقیب آفرینی کی جمع بہ قاعدۂ اُردو) - میکدہ آشام - آہوے نیمخواب - جان نہفتہ راز - نالۂ رخنہ ساز - اثر اہتمام - چشم ستارہ بار - شوق ہرزہ کار وغیرہ وغیرہ—

(۷) کلام میں کہیں کہیں ترصیع و تقابل کی بدولت قا آنی کی شان نظر آتی ہے ' قاآنی ان کے ہم عصر تھے - معلوم ہوتا ہے کہ قاآنی کا آوازۂ کمال سن کر مومن نے بھی غالب کی طرح اُن کا تتبع کرنا چاہا مگر زمانے نے موقع نہ دیا - نمونہ حسب ذیل ہے—

ترے ہی فیض سے ہر قطرہ آبیار عجوس
ترے ہی نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس
یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل
یہی امامت برحق کو اس کو بس ہے سجل

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجکو اطمانے سودے کا خلل جانا
یہ چشم سیاہ تو نہ ہوگی
یہ شوخ نگاہ تو نہ ہوگی
بے داد ستم گراں بد کیش
فریاد الم کشاں دلریش

(۸) قصیدوں میں اور غزلوں کے مقطعوں میں اپنے تخلص سے خاص فائدہ اُٹھایا ہے؛ یوں تو مثالیں بکثرت ہیں مگر نمونے کے طور پر اشعار ذیل نذر ناظرین کئے جاتے ہیں —

جان مومن پہ گونہ گونہ ستم
کافر اتنی بھی نا مسلمانی

بتخانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بتخانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم

وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

سن اے مومن یہ ایمان ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو
کیا مسلماں ہوے کہ اے مومن
حاصل اُس بت سے شرمساری کی
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

اوپر کے سطور سے مومن کے اُن خصائص شاعری کا اندازہ ہو گیا ہوگا جو اُن کی تمام اصناف شعر میں کم و بیش پائی جاتی ہیں - اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف سخن کو ترتیب وار لیا جاے اور اس کی خصوصیات پر بحث کی جاے —

مختلف اصناف شعر اور ان کی خصوصیات

الف - قصائد —

مومن سے پہلے جس قدر شعرا گذرے ہیں قصیدے میں (بہ استثناے سودا) مومن کا کوئی ہمسر نہیں - اگرچہ پختگی اور روانی میں قصائد ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے تاہم زور وندرت میں مومن کا جواب نہیں ہو سکتا - یہ گو اصلاً وجدانی امور ہیں جن کا فیصلہ ہر شخص بذات خود کرسکتا ہے ' تاہم ایک حد تک گذشتہ مثالوں سے ہمارا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا —

اُن کی تشبیب عموماً نادر اور انوکھی ہوتی ہے - نمونے کے طور پر سیدناعمر فاروق کے قصیدۂ منقبت کی تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں - تشبیب کیا ہے گویا غزل ہے —

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
تم اور حسرت ناز آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نرہا امتحان کے قابل

.....

فغاں کہ دلبر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بیکار و سعی بے حاصل
وہ بےنیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آے ہے پس محمل

.....

گریز میں فرماتے ہیں :—

وہ فتنہ گر بت حق ناشناس فا انصاف
جو فرض عین گنے کین داور عادل
امام اہل یقیں شہر یار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقتل
بلند پایہ عمر جس کی قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں شاہ آسماں منزل

اس کے ساتھہ ہی ہر قصیدے میں تعلی اور شکایت زمانہ کہ سنت الشعرا ہے ' اس شکوہ اور زور کے ساتھہ پائی جاتی ہے کہ عرفی کی صدا ے باز گشت معلوم ہوتی ہے (امثلۂ سابق ملاحظہ ہوں)۔ تخلص یا گریزالبتہ نسبتاً کمزور ہوتاہے ' جیسا کہ حضرت عمر (رض) کی منقبت میں گذرا —

یا جیسے

اے صنم چاہئے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تونے سنا قصہ شاہ ابرار

[منقبت سیدنا عثمان رض]

یا

سبزہ رنگی نے تری قتل اکیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم

[منقبت سیدنا امام حسین رض]

گریز میں اکثر یہ کہی ہے کہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ بات میں بات پیدا

ہوگئی ہے' بلکہ بعض جگہ صاف تکلف و تصنع ٹپکتا ہے - اس میں اگرچہ یک گونہ تنقیص کا پہلو نکلتا ہے مگر ناقد کا فرض ہے کہ بے کم و بیش تمام حسن و قبح ظاہر کردے —

انصاف شیوہ ایست کہ بالاے طاعتست

کلام میں عقیدت مذہبیت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے - نعت شریف اور منقبت خلفاے راشدین کے قصیدے اوس و الہانہ اور بےخودانہ محبت اور عقیدتمندی سے لبریز ہیں جو ان کے مذہبی تقشف و تشدد کو دیکھتے ہوے تعجب انگیز ہے - البتہ کہیں کہیں مذہبی تعریض بھی کر جاتے ہیں جو ایک پبلک شاعر کے ہرگز شایان شان نہیں - مثلاً :—

وہ شوخ بے سبب آزار و بیگنہ خونریز — کہ جرم قاتل عثمان کا نہو قائل
وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دیں کہیے تا — دم شکایت عاشق نہو جفا سے خجل
وہ دور بین کہ خدا پر کرے بدا ثابت — نہیں ہے غیر ز بس اعتماد کے قابل
وہ فتنہ گر بت حق نا شناس نا انصاف — جو فرض عین گنے کین داور عادل

قصائد میں علمی مضامین بکثرت لاتے ہیں اور چونکہ خود نجوم و رمل وطب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اس لئے مخصوص مصطلحات سے کلام کا اغلاق بڑھا دیتے ہیں- ملاحظہ ہو: —

ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون وعلوم — خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر — کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس
طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل — نظارۂ رخ گلفام سے مجھے محسوس
جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح — کرے دعاے رواج طریق جالینوس
درم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم — کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
کروں جو گردش افلاک کی میں رصد بینی — فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس
گواہ عصمت مریم ہو کثرت اولاد — عقیمہ مجھسے سنے گر بیان شکل عروس

طلسم ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن — بلائے مہر دھن چرخ نقطۂ جاسوس
یقین کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو — پڑھوں جو میں پےدوری دعائے بدر بطوس
مرے کلام ثریا نظام کا سنکر — وہ تیرہ روز جوبوجیس کوکہے منحوس

یا

وہ نیر اسماں تقدیس — جانسوز مناظر و سرایا

..... — .....

نے عقل بسیط اوسکا پرتو — نے نور مجرد اسکا سایا

یا

جوشمس شمسۂ قصراوسکاہو توھند سےدان — کریں نہ مدخل ظل سےتمیز مخرج ظل
جو دیوے تلخی خصم لئیم سے تشبیہ — کوی بلید تو سقموفیا نہو مسہل
رہے نہ بیم خسوت اور نہ احتمال ھبوط — جو اوسکی راے سے ہومستفی مہ کامل
رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ہوا — کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہوگیا فاعل
دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم — نگاہ لطف و غضب سے مثاث عامل
و داد و خشم ترا صو فیوں نے دیکھا ھے — جبھی تجدد امثال کے ہوے قائل

یا

تو سن چرخ سے تشبیہ فرس کاترے ننگ — کلب جبارسے نسبت سگ در کوترےعار

یا

فکر الزام حکیم و متکلم ہو اوسے — تو مجسم نظر آجائیں نقاط موہوم

غرض کہاں‌تک لکھا جاے ' کم و بیش ہر قصیدے میں علمی اصطلاحات کا یہی عالم ھے ' کہیں کہیں تلمیحات اور آیات و احادیث کی طرف بھی اشارات کرجاتے ھیں اور عربی جملوں کو تواس خوبی سے تضمین کرتے ھیں کہ انگوٹھی پر نگینے کا گمان ہوتا ھے ۔ نظر بہ اختصار صرف چند مثالیں عرض کرونگا —

وہ نمرہ عملہ' بحالی — جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

..... — .....

جوخواب‌میں بھی‌کبھی دیکھتی جہاں‌اس کا — تودیتی‌دل کہیں‌یوسف کودخترطیموس

اگر کہے مدد ے یا محمد عربی صفیر مرگ ہو رستم کو نعرہ الکوس
ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں نہو قبول دعا سے بھی رفعت بسوس
ترے خیال سے اصحاب کہف کروٹ یہ چین وگر نہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس
اس کو ہو رستم زماں کا خطاب جو کرے قتل خرد سالہ پسر
ہیں گدا پر غرور شیرویہ بے گنہ جو کیا ہے خون پدر
جب اولوالفضل منکم اے حاسد اس کے حق میں کہے جہاں داور

....

یقین کہ راہ نہاں ہے پیروی اس کی وگرنہ سایہ سے کیوں بھاگتا ہے دیو مضل

ذیل کے عربی جملوں کی تضمین ان کی قادرالکلامی کی روشن دلیل ہے -

الحمد لو اھب ا لعطا یا (یا) اکشف بجمالک العظا یا

ختم اللہ کا مورد ہے زبس قلب سیاہ تیرے دشمن کو ہے خونناب بہ رفیق مختوم

کلام میں خیالات کی پیچیدگی کے ساتھ کہیں کہیں بندشوں کی سستی اور اور نا درستی ضرور تعقید پیدا کر دیتی ہے ' تاہم عام طور پر نئی ترکیبوں میں ان کا مجتہدانہ اختراع اردو کی توسیع کی طرف ایک مبارک قدم کہا جا سکتا ہے -

ب ' غزلیات - غزلوں میں مضامین نہایت بلند اور خیالات بہت نازک ہیں - عشق و رشک ' وصل وہجر کے مضمون مومن کا حصہ ہیں ؛ فلسفہ اور اخلاق اُن کے یہاں الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے - اصل یہ ہے کہ تصوف* و فلسفہ وغیرہ

---

* تصوف کی اسہات اصول میں سے ایک مسلۂ توحید وجودی یا وحدۃ الوجود ہے اور اسی کا تصوف ہے کہ تصوف کا لٹریچر یکسر درد و اثر بن گیا ہے - مرزا غالب نے (دوسرے اساتذہ کی طرح) تشبیع کی آن تیز دی اور اس "شجر ممنوع" کے قریب چلے گئے مگر مومن خاں نے اصحاب حدیث کی وضع قایم رکھی اور تصوف سے کنارہ کش رہے چنانچہ خود لکھتے ہیں —

مومن ہے اگرچہ سب اوسی کا یہ ظہور
توحید وجودی کا نہ کرنا مذکور

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حکیم صاحب کا رنگ نہیں اور وہ اُس کے مرد میدان ہر گز نہیں کہے جا سکتے؛ ڈھونڈھے سے کلیات میں شاید دو تین شعر اس طرز میں نکل آئیں وہ بھی با دل نا خواستہ قافیہ پیمائی کی خاطر کہے ہیں مگر بے لطف - مثلاً (اخلاق کے موضوع پر)

سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیاں شمع
بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض
بخت سیاہ اے منعمو آخر ملاے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سر زمین شام لو

ندرت اسلوب قدم قدم پر دل کو کھینچتی ہے اور اسی کے ساتھہ بعض موقعوں پر زبان کی چاشنی اور محاورات کی صفائی نہایت با مزہ اور دلکش معلوم ہوتی ہے - یہ امر واقعہ ہے کہ محاورات کی صفائی جہاں جہاں مومن نے برتی ہے شعر میں ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے - مثلاً —

اُس کوچہ کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جوں خفتگان خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۲)

یعلی کہ بناے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بناے کس کا مقدور

خاں صاحب فلسفے میں کافی دخل رکھتے تھے مگر مزاج کی رنگیلی نے اُس کے خشک مباحث سے ہمیشہ نفور رکھا—

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہو گا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہو گا
دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
اٹھی نہ لاش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھہ کر
بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم
کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوے اک جواب میں •
جانا حرام ہجر بتاں میں تو کیا گناہ
پیر مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں
چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

اسی سلسلے میں خاقانی ہند اُستاد ذوق (خدا اُن کی روح سے شرمندہ نہ کرے) کا مطلع پڑھو اور سلاست اور صفائی کا موازنہ کرو۔

• اس مضمون اور بحر میں ذوق کا مطلع لاجواب ہے۔
یاں لب پہ لاکھہ لاکھہ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
اور مومن سے بہتر ہے۔

(ذوق) تم مسی مل کر نہ غرفہ سے نکالا منہ کرو
اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو

مومن کے اور چند شعر سنئیے —

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھہ

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

جب اُس بت سے کہا مرتا ہے مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی *

میرے تغئیر رنگ کو مت دیکھہ
تجھہ کو اپنی نظر نہ ہو جاے

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لئے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لئے

اس زمین میں "کیسا نکل آیا' جھگڑا نکل آیا" یا "عدو بھرتے ہیں' سبو بھرتے ہیں"' غزلوں کی غزلیں زبان کے لحاظ سے لا جواب ہیں - تعجب یہ ہے کہ ایک طرف خاں صاحب بندشوں کی نا ھمواری کی بدولت نہایت بدنام ہیں دوسری طرف جہاں صفائی برتی ہے روانی کے دریا بہا دئے ہیں - سستیء بندش

---

* اُستاد ذوق کا مقطع بھی خاصا ہے -

ذوق کے مرنے کی سن کر پہلے وہ کچھہ رک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر اچھا ہوا

مگر مومن کا شعر زیادہ صاف ہے —

کے متعلق ہم آگے چل کر بحث کریں گے—

صنائع، بقول علامہ شبلی شاعری کے دامن پر بدنما داغ ہیں، مگر کیا کیا جائے مومن بھی اس سے نہ بچ سکے - حقیقت یہ ہے کہ صنائع کا استعمال (وہ بھی آورد و تکلف کے ساتھ) ایک زمانے میں سکۂ رائج کی طرح عام اور سرمایۂ آرایش کلام تھا، لیکن اب ارباب ذوق صحیح ان باتوں کو معیوب جانتے ہیں - اس بارے میں غور کرنے سے یہ قول فیصل معلوم ہوتا ہے کہ رعایت اگر بے ساختہ ہو تو معیوب نہیں بلکہ محمود ہے، رہا رعایت کی نوعیت کا فیصلہ یہ ذوق صحیح کے ذمہ ہے—

مومن کے کلام میں اگرچہ قدیم اساتذہ لکھنؤ کی طرح • مبتذل اور سوقیانہ رعایتیں نہیں تاہم مراعات النظیر بیشتر اور ایہام و طباق کمتر پایا جاتا ہے جیسے:

پالغز محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا
اس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

خواب میں کیا خوش ہو یوسف کو زلیخا دیکھکر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھکر

فرماتے ہیں وصال ہے انجام کار عشق
کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

نام وصال سنتے ہی ہوتا ہے مضطرب
کیوں کر کہوں اسے مرے مرنے کا غم نہیں

• تعجب ہے کہ مومن کے کلام میں خال خال شعر قدیم لکھنوی رنگ کے بھی نظر آجاتے ہیں - مثلاً :-

تاں کا لانا کفن ہمدم کہ میں تو مرگیا چلو نہ سے جلوہ خورشید (سیما) دیکھکر

یا

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یارب کس کے نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

اسی مضمون کا شعر ذوق کے یہاں بھی ہے :—

آنکھیں دیدار طلب گور سے آئی ہیں نکل دستہ نرگس کا نہیں میرے سرہانے رکھا

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے

ہم مزید مثالوں سے قارئین کرام کے مذاق سلیم کو مجروح کرنا پسند نہیں کرتے

ج- مثنوی- مثنویاں کیا بلحاظ صفائی زبان اور کیا باعتبار اسلوب ادا اُردو کی بہترین مثنویات کے ساتھ برابر کے درجے میں رکھی جاسکتی ہیں- اور چونکہ جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی ہیں' اس لئے خاص درد واثر رکھتی ہیں' البتہ بعض مواقع پر کسی قدر عریانی کی جھلک آگئی ہے جو اُس دور میں نہ سہی ہمارے دور میں ضرور معیوب سمجھی جاتی ہے - اس کا اندازہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ کم ازکم دو تین مثنویات بالاستیعاب پڑھی جائیں' دس پندرہ شعر نقل کردینے سے صحیح اندازہ ناممکن ہے —

بعض مثنویاں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہیں اور لاریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوش اعتقاد کا ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے - مثنوی میں عشق و محبت کے علاوہ مناجات ' حمد' نعت ' رجز (مثنوی جہاد) کے مضامین کو اس ذوق و شوق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ قادرالکلامی ان کا کلمہ پڑھتی ہے ' جی چاہتا ہے کہ ان کے خاص رنگ کے چندشعرہدیہ ناظرین کروں اگرچہ اس مقالہ کا " تنگنائے ظرف" "بقدر شوق" نہیں - (ساقی نامہ) -

پلا ساقیا جام کوثر مجھے — خراب شراب ھدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب — کہ تسلیم ہو شرم سے جس کی آب
وہ مے جو کرے لوث عصیاں کو دور — کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کے حور و ملک تشنہ کام — وہ مے جو سوا احمدی کے حرام
وہ مے جس کی تیزی دم ذوالفقار — علی سر خوش نشہ بے خمار
وہ مے مشتری جس کے ہیں سر فروش — وہ مے جس کا صدیق سا خم بدوش
وہ مے جس کی قلقل ندائے صلوٰۃ — سجود صُراحی ادائے صلوٰۃ

بجھے اس سے گر تشنہ کامی مری　　منشی ہو شیریں کلامی مری
خراب شراب سخن ہو قبول　　بنوں سے فروش ثنائے رسول
وہ امی ولے نقشبند علوم　　کلام اس کے سب دل پسند علوم
اسی بات پر حجت اتہام ہے　　کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
عجب بات ہے اس کی نام خدا　　کہ بعض سخن ہیں کلام خدا
نہیں عقل اول کو بھی یہ کمال　　اسی کو ہے معلوم آخر کا حال
یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں　　کہ اُن کے ہے ظل اِس کے سایہ نہیں
کدورت کہاں، جسم اطہر ہے وہ　　کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ
اگر ذات وجہ وجود امم　　تو سایہ سے آباد ملک عدم
گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا　　رہا سایہ حاضر حضور خدا
زبس سایہ* تھا ہم شمار گناہ　　نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

یا

پلا سا قیا آب آتش اثر　　کہ جل جائے گرمی سے دامان تر
صراحی نمط اشک باری کروں　　تہ دل سے فریاد و زاری کروں
الٰہی مجھے دل دے اور دل کو داغ　　جلے صبح محشر تلک یہ چراغ
مری چشم دریا بہاتی رہے　　مری آگ عالم جلاتی رہے
مری وحشتیں چین لینے نہ دیں　　مری حسرتیں جان دینے نہ دیں
قلق سے مرا زخم ناسور ہو　　مے لالہ گوں زرد انگور ہو
مرا ولولہ خوں تراوی کرے　　نہانی خلش سینہ کاوی کرے
جو دم بے فغاں کو ملامت کروں　　رکے دم تو کیا کیا قیامت کروں
مرے پند گو مجھ سے ڈرتے رہیں　　لحاظ لکد کوب کرتے رہیں

---

*جسم اطہر کے سایہ نہونے کی مختلف توجیہیں ان کے ذہانت اور عقیدت کی شاہد عدل ہیں۔ سایہ اور گناہ ہر ایک کے عدد ۷۶ ہیں۔

سلا سل پہ زور آزماتا رھوں سدا بیڑیاں میں تڑاتا رھوں

انصاف یہ ھے کہ یہ جوش ' یہ اثر ' یہ صفائی دیکھہ کر لامحالہ کہنا پڑتا ھے کہ چند مثنویوں کو چھوڑکر اُردو کی کوئی مثنوی مومن کی مثنویوں سے ھمسری نہیں کر سکتی' رھے ذوق و غالب' اونکو مثنوی میں مومن کا حریف ٹھہراتا بھی ستم ھے—

اسی طرح خانصاحب کے واسوخت اور مراثی بھی درد و جوش کا بہترین مرقع ھیں خصوصاً واسوخت کے متعلق تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا ھے کہ واسوخت کا حقیقی مفہوم مومن سے بہتر تو در کنار مومن کی برابر بھی اُردو شاعری مدتوں تک پیش نہیں کرسکے گی —

علاوہ بریں کچھہ قطعات ' رباعیات ' مسمطات * وغیرہ ھیں جو اپنے رنگ میں نمایاں درجہ رکھتے ھیں -غرض یہ کہ کوی صنف شعر ایسی نہیں جس میں مومن خاں نے طبع آزمای نہ کی ھو اور داد سخنوری نہ دی ھو —

تصویر کا دوسرا رخ

ایک ناقد کا تاثر فرض یہ ھے کہ تصویر کے روشن رخ کی طرح اسکے تاریک رخ کو بھی منظر عام میں لاے ' اس لئے نہایت ضروری معلوم ھوتا ھے کہ مومن کے کلام کے نقائص پر بحث کی جاے-اصل یہ ھے کہ عرفی † کی طرح مومن کی اُٹھان بھی خوب ھوی ' مگر افسوس کہ ترقی کا موقع نہ مل سکا - اگر مومن کی عمر وفا کرتی اور انکی مجتہدانہ ایجاد پسندی اور لاأبالیانہ وارستہ مزاجی اتنی مہلت دیتی تو اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری میں انکا جواب نہوتا - انہوں نے شاعری

---

* مومن کا کلام تمام اصناف شعر پر حاوی ھے - چنانچہ انکا کلیات ۹ قصیدوں متعدد غزلوں ' چند فردوں ' ۲۳ قطعوں ' ۱۳۱ رباعیوں ' ۶ مسمط ' ۲ مسدس اور مثمن واسوخت ' ۱ ترجیع بند ۱ ترکیب بند ۱۰ مثنویوں پر مشتمل ھے ' مگر ھمنے صرف بڑے اصناف قصائد ' غزلیات اور مثنویات سے تعرض کیا ھے —

† مومن اپنے زور طبیعت اور نقائص شاعری میں عرفی سے بہت مشابہ ھیں ' مگر دونوں کی زندگی نے وفا نہ کی اور " غنچۂ استعداد " " شگفتہ " ھونے سے پہلے " مردہ " ھوگیا —

کو فن کی حیثیت سے کبھی اختیار نہیں کیا' البتہ تفریح کی نیت سے کیا اور اپنے دوسرے مشاغل کی طرح سامان دلبستگی سمجھا - یہی سبب تھا کہ اُن کے کلام میں چند نقائص رہ گئے جنہوں نے اُس کو تمام تر مغلق اور پیچیدہ بنا دیا - اس اِغلاق کی تہ میں خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی ناھمواری دو خاص عنصر ھیں جن کو ذیل میں کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جاتا ھے—

(۱) خیالات کی پیچیدگی -

ھم پہلے لکھہ چکے ھیں کہ اُس زمانے میں متاخرین کے انداز (طرز بیدل وغیرہ) کی پیروی فیشن سمجھی جاتی تھی' لوگ فارسی میں اسی طرز پر لکھنا معیار کمال جانتے تھے - مومن چونکہ فارسی کے خاصے شاعر تھے اس لئے متاخرین کے طرز سے اُن کو خاص دلچسپی تھی' اسی وجہ سے اُردو میں بھی بلا ارادہ وھی طرز اختیار کی* اگرچہ اس کی تقلید کا اعتراف کرنا اُن کی شان اجتہاد کے خلاف تھا - علاوہ بریں خاں صاحب طبعاً روش عام سے احتراز کرنا اپنی خود داری کا مقتضا سمجھتے تھے - اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اُردو میں میر و مرزا' سید انشا و شیخ مصحفی کسی کی پیروی نہ کی بلکہ اپنی راہ دنیا سے الگ نکالی - حد ھو گئی کہ خیالات کی پرواز اور اسلوب بیان کی جدت میں غالب بھی اُن سے پیچھے رہ جاتے ھیں - سننے والے سنتے ھیں اور سر دھنتے ھیں - یہی بلند پروازی جب اعتدال سے بڑہ جاتی ھے تو معما بنکر رہ جاتی ھے - مثالیں آپ اوپر ملاحظہ کر چکے - خیر پھر تجدید عہد سہی—

دیکھہ اپنا حال زار منجم ھوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

---

* اگرچہ مومن نے کہیں بیدل کے تتبع کا اقرار نہیں کیا ھے اور در اصل کسی کا تتبع کرنا اُن کی خود دار طبیعت کے منافی تھا مگر وہ قدرتاً ملک کی فضا سے متاثر ھوے بغیر نہیں رھے—

اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھکو مری شرم نے رسوا کیا
تاثیر بیقراریٔ ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا
کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا
دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

(۲) زبان کی ناہمواری -

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے لاأبالی پن اور خود پرستی کی وجہ سے صحت زبان اور درستیٔ بندش کی طرف کبھی توجہ نہ کی - اس امر کو اُن کے رتبے سے فروتر سمجھو یا بالاتر، مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس بارے میں مرزا غالب سے بھی زیادہ بدنام ہیں اور بجا طور پر بدنام ہیں - خیالات کی ندرت کے علاوہ بندش کی تعقید خاص طور پر اُن کے کلام کے اِغلاق کی ذمہ دار ہے - دیوان مثالوں سے بھرا پڑا ہے- چند مشتے نمونہ از خروارے درج کی جاتی ہیں-

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے، ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا
شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

ہاں جوش طپش چھیڑ چلی جائے، کہ پر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہو گا
غریق گریۂ خونیں رہا نہ کر موسن
لباس، یعنی پہنتے نہیں مسلمان چرخ
خدایا لشکر اسلام تک پہنچا، کہ آپہنچا
لبوں پر دم، بلا ہے جوش خون شوق شہادت کا
ہے کفر و بدعت ایک، نہیں تار سبحہ سے
زنار موسن آے ہے کیوں برھمن کی یاد
لکھہ کے بہ مستی غم، تا کہ وہ میکش پڑہ لے
باندہ دیتا ہوں سر شیشۂ صہبا کاغذ
غم خانہ تنگ و تار ہے، اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں، یعنی چاہئے آنکھوں پہر چراغ
وہ گردن دیکھہ یہ حالت ہوئی تغئیر شیشہ کی
کہ تہمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر، شیشہ کی
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز، تو دیکھو

اُن کی عادت ہے کہ جملے کا ایک ٹکڑا ایک مصرع میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے میں لاتے ہیں جس کی مثالیں اوپر گزری ہیں - کبھی نامانوس تراکیب اور ثقیل الفاظ سے اور کبھی مشکل اصطلاحات اور بعید اشارات سے شعر کو گورکھہ دھندا بنا دیتے ہیں - جیسے بندۂ شور عجز ادراک، سیمیاے عرض شموس، نہ فلک نو آفرین، وجہ عطاس عزو جاہ خجلت آب پیکری، زبان بیہدہ سائل وغیرہ - یا ایلاؤس، افیوس، ادافیوس، شاموس، بلبوس، جام نہرود، فال اختر، قہر چاکر، مثلث عامل، تجدد امثال، افتاے سدوم، حدیث صغانی، وغیرہ ذلک —

وہ نعرہ علمۂ بحالی جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

کو پڑھ کر فوراً ذھن کا قصۂ حضرت خلیل کی طرف منتقل ھونا - یا

جلتا ھوں اھل نار کی تبدیل جلد سے

مومن غضب ھے آتش لذت فزاے داغ

سے معاً آیۂ کریمہ ' بد لناھم جلوداً غیرھا ' تک خیال کی رسائی ھونا - یا

قیشہ کچھہ دشنہ شیرویہ نہیں اے غیرت

اپنے ھی خوں سے مگر دامن فرھاد بھرے

کو سن کر شیرویہ کے اپنے باپ (خسرو پرویز) کو قتل کرنے کی تاریخی واقعہ تک حافظے کا رسا ھونا دشوار اور یقیناً دشوار ھے —

خاں صاحب نے باوجود تبحر علمی بے پروائی سے بعض الفاظ کا غلط استعمال کیا ھے - مثلاً شمر بسکون میم کو شمر بہ فتح میم لکھا ھے - یا مضاف الیہ کی نون آخر کا اعلان کیا ھے ' جیسے ' یہ دیکھہ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں - اسی سلسلے میں ھم اتنا اور اضافہ کرنا چاھتے ھیں کہ مومن نے بعض موقعوں پر ردیف بالکل بے کار رکھی ھے جیسے —

مجھہ پہ طوفاں اُٹھاے لوگوں نے

مفت بیٹھے بٹھاے لوگوں نے

کل دیکھہ کے وہ عذار آتش

کیا کیا ھی جلی ھے یار آتش

یہ نقائص * اُن کے کلام میں نہ ھوتے تو بہتر تھا ' تاھم ان سے اُن کے کمال میں

---

* مومن کے کلام میں تنافر ترکیب بھی بعض جگہ زیادہ پایا جاتا ھے اور کان کو ناگوار گذرتا ھے - جیسے —

• (باقی بر صفحہ آئندہ)

فرق نہیں آ سکتا —

مومن کی عدم مقبولیت

مگر زمانہ کی آواز کو دبانا ممکن نہیں ' ذوق و غالب کو دنیا نے بقاے دوام اور شہرت عام کا سر ٹیفکٹ دیا ' لیکن مومن کی طرف کسی نے اعتنا نہ کی - ذوق کے کلام کا شہرہ اُن کے عہد سے لے کر نصف صدی تک رہا' شمس العلما آزاد نے اُن کے کمالات سے خلق کو روشناس کیا اور مرزا داغ اور تلامذہ داغ نے اُن کے طرز کو رنگ قبول دیا۔ اب بھی نئی تعلیم یافتہ جماعت کے بعض سخن سنج اصحاب(خصوصاً آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب)کلام ذوق کی نشر و اشاعت کی جانب متوجہ ہیں - مرزا غالب کے کمال کا آوازہ ملک کی فضا میں پچیس تیس برس سے گونج رہا ہے اور جدید تعلیم کی ترقی کے ساتھہ روز بروز روبہ ترقی ہے- سب سے پہلے شمس العلما حالی نے اس طرف توجہ کی اور اُن کے محاسن شعر سے ملک کو آگاہ کیا - اُس کے بعد بدایوں سے ایک آواز اُٹھی اور چند ہی روز میں بھوپال بلکہ برلن تک اُس کی صداے باز گشت سے گونج اُٹھے - مگر مومن کی بد قسمتی تھی کہ انہیں کوئی ایسا نقاد فن نہ ملا جو اُن کے محاسن کو اُجاگر کرکے دکھاتا اور نہ آیندہ اُمید ہے' کیوں کہ حکیم صاحب کا رنگ زمانے کی روش کے اُسی طرح خلاف ہے جیسے پہلے تھا —

ہمارے ناقص خیال میں خاں صاحب کی عدم مقبولیت کے اسباب حسب ذیل ہیں—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۳)

کیا ہوا ' ہوا گر وہ بعد امتحاں اپنا
(یا) ہوتی ہیں بے حجابیاں جان نہفتہ راز میں
(یا) پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ہے
(یا) جادو کو کیا نرگس جادو نے نظر بند
(یا) مشکل پڑا مرے قاتل کو تھامنا

(۱) مومن کو کوئی آزاد یا حالی نہ ملا جو ملک کے سامنے اُن کی وکالت کرتا —

(۲) ہندوستان کی موجودہ ذہنیت اُن کے رنگ سے تبائن کلی رکھتی ہے - خاں صاحب ہمیشہ روش عام سے علیحدہ رہے، اب روش عام اُن سے علیحدہ ہو تو کیا تعجب - اب تک دہلی میں جذبات کی اور لکھنؤ میں تصنع کی حکومت تھی- زمانے نے دونوں کا ورق اُلٹ دیا اور جذبات و معاملات کی جگہ آج کل تصوف اور فلسفے نے لے لی - لکھنؤ کی زمانہ شناسی دیکھئے کہ اُس نے رفتار زمانہ کا ساتھ دیا گو دہلی پیچھے رہ گئی- حکیم صاحب کے کلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اُن کو در اصل تصوف و فلسفہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہ تھا ' یہی سبب ہے کہ اُن کا کلام نئی نسل کے نکتہ سنجوں کے نزدیک پایۂ قبول کو نہ پہونچا —

(۳) ان کے خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی نادرستی بھی بڑی حد تک اس کی ذمہ دار ہیں —

(۴) ان کی غیور طبیعت درباری تعلقات سے ہمیشہ نفور رہی ' اس وجہ سے بھی ان کو شہرت کے کافی مواقع نہ ملے —

(۵) خاں صاحب کے کلام میں مذہبیت کا عنصر بہت پایا جاتا ہے اور اُسی کے ساتھ وہ مذہبی نوک جھونک سے بھی نہیں چوکتے ' شاید اسی وجہ سے وہ ایک مقبول پبلک شاعر نہوسکے - چند نمونے اس سے پیشتر آپ ملاحظہ کرچکے ' بعض •

• حد ہوگئی کہ عشقیہ غزلوں میں بھی جہاں موقع ملتا ہے مذہبی حملے کر جاتے ہیں- مثلاً :—

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ جو ہے
مخب حسین کا اور دل رکھے شہر کا سا

یا

مجھ کو مومن سے چھپانا کافر یہ تتبہ تو نہ بہا یا مجھکو

یہ غالباً ناسخ کی مذہبی تعریضوں کا جواب ہے —

رباعیات اور ملاحظہ ہوں —

یہ چند منافق سراپا بدعت ہے کفر و ضلال و فسق جنکی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

ایضاً

یہ کچھہ رہ سنت نہ طریق توحید پھر کیا ہے ضرورسبکی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی حیواں ہیں حقیقت میں یداہل تقلید

ایضاً

ہر چند نہیں قیاس سے کچھہ سروکار پر توبہ سے از بسکہ ہوا ہوں بیمار
ہے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور تقلید ابوحنیفہ کا ہے اقرار

ایضاً

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام گو رائے صواب ہو نہیں مجکو کام
تقلید کی تحریری تو بنوں گا شیعہ کس واسطے چھوڑ دیجے افضل تر امام

(۶) مومن اپنے سامنے کسی استاد کی (قدیم ہو یا معاصر) حقیقت نہ سمجھتے تھے بلکہ ہرایک کو حقارت کے ساتھہ یاد کرتے تھے - خود کسی استاد سے تلمذ کرنا تو درکنار ' وہ کسی کی تعریف کرنا یا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے - مرزا غالب باین نازک مزاجی و خود پسندی اساتذۂ عجم اور سخنوران ہند کی جائز مدح میں عار نہ سمجھتے تھے مگر مومن کے متعلق مشہور ہے کہ گلستان سعدی پر بھی خاک بیوں چڑھاتے تھے اور فرماتے تھے اس میں گفت گفت کے سوا کیا دھرا ہے یہ بد دماغی یقیناً ان کی ہر دل عزیزی میں حائل ہوی - نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے تلامذہ نہیں ملے جو ان کے رنگ کو ملک میں مقبول بناتے اور ان کے محاسن کو پبلک کے سامنے نمایاں کرکے دکھاتے - اشعار ذیل سے اندازہ ہوگا کہ وہ اس بارے میں کس قدر خود پرست واقع ہوے تھے :—

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ھر ایک کو دعوی ھے کہ میں کچھہ نہیں کہتا
مومن تجھے وھب ھے' مومن ھی وہ نہیں
جو متعقد نہیں تیری طبع سلیم کا
ایسی غزل کہی ھے کہ جھکتا ھے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا
مردوں کوتجھہ پہ دیتےھیں‌ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ھیں
مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ھم نے اس شعرا کے امام کو
یار مومن سے بھی ھیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر اِن ادمغۂ یابس کے
عبث ترقی فن کی ھوس ھے مومن کو
زیادہ ھوئے گا کیا اس سے' بے مثال تو ھے

معاصرین سے موازنہ

تنقید نگاروں کا فیشن ھو گیا ھے کہ جب کسی شاعر پر تنقید کرتے ھیں تو اس کے اور اس کے ھم عصروں کے کمتر ھم مضمون اشعار اور بیشتر ھم طرح اشعار نقل کرتے ھیں اور اس کے بعد محاکمہ کرتے ھیں جس کا فیصلہ عموماً ان کے ھیرو کے حق میں‌ھوا کرتا ھے —

میری فہم ناقص میں یہ طریقہ آن سائنٹیفک اور غیر مفید ھے - ھم‌مضمون اشعار میں تو ایک حد تک راے قائم کرنا ممکن بھی ھے گو وہ انھی اشعار تک محدود ھوسکتی ھے؛ ھم‌طرح غزلوں اور ھم قافیہ شعروں میں جوشے مشترک ھے وہ محض بحر یا قافیہ ھے' اس لئے وجہ ترجیح قائم کرنا اور زیادہ مشکل اور عمل

معاملہ بالکل ہی سطحی ہوتا ہے —

یہ مشکل اُس وقت اور بھی ڈھلتی ہے جب کہ وہ اساتذہ جن کے اشعار زیر موازنہ ہیں قطعی جداگانہ طرز کے مالک ہوں —

یہ ممکن ہے کہ دس بارہ شعر میں فرداً فرداً مومن اپنے معاصروں سے یا ان کے معاصر اُن سے اظہار خیال و انداز بیان میں قادر تر ثابت ہوں، لیکن کیا وہ فیصلہ ان کے مجموعی طرز اور باقی کلام کو دیکھتے ہوے بھی صادق اور صحیح ٹھیریگا، ہر گز نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتاہے کہ بعض غزلیات جن میں مومن، ذوق اور غالب تینوں کے یا مومن اور ذوق یا مومن اور غالب کے ہم طرح اشعار ملتے ہیں (مثلاً وہ غزل جس کا قافیہ و ردیف ہے ' امتحان اپنا ؛ یا' مجنوں نہ ٹھیرے گا ؛ یا' کیا ہوتا ہے؛ یا ' دیکھا جاے ہے ؛ یا' جان کے لئے وغیرہ) نقل کی جائیں اور قافیہ وار اشعار کا موازنہ کرکے کسی ایک کے حق میں منفرداً منفرداً فیصلہ کیا جاے مگر اس سے بڑھکر سطحی اور محدود طریقۂ تنقید اور کیا ہوگا ؟ سب پر مستزاد یہ کہ ان تینوں باکمال اساتذۂ فن میں ہرایک کی طرز جدا ' اسلوب جدا ' ذہنیت جدا ' افتاد مزاج جدا —

میرے نزدیک اگر کوئی شخص مومن و ذوق و غالب کے بارے میں فی الحقیقت کسی صحیح فیصلے پر پہونچنے کا خواہشمند ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ تینوں کی کلیات کا باستیعاب مطالعہ کرے اور ہرایک کی طرز سے اپنی طبیعت کو مانوس کرے اور اُسکے بعد اغلباً یہ ممکن ہوگا کہ وہ کسی صحیح نتیجے پر پہونچ جاے ؛ اگرچہ طرزوں کے تبائن کی بنا پر کوئی وجہ ترجیح تلاش کرنا جب بھی دشوار ہو گا —

آخری فیصلہ

میری ناچیز راے میں (جس کو غلط ثابت ہونے پر میں فوراً ترک کرنے کو تیار ہوں) اردو شاعری کی کائنات کے یہ مرالید ثلاثہ اپنے اپنے رنگ میں بے نظیر

ھیں اور اصلاً قدر مشترک ان میں بہت کم ھے۔ تاھم جس نتیجے پر میں پہونچا ھوں یہ ھے کہ مومن مثنوی کے بادشاہ ھیں (ذوق و غالب کے یہاں مثنوی کا وجود بمنزلہ عدم ھے) اور ذوق قصدے کے (مومن وغالب کے قصائد میں پختگی نہیں) رھی غزل اس میں تینوں شاعروں کا رنگ جدا گانہ ھے اور لاجواب ھے —

جیساکہ میں نے ابھی عرض کیا' ان اساتذہ میں بجز غزل گوئی کےاور کوئی بات مشترک نہیں ' پھر بھی ھرایک کی غزل گوئی کے خصائص کی جداگانہ تفصیل حسب ذیل ھے اور مجھے اُمید ھے کہ اس مقالے کے پڑھنے والے اصحاب اوپر کی بحث کی بناپر خاکسار راقم سطور سےاتفاق فرمائیں گے - نازک خیالی' معاملہ بندی اور سوز و گداز میں مومن اپنے تمام معاصرین سے فائق ھیں' اسی طرح زبان اور محاورے میں ذوق اور فلسفہ وتصوف میں غالب اپنے سب ھم عصروں سے برتر ھیں —

اسی سلسلے میں اگر یہ اور اضافہ کردیا جاے تو شاید بیجا نہ ھو کہ صدق جذبات اور جدت ۱۵۱ مومن کے سوا دوسرے میں سرے سے موجود ھی نہیں - نازک خیالی کی صفت میں البتہ غالب اُن کے شریک ھیں مگر شریک غالب نہیں - دونوں کی تخئیل کا میدان مختلف ھے - خاں صاحب کی نازک خیالی کی بنیاد واردات عشق اور تاثرات قلب پر ھے اور مرزا صاحب تخئیل کی بنا حقائق کونیہ اور معارف روحانیہ پر - پھر یہ بھی واقعہ ھے کہ غالب کا کلام منتخب ھے مگر مومن کو یہ موقع نہیں ملا - یہ امر بھی ملحوظ رھے کہ مومن کی شاعری میں جو ھمہ گیری ھے وہ شاید ھی کسی کو نصیب ھوئی ھو - اُن کا کلام شعر کی تمام اصناف پر حاوی ھے اور اس میں ایک طرف نازک خیالی کے جلوے نظر آتے ھیں' دوسری طرف معاملہ بندی کے - گویا وہ ایک ھی وقت میں فغانی کی طرز کے بھی مالک ھیں اور شرف جہاں کے انداز میں بھی ماھر ھیں —

غرض یہ ھے کہ مومن کی شاعری کی تمام خامیاں مسلم ' مگر

عیب سے جملہ بگفتی ھنرش نیز بگو

اس سے انکار کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ اُردو شاعری کے ایک با کمال اُستاد اور نازک خیال سخن گو گذرے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص تغزل میں نظیری کو، نازک خیالی میں عرفی کو اور وقوعہ گوئی میں وحشی کو دیکھنا چاہے تو وہ مومن کو دیکھ لے جن کی شاعری بیک وقت تینوں کے طرز کی جامع ہے۔

مومن کی تصویر کے متعلق نوٹ

(از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی۔ اے)

حکیم مومن خاں مومن کی ایک غزل کا مقطع ہے۔

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

خدا معلوم یہ مقطع لکھتے وقت ان کو الہام ہوا تھا یا نجوم کے ذریعے سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ تقریباً (۸۰) برس تک "نام سننے" کے بعد لوگ "اس شعرا کے امام" کو رسالۂ اُردو میں دیکھیں گے۔ یہ تصویر مدتوں سے میرے خاندان میں "بخیل کا خزانہ" بنی ہوئی تھی، اب خدا خدا کرکے سب اس پر راضی ہوے کہ اس کو پبلک پر "وقف" کر دیا جاے۔ ہمارے خاندان میں دو بڑے شاعر گذرے ہیں ایک 'غالب' دوسرے 'مومن'۔ خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے ہی ذریعے سے دونوں کی تصویریں پبلک میں آئیں۔ میرے عم بزرگوار مرزا عبدالصمد بیگ مرحوم نے غالب کی تصویر ان کے انتقال سے چند ہی روز پہلے رحمت علی فوٹو گرافر سے کھچوائی تھی۔ یہی وہ تصویر ہے جس کو لوگ اب آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ میرے پاس اس کی اصل پلیٹ تھی، لیکن رفتہ رفتہ مسالا (Hypo) اس کو کھا گیا اور

زرد ہوتے ہوتے بیکار ہو گئی - اب یہی گھرانا مومن کی تصویر سے آپ کو روشناس کراتا ہے - اصل تصویر میرے پاس موجود ہے - لیکن اس رسالے کی تصویر اور اس اصلی تصویر میں کچھہ فرق ہے - سر سے سینے تک کا جو حصہ ہے وہ اصل تصویر کا فوٹو ہے البتہ طریقۂ نشست کو ذرا بدل دیا گیا ہے - وجہ یہ ہے کہ دہلی کے مصور تصویر کا چہرہ لاجواب بناتے ہیں، مگر ہاتھہ پاؤں اس طرح ہوتے تھے گویا لکڑی کے بنا کر جوڑ دئے ہیں - زمانۂ موجودہ کے مذاق کا خیال رکھتے ہوے اس تصویر کے ہاتھہ پاؤں کو اعضاے انسانی کی صورت دیدی گئی ہے - بقیہ کل حصوں کو جوں کا توں رکھا ہے—

اس تصویر کو دیکھکر سب سے پہلے ہر شخص کے دل میں یہی خیال پیدا ہوگا کہ ''کیا یہ تصویر اصلی ہے''- یہی وہ سوال ہے جس کا جواب میں اس تحریر میں دینا چاہتا ہوں—

سب سے پہلے یہ غور فرمائیے کہ اس تصویر کے بنانے سے کیا کسی کو کچھہ منفعت ہوئی ہے؟ - ہندوستان کسی طرح یورپ اور امریکہ نہیں ہو سکتا ' جہاں مشاہیر کی تصویروں کے ہزاروں ہی نہیں لاکھوں روپے دیدئے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں جعلی تصویریں بنانا نہ صرف ایک فن بلکہ روپیہ کمانے کا ذریعہ بن گیا ہے - ہمارے ہندوستان میں خود کاملین فن کو کوئی کوڑی کو نہیں پوچھتا تو بھلا ان کی تصویروں کے کیا دام دیگا - اب اسی تصویر کو لیجئے، اگر مغرب میں مومن جیسے کسی شاعر کی تصویر مل جاتی تو لاکھوں کی تعداد میں چھپتی اور بکتی ' لیکن یہاں یہ تصویر انشاالله بس اسی رسالے میں نظر آئیگی اور پھر طبع ہونا تو کیا کوئی دوبارہ دیکھنے کی تکلیف بھی نہ اُٹھاے گا - جب ناقدری کا یہ حال ہو تو پھر خیال بھی نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں کوئی شخص جعلی تصویر بنانے کی زحمت گوارا کر سکتا ہے— کیوں؟ آدمی محنت کر کیا کچھ کر سکتا ہے!

اس معیار کے علاوہ پرانی تصویروں کو جانچنے کے اور کئی طریقے ہیں - اس

بارے میں ہمیشہ پہلی تنقیح یہ قائم ہوتی ہے کہ "کیا یہ تصویر حفاظت جایز (Safe Custody) سے آئی ہے؟" یعنی یہ کہ تصویر زیر تنقید کیا ایسے شخص کے پاس سے نکلی ہے جس کے قبضے میں یہ بطور جائز ہو سکتی تھی - اس کے متعلق میں یہ ظاہر کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ تصویر میرے پاس ہے اور خواجہ امان کے فرزند خواجہ قمرالدین خاں راقم کے ذریعے سے مجھ تک پہنچی - مومن مرحوم میری پر دادی کے بھائی اور راقم مغفور ددھیال کی طرف سے میرے دادا اور ننھیال کے رشتے سے میرے نانا ہوتے تھے - یہ تصویر خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان مترجم بوستان خیال کی بنائی ہوئی ہے - گویا یہ میرے ہی خاندان کے ایک شخص کی تصویر اور میرے ہی خاندان کے ایک شخص نے اس کو بنایا ہے اس لئے میرے قبضے میں اس تصویر کا ہونا ہر طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے—

حفاظت جائز کی بحث کے بعد یہ تصفیہ کرنا ہوگا کہ کیا واقعی یہ تصویر خواجہ امان مرحوم کی بنائی ہوئی ہے؟ - اس کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مصور تھے بھی یا نہیں - اس کے متعلق میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دہلی بھر میں وہی ایک شخص تھے جن کو دہلی کے مصوروں نے یہ کام سکھایا تھا - وہ دہلی کے مشہور مصور محمد فضل کے شاگرد تھے اور خود تصویر کا "عمل" بتا رہا ہے کہ یہ کوچہ نقّاں کے کسی مصور کا قلم ہے - اسی تنقیح کے ضمن میں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا بلحاظ زمانہ خواجہ امان مرحوم کو حکیم مومن خاں کی تصویر کھینچنے کا موقع تھا؟- خاندانی تعلقات کے علاوہ اگر دہلی کے بڈھے بڈھے لوگوں سے پوچھا جاے تو پتہ چل سکتا ہے کہ یہ دونوں ہم عمر تھے اور دونوں میں انتہا درجہ کی محبت اور دوستی تھی - ان حالات میں خواجہ امان مرحوم کا یہ تصویر بنانا کسی طرح خلاف قیاس نہیں ہو سکتا —

اب رہی یہ بحث کہ یہ خواجہ امان مرحوم کے ہی ہاتھ کی تصویر ہے تو اس کے دو ثبوت ہیں - اول ان کی "تحریر" دوسرے ان کا "عمل" - تصویر کے اوپر

کے الفاظ " شبیہ * حکیم مومن خاں صاحب دھلوی ' بہ عہد شباب '' خواجہ صاحب مرحوم کے قلم کے ہیں - اسی عبارت کے مقابلہ کے لئے اُن کے ہاتھہ کی لکھی ہوئی بوستان خیال کی ایک جلد میرے پاس موجود ہے - دونوں تحریروں کو دیکھہ کر ایک ہی نظر میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں خط ایک ہی شخص کے ہیں - اب رہا ''عمل''تو اس کا مقابلہ ان کی بنائی ہوئی دوسری تصویروں سے ہوسکتا ہے -ہمارے خاندان میں ان کےہاتھہ کی‌کھچی ہوئی کئی تصویریں موجود ہیں' جس کا جی چاہے آکر مقابلہ کر لے —

یہ تو ہوئی گرد و پیش کی شہادت جس کو اصطلاح میں بیرونی شہادت کہا جاتا ہے-اب شہادت اندرونی کو لیجئے-اس‌کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ جس شخص کی یہ تصویر ہے اس کا لباس ' خط و خال اور وضع قطع اسی تصویر سے ملتے جلتے ہیں یا نہیں - مومن مرحوم کا جو حلیہ ان کے معاصرین نے بیان کیا ہے اس کا مقابلہ اگر اس تصویر سے کیا جاے تو اس تصویر کے اصلی ہونے میں ذرا بھی شک نہیں رہتا —

اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ تصویر کس قسم کے کاغذ پر کھنچی ہے یہ تصویر چانول کے بلے ہوے اور مہرہ کئے ہوے باریک کاغذ پر ہے اور اس کاغذ کو وصلی پر بٹھایا ہے - اول تو ایسا کاغذ اب کمیاب تو کیا مفقود ہوگیا ہے - دوسرے وصلی پر کاغذ کو جما کر مہرہ کرنے کا طریقہ اب بالکل رائج نہیں ہے - شہادت اندرونی میں سب سے زیادہ قابل غور چیز اس تصویر کے رنگ ہیں - میں خود اس فن سے واقف ہوں اور شاید اس زمانے میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے جو محمد فضل کے خاندان کا شاگرد ہونے کا دعوی کرسکے- یہ خواجہ امان‌مرحوم ہی کے تعلقات تھے جن کی وجہ سے مجھے ان لوگوں نے شاگرد بھی کرلیا ورنہ اُن کے ہاں تو کوئی غیر شخص قدم بھی نہیں رکھہ سکتا —

---

* افسوس کہ بلاک بنواتے وقت یہ عبارت رہ گئی — (اڈیٹر)

یہ واقعات میں نے اس لئے عرض کئے کہ رنگوں کے متعلق میرے واقفیت کا اندازہ ہوسکے - دھلی کے مصوروں کی قدیم تصویریں چار رنگوں سے بآسانی پہچانی جاتی تھیں - ایک نیلا،دوسرا شنگرفی، تیسرا سفید اور چوتھا سنہرا - یہ سب رنگ گھروں میں بنائے جاتے تھے اور ان کے بنانے کا راز اس طرح چھپا یا جاتا تھا کہ ان کے خاندان والوں کے علاوہ آج تک کسی کو یہ بھید معلوم نہیں ہوا جب سے انگریزی رنگ چلے ہیں ان لوگوں نے سہولت کے خیال سے ولایتی رنگوں کا استعمال شروع کردیا اور اب نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ سفیدا بنانا اور سونا گھونٹنا تو ضرور جانتے ہیں لیکن نیلا اور شنگرفی رنگ بنانا بالکل بھول گئے ہیں - مومن خاں مرحوم کی تصویر میں یہ چاروں رنگ دیسی بنے ہوے استعمال ہوے ہیں اور یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ تصویر اس زمانے کی ہےجب انگریزی رنگوں کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا،میں اس سلسلےمیں برش لگانے '' کے طریقہ سے بھی بحث کر سکتا تھا اور بتا سکتا تھا کہ پہلے زمانے میں تصویروں اور خاص کر چہرے پر کس طرح برش لگاتے تھے اور اب کس طرح رنگ دیتے ہیں - لیکن اس مختصر سے مضمون میں اتنا گہراجانا بے ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مومن کی قبر کہاں ہے اور کس حالت میں ہے تو پھر انکی تصویر سے وہ کیا خاک دلچسپی لینگے- میرا ہی دل جانتا ہے کہ اس مرحوم کی قبر میلدھیوں میں کس مشکل سے مجھے ملی اور کس حالت میں ملی ہے - اگر اس قبرستان کا وہ بڈھا گور کن مرگیا جسنے مجھے اس ذھیر کا پتہ دیا تھا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ کسیکو ہندوستان کے اس بے بدل شاعرکا نشان مزار بھی نہ ملے، سچ ہے :—

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

پروفیسر براؤن

نوشتۂ

میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی (لندن)

مترجمہ

(اختر محمود شہرانی ایڈیٹر " بہارستان " لاہور)

ذیل کا مضمون ' جس کا ترجمہ ' حضرت قبلہ مولانا مولوی عبدالحق صاحب مد ظلہ کے حکم کی تعمیل میں کیا گیا ہے ' ایران کے نامور محقق اور فاضل میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی کے زور قلم کا نتیجہ ہے - میرزا صاحب موصوف ایک بلند مرتبہ ادیب اور وسیع‌النظر محقق ہیں اور تقریباً سنہ ۱۹۰۵ ع سے لندن میں قیام پزیر اور تحقیقات علمیہ میں مصروف ہیں - آپ کی محققانہ ژرف نظری کا پایہ بہت بلند ہے اور اس بارے میں ' ایران تو ایران ' خود یورپ کے مستشرقین میں کوئی ایسا نہیں جو آپ کے مقابلے میں لایا جاسکے - میرزا صاحب کی مرتب کردہ متعدد قابل‌قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بلاد یورپ کے علاوہ ' ہندوستان و ایران میں بھی مقبول ہوئی ہیں - مسائل علمیہ میں اُن کی دقت نظر ' اور متانت فکر ' ان کی خدا داد قابلیت کا اختصاصی جوہر ہے - فارسی ' عربی ' اور ترکی ' کے عالم ہونے کے علاوہ انگریزی ' فرنچ ' اور جرمن زبانوں میں بھی درک رکھتے اور تقریباً ہفت زبان شخص ہیں —

پروفیسر براؤن آنجہانی سے اُن کے تعلقات کا یہ عالم تھا کہ وہ اُن کے دست

راست شمار ہونے لگے ' حالانکہ یہ امر ' میرزا صاحب جیسے عالی جاہ اہل قلم ' اور محقق کے لئے باعث فخر نہیں ہوسکتا - یورپ بھر میں میرزا صاحب کی قابلیت کے جھنڈے گڑے ہیں اور بالخصوص فارسی ادبیات کے دائرے میں تو' اُن کی عدیم المثال مہارت ' اور وسعت نظر ' سند تسلیم کی جاتی ہے —

پروفیسر براؤن کے ساتھہ (نجی طور پر) وہ مدتوں کام کرتے رہے ہیں اور اس لئے یہ کہنا ناموزوں نہ ہوگا کہ مرحوم کی نسبت ' ان کے معلومات و اطلاعات خاص قدر و قیمت کے مستحق ہیں !

اس مضمون کو ایران و ملت ایران کا وہ خون آلود آنسو سمجھنا چاہئے جو اُس نے اپنے اسلاف اور ادبیات کی روح کو بیدار کرنے والے محسن کے مزار پر نذر چڑھایا ہے ——— اور ہمیں کہنا چاہئے کہ فردوسی و سعدی ' اور حافظ و خیام کے وطن کی شعر آفریں ' سر زمین کا یہ وہ خراج ماتم ہے جو صرف خوش نصیب اور زندۂ جاوید براؤن ہی کی موت کو نصیب ہوسکتا تھا ——— ! !

اختر

فارسی زبان' اور اُس کے ادبیات کے لئے ' کوئی بڑے سے بڑا' نا قابل تلافی نقصان' اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا' جو پروفیسر براؤن (پروفیسر عربی و فارسی کیمبرج یونیورسٹی ' انگلستان) کی حسرت ناک موت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے - ۲۰ جمادی لاخری سنہ ۱۳۴۴ھ (مطابق ۵-جون سنہ ۱۹۲۶ ع) کو' ۶۴ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا اور ۷-شعبان سنہ ۱۲۷۸ھ (مطابق ۷- فروری سنہ ۱۸۶۲ ع) کو وہ پیدا ہوے تھے —

میرا خیال ہے کہ ایران میں بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو پروفیسر براؤن کو نہ جانتے ہوں یا جنہوں نے ان کا نام نہ سنا ہوکیونکہ ایران اور ایرانیوں کے حق میں ان کی جلیل القدر خدمات' صرف ان کے ادبی کارناموں پر ہی منحصر نہ تھیں

جو فقط علما و ادبا کے حلقہ تک محدود رہتیں، بلکہ، جیسا کہ ایک دنیا کو معلوم ہے، مرحوم نے عالم سیاست میں بھی، ایران و حقوق ایران کی نہایت شاندار اور عظیم خدمات انجام دی ہیں —

ایران میں قیام جمہوریت کی ابتدا (سنہ ۱۳۲۴ھ) سے لیکر، جنگ عظیم کے آغاز (سنہ ۱۳۳۲ھ) تک، یورپ میں ، ایران کی حمایت اور طرف داری کے سلسلے میں، مرحوم نے جیسی جیسی تکلیفیں اُٹھائیں اور حقوق ایران کی تائید اور اپنی حکومت یعنی حکومت انگلستان اور روس کی جابرانہ سیاست کے خلاف اعتراض و احتجاج کے طور پر، جو زبردست مجاھدے، اخبارات میں مضامین لکھکر، کتب و رسائل کی تالیف سے، تقریریں کرکے، اور امرا و وزراے برطانیہ سے ملاقات کے ذریعے انھوں نے انجام دئے ، وہ اس قدر عجیب اور فوق العادت ھیں کہ اُن پر حقیقت میں، کوئی یقین نہیں کرسکتا۔ اور اُن لوگوں کے سوا، جنھوں نے اپنی نظروں کے سامنے اُن کو، یہ حیرت انگیز کام کرتے دیکھا ہے، دوسروں کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ چونکہ اُن کے مضامین کے تراجم، وقتاً فوقتاً ایرانی جرائد و رسائل میں بھی ، شایع ہوتے رہتے تھے اس لئے میرا خیال ہے کہ ایران کے دیہات و قصبات بھی اُن کی شہرت سے محروم نہ ہونگے؛ یہاں تک کہ کرمان و بلوچستان کے دور دست علاقوں میں بھی کوئی اُن کے نام سے بے خبر نہوگا —

میرا عقیدہ ہے کہ ایران اور یورپ کے مابین باضابطہ روابط کے افتتاح سے، ایک قرن ادھرسے، کسی یورپین نے ایران میں اس درجہ نیک نامی اور شہرت، ہرگز حاصل نہ کی ہوگی اور عام ایرانیوں کے جذبات اخلاص و محبت کو، اپنی طرف، اس حد تک نہیں کیا ہوگا ——— اس لئے کہ مرحوم کی سیاسی خدمات ، ہر ایک ایرانی کے دل و دماغ میں مرتسم ہیں - علاوہ براین ایران کے بہت سے مدبر، جمہوریت پسند اور آزادی خواہ، اُن کے ساتھ ربط ضبط رکھتے تھے، جن میں اکثر نے مدتوں ان کی یکجائی صحبت کے لطف بھی اُٹھاے ہیں——اور ان میں سے بہت سے، اب تک زندہ

و سلامت موجود ھیں اس لئے میں اس موضوع کو زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں دیکھتا ! لیکن ——— اس مرحوم کی علمی و ادبی خدمات کی میں بڑی جرأت کے ساتھہ قسم کھا کر کہہ سکتا ھوں کہ یورپ و امریکہ کے مستشرقین میں سے (خواہ وہ اُن کے پیشرو ھوں خواہ معاصرین) کسی نے بھی، اس منزل میں اس قدر کاوشوں اور تکلیفوں کا سامنا نہیں کیا ھے - کسی نے بھی اپنی تمام عمر کو ، ۱۸ ویں سال سے لیکر اپنی ۶۴ سالہ زندگی کے آخری لمحے تک بھی بغیر کسی سستی یا تکان کے اپنے تمام قواے مادی و باطنی کے ساتھہ، ایران کے آثار علمی کے احیا پر قربان نہیں کیاھے- کسی نے بھی یہ عالی ھمتی، یہ فداکاری، اور یہاز خود رفتگی نہیں دکھلائی اور اپنی ذاتی جیب پر ، اس قدر مالی قربانیوں کا بار نہیں رکھا ھے اور ——— خاص طور پر یہ کہنا چاھئے کہ کسی نے بھی، اپنی تمام عمر میں ایران کے ادبیات ذوقیات اور معنویات ، یعنی اس ملک کے شعرا، حکما، عرفا، اور ارباب مذاھب کے افکار سے، اس قدر خاص، اور خالص ضمیمی محبت ، جو دل کی انتہائی گہرائیوں سے نکلی ھو، اور ھرقسم کے سیاسی ، مالی، اور دنیوی اغراض و مقاصد سے پاک ھو ؛ بلکہ اس درجہ شدید عشق نہیں برتاھے، جس کا مرحوم کی تصنیفات کے ایک ایک حرف سے ثبوت ملتا ھے - اس امر کو ، اُن لوگوں کی بہ نسبت ، جو مرحوم کی تالیفات سے غائبانہ لطف اُٹھاتے تھے ، وہ ایرانی ھزاردرجہ زیادہ بہتر طور پر ، اور عینی مشاھد کی صورت میں محسوس کرچکے ھیں ، جنھوں نے اُن سے ملاقات کی ھے اور جنکو انکی پرلطف صحبتیں نصیب ھوچکی ھیں - یہ لوگ ، مرحوم کی اُس خالص محبت کے آثار و علامات سے جو وہ اِنسے محض ایران کی خاطر کرتے تھے ، فی الحقیقت متاثر ھوتے تھے —

عالم اسلام سے عموماً اور ایران اور ایرانیوں سے خصوصاً اُن کی محبت کی کوئی انتہا نہ تھی اور یہ محبت کسی مادی یا علمی غرض مثلاً دولت یا سیاست یا مرتبہ یا وطنی خدمت سے آلودہ نہ تھی بلکہ دلی احساسات اور روحی جاذبیت

کا کرشمہ تھی یعنی حسن اور حق و راستی سے عشق! اور جو اُن کے خلاف ہو اُس سے نفرت!!

یورپ کے بہت سے حقیقی مستشرقین کو، جو فی‌الواقع عالم و فاضل ہیں اور ایرانی تاریخ و زبان کی کافی خدمات انجام دے چکے ہیں، جب آپ بہت قریب سے دیکھیں گے یا اُن کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اُن کو ایران سے دلی لگاؤ نہیں ہے اور ایران کے علوم و فنون کے بارے میں اُن کی کاوش دماغی اور اس موضوع پر تصنیف و تالیف کی بارش، ایران سے محبت کرنے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے، حسب ذیل اغراض میں سے کسی ایک پر مبنی ہے:—

یا محض، محبت علم کی خاطر——یہ نایاب ہے! یا آریائی نسل کی زبان اور تاریخ کی خدمت کے لئے، جس سے اُن کا مقصد، اپنے ہی ملک کی خدمت ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ایران بھی، آریائی نسل کی لڑی کا ایک ٹوٹا ہوا موتی ہے اس لئے بامر مجبوری اور اپنے اصلی مقصد کی خرابیوں کے سد باب کی غرض سے، انہوں نے اپنی عمر کی ایک مدت، ایران کی تاریخ و زبان اور آثار قدیمہ پر بھی صرف کی ہے تا کہ وہ آریائی نسل کو، سامی نسل اور خصوصاً یہودیوں کے مقابلے میں بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور اُن کی اہمیت کو سراہ کر، یہودیوں کی اہمیت کو نام دھریں! یا بعض شخصی اغراض، مثلاً کسی یونیورسٹی کی پروفیسری، یا کسی اکیڈمی کی رکنیت، یا محض حصول مرتبہ و شہرت اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی خاطر، جن کی تہ میں، ہر طرح کوئی نہ کوئی غرض اور مطلب چھپا ہوتا ہے! قصہ مختصر ایران کی محبت کی لگن کسی کے دل میں نہیں ہوتی—

یہ اگر محبت نہ کریں تو بھی غنیمت ہے، مگر ستم تو یہ ہے کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ اگر اُن کا دل چیرا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ ایران کی قوم کی نسبت، اُن کی فطرت میں، دشمنی کی سی حس اور حقارت بسی اور رچی

ہوئی ہے - اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُنھوں نے یورپی تربیت کی گود میں آنکھیں کھولی ہیں' جس کی بنیاد' قدیم یونان اور روم کے علوم و فنون اور تاریخ و ادبیات پر رکھی گئی ہے - اب چونکہ اگلے زمانے میں' ایران اور یونان و روم کے مابین جنگ و جدل کے بازار گرم رہے ہیں اور اُن دونوں قوموں کے مورخین' ایران کو ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھتے اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ ان جنگ آزمائیوں کو' اپنی اور اپنی قوم کی "طفل تسلی" کی خاطر "متمدن قوموں پر وحشی قوموں کی تاخت و تاز" کے عنوان سے یاد کریں' اور ایرانی تمدن کو یونانی اور رومی تمدن کی بہ نسبت بہت گرا کے دکھلائیں' اس لئے یونانیوں اور رومیوں کی اس روحی کیفیت کا اثر' یورپ کی موجودہ نسل پر بھی ہوا ہے خواہ وہ اپنے تئیں کتنی ہی تربیت یافتہ' متمدن اور بلند نظر لکھے!—

ایران کی نسبت' دشمنی کے اس جذبے کے اظہار میں' خواہ وہ کیسی ہی خود داری اور ضبط سے کام لینے کی کوشش کریں پھر بھی اُن کی زبان کے تیور' اور لہجے کے انداز سے کہیں کہیں "کاسہ" کے اندر کی چیز ٹپک ہی پڑتی ہے—

تم یوں تو لاکھ پیار کی باتیں کرو مگر
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم سے خفا سے ہو!

ان کے ہاں کی تاریخوں میں' جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں' مذکورۂ بالا معرکہ آرائیوں کے ذکر میں' اس قسم کی حقارت آمیز مثالیں " ایشیائی جرگوں* کا حملہ یونان پر"! بہت سی ملتی ہیں - جرمنی کے ایک نامور مستشرق نے "تاریخ ساسانیان" میں یزد جرد کے حالات کے سلسلے میں' طبری کی اس عبارت کا ترجمہ

---

* (Hordes Asiat ques) ہورڈ کے معنی لشکر کے ہیں - مگر یورپی زبانوں میں یہ لفظ صرف تحقیر اور توہین کے موقع پر' اور وحشی قوموں کے لٹیروں اور غیر منظم جرگوں اور جتھوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - اُن کے اپنے خیال میں یہ لفظ متمدن قوموں کے منظم لشکر کے مقابلے میں آتا ہے—

دے کر کہ "یزدجرد*' عامۃ الناس سے بہت سوء ظن رکھتا اور کسی معاملے میں بھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا - جب کوئی اُس سے کسی اور شخص کی نسبت کچھہ عرض کرتا تو یزدجرد پوچھتا کہ تونے اُس شخص سے اس سفارش کا کیا حق العمل وصول کیا ہے؟"

اس کے حاشیے میں' اپنی راے ان الفاظ میں لکھی ہے "یزدجرد' نے ایرانیوں کو خوب سمجھا ہے" ——— اس حاشیے میں اس نشتر کے سوا' جس کے استعمال کئے بغیر اس کو صبر نہ آسکا' اور کوئی بات نظر نہیں آتی' یوں کہنا چاہئے کہ اُس نے حاشیہ' صرف اسی راے کے اظہار کے لئے لکھا ہے اور یہ متن کے لئے جس قدر "ضروری" اور "اہم" ہے محتاج بیان نہیں - یہی مستشرق' اسی کتاب کے مقدمہ میں اپنے مآخذ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے :

"کتاب حاجی بابا مؤلفہ موریر سے بھی ایک شخص' قدیم ایرانیوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہے!"

پھر ایک اور مقام پر' بعض قدیم ایرانی مآخذ مثلاً "خدائی نامہ" وغیرہ کا ذکر کرکے ساسانیوں کی تاریخ اور اس سے متعلق روایات کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں کہتا ہے :—

"ان مآخذ میں کوئی بات بھی حقیقت سے نزدیک نہیں' سچ تو یہ ہے کہ قدیم زمانے سے آج تک ایرانیوں نے مبالغہ ہی سے کام لیا ہے اور حقیقت سے مطلقاً سروکار نہیں رکھا ہے † —

---

* "وکان دھرہ للناس متھما و لم یکن یتمن احداً علی شیء من الاشیاء ..... وان جسر علی کلامہ فی امر کلمہ فیہ رجل لغیرہ قال لہ ما قدر جعالتک فی ھذا الامر الذی کلمتنا فیہ و ما اخذت علیہ" (طبری ۱-۸۴۸)—

† اس جرمن مستشرق کے احترام کی خاطر' جو اس قسم کی نشتر زنی کے باوجود ایران اور اس کی زبان پر بہت زیادہ حقوق رکھتا ہے ہم اُس کے نام اور اس کی کتاب کے نام سے قطع نظر کرتے ہیں —

ایران کے بارے میں اس قسم کے زھر میں بجھے ھوے نشتروں سے مستشرقین کی کتابیں بھری پڑی ھیں، ھمارا مقصد صرف ایک دونمونے پیش کرنا تھا تاکہ ھمارے وطن اور اھل وطن کے بارے میں اُن کے دل کا " چور" ظاھر ھوجائے ——— اب، اگر ان لوگوں کی تالیفات کا ' تعرف الاشیاء باضدادھا ' کے طور پر ' مرحوم و مبرور پروفیسر براؤن افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران' کی تالیفات کے ساتھہ (جوشروع سے اخیر تک ایران و متعلقات ایران کی خالص محبت سے لبریز ھیں) موازنہ کریں تو، مرحوم کی قدر منزلت' اور دوسروں سے اُن کے گہرے فرق کا صحیح اندازہ ھوسکے گا اور آپ کو معلوم ھو جائیگا کہ مستشرقین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں، ان سے فی صدی ایک درجہ بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ اور تب آپ سمجھہ سکیں گے کہ اُن کی موت کے ساتھہ ' یورپ سے' ایران کا کس قدر زبردست پشت و پناہ' ایرانیوں کے ھات سے کھو گیا ھے ؟' اور موت کے ظالم ھاتوں نے ہ- جون کو ایران کی ملت و معنویت کے کتنے بڑے حامی کا شکار کرلیا ھے؟ اور ان سے بڑھکر یہ کہ اُن کی موت نے' اھل علم و فضل کی محفل پر کیا افسوسناک اثر ڈالا ھے کہ کوئی چیز اور کوئی شخص ' برسوں تک اُن کی خالی جگہ پر نہیں کرسکتا - اُن کے ایرانی دوستوں کے دلوں کے لئے یہ وہ گہرا زخم ھے جو زندگی بھر بھرنے میں نہ آئے گا - اللہ تعالیٰ اُن کے مزار پر نور کی کرنیں برسائے! اُن کے حال پر اپنی وسیع رحمت کا نزول فرمائے اور اُن کی پاک روح کو اعلیٰ علیین میں' اُن شاعروں اور عارفوں کی ارواح کے ساتھہ رکھے جن سے وہ عمر بھر محبت کرتے رھے تھے !—

حقیقت میں پروفیسر براؤن کا وجود ایران کےلئے ایک نعمت خدا داد' اور فطرت کے اُن نادر اتفاقات حسنہ میں سے تھا جو کبھی کبھی' اور سہواً ' اس کے ھاتوں سے ظاھر ھوجاتے ھیں- اس سے زیادہ عجیب بات کون سی ھوسکتی ھے کہ اجنبی قوم کا ایک فرد' اور وہ بھی اس قوم کے اعاظم علما و فضلا میں سے ایک' اپنی ساری زندگی ' ھمارے ملک کی طرفداری میں گزار دیتا ھے اور مدت العمر' محض ھمارے ملک کی ایک

بیگانہ ملک کی خاطر ' خود اپنے ملک اور قوم سے مقابلہ اور اُن کے اعمال پر انتقاد واعتراض کی بوچھار کرتا رہتا ھے ! کیا یہ چیز' فطرت کے ——— آج کل کی اُس فطرت اجتماعیہ کے (جس کی بنیاد ظلم و ستم' جور و جفا اور دشمنی وغضب پر قایم ھے) اتفاقی نوادر اور سہو و غلطی کے امور میں سے نہیں تھی ؟ مگر کیسی غلطی ! کہ ھمارے لئے' اور ھماری خوش نصیبی کے لئے محض صواب اور صواب محض تھی! افسوس ! صد ھزار افسوس !! کہ یہ نعمت عظمیٰ ھمارے ھات سے چھن گئی ! رائگاں گئی !! —

اس مضمون سے' مرحوم کے بعض خصائل حمیدہ اور علم و فضل کے بارے میں چند اشارات مقصود ھیں اور بس ' ورنہ اگر کوئی اس عجیب و غریب ھستی کے مفصل حالات زندگی اور بے مثال مناقب و فضائل کا مناسب اظہار کرنا چاھے تو 'اُمیدی' طہرانی کا ھم زبان ھوکر کہہ اُٹھیگا —

کتاب فضل ورا' آب بحر کافی نیست
کہ تر کنی سر انگشت و صفحہ بنگاری

اگرچہ کہ اس قسم کے اغراقات میں ' حقیقت ' ھلاکت پیشہ ثابت ھوتی ھے مگر میں کہتا ھوں کہ اس موضوع پر بلا مبالغہ کئی سو صفحات کی کتاب لکھی جاے تب بھی اس مرحوم کے کارناموں کا حق ادا نہیں ھوسکتا البتہ ان کی عملی زندگی کے اُن تمام مختلف شعبوں ' مثلاً سیاسی ' تحقیقی' اور خصوصاً بابی مذاھب کے سلسلے کی (جن میں ھر ایک حصہ ایک جدا گانہ مبسوط و مفصل باب چاھتا ھے) صحیح تفصیل دی جاسکتی ھے - میں خود اگر یہ افسردہ دلی' اور پریشاں دماغی' جسنے اس منحوس خبر کے پہنچتے ھی ' میرے ھات پاؤں اور خیال و ارادہ کو مفلوج کردیا ھے ' نہوتی تو مرحوم کے ھزاراں ھزار حقوق میں سے کسی قدر ——— ادا کرنے کی غرض سے اس کام کو اپنے ذمے لےلیتا' مگر غم و یاس کا ھجوم دنیا و مافیہا سے بیزاری ' اور کار وبار سے برداشتہ خاطری ایسی چیز نہیں' جس نے مجھ میں

ذرا بھی کام کرنے کی طاقت باقی چھوڑی ہو - یہ پریشان سطریں بھی اپنے محترم دوست آقائی کاظم زادہ * جزاءالله خیراً کے حکم کی تعمیل میں لکھتا ہوں ' جنہوں نے مجھے اپنا وجدانی فرض یاد دلایا اور حتی‌الامکان تسکین‌و تسلی دی اور نہایت اصرار کے ساتھہ ' فرض سپاس گزاری کے ایک ہلکے سے جزو کی ادائگی پر مجبور کردیا - محترم ناظرین سے اُمید ہے کہ اختلال الفاظ اور اضطراب معانی پر (جن سے وہ ان سطور میں قدم قدم پر دوچار ہونگے) مجھے معذور خیال کرینگے اور اور اس عذر کو مان لینگے کہ اس مصیبت کی عظمت ان چیزوں سے کہیں بالا ہے! —

مرحوم کے حالات اوائل عمر سے سنہ ۸-۱۸۸۷ ع [۶-۱۳۰۵ھ] تک کے لئے جو اُن کے سفر ایران کا زمانہ ہے اور جب کہ اُن کی عمر ۲۷ سال تھی ' اُن کی کتاب " ایک سال ایرانیوں میں † " کا مقدمہ ملاحظہ ہو جس میں اُنہوں نے اپنے تمام سوانح حیات اور وہ اتفاقات ' جنہوں نے اُن‌کے السنۂ مشرقیہ کی تحصیل پر آمادہ کیا اور طبی تعلیم کی بجائے (جیسی کہ ان کے والد کی خواہش تھی) ان کو اسی سلسلے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا ' سب کچھہ مفصل بیان کیا ہے ' اس کے بعد ' اسی کتاب کا متن ملاحظہ ہو جو اکثر نہایت دلکش کتابوں کے نفائس سے بیحد جاذب نظر و توجہ ہے اور ایران کے ایک سالہ قیام (صفر ۱۳۰۵ - صفر ۱۳۰۶) کے حالات واقعات پر مشتمل ہے —

مرحوم کی ادبی زندگی کے اجمالی تصور کے لئے ' جو انکی زندگی کا بنیادی پہلو ' اور حقیقی مشغلہ تھی ' ۱۸- سال کی عمر سے لیکر (جبکہ انہوں نے فارسی کی تحصیل شروع کی) اخیر لمحہ حیات تک کی تفصیلات کے لئے ' مرحوم کی

---

* برلن (جرمنی) کے مشہور فارسی رسالہ " ایران شہر " کے اڈیٹر اور موجودہ ایران کے نامور اور بلند مرتبہ انشا پردازوں میں سے ہیں — اختر

† A year amongst the Persians, London 1893.

تالیفات ' (جو ۱۲ - بڑی کتابوں اور ۲۲- رسالوں * پر مشتمل ھیں)پر نظر ڈالنی چاھئے - ان میں " تاریخ ادبیات ایران " ان کے شاھکار کا درجہ رکھتی ھے - یہ ایک اھم ترین کتاب ھے - آج تک کسی مستشرق نے ' اس سے پہلے ' ایسی یا اس کے قریب قریب ' کوئی کتاب نہیں لکھی ھے - یہ ھماری (فارسی) زبان کے ادبیات کے بارے میں نہ صرف یورپ میں اپنے رنگ کی ایک اور بے نظیر کتاب ھے بلکہ فارسی زبانوں میں بھی (جیسا کہ ھرایک کو معلوم ھے) آج تک کوئی ایسی کتاب ' جس میں ایسی عجیب ترتیب و نظم ھو ' جو اس بسط و تفصیل کی حامل ھو ' جو اس قدر اھم اور نادر اطلاعات و معلومات پرحاوی ھو اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ایک ایسے علامہ ذوفنون کے ۳۰-۴۰ سالہ مطالعہ اور تحقیقات کا نتیجہ ھو ' اصلاً و ابداً نہیں لکھی گئی - اور کوئی ایسی رنگا رنگ تالیف ' جس میں تاریخ بھی ھو حالات مشاھیر بھی ' ادبیات بھی ھوں اور تذکرۂ شعرا بھی ' جو معجم الادبا بھی ھو اور منتخب الاشعار بھی ' جامع الحکایات بھی ھو اور گنجینۂ نکات بھی ' اور ھزارھا ایسے ھی حقایق و معارف و محاسن سے لبریز ھو ' ابتک ھم میں منصۂ شہود پر نہیں آئی ھے —

مرحوم کے سیاسی کارناموں کی پہلی تحریک کو انکے ۱۸ سالہ دورحیات ' (۱۳۲۴ - ۱۳۳۲ ھ) سے تعلق ھے جب کہ ایران کے شیرازۂ حکومت کی پریشانی ' اور اس ملک میں روس و برطانیہ کے ظالمانہ عمل دخل نے اُن کے تمام ذکر و فکر ' اور دن رات کے حصوں کو ' سراسر اپنی طرف مشغول کرلیا تھا ؛ یہی حوادث تھے جو آگے چلکر ' اس سلسلے میں مرحوم کے تمام تکلیفات و مجاھدات کا باعث ھوئے - سیاسیات کے اس شعبے میں مرحوم سے دو نفیس کتابیں یادگار ھیں - ایک " انقلاب ایران " (۱۹۱۰ ع - ۴۹۶ صفحات - ۳۲ تصاویر) - دوسری " ایران کے جدید اشعار و مطبوعات "

---

* مرحوم کی سیاسی اور بابی مذاھب کے متعلق ' جو کتابیں ھیں وہ اس فہرست میں شامل نہیں ھیں - صرف ادبی چیزوں کا ذکر ھے —

(۱۹۱۴ ع - ۳۹۷ صفحات - ۳۲ تصاویر) - ان کے علاوہ کئی جداگانہ رسائل بھی ہیں جن کے نام اُس فہرست تالیفات میں (جو خود مرحوم نے سنہ ۱۳۴۲ ھ میں شایع کی تھی) موجود ہیں - یہ اُن لا تعداد مضامین کے علاوہ ہیں جو انگریزی جرائد و رسائل میں مسلسل شائع ہوتے رہے ہیں اور جن کی صحیح فہرست تیار نہیں کی جا سکتی —

بابی مذاہب کی تحقیقات کے معاملہ میں ان کی دلچسپی لینے کی کیفیت کے لئے، ان کی اس سلسلے کی مشہور کتابوں اور خصوصاً ان کے مبسوط مقدموں کا مطالعہ کرنا چاہئے جن میں وہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کونت دوگو بینو (Conte de gobinow) کی کتاب کے مطالعہ سے کس طرح اُن کی حیرت و تلاش کی رگ بیدار ہو گئی اور اس گروہ کی حقیقت حال کے دریافت میں ان کا ذوق و شوق بڑھتا گیا اور اس کے بعد وہ خود ان مسائل کی تحقیقات پر کمر بستہ ہو گئے اور کمال سرگرمی و جد و جہد سے، اس جماعت کی سرگذشت اور اس کے ان دردناک واقعات کے بارے میں (جو ان کی نسبت ایران میں واقع ہوے اور جنھوں نے سارے یورپ کو متاثر کر دیا) چاروں طرف سے اطلاعات و معلومات حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے - شروع میں انھوں نے سفر ایران کے دوران میں اس مذہب کے بہت سے پیروؤں سے دوستی پیدا کی اور اُن سے بہت کچھ معلومات حاصل کئے، بعد ازاں سنہ ۱۳۰۷ھ میں، اس سلسلے کے اصلی سرچشمہ سے تازہ اطلاعات مہیا کرنے کی غرض سے 'عکا' اور 'قبرس' کا سفر کیا اور میرزا یحییٰ معروف بہ "صبح ازل" اور میرزا حسین علی معروف بہ "بہاء اللہ" —— دو بابی پیشواؤں سے ملاقات کی- علاوہ بریں اس گروہ کے دوسرے علما و فضلا سے، جو ایرانی یا ترکی علاقوں میں تھے یا مصر و شام میں، جہاں پتہ چلا، خط و کتابت شروع کر دی، اور قیمتاً یا بلا قیمت، جس طرح بھی ممکن ہوا، اُن سے کتب و رسائل اور اسناد و اوراق حاصل کئے اور تب کہیں جاکر اپنی بلند ہمتی اور راسخ العزمی کے سایہ میں

کسی قسم کی تکان اور محنت سے گھبرائے بغیر، اس شہرۂ آفاق اور اہم کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے اور جیسا کہ اُن کا اصلی مقصد تھا کونت دی گوبینو کی تحقیقات کے بعد سے (جو سنہ ۱۲۶۹ھ تک منتہی ہوتی ہے) اپنے زمانے تک کی تفصیلات جمع کردیں—

کونت دی گوبینو فرانس کے مشہور فاضل ہیں، بہت سی فلسفیانہ، اجتماعیاتی، مذہبی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ فلسفۂ تاریخ کے مخصوص طریقے "گوبنزم" کے (جس کے پیرو جرمنی میں زیادہ ہیں) یہی موسس و مخترع ہیں۔ کونت موصوف سنین ۱۲۷۱ – ۱۲۷۴ میں، فرانسیسی سفارت متعینہ طہران کے نائب اول اور سنین ۱۲۷۸ – ۱۲۸۰ میں، اسی شہر میں، اسی حکومت کی طرف سے وزیر مختار کی حیثیت میں مقیم رہ چکے ہیں۔ اس مناسبت سے اُن کی اکثر تالیفات، ایران اور اُس کے اجتماعی و تاریخی مسائل پر مشتمل ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں ایک "ایشیائے وسطی میں فلسفہ مذاہب"۔ (Les relgions et les Philosophies D' Asie centrale) کے نام سے ہے، جس کی دو اشاعتیں نکل چکی ہیں۔ پہلی اشاعت سنہ ۱۸۶۵ع (سنہ ۱۲۸۲ھ) میں ہوئی تھی۔ اس کتاب میں تقریباً تین سو صفحات کا ایک باب، صرف تاریخ و مذہب بابیہ کی بحث پر مشتمل ہے اور چونکہ باب کے قتل کے کچھ ہی بعد اور اس گروہ میں مذہبی اختلافات رونما ہونے سے پہلے، وہ خود بنفس نفیس طہران میں موجود تھے اور اُن کو خاص طور پر تحقیق مذاہب کا شوق تھا اس لئے اس کتاب میں بابیوں کے باب میں نہایت اہم اور فوق العادت معلومات ملتے ہیں—

پروفیسر براؤن مرحوم نے (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) بابیوں کے وقائع کو گوبینو کی تحقیقات کے بعد سے شروع کیا ہے اور اُن اختلافات کو جو باب کے بعد اُس میں رونما ہوئے، بازلی، بہائی، ناقضین، اور ثابتین، کی اقسام اور ان کی مخاصمتوں کے بیان اور ایک دوسرے کے فرق و اختلاف اور دول ایران و ترکی سے

ان کے مراسم و روابط وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور گوبینو کی تحقیقات کو جو قیمتی اور اہم ہونے کے باوجود، بڑی حد تک ناقص اور نا مکمل تھی، نہایت اچھے طریقے پر پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا ہے اور اس طرح اس جدید مذہب کے ۷۰ سالہ واقعات کو اُس کے ظہور (سنہ ۱۲۶۰ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک) بے کم وکاست تشریح و تکمیل کے ساتھ دنیا کی نظروں کے سامنے رکھدیا ہے اور اس فرسودہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرکے عالم تاریخ کو ابدالاباد تک کے لئے اپنا رہین منت کرلیا ہے—

بابی مذہب سے متعلق مرحوم کی تالیفات، جن میں سے ہر ایک حقیقت میں بجائے خود ایک شاہکار ہے، حسب ذیل ہیں—

(۱) "ترجمۂ مقالۂ سیاح"، تالیف عباس آفندی معروف بہ عبدالبہا، بہت مفصل اور مبسوط حواشی کے ساتھ (سنہ ۱۸۹۱ - ۵۰۲ صفحات)—

(۲) "ترجمہ تاریخ جدید"، تالیف میرزا حسین ہمدانی - مع حواشی (سنہ ۱۸۹۳ع - ۵۳۷ صفحات)—

(۳) "بعض اسناد دربارۂ مذہب بابیہ" (سنہ ۱۹۱۸ع - ۴۰۴ صفحات)—

ان کے علاوہ دو بابی کتابیں بجنسہ فارسی میں شائع کی ہیں - پہلی یہی "مقالۂ سیاح" جس کا ذکر اوپر آچکا ہے (سنہ ۱۸۹۱ع - ۲۱۱ صفحات) اور دوسری "نقطۃ الکاف" تالیف حاجی میرزا جانی کاشانی - جو قدماء بابیہ اور باب کے معاصرین میں سے تھا (سنہ ۱۹۱۰ع - ۴۷۰ صفحات) اس قسم کے معلومات سے جن لوگوں کو دلچسپی ہو، اُنھیں "نقطۃ الکاف" کا مقدمہ پڑھنا چاہئے جو ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس موضوع پر مستقل ایک تصنیف معلوم ہوتا ہے—

پروفیسر ہرائون کی ان کتابوں نے، بابی موضوع پر، صحت معلومات کے لحاظ سے جن کو اسناد و رقائق اور اس گروہ کے پیشواؤں کے خطوط نے چار چاند لگادئے ہیں، یورپ میں اس درجہ اہمیت حاصل کی ہے اور اُن پر علما کو اس قدر

اعتماد و رثوق ہے کہ ان کتابوں نے پروفیسر براؤن کے علمی پایہ کو، یورپ کے علماء فن تحقیق ادیان و مذاہب میں، اول درجے پر پہنچا دیا ہے، اس موضوع پر اُن کے اقوال، بالاجماع سند مانے جاتے ہیں، اُن کی تالیفات، اس فن کی اصولی اور بنیادی کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔ خاتمۂ سخن کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر حسن اتفاق، ان دو معزبی ہستیوں (گوبینو اور براؤن) کی تلاش و فکر کو اس ڈگر پر نہ ڈال دیتا اور اُن کی یہ قیمتی اور قابل قدر کتابیں وجود میں نہ آتیں تو اس گروہ کا تمام تاریخی سرمایہ، غارت ہوگیا ہوتا اور اُن کی آنے والی نسل بلکہ خود اُن کے معاصرین کے لئے بھی کوئی تاریخی اطلاع ملنی دشوار ہوتی۔ کیوں کہ اس مذہب کے مختلف فرقوں کے مناقشات، باہمی تعصبات کا ہجوم، ایک دوسرے کی نسبت اکاذیب و اباطیل کے طومار، ایک دوسرے کے ہاتوں ہر فرقہ کی کتابوں کا اتلاف، باہمی، تاریخی وقائع کو مسخ کرنے کی کوششیں، اور فریقین کا ایک دوسرے کے معاملات میں تجاہل عارفانہ یا انگریزی اصطلاح میں "اجماع سکوتی"* (Complot de silence) (جو بابیوں کے تفریق و تقسیم کی ابتدا سے ان فرقوں میں ہمیشہ واقع ہوتے رہے، ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے) یہ ایسے اسباب تھے کہ ان کی ہنگامہ آفرینیوں میں اصل مطلب کبھی کا "غت ربود" ہوجاتا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم میں چھپ جاتا! —

واضح رہے کہ اس گروہ کے حالات و واقعات کو، بالخصوص یورپ میں، صرف

---

* مرحوم اس قسم کے مکر و تلبیس، اور تجاہل عارفانہ کی بہت مزیدار اور ایسی دلچسپ مثالیں سناتے تھے کہ انسان مبہوت رہ جاتا تھا۔ افسوس ہے کہ یہاں چند مثالیں دینے کی بھی گنجائش نہیں، جو "ارباب مذاہب کی روحی کیفیت" کی آئینہ دار ہوتیں اور معلوم ہوجاتا کہ متدینین کی وہ جماعت، جس کے مذہب میں تمام امور عادیہ، انتہائی ورع و تقویٰ کی شکل میں ہوتے ہیں، بایں ادعا، صریحی جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتی، یہ کچھ بابی مذہب ہی پر موقوف نہیں بلکہ جملہ مذاہب میں حلال سمجھی گئی ہے۔ اور فن فلسفۂ مذاہب و ادیان کی ایک شاخ یہ "نفسیات" بھی ہے۔

فن تحقیق ادیان و مذاهب' اور مطلق فن تاریخ کے نقطۂ نظر سے اهمیت دی جاتی هے اور بس! ورنه اصل بابی مذهب ' فی حد ذاته' اور فلسفۂ مذهب و فهضت فکری کے لحاظ سے یورپ والوں کی نظر میں چنداں اهمیت نہیں رکھتا اور اُن کے عقیدے میں چند احمقانه تخیلات سے زیادہ قابل وقعت نہیں —

اب هم مرحوم کے عام حالات و سوانح پر ایک اجمالی نظر ڈالتے هیں :—

اگرچه که اس دنیا میں خوش نصیب هونا ایک موهوم چیز هے' اور خارج میں اس کا وجود نہیں ' لیکن اس مختصر سی زندگی میں کسی شخص کے لئے کوئی اضافی اور نسبی سعادت فرض کی جا سکتی هے تو هم کہه سکتے هیں که وہ اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب تھے' اور اکثر و بیشتر سعادتیں اور مسرتیں اُن کی ذات میں موجود تھیں' اول یه که مزاج صحیح اور قوی تندرست تھے' اور اگر اُن کی بیوی کی نا وقت موت کا مہلک صدمه نه پہنچتا تو ابھی ۳۰ - ۴۰ سال اور زنده رهتے' دوسرے یه که ذاتی طور پر متمول اور باثروت تھے' اگر کیمبرج کی پروفیسری کی خدمات متعلق نه هوتیں تو بھی بہت آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے - تیسرے یه که اُن کی زندگی مصروفیت کی ساده زندگی تھی' رنگین مزاجی یا عیاشی کو اس میں مطلقاً دخل نه تھا - علاوہ بریں جس مشغلے کو اُنھوں نے اپنی مدت العمر کے لئے ' منتخب کرلیا تھا وہ ایسا نه تھا که اُن کے خلاف مزاج هو اور محض کسب معاش کے لئے گوارا کیا گیا هو' بلکه وہ اُن کی انتہائی آرزؤں اور تمناؤں کا مرکز اور اُن کے ذوق طبیعت کے عین مطابق تھا- یعنی ادبیات السنۂ اسلامی' اور خصوصاً ادبیات فارسی کا مشغله! مگر عربی و ترکی سے اُن کا شغف ' تفنن کے طور پر تھا اور فارسی سے حقیقی ' بنیادی اور مستقل طور پر جیسا که فارسی ادبیات سے ظاهر هوتا هے- چونکه ذاتی طور پر (جیسا که لکھا جا چکا هے) متمول تھے ' اس لئے اس سلسلے میں ' اپنی انتہائی خواهشوں کے مطابق ' قسم قسم کی نادر اور نفیس قلمی کتابوں کے حصول' اور حسب دلخواہ طباعت و اشاعت کے لئے (اگر ضرورت هو'

(سنہ ۱۹۱۳ ع میں پمبروک کالج (کمبرج) باغ میں!)

(۱) بیگم براؤن (۲) پروفیسر براؤن (۳) حسین قلی خاں نواب
(۴) حقی پاشا صدر اعظم ترکی (۵) مدیر پمبروک کالج
(۶) علی رضا بک پروفیسر ترکی

ورنہ حالت یہ تھی کہ کتب فروش منتیں کرکے لےجاتے تھے) اُن کو کوئی دقت نہ ہوتی تھی - ان معاملات میں چونکہ ان‌کو انتہائی لذت و مسرت حاصل ہوتی تھی اس لئے وہ پانی کی طرح روپیہ بہانے میں ' زرا توقف نہیں کرتے تھے اور جس چیز کو ان کا دل چاہتا تھا اُس کے حصول میں ان کو کوئی مالی دقت نہ ہوتی تھی —

اُن کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ " تاریخ ادبیات ایران " کو (جو اُن کی ہی نہیں ساری دنیا کی نظروں میں اُن‌کا اہم‌ترین کارنامہ تھی) کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی میں مکمل کرلیں ' اور موت کا ناگہانی حملہ اسکو ناتمام نہ رکھے - اُن کی ساری زندگی کا مطمح نظر ' اور واحد شغل یہی تھا اور وہ سب سے زیادہ اسی کو اہمیت دیتے - اور اس کام کو اصل اور دوسرے کاموں کو اس‌کے فروع خیال کرتے‌تھے —— چونکہ انسانی خوش نصیبیوں میں‌سےایک خوش نصیبی اور بڑی خوش نصیبی ' اُمید برآنا بھی ہے ' اور مقدر ہو چکا تھاکہ مرحوم ہرلحاظ سے اس دنیا میں ' عاش‌سعیداً و مات‌حمیداً کے مصداق ہوں ' اسی لئے اللہ‌تعالیٰ اور اتفاقات زمانہ‌نے اُن‌کو اس خوش نصیبی سے بھی محروم نہیں رکھا - اور یہ شاندار تصنیف جس کی مدت تالیف تقریباً تیس سال * بلکہ کچھہ زیادہ ہی ہے ' ان‌کی آرزو کے مطابق ' اُن کی زندگی میں تکمیل کو پہنچ گئی - عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کی آخری جلد اُن کے انتقال سے صرف دیڑھ سال پہلے شائع ہوئی‌تھی ' گویا اللہ نے اُن کو اسی مدت تک کہ لئے زندہ رکھا تھا کہ وہ اپنا اہم فرض بجالائیں

---

* اس کتاب کی پہلی اور اخیر جلد کے مابین ۲۲ - سال کا فاصلہ ہے (۱۹۰۲ع - ۱۹۲۴ع) اس حساب سے ایک ایک جلد آٹھہ آٹھہ سال میں مرتب ہوئی ہے ' جن‌کی مجموعی مدت ۲۳ سال ہوتی ہے مگر چونکہ پہلی جلد کی تالیف کی مدت معلوم نہیں اس لئے صرف ۶ سال شمار کئے گئے ہیں جس سے کم وقت یقیناً صرف نہیں ہوا ہوگا - خود مرحوم نے اخیر جلد کے مقدمہ میں لکھا ہے" اس کتاب کی تالیف عرصہ (آغازجوانی سے جب فارسی شروع کی ۱۹۲۴ع تک) کی محنت کانتیجہ ہے" —

اور پھر واپس چلے آئیں —

سعادت بشری کے اسباب میں ' ایک محبت یا عشق بھی ھے ' خدا نے اُن کےلئے یہ ساماں فراھم کردیا اور سنہ۱۳۲۴ھ (سنہ ۱۹۰۶ ء) میں ' مرحوم نے کمبرج کے ایک شریف خاندان کی لڑکی سے (جس سے برسوں سے محبت تھی) نکاح کرلیا یہاں پہنچ کر اُن کی خوش نصیبی ھر طرح مکمل ھوگئی ' اور ان کا وجود ' خوشی و مسرت سے لبریز ھوگیا - مرحوم ' اپنی بیوی کی محبت کا حال ' ھر جگہ اور ھر شخص سے کہتے اور لکھتے تھے' یہ محبت یک طرفہ نہ تھی ' بلکہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بےانتہا محبت بلکہ پرستش کرتے تھے —

مرحوم کی خاص صفات میں سے ایک عجیب و غریب صفت یہ تھی کہ وہ کبھی تھکتے نہ تھے' گویا قدرت نے' اُن کی فطرت میں' خستگی کا احساس ھی نہیں رکھا تھا کیسا ھی مستعد اور محنتی نوجوان ھوتا ' اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا - جو شخص کچھہ دنوں ' اُن کے ساتھہ کام کرتا اور اُن کی لگا تار محنت کو دیکھتا تو ' باوجود اس کے کہ وہ خود بھی بہت محنتی ھوتا تھا پھر بھی شرمندہ ھو جا تا تھا ' عام طور پر مرحوم رات کے ایک بجے تک کام کرتے تھے' صبح کے متعلق معلوم نہیں ' کس وقت اُٹھتے تھے' مگر اس سے اندازہ ھوسکتا ھے کہ ۸بجے تاڑھی' غسل اور ناشتےسے فارغ ھوکر کام میں مشغول ھوجاتے تھے ' میں نہیں سمجھہ سکتا ' آدمی کتنا ھی سالم المزاج اور اچھے قوی کا ھو' اور کیسا ھی محنتی ھو مگر اس قدر کام کس طرح کر سکتا ھے ؟ اتنی کتابیں لکھنا اور اس قدر یادگاریں چھوڑنا معمولی بات نہیں! میں نہیں جان سکا کہ یہ افراط کار ' اُن کے قوی کی تندرستی اور طاقت کا نتیجہ تھی کہ وہ مشین کی طرح دماغی کاموں سے تھکتے نہ تھے ' یا اُن کے مشاغل شبانہ روزی ' کی ترتیب کا اثر تھی ! بہر صورت' اُن کی تالیفات کی فہرست پر (جو انہوں نے انتقال سے ایک سال پہلے خود' ایک رسالہ کی شکل میں شائع کی تھی) ایک نظر ڈال لینا کافی ھوگا جس کو دیکھکر انسان حیران رہ جاتاھے—

ان کی بڑی کتابیں جو خواہ مستقل تالیف ہوں خواہ فارسی کے تراجم—— ۱۸ ہیں - اس حساب میں ''تاریخ ادبیات ایران'' کی چاروں جلدیں' چار کتابیں شمار کی گئی ہیں' کیونکہ مرحوم نے اپنی مرتب کردہ فہرست میں بھی ایسا ہی کیا ہے' اس لئے کہ یہ جلدیں علیحدہ علیحدہ فروخت ہوتی ہیں - متوسط اور مختصر رسالوں کی تعداد ۳۲ ہے* —

وہ دیباچے' جو دوسرے لوگوں کی مرتب کردہ فارسی عربی کتابوں پر انگریزی میں لکھے ۱۳ ہیں—

ان تالیفات و اشاعات کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹ ہزار ۳ سو سے زیادہ ہوتی ہے' حساب حسب ذیل ہے—

بڑی کتابیں	۱۸	۷۰۰۰ صفحات
چھوٹے بڑے رسالے	۳۲	۱۷۵۳ صفحات
دیباچے	۱۳	۵۶۵ صفحات
		کل ۹۳۱۸ صفحات

نو ہزار تین سو اٹھارہ صفحے! جو بغیر کسی کی امداد کے' تمام تر اُن کے قلمی آثار ہیں - کیونکہ مرحوم کی عادت تھی کہ مسودہ' نقل' کاپیاں اور پروف سب کچھ خود پڑھتے تھے اور ان کاموں میں کسی شخص پر اعتماد نہیں کرتے تھے - کسی کتاب سے نقل کرنے سے زیادہ غیر دماغی کام کیا ہو سکتا ہے' مگر وہ اس کو

---

* خود پروفیسر براؤن نے اپنی تالیفات کی فہرست (مطبعہ سنہ ۱۳۴۲) میں رسائل کی تعداد ۲۵ لکھی ہے - اُن کے علاوہ ۷ رسالوں کو' جو اس وقت راقم‌الحروف کے پیش نظر ہیں' اس میں شامل نہیں کیا ہے - اول تو یہی فہرست ہے دوسرے ''تجارب السلف'' کی تعریف میں ایک رسالہ ہے جو اس فہرست کے بعد تالیف ہوا ہے - باقی ۵ رسالے ہیں یہ زیادہ تر سیاسی ہیں: معلوم نہیں کیوں اُن کو فہرست تالیف میں شامل نہیں کیا گیا؟—

بھی خود انجام دیتے تھے' صرف اخیر کے چند سالوں میں اُن کی کتابوں کی کاپیوں کی تصحیح میں اُن کی مرحوم بیوی کسی قدر امداد کرنے لگی تھیں اور چونکہ مدتوں کے بعد اپنے شوہر کے مذاق کو سمجھنے میں کامیاب ہوئی تھیں اس لئے وھی اس سے عہدہ برا بھی ہو سکتی تھیں—

اوپر بتلایا جا چکا ھے کہ مرحوم کے وہ سیاسی مضامین جو ۸ - ۹ سال کی طویل مدت' جنگ عظیم کے آغاز تک' انگریزی جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے ھیں' چونکہ ان کا حساب مجھ سے ممکن نہیں اس لئے انھیں' صفحات کے حساب میں شمار نہیں کیا گیا ھے - اب رھیں وہ فارسی کتابیں جن کو مرحوم نے تصحیح کرکے شائع کیا——جو لوگ کہ اس قسم کا کام کر چکے ھیں وہ بخوبی جانتے ھیں کہ اس طرز کی تصحیحات اور انتقادی مطبوعات' اگر تصنیف سے زیادہ دقت طلب نہوں تو کچھہ کم بھی نہیں ہوتیں' بہر کیف یہ دو ھیں - ایک "تذکرۃ الشعرا" دولت شاہ سمرقندی (۴۴۸ صفحات) دوسری "لباب الالباب" محمد عوفی کی دوسری جلد (۵۴۸ صفحات) اس کتاب کی پہلی جلد کی تصحیح' چونکہ راقم الحروف نے کی تھی اس لئے وہ حساب میں داخل نہیں کی گئی - اسی طرح "مقالۂ سیاح" اور "تاریخ گزیدہ" کے متن' جو عکسی شائع کئے گئے ھیں اور ان میں تصحیح نہیں کی گئی ھے - ایک "نقطۃ الکاف" ھے جو اُن کے ایک دوست کی تصحیح اور اھتمام کی شرمندۂ احسان ھے مگر ان دوست نے اصرار کیا تھا کہ اصل مصحح کا نام نہ ظاھر کیا جاے اور یہ مرحوم ھی کے نام سے شائع کی جاے - اسی طرح وہ کتابیں جو اُن کے شاگردوں یا دوستوں کی تصحیح سے طبع ہوئیں اور مرحوم نے معرفی کے طور پر انگریزی میں ایک دیباچہ لکھدیا - اس قسم کی کتابیں بھی حساب میں شمار نہیں کی گئی ھیں کیونکہ ان کی تصحیح و طباعت سے مرحوم کو مطلقاً سر و کار نہ تھا - سواے اس کے کہ آثار قدیمۂ ایران کے احیا کے شوق میں' ان میں سے اکثر کے اخراجات طبع خود برداشت کئے یا "کب کے اوقات خیر" میں سے'

(جس کے وہ صدر امین تھے) دلوا دئے—

مرحوم کے خصوصیات میں ان کا عجیب اور فوق العادت حافظہ بھی تھا۔ یونانی، لاطینی اور یورپ کی دوسری مشہور زبانوں، جرمن، فرنچ، کے علاوہ (جن سے ہر ایک تربیت یافتہ یورپین تھوڑا بہت واقف ہوتا ہے) تین مشرقی اسلامی زبانوں، یعنی فارسی، عربی اور ترکی، نہایت اچھی طرح جانتے تھے اور یورپ کے بیشتر مستشرقین کی طرح، صرف، علماً ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی، وہ تینوں زبانیں، نہایت اچھی طرح بولتے اور لکھتے تھے - ایک مرتبہ کا ذکر ہے راقم الحروف، مرحوم کے ہاں مہمان تھا، اتفاق سے وہاں ایک مصری عرب اور ایک اسلامبولی ترک بھی موجود تھا - میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ وہ اُسی کی زبان میں کمال صحت و روانی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے - حاضرین میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ وہ بس اُسی کی زبان میں مہارت رکھتے ہیں مگر جب اس اتفاقی اجتماع میں ان کو بولتے سنا تو سب کو تعجب ہوا کہ وہ تمام زبانوں میں تقریباً برابر ملکہ رکھتے ہیں، "تقریباً" میں نے اس لئے کہا کہ ترکی و عربی کو اچھی طرح جاننے کے با وجود، فارسی زبان میں، ان کی مہارت بہت ہی زیادہ اچھی تھی، کیونکہ ایرانیوں کے ساتھ مدتوں کی صحبتوں، اور ایک سالہ قیام ایران کی وجہ سے اُن کی فارسی —— عربی اور ترکی کی بہ نسبت، اُن کی مادری زبان کے برابر ہو گئی تھی—

اُن کو ان تینوں زبانوں کے اس قدر اشعار، امثال اور مختصر کلمات حفظ تھے اور اُن کو وہ اس کثرت سے گفتگو اور خط و کتابت میں استعمال کرتے تھے کہ بہت کم ترک، عرب اور ایرانی اُن کو پہنچ سکتے ہیں - صحبت اور خط و کتابت میں یہ نکتہ سنجیاں اور مناسب مضامین کا استعمال بہت لطف دیتا تھا - وہ ان نکات کے اس درجہ دلدادہ تھے کہ اپنی انگریزی تحریروں میں بھی، ان مشرقی امثال کا استعمال کر جاتے تھے—

مختلف زبانوں کی کتابوں کے مطالعے کی کثرت ، نیز سیر و سفر اور مختلف قوموں کے علما و فضلا کی صحبت کی وجہ سے بیسیوں نادر اور نہایت دلکش قصے کہانیاں اُن کو یاد تھیں جو موقعہ پر اس طرح سناتے تھے کہ سننے والا نہایت محظوظ ہوتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ صحبت ختم نہو ، اور وہ اُن کی باتیں سنے جاے ، جاتے وقت وہ نہایت حسرت سے الوداع کہکر اور با دل ناخواستہ رخصت ہوتا تھا - اصل بات یہ ہے کہ ایسے شیریں اور جذاب قصہ کہانیوں کے لئے ، مرحوم کا ذوق خاص طور پر موزوں تھا اور اُن کی طبیعت ، اس سلسلے میں بہت تیز واقع ہوئی تھی - جس کتاب یا تاریخ میں وہ ایسی چیزوں کا مطالعہ کرتے ، اُن کی طبیعت کچھہ ایسی واقع ہوئی تھی کہ وہ غیر ارادی طور پر ، اُس کے لطیف و نفیس ترین حصوں کو اخذ کرلیتی اور فضول اور بے نتیجہ حصوں کو بھول جاتی تھی ، اسی مذاق نے اُنکی تالیفات میں ایک بہترین وصف یہ پیدا کردیا ہے کہ ہرایک شاعر ، ادیب ، یا حکیم کے حالات ، یا ہر ایک عہد کے تاریخی واقعات کے سلسلے میں اسی قسم کے نفیس ، اور مزیدار ، قصے ، کہانیاں ، حوادث ، نادر لطیفے اور مضامین بیان کرتے ہیں اور معمولی قصہ کہانیوں کو (جو تاریخی نقطۂ نظر سے اہم ہی کیوں نہوں) حذف کردیتے ہیں - یورپ میں اُن کی تصنیفات کی شہرت اور مقبولیت کا بڑا سبب یہی ہے —

بعض واقعات کا ، (جن کا ان پر بہت عجیب اثر ہوا تھا اور جنھیں وہ بار بار دہراتے تھے) ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا - شاید اس قسم کا واقعہ ، بجاے خود اتنا عجیب نہو ، مگر دو آدمیوں کے اختلاف مذاق کو دیکھتے ہوے (جو اس واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک تو خود وہ اور دوسرا کوئی ایرانی ، عرب ، یا ترک) اُن کو بہت عجیب معلوم ہوتا تھا - اور اس نقطۂ نظر سے دیکھا جاے تو حقیقتاً اس کی دل کشی میں کوئی شک نہیں —

مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے قسطنطنیہ کے ایک ایرانی کو لکھا

کہ قسطنطنیہ کے فلاں کتب خانے کی کتاب کی نقل کرکے مجھے بھجوادو ——— اتفاق کی بات بعد ازاں مجھے خیال نہ رہا اور کچھہ ضرورت بھی نہ رہی ! ایک مدت کے بعد اس ایرانی نے مجھے اس کتاب کی نقل بھیجی - میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اس کا معاوضہ کیا ارسال کیا جاے ؟ اس نے مجھے جواب دیا تو اس میں ' سرنامہ پر خط نسخ میں جلی قلم سے یہ آیت لکھی تھی " قل لااسألکم علیہ اجراً ان ھو الا ذکری للعالمین" اس کے بعد مفصل طور پر لکھا تھا کہ میں نے یہ خدمت' محض تمہارے اخلاص و علم کی خاطر کی ھے نہ کہ اُجرت کے لئے! میں تم سے کسی اُجرت کی توقع نہیں رکھتا "—

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " مجھے تعجب ھوا کہ یہ شخص کیوں اپنی محنت کی اُجرت نہیں لیتا؟ کیوں کہ ھم انگریزوں کے لئے یہ فطری چیز ھے کہ جو شخص کام کرتا ھے اس کے لئے اُجرت لازمی چیز ھے ' بہت کم ایسا ھوتا ھے کہ کوئی مفت کسی کا کام کردے ' کسی کا اخلاص اور علم کی خدمت' اُجرت لینے کو کوئی منع نہیں کرتا' غرض کہ میں نے چاھا کہ اُس کو دوبارہ لکھوں اور اُجرت لینے پر اصرار کروں مگر جب دوبارہ اُس قرانی آیت پر (جو جلی قلم سے لکھی ھوئی تھی) نظر پڑی تو میں نے اُس کی سچائی کو غلط نہ سمجھا اور سوچا کہ میں نے اس پر کچھہ احسان نہیں کیا ھے اور نہ اُس کا کوئی کام انجام دیا ھے جس کے شکریہ کے طور پر وہ مجھہ سے اجرت نہیں چاھتا ' پس اس کے اُجرت نہ لینے کا سبب ' میری محبت اور علم کی خدمت کے سوا (جیساکہ اس نے خود لکھاھے). اور کچھہ نہیں ھے! خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ ایک مسلمان ھے اور اس نے ایک قرآنی آیت سے استشہاد کیا ھے—

وہ کہتےتھے کہ "میں ڈرا کہ اگر اُجرت کےلئے لکھوں تو وہ کہیں اسےقرآنی آیت کی توھین نہ خیال کرلے ' چنانچہ میں نے اُس کو خط لکھا تو اُجرت کے بارے میں ایک حرف نہ لکھا اور دوسرے امور کے ذکر پر بس کردیا - اس کے دو تین ماہ بعد

مجھے میرے ایک ایرانی دوست (مقیم قسطنطنیہ) کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ " فلاں شخص تمہاری شکایت کرتا ہے کہ اُس نے تمہارے لئے فلاں کتاب نقل کی مگر تم نے اُس کو اُجرت نہیں ادا کی " —

مرحوم کہتے تھے "مجھے یہ دیکھکر اس قدر تعجب ہوا کہ میں کچھہ کہہ نہیں سکتا' میں نے فوراً اتنا روپیہ (جو میرے خیال میں اُس کی کافی اجرت تھی) اس دوست کے توسط سے روانہ کردیا اور اُس کو لکھا کہ " آقا! تم نے جو اپنے خط میں جلی آیت کریمہ لکھی تھی کہ میں اُجرت نہیں چاہتا ! میں نے اس پر یقین کرلیا ! میں کیا جانتا تھا کہ تم اپنی صریحی انکار کے جو قرآنی آیت سے موکد تھا خلاف کروگے " ! —

مرحوم پروفیسر ' اس واقعہ کو اُس ایرانی کی عیب جوئی کے لئے نہیں بیان کرتے تھے' حاشا و کلا' بلکہ صرف اور صرف' تعجب و حیرت کی وجہ سے کہ آخر اُس شخص کے انتہائی تناقض کا کیا مطلب تھا ؟ —

ایرانیوں کے لئے ' جو اس قسم کے تکلفات کے عادی ہیں ' اس ایرانی کا طرز عمل' طبعاً تعجب خیزنہ ہوگا اور یقیناً اگر مرحوم براؤن کی جگہ کوئی ایرانی ہوتا تو اُس شخص کے اصرار اور آیت شریفہ کے باوجود' بہت جلد اُسے ' اس کا حاصل مطلب یعنی روپیہ ارسال کر دیتا - مگر چونکہ مرحوم ان تکلفات کے عادی نہ تھے اس لئے یہ معمولی سا واقعہ ' اُن کی نظروں میں بہت عجیب معلوم ہوا —

اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کرتے تھے ایک مرتبہ میں جامع ازہر (مصر) کے ایک عالم کے ساتھہ ' جو ادیب' نحوی ' اور لغوی ' مشہور تھا ' بیٹھا تھا - میں اس کا نام بھول گیا ہوں - کلمۂ " زندیق " پر گفتگو چھڑ گئی ' جس کو لغت کی کتابوں میں " اشتقاقات بے بنیاد " میں شمار کیاگیا ہے مثلاً کہتے ہیں کے یہ "زن‌دین" کا معرب ہے ' یعنی " صاحب دین زنانہ "—

مرحوم کہتے تھے کہ میں نے اس عالم شخص سے کہا کہ پروفیسر

بوان* (A . A . Bevan) کی تحقیقات کے مطابق " زندیق " " آرامی الاصل † " ہے۔اس کی اصل صدیق ہے۔صدیق مانو یہ اصطلاح میں صاحب کتاب الفہرست‡ اور ابوریحان البیرونی (صاحب الاثارالباقیہ $) کی شہادت پر ، اُن کے مذہبی مدارج خمسہ کا ایک درجہ ہے - ان درجوں کی ترتیب (اوپر سے نیچے) اسطرح ہے :—

معلمین ، مشمسین ، قسیسین ، صدیقین ، سماعین (مہم پرتشدید ہے) بظاہر کلمۂ صدیق ، فارسی میں آکر زندیق ہو گیا ہے ، اسکی پہلی دال نون سے بدل گئی ہے ، جیسے فارسی کلمہ "شنبد" جس کی قدیم شکل " شنبہ" تھی - اور یہ " شنبد " عربی لفظ " شبت " کا مفرس ہے (بہ تشدید ب ، جو عربی نسبت سے ہے) زندیق فارسی کے ذریعہ عربی میں داخل ہوا ہے نہ کہ اصل آرامی سے ! عربوں کے نزدیک اس کا اطلاق عام مانویوں پر ہوتا تھا چاہے وہ اس درجے سے متعلق ہوں یا نہوں! بعد میں بتدریج مطلق ملحد اور بے دین کے معنی میں (جو اس کا فعلی مفہوم ہے) استعمال ہونے لگا! "—

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " جب میں اپنی بات ختم کرچکا تو وہ عالم خوب قہقہے لگاکر حاضرین سے بولا " دیکھو! فرنگیوں نے کیسی مزخرفات اختراع کی ہیں؟ کہتے ہیں کہ زندیق صدیق سے نکلا ہے ! " یہ سنکر حاضرین بھی ہنسنے لگے اور میں بہت پشیمان ہوا —

---

* ایک ہمعصر انگریز مستشرق —

† Arameen آرامی ایک کلمہ ہے جس کا اطلاق اُن تمام اقوام وقبائل پر (جو عراق و بین النہرین میں اسلام سے پہلے سکونت رکھتے تھے) اور اسی طرح اُن کی زبانوں پر (جن کی دوشاخیں سریانی ، اور قبطی بھی ہیں) ہوتا ہے - قدیم مورخین اور مسعودی نے اُن کو ارمانیین سے تعبیر کیا ہے —

‡ کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۳

$ آثار الباقیہ صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

مستشرقین یورپ اور علماے اسلام کے اختلات مذاق کی یہ ایک بہت اچھی مثال ہے، مستشرقین یورپ، مختلف السنۂ عالم پر عبور رکھنے کی وجہ سے (جو ان کی تعلیم و تعلم کی بنیاد ہے) اصول لغات اور الفاظ و کلمات کی تحقیق، زبانوں کے متحدالوضع الفاظ اور اُن کے حقیقی اشتقاقات کی توجیہ اور تصحیف شدہ تاریخی یا جغرافیائی اسماء کا کھوج نکالنے میں (جو ہزاروں برس سے ہماری کتابوں میں جوں کے توں غلط سلط اور محرف و ممسوخ چلے آرہے ہیں اور کوئی شخص آج تک السنۂ اصلی کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے اُن کی تصحیح پر قادر نہیں ہو سکا ہے) کامل مہارت اور فوق العادت دسترس رکھتے ہیں - یہ مسئلہ بھی اُن کی اُن مخصوص فضیلتوں میں سے ہے جن کی گرد کو بھی اہل مشرق نہیں پا سکتے —

علماء مذہب اسلام، چونکہ عربی کے سوا، (جو اُن کے لئے اشرف اللغات، اور ان کے علم و ادب اور ہر ایک چیز کی بنیاد ہے) کسی دوسری زبان کی طرف توجہ نہیں کرتے - اس لئے وہ ان فضیلتوں سے محروم رہتے ہیں اور صنعت اشتقاق اور اُس کے اصول کے ذریعے، لغات کی تاریخی سرگذشت، اور رد الفاظ، اور اس قسم کی باتیں اُن کے نزدیک، ناقابل اعتنا ہیں - بھولے سے اگر کبھی علماے لغت کسی اشتقاق کا ذکر، بالخصوص خارجی الفاظ کے بارے میں کرتے ہیں تو وہ نہایت مضحکہ خیز ہوتا ہے - لطف یہ ہے کہ خارجی الفاظ کے بارے میں با وجود اس کے کہ خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ خارجی ہے اور معرب ہے مگر پھر اُن کے اشتقاقات کی توجیہ عربی الفاظ سے کرتے ہیں! مثلاً فرماتے ہیں کہ: اسطرلاب "سطرہ لاب" سے ماخوذ ہے یعنی "لاب نے اس کو لکھا" (اُن کے زعم میں "لاب" اس آلہ کے موجد کا نام ہے!) —

ایک اور مثال ملاحظہ ہو-

'الفیوم' مصر کا مشہور شہر ہے - یہ 'الف یوم' سے مرکب ہے، کیونکہ فرعون نے اس کو ایک ہزار دن میں تیار کرایا تھا —

چند اور مثالیں!

"طلسم" عربی لفظ "مسلط" کا مقلوب ہے!!

"شطرنج" عربی "شطر" سے مشتق ہے کیونکہ "شطر" یعنی "اجزاے مختلفہ" رکھتی ہے—

الغرض لغات کی کتابیں، ایسی ہزاروں مثالوں سے بھری پڑی ہیں مگر ان کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ علماے اسلام چونکہ اپنی زبان (عربی) سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور ساری عمر ایک ہی زبان پر صرف کردیتے ہیں اور اس زبان کے صرف و نحو اور لغت وغیرہ میں مہارت رکھتے ہیں اس لئے اکثر اُن فاحش غلطیوں سے محفوظ رہتے ہیں جو مستشرقین یورپ سے کسی مشرقی کتاب کی ترتیب و تصحیح میں سرزد ہو جاتی ہیں - نحو، لغت، ادب اور شاعری کی وہ اہم کتابیں جو مصر کے علماے متبحر کے زیر اہتمام مصر سے شائع ہوئی ہیں مثلاً لسان العرب، تاج العروس، مخصص ابن سیدہ، آغانی اور تفسیر طبری! اُن کی صحت و تصحیح کے شاہکاروں میں ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی یورپی مستشرق (خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہو) اس قسم کی اہم اسلامی کتابوں کی اشاعت سے عہدہ برا ہو سکتا ہے! میری نظر سے بہت سی ایسی عربی، فارسی اور ترکی کی کتابیں گزری ہیں، جو یورپ سے شائع ہوئی ہیں اور اُن کے متن بلحاظ صحت و مطابقت قواعد صرف و نحو و لغت، بہت خراب اور اغلاط فاحشہ سے لبریز ہیں اور ان کے اشعار اکثر "لنگڑے لنجے" اور ناموزوں ہیں - الغرض علماے اسلام کے مقابلے میں مستشرقین یورپ میں یہی نمایاں ترین کمزوری ہے اور محض اس لئے ہے کہ جب ایک شخص اپنے اوقات کو اس قدر مختلف زبانوں اور فنوں کی تحصیل میں صرف کرے گا تو یقیناً اُس شخص کے مقابلے میں (جو اپنی تمام عمر، صرف ایک زبان اور ایک فن پر وقف کردیتا ہے) کس طرح آسکتا ہے؟ یقینی ہے کہ ثانی الذکر کی مہارت اور گہرائی، اس کی (تنہا) زبان یا فن کے تمام شعبوں اور مسائل میں

اول الذکر سے زیادہ ہوگی، اگرچہ کہ اول الذکر کی معلومات کی رنگا رنگی اور اطلاعات کا پھیلاؤ، ثانی الذکر سے کہیں زیادہ ہوگا - نتیجہ یہ نکلا کہ تحصیل السنہ میں، ان دو مشرقی اور مغربی طریقوں میں سے کسی ایک کو اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا بلکہ ہر ایک میں ایسے معائب و محاسن "دست و گریباں" نظر آئیں گے جو دوسرے میں بھی ہوں گے!—

آمدم برسر مطلب: پروفیسر براؤن، السنۂ مشرقیہ کی مہارت اور مستشرقی حیثیت کی فضیلت کے علاوہ، انگریزی زبان کے بھی بہت اچھے انشا پرداز شمار ہوتے تھے، اُن کی کتابیں جس وقت طبع ہو کر آتی تھیں تو نہ صرف مستشرقین بلکہ عامۃ الناس بہت تیزی سے خریدتے تھے اور کتب فروش بڑی خوشامدوں کے ساتھ پہلے سے اخراجات طبع پیش کردیتے تھے اور خوب نفع اُٹھاتے تھے - اس لئے کہ مرحوم کا حقیقی مقصد ساری عمر یہی رہا کہ ایرانی علوم و ادبیات کو، عام یورپ والوں سے روشناس کریں! اور ان کو علما و ادبا کے محدود گروہ یا مستشرقین کے محدود ترین گروہ میں ہی "مقید" نہ رہنے دیں! یہی سبب ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنی تصنیفات و تالیفات کو خالص فنی اور علمی کتابوں کے تنگ دائرے میں محصور نہیں کرتے تھے اور علوم و فنون کی مشکل اصطلاحات سے (جن کا سمجھنا بھی متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے جو ان فنون میں درک نہیں رکھتے، دشوار ہوتا ہے) اپنی کتابوں کو گرانبار نہیں کرتے تھے اور جرمن مستشرقین کے اُس کسالت انگیز طرز تالیف سے، (جس میں مخصوص اصطلاحات کی بھرمار اور رموز و اشارات و اختصارات کی کثرت، کتاب کو چیستاں بنا دیتی ہے اور جن کا سمجھنا عام لوگ تو کیا بہت سے علما و فضلا کے لئے بھی دوبھر ہوتا ہے) سخت نفرت اور پرہیز کرتے تھے - ہمیشہ کہتے تھے کہ "انسان کو چاہئے کہ اپنی محنت کے ثمرہ سے عام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے، اور علم کی زکواۃ کو، اس کے جائز مستحقین تک (جو عوام کا طبقہ ہے) پہنچائے ورنہ علما و فضلا تو خود دولت علم

سے مالا مال ہیں اور ہماری زکواۃ علم کے محتاج نہیں ہیں!"—

اُن کی تالیفات میں عام طور پر ان کا روے سخن علما کے ساتھ ساتھ طبقۂ متوسط سے بھی ہے! یورپ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً اُن کی کتابوں کی شہرت کا ایک راز یہ بھی ہے—

انگریزی نثر کے اچھے ماہر ہونے کے علاوہ مرحوم شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ فارسی کے اکثر اشعار کا انگریزی اشعار میں ترجمہ کیا ہے اور خود انگریزوں کی راے میں بہت کامیابی اور مقبولیت حاصل کی ہے* —

مرحوم بہت مخیر اور فیاض تھے اور ہر ایک مذہب و قوم کے فقرا و محتاجین کی اعانت کرتے تھے، عام طور پر، جس طرح بھی ممکن ہوتا تھا، روپیہ پیسہ سے، یا جگہ تلاش کرنے یا سفارش کرنے اور کسی قسم کی امداد دینے میں، ذرا کوتاہی نہیں کرتے تھے! خصوصاً علما و فضلا کی کتابوں سے اعانت کرنے میں ضرب المثل تھے - جو کتاب بھی نئی طبع ہوتی تھی، خواہ وہ اُن کی تصنیف ہو، خواہ اُن کی نگرانی میں شائع ہوئی ہو، یا ان کے علاوہ کوئی اور کتاب جو مشرقیات سے متعلق ہو، ایک کثیر رقم صرف کرکے، یورپ کے مستشرقین اور مسلمان فضلا اور ایرانیوں کو (جن سے ان کی ملاقات تھی یا کوئی پتہ بتلاتا) بڑے شوق سے بھجواتے تھے اور ہمیشہ کہتے تھے کہ "کتابوں کی اشاعت کا صحیح مقصد یہ ہے کہ وہ اہل فضل اور ان کتابوں کے محتاجین تک پہنچیں" اس سے اُن کی طبیعت کے ذوق و احساس اور ادبی آثار و معنویات کی محبت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے - یہی ایک چیز تھی جس سے اُن کی طبیعت کو لگاؤ تھا اور تمام عمر اسی غرض و غایت کی رعایت میں گزار دی - یہی طبیعی میلان تھا جس نے (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) اُن کے والد کی خواہش دربارۂ تحصیل طب سے بیزار کرکے اُن کو عمر بھر کے لئے ادبیات کے شغل میں مبتلا کردیا - اُن کے وجود کا سراپا، شعر و ذوقیات کا پروانہ تھا

---

* دیکھو ٹائمس (لندن) مورخہ ۶ جون سنہ ۱۹۲۶ء مرحوم کے حالات کے سلسلے میں-

اور اس معاملہ میں وہ تمام و کمال مجذوب اور از خود رفتہ تھے! ایرانی اور عرب شعرا کے اکثر شاہکار اور چیدہ چیدہ اشعار اُن کو ازبر تھے' دیوان حافظ (رح) تو شروع سے لے کر اخیر تک حفظ تھا' ایرانی شعرا کے اکثر بہترین اشعار کا (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) "تاریخ ادبیات ایران" میں انگریزی نثر میں اور اکثر کا شعروں میں ترجمہ کیا ہے! اس لحاظ سے اُنھوں نے یورپ میں ایرانی معنویات اور ایرانی روح کی لطافت کو بہت با وقار کردیا ہے اور روح ایران کی عظمت اور ایرانیوں کی دقت افکار و احساسات اور شعرا و حکما و علما و مفکرین کی اُن خدمات کو جو انھوں نے نوع بشر کی معنویات کی انجام دی ہیں' ان سب کو یورپ میں اپنی شیریں زبان اور سحر کار قلم سے پھیلا دیا ہے! خدائے تعالیٰ اُن کو ہم ایرانیوں کی طرف سے جزائے خیر دے—

حقیقت یہ ہے کہ یورپ والوں میں سے کوئی بھی ایرانیوں پر اس قدر حقوق نہیں رکھتا اور کیا اچھا ہوتا اگر ہماری انجمن آثار ملی' یا حکومت ایران' یا خود ایران' اُن کی جلیل القدر اور عظیم الشان خدمات کا پاس کرکے اُن کی یادگار کے طور پر' ایران میں ایک انجمن قایم کر دیتا جس کا مقصود (کِب اوقات خیر' کی طرح جس کے مرحوم موسس اور صدر تھے) فارسی کی نفیس کتابیں شائع کرنا ہو۔ اس سے بہتر کوئی چیز اُن کی روح کو خوش نہیں کر سکتی اور نہ اُن کے اس مقصد سے مناسبت رکھہ سکتی ہے جو اُن کی ساری عمر کی امیدوں اور آرزؤں کا منتہا تھا —

اس قسم کی یادگار کا کوئی کام ایک ادنیٰ ترین اور ناچیز ترین ہدیہ ہوگا جو ملت ایران کی سی ایک حق شناس اور شریف قوم' ایک ایسے علامۂ زماں محسن کی خدمت میں پیش کرسکتی ہے' جس نے اپنی تمام عمر شروع جوانی سے لیکر' زندگیٔ مستعار کے آخری لمحہ تک' خالصاً و مخلصاً ایران پر قربان کردی —

میرا خیال ہے کہ اُن کی حساسی اور رقت طبع ہی اُن کی موت کا بہانہ بن گئی کیونکہ اُن کو اپنی بیوی سے (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) بے حد محبت تھی - اپنی تالیفات میں سے دو، یعنی "تاریخ ادبیات ایران" کی دوسری اور تیسری جلد کو بیوی ہی کے نام معنون کیا ہے - دوسری جلد کی پشت پر چند انگریزی اشعار لکھکر، جن میں اپنی بے حد محبت کا اظہار ہے، نیز تیسری جلد میں، ذیل کی عبارت "میں یہ کتاب اپنی بیوی کی (جس کی خاص تحریک اور تشویق سے یہ تکمیل کو پہنچی ہے) نذر کرتا ہوں" انگریزی میں لکھکر 'اساسی' کے اس بیت کو، جلی قلم سے خط نسخ میں نہایت خوبصورت لکھوایا ہے —

یک روز بود عید بیک سال بیک بار
ہر روز مرا عید ز دیدار تو ہموار!

اُن کو بیوی سے محبت نہیں عشق تھا اور وہ ہر جگہ اور ہر صحبت میں، نیز اپنے خطوط میں اکثر اس کا اظہار کرتے رہتے تھے، اُن کے تمام دوست اور دوسرے لوگ، اپنے پرائے سب، میاں بیوی کی باہمی محبت سے با خبر تھے - وہ ۱۹ سال تک یہ مبارک خانہ'نی زندگی، کمال خوشی و خرمی، اور آرام و راحت کے ساتھ بسر کرتے رہے ——— مگر یک بیک "روزگار دوں پرور" کی عداوت پیشگی نے اپنا زہریلا اثر دکھلایا —

بیوی سینہ کے مرض میں مبتلا ہو گئیں، یہ موسم سرما کا زمانہ تھا - بہت علاج و معالجہ کیا مگر مطلقاً فائدہ نہ ہوا - حتیٰ کہ موسم گرما میں وفات پا گئیں - مرحوم کے لئے یہ ایسا سخت صدمہ تھا کہ اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس وقت سے تمام دنیا و مافیہا اور دوسرے تعلقات، درس و بحث و تالیف و تصنیف وغیرہ سے بیزار ہو گئے، دنیا اُن کی آنکھوں میں تاریک ہوگئی اور اُسی دن سے روز بروز جسمانی و روحانی طور پر گھلنے لگے - میرے ایک ایرانی دوست، جنھوں نے مرحوم کو موت سے ایک دو ماہ پہلے دیکھا تھا، مجھ سے کہتے تھے کہ "خدا شاھد ہے

پروفیسر براؤن کو جس وقت میں نے دیکھا تو بہت دیر تک نہ پہچان سکا، اس قدر ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے کہ کیا کہوں۔

مرحوم نے اپنی محبوب شریک زندگی کے بعد، ایک سال بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا اور چھہ سات ماہ بعد ہی (۵ جون سنہ ۱۹۲۶ع کو) اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے—

دوست بر دوست رفت و یار بر یار!
خوشتر ازیں در جہاں بگو چہ بود کار؟

ہاں! پروفیسر براؤن نے ہمیں ایک ابدی الوداع کہدی اور ہم سے رخصت ہوگئے! مگر اُن کا نیک اور مبارک نام ہمارے دلوں سے ہرگز نہیں مٹ سکتا! وہ خود موت کے پنجے میں اسیر ہو گئے مگر اُن کا ذکر خیر اب بھی زندہ ہے! زندۂ جاوید ہے! اُن کا وجود نظروں سے ضرور غائب ہو گیا مگر اُن کی یاد سے ہمیشہ سینے آباد رہیں گے! اُن کا جسم گو خاک کے پردے میں چھپ گیا مگر اُن کی روح جنات نعیم میں، حافظ و سعدی و رومی (رح) کی ارواح طیبہ کے ساتھہ گلگشت کر رہی ہے! اُنھوں نے موت کا تلخ جام پی لیا لیکن دنیا کے کام و دھن کو حشر تک کے لئے شعرائے ایران کے نتائج افکار کی شیرینی سے فیضیاب کر گئے! اُن کی قلم کی حرکت موقوف ہو گئی مگر ان کے قلمی آثار رہتی دنیا تک طبائع کو ایران کی محبت کا سبق دیتے رہیں گے! اُن کی محبوب صورت نظروں سے چھپ گئی لیکن اُن کی مرغوب سیرت ذہنوں میں بسی ہوئی ہے! ایران کی خاطر اُن کی نیکیوں کو! اُن کی فدا کاریوں کو! اُن کے مجاہدوں کو! اور غیر فانی خدمات کو! اور بیکراں حقوق کو، ایرانی ہرگز فراموش نہیں کر سکتے! اور اُن کی سپاس گزاری اور حق شناسی کے فرض کو ہمیشہ اپنے بچوں کے منہ میں ماں کے دودہ کے ساتھہ جگہ دیں گے! اور اس بزرگ، بہادر، فیاض، نیک فطرت، پاک دل، مخلص اور ایران دوست، ہستی کی شکر و ثنا کو ابدالآباد تک اپنی زبانوں پر جاری اور

لوح قلوب پر مسطور رکھیں گے - رحمت اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ !!!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے بعض فارسی خطوط کے اکثر حصے نظر ناظرین کر دئے جائیں جن سے مرحوم کے ادبی اور سیاسی خیالات پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے اور اس کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کی قدرت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے یہ تحریریں اُن کی اصل عبارتیں ہیں اور بجنسہ درج کی گئی ہیں - ان کے مخاطب اُن کے اکثر ایرانی دوست ہیں—

ایک خط مورخہ ۶ - مارچ سنہ ۱۹۲۱ع میں لکھتے ہیں :-

"در ایں جا موقع آں نیست کہ فلسفۂ حیات و عقائد روحانیۂ خود را بیان نمایم ولے اجمالاً میگویم کہ چوں خدائے تعالیٰ مالے فوق لیاقت و احتیاجات خود بمن ارزانی داشتہ است، بر خود دو قسم زکوٰۃ فرض میدانم، یکے دینی از قبیل اعانت فقرا و غم دیدگاں از ہر قبیل و ہر ملت و مذہب، و یکے علمی، از برائے ترویج آں علوم کہ مطمح نظر من است، یعنی علوم اسلامیہ و تاریخیہ و ادبیہ خصوصاً علومے کہ راجع بایران باشد، و در ہمہ قرآن ہیچ آیۂ بہتر از قولہ تعالیٰ لیس البر اِن تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر ..... الی آخرالایۃ ندیدہ ام کہ ایں حیات فانی سریع الذھاب است و بر صاحب ہمت واجب است کہ قبل الانتقال از برائے ابقاء نام خود و ترغیب خلف باصطلاح رومیاں یادگارے "ابقی من النحاس" (Aere prennius) بنا کند تا نام نیکو از او بماند و چہ خوب نقشے است کہ یکے بر قبر خود نویسایند "آنچہ خرج کردم داشتم، آنچہ نگاہ داشتم گم کردم، آنچہ دادم دارم" و در ایں طریق بخیال خودم اقتدا بصنادید العجم میکنم و شاید مثل ایشاں پیش دانش پژوہان زمان آئندہ مذکور باشم"—

چہار مقالہ کی طباعت کے بعد اُس تعریف و توصیف پر جو اس کتاب کے ناشر•

• یہ خود میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی ہیں، جن کے تصحیح و اہتمام سے "چہار مقالہ" شائع ہوا ہے— اختر

پروفیسر براؤن کو جس وقت میں نے دیکھا تو بہت دیر تک نہ پہچان سکا' اس قدر ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے کہ کیا کہوں'۔

مرحوم نے اپنی محبوب شریک زندگی کے بعد' ایک سال بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا اور چھہ سات ماہ بعد ہی (۵ جون سنہ ۱۹۲۶ع کو) اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے—

دوست بر دوست رفت و یار بر یار!
خوشتر ازیں در جہاں بگو چہ بود کار؟

ہاں! پروفیسر براؤن نے ہمیں ایک ابدی الوداع کہدی اور ہم سے رخصت ہوگئے! مگر اُن کا نیک اور مبارک نام ہمارے دلوں سے ہرگز نہیں مٹ سکتا! وہ خود موت کے پنجے میں اسیر ہو گئے مگر اُن کا ذکر خیر اب بھی زندہ ہے! زندۂ جاوید ہے! اُن کا وجود نظروں سے ضرور غائب ہو گیا مگر اُن کی یاد سے ہمیشہ سینے آباد رہیں گے! اُن کا جسم گو خاک کے پردے میں چھپ گیا مگر اُن کی روح جنات نعیم میں' حافظ و سعدی و رومؔ (رح) کی ارواح طیبہ کے ساتھہ گلگشت کر رہی ہے! اُنہوں نے موت کا تلخ جام پی لیا لیکن دنیا کے کام و دہن کو حشر تک کے لئے شعرائے ایران کے نتائج افکار کی شیرینی سے فیضیاب کر گئے! اُن کی قلم کی حرکت موقوف ہو گئی مگر ان کے قلمی آثار رہتی دنیا تک طبائع کو ایران کی محبت کا سبق دیتے رہیں گے! اُن کی محبوب صورت نظروں سے چھپ گئی لیکن اُن کی مرغوب سیرت ذہنوں میں بسی ہوئی ہے! ایران کی خاطر اُن کی نیکیوں کو! اُن کی فدا کاریوں کو! اُن کے مجاہدوں کو! اور غیر فانی خدمات کو! اور بیکراں حقوق کو' ایرانی ہرگز فراموش نہیں کر سکتے! اور اُن کی سپاس گزاری اور حق شناسی کے فرض کو ہمیشہ اپنے بچوں کے منہ میں ماں کے دودہ کے ساتھہ جگہ دیں گے! اور اس بزرگ' بہادر' فیاض' نیک فطرت' پاک دل' مخلص اور ایران دوست' ہستی کی شکر و ثنا کو ابدالآباد تک اپنی زبانوں پر جاری اور

لوح قلوب پر مسطور رکھیں گے - رحمت اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ !!!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے بعض فارسی خطوط کے اکثر حصے نظر ناظرین کر دئے جائیں جن سے مرحوم کے ادبی اور سیاسی خیالات پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے اور اس کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کی قدرت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے یہ تحریریں اُن کی اصل عبارتیں ہیں اور بجنسہ درج کی گئی ہیں - ان کے مخاطب اُن کے اکثر ایرانی دوست ہیں—

ایک خط مورخہ ۶ - مارچ سنہ ۱۹۲۱ع میں لکھتے ہیں:-

"در ایں جا موقع آں نیست کہ فلسفۂ حیات و عقائد روحانیۂ خود را بیان نمایم ولے اجمالاً میگویم کہ چوں خدائے تعالیٰ مالے فوق لیاقت و احتیاجات خود بمن ارزانی داشتہ است، بر خود دو قسم زکوٰۃ فرض میدانم، یکے دینی از قبیل اعانت فقرا و غم دیدگاں از ہر قبیل و ہر ملت و مذہب، و یکے علمی، از برائے ترویج آں علوم کہ مطمح نظر من است، یعنی علوم اسلامیہ و تاریخیہ و ادبیہ خصوصاً علومے کہ راجع بایران باشد، و در ہمہ قرآن ہیچ آیۂ بہتر از قولہ تعالیٰ لیس البر اِن تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر ..... الی آخرالایۃ ندیدہ ام کہ ایں حیات فانی سریع الذھاب است و بر صاحب ہمت واجب است کہ قبل الانتقال از برائے ابقاء نام خود و ترغیب خلف باصطلاح رومیاں یادگارے "ابقی من النحاس" (Aere prennius) بنا کند تا نام نیکو از او بماند و چہ خوب نقشے است کہ یکے بر قبر خود نویسایند "آنچہ خرج کردم داشتم، آنچہ نگاہ داشتم گم کردم، آنچہ دادم دارم" و در ایں طریق بخیال خودم اقتدا بصنادید العجم میکنم و شاید مثل ایشاں پیش دانش پژوھان زمان آئندہ مذکور باشم"—

چہار مقالہ کی طباعت کے بعد اُس تعریف و توصیف پر جو اس کتاب کے ناشر•

• یہ خود مرزا محمد بن عبدالوھاب قزوینی ہوں، جن کے تصحیح و اھتمام سے "چہار مقالہ" شائع ہوا ہے— اختر

نے اپنے مقدمے میں مرحوم کی کی تھی لکھتے ہیں :-

"خواستم قبل ازیں بنویسم و اظہار تشکرات خود را بکنم از انچہ در حق مخلص در مقدمۂ چہار مقالہ مرقوم فرمودہ بودید اگرچہ خیلے بالا تر از استحقاق من است و خودم را بہیچ وجہ لایق چنیں تعریفات نمی بینم - منتہی این است کہ علم را دوست دارم و علما و افاضل را مکرم و معزز می شمارم و زبان فارسی را و ادبیات ایران را در مرتبہ بزرگے میدانم و آزادی و بہبودی ایران را خواہانم کہ این ہمہ چیزہا حقیقتاً جبلی است و از ایام شباب در دل مخلص بیخ زدہ است و جزوے از وجود من شدہ است"—

ایک اور مکتوب (مورخہ ۲۷ فروری سنہ ۱۹۲۱ع) میں لکھتے ہیں :-

"در این اواخر بعضے از اکابر و مشاہیر ایران بمناسبت داخل شدن مخلص در سال شصتمین عمر خود (در ۷ فروری سنہ ۱۹۲۱ع) یعنی گذشتن از پنجاہ و نہ سالگی، تبریک نامۂ با مدیحۂ بخط بسیار قشنگ یعنی بخط عمادالملک کہ بیچارہ از قرارے کہ نوشتہ است، چہار سال در حبس بودہ است در قوطی نقرۂ با کتابت مناسبے و دیگر یک قالی بسیار خوب کاشانی بطریق ارمغان و یادگار بہ مخلص فرستادہ بودند - این لطف و مہربانی از طرف اشخاصیکہ بعضے از ایشاں را شخصاً ہیچ نمی شناسم، خیلے بر من اثر کردہ و خجالت می کشم کہ این خدمتہاے جزئی را کہ بہ ایران کردہ ام، باین درجہ تقدیر میفرمایند - ولے حقیقتاً از ہیچ شرفے کہ در مدت العمر حاصل شد اینقدر تفاخر و ابتہاج نہ کردہ ام کہ از این و نمیدانم بچہ زبان و بچہ وسیلہ بتوانم چنانکہ باید و شاید از عہدۂ شکر این نعمت کبریٰ بدر آیم*"؟

ایک اور مکتوب میں راحۃ الصدور کی اشاعت کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"آیا برائے آقائی..... ممکن است مشغول استنساخ راحۃ الصدور شوند

---

* اس تبریک نامے کا عکس شائع کیا جاتا ہے—

اکابر ایران کا تبریک نامہ

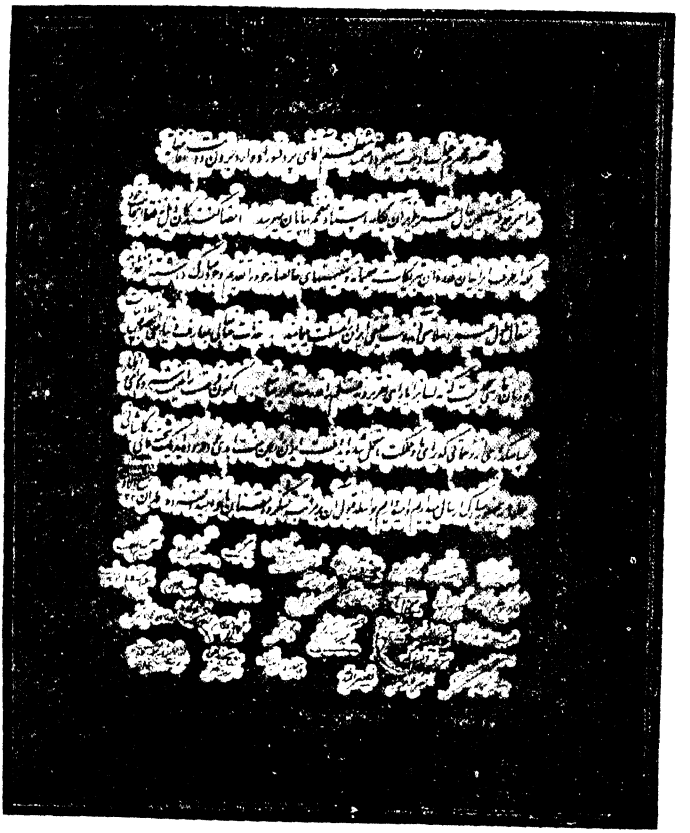

پروفیسر براؤن کی ساتھویں سالگرہ پر

که مدتے است در صد و چاپ کردن آں هستیم، احیاے صنادید عجم حالا بیش از پیش اهمیت دارد تا روح ایران قوت بگیرد و بزرگی ایران بر همهٔ عالم واضح گردد. جناب عالی باید مخلص را از انچه کردنی است مطلع بفرمائید وچه خوب می بود اگر میتوانستید در اوقات فراغت یک دستورالعملے بنویسید مشتمل بر اسماء کتب فارسی که نشر و چاپ یا عکس انداختن آنها بیشتر اهمیت دارد و کجائی و چگونگی نسخه ها و حجم آنها تا بعد از ملاحظهٔ کار و پول و مخارج آنچه لازمتر باشد در دست بگیریم"—

ایک اور خط میں قدیم فارسی املا کی حفاظت کے بارے میں لکھتے ھیں:-

"عقیدهٔ مخلص این است که اصل املا را حتی در غرایب باید حفظ کرد، یعنی مثلاً 'ج' و 'چ' و 'ز' عوض 'چ' و 'پ' و 'ژ' و کذا، آنج، و آنک، و هرج و بلک، و کجون، همانطور که مخلص کردم در رسالهٔ "یک تفسیر قدیم فارسی" (An old persian commentary) حتی در غرایب مثل "عصاموسی" وغیره بهمان قرار که ما خود ماں معمول می داریم در چاپ منتهاے قدیم انگلیسی که ابداً معترض تصرف در اینطور املاهاے قدیم نمی شویم، چرا که هر گاه بنا باشد دست زدن بمتنے قدیم خیلے مشکل است پیشروی نه کنیم تا آخر بجاے اشخاصے میرسیم که متن این کتابهاے قدیم را بکلی تغییر و تجدید کرده اند. امیدوارم که این راے مطابق راے جناب عالی باشد"—

ایک اور مکتوب میں صفوی دور کے ادبیات سے متعلق لکھتے ھیں:—

"حالا شروع کرده ام بتالیف نتمهٔ تاریخ ادبیات ایران و خیلے اشکالات دارم که کدام شعر او معررین را ذکر کنم، چیزے که نمی توانم بفهمم این است که باوجود آنکه در هیچ وقتے بعد از اسلام، ایران سلاطینے مقتدر تر و بهتر از ملوک صفویه نداشته است چطور است که تقریباً هیچ شاعرے مشهور که درجهٔ اول باشد در آں مدت بظهور نرسید؟ یا شاید این بود که بر حسب "الناس علی دین ملوکهم" همه صوت

همت در مسائل دین و مذهب بود و ظهور اکابر علما درآن وقت بود''—

اسی موضوع پر ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

" بیشتر شعرائے ایرانی کہ درآن دور (یعنی دور صفویہ) شہرتے بہم رسانیدہ اند مثل عرفی و صائب وغیرہما جلاوطن کردہ بہندوستان رفتند و آنجا صلات جمہ یافتند و گویا در خود ایران متاع آنہا تا درجۂ کساد داشت ایں شعرائے ایرانی الاصل را نسبت باکابر شعرائے قرون سابقہ از فردوسی گرفتہ تا جامی چہ طور تقدیر می کنید؟ و چہ قدر اصلیت داشتند؟ چہ معلوم است کہ ترازوے اہل ہند (مثل 'مولوی شبلی' کہ کتابے مفصل مسمی بہ "شعرالعجم" نوشتہ است) غیر ترازوے اہل ایران است"—

ایک اور مکتوب (مورخہ... مارچ سنہ ۱۹۲۳ع) میں لکھتے ہیں:-

" در ایں روزہا کتاب قصص العلما را خواندہ ام' ولے باوجود بعضے مطالب مفیدہ' خیلے بے ترتیب و پر از مزخرفات است کہ تعجب می کنم کسے کہ خودش را از زمرۂ علما بداند چنیں چیزہا بنویسد- کتاب دیگرے ہم کہ الآن آنرا میخوانم نجوم الاسماء است کہ مشتمل است بر چہار صد پانصد ترجمۂ حال از علمائے قرون اخیرہ (از اوایل صفویہ ببعد) ولے چوں ہر یک از آنہا را "فرید عصر" و "فاضل یگانہ" وغیرہ میگویند تمیز دادن مابین آنہائے کہ خیلے بزرگ بودند مثل میرداماد' و ملا صدرا' و ملا محمد تقی مجلسی' و ملا محمد باقر مجلسی' از کسانے کہ حقیقتاً ہیچ اہمیتے نداشتہ اند برائے یک اجنبی مثل مخلص بسیار دشوار است"—

ایک مکتوب (مورخہ ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ع) میں ایران کی پر آشوب سیاسی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں:—

"از ایں خبر دہشت انگیز تہدید نامۂ انگلیس بحکومت ایران' یاس بریاس افزود - یک طریقے ماندہ بود از برائے خلاصی ایران از چنگ حریصاں' و بنیان آن اولاً بر اتحاد کامل بود و فدا کاري از برائے وطن' و قرض گرفتن از زرد شتیان بمبئی

که حاضر بودند بشروط مقبوله، و تدارک جیش بهر زودے که ممکن باشد، و تمسک باذیال مجتهدین کبار خصوصاً جناب ملا محمد کاظم خراسانی که از وطن پرستهاے حقیقی و عقلاے دوربین است تا ایشان حتماً بقبایل جنوب مثل قشقائی تلگرات کنند که چون اغتشاش بهانهٔ باجنبی میدهد و حتماً باعث مداخله انگلیس می شود لهذا در این موقع هر کس دزدی و راهزنی کند و سبب اغتشاش شود کافر و دشمن اسلام و استقلال ایران است، افسوس که از قراریکه میرزا اسدالله خان میگوید انقلابیون بر خلاف مجتهدین کار میکنند و ارمنی هاے دشناک در امور داخل شده اند و حرف سوسیالیزم وغیره درمیان آورده اند و نمی بینند که اگر خود ایران نباشد نه سوسیالیزم می شود و نه چیز دیگر، بغیر از ذلت و خواری و بندگی و تحمل طوق اجانب، بد بختانه هیچ اتحاد کلام نیست و چارهٔ نمانده است

فقلت من التعجب لیت شعری

ا ایقاظ امیته ام نیام!

از کثرت حزن حالتے ندارم بیش از این بنویسم و مخلص خود خیال داشتم جرأت نموده بنجف اشرف به جناب ملا محمد کاظم عریضهٔ بنویسم و مراتب امور را معروض دارم ولے یاس بطورے غالب شده است که عزم من بر چیزے قرار نمی گیرد" —

اسی زمانے میں ایک اور خط میں اسی موضوع پر لکھتے ہیں:-

"شکے نیست که قلوب مردم از رفتار مبهم وزارت خارجه در این جا خیلے مضطرب است و یقین دارم که بعد از نه روز دیگر که پارلمان (پارلمنٹ) جمع خواهد شد، خیلے قیل و قال و سوال و جواب خواهد بود - ولے قوت ظلم در این دنیا خیلے است گاهے می ترسم که عدل و حب حریت کم کم نادر تر از کبریت احمر شده است و شکے نیست که بیشتر این تعدیات از تحریکات مالیون (Financiers)

است که همیشه حاضر اند زر سرخ بخون مردم بخرند و نه از خدا می‌ترسند و نه از آه مظلومان، اے کاشکه می توانستم از این عالم سیاسیات رهائی یابم و در عالم افکار و معانی و روحانیات آرام بگیرم - حالا دو سه سال است بواسطهٔ اوضاع ایران مثل حالت نزع از برائے من حاصل شده است"—

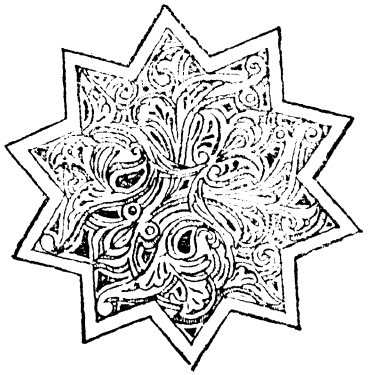

کیا اُردو شاعری تقلیدی اور غیر فطری ہے

از

(جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی 'ادیب' ایم - اے لکچرار
لکھنؤ یونیورسٹی)

[میرا ایک طویل مضمون اس رسالۂ اُردو کے جولائی سنہ ۱۹۲۶ع کے پرچے میں "اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے - جس کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیم یافتہ" طبقے کے اکثر افراد کو اُردو شاعری کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہو جائیں اور اُردو شاعری کو سمجھنے کے لئے جس ذہنیت کی ضرورت ہے وہ پیدا ہو جاے - جو مضمون آج ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اس کو اُس مضمون کا تتمہ سمجھنا چاہئے -]

جن لوگوں کو موجودہ نظام تعلیم نے اُردو ادب سے بیگانہ اور انگریزی ادب کا دلدادہ بنا دیا ہے ان کو اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ تقلیدی اور غیر فطری ہے - یعنی اُردو کے شاعر اپنے دل کا حال نہیں کہتے، اپنی زندگی کی سرگزشت نہیں سناتے، اپنے عینی تجربے سے کام نہیں لیتے، اپنی ذاتی راے نہیں دیتے، جو کچھ دیکھتے ہیں دوسروں کی آنکھوں سے، بالخصوص قدیم ایرانی شاعروں کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں انہیں کے انداز میں کہتے ہیں اور اپنے بیانوں میں فطرت کی موافقت کا لحاظ نہیں رکھتے—

اس اعتراض کے دو جز ہیں - دونوں پر الگ الگ نظر کرنا مناسب معلوم

ہوتا ہے - پہلے جز کے متعلق گزارش ہے کہ اُردو کے ابتدائی شاعروں نے بے شک فارسی شاعری کی تقلید کی ہے مگر یہ تقلید ناگزیر تھی اس لئے اُس پر اعتراض کرنا فطرت سے لڑنا ہے - بات یہ ہے کہ ان کے سامنے دو نمونے موجود تھے؛ ایک بھاشا کی شاعری، دوسرے فارسی کی شاعری - اِن میں سے جس نمونے کو بھی وہ اختیار کرتے اُسی کے مقلد کہلاتے - ابتدا میں تقلید کے سوا چارہ ہی کیا تھا مگر یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انہوں نے فارسی کی تقلید کو بھاشا کی تقلید پر کیوں ترجیح دی - وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں بھاشا علمی زبان نہ تھی، اپنے ادبی سرمائے کے اعتبار سے بھی بالکل تہی دست تھی؛ اُس کے کتب خانے میں مذہبی اور اخلاقی نظموں اور قصوں کہانیوں کے سوا شاید کچھ نہ تھا، نہ اُس کے اصول و قواعد معین تھے نہ لغت مرتب تھا - اُس کے برخلاف فارسی کا خزانہ علمی ذخیروں سے معمور تھا، اُس کے صرف و نحو کے قاعدے بندھے ہوے تھے، الفاظ و محاورات کی تحقیق کے لئے لغت موجود تھے، فصاحت کے معیار معین اور بلاغت کے اصول مقرر تھے اور فارسی شاعری و انشا پردازی ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی تھی - سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حاکم وقت کی زبان فارسی تھی؛ اکثر اُمرا اور بیشتر اہل منصب فارسی ہی بولتے تھے، درس و تدریس کا وسیلہ اور سلطنت کے کار و بار کا ذریعہ یہی زبان تھی؛ جو وقار اِس کو حاصل تھا وہ بیچاری بھاشا کو کہاں نصیب تھا - بعض لوگ اپنے فطری ذوق کی بدولت بھاشا کی شاعری سے بھی دل بہلا لیتے تھے، لیکن فارسی شاعروں کا کلام درسیات میں پڑھتے تھے، اس کے لفظ لفظ پر بحث ہوتی تھی، نکتے نکتے پر غور کرتے تھے، فارسی شاعروں کی عزت و حرمت شان و شوکت کے قصے کتابوں میں پڑھتے تھے اور ان کی شاہانہ قدردانیوں کی حکایتیں بزرگوں سے سنتے تھے - اِن سب وجوہ سے فارسی کی عظمت کا نقش دلوں پر بیٹھ جاتا تھا - ایسی حالت میں وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا اور اِس کے سوا کچھ نہ ہو سکتا تھا - یعنی جب لوگوں نے اُردو شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو فارسی شاعری کو

خضر راہ بنایا —

جس طرح اب انگریزی کی تعلیم ہمارے مذاق کو بدل رہی ہے اور انگریزی شاعری کو اس آب و تاب سے جلوہ دے رہی ہے کہ ہم اُس کے دلدادہ ہوئے جاتے ہیں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی تعلیم نے لوگوں کے مذاق کو متاثر کر کے انہیں فارسی شاعری کا شیدائی بنادیا تھا - جس طرح اب انگریزی کی واقفیت اور فارسی سے اجنبیت اس کی مقتضی ہے کہ ہمارے " تعلیم یافتہ " شاعر انگریزی شاعری کی تقلید کریں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی عام واقفیت اور انگریزی سے کامل ناواقفیت کا تقاضا یہ تھا کہ اُس وقت کے شاعروں کے کلام میں فارسی شاعری کا رنگ نمایاں ہو اور انگریزی شاعری کی بوتک نہ ہو - ہمارے لئے فارسی کا تتبع دشوار ہے ' اُن کے لئے انگریزی کی پیروی محال تھی - جن لوگوں نے شیکسپیر' ملٹن' ورڈزورتھ ' اور ٹینیسن کا نام بھی نہ سنا ہو اُن سے ان شعرا کی تقلید کی اُمید کیا کہوں کہ کیسا خیال ہے ' ع :- ایں خیال است و محال است وجنوں —

یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ جولوگ اُردو شاعری کو رسمی اور تقلیدی کہہ کر اُس کی تحقیر کرتے ہیں وہ خود انگریزی شاعری کی تقلید جائز رکھتے ہیں - انصاف کہتا ہے کہ اُس صورت میں بھی تو ہماری شاعری تقلیدی ہی رہیگی - فرق صرف اتنا ہوگا کہ تقلید شعرائے ایران کی نہ ہوگی شعرائے انگلستان کی ہوگی-فارسی کی تقلید ترک کر کے انگریزی کی پیروی کرنے کی تجویز سےمجھے بھی اختلاف نہیں ہے - فارسی شاعری سے ہم کو جو کچھ لینا تھا لے چکے ' اب اُسی پرقانع رہنا اور اپنی شاعری کو محدود رکھنا مناسب نہیں - اگر انگریزی شاعری کی تقلید سمجھ کر کی جائے تو شاعری کے لئے نئے نئے راستے نکلینگے ' نئے نئے موضوع ہاتھ آئینگے ' اظہار جذبات کے نئے نئے اسلوب اور دل پر اثر ڈالنے کے نئے نئے طریقے مل جائینگے - مگر اس تقلید کے جوش میں ایک خطرے سے خبردار رہنا ضروری ہے - کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خیالات و جذبات میں بھی انگریزوں کی

فقل کرنے لگیں - اگر ایسا ہوا تو ہماری شاعری محض نقالی ہوکر رہ جاے گی - نہ اُس میں سچا جوش ہوگا نہ گہرا اثر—

میں یہ تو کہہ چکا ہوں کہ اُردو کے شاعروں نے فارسی شاعری کی تقلید کی ہے اور چونکہ یہ تقلید ناگزیر تھی لہذا قابل اعتراض نہیں - اب یہ بھی بتادوں کہ تقلید سے میری مراد کیا ہے - تقلید کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمارے شاعروں نے ایرانیوں کے خیالات اور جذبات اُردو میں منتقل کردئے - میری مراد تقلید سے صرف یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کا موضوع، بیان کے اسلوب، عروض کے قاعدے، تشبیہیں اور استعارے، تلمیحیں اور صنعتیں فارسی شاعری سے لے لیں، لیکن خیالات اور جذبات اپنے رکھے - اس لئے ہم اُردو شاعری کو صرف ایک مخصوص معنی میں تقلیدی کہہ سکتے ہیں —

جن لوگوں کو فطرت نے شاعر نہیں بنایا -مگر طبیعت کی موزونی کے برتے پر شاعر بننے کی ہوس میں گرفتار ہیں ان کو البتہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ شاعروں کی نقل کریں - جو کچھہ اُنہیں کہتے سنیں خود بھی کہنے لگیں اور جو کچھہ اُنہیں کرتے دیکھیں خود بھی کرنے لگیں - ان کی شاعری بے شک تقلیدی بھی ہوگی اور غیر فطری بھی - مگر اس میں اُردو کی کیا تخصیص ہے، ہر زبان میں متشاعروں کے کلام کی یہی حالت ہوتی ہے - نظم کا سلیقہ اکثر میں اور شاعری کا ملکہ کمتر میں ہوتا ہے - اس لئے ہر زبان میں شاعر کم ہوتے ہیں اور متشاعر بہت - انگریزی زبان کا بھی یہی حال ہے - بے شمار انگریز شاعروں میں صرف چند اس قابل ہیں کہ انہیں حقیقی شاعر کہہ سکیں، انہیں کا ذکر ہر زبان پر ہے اور انہیں کو شہرت عام اور بقاے دوام حاصل ہے - اُردو میں بھی متشاعر بہت ہیں لیکن اُردو شاعری کی عمر کو دیکھتے ہوے حقیقی شاعروں کی تعداد بھی کچھہ بہت کم نہیں معلوم ہوتی—

یہ تو میں بتا چکا کہ اُردو شاعری کس معنی میں تقلیدی ہے - اب یہ بھی

بتا دینا چاهتا هوں که یه اعتراض پیدا کیونکر هوا - اس کا خاص سبب یه معلوم هوتا هے که همارے شاعروں کا کلام بهت کچهه ملتا جلتا هے اور یه مسلم هے که سب کی طبیعتیں ایک سی نهیں هوتیں، اس لئے یه شبه پیدا هوتا هے که انهوں نے اپنے ذاتی خیالات نظم نهیں کئے هیں بلکه ایک ڈهرّا بندهه گیا هے، سب اُسی کی پیروی کرتے هیں، ایک لیک بن گئی هے سب اُسی پر آنکهیں بند کئے چلے جاتے هیں۔ مگر حقیقت یه نهیں هے - اصل یه هے که همارے شاعر اپنے معیاروں، نظریوں اور اصولوں میں اس قدر هم خیال تهے که سب کی شاعری ایک هی سی معلوم هوتی هے۔ اس هم خیالی کی خاص وجه یه تهی که تعلیم و تربیت کے قاعدے، حسن و قبح کے معیار، معاشرت و معاملت کے اصول، حقوق و فرائض کی حدیں، رسم و رواج کے ضابطے نهایت مضبوطی سے بندهه گئے تهے، سب لوگ نهایت سختی سے ان کی پابندی کرتے تهے، اس لئے تمام سوسائٹی ایک هی رنگ میں رنگی هوئی تهی - مدت سے هندوستان کی تاریخ میں کوئی ایسا واقعه بهی نهیں گزرا تها جو اهل هند کی معاشرت میں، خیالات میں، جذبات میں انقلاب پیدا کردیتا —

هم خیالی کی ایک وجه یه بهی تهی که اگلے زمانے میں اصول اور کُلیے بنانا، نظریے اور معیار قائم کرنا هر شخص کا کام نهیں سمجها جاتا تها، یه صرف عالی دماغ فلسفیوں اور مذهبی پیشواؤں کا حق تها - جو اصول انهوں نے مقرر کردئے تهے عقیدت اُن کی پیروی اپنا فخر سمجهتی تهی اور دخل درمعقولات کو گناه جانتی تهی؛ اسی کا نتیجه تها که اگلے لوگ اس قدر هم خیال تهے - گو همارے اور ان کے درمیان کچهه بهت زمانه نهیں گزرا لیکن حالات و اتفاقات نے همارے اور اُن کی طبیعتوں میں زمین اور آسمان کا فرق کردیا هے - تواضع، تسلیم، قناعت، تقلید اُن کی طبیعت کے خصوصیات تهے - خود بینی، سرکشی، تجسس، اجتهاد همارے مزاج کے خواص هیں - وه قدامت کے پجاری تهے، هم جدت کے پرستار هیں - معینه اصول اور قدیم رسوم کی پابندی اُن کے لئے مایهٔ ناز تهی - بنے هوے

اُصولوں کو بگاڑنا اور بندھی ہوئی رسموں کو توڑنا ہمارے لئے فخر کا سرمایہ ہے۔ مشرقی اور مغربی فلسفے کی کشمکش اور ایشیائی اور یورپی تمدن کے تصادم نے ہماری طبیعتوں میں اضطراب اور خیالوں میں انتشار پیدا کردیا ہے۔ اس صورت حال کا ایک خاص سبب روز روز کے نئے ایجاد اور نئے انکشات بھی ہیں کہ ہمارے خیال کو کسی نقطے پر قائم نہیں ہونے دیتے اور کسی بات پر جمنے نہیں دیتے۔ اس اضطراب اور انتشار کے زمانے میں اگلے لوگوں کی ہم خیالی سمجھ میں بھی مشکل سے آتی ہے، مگر واقعہ یہی ہے۔ لیکن پھر بھی اصول و کلیات سے قطع نظر کیجئے تو ایک عام ہم رنگی کے باوجود طبیعتوں میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ یہ اختلاف طبائع ہمارے شاعروں میں بھی تھا اور ان کے کلام میں بھی ہے۔ میر کی 'آہ' سودا کی 'واہ' درد کی صوفیت، غالب کی فلسفیت، ناسخ کی پہلوانی، آتش کا بانکپن، انشا کا تمسخر، جرأت کی بے باکی اُن کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے—

اعتراض کا دوسرا جزو یہ تھا کہ اُردو شاعری غیر فطری ہے۔ یہ بات صرف اِس حد تک صحیح ہے کہ ہمارے شاعروں نے جذبات کے اظہار میں اکثر مبالغہ کیا ہے اور کیفیت و ملاظر کے بیان میں اکثر فطرت کی متابعت نہیں کی ہے۔ مگر صرف اس بنا پر اُردو شاعری بالکل ناقص نہیں ٹھیر سکتی۔ شاعری کے دو عنصر ہیں، ایک محاکات دوسرا تخئیل۔ ہمارے قدیم شاعروں کی نگاہوں میں محاکات کا درجہ تخئیل سے بہت پست تھا۔ وہ اپنی شاعری میں فطرت کا اتباع فرض نہیں سمجھتے تھے؛ وہ اس دنیا کا نقشہ کھینچنا کوئی بڑا کام نہ جانتے تھے؛ وہ ایک نئی دنیا بنانا چاہتے تھے، اُنہیں نقالی میں لطف نہ آتا تھا؛ تخلیق میں مزہ ملتا تھا۔ شاعروں کی تخصیص نہیں اُس زمانے کا رجحان اِسی طرف تھا۔ دیو و پری کے افسانوں اور طلسمات کے بیانوں کا مقبول عام ہونا اِس دعوے کی دلیل ہے۔ اب فطرت پرستی کا زمانہ ہے۔ کیا شاعر، کیا افسانہ نویس، کیا تمثیل نگار

سب کے سب فطرت کی تصویریں اُتارنے میں لگے ہوے ہیں اور اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں - مگر ہمارے قدیم شاعر اس تصویرکشی کے قائل نہ تھے' وہ تخئیل کو شاعری کا اصل جوہر سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ تخئیل کا جو زور اُن کے کلام میں دکھائی دیتا ہے وہ آج کل کی شاعری میں کمیاب ہے - جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی بعض نقادان سخن ہمارے قدیم شعرا کے ہم خیال ہیں - ذیل کا اقتباس جو "خمخانۂ کیفی"* کے مقدمے سے لیا گیا ہے ملاحظہ ہو :—

" شاعر درس فطرت کا ابجد خواں نہیں بلکہ وہ معلم ہے جو اپنی بحر طرازیوں سے خود فطرت کو نئے سبق دیتا ہے .....

..... مرقع سخن میں رنگ بھرنے کے لئے فطرت سے استمداد کرنا شاعر کا عجز ہے اِس کے محسوسات سے تو یہ توقع ہے کہ وہ فطرت کی کوتاہیاں اُبھار اُبھار کر دکھاے - اُس کے ایک ایک رنگ میں سو رنگ کی بہار دکھاے ..... اُس شاعر کو جس کا دائرۂ عمل فقط مناظر قدرت اور مظاہر فطرت کے عکس لینے تک محدود ہو جگت اُستاد نہیں کہہ سکتے ' یہ تو ہفتخوان شاعری کی منزل اول ہے - سر منزل اُسی وقت نصیب ہوگا جب اُس کا قلم آینہ رونما کے بجاے خوردبین کا شیشہ بن جائے گا " —

---

* خمخانۂ کیفی پلنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی کی چند نظموں کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۹۲۴ع میں لاہور میں چھپا تھا - اس مختصر کتاب کا مختصر مقدمہ ناٹک ساگر کے مصنف شیخ محمد عمر اور شیخ نور الٰہی صاحبان نے لکھا ہے—

اُردو شاعری کو جس معنی میں غیر فطری کہہ سکتے ہیں وہ میں نے اوپر بیان کردئے ہیں لیکن معترضوں کے نزدیک اردو شاعری ہرحیثیت سے فطرت کے خلاف ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ جو خیالات اور جذبات ہمارے شاعروں نے ظاہر کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر غیر فطری ہیں - میں اپنے اُس مضمون میں جس کا عنوان تھا " اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ " جن اعتراضوں سے بحث کرچکا ہوں وہ سب گویا اسی اعتراض کے مختلف پہلو تھے - اس لئے ہر پہلو سے اس اعتراض کا جواب دیا جا چکا ہے ' لیکن مزید وضاحت کے خیال سے کچھہ باتیں اِس سلسلے میں اور لکھتا ہوں —

اُردو شاعری کے غیر فطری معلوم ہونے کا خاص سبب یہ ہے کہ اب ہماری طبیعتیں بدل گئی ہیں - جب اہل یورپ ہمارے ملک میں آئے اور اپنے ساتھہ نئی زبان' نئے خیالات ' نئی معاشرت ' نیا فلسفہ' نئی حکومت ' نئے علوم وغیرہ لائے تو ہماری طبیعتوں میں بڑا انقلاب ہوگیا ' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ہر چیز کو کچھہ دوسری نظر سے دیکھنے لگے - اخلاق کا نظریہ ' سوسائٹی کا تخیل ' مذہب کا تعقل' حسن و قبح کا معیار ' باہمی تعلقات کے تصور' امداد و استمداد کا کُلیہ' ایثار و استیثار کے اُصول سب کچھہ بدل گئے - خود شاعری کی تعریف اُس کا موضوع ' اُس کے حدود ' نقد شعر کے اصول ' یہ سب چیزیں بھی بدل گئیں - اِس صورت میں جو باتیں اگلوں کے نزدیک عین فطرت تھی وہ اگر ہمیں خلاف فطرت معلوم ہوتو کیا عجب —

اسی اختلاف طبائع کے باوجود یقین کے ساتھہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری شاعری کا معتدبہ حصہ ایسا ہے کہ اگر ہم ماضی کو حال کی نگاہ سے نہ دیکھتے اور سخن فہمی کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو ہمارے نزدیک بھی وہ فطرت کے خلاف نہ ٹھیرتا- شعر کو سمجھنے اور اُس سے لطف اُٹھانے کے لئے نکات زبان اور شاعرانہ انداز بیان سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے - اکثر شعروں کو سمجھنے میں نہ کسی علم

کی واقفیت کام آتی ہے نہ کسی فن کی مہارت ' اُن میں نہ فلسفے کے مسائل نظم کئے گئے ہیں نہ سائنس کے حقائق : وہ صرف جذبات و کیفیات کی تصویریں ہیں ' جن کے خط و خال صرف زبان دانی کی خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں - میں ذیل میں چند شعر لکھتا ہوں جو سر سری نظر میں بالکل معمولی اور سادے سادے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن زبان کے نکتوں اور بیان کی باریکیوں کے جاننے والوں کے لئے اُن میں دلچسپی کے بڑے بڑے سامان موجود ہیں :—

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

قواعد نحوی سے اِس شعر کا مطلب پوچھئے تو عجب نہیں کہ وہ اسے مہمل بتادیں - شاعر کہتا ہے کہ ہم نہیں سمجھے اور آپ کہیں سے نہیں آئے ' اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھہ ڈالئے - معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی سے کہنا چاہتا تھا مگر ابھی صرف اتنا کہا تھا " نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے " کہ اُس کی نظر مخاطب کی پیشانی پر پڑگئی - دیکھا کہ پسینہ بہ رہا ہے اپنی بات کاٹ کر کہنے لگا " پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے " لیجئے شعر ختم ہوگیا اور مطلب کچھہ نہ نکلا —

جو لوگ ادائے مطلب کے فازک اور لطیف انداز سمجھتے ہیں اُن کے لئے یہ شعر معنی کا ایک دفتر ہے - اُن کی نگاہیں دیکھتی ہیں کہ ایک معشوق اپنے کسی چاہنے والے سے ملنے گیا - وہاں سے واپس آرہا تھا کہ ایک دوسرے عاشق سے آنکھیں چار ہوگئیں ' جس سے وہ اِس ملاقات کا حال پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا - دل چور تھا معاً خیال گزرا کہ کہیں یہ سمجھہ نہ گیا ہو کہ میں کہاں سے آرہا ہوں اس خیال کا آنا تھا کہ شرم سے پسینے پسینے ہوگیا - عاشق نے اس کو رقیب کی گلی سے نکلتے ہوئے دیکھہ ہی لیا تھا بدگمانی اُس کے کان میں کچھہ کہہ چکی ہی تھی' اب جو معشوق کے چہرے پر نظر پڑتی ہے تو اُس کی جھینپی ہوئی نگاہیں اور عرق

آلودپیشانی اس کے گمان کو یقین سے بدل دیتی ہے - وہ دل میں کہتا ہے کہ یہ موقع اچھا ہے، مجرم بھی موجود ہے گواہ بھی حاضر ہے اور موقع واردات بھی سامنے ہی ہے، اسی وقت معشوق پر اُس کا جرم ثابت کردو ورنہ بعد کو کہوگے تو شاید مکر جائے - مگر آخر عاشق کا دل ہے وہ ایسا انداز بیان اختیار نہیں کرنا چاہتا جو معشوق کی نازک طبیعت پر گراں گزرے، اس لئے اپنا مطلب یوں ادا کرتا ہے —

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

بیان کے رموز جاننے والے جانتے ہیں کہ کہاں ' نہیں ' میں ' ہاں ' نکلتی ہے اور کہاں ' ہاں ' میں 'نہیں' اس موقعے پر عاشق نے کہا تو وہ جو شعر میں مذکور ہوا اور مطلب نکلا یہ کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ کہیں سے آرہے ہیں اور یہ بھی سمجھ گئے کہ کہاں سے آرہے ہیں - آپ ہم کو جھٹلا بھی نہیں سکتے، آپ کی پیشانی کا پسینہ ہمارے دونوں خیالوں کی تصدیق کررہا ہے —

اس شعر میں ' آپ ' کا استعمال بھی ایک پر معنی پہلو لئے ہوئے ہے - جب کوئی بات ناراضی یا طنزسے کہی جاتی ہے یا تاکید یا تہدید مقصود ہوتی ہے تو بےتکلف سے بےتکلف لوگوں سے، یہاں تک کہ اپنے چھوٹوں سے بھی ' آپ ' کر کے بات کرتے ہیں - اس شعر میں ' آپ ' کا لفظ عاشق کے دل کی حالت ظاہر کر رہا ہے اور معشوق کو اُس کی بات توجہ سے سننے پر مجبور کر رہا ہے —

دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے
پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا (تعشق)

ایک زبان کا نہ جاننے والا تو کہیگا کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے - پہلے مصرعے میں تو یہ کہا کہ ہم دل پر داغ کا حال کیا کہیں مصرعے میں ایک سوال پوچھ بیٹھے - مگر ادب کے کسی نکتہ شناس

سے پوچھئے تو وہ اس شعر کو بلاغت کی ایک عمدہ مثال بتائیگا - کسی درد رسیدہ سے کسی نے کہا کہ ذرا اپنے دل کا حال تو بیان کرو ' شاعر اپنا شعر اس سوال کے جواب سے شروع کرتا ہے - وہ درد رسیدہ کہتا ہے کہ ہم اپنے پرداغ دل کا حال تم سے کیا کہیں' نہ ہم کہہ سکینگے نہ تم سمجھہ سکو گے - اتنا کہنے کے بعد اُسے خیال آتا ہے کہ ایک چیز ہے جو میرے داغ دار دل سے کسی قدر مشابہ ہے اور وہ لالے کا پھول ہے - یہ خیال آنا تھا کہ اُس نے پوچھنے والے سے سوال کیا کہ تم نے کبھی لالے کا پھول بھی دیکھا ہے - یعنی اگر تم نے لالے کا پھول دیکھا ہےتو تم میرے دل کا کچھہ اندازہ کر سکوگے —

اس انداز بیان سے شعر میں کئی خوبیاں پیدا ہوگئی ہیں - اول تو مجیب کے دل کی جسمانی اور نفسانی دونوں کیفیتوں کی تصویر کھنچ گئی ہے ' دوسرے' شعر میں ایک خاص اثر پیدا ہو گیا ہے - یہ بھی ایک پر لطف بات ہے کہ پہلے مصرعے میں سوال سے جواب نکلتا ہے' یہ ندرت بھی شعر کے حسن اور اثر میں اضافہ کر رہی ہے - اگر پہلے سوال کیا جاتا اور پھر جواب دیدیا جاتا کہ ہمارا پرداغ دل لالے کے پھول کا سا ہے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی—

شعر کو سمجھنے میں لہجے کو بھی بہت دخل ہے - اگر شعر صحیح لہجے میں پڑہ دیا جاے تو جو دلی کیفیتں شعر کے لفظوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں وہ خود بخود نمایاں ہو جاتی ہیں - اس شعر کا پہلا مصرع افسردگی اور مایوسی کے لہجے میں پڑھئے اور کچھہ وقفے کے بعد دوسرا مصرع سوال کے لہجے میں پڑھئے ' مطلب خود واضح ہو جاے گا—

پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے
خدا مجنوں کو بخشے مرگیا اور ہم کو مرنا ہے

(شاد لکھنوی پیرو میر)

اس شعر میں کہنا یہ تھا کہ مجنوں نے عشق کو بدنام کردیا کہ لیلیٰ کے بعد

مرا - لیکن اگر یہ بات اِنہیں لفظوں میں صاف صاف کہدی جاتی تو نہ کہنے والے کے دل کا کچھہ حال کُھلتا نہ سننے والے کے دل پر کوئی اثر پڑتا - شاعر نے جو طرز ادا اختیار کیا ہے اُس کی لطافت و معنویت کا کیا کہنا - کہنے والا پہلے دنیا کی ایک بات کہتا ہے کہ معشوق کے بعد مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے' پھر مجنوں کی بخشش کی دعا کرتا ہے - سننے والوں کو یاد آ جاتا ہے کہ مجنوں لیلیٰ کے بعد مرا تھا اور وہ بات مجنوں پر چھا جاتی ہے —

"خدا مجنوں کو بخشے" یہ جملہ غور کرنے کے قابل ہے - اہل زبان جب کسی مردے کا ذکر کرتے ہیں تو "خدا بخشے' اللہ بخشے' یا اسی معنی کا اور کوئی فقرہ اکثر استعمال کرتے ہیں - اس لئے اس شعر میں اس فقرے کے آنے سے بیان میں اصلیت اور کلام میں زور بڑھ گیا - اس کے علاہ جب کسی مرے ہوے شخص کی برائی کا ذکر کرتے ہیں تو بھی اُس کی بخشش کی دعا انہیں لفظوں میں کرتے ہیں - اس شعر میں قائل کے نزدیک مجنوں شریعت عشق کی رو سے ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب تھا کہ معشوق کے بعد بھی زندہ رہا تھا - اس لئے اُس کا پہلے یہ جملہ کہنا کہ "پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے" اور اس کے بعد ہی یہ دعائیہ فقرہ کہنا کہ "خدا مجنوں کو بخشے" مجنوں کے اس گناہ کی طرف اشارہ کرنا ہے - اشارے اور کنائے میں بات کہنا بھی ایک طرح کی لذت رکھتا ہے —

"اور ہم کو مرنا ہے" اس مختصر فقرے نے تو کلام کی معنویت کو دونا کردیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا خود بھی کسی پر عاشق ہے' عشق کی سختیوں سے بھی خبردار ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ عشق کے امتحان میں پورا اُترنا کس قدر مشکل ہے - اس لئے کُھلے کُھلے لفظوں میں مجنوں کو الزام دیتے ہوے دل دھڑکتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عشق کی دشوار گزار منزل میں میرا قدم بھی لغزش کر جاے اور میرے مرنے کے بعد ایسے ہی الزام مجھے دیئے جائیں - پھر تصور کرتا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہوتا ہے - اس وجہ سے بھی مجنوں سے

برگزیدۂ عشق کو کچھہ کہتے ہوے جی ڈرتا ہے کہ کہیں میری وہ تعلی جو اِس الزام میں مضمر ہے اس کی یہ سزا نہ ملے کہ مجھہ سے عاشقی کا کوئی بڑا فریضہ ترک ہو جاے اور لوگ مجھہ پر طعنہ زن ہوں - یہ خیال بھی زبان بند کئے دیتا ہے کہ جب مجنوں سا عاشق کامل فرائض عشق کو پورے طور پر ادا نہ کرسکا تو میں کس شمار میں ہوں—

عشق کی دنیا میں مجنوں کا مرتبہ مسلم ہے' اُس پر حرف گیری کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوتی؛ اس لئے اس شعر میں جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اس میں مجنوں کی ذات کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس اخلاقی نکتے پر بھی نظر رکھی گئی ہے کہ مردے کا ذکر بدی کے ساتھہ کرنا معیوب ہے—

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب
پئے طواف بگولے ہزار بار آئے (تعشق)

مرنے کے بعد ایک عاشق کی روح معشوق سے خطاب کرکے کہتی ہے کہ تیرے وحشی کی قبر پر صبا جھاڑو دیتی ہے اور بگولے طواف کرنے آتے ہیں - اس شعر کا انداز بیان بھی عجیب ہے کہ ظاہر میں تو قبر پر ایک آبادی اور چہل پہل کا سماں دکھایا گیا ہے مگر اصلیت میں وہ ویرانی و بے کسی کا منظر نکلتا ہے ذرا غور سے دیکھئے تو یہ طرز بیان عجیب سے عجیب تر معلوم ہوتا ہے اور اس میں بڑی بڑی باریکیاں نکلتی ہیں—

صبا کا خاک اُڑانا اور بگولوں کا چکر لگانا جنگل کا سنسان منظر پیش نظر کردیتا ہے - آبادی سے دور ویرانے میں عاشق کی قبر کا ہونا اُس کی صحرا نوردی پر شاہد اور اُس کے وحشی ہونے پر گواہ ہے اور اُس کی وحشت جو لازمۂ عشق ہے اُس کی سچی محبت کا ثبوت ہے - صبا کے خاک اُڑانے کو قبر پر جھاڑودینے سے اور بگولوں کے چکر کھانے کو قبر کا طواف کرنے سے تعبیر کرنا ایک اشارہ ہے' اس بات

کی طرف کہ عشق صادق کس احترام کا مستحق ہے۔ چاہئے تھا کہ جو لوگ عشق کے مرتبے سے آگاہ ہیں وہ عاشق کی قبر کی زیارت کو آتے، اُس پر جھاڑو دیتے، اُس کا طواف کرتے، مگر دنیا دل والوں سے ایسی خالی ہوگئی ہے کہ اُس کی قبر پر بےکسی برس رہی ہے اور ویرانی چھائی ہوئی ہے —

"ترے وحشی" سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کسی معمولی آدمی کی قبر نہیں ہے، تیرے عاشق کی قبر ہے؛ پھر وہ عزت و حرمت کی مستحق کیوں نہ ہوتی۔ انہیں لفظوں میں یہ شکایت بھی مضمر ہے کہ خیر اوروں نے اگر اِس قبر کے احترام میں کوتاہی کی تو اُن کی ناواقفیت اُن کی طرف سے عذر خواہ ہوسکتی ہے لیکن تو تو اُس کے رتبے سے خوب واقف تھا اور تیرا ہی عشق اُس کی غربت کی موت کا باعث تھا، تیری طرف سے یہ تغافل اور یہ بےالتفاتی ضرور دل کو صدمہ پہنچاتی ہے —

اِن چند مثالوں سے مجھے یہ دکھانا تھا کہ اُردو شاعری کا ایک معتدبہ حصہ خاص کر اساتذۂ لکھنؤ جلھوں نے اپنی شاعری میں مضمون کی ندرت سے زیادہ بیان کی لطافت پر توجہ کی ہے ان کا زیادہ تر کلام ایسا ہے جس سے لطف اُٹھانے کے لئے اہل زبان کا روز مرہ، ان کے محاورے، مثلیں، کنائے، تلمیحیں، الفاظ کے محل استعمال، مترادفات کے نازک فرق، اِظہار جذبات کے طریقے، فصاحت کے رمز، بلاغت کے نکتے اِن سب چیزوں کا علم ضروری ہے۔ اگر اِن چیزوں کا علم ہوجائے تو بہت سے شعر جو بے معنی، بے اثر اور خلاف فطرت معلوم ہوتے ہیں اُن میں معنی بھی پیدا ہوجائینگے، اثر بھی آجائیگا اور فطرت سے اختلاف بھی نہ رہیگا —

مختصر یہ کہ یہ اعتراض بھی ناواقفیت ہی نے پیدا کیا ہے۔ جو لوگ انگریزی ادب کے ماہر ہیں مگر اُردو کے مذاق سے اصلا نہیں ہیں انہیں صرف انگریزی شاعری سے لطف حاصل ہوتا ہے اور اُردو شاعری بے مزہ اور عیبوں کا مخزن معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ اُردو ادب کے رمز شناس ہیں مگر انگریزی مذاق سے بےگانہ ہیں

وہ اُردو کے ایک ایک شعر پر سر دھنتے ہیں اور انگریزی شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتے لیکن جو لوگ اُردو اور انگریزی دونوں کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اُردو شاعری پر بھی جھومتے ہیں اور انگریزی نظموں پر بھی وجد کرتے ہیں۔ میں اِس سلسلے میں لکھنؤ کے نامور بیرسٹر پنڈت بشن نراین در مرحوم کے خیالات اردو شاعری کے بارے میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں - یہ بزرگ انگریزی کے زبردست ادیب اور انشاپرداز تھے ؛ اپنی مادری زبان اُردو سے بھی اُنس رکھتے تھے' شعر بھی کہتے تھے ' ابر تخلص تھا؛ دنیا کے معاملات اور ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے ؛ سیاسیات کے ماہر خصوصی اور وطن پرستی کے شیدائی تھے - اُن کی علمی قابلیت ' وسعت نظر' غیر معمولی ذہانت ' سلامت ذوق اور قوت تنقید سے ہندوستان کا علمی طبقہ بخوبی واقف ہے - اُنھوں نے پنڈت رتن ناتھ سرشار کی تصانیف پر جو تبصرہ لکھا ہے اور اس میں فسانۂ آزاد کی جو تنقید کی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے - ایسے جامع شخص کی رائے اُردو شاعری کے بارے میں خاص اہمیت رکھتی ہے - اصل مضمون جس کا اقتباس اُردو میں ترجمہ کرکے ذیل میں لکھتا ہوں انگریزی زبان میں ہے - اِس کو اُردو کی کمزوری کہئے یا میری نا قابلیت ' بہر حال واقعہ یہ ہے کہ ترجمے میں اصل کی سی کیفیت پیدا نہیں ہوسکی اور بعض باریک اور نازک خیالات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوسکے پھر بھی قابل نقاد کی رائے کا کچھہ اندازہ تو ہو ہی جائے گا - لکھتے ہیں :-

" حسن سے متاثر کرنے کی جو قوت شاعری میں ہے جہاں تک اُس قوت کا تعلق ہے یہ بات قابل لحاظ نہیں کہ شاعر کے جذبات صحیح ہیں یا علیل اور اس کے خیالات صحیح ہیں یا غلط۔ وہ جو کچھہ سوچتا ہے اگر اس کا احساس بھی کرتا ہے اور دوسروں سے زیادہ کرتا ہے' اگر اس کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ حواس اور ذہن کے معلومات ہمیشہ جذبات کی شکل اختیار کرلیا کرتے ہیں اور اگر ان جذبات کو الفاظ میں خوبصورت اور مترنم الفاظ میں منتقل کردینے کی قدرت بھی اُسے حاصل ہے تو وہ حقیقی شاعر ہے

اور ایک زبردست آلہ اُس کے ہاتھہ میں ہے' اب خواہ وہ اُسے نیکی کے لئے استعمال کرے خواہ بدی کے لئے - غدر سے پہلے کے اُردو شاعر اس معنی میں حقیقی صناع تھے؛ وہ مخصوص خواہشیں رکھتے تھے' مخصوص معیاروں کی پیروی کرتے تھے' بعض عقاید پر دل سے ایمان رکھتے تھے؛ زندگی کے بلند ترین مقصد اور اُس کے حصول کے بہترین ذرائع کے بارے میں اُن کو کوئی شک نہ تھا' وہ اپنی سوسائٹی سے پوری ہمدردی رکھتے تھے؛ اپنے انتہائی باغیانہ انداز خیال میں بھی اُس کے مسلمہ روایات پر کبھی اعتراض نہ کرتے تھے؛ اُس کی خوشیوں اور غموں میں شریک تھے اور اُن کے سینوں میں بھی وہی جذبہ اور وہی کشمکش ہل چل مچائے ہوئے تھی جسکی آگ وہ اپنے چاروں طرف اپنے بھائیوں کے سینوں میں مشتعل دیکھتے تھے - صدیوں کی تربیت اور تجربے نے اُن کو یہ سکھایا تھا کہ مذہب ہی سب کچھہ ہے' یہ دنیا محض ایک عکس ہے اور انسان کی زندگی صرف ایک خواب اور یہ کہ آجکل ترقی نہیں بلکہ ایک تدریجی تنزل ہورہا ہے - انسانی مسرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا اور اب غروب ہونے کے لئے عجلت کررہا ہے؛ آدمی اپنی تقدیر کا مالک نہیں غلام ہے' بادشاہ ظل الہی ہوتا ہے اور ہماری دنیاوی زندگی بالکل اُسی کے ہاتھہ میں ہے - زندگی کے وقتی اور عارضی خوابوں کے اُس طرف بہشتی خطے ہیں جہاں کے ہرباغ میں سیہ چشم حوریں گلگشت کر رہی ہیں اور جہاں کی ہر ہوا میں آسمانی موسیقی کے نغمے بھرے ہوے ہیں - اِن خیالوں کے ساتھہ وہ کچھہ ایسے جذبات بھی رکھتے تھے جو بالعموم مشرقی طبائع کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں - یعنی رشک' انتقام' فخر' نسب وغیرہ- وہ دوسروں کی خوشامد کرتے تھے اور اپنی خوشامد کروانا پسند کرتے تھے - وہ اپنی محبت و نفرت میں متشدد تھے' عورت اُن کا کھلونا تھی' حب وطن کا تصور تو ان کے دماغ میں نہ تھا مگر اپنی نیچ کی دوستی میں وفادار تھے - اگر کوئی دشمن اُن کے شہر پر حملہ کردیتا تو انہیں غصہ نہ آتا لیکن اگر اُن کی قابل اعتراض عشق بازیوں میں کوئی دخل دینے کی جرأت کرتا تو اپنی

جان دیدینے کے لئے تیار تھے - وہ اپنے زمانے کے لوگ تھے اور جو نمایاں خیالات اور احساسات وہ نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ محسوس کرتے تھے اُن کو خوب بڑھا چڑھا کے اپنی شاعری میں بیان کردیتے تھے - اِسی وجہ سے اُن کی شاعری کی خاص خوبی اُس کا خلوص ہے - وہ (شاعری) اُن کی اصلی فطرت کا اور جس سوسائٹی میں وہ رہتے سہتے ' چلتے پھرتے ' اور زندگی گزارتے تھے اُس کی حقیقی طبیعت کا صحیح عکس ہے - اُس (شاعری) میں برے جذبات بھی ہیں اس لئے کہ شعرا خود وہی جذبات رکھتے تھے ؛ اُس کا انداز بالعموم مایوسانہ اور حسرتناک ہے ' اس لئے شاعر خود افسردہ دل تھے - لیکن جو باتیں اُن کے دلوں کو سب سے زیادہ بےچین کردیتی تھیں ' جو باتیں اُن کے جذبات کو مشتعل کردیتی تھیں اور دماغوں میں آگ لگا دیتی تھیں وہ ان کی شاعری میں جگہ پاتی تھیں - اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اُس (شاعری) کو پسند کریں یا نہ کریں اُس کی مقناطیسیت کا احساس کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ اُس میں خلوص ہے ' وہ شعرا کے دلوں کی اندرونی گہرائیوں سے نکلی ہے اور جو کچھہ اُنھوں نے اِس دنیا میں سوچا اور محسوس کیا اُس کا کچا چٹھا اُنہیں کے خیالات کے مطابق ہے " —

جولوگ اُردو شاعری کو محض تقلیدی اور غیر فطری سمجھتے ہیں ذرا انگریزی کے اس یگانۂ عصرادیب کی رائے غور سے پڑھیں اور اپنی رائے پر نظر کریں—

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

زندگی

از

(جناب مولانا وحیدالدین صاحب سلیم، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ)

ذرے ذرے میں رواں روح رواں پاتا ہوں میں
زندگی کو ایک بحر بیکراں پاتا ہوں میں
غنچہ غنچہ نطق پر آمادہ آتا ہے نظر
پتے پتے کی زباں کو نغمہ خواں پاتا ہوں میں
زندہ ہستی کی خبر دیتی ہے رفتار نفس
بوئے گل کو زندگی کا ترجماں پاتا ہوں میں
برق کی جنبش ہو، یا باد صبا کا ہو خرام
زندگی کا ہر تموج میں نشاں پاتا ہوں میں
چپہ چپہ اس مکاں کا ہے مکینوں سے بھرا
زندگی کو شش جہت پر حکمراں پاتا ہوں میں
اُس سے آگے بھی ہیں روحیں اُڑتی پھرتی بیشمار
طائر سدرہ کا جس جا آشیاں پاتا ہوں میں
مردنی جس شے پہ ہے ظاہر میں چھائی، اس میں بھی
زندگی کا اک نیا جلوہ عیاں پاتا ہوں میں
ہو چکی ہے حکمراں جس نخل پر باد خزاں
اُس کی رگ رگ میں بہار بے خزاں پاتا ہوں میں

برقیوں کا رقص ہے ہنگامۂ جوش بقا
قالب اِیتھر میں بھی آثار جاں پاتا ہوں میں
چار سو راہ سفر پر دوڑتی ہے جب نظر
زندگی کو کارواں در کارواں پاتا ہوں میں
لہلہاتی کھیتیوں کا جلوہ آتا ہے نظر
کڑکڑاتے سیل کا حملہ جہاں پاتا ہوں میں
جانے والوں کی تباہی کے نشانوں میں نہاں
آنے والی ہستیوں کی بستیاں پاتا ہوں میں
الغرض سمجھے ہو جن کو موت کی بربادیاں
زندگی کے انقلاب اُن میں نہاں پاتا ہوں میں

(نیم)

جب نیم کی شاخیں ٹھنڈی ہوا کھا کھا کے تھرکنے لگتی ہیں
پھر زریں کرنیں سورج کی پتوں پہ چمکنے لگتی ہیں
پتوں کی رگوں میں نیم کا رس چڑھتا ہے نہایت سرعت سے
یہ ریشہ دوانی دیکھ کے میں تصویر بنا ہوں حیرت سے
کیا فیض الٰہی کی کرنیں پڑتی نہیں مجھ پر شام و سحر
کیا موج نسیم رحمت حق چلتی نہیں مجھ پر آٹھ پہر
پھر کیا ہے کہ نیم کا جوش نمو پاتا نہیں اپنے سینے میں
دل مردہ ہے، افسردہ ہے، مشغول نہیں رس پینے میں
محروم ہے فیض سے دل میرا، فیضان میں تم غرقاب رہو
اے نیم کے متوالے پتو! سرسبز رہو، شاداب رہو

تبصرے

ادب

خمکدۂ خیام ۷۷۵
سرگذشت ھاجرہ ۷۷۸
سفرنامۂ یورپ ۷۷۹
رقعات اکبر ۷۸۰
شاھد معنی ۷۸۱
عروس غربت ۷۸۱
جیبی فہرست کتب، اُردو گشتی کتب خانہ ۷۸۲
رنگ زمانہ ۷۸۲
بچوں کے پڑھنے کی کتابیں:
(۱) ننھی کتاب (۲) منی کتاب
(۳) دلاری کتاب (۴) پیاری کتاب ۷۸۳
پاوس ۷۸۴
بچوں کے لئے مہا بھارت اور بچوں کے لئے رامائن ۷۸۴
دنیا کے عجائبات ۷۸۴
رستم و سہراب ۷۸۴
امرت - پھول وتی - سدا بہار پھول ۷۸۴
شہید کربلا ۷۸۵
شہر، شہری اور شہریت ۷۸۵
موتیوں کی مالا - نعیم پچیسی ۷۸۵
سنہری گیت ۷۸۵
بچوں کے گیت ۷۸۵
اُما ۷۸۵
گدھے کی سرگذشت ۷۸۵
حجاب زندگی اور دیگر افسانے ۷۸۵
زرداد ۷۸۶
اُردو کی آسان گرامر ۷۸۶
منازل الترجمہ ۷۸۶
مخزن فارسی ۷۸۶
مراۃ الاخلاق - مخزن ادب ۷۸۶

اخلاق و مذھب

ھندو اخلاقیات ۷۸۷
برھان ۷۸۷
تین سالانہ انعام ۷۸۸

ادب

خمکدۂ خیام

(از جناب آغا شاعر صاحب - شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب
لاہور - قیمت ۳ روپے)

اس نام سے آغا شاعر قزلباش نے حکیم عمر خیام کی منتخب رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کیا ہے ' شروع میں چھ صفحے کا ایک دیباچہ ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انگریز مصنفوں نے خیام کی قدر صرف اس وجہ سے کی کہ وہ دھریت کی طرف مائل ہے ' اور پھر اس کی چند رباعیوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے' کہ خیام کا تصوف بہت بڑھا ہوا تھا - آغا شاعر صاحب کی یہ رائے یک طرفہ ہے ' اگر وہ تحقیق سے کام لیں' اور یہ دیکھیں کہ خود مسلمان تذکرہ نویسوں اور مصنفوں نے (مثلاً نجم‌الدین رازی نے مرصادالعباد میں یا القفطی نے تاریخ‌الحکماء میں) خیام کے عقائد کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے تو شاید وہ اپنی ذاتی رائے بدل دیں' علاوہ ازیں الحاقی رباعیوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے' حضرت ابو سعید ابوالخیر' بابا طاہر ہمدانی اور دوسرے بہت سے صوفی منش شعراء کی رباعیاں آج خیام سے منسوب کی جاتی ہیں—

آغا شاعر صاحب نے دیباچے کے صفحہ ۶ پر "آغائی ترجمہ" کی چند خصوصیات بتائی ہیں - سب سے پہلے انہوں نے ترجمے کا صحیح نقاد اس شخص کو قرار دیا ہے جو فارسی زبان اور اُردوے معلیٰ دونوں پر کافی عبور رکھتا ہو' پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ "مکھی پر مکھی مارنی مجھے نہیں آتی' ترجمہ لفظی نہیں ہے" - ہم کو بد قسمتی سے نہ "اُردوے معلیٰ پر کافی عبور" کا دعویٰ ہے' اور نہ فارسی پر' تاہم ترجمے کی چو

خامیاں ہمیں سرسری طور پر نظر آئیں وہ عرض ہیں—

صفحہ ۸

خیام	آغا شاعر
آمد سحرے ندا ز مے خانۂ ما	آئی یہ ندا صبح کو مے خانے سے
کاے رند خراباتی و دیوانۂ ما	اے رند شراب خوار دیوانے سے
برخیز کہ پرکنیم پیمانہ ز مے	اُٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم
زاں پیش کہ پرکنند پیمانۂ ما	کم بخت! چھلک جاے نہ پیمانے سے

اصل اور ترجمہ کا مقابلہ کیجئے، " پر کنند " اور " پر کنیم " کے پر لطف اور معنی خیز ایہام کی بو باس بھی ترجمہ میں نہیں ہے، پھر "دیوانے سے" میں " دیوانۂ ما " کی بات کہاں آسکتی ہے ؛ چوتھے مصرعے میں تو بات اور بھی بگڑ گئی ہے خیام " پیمانۂ عمر " کے لبریز ہونے سے پہلے " پیمانۂ مے " کو لبریز کرنے کا متمنی ہے ' مترجم صاحب کی " شراب سے جلد ساغر بھرنے " کی تاکید محض اس لئے ہے کہ " چھلک جاے نہ پیمانے سے " اصل اور ترجمے میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے —

صفحہ ۶

خیام	آغا شاعر
از جان و جہان ہرچہ در عالم ہست	یہ جان وجہاں اورجہاں کا سب کچھ
مقصود توی و بر محمد صلوات	مقصود تو ہی ہے ' بر محمد صلوات

اِس ترجمہ میں تو شاید مترجم صاحب کو بھی "مکھی پر مکھی مارنے کی عادت" کا اعتراف کرنا پڑے ' اصل میں " از " سے " مقصود " میں جو ربط تھا ' ترجمے میں وہ بھی غایب ہوگیا ' اور دونوں مصرعے بے جوڑ ہوگئے —

صفحہ ۱۰

خیام	آغا شاعر
ہرگاہ کہ خواہی کہ نشیند از پاء	جب تھک کے یہاں بیٹھنا تو چاہے کا
گیرد اجلت دست کہ بالا پیما	پکڑے گی اجل ہاتھ کہ سر ' اوپر جا

اصل کے " بالاپیما " کی جگہ "سر" اور پھر "اوپر جا" نہ تو مناسب ترجمہ ہے ' اور نہ فصیح" اُردوے معلے"—

صفحہ ۴۶

خیام	آغاشاعر
در ہر دشتے کہ لالہ زارے بودہ است	صحرا میں جہاں لالہ رنگیں ہے کھلا
آں لالہ ز خون شہر یارے بودہ است	سلطان کا خون ہے کسی قیصر کا

" ز خون شہر یارے " کا ترجمہ " سلطان کا خون " غور طلب ہے ' اور پھر یہ تکرا

کسی قیصر کا ' اپنی بے تعلقی کا شاکی ہے —
صفحہ ۵۸

خیام	آغاشاعر
هر سبزه که بر کنار جوے رسته است	سبزہ ہو جہاں کنار جو سے لہکا
گویا زلب فرشته خوے رسته است	گویا ہے لب فرشتہ خو سے لہکا
پا بر سر سبزها به خواری نه نهی	ذلت سے کبھی نہ رکھنا سبزے پہ قدم
کان سبزه زخاک لاله روے رسته است	یہ سبزہ ہے خاک لالہ رو سے لہکا

نرا لفظی ترجمہ ہے ' اصل میں "لب فرشتہ خوے" اور " خاک لالہ روئے" سے خیام نے تناسخ ' کا عقیدہ ظاہر کیا ہے - "فرشتہ خو" اور "لالہ رو" کے آخر میں "ے" یائے تلکیری ہے مترجم صاحب نے لب فرشتہ خو ' اور " خاک لالہ رو " لکھکر مرکب اضافی اور مرکب توصیفی میں التباس پیدا کردیا اور رباعی کی جان (یعنی مسئلہ تناسخ کی طرف اشارہ)نکال لی —
صفحہ ۱۹۸

خیام	آغا شاعر
روزیست خوش و هوا نه‌گرم است و نه‌سرد	کیا خوب ہے دن ' دھوپ نہ زیادہ سردی
ابر از رخ گلزار همیں شوید گرد	پڑتے ہی بہرن باغ کی سب گرد دھلی

اصل کے دوسرے مصرعے کی لطافت کا مقابلہ ترجمے کے دوسرے مصرعے سے کیجئے' زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے ' ایسے ہی موقعوں پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ غیر زبان کی شاعری کا اپنی زبان کے شعر میں ترجمہ کس قدر مشکل ہے اصل کی لفظی لطافتوں کو ترجمے میں باقی رکھنے کا تو ذکر ہی کیا ' مطلب کا ادا کرنا ہی بہت دشوار ہوجاتا ہے —

خیام	آغا شاعر
خشت سر خم هزار جان می ارزد	خشت سر خم هزار جان پرور هے

فاضل مترجم نے "جان پرور" پر نوٹ لکھا ہے کہ " پرور بمعنی پالنے والا " اہل نظر اس نوٹ کو پیش نظر رکھیں کہ ان معنوں کے ساتھہ " هزار " کا لفظ ترجمہ میں کیا مطلب رکھتا ہے - اصل اور ترجمہ کی لطافت اور مفہوم میں جو زمین آسمان کا فرق ہے اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی —

آغاشاعر صاحب سے پہلے کئی اصحاب نے خیام کی رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہوسکے تاہم یہ رائے ہے کہ آغا صاحب کا ترجمہ

کہیں بہتر ہے ' لیکن بہتر ہوتا کہ فاضل مترجم بجائے ترجمہ کرنے کے' یہ کوشش کرتے کہ خیام کے مطالب کو طبعزاد اُردو رباعیوں میں ظاہر کردیا جائے' ہمیں یقین ہے کہ اس میں وہ موجودہ صورت سے زیادہ کامیاب رہتے —

کتاب ہز ہائی نس میر آف خیر پور نے چھپوائی ہے' لکھائی چھپائی بہت خوب ہے' کاغذ بھی اعلیٰ درجے کا ہے جلد بھی اچھی ہے اور اس پر طلائی حرفوں میں کتاب اور مترجم کا نام درج ہے —

(و)

سرگزشت ہاجرہ

(از جناب بیگم سید ہمایون مرزا صاحب (بیرسٹر ایٹ لا حیدرآباد) صفحہ ۱۴۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

نام دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ کوئی افسانہ ہوگا ' لیکن اصل میں یہ تین سہیلیوں کی گفتگو ہے ' ہر سہیلی نے اپنا اپنا قصہ بیان کیا ہے —

افسوس ہے کہ ہمیں اس کتاب میں ربط مضمون کی کمی نظر آئی ' دوران گفتگو میں دنیا بھر کے مسائل چھڑ جاتے ہیں ' شادی کی رسمیں ' عید میلادالنبی ' مردوں اور عورتوں کا موازنہ ' تعلیم کے مسئلے ان سب پر سرسری گفتگو ہوتی ہے اور پھر آپ بیتی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے —

لائق مصنفہ نے اس کتاب میں تعلیم اور تربیت کے فرق کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے ' مسز عون کتاب کا کیڑا ہیں ' لیکن امور خانہ داری میں بہت بد سلیقہ ہیں . سارا بھی اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہیں ' مزاج میں ظرافت بھی ہے اور نفاست بھی ' لیکن ازدواجی زندگی میں وہ بھی کامیاب نہیں ہیں' ہاجرہ کی سیرت پر تعلیم اور تربیت دونوں کی جلا موجود ہے ' اور غالباً ایک وجہ سے اس کتاب کا نام سرگزشت ہاجرہ رکھا گیا ہے ' ورنہ دراصل یہ چند تعلیم یافتہ سہیلیوں کی آپس کی گفتگو ہے ' جس کے دوران میں ہر سہیلی اپنے سوانح بھی بیان کرتی جاتی ہے —

کتاب کے شروع کے ۱۷ صفحوں میں تبصروں اور تقریظوں کی نقل کی گئی ہے ' صاحب خان بہادر عبدالقادر ' جناب نواب مہدی یارجنگ بہادر '

جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل- جناب عبدالرحمن خاں صاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) ان سب نے کتاب کے متعلق جس جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھدی گئی ہے —

کتاب میں چند نظمیں اور غزلیں بھی ہیں جو لائق مصنفہ کی کہی ہوی ہیں ' ان کے معیار کو دیکھتے ہوے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر یہ نہ شریک کی جاتیں تو اچھا ہوتا ' دو شعر ملاحظہ ہوں —

صفحہ ۱۳۴ محظوظ سامع ہوتا ہے سن کر حیا کا نغمہ
دیتا ہے کیا حلاوت شیریں سخن ہمارا

صفحہ ۱۲۷ تم رات کو بھی اپنے مکان پر نہیں رہتے کبھی صاحب
سو بار پکار آے کہ اے ماہ لقا ہو '

یا صفحہ ۱۳۴ کا ایک مصرعہ :—

آقاے نامدار ہے شاہ دکن ہمارا '

(و)

سفرنامۂ یورپ

(از جناب صغرا بیگم صاحبہ متعل سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا
(حیدرآباد) حصہ اول و حصہ دوم قیمت ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ - دفترالنساء
ہمایوں نگر حیدرآباد - دکن)

یہ سفرنامہ دو حصوں میں ہے' بیگم صاحبہ نے سنہ ۱۹۲۴ع میں یورپ کا سفر کیا تھا اور چھہ مہینے تک وہاں کے مختلف حصوں کی سیر کی' اس مختصر مدت میں یورپ کے مختلف حصوں کی جو قابل توجہ باتیں نظر سے گزریں ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھہ سفرنامے کی دونوں جلدوں میں کیا گیا ہے —

پہلے حصے میں بمبئی' جہاز کا سفر' مارسیلز' پیرس' لندن' آکسفورڈ اور کیمبرج وغیرہ کا ذکر ہے - دوسرا حصہ تمام و کمال یورپ کے دوسرے ملکوں مثلاً جرمنی' سوئزرلینڈ' اٹلی وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے —

اُردو زبان میں اس سے پہلے بھی یورپ کے سفرنامے لکھے جا چکے ھیں' اور ایک اور معزز خاتون بیگم صاحبہ ھز ھائی نس نواب حمیدالله خاں صاحب والیء ریاست بھوپال "سیاحت سلطانی" کے نام سے سنه ۱۹۱۱ع میں ایک سفرنامه لکھه چکی ھیں' لیکن زیر تبصره سفرنامے کو اپنے پیش روؤں پر کئی حیثیتوں سے فوقیت حاصل ھے - یه نه صرف ان سب سے زیاده مکمل اور مفصل ھے' بلکه ایک خاص نقطهٔ نظر سے لکھا گیا ھے - هر ملک کے مدارس' خصوصاً مدارس نسواں کا بیان خاص طور پر فصاحت کے ساتھه کیا گیا ھے' معاشرتی پہلو پر زیاده زور دیا گیا ھے' اور ممالک یورپ میں جو جو باتیں هندوستان کے عالم نسواں کے لئے سبق آموز نظر آئیں' ان سب کا ذکر خصوصیت کے ساتھه کیا گیا ھے' مثلاً بمبئی کے زنانه مدرسے اور ان کی حالت' انگلستان کے مختلف مشہور کالج' جرمنی کی تعلیمی حالت' وھاں کا زچگی خانه' زچاؤں کی پرورش' بیت المعذورین' کتب خانه' غرض که جتنی کام کی باتیں نظر آئیں ان سب کا ذکر کیا گیا ھے —

سفرنامے کی زبان بہت سلیس اور آسان ھے' بالکل یه معلوم ھوتا ھے که مصنفه اپنی سہیلیوں کے ساتھه بیٹھی حالات سفر سنا رھی ھیں' اس اعتبار سے یه اُردو داں خواتین کے لئے خاص طور پر دلچسپ ثابت ھوگا - اگر طباعت پر زیاده توجه کی جاتی' اور تصویروں کا انتظام بھی کردیا جاتا تو اس سفرنامے کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی - موجوده صورت میں بھی یه کتاب اس قابل ھے که تعلیم یافته مردوں اور عورتوں کے مطالعے میں رھے —

(و)

وقعات اکبر

(مرتبهٔ محمد نصر همایوں صاحب - قومی کتب خانه ریلوے روڈ لاھور
قیمت ۱۰ آنے)

مولوی اکبر حسین 'اکبر' مرحوم کے وقعات اس سے پہلے بھی چھپے ھیں لیکن یه اُن سے الگ ھیں - شروع میں دو صفحے کا دیباچه خان بہادر (سر) شیخ عبدالقادر

صاحب نے لکھا ہے - اس کے بعد اکبر کے کچھہ مختصر حالات زندگی ہیں - یہ رقعات مولوی سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی، سید افتخار حسین صاحب بی - اے، مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر، منشی شرف الدین احمد خاں صاحب، سر شیخ عبدالقادر کے نام ہیں - خطوں میں زیادہ تر بیماری اور مکروہات دنیا کا رونا ہے اور کوئی خط اس سے خالی نہیں تاہم اس میں ایک بات ہے - ظرافت یا زندہ دلی کا نام نہیں جو ان کی نظم میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے—

شاھد معنی

(مجموعۂ کلام حضرت باسط بسوانی مرتبہ قاضی ظہیرالدین احمد ظہیر بسوانی۔
قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھہ آنے، غیر مجلد ایک روپیہ چار آنے)

اِس مجموعے میں حضرت باسط کی مختلف نظمیں شامل ہیں۔کچھہ حمدونعت میں ہیں کچھہ دینی اور اخلاقی ہیں اور کچھہ مشاھدات فطرت اور حسن و عشق کے متعلق ہیں - حضرت باسط ایک مشاق شاعر ہیں اور اپنے خیالات کے ادا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں - اس مجموعے میں بعض نظمیں پڑھنے کے قابل ہیں مثلاً روزہ، انوکھی لوری، خطاب گل بہ گلچیں وغیرہ جن میں شاعر نے اپنے دلی جذبات اور خیالات بڑی خوبی سے ادا کئے ہیں —

عروس غربت

(مولفہ ایم - اسلم - نسیم بک ڈپو، بارود خانہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چار آنے)

یہ فرانس کے نامور شاعر اور ناول نویس وکٹرہیوگو کے ایک بے مثل اور مشہور ناول " لے مزرابلی " کا مختصر خلاصہ ہے - مؤلف نے بڑی خوبی سے اس کا خلاصہ کیا ہے

جس سے قصے کا سلسلہ قائم رہا ہے۔ قصہ پر اثر ہے اور بہت دلاویز عبارت میں لکھا گیا ہے۔ محمد دین تاثیر صاحب ایم - اے نے شروع میں ایک تمہید بھی لکھی ہے - اگرچہ اصل ناول ایک اور ہی چیز ہے تاہم یہ خلاصہ بھی عام طور پر پڑھنے کے لئے بہت خوب ہے اور لڑکے لڑکیاں مرد عورت بلا تامل اسے پڑھ سکتے ہیں - اس میں تین تصویریں بھی ہیں جو لاہور کے مشہور مصور چغتائی صاحب کے قلم کا نتیجہ ہیں—

جیبی فہرست کتب، اُردو گشتی کتب خانہ

(مرتبہ مولوی فضل الله صاحب بی - اے، مہتمم و بانی کتب خانہ)

مولوی فضل الله صاحب کی ہمت پر آفریں ہے کہ انہوں نے بڑے ایثار سے کام لیکر حیدر آباد میں ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اُردو کتابوں کا مطالعہ آسان کرنا اور بتدریج ایک عظیم الشان خالص اُردو کتب خانہ قائم کرنا ہے - افسوس ہے کہ آمدنی سے اس کا خرچ بڑھا ہوا ہے - اُمید ہے کہ حیدرآباد کے صاحب ثروت اور ذی علم اصحاب اس کی مدد کریں گے - چندہ صرف ایک روپیہ سالانہ ہے - اگر اس کے ارکان کی تعداد میں ہی کافی اضافہ ہوجائے تو اس کا خرچ نکل سکتا ہے - یہ اُس گشتی کتب خانے کی جیبی فہرست ہے - فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر فن اور علم کی کتابیں موجود ہیں اور مطالعہ کے شوقین اس سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں—

رنگ زمانہ

(مصنفہ منشی برج بھوکن لال صاحب، محب دریا بادی - قیمت دس آنے)

منشی صاحب اُن پرانے اور وضعدار لوگوں میں سے ہیں جو اپنی تہذیب و شائستگی، اپنے ادب آداب اور اپنے اطوار اور طریقوں کے عاشق ہیں - وہ نئی چیزوں اور نئے فیشنوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اپنی قدیم تہذیب کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر اُن کا دل کُڑھتا ہے - " رنگ زمانہ " میں (جو اُن کے کلام کا مجموعہ ہے) منشی صاحب نے

نئی چیزوں کی خوب ہلسی اُڑائی ہے اور ظرافت کے پیرائے میں خوب خوب خبر لی ہے۔ منشی صاحب کا سارا کلام ظریفانہ ہے ' جس کا اکثر حصہ اودھ پنچ میں شایع ہوچکا ہے یہ اکبر مرحوم کے مذہب کے پیرو ہیں - جو کچھہ لکھا ہے بہت غنیمت ہے اور دلچسپ ہے اور کہوں نہو کہ منشی صاحب شاعری کی گھاتوں سے واقف اور پرانے مشاق ہیں —

بچّوں کے پڑھنے کی کتابیں

ہماری زبان میں بچّوں کے پڑھنے کی کتابوں کی بہت کمی ہے - اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچّوں کے لئے کتابیں لکھنا نہایت دشوار ہے - بچّوں کی طبیعتوں کا سمجھنا ' اُن کی دلچسپی اور شوق کا دریافت کرنا ' پھر ایسے مضامین کا جمع کرنا اور ان کا ایسے الفاظ اور عبارت میں ادا کرنا جسے بچّہ آسانی سے سمجھہ سکے اور ادائے مضمون کا ایسا اسلوب اختیار کرنا جسے وہ شوق سے پڑھے' بہت ہی مشکل بات ہے-جس قدر بچّہ چھوٹا ہوگا اُسی قدر اُس کے لئے کوئی کتاب لکھنا دشوار ہوگا - لیکن یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہمارے اہل قلم آج کل اس طرف متوجہ ہیں اور اس کمی کے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - حال ہی میں ہمارے پاس نومی کتب خانہ (اسکاؤٹس اون ایجنسی) ریلوے روڈ لاہور نیز دارالاشاعت پنجاب لاہور کی طرف سے ایک خاصی تعداد ایسی کتابوں کی وصول ہوئی ہے جو چھوٹے اور بڑے بچّوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہیں- بعض کتابیں ان میں سے درحقیقت نہایت عمدہ ہیں - ان کتابوں کی تفصیل یہ ہے —

۱-ننھی کتاب ۲-منی کتاب ۳-دلاری کتاب ۴-پیاری کتاب

یہ چار کتابیں سید امتیاز علی صاحب تاج ' بی- اے کی لکھی ہوئی ہیں- یہ کتابیں بے مثل ہیں - چھپائی' لکھائی ' کاغذ بہت اچھا ہے - تصویریں بہت خوبصورت ہیں - مضمون اور کہانیاں ایسی دلچسپ ہیں کہ بچّہ شوق سے پڑھے - اسلوب بیان بھی آسان اور بہت ہی دلکش ہے - ہم مؤلف کو مبارک باد دیتے ہیں کہ یہ کام انہوں نے ایسا کیا ہے کہ اس کی جتنی داد دی جاے کم - یہ کتابیں دارالاشاعت پنجاب لاہور سے شایع ہوئی ہیں —

اِسی دارالاشاعت سے اُردو کا قاعدہ ' اُردو کی پہلی کتاب ' اُردو کی دوسری کتاب اور اُردو کی تیسری کتاب شایع ہوئی ہے - قاعدے میں کسی قسم کی بھی سہولت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی - البتہ پہلی ' دوسری اور تیسری کتابیں اچھی ہیں اور مبتدیوں کے لئے مفید ہیں —

پارس

(لڑکوں کے لئے دلچسپ کہانیاں) اس کے چار حصے ہیں اور اس کے لکھنے والے مشہور فسانہ نویس سدرشن صاحب ہیں - کہانیوں کا بہت اچھا مجموعہ ہے —

بچوں کے لئے مہابھارت اور بچوں کے لئے راماین

یہ دونوں کتابیں بھی سدرشن صاحب نے تیار کی ہیں ان میں مہابھارت اور راماین کے قصوں کو بہت آسان زبان میں بچوں کے لئے لکھا ہے —

دنیا کے عجائبات

اس میں دنیا کی عجیب و غریب عمارتوں اور آثار کا ذکر ہے - اس کے مولف بھی سدرشن صاحب ہیں —

رستم و سہراب

اس میں سدرشن صاحب نے رستم و سہراب کا قصہ لکھا ہے —

امرت — پھول وتی — سدابہار پھول

ان تینوں کتابوں میں سدرشن صاحب نے دلچسپ اور اخلاقی کہانیاں جمع کردی ہیں —

شہید کربلا

شہادت کربلا کا حال دلچسپ عبارت میں شیخ محمد اکرم اور مرزا محمد سعید صاحب نے لکھا ہے —

شہر، شہری اور شہریت

اِس مختصر رسالہ میں شہریت کے متعلق آسان اور ابتدائی سبق ہیں —

موتیوں کی مالا۔ نعیم پچیسی

یہ دونوں کتابیں محمد اسمٰعیل صاحب کی تالیف ہیں - ان میں بہت سی دلچسپ کہانیاں ہیں —

سنہری گیت

(از وجاہت حسین صاحب وجاہت) اور

بچوں کے گیت

(محمد اسمٰعیل صاحب)

ان دونوں میں چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں—

اُما

(مصنفہ بابو کیھروڈ چندر چترجی)

گدھے کی سرگزشت

(مترجمہ محمد اسمٰعیل صاحب)

حجاب زندگی اور دیگر افسانے

(عابد صاحب)

زرداد

(احمد شجاع صاحب کے تاریخی قصے)

یہ سب قصے اور فسانے لڑکوں لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل ہیں —

اُردو کی آسان گرامر

(دو حصے)

منازل الترجمہ

(انگریزی اُردو ترجمے کی کتاب)

مخزن فارسی

(فارسی قواعد) یہ تعلیمی کتابیں ہیں -اور طلبہ کے لئے مفید ہیں —

مراۃ الاخلاق - مخزن ادب

(مرزا محمد سعید صاحب اور شیخ محمد اکرم صاحب) پہلی کتاب میں اخلاقی اور معاشرتی مضامین ہیں - دوسری میں ادبی مضامین کا انتخاب ہے —

———: ۞ :———

*

اخلاق و مذہب

ہندو اخلاقیات

[مصنفہ جے - اے چنداور کر' بی - اے ' ایم- آر - اے- ایس قیمت ایک روپیہ بارہ آنے]

مسٹر جے - اے چنداورکر مشہور مصنف ہیں اور یہ کتاب اُنہوں نے بڑی محنت اور غور سے لکھی ہے - ایشیا اخلاق و مذہب کا مخزن ہے ' خاص کر ہندؤں نے انسان کی روحانیت اور اعمال پر جو غور و فکر کیا ہے وہ انسانی دماغ اور تخیل کا بہترین نتیجہ ہے- فاضل مصنف نے اس کا نچوڑ اس مختصر رسالے میں اس خوبی سے جمع کردیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہندؤں کے اخلاقی نظام پر کافی عبور ہوجاتا ہے- کیونکہ اس میں ویدوں' اپنشدوں' ہندو فلسفے کے چھہ- مذہبوں' منو ' والمیکی' مہابھارت' چانکیا' شنکراچاریہ' بھگوت گیتا' بھرتری ہری' بودہ ' ہندو رشیوں کے اصول اخلاق نہایت خوبی سے بیان کئے گئے ہیں اور ہر مذہب و ملت کا شخص اسے پڑہ کر فائدہ حاصل کرسکتا ہے - لایق مصنف قابل مبارکباد ہیں - اُردو ترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب نے بہت شگفتہ اور با محاورہ کیا ہے —

برہان

[از تصنیف جناب خواجہ مولوی محمد عبدالحی فاروقی صاحب ' اُستاد تفسیر و ناظم دیلیات جامعۂ ملیہ اسلامیہ دھلی - قیمت ایک روپیہ]

یہ مولانا کی تفسیر قرآن کا ایک حصہ ہے یعنے اس میں سورۃالنور کی مبسوط تفسیر ہے - اس سے قبل اس تفسیر کے متعدد حصے شایع ہوچکے ہیں اُسی ڈھنگ پر یہ حصہ بھی لکھا گیا ہے - مولانا کی تفسیر اِس عہد کے لحاظ سے ایک بے مثل کتاب ہے- بیان بھی بہت صاف اور سلجھا ہوا ہے اور تمام مسائل اس خوبی سے اور حکیمانہ طرز میں بیان کئے ہیں کہ پڑھنے میں لطف آتا ہے اور بصیرت پیدا ہوتی ہے —

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکٹری انجمن ترقی اُردو اورجناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے—

(۱) " عطاے سلیم "

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جاے گا -

(۲) " عطاے عبدالحق "

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا ، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی—

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا- اورہرسال کے اخیر مہینے میں دوحضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کرکے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا-انعام کی اہلیت کافیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعـــ

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ—

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیٰن کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قرآنی حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ—

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے- قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں- قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ—

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم‌الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق‌النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم‌المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے- مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - اینٹرنس کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں‌گے- قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذھبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی، مفرد ومرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اورعلمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اُردو میں بعض اوربھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے- اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل- بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد- اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب‌الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ‌تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت‌تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا کے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد دھای روپیہ —

قاموس المشاھیر

جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردیئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھ روپیہ' جلد دوم چھ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدھ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

مقتل فریب مغربی معمل خانے

طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل موقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت ' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرکے ہر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ' دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ' اور اب خاص اہتمام کے ساتھہ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے - حضرت مہر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر' سہل' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجاے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے' کاغذ بہت عمدہ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc.; Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے ناگزیر ہے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈائٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جو میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے-

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی‌بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھہ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسدالله غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ' اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس‌العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس‌العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی رپو رٹ اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ- مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' ہر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاریانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دھلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے-

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے ' گھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چین

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے چنگیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالمورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور متقدمین اُردو کے صحیح حالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے - قابل قیمت ہے - قیمت قسم اول دو روپیہ ' قسم دوم ایک روپیہ آٹھ آنہ -

تذکرۃ العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنہوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض ملفوظات و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے : قیمت ۶ آنہ —

مشکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے قدیمی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو "کوئن" کہا جاتا ہے ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلبائے تاریخ و تذکرہ کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس اللہ صاحب قیمت ۹ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و لاثانی شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر عالمانہ

قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۶ آنہ —

طہران مضوت (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھایا ہے ' مرتضیٰ مشفق' کاظمی - تہران فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ —

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا' قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑھ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی' سخاوت' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)		کلیات شبلی	ڈیڑھ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	انقلاب الامم	۲ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۶ روپیہ	برکلے	ڈیڑھ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	مکالمات برکلے	ڈیڑھ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ	مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
علم الکلام	۲ روپیہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
الکلام	۱ روپیہ	سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ

قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

روح الاجتماع	۲ روپیه
ابن رشد	۴ روپیه
کل رضا	۵ روپیه
سیرالانصار	۳ روپیه ۸ آنه
شعرالهند مجلد	۵ روپیه
شعرالهند غیر مجلد	۴ روپیه

(مطبع کاویانی برلن)

تهاتر (فارسی)	۲ روپیه ۸ انه
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)	۲ روپیه ۸ آنه
نصاب الصبیان (فارسی)	۱ روپیه
رهنمای پسران (فارسی)	۱ روپیه ۸ آنه
تلغراف بی سیم (فارسی)	۱ روپیه
هزار و یک سخن (فارسی)	۱۱ آنه

(جامعه ملیه دلي)

الخلافت الکبری	۵ روپیه
الصراط المستقیم	۲ روپیه
بصائر	۶ آنه
سیرة الرسول	ڈیڑھ روپیه
خلافت راشده	۲ روپیه
خلافت بنی امیه	ڈیڑھ روپیه
خلافت عباسیه	۲ روپیه
خلافت عباسیهٔ بغداد	۳ روپیه
مبادی معاشیات	۱ روپیه
انتخاب کلام مهر (از نورالرحمن صاحب)	۱ روپیه
قواعد عربي	۲ روپیه
عرض جوهر	۸ آنه
مجموعهٔ کلام جوهر	۶ آنه
اسلامی تهذیب و تمدنی تعلیم	۴ آنه
ازهارالعرب (عربی)	۸ آنه
انتخاب مضامین جوهر	۱ روپیه
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنه
خطبهٔ شیخ الهند	۲ آنه
خطبه حکیم اجمل خاں صاحب	۲ آنه
همارے نبی	۸ آنه
تاریخ هند قدیم	۱ روپیه
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۱۲ آنه

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاهیر جلد اول	۶ روپیه
قاموس المشاهیر جلد دوم	۶ روپیه
نکات غالب مجلد	۱ روپیه
دیوان غالب مشرح مجلد	۲ روپیه ۸ آنه
دیوان جان صاحب مجلد	ڈیڑھ روپیه
دیوان درد	۱ روپیه ۴ آنه
دیوان غالب (لائبریري ایڈیشن)	ڈیڑھ روپیه
خطوط سر سید قسم اول	۳ روپیه
خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپیه
لیتهو گرافی مجلد	۲ روپیه ۸ آنه
انتخاب زرین مجلد	۲ روپیه
مراثی انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپیه
مراثی انیس جلد دوم قسم اول	۸ روپیه
قسم دوم	۴ روپیه
قصائد ذوق	۳ روپیه

(دائرهٔ ادبیه - لکهنؤ)

یادگار غالب مجلد	۳ روپیه
مکاتیب امیر مینائی	۲ روپیه ۸ آنه

(نوٹ) کل قیمتیں سکهٔ انگریزی میں هیں۔

مکاتیب اکبر	۱ روپیه
میدانِ سخن	۱ روپیه
حزن اختر	۸ آنه
درس عمل	۴ آنه
خواتین انکورا	۱ روپیه
بیگمات بنگال	۶ آنه
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنه
مشرقی ترکستان	۶ آنه
سیاحت زمین	۱ روپیه
سیاحت هوا	۱ روپیه

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فلسفیانه مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیه ۸ آنه
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیه
موازنهٔ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیه
مقدمهٔ شعر شاعری	۱ روپیه ۴ آنه
اصول النسخ	۶ آنه
مسلمانان اندلس	۱ روپیه
اسرار رنگون	۱ روپیه
هوم رول	۵ آنه
خوان دعوت	۱ روپیه
مصنوعی شوهر	۲ آنه
و کرم عروسی	۱ روپیه ۸ آنه
مسلمانوں کی تهذیب	۶ آنه
الاحسان	۸ آنه
ارض نهریں	۴ آنه
تذکرهٔ حزین	۴ آنه
حیات نظامی	۴ آنه
خطاب	۴ آنه

میلاد نبوی	۴ آنه
تصویر درد	۴ آنه
شمع و شاعر	۲ آنه
فریاد اُمت	۳ آنه

(دارالاشاعت پنجاب - لاهور)

صبح زندگی	۱ روپیه ۸ آنه
شام زندگی	۱ روپیه ۴ آنه
شب زندگی هر دو حصه	۲ روپیه ۴ آنه
منازل السائره	۱ روپیه
سنجوگ	۱۰ آنه
جواهر قدامت	۱ روپیه ۸ آنه
تحفهٔ سائنس	۲ روپیه ۸ آنه
مشاهیر هند	۲ روپیه ۸ آنه
نیلی چھتری	۱ روپیه ۴ آنه
بهرام کی گرفتاری	۱ روپیه
اختر النسا بیگم	۱ روپیه ۸ آنه
روشنک بیگم	۲ روپیه
رانی کرونارت	۱ آنه
رسوم دهلی	۴ آنه ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیه ۸ آنه
ایام غدر	۱ روپیه ۴ آنه
نقش فرنگ	۱ روپیه ۴ آنه
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیه
پریم بتیسی حصه اول	۱ روپیه ۸ آنه
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیه
نعمت خانه	۱ روپیه ۴ آنه
چندن هار	۲آنه
انمول موتي	۱ آنه ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنه

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گوہر مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواءالسبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی	۸ آنہ
دلچسند کہانیاں	۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنہ
(تصانیف نورالہی و مصدر صاحبان)	
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ
ناٹک ساگر [یعنی دنیاے ڈرما کی تاریخ] مجلد	۳ روپیہ

تین ٹوپیاں	۸ آنہ
ظفر کی موت	۴ آنہ
قزاق	۸ آنہ
بگڑے دل	۸ آنہ
(دوسری قابل قدر کتابیں)	
رسائل شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ	۵ آنہ
بشریٰ	۶ آنہ
زکریٰ	۱۰ آنہ
سیرالمصنفین	۲ روپیہ
جہاں آرا بیگم	۸ آنہ

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کسی قیمت کے تہہ کی جائینگی - اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھا ئینگے —

دیگر مقاموں کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں، ان کی قیمتوں میں کسی نہیں کی جاسکتی —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے—

اِن معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)